رہنمائے اساتذہ

مطالعۂ قرآنِ حکیم

برائے طلباء وطالبات

حصّہ پنجم

اس رہنمائے اساتذہ میں کیا موجود ہے۔۔۔!!!

عمومی معاونتی و معلوماتی مواد:

- اساتذہ کے لئے عمومی تدریسی ہدایات
- قرآنِ حکیم ---(تلاوت کی اہمیت، معلومات، تجوید، فہم قرآن)
- رہنمائے اساتذہ سے بھرپور استفادہ کے لئے چند اہم ہدایات
- مطالعۂ قرآنِ حکیم کے حصول کا طریقہ کار اور درخواست فارم
- اسباق کی منصوبہ بندی (Lesson Planning)
- معروف علماء کرام اور ماہرینِ تعلیم کے تاثرات
- جائزہ فارم (Course Coverage Form)
- مطالعۂ قرآنِ حکیم کے مکمل نصاب کی تفصیل

خصوصی تدریسی وتربیتی مواد:

- آیت بہ آیت سوالاً جواباً تشریحی نکات
- ربطِ سورت
- سائنسی تحقیق اور تاریخی پس منظر
- قرآن حکیم کی آیات اور احادیث مبارکہ کے ذریعہ وضاحت
- یومیہ اسباق کا طریقۂ تدریس
- مشقوں کے جوابات
- قرآنِ حکیم کے علمی، عملی اور فکری پہلو
- مقاصدِ مطالعہ
- عملی سرگرمیاں
- آیات کا شانِ نزول

”رہنمائے اساتذہ برائے مطالعۂ قرآنِ حکیم“ کے شائع شُدہ حصّوں کی اشاعت کی تفصیلات:

- حصّہ اوّل .... طبع اوّل تا پنجم۔ ۲۰۱۵ء تا ۲۰۱۸ء۔کل تعداد: ۲۷۰۰۰
- طبع جدید .... جولائی ۲۰۱۹ء۔تعداد: ۵۰۰۰
- حصّہ دوم .... طبع اوّل تا چہارم۔ ۲۰۱۵ء تا ۲۰۱۹ء۔کل تعداد: ۹۰۰۰
- طبع جدید .... جولائی ۲۰۱۹ء۔تعداد: ۵۰۰۰
- حصّہ سوم .... طبع اوّل تا سوم۔ ۲۰۱۵ء تا ۲۰۱۹ء۔کل تعداد: ۶۰۰۰
- طبع جدید .... جولائی ۲۰۱۹ء۔تعداد: ۴۰۰۰
- حصّہ چہارم .... طبع اوّل تا دوم۔ ۲۰۱۸ء تا ۲۰۱۹ء۔کل تعداد: ۴۰۰۰
- طبع جدید .... جولائی ۲۰۱۹ء۔تعداد: ۱۰۰۰
- حصّہ پنجم .... طبع اوّل۔جولائی ۲۰۱۹ء۔کل تعداد: ۳۰۰۰

زیرِ اہتمام .... شعبہ تصنیف و تالیف۔ قرآن پروگرام (دی علم فاؤنڈیشن)

پتہ .... ۶۳/۳، بلاک نمبر ۳، دہلی مرکنٹائل کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی،

پوسٹ کوڈ ۷۴۸۰۰، کراچی، پاکستان

فون نمبر .... ۳۴۳۰۴۴۵۰، ۳۴۳۰۴۴۵۱ (۲۱-۹۲+)

موبائل نمبر ۰۳۳۵-۳۳۹۹۹۲۹

ای میل .... info@tif.edu.pk/ tif1430@gmail.com

ویب سائٹ .... www.tif.edu.pk

عرضِ ناشر

اللہ ﷻ کے فضل و کرم سے انتہائی ذمہ داری کے ساتھ ہر ممکن کوشش کی گئی ہے کہ مطالعۂ قرآنِ حکیم کے نصاب کی تمام تر کوتاہیوں سے پاک بہترین اشاعت کا اہتمام ہو۔ تاہم خدانخواستہ دورانِ طباعت اعراب، جلد بندی یا دیگر کوئی کوتاہی جو سہواً ہو گئی ہو آپ کی نظر سے گزرے تو ادارہ کو مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ کی اشاعت میں اسے درست کیا جا سکے۔

یہ کتاب رضائے الٰہی کی خاطر بلاہدیہ فراہم کی جاتی ہے۔

نصاب "مطالعۂ قرآنِ حکیم" کے بارے میں معروف علماء کرام اور ماہرین تعلیم کے تاثرات سے اقتباسات

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب (صدر جامعہ دار العلوم کراچی، چیئرمین شریعہ کونسل بحرین)

اس کتاب کا مقصد اسکول کے بچوں اور بچیوں کو قرآن کریم سے مناسبت پیدا کرنا اور اس کی بنیادی تعلیمات اور واقعات آسان زبان اور اسلوب میں پیش کرنا ہے، کتاب کی ورق گردانی سے اندازہ ہوا کہ بحیثیتِ مجموعی یہ کتاب اس مقصد میں کامیاب ہے، اور بچوں کی ذہنی سطح کو سامنے رکھتے ہوئے انہیں مفید معلومات آسانی کے ساتھ فراہم کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو بچوں کیلئے نافع بنائے۔

مفتی منیب الرحمٰن صاحب (صدر تنظیم المدارس، مہتمم دار العلوم نعیمیہ کراچی)

ان کتابوں میں منتخب انبیاءِ کرام علیہم السلام کی سوانح کو دل نشین اور سہل انداز میں ترتیب دیا گیا ہے۔ طلبہ میں اصلاحِ نفس (Self-Reform) اور احتسابِ ذات (Self-Accountability) کا شعور پیدا کرنے کے لئے "ہم نے کیا سمجھا؟" کے عنوان سے خود اپنا جائزہ لینے کے لئے تربیت کا اہتمام کیا گیا ہے۔ بحیثیتِ مجموعی یہ ایک قابلِ قدر اور قابلِ تحسین کاوش ہے۔ یہ سارا سلسلہ ادارے کے مُؤسسین کے اخلاص اور دینی جذبے کا مظہر ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس کاوش کو ماجور فرمائے، اِس کے فیض کو دوام اور قبولِ عام نصیب فرمائے۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب (چیئرمین متحدہ علماء بورڈ، چیف خطیب خیبر پختونخوا)

عموماً قرآن کا ترجمہ، تفسیر لکھنا یا بیان کرنا اپنی حساسیت (Sensitivity) کے باوجود نسبتاً آسان کام ہے، لیکن اس سے کورس کی کتاب بنانا اور ٹیکسٹ بُک کی شکل دینا بڑا دل گردے کا اور کٹھن کام ہے اور یہی مشکل کام دی علم فاؤنڈیشن کراچی نے انجام دیا ہے کہ پورے قرآن کو مختلف سیریز میں تقسیم کر کے طلبہ کی صلاحیتوں کے مطابق اسے مرتب کیا ہے اور پھر اسے نصاب کی کتاب بنا کر اسکولوں کے طلبہ کے لئے انتہائی آسان کر دیا گیا ہے۔

اس لئے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ نصاب اپنی مثال آپ ہے۔ یہ بات انتہائی اطمینان کا باعث ہے کہ اس کے تیار کرنے میں تمام مکاتبِ فکر کے جیّد علماء اور مفسرین کرام کی کاوشوں سے بھرپور مدد لی گئی ہے اور یوں اسے تمام مکاتبِ فکر کے لئے قابلِ قبول بنا دیا گیا ہے۔ اس نصاب کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کہیں بھی فرقہ واریت یا کسی قسم کی عصبیت کی بُو تک نہیں پائی جاتی بلکہ قرآن کی آفاقی دعوت کو محور بنایا گیا ہے۔ اس سے یہ اُمید پیدا ہو گئی ہے کہ ہمارے بچے اور بچیاں اس نصاب کو پڑھ کر ہر قسم کے لسانی، گروہی، نسلی، قومی، علاقائی اور مذہبی فرقہ بندیوں سے آزاد ہو کر خالص قرآن و سنت کے ذریعے اپنے آفاقی دین "اسلام" کا فہم حاصل کر سکیں گے۔ گویا یہ نصاب فرقوں اور گروہوں میں تقسیم اس اُمت کو ایک بار پھر واحد بنانے کے لئے واحد اُمید کی حیثیت رکھتا ہے۔

مولانا محمد مظفر شیرازی صاحب (فاضل اسلامک یونیورسٹی مدینہ منورہ، وائس چانسلر جامعہ عمر بن عبد العزیز الاسلامیہ سیالکوٹ)

یہ نصاب سلیس اور سہل ہے۔ چھوٹی عمر کے طلبہ کے لئے نہایت مفید اور آسان ہے۔ بعض آیات کے ساتھ دیئے ہوئے نقشہ جات کی وجہ سے طلبہ کے لئے انتہائی دلچسپ ہے۔ طلبہ کی ذہنی استعداد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ترتیب دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہستی پاک قرآنِ کریم کے لئے آپ کی خدمات جلیلہ کو شرف قبولیت سے نوازے اور آپ کی اس عمدہ کاوش کو دنیا میں باعث برکت اور آخرت میں باعث نجات بنائے۔ آمین

ڈاکٹر محمد محسن نقوی صاحب (ماہر تعلیم)

الحمد للہ! زیر نظر سلسلۂ کتب ہمارے برادران دینی علماء و فضلاء نے ترتیب دیا ہے۔ جدید اسلوب کے ذریعہ قرآنِ مجید کے مختلف مقامات کا مطالعہ، اس کی زبان و بیان کی تشریح، حلّ مطالب، تمرینات، شگفتہ بیانی نیز تعقید سے پاک اسلوب اس کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس سلسلۂ کتب کے مصنفین، مرتبین، حسن افزائی کے ذمہ دار حضرات اور ناشرین کی مساعیٔ جمیلہ کو قبول فرمائے اور طالبانِ قرآن کو اس سلسلۂ کتب سے بھرپور استفادے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

مولانا محمد سیف البر سکر گاہی صاحب (فاضل وفاق المدارس العربیہ، مرکزی ناظم اعلیٰ ٹرسٹ جمیعت تعلیم القرآن)

دی علم فاؤنڈیشن نے اکابرین کی تفاسیر وتراجم کو سامنے رکھتے ہوئے خاص طور پر اسکولز کے طلبہ کیلئے جو نصاب ترتیب دیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اسباق کا حاصل، تمارین اور گھریلو سرگرمیاں وغیرہ متعلمین ومتعلمات کیلئے انتہائی مفید ثابت ہونگی ان شاءاللہ۔ امید واثق ہے کہ یہ نصاب فہمِ قرآن حکیم کیلئے انتہائی مؤثر کردار ادا کریگا۔ اس میں سب سے زیادہ خاص بات یہ ہے کہ جملہ نصاب میں ان اُمور اور تشریحات کو بیان کرنے کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے جن میں عموماً سب کا اتفاق پایا جاتا ہے۔ جس سے بچوں کا یہ ذہن بنے گا کہ ہمارا دین اختلافات کا مجموعہ نہیں ہے اس طرح قربتوں کو فروغ ملے گا اور جو فاصلے بلکہ خلیجیں مسلمانوں کے درمیان پیدا ہوگئی ہیں وہ رفتہ رفتہ کم ہو جائیں گی (ان شاءاللہ تعالیٰ) دل وجان سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دی علم فاؤنڈیشن کے جملہ ذمہ داران کی خدمات اور کاوشوں کو قبول فرمائے اور دنیا اور آخرت کی کامیابیوں سے ہمکنار فرمائے اور ادارے کو خوب ترقی عطا فرمائے۔ (آمین)

مولانا حکیم محمد مظہر صاحب (مہتمم جامعہ اشرف المدارس کراچی)

اس کتاب میں بچوں کی ذہنی سطح کو سامنے رکھتے ہوئے قرآنی آیات کا ترجمہ عام فہم انداز میں پیش کیا گیا ہے، مجموعی لحاظ سے یہ کتاب بہت مفید ہے۔ اس کتاب کا مقصد اسکول کے بچوں اور بچیوں کو قرآن کریم سے مناسبت پیدا کرنا اور اس کی بنیادی تعلیم سے آگاہ کرنا ہے۔ یہ اپنے مقصد میں کامیاب ثابت ہوگی ان شاءاللہ۔

شیخ الحدیث مولانا مفتی عطاء الرحمن صاحب (مہتمم جامعہ مدنیہ بہاولپور)

قرآنِ کریم ہی مسلمانوں کی دنیاوی اور اخروی فلاح وبہبود کا واحد ضامن ہے۔ افسوسناک صورتِ حال یہ ہے کہ جس قوم کو یہ کتاب عطا کی گئی وہی آج اس کتاب سے بیگانہ اور انجان نظر آتی ہے۔ دین بیزاری اور مغربیت کی چکا چوند کے اس دور میں بعض اہلِ دل ایسے بھی ہیں جو قرآنِ کریم کی تعلیمات کو سہل سے سہل انداز میں ڈھال کر گھر گھر پہنچانے کی سعی کر رہے ہیں۔ انہی باہمت لوگوں میں دی علم فاؤنڈیشن کے اصحاب بھی ہیں۔ جنہوں نے ماشاءاللہ علماء کرام کی زیرِ نگرانی سکول اور کالج کی درس گاہوں کے لئے انتہائی آسان اور جدید طرزِ تدریس سے ہم آہنگ مطالعہ ٔ قرآنِ حکیم کا نصاب تشکیل دیا ہے۔ مجموعی طور پر نصاب اپنی ترتیب اور انتخابِ مضامین کے لحاظ سے بہترین ہے۔ دی علم فاؤنڈیشن کے تمام رفقاء کار اس خدمت کے لئے مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اللہ ﷻ ان حضرات کی مساعی کو قبولیت سے نوازے اور امت کو تادیر ان سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

جسٹس دوست محمد خان صاحب (جسٹس سپریم کورٹ آف پاکستان)

"مطالعہ قرآنِ حکیم برائے طلباء وطالبات" کا نصاب اسلامی اقدار کی نشو نما میں گراں قدر خدمت ہے جو قابل ستائش ہے کیونکہ قرآنی علوم اوج ثریا اور دل بینا عطا کرتے ہیں۔ دی علم فاونڈیشن کی طرف سے یہ کوشش دوسرے تدریسی اداروں کو بھی رہنمائی مہیا کرے گی۔ اس کا مطالعہ جاں گداز ہے۔ بصارت کے ساتھ بصیرت کو اجاگر کرنے والا ہے تاکہ قوم کے معماروں کا مستقبل تاریکی سے پرے رہے۔ اللہ آپ کو سلامت اور خوش رکھے۔

مولانا ڈاکٹر قاری محمد ضیاء الرحمٰن صاحب (چیئر مین القرآن ایجوکیشن ٹرسٹ، انچارج فیصل مسجد اسلام آباد)

دی علم فاؤنڈیشن کا مرتب کردہ نصاب مطالعۂ قرآن حکیم برائے طلباء وطالبات پاکستان کے لاکھوں عصری ودینی تعلیمی اداروں کے طلبہ کے علم وعمل، کردار واخلاق اور فکری نشو ونما کے لئے سنگ میل کا کام دے گا۔ جس کے ذریعہ ہم نہ صرف اپنی کھوئی ہوئی اخلاق قدروں اور گم کردہ قائدانہ مقام سے آشنا ہوں گے بلکہ پورے عالم انسانیت کے لئے مؤثر اور مفید ثابت ہونگے، مطالعۂ قرآن حکیم کورس کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ ہر طرح کی فرقہ ورانہ سوچ سے بلند تر اور اتحادِ امت کا ترجمان ہے۔

ونگ کمانڈر ڈاکٹر مولانا ضمیر اختر خان صاحب (ڈائریکٹر شعبہ امورِ دینیہ۔ پاکستان فضائیہ، فاضل علوم اسلامیہ)

دی علم فاؤنڈیشن نے عصری تعلیمی اداروں کے لئے مطالعۂ قرآن حکیم کا نصاب ترتیب دے کر ملت اسلامیہ پاکستان کی خاص طور پر اور امت مسلمہ کی عام طور پر خدمت کا عظیم فریضہ ادا کیا ہے۔ دی علم فاؤنڈیشن کا بڑا کارنامہ (Herculean Task) پورے قرآن مجید فرقان حمید پر محیط ان کتب کی ترتیب وتدوین ہے۔

Prof. Dr. Masoom Yasinzai **(Rector International Islamic University-Islamabad)**

Its very impressive work on Quranic teachings 'Mutalae Quran-e- Hakeem'.I am greatly impressed by the ILM Foundation approach for introducing Quranic teaching with the help of stories of prophets and from the grass root level. Surely, ILM Foundation work will make a sustainable impact on the lives of future generations in their personal lives as practicing Muslims and in the society at large.

دی سیٹیزن فاؤنڈیشن (شعبۂ نصاب)

مختلف رنگوں کا استعمال بچوں کے لئے بہت interactive ہے اور قرآن فہمی میں معاون ہے۔ اس کتاب کی مشقیں بہت اچھی ہیں۔ اس نصاب میں کوئی ایسا مواد نہیں جس سے طلباء وطالبات میں انتہا پسندی پیدا ہو رہی ہو۔ نصابِ قرآن بچوں کی اخلاقی تربیت میں بھی بہت معاون ہے۔ بحیثیت مجموعی بہت اچھی کاوش ہے یقیناً اس کے اچھے نتائج سامنے آئیں گے۔

مفتی محمد قمر الحسن صاحب (استاد الحدیث جامعہ حمادیہ، شرعیہ ایڈوائزر ٹرسٹ جمیعت تعلیم القرآن، ایڈوکیٹ ہائی کورٹ)

طلباوطالبات میں اسلامی کردار و تشخص اور ایمانی جذبہ و قوت پیدا کرنے کے لئے اس میں جو محنت کی گئی ہے اس کو دیکھ کر بے اختیار زبان سے آفرین کے الفاظ نکل گئے۔ ہر سورت کے شروع میں اس کا مقصد اور جاندار خلاصہ کا پیش کرنا بڑا مفید ہے۔ ''علم و عمل کی باتیں'' کے عنوان قرآنِ حکیم کی فکری اور عملی ہدایت سے آگاہی دلانے کا طریقہ بھی نہایت مؤثر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو دین کی اشاعت اور جذبہ ایمانی کا ذریعہ بنا دیا ہے۔

قاری سید علی عابد نقوی صاحب (اعزازی مشیر اسلامی نظریاتی کونسل، منتظم اعلیٰ امامیہ دارالتجوید، بین الاقوامی قصر قرآنِ پروجیکٹ اسلام آباد)

مجھے انتہائی خوشی ہوئی کہ ادارہ نے مسلکی اختلافات سے پرہیز کرتے ہوئے طلباء وطالبات میں حقیقی قرآنی روح سے آگاہ کرنے کا بہترین اہتمام کیا ہے۔ میں اس عمل کو قابل تحسین قرار دیتا ہوں۔ وزارتِ مذہبی امور سے چالیس سال سے مربوط ہوں۔ علم فاؤنڈیشن کے افراد ادارہ میں ملازمت نہیں بلکہ نظریاتی بنیادوں پر کام کررہے ہیں۔ موجودہ پر اشوب دور میں علم فاؤنڈیشن کا قرآنی حوالے سے کام بہت بلند ہے۔ جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔

مفتی محمد منظور علی خان قادری حنفی صاحب (فاضل علوم شرقیہ، خطیب اعلیٰ غوثیہ مسجد، گلشن حدید کراچی)

پانچویں کلاس سے دسویں کلاس کے بچوں کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کے قرآنی واقعات پر مشتمل جو نصاب پیش کیا گیا ہے یہ بچوں کے لئے بہت مفید ثابت ہوگا۔ اس ترجمہ میں کسی مقام پر مجھے کوئی غلطی یا بے ادبی نظر نہیں آئی۔ یہ ترجمہ مسلک اہلسنت کے مطابق بالکل درست ہے۔ اس وقت اس کام کے لئے جو لوگ جانی اور مالی تعاون کررہے ہیں وہ لائق تحسین ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے۔

Muhammad Rafique Tahir **(Joint Education Adviser, Ministry of Federal Education Govt of Pakistan)**

The ILM Foundation has devised the Holy Quran Urdu translation books / course consists of seven parts. The Ministry of Federal Education & Professional Training has constituted a committee which consist of representatives of Ittehad Tanzeemat-ul-Madaris Pakistan to reach consensus regarding translation of the Holy Quran and Teachers Guide. The process of review is going on successfully. The council of Islamic Ideology has also highly appreciated this effort and suggested to form an Ulema Committee for providing guidelines.

The Ministry of Federal Education and Professional Training too appreciate the efforts of The ILM Foundation and term it as an excellent support towards the implementation of Compulsory Teaching of the Holy Quran Act 2017.

نوٹ: الحمدللہ مذکورہ بالا علماء کرام اور معزز شخصیات کے علاوہ بھی دیگر تعلیمی اداروں کے سربراہان، علماء کرام اور ماہرین تعلیم نے اپنے قیمتی تاثرات سے نوازا ہے۔

تلاوت اور ترجمہ قرآن کے چند آداب

۱۔ پاک صاف اور باوضو ہو کر قرآنِ حکیم کی تلاوت کرنی چاہیئے۔

۲۔ تلاوت شروع کرنے سے پہلے تعوذ (اَعُوْذُ بِاللّٰهِ) اور تسمیہ (بِسْمِ اللّٰهِ) پڑھنی چاہیئے۔

۳۔ تجوید کے ساتھ تلاوت کی کوشش کرنی چاہیئے۔

۴۔ تلاوت کرتے ہوئے رب العالمین اور اس کے کلام کی عظمت بھی دل میں موجود ہونی چاہیئے۔

۵۔ تلاوت آہستہ اور بلند آواز سے کی جاسکتی ہے۔ البتہ یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ بلند آواز تلاوت سے کسی کے کام یا آرام میں خلل نہ ہو۔

۶۔ سجدۂ تلاوت والی آیت پر سجدہ ادا کرنا چاہیئے۔

۷۔ جب کوئی دوسرا تلاوت کر رہا ہو تو اسے خاموشی اور توجہ سے سننا چاہیئے۔

۸۔ ترجمہ اور تشریحات کے مطالعہ کے وقت خوب غور و فکر کرنا چاہیئے تاکہ آیات کا مفہوم اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔

۹۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت واطاعت کے جذبہ سے سرشار ہو کر احکام دین سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کی نیت سے قرآنِ حکیم کا بغور مطالعہ کرنا چاہیئے۔

۱۰۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی عظمت ورفعت اور جنت وخوشخبری والی آیات کا ترجمہ پڑھتے وقت اظہار خوشی اور شکر کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے جنت کی دعا مانگنی چاہیئے۔

۱۱۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے غضب، جہنم اور اس کے عذاب والی آیات کا ترجمہ پڑھتے وقت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا خوف رکھتے ہوئے جہنم کے عذاب سے نجات کی دعا مانگنی چاہیئے۔

۱۲۔ تلاوت کے آخر میں اپنی، اپنے والدین، اساتذہ، مرحومین اور پوری امت مسلمہ کی سلامتی، بھلائی اور مغفرت کے لئے دعا مانگنی چاہیئے۔

طلبہ کے لئے اہم ہدایات

تمام طلباء وطالبات اس نصاب کے مطالعہ کے دوران درج ذیل باتوں کو خاص طور پر ذہن نشین رکھیں۔

۱۔ مطالعۂ قرآنِ حکیم کی کتاب کے ادب اور حفاظت کا بھرپور انتظام کریں اور اس کی جلد بندی بھی کروائیں یہ خیال کرتے ہوئے کہ آپ آئندہ بھی اس سے استفادہ کرتے رہیں گے۔

۲۔ مطالعۂ قرآنِ حکیم میں پیش کیئے گئے ترجمہ کا انتخاب بہت سے علماء کرام اور بزرگانِ دین کے معروف تراجم سے کیا گیا ہے۔ اس حوالہ سے ان معزز شخصیات کی عظیم جدوجہد اور بے لوث خدمات کی ہمیں قدر کرنی چاہیئے اور انہیں اپنا محسن سمجھنا چاہیئے اور ان حضرات کو بھی خراج تحسین پیش کرنا چاہیۓ جنھوں نے اس نصاب کو خوب سے خوب تر بنانے کے لئے محض اخلاص کی بنیاد پر یہ کام کیا۔

۳۔ اس نصاب میں قرآنِ حکیم کے ترجمہ اور اس کی بنیادی تعلیمات سے آگاہی فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ دینی مسائل اور قرآنِ حکیم کے احکامات کی تفصیل جاننے کے لئے علماء کرام سے رجوع کرنا چاہیئے۔

۴۔ اس نصاب کا ایک اہم مقصد قرآنِ حکیم کے بنیادی پیغام اور ہدایات سے طلبہ کو واقف کرانا ہے۔ البتہ اس مطالعہ کے نتیجہ میں اپنے آپ کو اس قابل سمجھنا کہ ہم خود قرآنِ حکیم سے مسائل اور احکامات اخذ کر سکتے ہیں اور ہمیں اہل علم سے کچھ سیکھنے کی ضرورت نہیں، ہرگز صحیح نہیں ہے۔

۵۔ قرآن حکیم کے مطالعہ کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ اور سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ بھی بہت ضروری ہے کیونکہ قرآنی احکامات اور تعلیمات کی وضاحت آپ ﷺ نے اپنے قول اور عمل کے ذریعہ فرمائی۔ گویا قرآنِ حکیم کی عملی وضاحت آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے میسر آئے گی۔ اس سلسلہ میں اپنے اساتذہ کرام اور اہل علم سے رہنمائی لیتے رہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فہرست مضامین

نمبر شمار	سبق	صفحہ نمبر
۱	ابتدائی کلمات	
۲	”رہنمائے اساتذہ برائے مطالعۂ قرآنِ حکیم“ کی خصوصیات	
۳	اساتذہ کے لئے عمومی تدریسی ہدایات	
۴	اسباق کی منصوبہ بندی (Lesson Planning)	
۵	نصاب کا جائزہ فارم (Course Coverage Form)	
۶	سُوۡرَۃُ الۡاَنۡعَام	
۷	سُوۡرَۃُ الۡاَعۡرَاف	
۸	سُوۡرَۃُ یُوۡنُس	
۹	سُوۡرَۃُ ھُوۡد	
۱۰	سُوۡرَۃُ الرَّعۡد	
۱۱	سُوۡرَۃُ اِبۡرٰهِیۡم	
۱۲	سُوۡرَۃُ الۡحِجۡر	
۱۳	سُوۡرَۃُ النَّحۡل	
۱۴	سُوۡرَۃُ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡل	
۱۵	سُوۡرَۃُ الۡکَهۡف	
۱۶	سُوۡرَۃُ الۡمُؤۡمِنُوۡن	
۱۷	سُوۡرَۃُ الزُّمَر	
۱۸	سُوۡرَۃُ الۡمُؤۡمِن	
۱۹	سُوۡرَۃُ حٰمٓ السَّجۡدَة	
۲۰	سُوۡرَۃُ الشُّوۡرٰی	
۲۱	مشقوں کے جوابات	
۲۲	مطالعۂ قرآنِ حکیم (حصّہ پنجم) میں شامل سورتوں (سُوۡرَۃُ الۡاَنۡعَام تا سُوۡرَۃُ الشُّوۡرٰی) کے مقاصدِ مطالعہ	

ابتدائی کلمات

الحمدللہ "دی علم فاؤنڈیشن" کے زیرِ اہتمام طلبہ کی قرآنی تعلیمات سے آگاہی کے لئے ۲۰۱۰ء سے ایک جامع نصاب "مطالعۂ قرآنِ حکیم برائے طلباء وطالبات" مرتب کیا گیا ہے۔ اس نصاب سے سینکڑوں تعلیمی اداروں میں دولاکھ سے زائد طلبہ استفادہ کر رہے ہیں جن کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ "مطالعہ قرآنِ حکیم" کے بارے میں الحمدللہ پاکستان بھر کے مختلف تعلیمی اداروں سے بہت حوصلہ افزا نتائج موصول ہو رہے ہیں جو محض اللہ ﷻ کا فضل اور اساتذہ کرام کے اخلاص اور محنت کا نتیجہ ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا "مجھے معلّم بنا کر بھیجا گیا ہے۔" (سنن دارمی) اس حدیثِ مبارکہ کے مطابق وہ تمام اساتذہ قابلِ صد افتخار ہیں جو تدریس سے وابستہ ہیں۔ انہیں نبی کریم ﷺ سے اس منصب کی نسبت حاصل ہے جس کا ذکر نبی کریم ﷺ نے خود فرمایا۔ پھر یہ منصب اور زیادہ عزت و افتخار کا باعث ہو جاتا ہے جب یہ تدریس قرآنِ حکیم کے حوالہ سے ہو۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا "تم میں سے بہترین وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں۔" (صحیح بخاری) ایک اور حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ ﷻ تمہارے ہاتھ پر (یعنی تمہارے ذریعہ) کسی ایک آدمی کو بھی ہدایت دے دیں، تو یہ تمہارے لئے اس ساری کائنات سے بہتر ہے، جس پر آفتاب طلوع اور غروب ہوتا ہے۔" (طبرانی)

تاہم جہاں فریضۂ تدریس کے فضائل و درجات بلند ہیں وہیں اس کی ذمّہ داری اور حساسیت بھی بہت زیادہ ہے۔ پھر "مطالعۂ قرآنِ حکیم" کے حوالہ سے یہ ذمّہ داری اور حساسیت مزید بڑھ جاتی ہے کیوں کہ قرآنِ حکیم ایک مکمل ضابطۂ حیات عطا کرتا ہے اور اس نصاب کا طلبہ کی کردار سازی سے بھی گہرا تعلق ہے۔ پھر خود اساتذہ کرام طلبہ کے لئے عملی نمونے بھی ہوتے ہیں۔ لہٰذا اساتذہ کے لئے بہت ضروری ہے کہ وہ خود بھی قرآنِ حکیم، احادیث مبارکہ، سیرت النبی ﷺ اور دینی اسلامی کتب کا باقاعدہ مطالعہ کریں۔ نیز خود اسلامی تعلیمات کا عملی نمونہ بن کر طلبہ کی تربیت اور کردار سازی کے اہم فریضہ کو سرانجام دے کر اجر عظیم کی سعادت حاصل کریں۔

"مطالعۂ قرآنِ حکیم برائے طلباء و طالبات" کی موئثر تدریس کے حوالہ سے ہر حصّہ کے لئے انتہائی تحقیق کے ساتھ ۳۰ سے زائد تراجم و تفاسیر کی روشنی میں "رہنمائے اساتذہ برائے مطالعۂ قرآنِ حکیم" مرتب کیا گیا ہے۔ اساتذہ "مطالعۂ قرآنِ حکیم" کی تدریس کے دوران اس سے ضرور استفادہ کریں اور دورانِ تدریس مندرجہ ذیل باتوں کو پیشِ نظر رکھیں تاکہ "رہنمائے اساتذہ برائے مطالعہ قرآن حکیم" سے بھرپور معاونت حاصل کر کے موئثر انداز سے "مطالعہ قرآن حکیم" کی تدریس کا اہتمام ہو سکے۔

"مطالعۂ قرآنِ حکیم" اور "رہنمائے اساتذہ" موصول ہونے کے بعد دونوں کتب کا مکمل جائزہ لے لیں تاکہ اس نصاب کی ضرورت، اہمیت اور مقصد واضح ہو جائے۔ آئندہ کی تمام منصوبہ بندی اور تدریسی عمل میں یہ جائزہ معاون ہوگا۔ ان شاء اللہ

- رہنمائے اساتذہ میں دی گئی "عمومی تدریسی ہدایات" اور "عمومی پوچھے جانے والے سوالات" کے ایک ایک نکتہ کا بغور مطالعہ فرمائیں اوراگر اس ضمن میں مزید کوئی سوال ہو تو اسے نوٹ فرما کر ادارہ سے رابطہ فرمائیں۔
- اسباق کی منصوبہ بندی کا جائزہ لینے کے بعد اپنی سہولت کے مطابق اپنے اسکول کے نظام الاوقات کو مدنظر رکھتے ہوئے سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ بنیاد کے ساتھ ساتھ روزانہ کے سبق کی بھی منصوبہ بندی کرلیں کہ کسی مکمل یا جُزوی سبق کے لئے کتنا وقت دستیاب ہو گا۔
- ہر سبق کو پڑھانے سے پہلے اس سے متعلقہ مواد کو ضرور پڑھ لیں۔ مثلاً قرآنی متن کی تلاوت اور درست ادائیگی کی مشق وغیرہ۔ املا اور تلفظ کی اصلاح کے لئے لغت (ڈکشنری) سے استفادہ کریں۔
- دورانِ تدریس ہر سبق کے متعین کردہ "مقاصدِ مطالعہ "کو خاص طور پر پیشِ نظر رکھیں تاکہ سبق کے اختتام پر طلبہ کو اس سبق کا وہ فہم حاصل ہو جس کا "مقاصدِ مطالعہ "میں ذکر کیا گیا ہے۔
- ہر سبق سے متعلقہ آیات کی تشریحات اور وضاحت "رہنمائے اساتذہ "میں دیئے گئے نکات تک ہی محدود رکھیں جو کہ الحمدللہ کئی معروف تفاسیر سے ماخوذ ہیں۔
- سورتوں کا باہمی رَبط اچھی طرح جان لیں۔ اس میں کوئی مزید نکتہ شامل کرنا ہو تو وہ بھی پہلے سے نوٹ کر کے رکھیں تاکہ وقت کا ضیاع نہ ہو اور تدریسی عمل کی روانی برقرار رہے۔
- ہر سورت یا قصہ کی تدریس سے قبل طلبہ سے سوال وجواب کے ذریعہ متعلقہ سبق کے بارے میں بحیثیت مجموعی معلومات اور فہم کا جائزہ ضرور لے لیں تاکہ ان کی ذہنی سطح اور فہم کو سامنے رکھتے ہوئے بہتر انداز میں اس سبق کی مزید وضاحت ان کے سامنے کی جاسکے۔
- آیات کی تشریحات میں دیئے گئے سوالات طلبہ سے خود کریں۔ اگر وہ مطلوبہ جواب نہ دے سکیں تو "رہنمائے اساتذہ "میں دیئے گئے جواب انہیں بتائیں۔ سوال وجواب کمرۂ جماعت میں طلبہ کے سامنے "رہنمائے اساتذہ "سے پڑھنے سے بچنے کا اہتمام کریں اور متعلقہ سبق کی آیات کے سوالات وجوابات کا پہلے سے مطالعہ فرمائیں۔
- مشقوں کے جوابات طلبہ ہی سے حل کرائیں جائیں نہ کہ خود ہی سوالوں کے جوابات پہلے سے دے دیئے جائیں۔
- تمام اسباق کے اختتام پر دلچسپ عملی سرگرمیاں دی گئی ہیں۔ سرگرمیوں کے حل کے لئے کچھ معاون نکات بھی دیئے گئے ہیں تاکہ اساتذہ کے لئے آسانی رہے۔ ان سرگرمیوں میں طلبہ سے کرائے گئے کاموں کو نمایاں کریں تاکہ ان کی حوصلہ افزائی ہو۔

ہم امید کرتے ہیں کہ "مطالعۂ قرآنِ حکیم "کی مؤثر تدریس میں یہ "رہنمائے اساتذہ "بہت معاون ثابت ہو گا اور اس کے حوصلہ افزا نتائج سامنے آئیں گے۔ ان شاءاللہ

”رہنمائے اساتذہ برائے مطالعہ ٔقرآنِ حکیم“ کی خصوصیات

۱۔ اساتذہ کی تدریسی معاونت کے لئے **”عمومی تدریسی ہدایات“** وضاحت کے ساتھ دی گئی ہیں۔ جن کی ویڈیو ریکارڈنگ بھی موجود ہے۔

۲۔ اساتذہ کی سہولت کے لئے مطالعہ ٔقرآنِ حکیم کے ہر حصّہ کے **”اسباق کی منصوبہ بندی“** (Lesson Planning) کی گئی ہے۔

۳۔ نصاب کی تدریس کا وقتاً فوقتاً جائزہ لینے اور مشاورت کے لئے **”نصاب کا جائزہ فارم“** (Course Coverage Form) بھی دیا گیا ہے۔

۴۔ ہر قصہ اور سورت کی تدریس کے حوالہ سے اسباق کی وضاحت کے لئے **”طریقہ ٔتدریس“** بتایا گیا ہے تاکہ اساتذہ کو روزانہ کی بنیاد پر اسباق کے تعین میں کوئی دشواری نہ ہو۔

۵۔ قصّوں اور سورتوں کے مطالعہ کے بعد متعلقہ اسباق کے بارے میں طلبہ کے فہم اور استعداد کا جائزہ لینے کے لئے اسباق کے **”مقاصدِ مطالعہ“** متعین کیئے گئے ہیں۔

۶۔ سورتوں کے مضامین کے مطابق **”ربطِ سورت“** کے نام سے سورتوں کا باہمی ربط بھی بیان کیا گیا ہے تاکہ سورتوں کا باہمی تعلق اور تسلسل سمجھنا آسان ہو۔

۷۔ ہر قصّہ اور سورت کے **”آیت بہ آیت تشریحی نکات“** سوال وجواب کی صورت میں دیئے گئے ہیں۔

۸۔ آیات کے مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے ان سے حاصل ہونے والی عملی باتوں کو **”عملی پہلو“** کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔

۹۔ آیات کی تشریحات میں **”قرآنِ حکیم کے دیگر مقامات“** کے حوالہ جات بھی دیئے گئے تاکہ متعلقہ بات قرآنِ حکیم کی روشنی میں زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان ہو جائے۔

۱۰۔ آیات کی وضاحت میں **”احادیث مبارکہ“** کے حوالہ جات بھی دیئے گئے ہیں تاکہ قرآنِ حکیم کے ساتھ ساتھ حدیث مبارکہ کی ضرورت واہمیت بھی واضح ہو اور قرآنی احکامات کی عملی شکل بھی واضح ہو سکے۔

۱۱۔ آیاتِ قرآنی میں بیان کی گئی تاریخی، سائنسی، معاشی، معاشرتی اور علمی باتوں کو **”نوٹ“** کے عنوان سے واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں مزید مطالعہ کے لئے **”انٹرنیٹ کے لنکس“** بھی دیئے گئے ہیں۔

۱۲۔ آیاتِ قرآنی کے مضامین کے مطابق بعض عنوانات پر **”خصوصی نوٹ“** بھی دیئے گئے ہیں۔ مثلاً زمین، بادل، بارش، میٹھا پانی وغیرہ

۱۳۔ اساتذہ کی آسانی کے لئے **”مشقوں کے جوابات“** بھی دیئے گئے ہیں۔

۱۴۔ طلبہ کی ذہنی سطح اور دلچسپی کو مدّ نظر رکھتے ہوئے ہر سورت اور قصہ کے متعلق مزید **”عملی سرگرمیاں“** بھی دی گئی ہیں۔

۱۵۔ نصاب مطالعہ ٔ قرآنِ حکیم کے حوالہ سے **”عمومی پوچھے جانے والے سوالات“**(FAQs) کے تسلی بخش جوابات دیئے گئے ہیں۔ الحمدللہ ان کی ویڈیو ریکارڈنگ بھی موجود ہے۔

۱۶۔ اساتذہ کی معاونت کے لئے مطالعہ ٔقرآنِ حکیم برائے طلباء وطالبات کے سالانہ امتحان کے لئے **”ماڈل پیپر“** بھی دیا گیا ہے۔

۱۷۔ ”رہنمائے اساتذہ برائے مطالعہ ٔقرآنِ حکیم“ کو مرتب کرنے میں خصوصی طور پر اہتمام کیا گیا ہے کہ **مسلکی اختلافات کے بیان سے گریز** کیا جائے اور ان ہی اُمور اور تشریحات کو بیان کیا جائے جن پر عموماً سب کا اتفاق پایا جاتا ہے۔

۱۸۔ ”رہنمائے اساتذہ“ کو مرتب کرنے میں **علماء کرام، حفّاظِ کرام، اساتذہ کرام اور والدین کی مشاورت** اور نظر ثانی سے استفادہ کیا گیا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اساتذہ کی رہنمائی کے لئے تدریسی ہدایات

تدریسی ہدایات کا مقصد

الحمد للہ دی علم فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام طلباء و طالبات کے لئے مطالعہ ٔقرآن حکیم کا جو نصاب تیار کیا گیا ہے اس کی تدریس کے حوالے سے کچھ گزارشات اور ہدایات اساتذہ کرام کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہیں۔ اگر اساتذہ کرام ان ہدایات کا خیال رکھیں گے تو ان شاء اللہ بہت بہتر طریقے پر اس نصاب کی تدریس کا عمل آگے بڑھ سکے گا۔ امید ہے اس طرح اس نصاب کے بنیادی مقاصد بھی حاصل ہو سکیں گے یعنی قرآنی تعلیمات کو سمجھنا، یاد رکھنا اور عملی زندگی میں قرآنی ہدایات پر عمل کرنا آسان ہو جائے گا، ان شاء اللہ۔

اساتذہ کرام تدریس کے دوران مندرجہ ذیل باتوں کو مدّ نظر رکھیں۔

1. سبق کے دوران عربی متن ضرور پڑھایا جائے لیکن یہ یاد رہے کہ یہ نصاب فہم قرآن کے حوالہ سے تیار کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس نصاب کے مطالعہ کے دوران فہم قرآن ہی پر توجہ دی جائے۔ اس نصاب کے لئے مختص کیا ہوا وقت تجوید کے قواعد سکھانے، مشق کروانے وغیرہ میں نہ صرف کیا جائے۔
2. اس نصاب کو رٹانا مقصود نہیں بلکہ ذہن نشین کرانا مقصود ہے۔
3. عربی متن کے ساتھ ترجمہ پڑھایا جائے۔ اور ترجمہ پر خاص توجہ دیتے ہوئے اسے بار بار دہرایا جائے۔ تاکہ بچوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ آگاہی حاصل ہو اور وہ اس کو سمجھ سکیں۔
4. عربی متن کی تلاوت کے دوران یہ خیال رکھا جائے کہ الفاظ کی ادائیگی درست ہو اور اگر اساتذہ کی اس لحاظ سے کوئی کمزوری ہے تو ایسے طلباء و طالبات سے تلاوت کرائی جائے جن کی تجوید درست ہو۔
5. رنگوں کے استعمال کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جو رنگ عربی متن کا ہے اتنا ہی ترجمہ پڑھایا جائے تاکہ طلباء کسی حد تک عربی سے بھی واقفیت حاصل کر سکیں اور اس کا ذوق و شوق پیدا ہو۔ لیکن یہ ذہن میں رہے کہ عربی گرامر سکھانا اس نصاب کا مقصود نہیں۔
6. جہاں تک ممکن ہو سکے اساتذہ خود بھی باوضو ہوں اور طلباء کو بھی اس کا پابند بنائیں تاکہ پاکیزگی اور طہارت کے ساتھ اس فریضہ کو سرانجام دیا جائے اور روحانی برکات کا حصول بھی ہو۔
7. خواتین اساتذہ کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ مخصوص ایام میں مکمل آیت کی تلاوت کرنے کے بجائے الفاظ کو توڑ توڑ کر علیحدہ علیحدہ پڑھیں کیونکہ اس کی گنجائش دی گئی ہے۔ مثلاً اَلۡحَمۡدُ۔۔۔لِلّٰہِ۔۔۔رَبِّ۔۔۔الۡعٰلَمِیۡنَ
8. "نکات برائے اساتذہ" میں بعض مقامات پر آیات کی تشریح میں اضافی مواد صرف اساتذہ کی معلومات کے لئے دیا گیا ہے لہٰذا وہ طلباء کی ذہنی سطح کو مدّ نظر رکھتے ہوئے صرف ضروری تشریحات ہی انہیں سمجھائیں۔
9. رہنمائے اساتذہ میں دیئے گئے نکات سادہ صفحات پر بچوں کی ذہنی سطح کے مطابق درج کروائیں۔
10. مطالعہ ٔقرآنِ حکیم کے نصاب کے "اسباق کی منصوبہ بندی" عمومی انداز میں اس طرح کی گئی ہے کہ حصہ اول کے لئے ایک کلاس میں عربی متن والا ایک صفحہ تجویز کیا گیا ہے اور ایک کلاس "علم و عمل کی باتوں اور مشق" کے لئے رکھی گئی ہے۔ لیکن اساتذہ اپنے اسکول کے

نظام الاوقات، اپنی مرضی اور سہولت کے مطابق اسباق کی ترتیب اور مقدار میں تبدیلی لا سکتے ہیں۔

11. حصہ اول کے لئے ہفتہ وار کم سے کم دو اور دیگر حصوں کے لئے کم سے کم تین کلاس رکھ دی جائیں تو بہت ہی آسانی سے یہ نصاب مکمل ہو سکتا ہے۔

12. بعض سورتوں میں ہو سکتا ہے کم وقت درکار ہو لہذا جہاں مناسب سمجھیں وہ وقت دوسری سورتوں اور قصوں میں زیادہ استعمال کر سکتے ہیں۔لہذا پہلے سے اس کی منصوبہ بندی کر لیں۔

13. فقہی بحثوں اور اختلافی مسائل کے بیان سے خود بھی گریز کریں اور بچوں کو بھی اس سے دور رکھیں تاکہ ان میں اُلجھنے اور وقت ضائع کرنے کے بجائے بامقصد باتوں کی طرف توجہ ہو۔

14. اختلافی مسائل کے بیان سے کیسے گریز کیا جائے جبکہ طلباء پوچھ رہے ہوں؟

15. "علم و عمل کی باتیں" وضاحت کے ساتھ بچوں کو سمجھائی جائیں اور مذاکرہ کے ذریعے ان کو ذہن نشین کرائی جائیں۔

16. بچوں کو اخلاقیات کیسے سکھائیں؟

17. انبیاء کرام علیہم السلام کے قصّوں کو عام فہم انداز میں کہانی کی صورت میں پڑھایا جائے تاکہ بچوں میں دلچسپی پیدا ہو۔

18. طلباء سے مختلف سوالات، کوئز پروگرام اور مقابلوں کے ذریعے ان میں قرآن فہمی کی دلچسپی پیدا کی جاسکتی ہے۔

19. "سمجھیں اور حل کریں" بچوں کو گھر کے کام (Home work) کے طور پر دیں تاکہ ان کی قرآن فہمی کا اندازہ ہو اور بعد میں کلاس میں خود حل کرائیں۔

20. اساتذہ آیات کی تشریحات رہنمائے اساتذہ میں دیئے گئے نکات تک محدود رکھیں یا پھر معتبر تفاسیر سے رجوع کریں۔ غیر مصدقہ مواد سے پرہیز کریں۔

21. "مطالعۂ قرآن حکیم" کی تدریس کے دوران بچوں کی عملی تربیت پر خصوصی توجہ دی جائے اور وقتاً فوقتاً اس کا جائزہ لیتے رہیں۔

22. تدریس کے دوران پیش آنے والے تجربات اور مفید باتوں کو نوٹ فرمائیں اور دی علم فاؤنڈیشن کو آگاہ فرمائیں۔

23. اگرچہ مشکل الفاظ سے حتی الامکان اجتناب کیا گیا ہے تاہم اگر دورانِ تدریس طلباء کو کوئی لفظ مشکل لگے یا اساتذہ کوئی متبادل لفظ تجویز کرنا چاہیں تو اس کی نشاندہی فرمائیں۔

24. تدریس کے دوران پیش آنے والے مسائل اور مشکلات کے حل کے لئے دی علم فاؤنڈیشن سے رابطہ کریں۔

25. اساتذہ کی سالانہ کارکردگی کو جانچنے کے بعد حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

26. تمام اساتذہ ڈیمو کلاس اور تعارفی ویڈیو بھی ضرور دیکھیں۔

27. FAQs (عمومی پوچھے جانے والے سوالات) پر مبنی ویڈیو بھی ضرور دیکھیں۔

28. تمام اساتذہ ماہانہ کارکردگی کا فارم ہر مہینے کے اختتام پر پُر کر کے رکھیں تاکہ رابطہ کرنے پر آسانی رہے۔

29. اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے خصوصی دعا اور اخلاص نیت کا اہتمام کریں۔

نوٹ: مندرجہ بالا نکات کی تفصیلی وضاحت حصّہ اوّل کے رہنمائے اساتذہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ یا ہماری ویب سائٹ www.tif.edu.pk سے ڈاؤن لوڈ کرلیں۔

نوٹ: "**اسباق کی منصوبہ بندی**" عمومی انداز میں اس طرح کی گئی ہے کہ ایک کلاس میں عربی متن والے دو صفحات تجویز کیئے گئے ہیں اور ایک کلاس "**علم وعمل کی باتوں اور مشق**" کے لئے رکھی گئی ہے۔لیکن اساتذہ اپنے اسکول کے نظام الاوقات، اپنی مرضی اور سہولت کے مطابق اسباق کی ترتیب اور مقدار میں تبدیلی لا سکتے ہیں۔

اسباق کی منصوبہ بندی (Lesson Planning)

نمبر شمار	عنوان سبق	تفصیل	
سبق نمبر۱	سُوْرَۃُ الْاَنْعَام (حصّہ اوّل)	شانِ نزول اور تعارف، قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۲	سُوْرَۃُ الْاَنْعَام (حصّہ اوّل)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۳	سُوْرَۃُ الْاَنْعَام (حصّہ اوّل)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۴	سُوْرَۃُ الْاَنْعَام (حصّہ اوّل)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۵	سُوْرَۃُ الْاَنْعَام (حصّہ اوّل)	علم وعمل کی باتیں اور ہم نے کیا سمجھا؟	
سبق نمبر۶	سُوْرَۃُ الْاَنْعَام (حصّہ دوم)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۷	سُوْرَۃُ الْاَنْعَام (حصّہ دوم)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۸	سُوْرَۃُ الْاَنْعَام (حصّہ دوم)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۹	سُوْرَۃُ الْاَنْعَام (حصّہ دوم)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۱۰	سُوْرَۃُ الْاَنْعَام (حصّہ دوم)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۱۱	سُوْرَۃُ الْاَنْعَام (حصّہ دوم)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۱۲	سُوْرَۃُ الْاَنْعَام (حصّہ دوم)	علم وعمل کی باتیں اور ہم نے کیا سمجھا؟	
سبق نمبر۱۳	سُوْرَۃُ الْاَعْرَاف (حصّہ اوّل)	شانِ نزول اور تعارف، قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۱۴	سُوْرَۃُ الْاَعْرَاف (حصّہ اوّل)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۱۵	سُوْرَۃُ الْاَعْرَاف (حصّہ اوّل)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۱۶	سُوْرَۃُ الْاَعْرَاف (حصّہ اوّل)	علم وعمل کی باتیں اور ہم نے کیا سمجھا؟	
سبق نمبر۱۷	قصہ اصحابِ سبت	مختصر خلاصہ	
سبق نمبر۱۸	سُوْرَۃُ الْاَعْرَاف (حصّہ دوم)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۱۹	سُوْرَۃُ الْاَعْرَاف (حصّہ دوم)	قرآنی متن اور ترجمہ	

سبق نمبر ۲۰	سُوْرَةُ الْاَعْرَاف (حصّہ دوم)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر ۲۱	سُوْرَةُ الْاَعْرَاف (حصّہ دوم)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر ۲۲	سُوْرَةُ الْاَعْرَاف (حصّہ دوم)	علم و عمل کی باتیں اور ہم نے کیا سمجھا؟	
سبق نمبر ۲۳	سُوْرَةُ یُوْنُس (حصّہ اوّل)	شانِ نزول اور تعارف، قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر ۲۴	سُوْرَةُ یُوْنُس (حصّہ اوّل)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر ۲۵	سُوْرَةُ یُوْنُس (حصّہ اوّل)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر ۲۶	سُوْرَةُ یُوْنُس (حصّہ اوّل)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر ۲۷	سُوْرَةُ یُوْنُس (حصّہ اوّل)	علم و عمل کی باتیں اور ہم نے کیا سمجھا؟	
سبق نمبر ۲۸	سُوْرَةُ یُوْنُس (حصّہ دوم)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر ۲۹	سُوْرَةُ یُوْنُس (حصّہ دوم)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر ۳۰	سُوْرَةُ یُوْنُس (حصّہ دوم)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر ۳۱	سُوْرَةُ یُوْنُس (حصّہ دوم)	علم و عمل کی باتیں اور ہم نے کیا سمجھا؟	
سبق نمبر ۳۲	سُوْرَةُ هُوْد	شانِ نزول اور تعارف، قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر ۳۳	سُوْرَةُ هُوْد	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر ۳۴	سُوْرَةُ هُوْد	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر ۳۵	سُوْرَةُ هُوْد	علم و عمل کی باتیں اور ہم نے کیا سمجھا؟	
سبق نمبر ۳۶	سُوْرَةُ الرَّعْد	شانِ نزول اور تعارف، قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر ۳۷	سُوْرَةُ الرَّعْد	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر ۳۸	سُوْرَةُ الرَّعْد	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر ۳۹	سُوْرَةُ الرَّعْد	علم و عمل کی باتیں اور ہم نے کیا سمجھا؟	
سبق نمبر ۴۰	سُوْرَةُ اِبْرَاهِيْم	شانِ نزول اور تعارف، قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر ۴۱	سُوْرَةُ اِبْرَاهِيْم	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر ۴۲	سُوْرَةُ اِبْرَاهِيْم	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر ۴۳	سُوْرَةُ اِبْرَاهِيْم	علم و عمل کی باتیں اور ہم نے کیا سمجھا؟	

سبق نمبر۴۴	سُوْرَۃُ الْحِجْر	شانِ نزول اور تعارف، قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۴۵	سُوْرَۃُ الْحِجْر	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۴۶	سُوْرَۃُ الْحِجْر	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۴۷	سُوْرَۃُ الْحِجْر	علم و عمل کی باتیں اور ہم نے کیا سمجھا؟	
سبق نمبر۴۸	سُوْرَۃُ النَّحل (حصّہ اوّل)	شانِ نزول اور تعارف، قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۴۹	سُوْرَۃُ النَّحل (حصّہ اوّل)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۵۰	سُوْرَۃُ النَّحل (حصّہ اوّل)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۵۱	سُوْرَۃُ النَّحل (حصّہ اوّل)	علم و عمل کی باتیں اور ہم نے کیا سمجھا؟	
سبق نمبر۵۲	سُوْرَۃُ النَّحل (حصّہ دوم)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۵۳	سُوْرَۃُ النَّحل (حصّہ دوم)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۵۴	سُوْرَۃُ النَّحل (حصّہ دوم)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۵۵	سُوْرَۃُ النَّحل (حصّہ دوم)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۵۶	سُوْرَۃُ النَّحل (حصّہ دوم)	علم و عمل کی باتیں اور ہم نے کیا سمجھا؟	
سبق نمبر۵۷	واقعۂ معراج	مختصر خلاصہ	
سبق نمبر۵۸	واقعۂ معراج	مختصر خلاصہ	
سبق نمبر۵۹	واقعۂ معراج	مختصر خلاصہ	
سبق نمبر۶۰	تاریخِ بنی اسرائیل	مختصر خلاصہ	
سبق نمبر۶۱	تاریخِ بنی اسرائیل	مختصر خلاصہ	
سبق نمبر۶۲	سُوْرَۃُ بَنِیۤ اِسْرَآءِیْل (حصّہ اوّل)	شانِ نزول اور تعارف، قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۶۳	سُوْرَۃُ بَنِیۤ اِسْرَآءِیْل (حصّہ اوّل)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۶۴	سُوْرَۃُ بَنِیۤ اِسْرَآءِیْل (حصّہ اوّل)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۶۵	سُوْرَۃُ بَنِیۤ اِسْرَآءِیْل (حصّہ اوّل)	علم و عمل کی باتیں اور ہم نے کیا سمجھا؟	
سبق نمبر۶۶	سُوْرَۃُ بَنِیۤ اِسْرَآءِیْل (حصّہ دوم)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۶۷	سُوْرَۃُ بَنِیۤ اِسْرَآءِیْل (حصّہ دوم)	قرآنی متن اور ترجمہ	

سبق نمبر ٦٨	سُوْرَۃُ بَنِیٓ اِسْرَآءِیْل (حصّہ دوم)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر ٦٩	سُوْرَۃُ بَنِیٓ اِسْرَآءِیْل (حصّہ دوم)	علم و عمل کی باتیں اور ہم نے کیا سمجھا؟	
سبق نمبر ٧٠	قصّہ اصحابِ کہف	مختصر خلاصہ	
سبق نمبر ٧١	قصّہ اصحابِ کہف	مختصر خلاصہ	
سبق نمبر ٧٢	باغ والے کا قصّہ	مختصر خلاصہ	
سبق نمبر ٧٣	سُوْرَۃُ الْکَھْف (حصّہ اوّل)	شانِ نزول اور تعارف، قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر ٧٤	سُوْرَۃُ الْکَھْف (حصّہ اوّل)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر ٧٥	سُوْرَۃُ الْکَھْف (حصّہ اوّل)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر ٧٦	سُوْرَۃُ الْکَھْف (حصّہ اوّل)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر ٧٧	سُوْرَۃُ الْکَھْف (حصّہ اوّل)	علم و عمل کی باتیں اور ہم نے کیا سمجھا؟	
سبق نمبر ٧٨	قصّہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام	مختصر خلاصہ	
سبق نمبر ٧٩	قصّہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام	مختصر خلاصہ	
سبق نمبر ٨٠	قصّہ ذوالقرنین	مختصر خلاصہ	
سبق نمبر ٨١	سُوْرَۃُ الْکَھْف (حصّہ دوم)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر ٨٢	سُوْرَۃُ الْکَھْف (حصّہ دوم)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر ٨٣	سُوْرَۃُ الْکَھْف (حصّہ دوم)	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر ٨٤	سُوْرَۃُ الْکَھْف (حصّہ دوم)	علم و عمل کی باتیں اور ہم نے کیا سمجھا؟	
سبق نمبر ٨٥	سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْن	شانِ نزول اور تعارف، قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر ٨٦	سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْن	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر ٨٧	سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْن	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر ٨٨	سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْن	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر ٨٩	سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْن	علم و عمل کی باتیں اور ہم نے کیا سمجھا؟	
سبق نمبر ٩٠	سُوْرَۃُ الزُّمَر	شانِ نزول اور تعارف، قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر ٩١	سُوْرَۃُ الزُّمَر	قرآنی متن اور ترجمہ	

سبق نمبر۹۲	سُوْرَۃُ الزُّمَر	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۹۳	سُوْرَۃُ الزُّمَر	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۹۴	سُوْرَۃُ الزُّمَر	علم و عمل کی باتیں اور ہم نے کیا سمجھا؟	
سبق نمبر۹۵	سُوْرَۃُ الْمُؤْمِن	شانِ نزول اور تعارف، قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۹۶	سُوْرَۃُ الْمُؤْمِن	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۹۷	سُوْرَۃُ الْمُؤْمِن	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۹۸	سُوْرَۃُ الْمُؤْمِن	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۹۹	سُوْرَۃُ الْمُؤْمِن	علم و عمل کی باتیں اور ہم نے کیا سمجھا؟	
سبق نمبر۱۰۰	سُوْرَۃُ حٰمٓ السَّجْدَۃ	شانِ نزول اور تعارف، قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۱۰۱	سُوْرَۃُ حٰمٓ السَّجْدَۃ	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۱۰۲	سُوْرَۃُ حٰمٓ السَّجْدَۃ	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۱۰۳	سُوْرَۃُ حٰمٓ السَّجْدَۃ	علم و عمل کی باتیں اور ہم نے کیا سمجھا؟	
سبق نمبر۱۰۴	سُوْرَۃُ الشُّوْرٰی	شانِ نزول اور تعارف، قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۱۰۵	سُوْرَۃُ الشُّوْرٰی	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۱۰۶	سُوْرَۃُ الشُّوْرٰی	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۱۰۷	سُوْرَۃُ الشُّوْرٰی	قرآنی متن اور ترجمہ	
سبق نمبر۱۰۸	سُوْرَۃُ الشُّوْرٰی	علم و عمل کی باتیں اور ہم نے کیا سمجھا؟	

The ILM Foundation (TIF)

Lesson Planning for Mutalae Quran-e-Hakeem Part-5

Chapter #	Chapter Name	Lessons Required	سبق
1	Surah Al-Anaam (Part-1)	5	سُوْرَةُ الْاَنْعَام (حصّہ اوّل)
2	Surah Al-Anaam (Part-2)	7	سُوْرَةُ الْاَنْعَام (حصّہ دوم)
3	Surah Al-Aaraaf (Part-1)	4	سُوْرَةُ الْاَعْرَاف (حصّہ اوّل)
4	Story of “Ashab-e-Sabt”	1	قصّہ اصحابِ سبت
5	Surah Al-Aaraaf (Part-2)	5	سُوْرَةُ الْاَعْرَاف (حصّہ دوم)
6	Surah Yunus (Part-1)	5	سُوْرَةُ يُوْنُس (حصّہ اوّل)
7	Surah Yunus (Part-2)	4	سُوْرَةُ يُوْنُس (حصّہ دوم)
8	Surah Hud	4	سُوْرَةُ هُوْد
9	Surah Ar-Raad	4	سُوْرَةُ الرَّعْد
10	Surah Ibrahim	4	سُوْرَةُ اِبْرَاهِيْم
11	Surah Al-Hijr	4	سُوْرَةُ الْحِجْر
12	Surah An-Nahl (Part-1)	4	سُوْرَةُ النَّحْل (حصّہ اوّل)
13	Surah An-Nahl (Part-2)	5	سُوْرَةُ النَّحْل (حصّہ دوم)
14	Story of “Mi'raj”	3	واقعۂ معراج
15	History of Bani Israil	2	تاریخِ بنی اسرائیل
16	Surah Bani Israel (Part-1)	4	سُوْرَةُ بَنِیْۤ اِسْرَآءِيْل (حصّہ اوّل)
17	Surah Bani Israel (Part-2)	4	سُوْرَةُ بَنِیْۤ اِسْرَآءِيْل (حصّہ دوم)
18	Story of “Ashab-e-Kahf”	2	قصّہ اصحابِ کہف
19	Story of “The People of the Garden”	1	باغ والے کا قصّہ
20	Surah Al-Kahf (Part-1)	5	سُوْرَةُ الْكَهْف (حصّہ اوّل)
21	Story of “Prophet Musa عليه السلام & Khizr عليه السلام”	2	قصّہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام
22	Story of “Zul Qarnain”	1	قصّہ ذوالقرنین
23	Surah Al-Kahf (Part-2)	4	سُوْرَةُ الْكَهْف (حصّہ دوم)
24	Surah Al-Muminun	5	سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْن
25	Surah Az-Zumar	5	سُوْرَةُ الزُّمَر
26	Surah Al-Mumin	5	سُوْرَةُ الْمُؤْمِن
27	Surah Hameem Sajda	4	سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَة
28	Surah Ash-Shuraa	5	سُوْرَةُ الشُّوْرٰى
Total Lessons		108	کُل اسباق

The ILM Foundation (TIF) دی علم فاؤنڈیشن

Course Coverage Form نصاب کی تکمیل کا جائزہ کا فارم

Mutalae Quran-e-Hakeem Part-5 مطالعہ قرآنِ حکیم۔ حصہ پنجم

School: ______________________ **Address:** ________________ **Branch:** ______ **Date:** ____________

Month: ______ نوٹ: راہنمائے اساتذہ میں دی گئی "Lesson Planning" کے مطابق پڑھائے گئے اسباق کی تعداد نیچے درج کیجیے۔

Chapter Nos.	Chapter	Classes								سبق
		III	IV	V	VI	VII	VIII	IX	X	
	No. of Students									طلباء وطالبات کی تعداد
1	Surah Al-Anaam (Part-1)									سُوْرَةُ الْاَنْعَام (حصّہ اوّل)
2	Surah Al-Anaam (Part-2)									سُوْرَةُ الْاَنْعَام (حصّہ دوم)
3	Surah Al-Aaraaf (Part-1)									سُوْرَةُ الْاَعْرَاف (حصّہ اوّل)
4	Story of “Ashab-e-Sabt”									قصّہ اصحابِ سبت
5	Surah Al-Aaraaf (Part-2)									سُوْرَةُ الْاَعْرَاف (حصّہ دوم)
6	Surah Yunus (Part-1)									سُوْرَةُ يُوْنُس (حصّہ اوّل)
7	Surah Yunus (Part-2)									سُوْرَةُ يُوْنُس (حصّہ دوم)
8	Surah Hud									سُوْرَةُ هُوْد
9	Surah Ar-Raad									سُوْرَةُ الرَّعْد
10	Surah Ibrahim									سُوْرَةُ اِبْرَاهِيْم
11	Surah Al-Hijr									سُوْرَةُ الْحِجْر
12	Surah An-Nahl (Part-1)									سُوْرَةُ النَّحْل (حصّہ اوّل)
13	Surah An-Nahl (Part-2)									سُوْرَةُ النَّحْل (حصّہ دوم)
14	Story of “Mi'raj”									واقعۂ معراج
15	History of Bani Israil									تاریخِ بنی اسرائیل
16	Surah Bani Israel (Part-1)									سُوْرَةُ بَنِیٓ اِسْرَآءِيْل (حصّہ اوّل)
17	Surah Bani Israel (Part-2)									سُوْرَةُ بَنِیٓ اِسْرَآءِيْل (حصّہ دوم)
18	Story of “Ashab-e-Kahf”									قصّہ اصحابِ کہف
19	Story of “The People of the Garden”									باغ والے کا قصّہ
20	Surah Al-Kahf (Part-1)									سُوْرَةُ الْكَهْف (حصّہ اوّل)
21	Story of “Prophet Mosa عليه السلام & Khizr عليه السلام”									قصّہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام
22	Story of “Zul Qarnain”									قصّہ ذوالقرنین
23	Surah Al-Kahf (Part-2)									سُوْرَةُ الْكَهْف (حصّہ دوم)
24	Surah Al-Muminun									سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْن
25	Surah Az-Zumar									سُوْرَةُ الزُّمَر
26	Surah Al-Mumin									سُوْرَةُ الْمُؤْمِن
27	Surah Hameem Sajda									سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَة
28	Surah Ash-Shuraa									سُوْرَةُ الشُّوْرٰى

Principal's Signature: ______________ **For Office Use:** ________________

سُوْرَةُ الْاَنْعَام (حصّہ اول)

مقاصدِ مطالعہ: اس سورت کے مطالعہ کے بعد طلبہ کو مندرجہ ذیل مضامین سے آگاہی حاصل ہونی چاہیئے:

1. آیات: ۱ تا ۶: اسلام کے بنیادی عقائد، وجودِ باری تعالیٰ اور توحید، اللہ ﷻ کی صفات، قدرت اور حاکمیت کے دلائل، حق کو جھٹلانے والوں اور پچھلی نافرمان قوموں کے انجام سے درس عبرت کا بیان۔
2. آیات: ۷ تا ۱۶: وحی اور ایمان بالرسالت پر مشرکین کے شبہات واعتراضات کے رد پر دلائل، اللہ ﷻ کی قدرتوں کا بیان، توکل علی اللہ کا ذکر۔
3. آیات: ۱۷ تا ۲۰: نفع ونقصان کا اختیار اللہ ﷻ کے پاس ہونے کا ذکر، نزول قرآن کا ایک مقصد عذاب سے خبردار کرنا۔
4. آیات: ۲۱ تا ۲۸: مشرکین کے ایمان لانے سے انکار کرنے کی وجوہات، قیامت کے روز عدالت الٰہی میں مشرکین سے سوال وجواب کی کیفیت اور مشرکین کی بدنصیبی کا ذکر۔
5. آیات: ۲۹ تا ۴۱: مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیئے جانے کی عقلی دلیل، قیامت کے دن اعمال کا حساب ہونے اور اعمال کی جزا ملنے پر دلائل، مشرکین کی مخالفت پر نبی کریم ﷺ کے لئے تسلی، دنیا کی بے ثباتی اور منکرین باری تعالیٰ کی ہدایت سے محرومی کا ذکر۔
6. آیات: ۴۲ تا ۵۰: کفار کو ڈھیل دے کر ان کی گرفت کرنے کا بیان، رسول اللہ ﷺ کی تسلی کے لئے سابقہ رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کے انجام کا ذکر، منکرین حق کے لئے عذاب کی وعید اور معجزہ طلب کرنے والے منکرین حق کے لئے جواب۔
7. آیات: ۵۱ تا ۶۰: کفار کو عذاب سے ڈرانے کی تلقین، مخلص اہل ایمان کی دلجوئی کی تاکید، آزمائش کی حکمت اور توبہ کی تاکید شرک کا رد اور توحید کا درس، غیب کے خزانوں اور اللہ ﷻ کے کمال علم وقدرت کا بیان۔
8. آیات: ۶۱ تا ۷۳: اللہ ﷻ عذاب دینے پر قادر اور مصائب سے بچانے والا، حق سے تمسخر کرنے والوں سے کنارہ کشی کا حکم، منکرین حق کو نصیحت کی تلقین، اللہ ﷻ کو پکارنے، نماز ادا کرنے اور تقویٰ کی تلقین۔

ربط سورت: سورۃ المائدہ میں یہود ونصاری کے باطل عقائد، اسلامی شریعت سے فرار اور ان پر اتمام حجت کا تذکرہ ہے اور سورۃ الانعام میں مشرکین مکہ کے شرکیہ عقائد کا بیان اور ان پر اتمام حجت کا ذکر ہے۔

سورۃ الانعام کی فضیلت: ا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ”سورۃ الانعام قرآن کی افضل سورتوں میں سے ایک سورت ہے۔“ (سنن دارمی)

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ”سورۃ الانعام مکمل ایک ہی رات میں نازل ہوئی۔ ستر ہزار فرشتے اللہ ﷻ کی تسبیح کرتے ہوئے اِسے لے کر نازل ہوئے“۔ (طبرانی)

علمی بات: اس سورت میں ”انعام“ یعنی چوپاؤں کے بعض احکام بیان فرمائے گئے ہیں اس لئے یہ سورت ”الانعام“ کہلاتی ہے۔ اس سورت میں احکام کا بیان کم ہے زیادہ تر توحید کے اصول اور دلائل بیان فرمائے گئے ہیں۔

آیت نمبر ۱: آیت کا موضوع عقیدۂ توحید ہے۔ اس سورت میں اللہ ﷻ کی حمد اور صفتِ تخلیق کا بیان ہے اور اس کا آغاز کلمہ حمد یعنی "الحمد للہ" سے کیا گیا ہے۔

علمی بات: ۱۔ حمد کا معنی تعریف بھی ہو سکتا ہے اور شکر بھی۔ تعریف (حمد) عام ہے اور شکر خاص۔ حمد کا تعلق قابل تعریف کارناموں سے ہے۔ مثلاً اللہ ﷻ نے زمین و آسمان، شمس و قمر اور ستاروں کی حرکت غرض تمام کائنات کا اس قدر مربوط اور منظم نظام بنا دیا ہے جسے دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اس پر اللہ ﷻ کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ اور شکر کا تعلق ان انعامات سے ہوتا ہے۔ جو کسی خاص ذات سے متعلق ہوں مثلاً اللہ ﷻ کا انسان کو بہترین صورت میں پیدا کرنا، صحت اور رزق کی فراوانیوں سے مالا مال کرنا وغیرہ۔ ایسی نعمتوں کے اعتراف کو شکر کہا جاتا ہے۔

نوٹ: قرآنِ حکیم کی پانچ سورتوں کا آغاز "الحمد للہ" سے کیا گیا ہے۔ i۔ سورۃ الفاتحہ۔ ii۔ سورۃ الانعام۔ iii۔ سورۃ الکھف۔ iv۔ سورۃ سبا۔ v۔ سورۃ فاطر۔ اس آیت میں اللہ ﷻ کی صفتِ تخلیق کا بیان ہے کہ اللہ ﷻ نے ہی آسمان و زمین اور روشنی و اندھیرے پیدا کئے۔

۲۔ خلق کے معنی عدم سے وجود میں لانے کے آتے ہیں یعنی ایک چیز کا کوئی وجود نہ تھا پھر اس کی تخلیق کر کے وجود عطا کیا گیا۔

۳۔ ظلمات یعنی اندھیروں سے رات کی تاریکی اور نور سے دن کی روشنی یا اس سے کفر کی تاریکی اور ایمان کی روشنی مراد ہے۔ ظلمت سے مراد غلط اور گمراہی کا راستہ ہے جو کہ بہت سارے ہیں۔ اس لئے جمع کا لفظ ظلمات ذکر کیا۔ نور سے مراد سیدھا اور ہدایت کا راستہ ہے جو ایک ہے۔ اس لئے واحد کا لفظ استعمال کیا۔ ظلمت میں کفر، شرک، نفاق اور ہر طرح کے گناہ شامل ہیں۔ خواہ وہ گناہ عقیدے کے ہوں یا عمل کے، سب ظلمات یعنی اندھیرے ہیں۔

۴۔ شرک پر تعجب کا اظہار اس لئے ہے کہ جب ساری چیزوں کا خالق اللہ ﷻ ہی ہے تو پھر شرک کی گنجائش کہاں سے آنکلی؟

آیت نمبر ۲: اللہ ﷻ کی صفت قدرت کا بیان ہے۔ مٹی سے انسان کی تخلیق اور مرنے کے بعد دوبارہ زندگی کا بیان ہے۔ مٹی سے تخلیق فرمانے سے مراد یہ ہے کہ تمہارے والد حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا، جو تمہاری اصل ہیں۔ اس کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم جو غذائیں کھاتے ہو، سب زمین کی مٹی سے پیدا ہوتی ہیں اور انہیں غذاؤں سے نطفہ بنتا ہے جو رحم مادر میں ٹھہر کر تخلیق انسانی کا سبب بنتا ہے۔ اس لحاظ سے تمہاری پیدائش مٹی سے ہوئی۔

علمی بات: پہلی "اَجَلً" سے مراد پیدائش سے لے کر موت تک کا عرصہ ہے اور دوسری مدت "اَجَلٌ مُّسَمًّی" سے انسان کی موت سے لے کر وقوع قیامت تک کی مدت مراد ہے۔ یعنی جیسے ہر فرد کا وقتِ اجل متعین ہے ایسے ہی عالَمِ دنیا کے خاتمے کے لئے بھی ایک وقت متعین ہے۔ جس طرح ایک وقت معین پر کسی فرد کی موت واقع ہو جاتی ہے اسی طرح ایک وقت معین پر قیامت برپا ہو گی۔ نظامِ دنیا ختم کر دیا جائے گا اور اُخروی زندگی کا آغاز ہو جائے گا۔

آیت نمبر ۳: اللہ ﷻ کی صفتِ علم کا بیان ہے کہ اللہ ﷻ انسان کے ظاہر و باطن سے واقف ہے۔ اللہ ﷻ کا آسمان اور زمین کے معبود برحق ہونے کا بیان ہے یعنی صرف وہی عبادت کا حق دار ہے۔

علمی بات: اللہ ﷻ کے زمین و آسمان میں ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ ﷻ خود تو عرش پر جلوہ فرما ہے، جس طرح اس کی شان کے لائق ہے۔ البتہ اس کے علم و احاطہ سے کوئی چیز باہر نہیں، وہ تمام مخلوقات کے ظاہری اور پوشیدہ کاموں سے باخبر ہے۔ آیت کے آخر میں اللہ ﷻ کے علم کا ذکر ہے کہ وہ ہر شے سے اتنا واقف اور اتنا باخبر ہے کہ کوئی چیز اس کے علم سے پوشیدہ نہیں۔ ہمارے دلوں کے پوشیدہ احساسات، ہماری زبانوں سے نکلے ہوئے کلمات اور ہماری چھوٹی بڑی نیکیاں اور بُرائیاں اُسی کے احاطۂ علم میں ہیں۔

آیت نمبر۴: حق سے اعراض کرنے والوں کو تنبیہ کی گئی ہے، یعنی توحید کے واضح دلائل اور کھلی نشانیوں کے باوجود منکرین کا حق سے منہ پھیرنے کا بیان ہے۔ نیز یہ بھی بتایا گیا کہ جانتے بوجھتے نہ ماننے کی ٹھان لینے والوں کے لئے کوئی نشانی کارگر ثابت نہیں ہوتی۔

علمی بات: ان نشانیوں سے مراد وہ احکام بھی ہیں جو آیات کی صورت میں انبیاء کرام علیہم السلام پر اترتے رہے اور وہ معجزات بھی ہیں جو نبوت کی دلیل کے طور پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے عطا کیئے، اسی طرح کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے جلال و کبریائی اور قدرت کی بے شمار نشانیاں ہیں جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کی دلیل ہیں۔ اس کے علاوہ دوسری ناگہانی آفتیں مثلاً زلزلہ، کڑک، قحط، وَبا، نافرمان قوموں پر عذاب وغیرہ سب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ ان ساری نشانیوں کی تفصیل قرآنِ حکیم میں جگہ جگہ ذکر کی گئی ہے۔

آیت نمبر۵: حق سے مراد قرآنِ حکیم اور صاحبِ قرآن یعنی نبی کریم A دونوں ہیں۔ خبر کے لئے "انباء" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ انباء جمع ہے نباء کی۔ جس کا معنی ہے اہم اور اثر انگیز خبر، حقیقی ویقینی خبر۔ یہاں اس سے مراد عذاب الٰہی ہے۔

علمی بات: ۱۔ آیات ۴ اور ۵ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مشرکین مکہ کے انکار اور کفر کے تین احوال بیان فرمائے ہیں۔ پہلے انہوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نشانیوں سے منہ موڑا۔ پھر اس کے بعد انہوں نے ان نشانیوں کو جھٹلایا اور سب سے آخر میں انہوں نے ان نشانیوں کا مذاق اڑایا اور یہ ان کے کفر اور انکار کی انتہاء تھی۔

۲۔ مشرکین کو متنبہ کیا گیا ہے کہ دین کی باتوں کا مذاق اُڑانا اور اُن کے جھٹلانے کا انجام عنقریب اُن کے سامنے آجائے گا۔ ایسے لوگوں کے انجام کے بارے میں مفسرین کرام کی دو آراء ہیں: ۱۔ اس سے مراد دنیا کا عذاب بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ جنگ بدر میں مشرکین مکہ کو شکستِ فاش ہوئی اور ان کو اپنی عددی برتری اور طاقت کا جو گھمنڈ تھا وہ خاک میں مل گیا۔ ۲۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد قیامت یعنی آخرت کی دائمی جزا و سزا ہو۔

آیت نمبر ۶: مشرکین کو سابقہ گمراہ قوموں کے عبرتناک انجام کے ذکر کے ذریعے خبردار کیا جارہا ہے کہ یہ عاد و ثمود کی ویران بستیاں جن کو تم بارہا دیکھ چکے ہو یہاں کے بسنے والے تم سے زیادہ خوشحال تھے، مال و دولت کی فراوانی تھی، انہیں وسیع وعریض خطہ زمین پر اختیار حاصل تھا، ان کے ملک میں ٹھنڈے اور میٹھے پانی کی نہروں کا جال بچھا ہوا تھا، ان کے کھیت نہایت سرسبز و شاداب تھے اور ان کے گھر بہت ہی مضبوط بنے ہوئے تھے۔ لیکن جب انہوں نے دعوتِ توحید کو ٹھکرا کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حدوں کو پامال کرنا شروع کیا تو ان کے گناہوں کی وجہ سے ایسا عذاب آیا جس نے ان کو نیست و نابود کر کے نشانِ عبرت بنادیا۔

علمی بات: کسی قوم کی محض مادی ترقی اور خوش حالی سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ بہت کامیاب و کامران ہے۔ دراصل یہ بطور امتحان اللہ سبحانہ وتعالیٰ قوموں کو عطا فرماتا ہے اور ان کی سرکشی کے باوجود ڈھیل دیتا ہے۔ لیکن جب توبہ کی مہلت بھی ختم ہو جاتی ہے تو پھر یہ ترقی اور خوش حالی انہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے عذاب سے بچا نہیں سکتی۔

عملی پہلو: ہمارے لئے بھی یہ سبق ہے کہ جب تک ہم احکام الٰہیہ کے پابند رہیں گے اور ہماری صلاحیتیں خیر کے کاموں میں صرف ہوں گی۔ تب تک ہم عزت واقتدار کے مستحق رہیں گے اور جب بھی ہم مال و دولت، اقتدار اور عیش و عشرت کے دلدادہ بن گئے تو پھر ذلّت و پستی ہمارا مقدر ٹھہرے گی۔

آیت نمبر ۷: **شانِ نزول:** مشرکین مکہ میں عبداللہ بن ابی امیہ اور نضر بن حارث اور نوفل بن خویلد وغیرہ نے کہا اے محمد (A)! ہم آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپ ہمارے پاس اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے پاس سے کتاب نہ لائیں اور اس کتاب کے ساتھ چار فرشتے ہوں جو یہ گواہی دیں کہ یہ کتاب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے ہے اور آپ A اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے رسول ہیں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔

علمی بات: ا۔ مشرکینِ مکّہ نے قرآنِ حکیم کو کتابی صورت میں نازل فرمانے کی فرمائش کی۔ کفار کی ہٹ دھرمی کا بیان ہے کہ آسمان سے کتاب اتار بھی دی جائے اور وہ اسے چھو بھی لیں تب بھی یہ لوگ اسے نظر بندی یا جادو قرار دیں گے۔ (معاذاللہ)

۲۔ حقیقت میں کفار کے انکار اور تکذیب کی وجہ یہ تھی کہ وہ اللہ ﷻ کی نشانیوں سے اعراض کرتے تھے اور عناد و تکبر کی وجہ سے ان میں غور و فکر نہیں کرتے تھے۔ اس لئے اگر اللہ ﷻ ایک لکھی ہوئی کتاب نازل کر دیتا اور یہ لوگ اس کو چھو کر دیکھ بھی لیتے، پھر بھی کہتے کہ یہ کھلا جادو ہے اور ایمان نہ لاتے۔ ہاتھ سے چھونے کا اس لئے ذکر فرمایا کہ کبھی دیکھی ہوئی چیز کی بہ نسبت ہاتھوں سے چھوئی ہوئی چیز زیادہ یقینی ہوتی ہے۔

آیت نمبر ۸: مشرکینِ مکہ کا رسول A سے فرشتوں کے ان کی اصلی شکل میں اُتارے جانے کے مطالبہ کا بیان ہے۔ مشرکین کو فرشتوں کے نزول کے بعد انکار پر مہلت ختم ہو جانے کی تنبیہ کی گئی ہے۔

علمی بات: فرشتوں کو نہ بھیجنے کی حکمت یہ ہے کہ اللہ ﷻ کی سنت ہے کہ جب کوئی غیبی حقیقت آنکھوں سے دکھا دی جائے تو اس کے بعد ایمان لانا معتبر نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص موت کے فرشتوں کو دیکھ کر ایمان لائے تو اس کا ایمان قابل قبول نہیں، لہٰذا فرشتے کو دیکھ لینے کے بعد ان کا ایمان معتبر نہیں ہو گا اور پھر انہیں اتنی مہلت نہیں ملے گی کہ یہ ایمان لا سکیں۔ نیز یہ بھی قانونِ الٰہی ہے کہ جب کوئی قوم کسی نشانی کا مطالبہ کرے اور اس مطالبہ پر وہ نشانی بھیج دی جائے پھر بھی وہ ایمان نہ لائیں تو اللہ ﷻ اس قوم کو فی الفور ہلاک کر دیتا ہے۔

آیت نمبر ۹: قریش مکہ کا فرشتہ کو رسول بنا کر نہ بھیجے جانے پر اعتراض کا بیان ہے۔ ان کے اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اگر اللہ ﷻ کسی فرشتے ہی کو پیغمبر علیہ السلام بنا کر بھیجتا، یا پیغمبر علیہ السلام کی تصدیق کے لئے لوگوں کے سامنے کسی فرشتے کو بھیجتا تب بھی اس کو انسانی شکل ہی میں بھیجا جاتا کیونکہ کسی انسان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ کسی فرشتے کو دیکھ سکے۔ اس صورت میں پھر یہ کافر لوگ وہی اعتراض دہراتے کہ یہ تو ہم جیسا ہی آدمی ہے اس کو ہم پیغمبر کیسے مان لیں۔

نوٹ: اگر فرشتوں کو اللہ ﷻ رسول بنا کر بھیجتا تو ان کے معاملات واحساسات اور معمولاتِ زندگی انسانوں سے مختلف ہوتے۔ ایسی صورت میں انسانوں کی رہنمائی کی ذمہ داری اُٹھانا اور لوگوں کے لئے عملی نمونہ بننا ممکن نہ ہوتا۔

علمی بات: حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کے پاس جو مہمان آئے تھے وہ انسانی شکل وصورت میں آئے تھے، حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بھی حضرت جبرائیل علیہ السلام انسانی شکل وصورت میں آئے تھے، اسی طرح نبی کریم A کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام انسانی شکل میں آتے تھے۔ البتہ نبی کریم A نے دو مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل میں بھی دیکھا۔ یہ صرف آپ A کی خصوصیت اور فضائل میں سے ہے۔

آیت نمبر ۱۰: نبی کریم A کی یہ دل جوئی فرمائی گئی ہے کہ اگر یہ نہیں مان رہے تو پہلے بھی بہت سے لوگوں نے نہیں مانا اور جنھوں نے پیغمبر علیہ السلام کی بات نہیں مانی وہ ہلاک کیئے گئے تو آپ A تسلی رکھیں کہ جو نہیں مانے گا وہ اللہ ﷻ کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ یعنی سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کی قوموں نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا تھا۔ جیسے آج مشرکین مکہ ہٹ دھرمی کر کے حق سے اعراض کر رہے ہیں، ایسے ہی پہلے بھی انبیاء کرام علیہم السلام کی بات سے اعراض کیا گیا۔ اس لئے نبی کریم A کو پچھلے واقعات بیان کر کے تسلی دی جا رہی ہے کہ اللہ ﷻ کے عذاب کا مذاق اڑانے والے عنقریب اللہ ﷻ کی گرفت میں آئیں گے۔

آیت نمبر ۱۱: مشرکین کو تباہ شدہ اقوام کے کھنڈرات نگاہ عبرت سے دیکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یعنی جو قومیں تباہ ہو گئیں ان کے کچھ کھنڈرات باقی ہیں اور مشرکینِ مکّہ کے تجارتی سفر کے دوران راستے میں وہ علاقے بھی آتے تھے۔ لہٰذا فرمایا گیا کہ ان کے مقامات کو دیکھ کر عبرت حاصل کرنے کی

کوشش کرو۔ اللہ ﷻ کی آیات کو جھٹلانے والوں کا انجام صاف اور کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ مشرکین کو خبردار کیا جا رہا ہے کہ جو کوئی دعوت حق کو جھٹلائے گا تو بالآخر ایسے لوگوں کا انجام سابقہ جھٹلانے والی قوموں جیسا ہی ہوگا۔

آیت نمبر ۱۲: توحید کے دلائل اور قیامت کے دن اٹھائے جانے کا بیان ہے۔ پھر اللہ ﷻ کے مالک حقیقی ہونے اور اس کی صفت رحمت کا بیان ہے۔

علمی بات: ا۔ اللہ ﷻ کی رحمت کا معنی یہ ہے کہ وہ نیکی کی توفیق کے بعد اس پر ثواب عطا فرما کر اپنے بندے کو راحت عطا فرمائے اور اللہ ﷻ کے غضب کا معنی یہ ہے کہ وہ فاسقوں اور نافرمانوں کو عذاب میں مبتلا کر کے مصیبت سے دوچار کرے۔

۲۔ یہ اللہ ﷻ کی عمومی رحمت کا نتیجہ ہے کہ ہم سب زندہ ہیں ورنہ ہمارے اخلاق و اعمال اتنے بُرے اور نافرمانیاں اس قدر حد سے بڑھی ہوئی ہیں کہ ایک لمحہ بھی زندہ رہنے کے قابل نہیں ہیں۔ دنیا میں ایسی مجرم قومیں بھی موجود ہیں جو سرے سے رب کے وجود کا انکار کرتی ہیں۔ مگر اس کے باوجود وہ انہیں رزق دیتا ہے۔ یہ سب اللہ ﷻ کی عمومی رحمت کا نتیجہ ہے۔

فرمان نبوی A: حدیث قدسی ہے: "بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے" (صحیح مسلم، صحیح بخاری، مسند احمد، سنن ابن ماجہ) اسی طرح ایک اور حدیث مبارک میں رسول اللہ A نے فرمایا: اللہ ﷻ نے اپنی رحمت کو سو حصّوں میں تقسیم فرما دیا ہے جس میں سے ننانوے اس کے پاس ہیں اور ایک حصہ اس نے زمین پر اُتارا ہے، اسی ایک حصے کی وجہ سے مخلوق ایک دوسرے سے اچھائی سے پیش آتی ہے یہاں تک کہ گھوڑا اپنے بچے پر پاؤں نہیں مارتا اس اندیشے کے تحت کہ اسے کوئی نقصان نہ ہو جائے۔ (صحیح بخاری، سنن دارمی)

علمی بات: ا۔ رحمت کا بھرپور اور کامل ظہور فرماں برداروں کے لئے آخرت میں ہوگا۔ یعنی دنیا میں تو اللہ ﷻ کی رحمتِ عمومی کی وجہ سے کافروں کو بھی مل رہا ہے لیکن رحمتِ خاصّہ کا ظہور فقط ایمان والوں کے لئے آخرت میں ہوگا۔

۲۔ روزِ قیامت اللہ ﷻ کی رحمت سے وہ لوگ محروم ہوں گے جنھوں نے کفر اختیار کیا۔ یعنی اللہ ﷻ کی رحمت تو سب کے لئے تھی لیکن کفار و مشرکین رحمتِ خاصّہ سے اپنے کفر کی وجہ سے محروم ہوئے۔ خسارے میں وہ بدنصیب لوگ مبتلا ہوتے ہیں جو اپنی فطرت اسلام اور عقل سلیم سے کام نہیں لیتے اور بغض و عناد اور تعصب و ہٹ دھرمی کی پٹی باندھے گمراہی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ گویا وہ نور ایمان سے محروم ہو کر اپنے آپ کو خسارے میں ڈال دیتے ہیں۔

آیت نمبر ۱۳: توحید کے دلائل کا بیان ہے۔ بتایا گیا ہے کہ دن اور رات میں جو کچھ بھی متحرک ہے یا غیر متحرک ہے وہ اللہ ﷻ ہی کی ملکیت اور اسی کے قانون کے تابع ہے۔ اللہ ﷻ ہر امر سے بخوبی واقف ہے۔

عملی پہلو: یہ چیزیں گزشتہ آیت میں شامل الفاظ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ کے تحت داخل ہیں لیکن پھر بھی الگ سے ان کا ذکر فرمایا گیا ہے کیونکہ یہ چیزیں ہر وقت مخاطبین کے سامنے ہیں اور خود مخاطبین بھی اس میں شامل ہیں۔ جو کچھ نظر کے سامنے ہو اس کو دیکھ کر زیادہ مشاہدہ اور عبرت حاصل ہوتی ہے۔

علمی بات: جب لوگ سو کر بیدار ہوتے ہیں تو سونے کی حالت میں انسان دنیا سے بے خبر اور لاتعلق ہو جاتا ہے اور اس پر چھوٹی موت طاری ہوتی ہے۔ اور اللہ ﷻ جب چاہتا ہے اسے بیداری کی دنیا میں واپس لے آتا ہے۔ اسی طرح جب اصل موت آئے گی تب بھی انسان اللہ ﷻ کے قبضہ قدرت میں ہوگا اور وہ قیامت میں جب چاہے گا اسے دوبارہ زندگی دے کر یوم حساب کی طرف لے جائے گا۔

آیت نمبر ۱۴: اللہ ﷻ کے سوا کسی دوسرے کو کارساز بنانے کی نفی کی گئی ہے۔ فرمایا گیا ہے اے نبی A! آپ فرمادیجئے کہ کیا میں اللہ ﷻ کے سوا کسی غیر کو اپنا والی یعنی مددگار اور معبود بناؤں؟ یقیناً ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔

علمی بات: فاطر کے معنی کسی نمونہ و مثال کے بغیر کسی چیز کو پیدا کرنا ہے، مقصد یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے زمین اور آسمانوں کی تخلیق کسی مادی اسباب کے بغیر کی ہے۔

عملی پہلو: اللہ ﷻ ہی سب کو روزی دیتا ہے اور اس کو روزی نہیں دی جاتی یعنی وجود اور زندگی کی بقا کے اسباب کے حوالہ سے سب اس کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں، پس ایسی ذات کو چھوڑ کر جو سب کو روزی دیتا ہو اور ادنیٰ سے ادنیٰ چیز میں وہ کسی کا محتاج نہ ہو، تو کسی اور کو اپنا ولی اور کارساز بنانا حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟

شانِ نزول: کفار حضور (A) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے جس طرح ہمارے آباء و اجداد ان بتوں کی پوجا کرتے چلے آئے ہیں آپ بھی انھیں کی پرستش کیا کریں تو یہ آیت نازل ہوئی۔

علمی و عملی پہلو: لغت عرب میں "ولی" کے بہت سے معنی ہیں۔ یہاں اس سے مراد معبود ہے۔ معبود تو وہ ہو سکتا ہے جو کسی کا محتاج نہ ہو اور ہر چیز اس کی محتاج ہو۔ مشرکین کو آپ A کے ذریعہ یہ بتایا گیا کہ تمہارے بنائے ہوئے معبود تو سراپا احتیاج ہی احتیاج ہیں۔ ہاں! میرا معبود جو زمین و آسمان کا خالق ہے، وہی معبود برحق ہے جو ہر محتاج کی حاجت روائی فرماتا ہے اور ہر چیز کو رزق پہنچاتا ہے۔ وہ کسی چیز کا محتاج نہیں، نہ کھانے کا نہ پینے کا، نہ کسی اور چیز کا۔ یوں مشرکین کو دعوتِ فکر دی جارہی ہے کہ انصاف کے ساتھ غور کریں کہ معبودِ حقیقی کون ہے؟

آیت نمبر ۱۵: بڑے دن سے قیامت کا دن مراد ہے۔ نبی کریم A کے ذریعہ لوگوں کو متنبہ کیا جارہا ہے کہ اگر انھوں نے گناہوں کی روش نہ چھوڑی تو وہ روزِ قیامت اللہ ﷻ کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ آپ A کو مخاطب فرما کر امت کو خطاب کرنے میں یہ حکمت ہے کہ جب نبی کریم A جو معصوم عن الخطاء ہیں جن کی شفاعت کی وجہ سے گنہگار بخشے جائیں گے جب وہ بھی اللہ ﷻ کی نافرمانی کرنے پر عذاب سے ڈرتے ہیں تو عام مسلمانوں کو اللہ ﷻ سے کتنا زیادہ ڈرنا چاہیئے۔

آیت نمبر ۱۶: کفر و شرک کی غلاظتوں سے بچنے اور اللہ ﷻ کی رحمت کے امیدوار بن جانے کی تلقین کی گئی ہے۔

علمی بات: ۱۔ مغفرت، نجات اور دخول جنت کا سبب اللہ ﷻ کا فضل ہے نہ کہ محض اعمال کیونکہ اعمال صالحہ کی توفیق بھی اللہ ﷻ کے فضل سے ہی ملتی ہے۔

فرمانِ نبوی A: تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں ہرگز داخل نہیں کرے گا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ (A)! آپ کو بھی نہیں؟ فرمایا مجھ کو بھی نہیں سوائے اس کے کہ اللہ ﷻ مجھے اپنے فضل اور رحمت سے ڈھانپ لے۔ (صحیح مسلم، صحیح بخاری، سنن ابن ماجہ، مسند احمد)

۲۔ بلند مقام حاصل کرنا تو بہت بڑی بات ہے، اگر کسی سے آخرت کا عذاب ہی ٹل جائے تو اپنی جگہ یہی بات کافی ہے۔ لیکن سب سے بڑی کامیابی آخرت کے خسارہ سے بچ جانا اور دائمی نفع حاصل کرنا ہے۔ یعنی اصل کامیابی تو آخرت کی کامیابی ہے۔ دُنیا کی بڑی سے بڑی کامیابیاں اس دن کی کامیابی کے سامنے کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔ اس کامیابی کے سامنے دنیوی دولت، عزت، شہرت اور اقتدار وغیرہ ساری چیزیں کمتر اور فانی ہیں۔

آیت نمبر ۱۷: اللہ ﷻ کے سوا کوئی کسی کو نہ معمولی نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی معمولی نقصان۔ اللہ ﷻ اپنے بندوں پر قادر ہے اور سب اس کے ماتحت ہیں۔

فرمانِ نبوی A: ا۔رسول اللہ A فرض نماز کے بعد یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَاالْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ
"اے اللہ! جو کچھ تو عطا فرمائے اس کا کوئی روکنے والا نہیں اور جو کچھ تو روک لے اس کا کوئی دینے والا نہیں اور کسی مالدار کو اس کی مالداری تیرے مقابلہ میں نفع نہیں دے سکتی۔" (صحیح مسلم)

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں ایک دن رسول اللہ A کے پیچھے تھا آپ A نے فرمایا اے لڑکے! اس کا یقین رکھ کہ اگر ساری امت اس مقصد کے لئے جمع ہو جائے کہ تجھے کچھ نفع پہنچادے تو اس کے سوا کچھ نفع نہیں پہنچا سکتی جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے اور اگر ساری امت اس مقصد کے لئے جمع ہو جائے کہ تجھے کچھ ضرر پہنچادے تو اس کے سوا کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتی جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے۔
(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

عملی پہلو: ہمیں اپنی ہر مشکل و پریشانی، بیماری و تنگی میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے کیونکہ اس کے سوا کوئی بھی تکلیف دور کرنے والا نہیں۔

آیت نمبر ۱۸: اللہ تعالیٰ بندوں کے حالات سے خوب آگاہ ہے۔ وہ ہر چیز پر غالب ہے اور تمام کائنات اسی کی مُطیع اور فرماں بردار ہے۔

علمی بات: قہر سے مراد یہاں پر ظلم و زیادتی نہیں، جیسا کہ محاورۃً بولا اور سمجھا جاتا ہے بلکہ قہر سے مراد یہاں غلبہ و کامل اختیار ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر پوری طرح غالب و حاوی اور ان پر مکمل اختیار رکھنے والا ہے۔

نوٹ: لفظ "قاہر" سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اور لفظ "حکیم" سے اس کے تمام افعال کا مبنی بر حکمت ہونا اور خبیر سے علم محیط کا بیان کیا گیا۔ ان صفات کے ذکر سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ صفات اللہ تعالیٰ کے کمال علم و قدرت کا مظہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ غلبہ و تسلط رکھنے کے باوجود اپنی مخلوق کے معاملے میں حکمت کاملہ کا اظہار فرماتا ہے کیونکہ حکیم کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

آیت نمبر ۱۹: اللہ تعالیٰ ہی معبود حقیقی ہے اور ہر قسم کے شرک سے پاک ہے۔ نبی کریم A کے رسول برحق ہونے کا سب سے بڑا گواہ خود اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی گواہی سے مراد وہ آیات، بیّنات اور معجزات ہیں جو رسول A کے برحق ہونے کے لئے بطورِ ثبوت عطا فرمائے گئے۔ نزول قرآن حکیم کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ اس کی تعلیمات اور احکام ہر اس شخص تک پہنچے جو آپ A کی اُمّت میں شامل ہے۔ اب یہ ذمہ داری تمام اُمّتِ مسلمہ کی ہے۔ جیسا کہ سورہ آل عمران ۳، آیت: ۱۱۰ میں بتایا گیا کہ "تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے بھیجی گئی ہو (یعنی پیدا کی گئی ہو)، تم اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو، اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔"

علمی بات: حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس شخص کو قرآنِ حکیم پہنچ گیا وہ ایسا ہو گیا جیسے اس نے محمد A کی زیارت کر لی اور ایک حدیث مبارک میں ہے کہ جس شخص کو قرآنِ حکیم پہنچ گیا میں اس کا نذیر ہوں۔

فرمانِ نبوی A: ا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد A کی جان ہے اس امت میں سے جس کسی کو میرے نبی ہونے کی خبر پہنچے گی خواہ وہ یہودی یا نصرانی ہو اور وہ اس دین پر ایمان لائے بغیر مر گیا جو دین دے کر میں بھیجا گیا ہوں تو وہ ضرور دوزخ والوں میں سے ہو گا، خواہ یہودی ہو یا نصرانی۔ (صحیح مسلم)

۲۔ حجۃ الوداع کے موقع پر تقریباً سوا لاکھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خطاب کرتے ہوئے آپ A نے ارشاد فرمایا تھا سنو! جو لوگ یہاں موجود ہیں انہیں چاہیئے کہ یہ باتیں غائبین تک پہنچا دیں کیونکہ بسا اوقات کوئی غیر موجود شخص تم سے زیادہ سمجھنے اور محفوظ رکھنے والا ہو سکتا ہے۔ بہر حال میں نے یہ امانت تم تک پہنچا دی ہے، اس کو آگے پہنچانا اب تمہاری ذمہ داری ہے۔ (صحیح بخاری)

آیت نمبر ۲۰: اس آیت میں رسول اللہ A کی صداقت کا ثبوت ہے کہ اہل کتاب کی کتابوں میں موجود آخری نبی A کی تمام نشانیاں آپ A کی ذاتِ بابرکت میں مکمل طور پائی گئیں اسی وجہ سے اہلِ کتاب آپ A کی رسالت کو اپنے سگے بیٹے کی طرح پہچانتے تھے۔ اہل کتاب نے رسول اللہ A کو پہچاننے کے باوجود حسد کے مارے آپ A کی رسالت کا انکار کیا اور دنیا میں ذلیل ورسوا ہو کر آخرت کے دائمی خسارے میں پڑ گئے۔

آیت نمبر ۲۱: اس آیت میں مشرکین کے دو سنگین ترین جرم بیان کئے گئے ہیں: ا۔ اللہ ﷻ کی آیات کو جھٹلانا یعنی سیدنا محمد A کی نبوت کے ثبوت پر اللہ ﷻ نے جو معجزات ظاہر فرمائے کفار و مشرکین نے ان کو جھٹلا دیا اور قرآنِ حکیم جو نبی کریم A کی نبوت پر سب سے بڑا معجزہ ہے انہوں نے اس کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کیا اور آپ A کی نبوت پر ایمان نہیں لائے۔ ۲۔ کوئی شے خود گھڑ کر اللہ ﷻ کی طرف منسوب کرنا یعنی اپنے کاموں کی تاویل کرتے ہوئے یہ کہتے تھے کہ فلاں حکم اللہ ﷻ کی طرف سے ہے جبکہ وہ حکم ہرگز اللہ ﷻ کی طرف سے نازل کردہ نہیں ہوتا تھا۔

علمی بات: ا۔ کفار مکہ اللہ ﷻ پر بہتان لگاتے تھے کہ یہ بُت اللہ ﷻ کے شریک ہیں اور اللہ ﷻ نے ان کی عبادت کرنے اور ان کے ذریعہ تقرب حاصل کرنے کا حکم دیا ہے، نیز کفار مکہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ ﷻ کی بیٹیاں ہیں یہ تمام باتیں اللہ ﷻ پر افتراء اور بہتان ہیں یعنی خود سے بنا کر اللہ ﷻ کی طرف منسوب کرنا، جبکہ اللہ ﷻ ان سب سے پاک ہے۔

۲۔ شریعت کی نظر میں جھوٹ بولنا انتہائی قبیح گناہ ہے۔ اس جرم کی سنگینی میں اس وقت بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے جب کوئی شخص اپنے باطل نظریات کو اللہ ﷻ کی طرف منسوب کر کے اسے حق ثابت کرنے کی کوشش کرے۔ ذاتِ حق پر جھوٹ بول کر لوگوں کو گمراہی کا راستہ دکھانا انتہائی سنگین جرم ہے۔ ایسے ظالم آخرت میں ہر قسم کی مدد سے محروم ہوں گے اور دنیا میں بھی ناکامی اور ذلّت ورسوائی ان کا مقدر ٹھہرے گی۔

آیت نمبر ۲۲: روزِ قیامت مشرکین سے ان کے باطل معبودوں کے بارے میں سوال ہوگا۔ جن کے بارے میں ان کا گمان تھا کہ وہ ان کے مددگار ہیں اور اللہ ﷻ کے ہاں شفاعت کر کے عذاب سے چھڑا لیں گے۔

آیت نمبر ۲۳: مشرکین کا معذرت پیش کر کے چھٹکارا حاصل کرنے کی بے فائدہ کوشش کا بیان ہے۔ ''فتنہ'' کے معنی حجت، معذرت، آزمائش وغیرہ کے ہیں۔ ایک رائے کے مطابق یہاں فتنہ کے معنی عذر اور بہانہ کے ہیں۔ باطل معبودوں کی سفارش کا اعتقاد رکھنے والے مشرک اپنے شرک سے روزِ قیامت مکر جائیں گے اور جھوٹ بولیں گے۔

علمی بات: مشرکین جب وہاں کا عذاب دیکھیں گے تو جھوٹ بول کر عذاب سے بچنے کی کوشش کریں گے جیسا کہ دنیا میں بعض مرتبہ اپنے افعال و اعمال کا انکار کر کے دنیاوی سزا سے چھٹکارا پا لیتے تھے۔ آخرت کے دن اللہ ﷻ کے سامنے ان کا جھوٹ نہ چل سکے گا کیونکہ اللہ ﷻ علیم و خبیر ذات ہے لیکن یہ پھر بھی اپنی ہٹ دھرمی سے اپنے قصور کا انکار کر دیں گے۔

آیت نمبر ۲۴: قیامت کے دن کی دہشت اور اپنی بے بسی پر مشرکین جھوٹ بولیں گے۔ مگر قیامت کے دن ان مشرکین کے تمام غلط عقائد بے کار ثابت ہو جائیں گے اور وہ بے بسی اور لاچاری کی تصویر بنے کھڑے ہوں گے۔

آیت نمبر ۲۵: قریش کے سرداروں کی سازش کا بیان ہے۔ مشرکین قرآنِ حکیم کو بظاہر سنتے مگر حقیقتاً اس سے اعراض کرتے۔ اس ضد، اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے قبول حق سے محروم کر دیئے گئے۔ سرداران قریش کا قرآن حکیم کو (معاذاللہ) پُرانے قصے کہانیاں قرار دے کر منہ موڑ لینے کا بیان ہے۔

شانِ نزول: ایک مرتبہ ابوسفیان، ابوجہل، ولید بن مغیرہ، نضر بن حارث، عتبہ، شیبہ بن ربیعہ، حارث بن عامر، ابی بن خلف اور امیہ بن خلف نبی کریم A کے پاس جمع ہوئے۔ آپ A اس وقت قرآنِ حکیم کی تلاوت فرما رہے تھے۔ ان لوگوں نے آپ A سے قرآنِ حکیم سنا پھر سب نے نضر بن

حارث سے پوچھا کہ اے ابوقتیلہ کچھ سمجھ میں آتا ہے کہ محمد (A) کیا کہتے ہیں؟ نضر نے کہا میں نہیں جانتا کہ کیا کہتے ہیں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اپنی زبان کو ہلاتے ہیں اور پچھلے لوگوں کی کہانیاں بیان کرتے ہیں جیسے میں تمہیں گزشتہ لوگوں (یعنی رستم، اسفندیار اور اہل فارس وغیرہ) کے قصے سناتا ہوں۔ ابوسفیان نے کہا میرے خیال میں اس کی بعض باتیں سچی معلوم ہوتی ہیں ابوجہل نے کہا ہرگز نہیں تو اس کی کسی بات کے سچا ہونے کا اقرار نہ کر، ہمیں مرنا قبول ہے مگر اس پر ایمان لانا قبول نہیں۔ اس پر اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

علمی بات: جو لوگ اپنی بداعمالیوں کے سبب قابل ہدایت نہیں رہتے اللہ ﷻ ان پر اپنی رحمت و شفقت کا دروازہ بند کر دیتا ہے۔ اسی کو دلوں پر پردہ ڈالنے اور مہر لگانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور یہ اللہ ﷻ کی سنّت ہے کہ جو اس کی ہدایت حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں ان کو ہدایت سے نوازتا ہے۔ اس کے برخلاف جن لوگوں نے ضد اور تعصّب کی بنا پر انکار کیا وہ تمام نشانیاں دیکھ بھی لیں تب بھی ایمان نہیں لاتے۔

عملی پہلو: قرآن حکیم نے ہدایت پانے کا یہ اصول بیان کیا ہے کہ سننے والا پورے دھیان، دل کی توجہ اور حق بات قبول کرنے کی نیّت سے بات سنے تو یقیناً اللہ ﷻ اسے ہدایت سے بہرہ مند کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے "یقیناً اس میں نصیحت ہے اس شخص کے لئے جو دل رکھتا ہو یا کان لگا کر سنتا ہو اور وہ حاضر ہو (دل ودماغ سے)۔" (سورۂ قٓ ۵۰، آیت: ۳۷) لیکن منکرین حق کی شروع سے ہی یہ بری عادت ہے کہ سچی بات قبول کرنا تو درکنار اس کا سننا ہی ان کے لئے گرانی کا باعث ہوا کرتا ہے۔ ضد اور تعصب انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتا ہے۔ پھر حالت یہ ہوتی ہے کہ ایسا انسان حق بات سننا اور سمجھنا ہی نہیں چاہتا۔

آیت نمبر ۲۶: سرداران قریش قبول حق سے دوسروں کو روکتے تھے اور خود بھی پہلو تہی کرتے تھے۔ یوں وہ دوہرے جرم کے مرتکب ہو رہے تھے۔ حق سے روکنے اور خود رکنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے انجام سے بے خبر اپنے ہی ہاتھوں اپنی تباہی و بربادی کا سامان کر رہا ہوتا ہے۔

عملی پہلو: بدترین لوگ وہ ہیں جو خود بھی ہدایت سے محروم رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی ہدایت سے محروم رکھنے کی مذموم کوشش کرتے ہیں۔

آیت نمبر ۲۷: قیامت کے دن کفار دنیا میں لوٹائے جانے کی حسرت کریں گے۔ اس روز کفار کو دنیا کی بے ثباتی اور اپنی بدعقیدگی کی قباحت کا شدت سے احساس ہوگا۔

علمی بات: جب فرشتے کافروں کو دوزخ کے پاس کھڑا کر دیں گے تو وہ بے پناہ حسرت اور خوف و دہشت کے عالم میں ہوں گے۔ اس وقت یہ کافر ندامت کے ساتھ تمنا کریں گے کہ کاش ہمیں پھر دنیا میں لوٹا دیا جائے اور ہم اپنے رب کی ان نشانیوں اور دلیلوں کی تکذیب نہ کریں جو اس کی وحدانیت اور اس کے رسولوں کی تصدیق کرتی ہیں اور اللہ ﷻ پر، قیامت پر، فرشتوں پر، کتابوں پر اور رسولوں پر ایمان لائیں اور گناہوں سے توبہ کریں اور نیک عمل کریں۔ چنانچہ اللہ ﷻ ان کا رد فرماتا ہے کہ اب یہ ممکن نہیں۔

آیت نمبر ۲۸: اس آیت میں کفار کی جھوٹی تمنّا کے رد کا بیان ہے۔ دنیا میں حق واضح ہونے کے باوجود ان کے بغض وعناد اور تکبّر کی وجہ سے ان پر غفلت اور گمراہی کے پردے پڑے رہے جس کے سبب وہ حق سے انکاری رہے اور بتلا دیا گیا کہ واپس دنیا میں بھیجے جانے پر بھی دنیا کی محبت پھر انہیں اسی راستے پر ڈال دے گی۔

علمی بات: مفسرین کی ایک رائے کے مطابق یہ آیت منافقین کے بارے میں ہے جو جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے نفاق کو چھپایا کرتے تھے، یا پھر اس سے کفار کے سردار مراد ہیں جو قرآنِ حکیم اور رسول اللہ A کا سچا ہونا جانتے تھے، مگر اپنے پیروکاروں سے چھپاتے تھے۔ قیامت کے دن یہ حقیقت ان کے پیروکاروں پر کھل جائے گی اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ ہمیں دھوکا دیتے رہے ہیں۔

عملی پہلو: جس طرح آج بہت سے کفار و مشرکین اسلامی حقائق کا پورا یقین رکھنے کے باوجود بغض وعناد کی وجہ سے انکار و تکذیب پر جمے ہوئے ہیں، اسی طرح یہ لوگ دنیا میں واپس آنے کے بعد قیامت کے قائم ہونے، دوبارہ زندہ کئے جانے اور آخرت کے تمام حالات کا پورا یقین رکھنے کے باوجود اسی بغض وعناد اور دنیاوی دھوکے کا شکار ہو کر پھر تکذیب پر اتر آئیں گے جیسا کہ قرآنِ حکیم نے اسی موجودہ زندگی میں بعض کفار کے متعلق ارشاد فرمایا ہے: "انہوں نے ان کا انکار کر دیا حالانکہ ان کے دل ان (نشانیوں) کا یقین کر چکے تھے۔" (سورۃ النمل ۲۷، آیت: ۱۴) جیسے یہود کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ "وہ (خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیA) کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں۔" (سورۃ البقرہ ۲، آیت: ۱۴۶) مگر اس کے باوجود آپA کی مخالفت پر تلے ہوئے ہیں۔

عملی پہلو: کفار و مشرکین کا حال یہ ہے کہ آنکھوں دیکھے عذاب پر بھی ان کی توبہ پکّی نہیں بلکہ محض جان بچانے کی خاطر ہے۔ پس اگر دنیا میں واپس بھیج دیئے جائیں تو بدی اور شرارت کی جو قوتیں ان میں ہیں پھر انہی کو کام میں لائیں گے اور جس مصیبت سے گھبرا کر واپس جانے کی تمنا کر رہے ہیں اسے خواب و خیال کی طرح فراموش کر دیں گے جیسا کہ بسا اوقات دنیوی مصائب میں پھنس کر آدمی توبہ کر لیتا ہے پھر جہاں چند روز گزرے اور مصیبت ٹل گئی تو کچھ بھی یاد نہیں رہتا۔

آیت نمبر ۲۹: مشرکین کے دنیا میں باطل عقائد پر اڑے رہنے کے اسباب مندرجہ ذیل تھے۔

۱۔ انہیں قیامت، جزا و سزا اور جنت و دوزخ پر ایمان نہ تھا۔ ۲۔ ان کے نزدیک زندگی بس یہی دنیوی زندگی تھی۔

۳۔ وہ موت کے بعد کی زندگی کے قائل نہ تھے یوں وہ اعمال کی جواب دہی کے منکر تھے اور بے فکر ہو کر اپنی گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔

عملی بات: آج کل کفر و الحاد کے مختلف shades ہیں، اس زمانے میں بھی ایسا ہی تھا۔ آج ایسے لوگ بھی دنیا میں موجود ہیں جو اللہ ﷻ کو تو مانتے ہیں۔ آخرت کو نہیں مانتے۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ ﷻ اور آخرت کو مانتے ہیں لیکن رسالت کو نہیں مانتے ہیں۔ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو بالکل ملحد اور مادہ پرست ہیں اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ہم خود ہی پیدا ہوتے ہیں اور خود ہی اپنی طبعی موت مر جاتے ہیں اور ہماری صرف یہی زندگی ہے مرنے کے بعد جی اٹھنے کا کوئی معاملہ نہیں۔ اسی طرح اُس دور میں بھی کفر و شرک کے مختلف shades موجود تھے۔

آیت نمبر ۳۰: آخرت میں کفار پر فردِ جرم عائد ہو گی اور انہیں سزا بھی دی جائے گی۔ روزِ قیامت بعث بعد الموت کا اعتراف انہیں کوئی نفع نہ دے گا۔ قبر سے اٹھنے کے بعد میدانِ حشر میں جب لوگ اپنے رب کی بارگاہ میں پیش ہوں گے تو ان سے سوال کیا جائے گا کہ کیا مرنے کے بعد اٹھ کر حشر کے میدان میں رب کی بارگاہ میں حاضر ہونا حق ہے؟ تو وہ بے ساختہ پکار اٹھیں گے کیوں نہیں! ہم نے قدم قدم پر اپنے رب کا وعدہ سچا پایا مگر اس دن کا اقرار کفار کے لئے مفید نہ ہو گا۔

علمی بات: جس کلام کا ذکر ہے وہ فرشتوں کے ذریعہ سے ہو گا، اللہ ﷻ ان سے رحمت کے ساتھ کلام نہیں فرمائے گا اور یہ کلام غضب کے ساتھ ہو گا۔ پھر اللہ ﷻ فرشتے کے ذریعہ سے ان سے فرمائے گا کہ کیا یہ مر کر دوبارہ اٹھنا حق نہیں ہے جس کا تم انکار کرتے ہو۔ وہ قسم کھا کر کہیں گے کہ یہ بالکل حق ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے پھر اللہ ﷻ فرمائے گا اب تم اپنے کفر اور تکذیب کی وجہ سے عذاب کا مزہ چکھو۔

آیت نمبر ۳۱: اللہ ﷻ سے ملاقات کو جھٹلانے والے ابدی خسارے میں ہوں گے۔ اُن پر اچانک قیامت برپا ہو گی، وہ روزِ قیامت اپنی حسرت اور ندامت کا اظہار کریں گے اور گناہوں کا بدترین بوجھ اُٹھائے ہوئے ہوں گے جس کی سزا سے بچنے کا کوئی راستہ نہ ہو گا۔

علمی بات: اس دن مجرم دہائی دیں گے اے ہمارے رب! آج ہمیں یقین ہو گیا کہ تیرا فرمان سچا اور تیری ملاقات برحق تھی لیکن ان کا اعتراف اور معذرت کسی کام نہیں آئے گی۔ حکم ہو گا کہ اب عذاب کی سختیاں اور جہنم کی اذیتیں چکھتے رہو کیونکہ بار بار سمجھانے کے باوجود تم کفر ہی کرتے رہے۔ تم نے اپنے رب کی ملاقات کو جھٹلائے رکھا یہاں تک کہ قیامت برپا ہو گئی۔

آیت نمبر ۳۲: دنیوی زندگی کے عارضی ہونے اور بہت جلد ختم ہونے کے اعتبار سے اسے لہو و لعب فرمایا گیا ہے۔ کھیل تماشہ کی طرح دنیا کی لذتیں بھی عارضی ہیں جب کہ آخرت کی لذتیں حقیقی اور دائمی ہیں۔

علمی بات: عموماً بچے، نادان اور غافل لوگ لہو و لعب میں مشغول رہتے ہیں اور سنجیدہ اور ذی فہم لوگ لہو و لعب سے اجتناب برتتے ہیں۔ اسی طرح دنیا کی لذتوں اور دلفریبیوں میں بھی جاہل اور غافل لوگ مشغول رہتے ہیں اور جو لوگ عقل مند اور زیرک ہوتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ دنیا اور اس کی تمام لذتیں فانی اور جلد ختم ہو جانے والی ہیں۔ لہٰذا وہ فانی نعمتوں کے مقابلے میں ابدی نعمتوں کے حصول کی جدوجہد میں مشغول رہتے ہیں۔

عملی پہلو: آخرت کی ابدی زندگی کے مقابلہ میں چند روز کی دنیوی زندگی، جسے کافر سب کچھ سمجھ رہے ہیں کھیل تماشے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ جو لوگ اللہ ﷻ کے احکام کی پرواکئے بغیر دنیا میں زندگی گزارتے ہیں تو جس عیش و آرام کو وہ اپنا مقصد زندگی بناتے ہیں، آخرت میں جا کر ان کو پتہ چلے گا کہ اس کی حیثیت کھیل تماشے کی سی تھی۔ ہاں! جو لوگ دنیا کو آخرت کی کھیتی بنا کر زندگی گزارتے ہیں۔ ان کے لئے دنیوی زندگی بھی بڑی نعمت ہے۔ جو ابدی نعمتوں کے حصول کا سبب ہے۔

فرمانِ نبوی A: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ A نے فرمایا جو شخص اپنی دنیا سے محبت کرے گا وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچائے گا اور جو شخص اپنی آخرت سے محبت کرے گا وہ اپنی دنیا کو نقصان پہنچائے گا۔ سو تم باقی رہنے والی چیز کو فانی چیز پر ترجیح دو۔ (مسند احمد)

آیت نمبر ۳۳: رسول اللہ A کو کفار کی مخالفانہ باتوں پر تسلی دی گئی ہے کہ مشرکین آپ A کے سچے ہونے کا یقین رکھتے ہیں لیکن ان کی ظاہری تکذیب کا باعث ان کا بغض و عناد ہے۔ یہ مشرکین مکہ رسول اللہ A کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ اللہ ﷻ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں۔

نوٹ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابو جہل نے نبی کریم A کے سامنے کہا: "ہم آپ کو جھوٹا نہیں کہتے بلکہ ہم اس شریعت کو جھوٹا کہتے ہیں جو آپ لے کر آئے ہیں۔ "(جامع ترمذی)

شانِ نزول: جنگ بدر کے دن اخنس بن شریق اور ابو جہل کی ملاقات ہوئی اخنس ابو جہل کو اس جگہ لے گیا جہاں کوئی نہیں تھا۔ اس نے ابو جہل سے کہا اے ابو الحکم (یعنی ابو جہل) مجھے یہ بتاؤ کہ (سیدنا) محمد (A) صادق ہیں یا کاذب؟ کیونکہ یہاں پر میرے اور تمہارے سوا قریش کا اور کوئی فرد نہیں ہے جو ہماری باتیں سن رہا ہو۔ ابو جہل نے کہا تم پر افسوس ہے بخدا (سیدنا) محمد (A) البتہ ضرور صادق ہیں اور (سیدنا) محمد (A) نے کبھی جھوٹ نہیں بولا لیکن جھنڈا کعبہ کی دربانی اور زمزم کے کنوئیں کی ذمہ داری پہلے ہی بنو قصی کے پاس ہیں۔ اگر نبوت بھی وہ لے گئے تو باقی قریش کے پاس کیا باقی بچے گا ،تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن جریر)۔

آیت نمبر ۳۴: رسول اللہ A کو صبر کی تلقین فرمائی گئی ہے، کہ گذشتہ قوموں نے بھی آپ A سے پہلے بھیجے گئے رسولوں کی تکذیب کی تھی چنانچہ اللہ ﷻ کی مدد جیسے سابقہ رسولوں کو پہنچی اسی طرح آپ A کو بھی پہنچے گی اور آپ A کامیاب ہوں گے۔

علمی بات: رسول اللہ A کی توجہ دعوت الٰہی کی تاریخ اور اس میں رائج سنت الٰہی کی طرف دلائی کہ تاریخ انبیاء کرام علیہم السلام میں آپ A کی تکذیب پہلا واقعہ نہیں بلکہ دیگر رسولوں کی بھی تکذیب ہوئی ہے۔

رسولوں نے اس تکلیف کا صبر سے مقابلہ کیا۔

صرف تکذیب نہیں کی بلکہ اس کے بعد انھیں اذیت بھی دی گئی۔

اب اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نصرت کا مرحلہ آیا یعنی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مدد، تکذیب اور اذیت پر صبر و تحمل کے بعد آتی ہے۔

تکذیب واذیت پر صبر کے بعد اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مدد آنا یقینی و حتمی ہے جس میں کسی قسم کی تبدیلی کا امکان نہیں ہے نصرت کے وعدے مومنین کے حق میں اور عذاب کی وعیدیں منکرین کے حق میں پوری ہو کر رہیں گی، چنانچہ "اللہ کے کلمات" پورے ہو کر رہے، اسلام کی دعوت مشرق سے مغرب تک پھیلی اور مشرکین ذلیل وخوار ہوئے۔

عملی پہلو: تبلیغِ حق کے راستہ میں مشکلات آتی ہیں جیسا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی آئیں مگر جو ان مشکلات پر صبر اور ثابت قدمی کے ساتھ اپنے مشن کو جاری رکھتے ہیں وہ ایک دن اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مدد سے اپنے مقصد کو پالیتے ہیں۔ دعوت اور اصلاح کے کام میں صبر بہت ضروری ہے۔ صبر کے بعد ہی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مدد اور نصرت نازل ہوتی ہے۔

آیت نمبر ۳۵: نبی اکرم A کو مزید تسلی و تشفی فرمائی گئی ہے کہ دنیا کے تمام انسان سچائی پر اکٹھے نہیں ہوا کرتے۔ آپ A صبح وشام اس کوشش میں رہتے کہ کسی طرح کفار ہدایت سے بہرہ مند ہو جائیں۔ مگر بتایا گیا ہے کہ لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کر دینا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔ کیونکہ اصل مقصود امتحان ہے، چنانچہ حق و باطل کو بالکل واضح طور پر بیان کر کے دونوں میں سے کسی بھی راہ پر گامزن ہونے کا اختیار انسان کو دے دیا گیا۔

عملی بات: کفار آپ A سے مختلف قسم کے دنیاوی فوائد پر مشتمل ظاہری و حسی معجزات کا مطالبہ اور فرمائش کرتے تھے۔ حضور اکرم A کی بہت خواہش تھی کہ سب لوگ مسلمان ہو جائیں، لہٰذا جب کفار اس قسم کے معجزات کا مطالبہ کرتے اور راہ حق سے روگردانی کرتے تو ان کا یہ فعل حضور اکرم A پر گراں گزرتا۔ اس پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا: پیارے نبی A! اگر آپ زمین کی تہ میں سرنگ کھود کر یا آسمان کی بلندیوں میں سیڑھی لگا کر ان کے فرمائشی معجزات ظاہر کر دیں تب بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ وہ پہلے کئی معجزات (جیسے شق قمر، درختوں اور پتھروں کی گواہی وغیرہ) دیکھ چکے ہیں اور صرف تعصب اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے انکار کرتے ہیں۔ تو جو شخص متعصب اور ضدی ہو اسے کسی عقلی یا نقلی دلیل سے مطمئن نہیں کیا جا سکتا۔ نیز اللہ سبحانہ و تعالیٰ قادر مطلق ہے اگر وہ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا اور کوئی بھی کافر نہ ہوتا مگر اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ کسی کو مجبور نہ کیا جائے تاکہ لوگوں کی آزمائش ہو جائے کہ کون اپنے اختیار سے حق کو قبول کرتا ہے اور کون جان بوجھ کر اس سے روگردانی کرتا ہے، آپ A کو اس کے بارے میں غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ یہ حکمتِ خداوندی ہے۔

آیت نمبر ۳۶: دعوتِ حق پر لبیک کہنے والے وہ ہیں جو حق بات توجہ اور طلب ہدایت کی نیت سے سننے والے ہیں جبکہ کفار کی مثال مُردوں جیسی ہے کہ انہوں نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں کو حق سننے، سمجھنے اور قبول کرنے کے لئے استعمال نہ کیا۔ یہ بالآخر روزِ قیامت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے۔

علمی بات: جو لوگ حق بات غور سے سنتے ہیں وہ تو ہدایت قبول کر لیتے ہیں لیکن جو روگردانی کرتے ہیں وہ دراصل مُردوں کی طرح ہیں۔ کافروں کو جانداروں جیسی زندگی تو ملی ہے، لیکن ان کے دل فاسد عقائد اور اخلاقِ رذیلہ کے زہر سے بھر چکے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کی غور و فکر کی صلاحیتیں مردہ ہو گئیں اور انہیں اپنی اس کوتاہی کا احساس اس وقت ہو گا جب انہیں قبروں سے اٹھا کر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عدالت میں پیش کیا جائے گا، اس وقت انہیں حسرت و یاس ہو گی مگر اس وقت کا احساس بے سود ہو گا۔ ہمیں بھی حق بات دل و جان سے مان کر اُس کے تقاضوں پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔

آیت نمبر ۳۷: کفار کی ایک اور نار وا بات پر ان کو تنبیہ کی گئی ہے کہ فرمائشی معجزہ دیکھ کر بھی نہ ماننے والے عذاب کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جبکہ اللہ ﷻ چاہتا ہے کہ فطری طریقہ کے مطابق لوگ عقل و فہم کو استعمال کر کے پیغمبر کی دعوت کو قبول کریں اور ایمان کی راہ اختیار کریں۔

علمی بات: ا۔ معجزہ ایک غیر معمولی اور خلافِ عادت چیز ہوتی ہے جو کسی نبی علیہ السلام سے نبوت کے دعویٰ کے بعد اس کی صداقت کے لئے ظاہر ہوتا ہے مخلوق میں ہر ایک اس کے مقابلے میں بے بس ہو جاتا ہے۔ معجزہ اللہ ﷻ کی طرف سے صرف پیغمبروں کو ہی عطا فرمایا جاتا ہے تاکہ لوگ ان کی نبوت کی تصدیق کے بعد احکامِ الٰہی میں ان کی اطاعت کریں۔

نوٹ: مخصوص معجزات نہ دکھائے جانے کی وجوہات: پہلی وجہ یہ ہے کہ کفار کی طرف سے مخصوص قسم کے معجزات کا مطالبہ در حقیقت ضد اور عناد کی بنیاد پر تھا۔ نہ کہ ان کا مقصد ان کے ذریعے قبول ہدایت تھا۔ اس لئے عام طور پر انبیا کرام علیہم السلام کو فرمائشی معجزات عطا نہیں کیئے جاتے۔ وگرنہ اللہ ﷻ ہر قسم کے معجزات ظاہر کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ دوسرا اگر کوئی قوم فرمائشی معجزہ دیکھنے کے باوجود ایمان قبول نہ کرے تو اس پر اللہ ﷻ کا عذاب نازل ہو کر رہتا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ قرآنِ حکیم جیسے بے مثال معجزہ کی موجودگی میں کسی حسی اور مادی معجزہ کی ضرورت نہیں۔

آیت نمبر ۳۸: اللہ ﷻ کی قدرت اور علم کا بیان فرمایا گیا ہے کہ مخلوقات میں موجود نظم و ضبط اور ترتیب اللہ ﷻ کی قدرت کا شاہکار ہے۔ نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن سب ہی کو اللہ ﷻ کے حضور جمع ہو کر حساب و کتاب دینا ہے۔

علمی بات: ا۔ **قانون ہدایت کی ہمہ گیری:** آیت کا مقصد یہ ہے کہ قانون ہدایت و ترہیب ہمہ گیر ہے کائنات میں کوئی جاندار چیز اس سے مستثنیٰ نہیں۔ سب پرندے اور سب حیوان اللہ ﷻ کی جانب سے ہدایت حاصل کرتے ہیں، اور اس فطری ہدایت کی وجہ سے زندہ ہیں، چڑیا سے لے کر چیونٹی تک کے لئے مقررہ قانون ہیں، جن سے سر تابی کرنا ان کے لئے ناممکن ہے، اسی طرح حضرت انسان اپنی پوری زندگی بسر کرنے کے لئے اللہ ﷻ کی ہدایت کا محتاج ہے۔

نوٹ: کفار کو متنبہ کیا گیا ہے کہ جب اللہ ﷻ زمین کے کسی جانور یا پرندے کے حالات سے ناواقف نہیں ہے اور اس کا نامۂ اعمال محفوظ ہے اور اس کا بدلہ بھی اسے ملے گا تو تم اپنے بارے میں یہ کیوں سمجھ رہے ہو کہ تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ نہیں دیا جائے گا۔

علمی بات: ۲۔ مرنے کے بعد دوسری زندگی صرف انسانوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ بعض جانوروں کو بھی حشر کے دن زندہ کر کے اٹھایا جائے گا، تاکہ ان سے بدلہ لیا جائے، جیسا کہ حدیث مبارک میں مذکور ہے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہA نے ارشاد فرمایا: ضرور بالضرور تم سے قیامت کے دن حق داروں کے حقوق ادا کرائے جائیں گے، حتیٰ کہ بے سینگ بکری کا بدلہ سینگ والی بکری سے لیا جائے گا۔ (صحیح مسلم)

۲۔ "الکتب" سے مراد لوح محفوظ ہے۔ جس میں تمام مخلوقات کے بارے میں ہر ایک چیز درج ہے۔

عملی پہلو: اسلام میں حقوق العباد کی ادائیگی پر بہت زور دیا گیا ہے۔ روز محشر میں جانوروں کا انتقام ان کے مکلف ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ رب العالمین کے انتہائی درجہ عدل و انصاف کی وجہ سے ہے کہ ایک جاندار کسی جاندار پر کوئی ظلم کرے تو اس کا بدلہ دلوایا جائے گا باقی ان کے کسی اور عمل پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ ﷻ کی مخلوق میں باہمی حقوق کی ادائیگی کا معاملہ اتنا سنگین ہے کہ غیر مکلف جانوروں کو بھی اس سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا، مگر افسوس ہے کہ ہم میں سے اکثر لوگ اس میں غفلت برتتے ہیں۔

آیت نمبر ۳۹: اللہ ﷻ کی آیات کی تکذیب کرنے والے اپنے کانوں سے حق بات نہ سننے کی وجہ سے بہرے ہیں، اپنی زبانوں سے حق بات نہ بولنے کی وجہ سے گونگے ہیں اور کفر و ضلالت کی تاریکیوں میں گھرے رہنے کی وجہ سے انہیں کوئی چیز نظر نہیں آتی جس سے ان کی اصلاح احوال ہو سکے۔

نوٹ: جو لوگ اللہ ﷻ کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں اور جھٹلاتے ہیں وہ تو ایسے ہیں جیسے بہرے اور گونگے جو مختلف قسم کی تاریکیوں اور اندھیروں میں پڑے ہوئے ہیں یعنی نہ حق بات کو سنتے ہیں نہ حق کہتے ہیں اور اللہ ﷻ کی آیات کو جھٹلا کر کفر و شرک اور نفس کی بے جا خواہشوں کے اندھیروں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ایسا آدمی کبھی بھی سیدھی راہ نہیں پا سکتا اور تاریکیوں سے کبھی بھی نہیں نکل سکتا۔ اللہ ﷻ نے قرآنِ حکیم میں اہل کفر کے لئے یہ تشبیہ بہت سی آیتوں میں بیان کی ہے۔ (مثلاً سورۃ بقرہ، آیت:۱۷،۱۸ اور سورۃ النور، آیت: ۴۶)

آیت نمبر ۴۰: کفار پر جب مصیبت پڑتی ہے تو اللہ ﷻ ہی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس وقت باطل معبودوں کو بھول جاتے ہیں۔ کفار کو یہ کہہ کر جھنجھوڑا جا رہا ہے کہ اگر تم سچے ہوتے کہ معبودان باطل کی عبادت سے نفع پہنچتا ہے تو مشکل وقت میں ان کو چھوڑ کر صرف اللہ ﷻ ہی کی طرف کیوں متوجہ ہوتے ہو۔ معلوم ہوا کہ یہ جھوٹے معبود جو تم نے بنا رکھے ہیں کسی بھی نفع اور نقصان کے مالک نہیں پھر ان کو پکارنا اور ان کی عبادت محض حماقت نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

علمی بات: فطرت کا یہی تقاضا ہے کہ انسان اللہ ﷻ کے سوا کسی کو مشکل کشا اور حاجت روا نہ مانیں کیونکہ مصیبتوں اور تکلیفوں میں وہی واحد نجات دینے والا اور کارساز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے انسان کی فطرت میں اپنے خالق کی معرفت رکھی ہے اور اس کی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کرے اور اسی کو پکارے۔ اس لئے انسان پر جب کوئی سخت مصیبت اور پریشانی آتی ہے تو اس کی نگاہ اس کے سوا کسی اور کی طرف نہیں اٹھتی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "پس آپ اپنا رخ یکسوئی کے ساتھ دین پر قائم رکھیں (یہی) اللہ کی وہ فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا اور اللہ کی بنائی ہوئی (فطرت) میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔" (سورۃ الروم ۳۰، آیت:۳۰)

آیت نمبر ۴۱: انسانی فطرت میں توحید کا تعارف موجود ہے۔ جب انسان کسی بڑی مصیبت میں پھنس جاتا ہے تو اس وقت اسے اللہ ﷻ ہی یاد آتا ہے۔ اس آیت میں اللہ ﷻ نے از خود اس سوال کا جواب دیا ہے جو پچھلی آیت کے آخر میں مشرکین اور منکرین سے کیا گیا۔ اللہ ﷻ نے فرمایا ہے کہ سختی، مصیبت اور تنگی میں تم صرف اللہ ﷻ ہی کو پکارتے ہو تاکہ تمہاری مصیبتیں اور تکلیفیں دور ہو جائیں۔ پھر اللہ ﷻ اپنی حکمت اور مشیت کے مطابق اگر چاہے تو تم سے وہ تکلیف دور فرما دیتا ہے اور ایسے وقت میں تم اپنے بتوں کو بھول جاتے ہو اور اللہ ﷻ کے سوا تم کو کوئی یاد نہیں آتا۔ جیسا کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے: "پس جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں (تو) صرف اللہ ہی کو پکارتے ہیں اس کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے پس جب وہ انہیں خشکی کی طرف نجات عطا فرماتا ہے (تو) اسی وقت وہ شرک کرنے لگتے ہیں۔" (سورۃ العنکبوت ۲۹، آیت: ۶۵)

آیت نمبر ۴۲: دنیا میں عذاب سے متعلق اللہ ﷻ کا قانون بیان فرمایا گیا ہے کہ آزمائشیں قوموں کے لئے مہلت ہوتی ہیں تاکہ وہ سنبھل جائیں۔ نیز مشرکین کو دعوت فکر دی گئی ہے کہ وہ اللہ ﷻ کی طرف رجوع کریں اور اپنے کفر و شرک سے باز آئیں۔

عملی بات: ا۔ اللہ ﷻ نے مشرکین مکہ کی عبرت کے لئے سابقہ امتوں کی مثال دی اللہ ﷻ نے آپ سے پہلے کئی امتوں کی طرف رسول بھیجے جنہوں نے اپنی اپنی قوموں کو اللہ ﷻ کی توحید اور اس کی عبادت کی دعوت دی۔ سو انہوں نے اپنے پیغمبروں کی دعوت کو قبول نہیں کیا تو اللہ ﷻ نے ان کو فقر اور معاش کی تنگی میں اور بیماریوں اور تکلیفوں میں مبتلا کر دیا تاکہ وہ اللہ ﷻ سے ڈریں اور گڑگڑا کر اللہ ﷻ سے دعا کریں کیونکہ سختیاں جھیلنے سے انسان کندن بن جاتا ہے یعنی اس کی فطری صلاحیتوں میں نکھار آ جاتا ہے۔ مشرکین مکہ کو یہ اس لئے بتایا ہے کہ وہ بھی پچھلی امتوں کے کافروں کی طرح عذاب الٰہی کے منتظر تھے اور نبی کریم A کی مخالفت کرتے تھے۔

۲۔ "باسا" اس تکلیف کو کہتے ہیں جو انسان کے بدن سے باہر ہو، بیرونی طور پر پیش آئے مثلاً سیلاب آ جائے یا دشمن کا خطرہ لاحق ہو جائے قحط سالی ہو جائے یا مالی پریشانی ہو جائے یا اشیائے ضرورت مہنگی ہو جائیں وغیرہ اور "ضراء" اس تکلیف کو کہتے ہیں جو بدن کے اندر ہوتی ہے۔

آیت نمبر ۴۳: گناہوں کی کثرت اور عدم توبہ کی وجہ سے قوموں کے دلوں میں سختی پیدا ہوتی ہے۔ نیز شیطان ان کے بُرے کاموں کو خوشنما بنا کر پیش کرتا ہے اور ان پر کوئی نصیحت کارگر نہیں ہوتی۔ بتایا گیا ہے کہ مصائب میں مبتلا ہونے کے باوجود بھی ان کو تنبیہ نہ ہوئی اور نہ ہی انہوں نے اپنے اعمال کو ہی قابل اصلاح سمجھا۔ یہ توبہ سے روکنے والے اسباب کا بیان ہے اور اس بات کا اظہار ہے کہ دل کی سختی اور شیطان کے ورغلانے نے ان کو توبہ سے روک دیا تھا۔

عملی پہلو: ہمیں سوچنا چاہیئے کہ کیا کہیں آج ہمارا بھی یہی حال تو نہیں ہو گیا کہ جب کوئی جنگ، سیلاب، قحط یا زلزلہ یا کوئی آفت نازل ہوتی ہے تو کچھ لوگ اسے محض مادی اسباب کا نتیجہ سمجھتے ہیں اور اسے اللہ ﷻ کی طرف سے تنبیہ اور سزا سمجھنے کو جہالت اور بے وقوفی قرار دیتے ہیں۔ ہمیں بہر حال عبرت پکڑنی چاہیئے اور توبہ واستغفار کرتے ہوئے اللہ ﷻ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

آیت نمبر ۴۴: گناہوں کی پاداش میں قوموں کو عذاب میں مبتلا کرنے کا بیان ہے کہ ان پر دنیا کی مادی نعمتوں، راحتوں اور کامیابیوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ پھر یکدم ایسا سخت عذاب آتا ہے جو اس قوم کو صفحہ ہستی سے مٹا دیتا ہے۔

علمی بات: ۱۔ اللہ ﷻ کا قانون یہ ہے کہ کوئی قوم اس وقت تک تباہ نہیں ہوتی، جب تک برائیاں کثرت کے ساتھ ان میں نہ پھیل جائیں، اور معصیت میں وہ اس قدر نہ ڈوب جائیں کہ ان کے نزدیک گناہ، گناہ ہی نہ رہے اور ان کے دل سے گناہ کا احساس تک ختم ہو جائے۔ ایسے لوگ اللہ ﷻ کی پکڑ سے غافل ہو جاتے ہیں، تو اللہ ﷻ کی طرف سے ایسے لوگوں کو عذاب بھیج کر نیست ونابود کر دیا جاتا ہے۔

۲۔ تنبیہ کی گئی ہے کہ دنیا میں کسی شخص یا قوم پر عیش و عشرت کی فراوانی دیکھ کر یہ دھوکہ نہ کھائیں، کہ یہ لوگ صحیح راہ پر ہیں اور بڑی کامیاب زندگی گزار رہے ہیں، بلکہ اکثر اوقات یہ حالت ان نافرمانوں کی بھی ہوتی ہے، جن کو سخت سزا میں اچانک پکڑنے کا فیصلہ کیا جا چکا ہوتا ہے۔

عملی پہلو: انسان کو چاہیئے کہ جب سختی اور مصیبت آئے تو اسے اللہ ﷻ کی طرف سے تنبیہ سمجھ کر بُرے کاموں سے توبہ کرے ورنہ غفلت میں ڈوب گیا تو کہیں اچانک ایسی سخت پکڑ نہ ہو جائے کہ توبہ کا موقع بھی نہ مل سکے۔ نبی کریم A نے فرمایا جب تم کسی ایسے آدمی کو دیکھو جسے اس کی نافرمانیوں کے باوجود اللہ ﷻ ہر چیز دے رہا ہے جسے وہ پسند کرتا ہے تو سمجھو کہ اللہ ﷻ اسے ڈھیل دے رہا ہے پھر نبی کریم A نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ (مسند احمد)

آیت نمبر ۴۵: نافرمانوں کو عذاب کے نتیجہ میں صفحہ ہستی سے مٹا دینے کا ذکر ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ظالم اور حق سے نا آشنا طبقے کا دنیا سے مٹ جانا ہی باقی دنیا کے لئے مفید ہے، کیونکہ جس طرح جسمانی بیماریاں تباہ کن اور متعدی ہوتی ہیں، اسی طرح روحانی امراض بھی ہولناک صورت اختیار کر لیتے ہیں اور اگر ان کو باقی رہنے دیا جائے، تو تمام قوم میں اخلاقی بگاڑ کا خطرہ بڑھ جاتا ہے، اس لئے اللہ ﷻ ان کو دنیا میں مٹا دیتا ہے، تاکہ ان کے مفاسد اور ان کا نقصان ان تک محدود رہے۔

علمی بات: ظالموں کی ہلاکت لوگوں کے لئے اللہ ﷻ کا بڑا احسان ہے چنانچہ معاشرہ مفسدین سے پاک ہونے پر اللہ ﷻ کا شکر واجب ہے۔ ظالموں کو تباہ وبرباد کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے نعمتوں پر شکر کرنے کے بجائے ناشکری کی اور خوشی میں اطاعت الٰہی بجالانے کے بجائے گناہ کیئے۔ کفار کی تباہی وبربادی سے اہل ایمان کو چھٹکارا نصیب ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ ان کے عقائد واعمال کی نحوست سے پریشان ہوتے ہیں تو ایسوں کو تباہ وبرباد کر دینا بھی اللہ ﷻ کی ایک نعمت ہے اور ہر نعمت پر شکر واجب ہے۔

آیت نمبر ۴۶: اللہ ﷻ ہی نے کان آنکھ اور دل عطا فرمائے ہیں۔ اگر وہ ان نعمتوں کو سلب کر لے تو اس کے سوا انہیں کوئی لوٹا نہیں سکتا۔ انسان کے اشرف الاعضاء کان، آنکھیں اور دل ہیں۔ اگر ان اعضاء کی صفات زائل ہو جائیں تو انسان کے حواس اور اس کی کارکردگی کا نظام فاسد ہو جائے گا اور وہ

دین و دنیا کے فوائد حاصل کرنے سے محروم ہو جائے گا۔ معلوم ہوا کہ جس ذات نے ان قوتوں کو پیدا کیا اور ان کو زائل ہونے سے محفوظ رکھا ہے وہ اللہ ﷻ کے سوا کوئی نہیں ہے اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ ان عالی قدر نعمتوں کا دینے والا صرف اللہ ﷻ ہے تو پھر قابل تعظیم اور عبادت کا مستحق بھی صرف اللہ ﷻ ہی ہے۔

علمی بات: اللہ ﷻ نے فرمایا ہے کہ اگر ہم چاہیں تو تمہارے اشرف الاعضاء کو معطل اور بے کار کر دیں مگر مشرکین کا حال یہ ہے کہ حسد اور غرور کی وجہ سے غور نہیں کرتے اور حق کو قبول نہیں کرتے۔

آیت نمبر ۴۷: گزشتہ آیت میں اللہ ﷻ نے انسان کے اشرف الاعضاء کو زائل کرنے کی وعید سنائی تھی اور اس آیت میں عمومی عذاب کی وعید سنائی ہے۔ عذاب کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ اچانک اور کھلم کھلا کیونکہ یا تو عذاب سے پہلے اس کی علامتیں نمودار ہوں گی یا عذاب کی نشانیوں کے بغیر اچانک عذاب آئے گا۔ کھلم کھلا عذاب اس لئے فرمایا کہ اس عذاب کی علامتیں پہلے نمودار ہو چکی تھیں حتیٰ کہ اگر وہ اس عذاب سے بچنا چاہتے تو وہ کفر اور سرکشی سے توبہ کر کے بچ سکتے تھے۔ فرمایا گیا ہے کہ اگر یہ عذاب آجائے تو ظالم لوگوں کے لئے ہلاکت سے بچنے کا کوئی راستہ نہ ہوگا۔

علمی بات: عذاب خواہ کسی قسم کا ہو اللہ ﷻ کے سوا اس عذاب کو کوئی دور کرنے والا نہیں ہے اسی طرح خواہ کسی قسم کی خیر اور بھلائی ہو اللہ ﷻ کے سوا اس کا کوئی عطا کرنے والا نہیں ہے۔

نوٹ: پیغمبروں کو جھٹلانے والی قوموں پر عذاب حجت تمام ہونے کے بعد آتا ہے جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل ۱۷: آیت ۱۵ میں ذکر ہے "اور ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ ہم رسول نہ بھیج دیں۔"

آیت نمبر ۴۸: انبیاء و رسل علیہم السلام لوگوں کو امن و سلامتی اور اللہ ﷻ کی طرف بلاتے ہیں، جنت کی خوش خبری دیتے ہیں اور جہنم سے ڈراتے ہیں۔ رسولوں کی اتباع کرنے والوں اور ان پر ایمان لانے والوں کا ٹھکانا جنت ہوگا۔ ایسے لوگوں کو نہ ماضی کا کوئی غم ہوگا اور نہ مستقبل کا کوئی خوف ہوگا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کا مقرر شدہ کام: اللہ ﷻ رسولوں کو ترغیب دینے اور ڈرانے کے لئے بھیجتا ہے۔ جیسے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: "اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور ڈرتے رہتے تو ہم ضرور ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے (رسولوں کی) تکذیب کی تو ہم نے ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کو گرفت میں لے لیا، کیا بستیوں والے اس سے بے خوف ہیں کہ راتوں رات ان پر عذاب آجائے درآنحالیکہ وہ سو رہے ہوں"۔ (سورۃ الاعراف ۷، آیت: ۹۶، ۹۷)

آیت نمبر ۴۹: انبیاء و رسل علیہم السلام کی تکذیب کرنے والوں کے بارے میں ذکر ہے کہ وہ اپنی نافرمانیوں کی پاداش میں سزا بھگت کر رہیں گے۔

علمی بات: جس نے انبیاء کرام علیہم السلام کی باتوں پر یقین کیا اور اعتقاداً اور عملاً اپنی حالت درست کر لی تو اس کو حقیقی امن اور چین نصیب ہوا۔ اور جس نے اللہ ﷻ کی آیات کو جھٹلا کر ہدایت الٰہی سے روگردانی کی وہ نافرمانی اور بغاوت کی وجہ سے سخت تباہی اور عذاب عظیم میں گرفتار ہوا۔

آیت نمبر ۵۰: کفار کی جانب سے عجیب و غریب معجزے دکھانے کے مطالبوں کا جواب دیا گیا ہے۔ رسول اللہ A کی زبان مبارک سے یہ جواب کہلوایا گیا ہے۔ آپ A نے منصبِ رسالت کے ساتھ پیغامِ حق پیش فرما دیا ہے اور آپ A وحی کے احکام کی پیروی کرتے ہیں۔

علمی بات: ۱۔ اس آیت کے تین جملے دراصل مشرکین کے تین سوالوں کے جواب ہیں: ۱۔ مشرکین یہ کہتے تھے کہ اگر آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو آپ اللہ ﷻ سے ہمارے لیے دنیا کے منافع اور اچھائیاں طلب کریں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان سے فرما دیجیے کہ میں آسمانوں اور زمین کے خزانوں

کا خدائی اختیار نہیں رکھتا ہوں اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ ۲۔ مشرکین یہ کہتے تھے کہ اگر آپ در حقیقت رسول ہیں تو آپ ہمیں یہ بتائیں کہ مستقبل میں کیا فائدے ہوں گے اور کیا نقصانات ہوں گے؟ تاکہ ہم فوائد حاصل کرنے کی تیاری کریں اور نقصانات سے محفوظ رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان سے فرما دیجیے کہ میں (از خود) غیب کو نہیں جانتا تو تم مجھ سے ان امور کا کیسے مطالبہ کرتے ہو؟ ۳۔ مشرکین یہ کہتے تھے کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے اور شادی کرتا ہے اور لوگوں کے ساتھ رہتا ہے؟ گویا ان کے خیال میں پیغمبر کو فرشتہ ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان سے فرما دیجیے کہ میں فرشتوں میں سے نہیں ہوں۔ مزید یہ کہ میں از خود تمہارے مطالبات پر معجزات نہیں دکھا سکتا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت پر لبیک کہنے والے بینا ہوتے ہیں جو ان کو نابینا لوگوں سے ممتاز کرتے ہیں۔ لہٰذا اندھا اور بینا، گمراہ اور ہدایت یافتہ اور مومن اور کافر برابر نہیں ہوسکتے۔ (امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی کا خلاصہ)

۲۔ تمام فرشتوں اور اولین وآخرین کو جتنا علم دیا گیا ہے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے نبی کریم A کو بذریعہ وحی اُن سب سے زیادہ عطا فرمایا ہے۔ اور مخلوقات میں سب سے زیادہ علم آپ A کو عطا فرمایا اور آپ A کو قربِ الٰہی کا وہ مقام نصیب ہوا جو کسی نبی، رسول اور مقرب فرشتے کو عطا نہیں کیا گیا یہی پوری امت کا عقیدہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ سرورِ کائنات سید الرسل امام الانبیاء محمد مصطفیٰ A کے کمالات کے بارے میں بڑا جامع جملہ یہ ہے کہ "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"۔ البتہ یہ بات پیش نظر رہے کہ تمام کائنات کا عالم الغیب اور سارے علم کا محیط ہونا صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے۔ جس طرح اس کے خالق ورزاق، قادر مطلق ہونے میں کوئی فرشتہ یا کوئی رسول اس کے برابر نہیں ہوسکتا، اسی طرح اس کے علم کل میں بھی کوئی اس کے برابر نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سوا کسی فرشتے یا پیغمبر کو لاکھوں چیزیں معلوم ہونے کے باوجود عالم الغیب نہیں کہا جاسکتا۔

آیت نمبر ۵۱: تمام رسول خوش خبری سنانے اور خبر دار کرنے کے لئے آتے رہے ہیں۔ تلقین کی گئی ہے کہ یہ فریضہ منصب رسالت قرآنِ حکیم کے ذریعے سے سرانجام دیا جائے۔

علمی بات: ا۔ نبی کریم A کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ واضح آیات کے بعد بھی اگر منکرین اپنی ضد سے باز نہ آئیں تو ان سے بحث ومباحثہ کو موقوف کر دیجئے اور فریضہ رسالت اور تبلیغ دین اس میں مشغول رہیے اور اسی دعوت کا رخ ان لوگوں کی طرف پھیر دیجئے، جو قیامت میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سامنے پیشی اور حساب کتاب کا عقیدہ رکھتے ہیں، جیسے مسلمان یا وہ جو کم از کم اس کے منکر نہیں، بطور احتمال کے ہی سہی، کم از کم ان کو خطرہ تو ہے کہ شاید ہمارے اعمال کا ہم سے حساب لیا جائے۔

۲۔ مشرکین کے اس عقیدے کی تردید ہے کہ وہ اپنے دیوتاؤں کو سفارشی سمجھتے تھے، لہٰذا اس سے آنحضرت A کی اس شفاعت کی تردید نہیں ہوتی جو آپ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اجازت سے مومنوں کے لئے کریں گے کیونکہ دوسری آیتوں میں مذکور ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اجازت سے شفاعت ممکن ہے۔ (مثلاً سورۃ البقرہ ۲، آیت:۲۵۵) جب کہ مشرکین کا گمان یہ تھا کہ براہ راست اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے مدد طلب کرنے کے بجائے اگر ہم ان بتوں کا واسطہ وذریعہ بنائیں گے تب ہماری مطلب براری ہوگی۔

قرآن سمجھنے اور سمجھانے کی فضیلت: ۳۔ قرآن حکیم کو سمجھنا اور پھر آگے سمجھانا بہت بڑی بات ہے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس کو جہاد کبیر فرمایا ہے۔ چنانچہ سورۃ الفرقان ۲۵، آیت:۵۲ میں ہے۔ "اور آپ اس (قرآن) کے ذریعے ان سے بڑا جہاد کریں۔" تو جہاد کبیر سے مراد قرآن حکیم کی تعلیم، اس کا سمجھانا، اس کی نشرواشاعت اس کے پیغام کو عام اور اس کی آیات کے ذریعہ باطل عقائد ونظریات کا رد کرنا مراد ہے۔

آیت نمبر ۵۲ : شانِ نزول: آپA کی مجلس میں مالی اعتبار سے کمزور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت صہیب رضی اللہ عنہ، حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ، حضرت عمار رضی اللہ عنہ، حضرت یاسر رضی اللہ عنہ، بیٹھے رہتے تھے جن کی اپنی کوئی جائیداد تھی نہ کاروبار، صاحب حیثیت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے نیک بندے ان کے طعام کا انتظام کرتے تھے اور یہ صرف آپA کی خدمت میں رہا کرتے تھے قریش مکہ کے کچھ سرداروں نے یہ کہا تھا کہ ان کی موجودگی میں آپ کی مجلس میں بیٹھنا ہماری توہین ہے، اگر آپ ان لوگوں کو اپنی مجلس سے اٹھادیں تو ہم آپ کی بات سننے کے لئے آسکتے ہیں اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

نوٹ: اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان لوگوں کی رعایت و دلجوئی کا حکم فرمایا جو دین اسلام قبول کرکے اپنے رب سے لو لگائے رہتے ہیں۔ اور مکہ کے رؤسا کی درخواست رد فرمادی۔ اس سے جہاں ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت معلوم ہوئی جن کو غریبی کی وجہ سے رؤساعرب نے حقیر سمجھا تھا۔ وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ اسلام قبول کرچکے ہوں ان کی رعایت اور دلجوئی ان لوگوں سے مقدم ہے جو ابھی تک منکرین اسلام ہیں۔

عملی پہلو: ا۔ سچے اہل ایمان کی یہ شان بیان ہوئی کہ وہ صبح شام اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو پکارتے ہیں اور صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رضا ان کا مقصود و مطلوب اور مطمح نظر ہوا کرتی ہے۔

۲۔ متکبرین کی سزا اور مال و دولت پر گھمنڈ کرنے والوں پر تنبیہ کی گئی ہے ان میں ایک بڑا مرض یہ ہوتا ہے کہ وہ غریبوں اور مسکینوں کو حقیر سمجھنے لگتے ہیں۔ تکبر بدترین خصلت ہے۔ یہ صفت انسان کو حق قبول کرنے سے اور کفر کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہونے سے روکتی ہے اور آخرت میں اس کا بڑا عذاب ہے۔

آیت نمبر ۵۳: غنیٰ اور فقر انسان کی آزمائش کے لئے ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بعض کو بعض کے ذریعے آزمائش میں ڈالا ہے جو غنی ہیں وہ فقیر کو حقیر سمجھتے ہیں۔ نیز یہ بھی آزمائش ہے کہ نادار مسلمان کفار کی باتوں پر کس حد تک صبر کرتے ہیں۔ اس آیت میں غریب اہل ایمان کا مذاق اُڑانے والے کفار و مشرکین کا ذکر کرکے یہ بتایا گیا ہے کہ یہ ایک آزمائش ہے جن لوگوں کو کسی طرح کی برتری حاصل ہے وہ نعمت عطا کرنے والے کا شکر ادا کرنے کے بجائے متکبر بن کر ان لوگوں کی طرف دیکھتے ہیں جو اس نعمت سے محروم ہیں حالانکہ وہ اپنے سے کمزور لوگوں کو دیکھ کر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے فضل کا احساس کرتے تو ضرور شکر بجالاتے۔ لیکن مال و دولت اور اختیار واقتدار کے نشہ میں دوسروں کو حقیر سمجھنے لگتے ہیں اور اس طرح امتحان میں ناکام ہوجاتے ہیں۔

عملی پہلو: ا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جسے مال و دولت عطا فرمایا ہے اُسے چاہیئے کہ وہ غریبوں کو حقیر جاننے کی بجائے مُنعِم حقیقی کی طرف رجوع کرے اور وہ طریقہ تلاش کرے جو اس کے رب کو پسند ہے اور ناشکری و نافرمانی سے پرہیز کرے اور جب حق بات پہنچ جائے تو اسے فوراً قبول کرے۔ اور اس خیال سے حق بات کو بہتر نہ سمجھنا کہ غریبوں نے اس حق کو قبول کرلیا ہے اس لئے ہم اسے قبول نہیں کرتے، یہ خیال تکبر اور حماقت پر مبنی ہے۔

۲۔ عہد نبوت میں ایسے متکبر لوگ بھی تھے جن کا ذکر آیت شریفہ میں ہوا۔ آج بھی ایسے لوگ ہیں جو اپنے مال و دولت کے نشہ میں دین سے وابستہ رہنے والوں کو حقیر سمجھتے ہیں یہ لوگ اسلام کے دعویدار بھی ہیں لیکن اسلام پر چلنے والوں اور نیک اعمال اختیار کرنے والوں کو حقیر جانتے ہیں کہ ان کے کپڑے پھٹے پرانے، رہنے کا کچا مکان، بھوک پیاس کے ستائے ہوئے ہیں۔ مالداری اور غریبی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہونے کا پیمانہ نہیں ہے بلکہ اصل پیمانہ تقویٰ ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا قرب اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ہاں درجات کی بلندی تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔

آیت نمبر ۵۴: اہل ایمان کی دلجوئی کے لئے نبی کریمA کے طرف سے سلامتی کی دعائیں اور رحمت کی بشارت کا ذکر ہے کہ لاعلمی میں گناہ ہوجانے پر توبہ اور اصلاح احوال کرنے پر کامیابی کی بشارت ہے۔ نیز اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی شان رحمت اور غفاری کا بیان ہے کہ وہ گناہوں کو بخش دینے اور انتہائی رحم فرمانے والا ہے۔

شانِ نزول: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو رسول اللہ A کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اسلام لانے سے پہلے ہم سے بڑے بڑے گناہ سرزد ہو گئے ہیں رسول اللہ A خاموش رہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

علمی بات: آپ A کو خطاب کر کے ہدایت فرمائی گئی کہ جب آپ A کے پاس ہمارے یہ بندے آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ A سلامتی اور رحمت کی دعا کے ساتھ انہیں خوش آمدید کہا کریں اور ان کو ہماری طرف سے یہ خوشخبری سنا دیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے ضرور نوازے گا۔ اسی رحمت میں سے ہے کہ اگر ان میں سے کسی سے نادانی کی بناء پر کوئی غلطی صادر ہو جائے اور اس کے بعد وہ توبہ اور اصلاح احوال کرے تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

فرمانِ نبوی A: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ A نے فرمایا: "جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اپنی کتاب میں لکھا اور وہ کتاب اس کے پاس عرش پر موجود ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب آگئی ہے۔" (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

آیت نمبر ۵۵: اللہ سبحانہ و تعالیٰ آیات تفصیل سے بیان فرماتا ہے تاکہ حق کھل کر واضح ہو جائے اور طالب حق کے لئے قبول حق آسان ہو جائے اور مجرموں کا راستہ بھی واضح ہو جائے تاکہ خیر کے طلبگار اُس بُرے انجام سے بچیں جو کفار کے لئے مقرر ہے جس سے عنقریب کفار کو دوچار ہونا ہے۔

علمی بات: **مجرمین کی صفات:** ایسے لوگ ایمان لانے کے قریب تو آتے نہیں مگر مطالبات اور اعتراضات کیئے جاتے ہیں مثلاً ہمیں فلاں معجزہ لا کر دکھا دو یا فلاں بات کا پتہ دو تو تب ہم ایمان لائیں گے اور کبھی یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر حقیر قسم کے لوگ آپ اپنی مجلس سے نکال دیں تو تب ہی ہم آپ کی مجلس میں آسکتے ہیں۔ کچھ بری صفات تو ان مجرموں کی سابقہ آیات میں مذکور ہو چکیں اور کچھ آگے ذکر ہو رہی ہیں۔ یہ تفصیلات اس لئے بیان کی جا رہی ہیں تاکہ ایسے ہٹ دھرم لوگوں کی بری صفات کھل کر سامنے آجائیں۔

آیت نمبر ۵۶: مشرکین کی پیشکش کا ذکر ہو رہا ہے کہ ایک معین عرصے تک ان کے بتوں کی پوجا کی جائے اور بدلے میں وہ اتنے ہی عرصہ خالصتاً اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔ مشرکین مکہ یہ چاہتے تھے کہ کوئی درمیانی راہ نکل آئے۔ مشرکین کے گمان کے مطابق توحید کی دعوت سے نہ صرف ان کے بتوں کی توہین ہوتی تھی بلکہ وہ اس میں اپنی اور اپنے آباو اجداد کی بھی توہین سمجھتے تھے چنانچہ اس بات کے جواب میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے نبی کریم A سے فرمایا کہ ان سے فرما دیجئے کہ نہ میں تمہاری اس خواہش کو پورا کر سکتا ہوں نہ ہی ان باطل معبودوں کی تعظیم کر سکتا ہوں۔ میں تو مامور ہی اس بات پر ہوں کہ لوگوں کا تعلق ان جھوٹے معبودوں سے توڑ کر اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے جوڑ دوں۔ نہ عقل سلیم اس کی اجازت دیتی ہے کہ خالق دو جہان کو چھوڑ کر کسی غیر کی عبادت کی جائے اور نہ توحید کی روشن دلیلوں نے اس کے لئے کوئی گنجائش چھوڑی ہے۔ اس لئے عقل و نقل کے خلاف ایک صریح باطل کو کیوں کر اختیار کیا جا سکتا ہے۔

علمی بات: نزول قرآنِ حکیم سے پہلے فطری طور پر اور نزول قرآنِ حکیم کے بعد شرعی طور پر رب نے حضور A کو بت پرستی سے منع فرمایا ہے۔ بت پرستی اور کسی نافرمانی کے کام کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا حتیٰ کہ کبھی غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت نہیں کھایا۔ نبی کریم A کی اطاعت عبادت، تقویٰ، پرہیز گاری ظہورِ نبوت پر موقوف نہ تھی بلکہ آپ A اعلانِ نبوت سے قبل بھی صادق و امین تھے اور ہر قسم کی برائیوں سے دور تھے۔

آیت نمبر ۵۷: مشرکین کی ہٹ دھرمی کا ذکر ہے جو نبی کریم A سے عذاب کا مطالبہ کرتے تھے۔ رسول A کے ذریعے وضاحت کی گئی ہے کہ عذاب دینے کا اختیار بھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ہے۔

علمی بات: حضورA انہیں ڈرایا کرتے کہ اگر تم نے شرک نہ چھوڑا تو عذاب الٰہی آئے گا اور تم نیست ونابود کر دیئے جاؤ گے۔ وہ بطور مذاق کہتے کہ ہم آپ کا دین قبول نہیں کرتے پھر ہم پر جلدی عذاب اتاریئے بلکہ وہ تو یہ دعا بھی مانگا کرتے کہ اے اللہ ﷻ! اگر یہ دین سچا ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا۔ اللہ ﷻ ان کی اِس بات کے رد میں اپنے محبوب A کو یہ جواب دینے کی ہدایت فرمارہے ہیں کہ اے کفار! جس عذاب کے لئے تم جلد بازی کر رہے ہو۔ وہ اللہ ﷻ کے دست قدرت میں ہے۔ جب چاہے گا اتارے گا اور اس وقت اس کے غضب سے تمہیں کوئی نہ بچاسکے گا۔ یہ موضوع الانفال ۸، آیات: ۳۲،۳۳ میں بھی بیان ہوا ہے۔

آیت نمبر ۵۸: فرمایا جارہا ہے کہ آپA مشرکین کو بتادیجئے کہ جس چیز (عذاب) کو تم جلدی طلب کر رہے ہو اس کو لانے کا اختیار میرے پاس نہیں ہے۔ نیز آپ A یہ فرمادیجئے! اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کو تم جلدی طلب کر رہے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان کب کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔

مراد یہ ہے کہ اس عذاب کو نازل کرنا صرف اللہ ﷻ کی قدرت اور اس کے اختیار میں ہے۔ وہ اگر چاہے گا تو عذاب نازل فرمائے گا اور اگر وہ اپنی کسی حکمت کی بنا پر عذاب نازل نہ کرنا چاہے تو نہیں فرمائے گا مجھے اس عذاب کے نازل کرنے یا اسے مقدم ومؤخر کرنے پر قدرت نہیں ہے اور اگر بالفرض یہ معاملہ میرے اختیار میں ہوتا تو میں تمہارے مطالبہ پر عذاب لا چکا ہوتا۔

آیت نمبر ۵۹: اللہ ﷻ کے علم کی وسعت کا بیان ہے کہ اللہ ﷻ ہر شی کے کل وجز، اصل وفرع کے ساتھ ساتھ تمام تر جزئیات سے بھی واقف ہے۔ یعنی ہر بڑی اور چھوٹی بات اس کے علم میں ہے۔

علمی بات: ۱۔"رطب" سے مراد وہ ہے جو اگتا ہے اور "یابس" سے مراد وہ ہے جو نہیں اگتا۔ ایک مراد یہ بھی ہے کہ رطب سے "حی" یعنی زندہ اور یابس سے "بے جان" چیزیں مراد ہیں۔ مفسرین کی ایک جماعت نے "کتاب مبین" سے لوح محفوظ کو مراد لیا ہے۔ "کتاب مبین"۔ ایک اصطلاح ہے، جو تعبیر ہے علم الٰہی سے یعنی اللہ ﷻ کے علم میں کائنات کی تمام تفصیلات موجود ہیں، وہ بحر وبر کی وسعتوں سے آگاہ ہے، پتے پتے سے واقف ہے، زمین کی تاریکیوں میں جو کچھ بھی ہے، اسے علم ہے، اللہ ﷻ کا علم ازلی ہے اور ابدی ہے۔ اسے جاننے یاد رکھنے کے لئے کسی کتاب کی ضرورت نہیں۔ لوح محفوظ میں لکھنے کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ جو کچھ وجود میں آتا رہے فرشتوں کو اس کا علم ہوتا رہے کہ یہ سب معلومات الٰہیہ اور مخلوقات الٰہیہ میں سے ہے۔ ایک یہ حکمت بھی ہے کہ جو لوگ مکلف (یعنی احکامات پر عمل کرنے کے پابند) ہیں وہ یہ یقین کر لیں کہ ہمارے اعمال میں سے کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو لکھنے سے رہ گئی ہو۔ اس کتاب کو لوح محفوظ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ تحریف سے اور شیاطین کے وہاں تک پہنچنے سے محفوظ ہے۔ کوئی اس میں ردو بدل نہیں کر سکتا۔

۲۔ اللہ ﷻ اپنی صفات میں ایسا کامل ہے کہ کوئی مخلوق کسی بھی صفت میں اس کے برابر نہیں ہو سکتی۔ پھر ان صفات میں بھی دو صفتیں سب سے زیادہ ممتاز ہیں، ایک علم دوسری قدرت، اس کا علم بھی تمام موجود وغیر موجود، ظاہر اور مخفی، بڑے اور چھوٹے ہر ذرہ ذرہ پر حاوی اور محیط ہے اور اس کی قدرت بھی ان سب پر پوری طرح غالب اور حاوی ہے۔

آیت نمبر ۶۰: نیند کو موت سے اور نیند کے بعد بیداری کو دوبارہ جی اٹھنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ نیند اور اس کے بعد بیداری کی مثال پیش فرما کر پورے عالَم دنیا کی موت اور پھر دوبارہ زندگی کے متعلق تنبیہ کی گئی ہے۔ نیز روز قیامت اللہ ﷻ کی بارگاہ میں پیشی اور اعمال کا حساب وکتاب بیان فرمایا گیا۔ سونا اور جاگنا، کام اور آرام دن اور رات زندگی اور موت کا ایک سلسلہ ہے جو ہر انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے تاکہ انسان ان تغیرات اور انقلابات سے عبرت حاصل کر سکے۔ وہ لوگ جو آئندہ جی اٹھنے پر یقین نہیں کرتے وہ اس پر غور کریں کہ کس طرح نیند انہیں ہر روز مغلوب کر دیتی ہے۔ وہ نیند

پر قابو نہیں پاسکتے۔ اسی طرح موت ان پر قابو پالے گی اور وہ موت پر قابو نہیں پاسکیں گے۔ کس طرح وہ ہر نیند کے بعد جاگ اٹھتے ہیں۔ اسی طرح وہ موت کی نیند کے بعد بھی جاگ اٹھیں گے اور حساب وکتاب کے لئے اللہ ﷻ کے سامنے پیش کر دیئے جائیں گے۔

آیت نمبر ۶۱: اللہ ﷻ اپنے سب بندوں پر مکمل اختیار رکھتا ہے۔ قیامت کے دن جب اللہ ﷻ لوگوں کو زندہ فرمائے گا تو فرشتے ان کو اللہ ﷻ کی بارگاہ میں پیش کریں گے جو ان کا حقیقی مالک ہے۔ اس دنیا میں تو نمرود اور فرعون جیسے کئی ظالم لوگ ناحق حاکم بن کر اپنا حکم چلاتے رہے ہیں اور حقیقی مالک کو تسلیم نہیں کیا مگر قیامت کے دن ہر خاص وعام اور کافر و مومن کو مشاہدہ ہو جائے گا کہ حقیقی مالک تو صرف اللہ ﷻ ہے۔ اس دن صرف اسی کے حکم کے مطابق فیصلے ہوں گے اور اس کا کوئی فیصلہ عدل وانصاف کے خلاف نہ ہو گا۔

علمی بات: مفسرین کرام فرماتے ہیں فرشتے اپنے کام کے اعتبار سے تین اقسام پر مشتمل ہیں:

i۔ وہ فرشتے جو انسانی حفاظت پر مامور ہیں اور ان کو مضرتوں سے بچاتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ الرعد ۱۳، آیت: ۱۱ میں فرمایا گیا ہے۔ "اس کے پہرے دار (مقرر) ہیں اس (انسان) کے آگے بھی اور پیچھے بھی وہ اللہ کے حکم سے اُس کی حفاظت کرتے ہیں"۔

ii۔ وہ فرشتے جو انسان کی حفاظت اور اس کے احوال تحریر کرتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ الانفطار ۸۲، آیت: ۱۱،۱۰ میں فرمایا گیا ہے "اور یقیناً تم پر محافظ (فرشتے) مقرر ہیں۔ بہت معزز (تمہارے اعمال) لکھنے والے ہیں"۔

iii۔ وہ فرشتے جو انسان کی روح نکالنے کے لئے مقرر کیئے گئے ہیں اس قسم کے فرشتوں کے سردار حضرت عزرائیل علیہ السلام ہیں، باقی ان کے مددگار ومعاون ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ملک الموت کا تسلط زمین کی تمام چیزوں پر اسی طرح ہے جس طرح اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چیز پر ہوتا ہے، تمام روحوں کو وہ خود ہی قبض کرتے ہیں مگر ان کے ساتھ رحمت اور عذاب کے فرشتے ہوتے ہیں پاک روح کو قبض کرنے کے بعد رحمت کے فرشتوں کے حوالے کر دیتے ہیں اور ناپاک روح کو عذاب کے فرشتوں کے سپرد فرما دیتے ہیں۔

آیت نمبر ۶۲: اللہ ﷻ کا اپنے بندوں کا مولیٰ ومالکِ حقیقی ہونے کا بیان ہے۔ نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ موت کے بعد روح انسانی کو اللہ ﷻ ہی کی طرف لوٹایا جائے گا۔ ہر انسان اپنے اعمال کا خود جواب دہ ہو گا۔

علمی بات: اللہ ﷻ جلد حساب لینے والا ہے: اللہ ﷻ قادر مطلق ہے اور ایک انسان سے حساب لیتے وقت دوسرے انسانوں سے غافل نہیں ہوتا۔ جب ملک الموت کو دنیا کے مختلف حصوں سے روحیں قبض کرنے میں کوئی وقت نہیں لگتا تو اللہ ﷻ جو ملک الموت کا خالق ہے وہ تمام دنیا کا حساب لینے میں کسی وقت کا محتاج نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ ایک وقت میں اللہ ﷻ تمام لوگوں کا حساب کیسے لے گا؟ آپ نے فرمایا: جس طرح اللہ ﷻ ایک وقت میں سب انسانوں کو رزق دیتا ہے اسی طرح وہ ایک وقت میں ان کا حساب بھی لے سکتا ہے۔

آیت نمبر ۶۳: توحید باری تعالیٰ کا تعارف خود فطرت انسانی میں موجود ہے۔ خشکی اور سمندر کی مشکلات و حوادثات سے نجات دینے والا صرف اللہ ﷻ ہی ہے۔ سختیوں میں مبتلا ہونے پر مشرکین بھی جھوٹے معبودوں کو بھول کر اللہ ﷻ ہی کو پکارتے ہیں۔

علمی بات: مشرکین جب خشکی یا سمندر کی تاریکیوں اور مصیبتوں اور طوفانوں میں گھر جاتے اور جب سارے مادی سہارے ٹوٹ جاتے اور موت سامنے نظر آتی تو بتوں کو بھول جاتے اور بڑی عاجزی کے ساتھ خالق حقیقی کو مدد کے لئے پکارتے کہ اگر وہ انہیں اس مصیبت سے نجات دے دے تو وہ اس کی نافرمانی سے باز آجائیں گے اور ہمیشہ اس کے شکر گزار بندے بن کر رہیں گے۔ اللہ ﷻ نے حضور اکرم A کو فرمایا کہ ان ناقدروں کو ان کا وعدہ یاد

دلائیے اور ان سے پوچھیئے کہ جب تمہیں ہلاکت کا خطرہ ہو تو اللہ ﷻ کو پکارتے ہو اور جب اللہ ﷻ تمہیں اس مصیبت سے نجات دے دے تو پھر تم دوبارہ شرک کی طرف لوٹ جاتے ہو۔ یہ تو وعدہ خلافی ہے کہ تم نے عہد کیا اور اس سے مکر گئے اور ایسے ہو گئے جیسے کوئی عہد ہی نہ تھا۔

عملی پہلو: مصیبت کے وقت بعض کافر بھی صدق دل سے عاجزی کرتے ہوئے گڑگڑا کر اللہ ﷻ کو پکارتے ہیں، مگر مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ ہر حال میں خوشی ہو یا غم اللہ ﷻ کو یاد رکھیں اور اس کے ساتھ کیئے ہوئے وعدے پورے کریں۔ یاد رکھیں! ہر مسلمان کا اللہ ﷻ سے پہلا وعدہ یہ ہے کہ وہ صرف اللہ ﷻ کی عبادت کرے گا اور کسی کو شریک نہیں ٹھہرائے گا اور اپنی زندگی اس کے احکام کے مطابق گزارے گا۔ اسی بات کو ہم سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کرتے ہوئے بار بار دہراتے ہیں کہ "(اے اللہ!) ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔" (سورۃ الفاتحہ ۱، آیت:۴)

آیت نمبر ۶۴: اللہ ﷻ کُل نفع و نقصان کا مالک ہے اور وہی مشکلات کو دور کرتا ہے اور سختیوں سے نجات دلاتا ہے۔ مگر مشرکین کا حال یہ ہے کہ مصیبت ٹل جانے پر اللہ ﷻ کو بھول کر جھوٹے معبودوں کی پرستش میں لگ جاتے ہیں۔

آیت نمبر ۶۵ عذاب کی تین اقسام کا بیان: اس آیت میں عذاب کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ i۔ اوپر سے عذاب جیسے بارش کی کثرت، تیز آندھی یا پتھروں کے ذریعے عذاب جیسے پرندوں کی چھوٹی چھوٹی کنکریوں نے ابرہہ کی فوج اور ہاتھیوں کو تہس نہس کر دیا، ظالم امراء اور حُکام کو مسلط کرنا۔ ii۔ نیچے سے عذاب جیسے زمین میں دھنسایا جانا، طوفان اور سیلاب اور قارون کو اس کے خزانوں سمیت زمین میں دفن کر دینا۔ فرعون اور اس کے لشکر کو پانی کی لہروں کے ذریعے غرق کرنا۔ iii۔ مختلف فرقوں میں بٹ جانا ہو اور قتل و غارت کا عام ہونا کہ قاتل کو پتہ نہ ہو کیوں قتل کیا اور نہ مقتول کو پتہ ہو کہ کس جرم میں قتل ہوا۔

علمی بات: حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ A نے ایک مرتبہ بہت لمبی نماز پڑھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ A آپ نے ایسی نماز پڑھی ہے جو آپ عام طور پر نہیں پڑھتے۔ آپ A نے فرمایا ہاں! اللہ ﷻ سے رغبت اور اس سے خوف کی نماز تھی، میں نے اللہ ﷻ سے تین چیزوں کا سوال کیا، اس نے مجھے دو چیزیں عطا کر دیں، اور ایک سے منع فرما دیا۔ میں نے اللہ ﷻ سے سوال کیا کہ میری امت کو قحط میں ہلاک نہ کرنا تو اللہ ﷻ نے مجھے یہ عطا کر دیا، اور میں نے سوال کیا کہ میری امت پر ان کے مخالف کو مسلط نہ کرنا تو مجھے عطا کر دیا اور میں نے سوال کیا کہ میری امت کے بعض، بعض سے جنگ نہ کریں تو مجھے اس سے منع فرما دیا۔ (جامع ترمذی)

عملی پہلو: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم A کی دعا سے پہلی امتوں کی طرح اب مسلمانوں پر آسمان و زمین سے کوئی ایسا عذاب نہیں آئے گا جو پوری امت مسلمہ کو صفحہ ہستی سے مٹا دے۔ اگر بعض مقامات پر جزوی طور زلزلہ یا آندھی یا سیلاب آنے سے ان کی نفی نہیں ہے، لیکن گروہ بندی، فرقہ بندی اور آپس کے لڑائی جھگڑے عذاب کی ایسی صورتیں ہیں جو ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہم پر مسلط کی گئی ہیں اور جب تک ہم ان گناہوں سے سچی توبہ کر کے اصلاح احوال نہیں کریں گے تو ہمارا حال اور مستقبل یونہی انحطاط کا شکار اور زوال پذیر رہے گا۔

آیت نمبر ۶۶: نبی کریم A سے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ A کی قوم نے قرآنِ حکیم کو جھٹلا دیا، حالانکہ وہ برحق ہے اور اس میں بیان شدہ ہر بات سچی ہے۔ آپ A ان سے فرما دیجئے کہ میں تم سے ایمان قبول کرانے کا ذمہ دار نہیں ہوں، بلکہ میرا کام تمہیں حق پہنچا دینا ہے۔ ارشاد ہے "اور فرما دیجئے کہ یہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے، پھر جو چاہے سو ایمان لے آئے اور جو چاہے سو کفر کرے۔" (سورۃ الکہف ۱۸، آیت:۲۹)

علمی بات: اس آیت میں کس چیز کو حق فرمایا ہے اس بارے میں حسب ذیل اقوال ہیں:

۱۔ کفار نے عذاب الٰہی کا انکار کیا حالانکہ اس کا نزول حق ہے۔ ۲۔ کفار نے قرآنِ حکیم کا انکار کیا حالانکہ یہ قرآنِ حکیم حق ہے۔

۳۔ اللہ ﷻ نے الوہیت اور توحید پر بطور دلیل جو آیات نازل کی ہیں کفار نے ان دلائل کا انکار کیا حالانکہ یہ دلائل حق ہیں۔

اس کے بعد فرمایا آپ A کہیئے کہ میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں یعنی اگر تم ان دلائل سے اعراض کرتے ہو اور حق کا انکار کرتے ہو تو میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں یعنی نہ میں تم پر جبر کر کے نہ تمہیں مومن بنا سکتا ہوں اور نہ انکار کی صورت میں تمہیں سزا دے سکتا ہوں۔ میں تو تمہیں صرف آخرت کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔

آیت نمبر ۶۷: اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ہر فیصلے کے ظہور کا ایک وقت مقرر ہے اور کفار کے لئے تنبیہ ہے کہ نافرمان عذاب کا شکار ہو کر رہے گے۔

علمی بات: اللہ ﷻ نے جو بھی خبر دی ہے اس کا ایک وقت متعین ہے اور اس وقت میں یقینا اس خبر کا ظہور ہو گا اور اس میں کوئی تقدیم و تاخیر نہیں ہو گی۔ اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اللہ ﷻ نے کفار کے لئے عذاب آخرت کی جو خبر دی ہے وہ عذاب یقینا نازل ہو گا۔ اور اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اللہ ﷻ نے جو یہ خبر دی ہے کہ کفار کے ساتھ جنگ میں مسلمان کافروں پر غالب ہوں گے تو بغیر شک وشبہ کے اس خبر کا ظہور ہو گا۔ یہ اللہ ﷻ کی طرف سے کفار کے لئے وعید ہے۔

آیت نمبر ۶۸: ان مجلسوں میں بیٹھنے کی ممانعت کی جا رہی ہے جن میں اسلام کا مذاق بنایا جا رہا ہو۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ مسلمان اور مشرکین ایک جگہ بیٹھتے تھے۔ مشرکین کو قرآنِ حکیم کا احترام نہ تھا۔ بیٹھے بیٹھے اہل ایمان کے سامنے قرآنِ حکیم کا مذاق بنانے لگتے تھے اور امور دین پر طعن کرنے لگتے تھے۔ اللہ ﷻ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ جب تم ان ظالموں کی اس حرکت کو دیکھو تو ان سے اعراض کرو اور کنارہ کشی اختیار کرو۔ ہاں جب وہ اپنی اس بُری حرکت کو چھوڑ دیں اور دوسری باتوں میں مشغول ہو جائیں تو پھر ان کے ساتھ بیٹھ سکتے ہو۔ اگر اس استہزاء اور تمسخر کے وقت تم بھولے سے ان کے پاس بیٹھے ہو تو یاد آنے پر فوراً اٹھ جاؤ اور ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو۔ یہ مضمون سورۃ النسآء میں بھی گزرا ہے۔ وہاں اس آیت کا حوالہ دے کر فرمایا ہے۔ ”اور اس نے کتاب میں تم پر یہ حکم نازل کیا ہے کہ جب تم اللہ ﷻ کی آیتوں کو سنو کہ ان کا انکار کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو ایسے لوگوں کے ساتھ اس وقت تک مت بیٹھو جب تک وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہو جائیں۔“ (سورۃ النسآء، آیت: ۱۴۰)

عملی پہلو: شیطان بھلا دے، یعنی بھول کر اُس مجلس میں شریک ہو گئے ایسی مجلس میں شریک ہونے کی ممانعت یاد نہ رہی، تو لہذا جس وقت بھی یاد آجائے کہ یہ لوگ اپنی مجلس میں اللہ ﷻ کی آیات کا انکار اور قرآن حکیم کا مذاق اُڑاتے ہیں تو فوراً اسی وقت اس مجلس سے اٹھ جانا چاہیئے، یاد آجانے کے بعد وہاں بیٹھے رہنا گناہ ہے۔

آیت نمبر ۶۹: جب سابقہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ A اگر ان کی مجلس میں جانے کی مطلقاً ممانعت رہی تو ہم مسجد حرام میں نماز اور طواف سے بھی محروم ہو جائیں گے، کیونکہ وہ لوگ تو ہمیشہ وہاں بیٹھے رہتے ہیں، (یہ واقعہ ہجرت اور فتح مکہ سے پہلے کا ہے) اور ان کا مشغلہ ہی عیب جوئی اور بدگوئی ہے، اس پر اس کے بعد یہ والی آیت نازل ہوئی: وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ یعنی جو لوگ احتیاط برتنے والے ہیں وہ اگر اپنے کام سے مسجد حرام (بیت اللہ) میں جائیں تو ان کے بُرے اعمال کی ان پر کوئی ذمہ داری نہیں، ہاں اتنی بات ان کے ذمہ ہے کہ حق بات ان تک پہنچا دیں کہ شاید وہ اس سے نصیحت حاصل کر کے صحیح راستہ پر آجائیں۔

علمی بات: اگر مسلمانوں نے قرآنِ حکیم، نبی کریم A اور دین اسلام کا تمسخر اُڑانے اور اس پر اعتراض کرنے والوں کے پاس بیٹھنے سے اجتناب کیا تو ان کے اعتراضات اور تمسخر کی مسلمانوں سے باز پرس نہیں ہو گی اور مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ ان لوگوں کو برابر نصیحت کرتے رہیں ہو سکتا ہے یہ لوگ اپنی اسلام دشمنی سے باز آجائیں۔

عملی پہلو: ا۔جب دین مخالف لوگ دینِ اسلام اور نبی کریم A کے خلاف بدکلامی کریں تو اس وقت مسلمانوں کا ان کی مجلس سے اٹھنا اس پر دلالت کرے گا کہ مسلمانوں کو یہ باتیں ناگوار گزری ہیں۔ اور مسلمانوں کے اس طرزِ عمل سے ان کو حیا آئے اا اور وہ آئندہ کے لئے مسلمانوں کے سامنے ان دل آزار باتوں سے رُکے رہیں۔ ۲۔لوگوں کی مجلسوں میں دین اور دین داروں کا مذاق اُڑایا جائے، اہلِ ایمان کو اس طرزِ عمل سے دل برداشتہ یا متاثر ہونے کے بجائے اس مجلس کا موضوع بدلنے اور قرآن وسنت کی حقانیت کی دعوت دینے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیئے۔

آیت نمبر ۷۰: اس آیت میں مشرکین کا دین کو کھیل تماشہ بنانے کا بیان ہے یعنی دینِ حق کا مذاق اڑانا اور من چاہی باتوں کو دین سمجھنا۔ اس بے باکی کی بنیادی وجہ دنیا میں مگن رہنا اور آخرت کو بھلا دینا ہے۔ قرآنِ حکیم کے ذریعہ اُن لوگوں کو نصیحت اور آخرت کی حقیقت بیان فرمائی گئی ہے۔ نیز اہل باطل کے لئے دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے اور حمایتی اور سفارش کرنے والوں کی یکسر نفی کی گئی ہے۔ آیت کے آخر میں ان کا انجام بیان کیا گیا ہے کہ کفر کے بدلہ جہنم میں کھولتا ہوا مشروب ان کا مقدر ہوگا۔

علمی بات: دین کو لہو ولعب یعنی مشغلہ اور کھیل بنا رکھا ہے، اس کے دو معنی ہوسکتے ہیں، ایک یہ کہ جو دین حق یعنی اسلام ان کے لئے بھیجا گیا ہے، اس کو لہو ولعب بنا رکھا ہے، اس کا استہزاء و تمسخر کرتے ہیں، دوسرے یہ کہ انہوں نے اصلی دین کو چھوڑ کر اپنا دین و مذہب ہی لہو ولعب کو بنا لیا ہے، دونوں معنی کا حاصل تقریباً ایک ہی ہے۔

عملی پہلو: ا۔اس آیت میں اول یہ کہ ایسے لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کریں جس کا بیان مذکورہ جملہ میں آچکا ہے، دوسرے یہ کہ صرف ان لوگوں سے کنارہ کشی اور اعراض بھی کافی نہیں، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ قرآنِ حکیم کے ذریعہ ان کو نصیحت بھی کرتے رہیں اور اللہ ﷻ کے عذاب سے ڈراتے بھی رہیں۔

۲۔اللہ ﷻ کے مجرم کے لئے سزا سے بچانے والا نہ کوئی دوست عزیز ہوسکتا ہے، نہ کسی کی سفارش اللہ کی اجازت کے بغیر چل سکتی ہے، اور نہ کوئی مال قبول کیا جاسکتا ہے، بلکہ اگر سارے جہان کا مال بھی اس کے قبضہ میں ہو اور وہ اس سب مال کو سزا کے طور پر دے تب بھی یہ فدیہ اس سے قبول نہ کیا جائے گا۔

۳۔جو لوگ آخرت سے غافل صرف دنیا کی زندگی میں مگن ہیں، ان کی صحبت بھی انسان کے لئے مہلک اور مضر ہے، اس کا انجام یہ ہے کہ ان کی صحبت میں رہنے والا بھی کہیں ان جیسا بن کر اس عذاب کا شکار نہ ہو جائے۔ تمام برائیوں اور جرائم کی جڑ اصل بُری سوسائٹی اور بُرا ماحول ہے جس میں پھنسنے کے بعد اوّلاً انسان تو اپنے ضمیر کے خلاف جرائم کا ارتکاب کرتا ہے اور پھر جب عادت پڑ جاتی ہے تو برائی کا احساس بھی ختم ہو جاتا ہے۔

آیت نمبر ۷۱: جھوٹے معبودوں کو پکارنے کی ممانعت و حرمت کا بیان ہے۔ نیز بتایا گیا ہے کہ اہل ایمان اللہ ﷻ کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کرتے وہ اللہ ﷻ ہی کو نفع اور نقصان کا مالک مانتے ہیں۔ اہل ایمان اللہ ﷻ ہی کے راستہ پر یقین رکھتے ہیں اور اسی پر چلتے رہتے ہیں اور اللہ ﷻ ہی کی فرماں برداری اختیار کرتے ہیں۔

علمی بات: ا۔**گمراہی میں بھٹکنے والے شخص کی مثال:** اللہ ﷻ نے رسول اللہ A سے فرمایا کہ آپ A ان مشرکوں سے کہیئے کہ اللہ ﷻ بزرگ و برتر جو نفع اور نقصان کا مالک ہے، کیا اس کو چھوڑ کر ہم ان بتوں کی پرستش کریں جو ہمیں نفع دینے یا نقصان پہنچانے پر قدرت نہیں رکھتے اور ہم الٹے پیر شرک اور کفر کی طرف لوٹا دیئے جائیں، جب کہ اللہ ﷻ ہمیں اس کفر سے نجات دے کر اسلام کی طرف ہماری رہنمائی کر چکا ہے۔

۲۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بتوں کی اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف دعوت دینے والوں کی یہ مثال بیان فرمائی ہے، جیسے ایک شخص راستہ سے بھٹک گیا ہو اور اسے کوئی شخص پکارے کہ اس طرف آؤ اور اس کے خیر خواہ بھی ہوں جو اس کو بلائیں کہ اس راستہ پر آؤ تو اگر وہ پہلے بلانے والے کی پکار پر چلا جائے تو وہ اس کو ہلاکت و تباہی کے گڑھے میں گرا دے گا اور اگر وہ ہدایت کی دعوت دینے والے کے پاس چلا جائے تو سیدھا راستہ پا جائے گا اور یہ صحرا یا جنگل میں بلانے والے شیاطین جنات ہیں۔

عملی پہلو: اچھی صحبت اور اچھی مجالس کی یہ برکت ہے کہ نیک ساتھی انسان کی راہِ راست کی طرف رہنمائی کرتے رہتے ہیں اور خیر کی تلقین اور بدی سے روکتے رہتے ہیں۔ ہمیں بھی نیک لوگوں اور نیک ماحول سے جُڑے رہنا چاہیئے۔

آیت نمبر ۷۲: اقامت صلوٰۃ اور تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اقامت صلوٰۃ میں نماز کے مسائل کا علم، ظاہری و باطنی آداب کی رعایت، وقت کی پابندی اور جماعت کے ساتھ ادائیگی سب کو شامل ہیں۔ نماز تقویٰ کے حصول کا بھی ذریعہ ہے جیسا کہ سورۃ العنکبوت ۲۹، آیت: ۴۵ میں فرمایا گیا ہے کہ "بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔" تقویٰ کا مطلب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا خوف رکھنا بھی ہے اور گناہوں سے بچنا بھی۔

علمی بات: بندۂ مومن کو ہمیشہ اسی بات کو پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ میرا معاملہ میرے خالق و مالک کے ساتھ کیسا ہے اور وہ ہر اس کام سے بچنے کی فکر و کوشش کرے جو اس کی ناراضگی اور پکڑ کا باعث ہو۔ سب کو بہر حال اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے تاکہ نیک و بد میں تمیز ہو سکے۔ نیک کاروں کو جنت کی ابدی اور عظیم الشان نعمتوں سے سرفرازی نصیب ہو اور بدکاروں کو ان کی زندگی بھر کی بدکاریوں کی سزا مل سکے۔ پس ہر کوئی ہمیشہ اسی بات کو پیش نظر رکھے کہ آخرت میں میرا معاملہ کیسا رہے گا اور وہاں کامیابی کے لئے مہلت سے فائدہ اٹھا کر محنت کرے۔

آیت نمبر ۷۳: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو کامل حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے نہ کہ کھیل تماشہ کے لئے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ زمین و آسمان اور ان میں موجود تمام مخلوقات کا مالک و منتظم ہے جس طرح کائنات کی تخلیق با مقصد ہے اسی طرح انسانوں کو بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ایک مقصد کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الذاریات ۵۱، آیت: ۵۶ میں بیان فرمایا گیا ہے کہ "اور ہم نے جنات اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔" اللہ سبحانہ وتعالیٰ قیامت کے دن انہیں میدان محشر میں کلمہ "کُن" کے ذریعے جمع کرنے پر قادر ہے۔ انسان کی خواہش اس کے امر کو مؤخر نہیں کر سکتی۔ اس کا قول و حکم بہر حال نافذ اور واقع ہو گا۔ اس کے بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا کہ جس دن قیامت کا صور پھونکا جائے گا اس دن اسی کی بادشاہت ہو گی اور وہ اپنے مطیع و فرماں بردار اور عاصی و گناہ گار بندوں کے ساتھ ان کے اعمال کے مطابق برتاؤ کرے گا۔ دنیا دار العمل اور آخرت دار الجزاء ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ بندوں کے ظاہر و باطن کی ہر بات سے واقف ہے۔

نوٹ: دنیا میں مجازی طور پر جن لوگوں کو بادشاہ کہا جاتا تھا روزِ قیامت ان کی بادشاہت بھی ختم ہو جائے گی، جیسا کہ ارشاد فرمایا: "جس دن وہ صاف ظاہر ہوں گے، ان کی کوئی چیز اللہ پر چھپی نہ ہو گی۔ آج کس کی بادشاہی ہے؟ اللہ ہی کی جو ایک ہے، بہت دبدبے والا ہے۔" (سورۃ المؤمن ۲۳، آیت: ۱۶)

مشقوں کے جوابات

سوال ۱: خالی جگہیں پُر کریں:

(۱) آیت: ۲۱ میں سب سے بڑا ظالم <u>اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلانے والے</u> کو قرار دیا گیا ہے۔

(۲) آیت: ۳۸ میں انسانوں کے گروہ کی مثال دوسرے گروہ <u>جانوروں اور پرندوں</u> سے دی گئی ہے۔

(۳) آیت:۴۳ میں انسانوں پر اللہ ﷻ کی طرف سے دنیا میں عذاب نازل کرنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ لوگ اللہ ﷻ کے سامنے عاجزی اختیار کریں۔

(۴) آیت:۵۲ کی روشنی میں نیک لوگوں کی دو صفات صبح و شام رب کو پکارنا اور اس کی رضا چاہنا ہیں۔

(۵) آیت:۶۸ کی روشنی میں جواب دیجیے کہ جس محفل میں اللہ ﷻ کی آیات کے حوالہ سے فضول باتیں کی جارہی ہوں تو ہمیں اس محفل سے اُٹھ جانا چاہیے۔

سوال ۲: مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجیے:

۱- پہلے رکوع کی روشنی میں مشرکین کے کوئی دو اعتراضات اور ان کو دیئے گئے جوابات لکھیں۔

مشرکین مکہ کا پہلا اعتراض یہ تھا کہ آسمان سے کوئی لکھی ہوئی کتاب کیوں نہیں آئی اور دوسرا اعتراض یہ تھا کہ فرشتے کیوں نہیں اُتارے گئے اس کا جواب دیا گیا کہ جو لوگ موجودہ قرآنِ حکیم کو جادو اور اس کے لانے والوں کو جادوگر بتلاتے ہیں (معاذاللہ) اگر ہم اُنہیں وحی کاغذ میں لکھی ہوئی کتاب کی شکل میں بھی آسمان سے اُتار دیں جسے یہ ہاتھوں سے چُھو کر معلوم کرلیں، تب بھی یہ اسے جادو کہیں گے اور دوسرا جواب دیا گیا کہ اگر ہم کوئی فرشتہ نازل فرماتے تو اب تک فیصلہ ہو چکا ہوتا اور پھر اُنہیں مہلت نہ دی جاتی۔

۲- دوسرے رکوع کی روشنی میں اللہ ﷻ کی کوئی پانچ صفات تحریر کریں۔

i- ہر جگہ اور ہر وقت اللہ ﷻ کی حکومت اور اقتدار رہے۔ ii- اللہ ﷻ ہی ہے جو ہر ایک کی پکار سنتا ہے۔ iii- اللہ ﷻ ہی سب کی ضروریات کو بخوبی جانتا ہے اور پورا کرتا ہے۔ iv- آسمان اور زمینوں کو اللہ ﷻ ہی نے پیدا فرمایا۔ v- اللہ ﷻ ہی ہم سب کو پالنے والا ہے۔

۳- تیسرے رکوع کی روشنی میں مشرکوں کے دل، کان، آنکھ اور زبان کی حالت بیان کریں۔

مشرک زبان سے جھوٹ بولا کرتے ہیں اور اللہ ﷻ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں تو اللہ ﷻ نے ان کے دل، کان اور آنکھوں پر پردے ڈال دیئے۔ اگر وہ تمام نشانیاں دیکھ بھی لیں تب بھی ایمان نہیں لائیں گے۔

۴- چوتھے رکوع کی روشنی میں بیان کریں کہ مشرکین کی طرف سے معجزہ کے مطالبہ پر کیا جواب دیا گیا؟

مشرکین کی طرف سے معجزہ کے مطالبہ پر جواب دیا گیا کہ اللہ ﷻ اس پر قادر ہے کہ معجزہ دکھادے لیکن ان میں سے اکثر لوگ (اس کا انجام) نہیں جانتے۔

۵- آٹھویں رکوع میں عذابِ الٰہی کی کون سی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں؟

آٹھویں رکوع کی آیت:۶۵ میں عذابِ الٰہی کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں کہ اللہ ﷻ اس پر قادر ہے کہ تم پر عذاب بھیج دے i- تمہارے اوپر سے ii- تمہارے پاؤں کے نیچے سے iii- یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کرکے بھڑا دے اور ایک کو دوسرے کی طاقت کا مزہ چکھائے۔

نوٹ: سورۃ الانعام کی آیات ۷۴ تا ۹۰ کی وضاحت رہنمائے اساتذہ برائے مطالعہ قرآنِ حکیم حصہ دوم میں قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تحت ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

سُوْرَۃُ الْاَنْعَام (حصّہ دوم)

مقاصدِ مطالعہ: اس سورت کے مطالعہ کے بعد طلبہ کو مندرجہ ذیل مضامین سے آگاہی حاصل ہونی چاہیئے:

(نوٹ: اس سورت کی آیات: ۷۴ تا ۹۰ مطالعہ قرآنِ حکیم حصّہ دوم قصّہ حضرت ابراہیم علیہ السلام میں دی گئی ہیں۔)

1. آیات: ۹۱ تا ۱۰۰: منکرین حق کے اعتراض کا جواب، قرآن حکیم بابرکت کتاب، ظالموں پر موت کی سختیوں اور ان سے سوال وجواب کا ذکر، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی قدرت وصفات اور اس کی نعمتوں کا بیان۔
2. آیات: ۱۰۱ تا ۱۱۰: اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لئے بیوی بچوں کی نفی، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عظمت قدرت اور صفات، باطل معبودوں کو بُرا کہنے کی ممانعت اور جانتے بوجھتے حق سے اعراض کرنے والوں سے قبول حق کی توفیق چھین لیئے جانے کا ذکر۔
3. آیات: ۱۱۱ تا ۱۲۱: منکرین حق کی ہٹ دھرمی اور دشمنی، قرآنِ حکیم کی حقانیت، قرآنِ مجید سے فائدہ اٹھانے اور محروم رہنے والے لوگ، قرآن حکیم کی شان وعظمت اور حلال وحرام ذبیحوں کے احکام۔
4. آیات: ۱۲۲ تا ۱۴۰: مومن وکافر میں فرق، صراط مستقیم کی وضاحت، ہدایت وگمراہی کے راستہ پر چلنے کی علامت، روزِ قیامت جنات اور انسانوں سے بازپرس، رسولوں کے ذریعہ لوگوں پر اتمامِ حجت، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی شانِ بے نیازی، کافروں کے لئے سخت وعید اور مشرکین کے غلط عقائد کی مذمت کا بیان۔
5. آیات: ۱۴۱ تا ۱۵۰: نباتات وحیوانات میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے حیرت انگیز کمالات، کھلے دشمن شیطان کی پیروی کی ممانعت، آٹھ مویشیوں کی حلت اور سرکشی کی وجہ سے یہود پر چند حلال چیزوں کا حرام کر دیا جانا۔
6. آیات ۱۵۱ تا ۱۵۵: والدین کے ساتھ احسان کرنے کا حکم، ظاہری اور باطنی بے حیائیوں سے بچنے کی تاکید، تنگدستی کی وجہ سے اولاد کو قتل نہ کرنے کا حکم، ناحق قتل کرنے سے اجتناب کا حکم، یتیم کے ساتھ حسن وسلوک کا حکم، ناپ تول میں کمی نہ کرنے کی تاکید، عدل کرنے کا حکم، اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے کئے گئے وعدہ کو پورا کرنے کی تاکید، صراطِ مستقیم کی پیروی کا حکم، بابرکت قرآن مجید کی پیروی کا حکم۔
7. آیات ۱۵۶ تا ۱۶۵: قرآن حکیم کا ہدایت ورحمت ہونا، موت یا عذاب آجانے پر ایمان لانا فائدہ مند نہ ہونا، تفرقہ بازی کا انجام، ایک نیکی کا بدلہ کم از کم دس گنا، صراطِ مستقیم کی وضاحت، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی فرماں برداری کے لئے خوب محنت کرنے کا تقاضا، دنیاوی آسائشیں اور ساز وسامان آزمائش کا ذریعہ۔

آیت نمبر ۹۱: علمائے یہود سے خطاب فرمایا گیا ہے جو حسد اور تعصّب کی وجہ سے رسول اللہ A کی رسالت کے منکر ہوگئے۔ اس کے بعد ان کا قول جھوٹ پر مبنی نقل کیا گیا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کسی انسان پر کوئی کتاب نازل نہیں فرمائی۔ پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا کہ تورات بھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام نازل فرمائی۔ نیز علمائے یہود کی خیانت کا بیان ہے کہ وہ حق چھپاتے تھے حالانکہ تورات میں نبی کریم A کے بارے میں بشارتیں موجود تھیں۔ آیت کے آخر میں ہٹ دھرمی پر قائم رہنے والوں سے اعراض کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔

علمی بات: یہود اگرچہ نبوت ورسالت کے قائل تھے مگر بعض یہودیوں نے نبی کریمA کی نبوت کا انکار کیا اور بغض وعناد میں یہ تک کہہ دیا کہ اللہ ﷻ نے کسی بشر پر کوئی کتاب نازل نہیں کی اور نزول کتاب کے حوالہ سے اللہ ﷻ کی ناقدری کی۔ اس لئے فرمایا جو شخص انبیاء کرام علیہم السلام پر نزول کتاب کا قائل نہیں وہ اللہ ﷻ کا قدر شناس نہیں اور وہ اللہ ﷻ کی حقیقی معرفت سے محروم ہے۔

"قَرَاطِیسَ" جمع ہے "قِرْطَاسٌ" کی۔ جس کے معنی ہیں ورق اور کاغذ، یعنی یہودی تورات کو ایک کتاب کی طرح جمع کرنے کے بجائے الگ الگ ورقوں کی صورت میں رکھتے تھے اور اپنے مطلب کا ورق نکال کر دکھا دیتے تھے۔

نوٹ: علماء یہود سے جب ان کے عوام کچھ بات پوچھنے کے لئے آتے تھے تو صندوق وغیرہ میں ہاتھ ڈال کر کوئی سا بھی ایک ورق نکال لیتے تھے اور سائل کے مطلب کے مطابق پڑھ کر سنا دیتے تھے تاکہ اس سے کچھ مال مل جائے نیز تورات میں جو حضور اقدسA کی صفات بیان کی گئی تھیں جسے وہ جانتے تھے مگر عام یہودیوں سے اس کو چھپاتے تھے۔ تورات میں موجود احکام بھی اُن سے چھپاتے تھے اور ان کے بجائے دوسرا حکم بتا دیتے تھے۔

آیت نمبر ۹۲: علمی بات: ا۔ قرآنِ حکیم سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔ تورات، زبور اور انجیل میں جو عقائد تھے، وہی عقائد قرآنِ حکیم میں ہیں، اس لحاظ سے قرآنِ حکیم ان سابقہ کتابوں کا **مُصَدِّق** ہے۔ نیز ان تمام سابقہ آسمانی کتابوں میں یہ لکھا ہوا تھا کہ آخری زمانہ میں نبی آخر سیدنا محمدA کو مبعوث کیا جائے گا جو سابقہ شریعتوں کو منسوخ کر دیں گے اور سب لوگوں پر صرف ان کی شریعت کی اتباع لازم ہوگی اور جب ہمارے نبی سیدنا محمدA مبعوث ہوگئے اور قرآنِ حکیم کے ذریعہ آپA کی شریعت نافذ ہوگئی تو سابقہ آسمانی کتابوں کی یہ بشارت پوری ہوگئی اس لحاظ سے قرآنِ حکیم تمام سابقہ آسمانی کتابوں کا **مُصَدِّق** ہے۔

۲۔ مکہ مکرمہ کو اللہ ﷻ نے اُمُّ القریٰ فرمایا ہے اُمُّ القریٰ کا لفظی معنی ہے شہروں کی ماں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا مکہ مکرمہ کو اُمُّ القریٰ اس لئے فرمایا ہے کہ تمام زمینیں اس کے نیچے سے نکال کر پھیلائی گئی ہیں۔ تو گویا یہی اصل ہے اور باقی تمام شہر اور قصبات اس کے تابع ہیں۔ نیز تمام دنیا کے مسلمانوں کی ہر دور میں مرکزی عبادت حج ہے اور حج مکہ مکرمہ میں ہوتا ہے اور اس وجہ سے تمام مخلوق مکہ مکرمہ سے جمع ہوتی ہے۔

۳۔ قرآنِ حکیم کا ایک اہم مقصد غفلت میں پڑے لوگوں کو بُرے انجام سے ڈرانا ہے۔ اس کتاب سے ہدایت صرف وہ لوگ پائیں گے جو آخرت پر ایمان رکھتے ہوں۔ اس میں یہود اور مشرکین کی ایک مشترک بیماری پر تنبیہ کی گئی ہے اور وہ ہے اللہ ﷻ کی آیات اور دلائل میں غور وفکر نہ کرنا، یہ اس مرض کا اثر ہے کہ وہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اگر وہ دلائل میں غور کریں، اور حق بات کو قبول کرنے میں جاہلانہ، آبائی رسوم ورواج کی پروا نہ کریں۔ تو اس بُرے انجام سے بچ سکتے ہیں۔

۴۔ جو لوگ آخرت پر ایمان لاتے ہیں وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں یعنی صاحب ایمان شخص کی نشانی یہ ہے کہ ایسے لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ نماز کا خصوصیت کے ساتھ کیوں ذکر فرمایا گیا ہے کیونکہ ایمان لانے کے بعد سب سے افضل اور اشرف عبادت نماز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم میں نماز پر ایمان کا اطلاق فرمایا ہے: "وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ اِيۡمَانَكُمۡ"۔ (سورۃ البقرہ ۲، آیت: ۱۴۳) ترجمہ: اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ تمہارا ایمان (نماز) ضائع کردے۔

آیت نمبر ۹۳: علمی بات: ا۔ سب سے بڑے ظالموں کی تین اقسام بیان فرمائی ہیں ایک وہ جس نے کوئی بات خود تراشی ہو اور اللہ ﷻ کے ذمے لگا دے کہ یہ اللہ ﷻ کا حکم ہے۔ اس میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو شرک اور باطل رسومات کو ایجاد تو خود کرتے ہیں پھر ان پر مذہبی تقدس کا خول چڑھا دیتے ہیں اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اللہ ﷻ کی آیات کا غلط مطلب نکال کر اور ان کی غلط تاویل کر کے اس کے عوض عارضی فوائد حاصل

کرتے ہیں۔ دوسرے وہ جھوٹے نبی جنھوں نے آپ A کے بعد اپنی جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا ہے یا کریں گے حالانکہ آپ خاتم النبیین ہیں جیسے مسیلمہ کذاب، اسود عنسی، مرزا غلام احمد قادیانی اور ایسے ہی دوسرے لوگ، تیسرے وہ لوگ جو یہ دعویٰ کریں کہ ہم بھی قرآن جیسی چیز بنا سکتے ہیں۔ جیسا کہ ایک دفعہ کفار مکہ نے بھی کہا تھا کہ (لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ) حالانکہ جب قرآن حکیم نے ان کو ایسی ایک ہی سورت بنا لانے کا چیلنج کیا تو وہ اپنی بھرپور اور اجتماعی کوششوں کے باوجود اس کی نظیر لانے پر قادر نہ ہو سکے تھے۔ ۲۔ ظالموں کی غلط بیانی اور تکبر کی پاداش میں فرشتوں کا سختی سے ان کی روحوں کو قبض کرنے کا بیان ہے۔ آج سے مراد وہ دن ہے جس میں ان کی روح قبض کی جائے گی اور عذاب قبر کی ابتدا ہوگی۔ اس آیت میں عذاب قبر کی طرف واضح اشارہ ہے، کیونکہ قیامت تو جب اللہ ﷻ چاہے گا قائم ہوگی، درمیان کا وقفہ یعنی برزخ ہم سے پردے میں ہے۔ انسان کا کوئی جز کسی بھی جگہ میں ہو یا راکھ بن جائے، وہی اس کی قبر ہے اور وہیں اُس کو عذابِ قبر ہوگا۔ اللہ ہماری حفاظت فرمائے

آیت نمبر ۹۴: میدان حشر کے منظر کا بیان ہے لوگوں کو اللہ ﷻ کے سامنے اکیلے اور خالی ہاتھ پیش ہونا ہوگا جیسا کہ سورۃ مریم ۱۹، آیت: ۹۵ میں بھی فرمایا کہ " ان میں سے ہر ایک قیامت کے دن اس کے پاس اکیلا آئے گا"۔

نوٹ: پہلی تخلیق سے مراد عالم ارواح میں روحوں کا پیدا کیا جانا۔ جیسا کہ سورۃ الاعراف ۷، آیت: ۱۷۲ میں ذکر ہے۔

فرمانِ نبوی A: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ A نے فرمایا: "ہر انسان کے ساتھ قبر تک تین چیزیں جاتی ہیں، مال، اولاد اور عمل، اولاد اور مال تو اس کو قبر تک چھوڑ کر لوٹ آنے والی چیزیں ہیں، سو اکیلا عمل ہی اس کے ساتھ رہنے والی چیز ہے۔" (صحیح بخاری)

علمی بات: روز قیامت شرک کرنے والوں کو ان کے خود ساختہ معبودوں کی سفارش اور موجودگی کی نفی کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ ظالم جو خود نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ایسی وحی تو ہم بھی اتار سکتے ہیں ان کی حالت قیامت کے دن دیکھنے کے قابل ہوگی۔ تن تنہا بے یار و مددگار بارگاہ رب ذوالجلال میں پیش کیئے جائیں گے اور وہ جھوٹے خدا جن کی یہ لوگ عمر بھر پرستش کرتے رہے ان کا وہاں نام و نشان تک نہ ہوگا اُن کی گہری وابستگی، عقیدت اور بڑی بڑی توقعات سب ختم ہو کر رہ جائیں گی۔

آیت نمبر ۹۵: اللہ ﷻ کی قدرت کاملہ کے وہ کرشمے جن کا ہم ہر وقت مشاہدہ کرتے ہیں ان پر غور و فکر کی دعوت دی جا رہی ہے۔ پوچھا جا رہا ہے کہ یہ بتاؤ کہ عبادت کے لائق وہ ذات ہے جس کی قدرت کے یہ کرشمے ہیں کہ وہ خشک دانے اور سخت گٹھلی کو چیر کر اس سے سرسبز پودے اور بلند و بالا درخت اگاتا ہے۔ یا پتھر کے وہ بے جان اور بے بس بُت جنہیں اپنی بھی خبر نہیں۔

علمی بات: ا۔ گندم کے دانے کا دل چیر کر کس طرح گندم کا پودا نکلتا ہے جس کی کئی بالیاں ہوتی ہیں اور ہر بال پر الگ الگ خوشہ ہوتا ہے جس میں سینکڑوں دانے مضبوط غلافوں میں لپٹے ہوئے کس نے پیدا کیئے۔ یہ اس چھوٹے سے دانے میں سے سینکڑوں کئی دانے کس نے بنا کر نکالے۔ آم کی چھوٹی سی گٹھلی سے اتنا تناور درخت کس نے بنایا۔ اگر انسان اسی میں غور و فکر کرے تو حقیقت روشن اور عیاں ہو جاتی ہے۔

۲۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ نطفہ سے زندہ بشر پیدا فرماتا ہے اور زندہ بشر سے نطفہ پیدا کرتا ہے اسی طرح بے جان انڈے سے چوزہ نکالتا ہے اور مرغی سے بے جان انڈا نکالتا ہے اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ ایک بے جان بیج سے سرسبز کونپل نکل آتی ہے اور سرسبز درخت سے بے جان بیج نکل آتے ہیں اسی طرح کافر کے ہاں مومن اور مومن کے ہاں کافر پیدا ہوتا ہے اور عالم کے ہاں جاہل اور جاہل کے ہاں عالم پیدا ہوتا ہے۔

آیت نمبر ۹۶: اللہ ﷻ ہی ہے جو رات کی تاریکی کا پردہ سمیٹ کر صبح کا دلفریب منظر ظاہر فرماتا ہے۔ رات کا وقت آرام و راحت کے لئے متعین ہونا ایک مستقل نعمتِ خداوندی ہے مگر یہ نعمت روزانہ بے مانگے مل جاتی ہے، اس لئے انسان کا دھیان بھی کبھی نہیں جاتا کہ یہ کتنا بڑا احسان و انعام ہے۔

علمی بات: ا۔ اگر ہر شخص اپنے اختیار و ارادہ سے اپنے آرام کا وقت معین کرتا تو کوئی صبح آٹھ بجے سونے کا ارادہ کرتا، تو کوئی رات کو آٹھ بجے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ کاروبار زندگی معطل ہو جاتا اور انسان کے آرام میں بھی خلل آتا اور کام کرنے والوں کے کام میں بھی، اللہ ﷻ کی قدرت نے صرف انسان پر نہیں بلکہ ہر جان دار پر رات کے وقت نیند کا غلبہ مسلط کر دیا کہ وہ ہر کام چھوڑ کر سو جانے کے لئے مجبور ہو جاتا ہے، شام ہوتے ہی انسان، چرند پرند، درندے، اور چوپائے اپنے اپنے گھر اور ٹھکانے کا رخ کرتے ہیں، پوری دنیا میں ایک سناٹا چھا جاتا ہے، رات کی تاریکی نیند اور آرام میں معین و مددگار ثابت ہوتی ہے، کیونکہ عام طور پر روشنی میں نیند نہیں آتی۔ غور کیجئے کہ اگر ساری دنیا کی حکومتیں اور عوام مل کر بین الاقوامی معاہدوں کے ذریعہ سونے کا کوئی ایک وقت مقرر کرنا چاہتے تو اس میں کتنی دشواریاں ہوتیں؟

۲۔ سورج اور چاند کے ذریعہ دنوں مہینوں اور سالوں کا حساب کتاب اللہ ﷻ کی حیرت انگیز قدرت کا مظہر ہے۔ یعنی سورج اور چاند کی گردش کے لئے ایک سالانہ اور ماہانہ نصاب مقرر کر دیا ہے۔ گرمیوں میں دن کا بڑا ہونا اور سردیوں میں دن کا چھوٹا ہونا اسی مقررہ نصاب اور نظامِ حکمت کی وجہ سے وجود میں آتا ہے اور سورج کے طلوع اور غروب میں اور زوال کے بعد ڈھل جانے میں نمازوں کے اوقات، ماہ رمضان میں سحری و افطاری کے اوقات ہیں اور چاند کے گھٹنے بڑھنے کی علامتوں سے مہینوں کا تعین، نیز ماہ رمضان عید الفطر عید الاضحیٰ اور حج کی عبادات انجام دی جاتی ہیں۔

آیت نمبر ۹۷: ستاروں کے فوائد ذکر کیئے جا رہے ہیں کہ بحری و بری سفر کے دوران سمتوں کے تعین میں ان سے مدد ملتی ہے۔ اللہ ﷻ نے ستاروں کو پیدا کیا جن کے ذریعہ مسافر رات کی تاریکیوں میں راستہ پہچانتے ہیں۔ ستاروں کی تخلیق کا ایک مقصد تو یہ ہے جو یہاں بیان ہوا تاہم، اس کے علاوہ ان کے دو مقصد اور ہیں جو دوسرے مقام پر بیان کیئے گئے، یعنی آسمان کی زینت اور شیطانوں کو مار بھگانا جس کا ذکر سورۃ الصّٰفّٰت ۳۷، آیات: ۶ تا ۱۰ میں ہے۔

آیت نمبر ۹۸: نفس واحد سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں جن سے تمام نسل انسانی وجود میں آئی۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ A نے فرمایا: "اللہ ﷻ نے آدم علیہ السلام کو مٹھی بھر مٹی سے پیدا کیا، جو ساری زمین سے لی گئی تھی، اسی لئے بنی آدم کی زمین کی طرح مختلف قسمیں ہیں، (رنگت کے اعتبار سے) کوئی سرخی مائل، کوئی گورا اور کوئی کالا ہے اور اسی طرح (طبیعت کے اعتبار سے) کوئی خوش مزاج، کوئی اکھڑ مزاج اور کوئی برا اور کوئی اچھا ہے۔" (جامع ترمذی، سنن ابو داؤد)

نوٹ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ A نے فرمایا: "آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد اللہ ﷻ نے ان کی پشت سے ان روحوں کو نکالا جو قیامت تک پیدا ہونے والی ہیں اور وہ روحیں آدم علیہ السلام کو دکھا کر فرمایا کہ یہ تمہاری وہ اولاد ہیں جو سلسلہ در سلسلہ قیامت تک پیدا ہوں گی۔"
(جامع ترمذی)

علمی بات: ا۔ مفسرین کی ایک رائے کے مطابق ماں کا بطن، دنیاوی زندگی، قبر، عارضی ٹھکانہ ہیں۔ انسان کا مستقل ٹھکانا آخرت ہے۔ دنیا میں جو وقت ہم گزار رہے ہیں یہ آخرت کے مقابلے میں بہت ہی قلیل ہے۔

۲۔ تمام دلائل کھول کر بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ عقل و فہم رکھنے والے اللہ ﷻ کی نشانیوں میں غور و فکر کے بعد اللہ ﷻ کو پہچانیں اور اس کی وحدانیت اور قدرتِ کاملہ کا اقرار کریں۔

آیت نمبر ۹۹: اللہ ﷻ کی قدرت کے نظاروں کا بیان کیا جا رہا ہے۔ اللہ ﷻ بارش کے ذریعہ اناج پیدا فرماتا ہے جس کے دانے تہ بہ تہ ہیں۔ اسی بارش کے پانی سے کھجوریں پیدا فرماتا ہے جن کے گچھے لٹک رہے ہوتے ہیں۔ اسی نے انگوروں کے باغات، زیتون اور انار پیدا فرمائے ہیں۔ پھل ایسے پیدا فرمائے ہیں جو ملتے جلتے ہیں اور ایسے پھل بھی جو مختلف ہیں۔ ایمان والے ان نشانیوں سے اللہ ﷻ کو پہچانتے ہیں اور ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔

علمی بات: پھل اپنے خواص، رنگ، مٹھاس، ذائقہ اور لذت وغیرہ میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں حالانکہ یہ ایک ہی زمین میں پیدا ہوتے ہیں، ایک ہی پانی سے ان سب کو سیراب کیا جاتا ہے، سب کے لئے آب و ہوا بھی ایک ہی ہے اور ایک ہی سورج کی شعاعیں پڑنے کے باوجود یہ اختلاف اور تنوع آخر کس کی قدرت و حکمت کا نتیجہ ہے ؟ سو وہی ہے اللہ ﷻ جو اس ساری کائنات کا خالق و مالک اور اس میں حاکم و متصرف ہے۔ پس وہی اللہ ﷻ معبود برحق ہے اور اس کی عبادت و بندگی میں کسی اور کو شریک کرنا شرک ہے جو کہ ظلم عظیم ہے۔ کیا اصول ہے کہ آپ نوٹ کی ہیڈنگ لگاتے ہیں ؟

آیت ۱۰۰: عرب میں بعض گروہ ایسے بھی تھے جو جنات اور خبیث شیطانوں کی عبادت کرتے تھے اور مصیبت کے وقت ان کے نام کی دہائی دیتے اور کائنات میں ان کا تصرف مانتے تھے۔ ان سب کی تردید فرمائی کہ بغیر سمجھ بوجھ کے انہوں نے جنوں کو اللہ ﷻ کا شریک ٹھہرالیا اور اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں گھڑلیں۔ عرب کے مشرکین فرشتوں کو اللہ ﷻ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ فرمایا، اللہ ﷻ ان گھڑی ہوئی باتوں سے پاک ہے۔

علمی بات: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت مجوسیوں کے بارے میں نازل ہوئی جو اللہ ﷻ کو انسانوں، جانوروں اور ہر اچھی چیز کا خالق سمجھتے اور اسے "یزداں" کہتے تھے اور شیطان (ابلیس) کو درندوں، سانپوں اور ہر قسم کے شر کا خالق سمجھتے تھے اور اسے "اہرمن" کہتے تھے اور ان دونوں کو کائنات کے پیدا کرنے میں اللہ ﷻ کا شریک بناتے تھے، حالانکہ ان سمیت ہر چیز کا خالق اللہ ﷻ ہی ہے۔

آیت نمبر ۱۰۱: "بدیع" کے معنی عدم سے وجود میں لانے والا ہے۔ بدیع اس پیدا کرنے والے کو کہا جاتا ہے جس نے کوئی نمونہ سامنے رکھے بغیر کسی چیز کو پیدا کیا ہو اور یہ صرف اللہ ﷻ کی صفت ہے کیونکہ اسی نے آسمان اور زمین کو بغیر کسی سابقہ مثال اور نمونہ کے تخلیق فرمایا۔ وہ ہر چیز کا خالق ہے اور ہر چیز اس کی مخلوق ہے۔ خالق اور مخلوق کے درمیان صرف عبودیت اور بندگی کا ہی رشتہ ہے۔ فرزندی یا قرابت کا کوئی رشتہ نہیں۔ کیوں کہ جس نے محض اپنی قدرت سے زمین اور آسمان کو پیدا کر دیا وہ صمد ذات ہے جو بیٹوں اور رشتہ داروں سے بے نیاز ہے۔ اگر لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے اولاد بنانے پر مصر ہو تو پہلے یہ بتائیں کہ (معاذ اللہ) اس کی بیوی کون ہے جس کے بطن سے اس کی یہ اولاد ہوئی اور جب اس کی بیوی ہی نہیں تو اولاد کہاں سے آگئی ؟ اس طرح مشرکین کے ساتھ یہود و نصاریٰ کے عقائد کا بھی رد کیا گیا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹے قرار دیتے تھے۔

آیت نمبر ۱۰۲: اس کائنات کا کارساز مطلق اور مقتدر اعلیٰ ایک اللہ ﷻ وحدہ لاشریک ہے۔ اگر اس کائنات کے خالق اور مدبر دو یا دو سے زائد ہوتے تو اس کا نظام فاسد ہو جاتا اور جس طرح کسی مملکت کے دو صدر نہیں ہوسکتے' کیونکہ دونوں صدور کے باہمی اختلاف کی صورت میں اُس ملک میں انتشار اور فساد پھیلے گا، اسی طرح اس کائنات کے دو خالق نہیں ہوسکتے ورنہ ایک بارش کا حکم دیتا تو دوسرا روک دیتا وغیرہ وغیرہ اور نظام کائنات درہم برہم ہو جاتا۔ بہر حال ہر چیز کا خالق اللہ ﷻ ہی ہے اور معبود حقیقی بھی وہی ہے اور ہر قسم کی فعلی، قولی اور بدنی عبادت کے لائق بھی وہی ہے۔

آیت نمبر ۱۰۳: ساری کائنات میں کسی بھی مخلوق کی نگاہ اللہ ﷻ کی ذات کا احاطہ نہیں کرسکتی جبکہ اللہ ﷻ کی نظر ساری کائنات پر محیط ہے، کائنات کا کوئی ذرہ اس کی نظر سے چھپا ہوا نہیں۔ یعنی اُس کی ذات اتنی لطیف ہے کہ کوئی نگاہ اس کو نہیں پاسکتی، اور وہ اتنا باخبر ہے کہ ہر نگاہ کو پالیتا ہے، اور اُس کے تمام حالات سے خوب واقف ہے۔

علمی بات: آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کی نعمت اہلِ ایمان کو نصیب ہو گی۔

فرمان نبوی A: رسول اللہ A ایک رات چاند کی چاندنی میں تشریف فرما تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مجمع تھا، آپ A نے چاند کی طرف نظر فرمائی اور پھر فرمایا کہ (آخرت میں) تم اپنے رب کو اسی طرح سامنے سے دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ (صحیح بخاری)

نوٹ: اہل تشیع مکتبۂ فکر کے نزدیک دنیا اور آخرت دونوں میں رؤیتِ باری تعالیٰ ممکن نہیں۔

آیت نمبر ۱۰۴: لوگوں کی طرف نبی کریمA کے ذریعے واضح نشانیاں بھیجی گئی ہیں جو ان کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں۔ جس نے انہیں دیکھ کر دینِ حق قبول کیا تو اُس کا فائدہ اسی کو ہو گا اور جو جان بوجھ کر اندھا بن گیا تو اس کا نقصان اسے ہی ہو گا۔ اللہ ﷻ کا اس میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ نبی کریمA دینِ حق کو قبول کرنے پر لوگوں پر ذمّہ دار نہیں اُن کا کام پیغام پہنچانا ہے اور ہدایت دینا اللہ ﷻ کا کام ہے۔

علمی بات: نبی کریمA پر یہ ذمہ داری نہیں کہ ان لوگوں کو جبراً حق اور اس کی اتباع پر مجبور کر دیں اور ناشائستہ کاموں سے روک ہی دیں، جیسے نگران اور محافظ کا کام ہوتا ہے، بلکہ رسول کا منصبی فریضہ صرف احکام کا پہنچا دینا اور سمجھا دینا ہے، پھر کوئی بھی اپنے اختیار سے ان کی اتباع کرے گا تو اس کو فائدہ پہنچے گا اور جو انکار کرے گا تو اس کا وبال اسی پر ہو گا۔

آیت نمبر ۱۰۵: اللہ ﷻ نے اپنی توحید کے دلائل کو صرف ایک ہی بار بیان نہ کیا ورنہ تو کوئی سنتا کوئی نہ سنتا، کوئی سمجھتا اور کوئی نہ سمجھتا اور ایک ہی آیت کے بار بار تکرار سے اُکتاہٹ ہو جاتی اس لئے ان دلائل کو مختلف اسلوب اور طریقوں سے بیان کیا گیا ہے تاکہ آپ A کے مخالفین یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو جائیں کہ واقعی آپA جو دلائل مختلف طریقوں سے بار بار بتا اور سنا رہے ہیں کسی کے سکھانے سے آپA نے سیکھے ہیں۔

علمی بات: ہٹ دھرم قسم کے کافروں کو بھی یہ کہتے ہوئے شرم آتی تھی کہ یہ کلام خود نبی کریمA نے گھڑ لیا ہے کیونکہ وہ آپA کے اسلوب بیان سے اچھی طرح واقف تھے اور انہیں علم تھا کہ آپA اُمی ہیں اور کسی کتاب سے خود پڑھ کر یہ کلام نہیں بنا سکتے، لہٰذا وہ قرآنِ حکیم کے بارے میں یہ کہا کرتے تھے کہ نبی کریمA نے یہ کلام کسی سے سیکھا ہے اور اسے اللہ ﷻ کا کلام قرار دے کر لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ (معاذ اللہ) لیکن کس سے سیکھا ہے وہ بھی نہیں بتا سکتے تھے۔ گویا اُن کی مخالفت اور الزام تراشی بے بنیاد تھی۔

آیت نمبر ۱۰۶: رسولA اور آپA کے ذریعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ ﷻ کی طرف سے نازل کردہ کلام کی پیروی کرنے کی ہدایت کی جا رہی ہے نیز توحید کی دعوت سے اعراض کرنے والوں کو ان کے حال پر چھوڑ دینے کی تلقین کی گئی ہے۔

نوٹ: اعراض کرنے کا یہ حکم مکی دور میں تھا جبکہ مدنی دور میں تو کفار سے جنگ کی اجازت اور حکم بھی دیا گیا ہے۔

علمی بات: مقصود اس رنج وملال کو دور کرنا ہے جو کفار کے شک وشبہ اور طعن وتشنیع سے آپA کو ہوا ہے' اور یہ کہ آپA کے دل کو تقویت حاصل ہو۔ پھر فرمایا اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ اس قول میں اس طرف توجہ مبذول فرمائی کہ آپA صرف اپنے ربّ کی اطاعت کیجئے اور مخالفین کی جہالت کی وجہ سے اپنے مشن کو متاثر نہ ہونے دیں اور مشرکین سے اعراض کیجئے۔

آیت نمبر ۱۰۷: اللہ ﷻ سب کو ہدایت دینے پر قادر ہے لیکن زبردستی کسی کو ہدایت دینا اللہ ﷻ کی حکمت کے خلاف ہے۔ آپA کو داعی اور مبلغ بنایا گیا ہے۔ آپA کا کام لوگوں کے سامنے حق کو پیش کرنا اور اظہار حق کا حق ادا کرنے میں اپنی حد تک بھرپور کوشش کرنا ہے۔ اب اگر کوئی اس حق کو قبول نہیں کرتا تو نہ کرے۔ وہ اپنے انجام کا خود ذمہ دار ہے۔

آیت نمبر ۱۰۸: مشرکوں کے شرک اور مخالفوں کے ردعمل میں مسلمانوں کو اخلاق کا دامن نہ چھوڑنے کی ہدایت کی گئی ہے مومنوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ وہ ہر لحاظ سے اللہ ﷻ کا ادب واحترام ملحوظ رکھیں۔ چنانچہ دعوت وتبلیغ کے آداب سکھاتے ہوئے مشرکین کے جھوٹے اور خود ساختہ معبودوں کو بھی برا کہنے سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہیں مشرکین غصہ میں آکر بے سوچے سمجھے اللہ ﷻ کی شان اقدس میں نازیبا الفاظ استعمال کرنے لگیں۔

فرمانِ نبویA: حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہA نے ارشاد فرمایا کہ کبیرہ گناہوں میں سے یہ گناہ بہت بڑا ہے کہ کوئی شخص اپنے والدین پر لعنت کرے۔ آپ سے پوچھا گیا اے اللہ کے رسول! آدمی اپنے والدین پر کیسے لعنت کر سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: کوئی شخص (دوسرے) شخص کے

باپ کو برا کہے تو (جواب میں) وہ اس کے باپ کو برا کہے اور وہ اس کی ماں کو برا کہے تو (جواب میں) وہ اس کی ماں کو برا کہے۔ (اس طرح سے وہ اپنے ماں باپ کو گالی دینے والا بن جائے گا) (صحیح بخاری)

علمی بات: اُن کے بُتوں کو بُرا بھلا کہنے سے فائدہ تو کچھ نہ ہو گا البتہ جواب میں وہ اللہ ﷾ کی توہین و تنقیص کریں گے۔ آیت کے آخر میں بتایا گیا ہے کہ اہلِ باطل اپنے باطل عقائد ہی کو حق سمجھ رہے ہیں۔ روزِ آخرت تمام حقائق کھل کر سامنے آجائیں گے۔

آیت نمبر ۱۰۹: **شانِ نزول:** قریش نے رسول اللہ A سے کہا اے محمد (A)! آپ ہمیں یہ خبر دیتے ہیں کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس ایک لاٹھی تھی جس کو انہوں نے پتھر پر مارا تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے اور آپ خبر دیتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) مردوں کو زندہ کرتے تھے اور آپ خبر دیتے ہیں کہ ثمود کے پاس ایک اونٹنی تھی تو آپ بھی ان معجزات میں سے کوئی معجزہ پیش کریں ‘ تاکہ ہم آپ کی تصدیق کریں ‘ نبی کریم A نے فرمایا تم کیا چاہتے ہو کہ میں تمہیں کس قسم کا معجزہ دکھاؤں؟ انہوں نے کہا آپ ہمارے لئے صفا پہاڑ سونے کا بنا دیں۔ آپ نے پوچھا اگر میں نے ایسا کر دیا تو تم میری تصدیق کرو گے؟ انہوں نے کہا ہاں! بخدا اگر آپ نے ایسا کر دیا تو ہم سب آپ کی اتباع کریں گے۔ پھر رسول اللہ A نے دعا کی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور فرمایا آپ A کو اختیار ہے اگر آپ A چاہیں تو صبح کو یہ پہاڑ سونے کا ہو جائے گا اور اگر اس کے معجزہ پیش کرنے کے بعد بھی ایمان نہیں لائے تو ہم ان سب کو عذاب دیں گے اور اگر آپ A چاہیں تو آپ A ان کو چھوڑ دیں حتیٰ کہ ان میں سے توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔ آپ A نے فرمایا بلکہ ان میں سے توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کر لی جائے۔ تب اللہ ﷾ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

علمی بات: آپ A کا کام دینِ حق پر خود قائم رہنا اور دوسروں کو دینِ حق کی دعوت پہنچا دینا ہے، پھر بھی اگر وہ ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کریں گے تو ان کے بارے میں زیادہ فکر کی ضرورت نہیں ہیں کیونکہ کسی کو جبراً مسلمان بنانا مقصود نہیں ہے اگر جبراً سب کو مسلمان بنانا ہوتا تو اللہ ﷾ ہی سب کو مسلمان بنا دیتا۔ مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے لئے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اگر ہم ان کے مانگے ہوئے معجزات کو پیش کر دیں یہ تب بھی ایمان نہ لائیں گے، کیونکہ ان کا انکار کسی غلط فہمی یا ناواقفیت کی بنا پر نہیں، بلکہ ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہے۔

آیت نمبر ۱۱۰: چونکہ کفار پہلی بار حق آجانے پر جان بوجھ کر جھٹلاتے رہے اور محض ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے اللہ ﷾ کی نشانیوں اور قرآن حکیم جیسے عظیم معجزے پر ایمان نہیں لائے لہٰذا اس مسلسل ہٹ دھرمی کی وجہ سے اللہ ﷾ کفار کے دلوں اور نگاہوں کو پھیر دے گا جس کی وجہ سے وہ آئندہ بھی ایمان سے محروم رہیں گے۔ اللہ ﷾ مشرکین کو ڈھیل دے رہا ہے اور وہ سرکشی میں بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ اللہ ﷾ ان کو گمراہی اور ضلالت کی تاریکیوں میں بھٹکتا چھوڑ دے گا۔ پھر انہیں حق کے سمجھنے اور دیکھنے کی توفیق نہ ملے گی۔

آیت نمبر ۱۱۱: مشرکین کے مطالبات کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا گیا کہ فرشتے نازل ہو کر رسول A کی تصدیق کریں، مُردے زندہ ہو کر ان سے ہم کلام ہوں، ان کی فرمائش کے مطابق ہر شے حاضر کر دی جائے تب بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ان کا معجزہ دکھانے کا مطالبہ جہالت اور ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

علمی بات: اللہ ﷾ لوگوں سے جبری ایمان چاہتا ہی نہیں بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ انسان اپنی مرضی اور اپنے ارادہ و اختیار سے ایمان لائے تاکہ وہ اس کی رحمتوں اور عنایتوں سے مالا مال ہو سکے۔ وہ اگر چاہتا تو روئے زمین کے تمام انسانوں کو ایمان کی دولت عطا فرماتا۔ اللہ ﷾ ہدایت کی نعمت سے انہی کو نوازتا ہے جو اس کے طالب اور قدر دان ہوتے ہیں اور وہ اس کے لئے اس کی ودیعت کی ہوئی صلاحیتوں کو صحیح طور پر استعمال کرتے ہیں۔ بہر کیف اللہ ﷾ کے یہاں ایمان وہی معتبر اور مقبول ہے جو انسان اپنی مرضی اور اختیار سے قبول کرے کیونکہ اس میں رضامندی ہوتی ہے بخلاف جبر و اکراہ

کے کہ اُس میں زبان سے اقرار تو کرلے گا مگر تصدیق قلب نہیں کریگا جس کی وجہ سے وہ ایمان معتبر نہ ہو گا۔

آیت نمبر ۱۱۲: دشمنانِ دین ایک دوسرے کو ایسی ایسی باتیں سمجھاتے ہیں جو بظاہر بہت اچھی معلوم ہوتی تھیں جیسے کسی بدصورت چیز پر ملمع سازی کر کے بظاہر خوب صورت بنادی جائے یہ لوگ ایسی باتیں سامنے لاکر اپنے لوگوں کو دھوکہ دیتے تھے تاکہ وہ ایمان قبول نہ کریں۔ رسول A اور آپ A کے ذریعہ اہل ایمان کو مشرکین کی ہٹ دھرمی کو خاطر میں نہ لانے کی تلقین کی گئی ہے۔ سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کے دشمنوں کا جو حال تھا وہی ان لوگوں کا حال ہے جو آپ A کی مخالفت کر رہے ہیں۔

علمی بات: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قانون ہے کہ حق و باطل میں اس نوعیت کی کشاکش نہیں ہو گی تو پھر کھرے اور کھوٹے کی پہچان بھی نہیں ہو سکے گی۔ کیسے معلوم ہو گا کہ کون واقعی حق پرست ہے اور کون باطل پرست۔ یہ دنیا تو آزمائش کے لئے بنائی گئی ہے۔ پھر یہاں اگر شر کا وجود ہی نہ ہو تو خیر کے طلبگاروں کی آزمائش کیسے ہو گی؟ لہٰذا فرمایا کہ یہ کشمکش کی فضا ہم خود پیدا کرتے ہیں۔ ہم خود حق پر چلنے والوں کو امتحان میں ڈال کر ان کی استقامت کو پرکھتے ہیں اور پھر ثابت قدم رہنے والوں کو نوازتے ہیں۔ اس میدان میں جو جتنا آزمایا جاتا ہے اتنا ہی اس کا مرتبہ بلند ہوتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ راہ حق کے مسافروں کو مطمئن رہنا چاہیئے کہ ان کی قربانی رائیگاں نہیں جائیگی بلکہ ان کے درجات کی ترقی کا سبب بنیں گی۔

آیت نمبر ۱۱۳: آخرت کے محاسبے پر یقین نہ رکھنے والے ہر فریب کاری اور خوشنما باتوں کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ ان کو اپنے حال پر چھوڑ دینے کی ہدایت کی گئی ہے۔ بالآخر قیامت کے دن ان کی ساری کمائی سامنے آجائے گی۔ اس فلسفے کو ایک مثال سے سمجھیئے۔ پانی کا electrolysis کریں تو negative اور positive چارج والے آئنز (ions) الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دنیا میں حق و باطل کے بیچ جو کشاکش رکھی ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کھرے اور کھوٹے کی ionization ہو جاتی ہے۔ انسانی معاشرے میں اچھے اور برے کی تمیز ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ سورۂ آل عمران ۳، آیت: ۱۷۹ میں بیان ہوا ہے "تاکہ وہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے"۔ معاشرے کے اندر عام طور پر پاک اور ناپاک عناصر ملے جلے ہوتے ہیں لیکن جب آزمائشیں اور تکالیف آتی ہیں تو منافق علیحدہ اور اہل ایمان علیحدہ ہو جاتے ہیں۔

آیت نمبر ۱۱۴: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جو مفصل کتاب نازل فرمائی ہے وہ آپ A کی نبوت کے سچا ہونے پر بطورِ دلیل کے کافی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے نبی A کو حکم دیا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والوں اور بُتوں کے پجاریوں سے کہہ دیں کہ میں کیسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو اپنے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرنے والا مان لوں؟ دراصل یہ کفار قریش کے سوال کا جواب تھا کہ اے محمد (A)! ہم اپنے بتوں پر تمہاری بار بار کی تنقید سے تنگ آچکے ہیں، اس لئے کوئی تیسرا فیصلہ کرنے والا منتخب کر لو جو ہمارے درمیان فیصلہ کرے۔ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے نبی سے کہا، آپ انہیں جواب دیں کہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علاوہ کسی طاغوت کو اپنا حکم مان لوں، جب کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تمہاری ہدایت کے لئے وہ قرآنِ حکیم اتارا ہے جس میں حق و باطل اور حلال و حرام سب کچھ بیان کر دیا گیا ہے۔

علمی بات: اہل کتاب تو خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ کتاب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ اس لئے کہ تمام گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام نے اس قرآنِ حکیم کی بشارت دی ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ قرآنِ حکیم سابقہ کتابوں یعنی تورات، زبور اور انجیل کی تصدیق کرتا ہے۔

آیت نمبر ۱۱۵: قرآنِ حکیم کے کلام الٰہی اور حق ہونے کے ثبوت میں مزید دو صفات کا بیان ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کلام کامل ہے (خبر کے لحاظ سے) سچا اور (احکام کے لحاظ سے) عادل کلام ہے۔ اس کلام میں تبدیلی کرنے پر کوئی قادر نہیں۔ نیز اللہ سبحانہ وتعالیٰ بندوں کے اقوال کو سننے اور سب حالات کو خوب جاننے والا ہے۔

علمی بات: کلمات سے وہ مضامین مراد ہیں جو قرآنِ حکیم میں مذکور ہیں۔ قرآنِ حکیم میں بہت سے احکام ہیں جو تفصیل سے بتا دیئے ہیں اور بہت سے احکام رسول اللہA کو تفویض کر دیئے ہیں۔ آپA کا بتانا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا بتانا ہے، آپ A کی اطاعت اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی کی اطاعت ہے۔ یہ سب احکام سچے ہیں اور عدل پر مبنی ہیں ان میں انصاف ہے، کسی پر ظلم وزیادتی اور کسی کی حق تلفی ان احکام میں روا نہیں رکھی گئی۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے دین میں بنی آدم کے نفسوں کے تقاضوں کی بھی رعایت ہے اور کچھ ممنوعات بھی ہیں جن میں بنی آدم کے لئے خیر پوشیدہ ہے پھر جو احکام ہیں ان میں استطاعت کی قید ہے۔ جیسا کہ سورۃ البقرہ ۲، آیت: ۲۸۶ میں بتادیا گیا کہ "اللہ کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالتا۔"

آیت نمبر ۱۱۶: کفار کی اکثریت سے مرعوب نہ ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔ کیوں کہ ہر دور میں اکثریت گمراہی کے راستے پر گامزن رہی ہے۔ چنانچہ حق وباطل کے سلسلے میں انسانوں کی کثرت وقلت معیار نہیں ہے۔ لوگوں کی اکثریت کا حال تو یہ ہے کہ وہ محض گمان اور جھوٹ کی پیروی میں مشغول ہوتے ہیں۔ حق کو قبول کر کے اُس کی پیروی کرنے سے دور رہتے ہیں۔ بیشتر لوگ جو دنیا میں بستے ہیں علم یقینی کے بجائے قیاس وگمان کی پیروی کر رہے ہیں اور ان کے عقائد وفلسفے اور اصول زندگی اور اس کے قوانین سب قیاس آرائیوں پر مبنی ہیں۔ بخلاف اس کے جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا راستہ ہے، یعنی دنیا میں زندگی بسر کرنے کا وہ طریقہ جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضا کے عین مطابق ہے، اور وہ صرف ایک راستہ ہے جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے خود متعین کر دیا ہے۔

عملی پہلو: طالب حق کو یہ نہ دیکھنا چاہیئے کہ دنیا کے بیشتر انسان کس راستہ پر جارہے ہیں بلکہ اسے پوری ثابت قدمی کے ساتھ اس راہ پر چلنا چاہیئے جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے بتائی ہے، چاہے اس راستہ پر دنیا میں اکیلا ہی رہ جائے۔

جدید جمہوری نظام جو کہ مغرب کا شاخسانہ ہے اور اب یہ فلسفہ نظام حکومت سارے عالم میں رائج ونافذ ہے۔

اس حوالے سے قرآنِ حکیم کا یہ حکم بہت واضح ہے کہ اگر زمین میں بسنے والوں کی اکثریت کی بات مانو گے تو وہ تمہیں گمراہ کر دیں گے۔ دنیا میں اکثریت تو ہمیشہ باطل پرستوں کی رہی ہے۔ عہدِ نبوی A میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد کا دنیا کی پوری آبادی سے موازنہ کیا جائے تو کیا تناسب بنتا ہے۔ اس لئے اکثریت کو انسانوں کے لئے قوانین بنانے کا اختیار دے دیا جائے تو اس صورت میں کسی خیر کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ انسانوں کے حق میں بہترین قوانین بنانے کا اختیار اور اقتدارِ اعلیٰ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی کو حاصل ہے تاہم انسان فقط اس کے دئے ہوئے قوانین کو نافذ کرنے کے پابند اور اس کے عطا کردہ نظام خلافت وحکومت کے امین وپاسدار ہیں۔ مزید براں اکثریت کی رائے پر فیصلے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے احکام کی حدود کے اندر رہتے ہوئے کئے جاسکتے ہیں۔

آیت نمبر ۱۱۷: بے شک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ان کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بہکے اور بھٹکے ہوئے ہیں اور وہ ان کو بھی خوب جانتا ہے جو سیدھی راہ پر ہیں۔ سو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہر کسی کو پوری طرح جانتا ہے۔ اس لئے دنیا والوں کو اپنی دینداری کے مظاہر دکھانے کی بجائے اس وحدہٗ لاشریک کے حضور اپنی جوابدہی کی فکر کرنی چاہیئے اور اس سے اپنا معاملہ صاف اور صحیح رکھنا چاہیئے اس سے قبل کہ مہلت عمل ختم ہو جائے اور ہمیشہ کے لئے افسوس اور پچھتاوے سے دو چار ہونا پڑے۔

آیت نمبر ۱۱۸: مشرکین کے جاہلانہ نظریات اور توہمات کا رد کیا گیا ہے۔ وہ محض خیالی اندازوں پر اپنے دین کی بنیاد رکھے ہوئے تھے، اسی وجہ سے وہ اہل ایمان پر مختلف اعتراضات کرتے رہتے تھے۔ ان کی اس گمراہی کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ جس چیز کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے اس کو حرام کہتے ہیں اور جس چیز کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے حرام کہا ہے اسے حلال سمجھتے ہیں۔

علمی بات: سب سے زیادہ جاہلانہ بات جس پر پہلے بھی بعض گروہ مُصر تھے اور آج بھی دنیا کے بعض گروہ اس پر بضد ہیں، وہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا نام لے کر جو جانور ذبح کیا جائے وہ تو ان کے نزدیک حرام ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے نام کے بغیر جسے ذبح کیا جائے وہ حلال اور اس کا کھانا جائز ہے۔ یہاں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس کی

تردید کر کے مسلمانوں سے فرما رہا ہے کہ اگر تم حقیقت میں اللہ ﷻ پر ایمان لائے ہو اور اس کے احکام کو مانتے ہو تو ان تمام اوہام اور تعصبات کو چھوڑ دو جو کفار و مشرکین میں پائے جاتے ہیں، صرف اسی چیز کو حرام سمجھو جسے اللہ ﷻ نے حرام کیا ہے اور حلال اسی کو ٹھہراؤ جس کو اللہ ﷻ نے حلال قرار دیا ہے۔

آیت نمبر ۱۱۹: اہل ایمان کے لئے حلال و حرام کی تمیز کرنے میں کوئی مشکل نہیں۔ حرام کردہ اشیاء کی تفصیل بیان کر دی گئی۔ جبکہ سخت مجبوری کی حالت میں (کہ جان پر بنی ہو) تو بقدر ضرورت حرام جانور کا گوشت استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ واضح کیا گیا ہے کہ درست روش شریعت کی پیروی ہے نہ کہ اُن لوگوں کی جن کے نفس خواہشات کے تابع ہیں۔ اللہ ﷻ حد سے تجاوز کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ حد سے گزر جانے والوں" سے مراد علما یہود ہیں جنھوں نے مشرکین کو اس اعتراض پر اکسایا تھا۔ ایسے لوگوں سے باخبر ہونے اور ان کی گرفت کرنے کا بیان ہے۔

علمی و عملی بات: حکم ہے کہ حلال جانوروں کو اللہ ﷻ کا نام لے کر ذبح کیا کرو اور بلا کراہت ان کا گوشت کھایا کرو۔ مجبور و لاچار کے لئے رعایت کا ذکر و بیان ہے کہ اگر کوئی مجبور ہو جائے اور اس بناء پر ان میں سے بقدر ضرورت کچھ کھالے تو اس میں کوئی گناہ نہیں مگر ضرورت سے زیادہ نہیں کھانا چاہیئے کیونکہ شرعی قاعدہ یہی ہے کہ ضرورت کو ضرورت کی حد تک ہی رکھا جائے۔ یہ شریعت کے اس جامع اصول پر مبنی ہے کہ "اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِیْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ" یعنی "ضرورت کی بناء پر ممنوع چیزوں میں بھی جواز پیدا ہو جاتا ہے"۔ جو رب العالمین کی غایت شفقت کا مظہر ہے۔

علمی بات: حلال ذبیحہ کا فائدہ جو اب طبی تحقیق کے بعد کسی طور پر پوشیدہ نہیں کہ جس جانور کو شرعی طریقہ سے ذبح کیا جاتا ہے اس کا خون جسم سے اچھی طرح بہہ کر نکل جاتا ہے، اور جو جانور خود مر جاتا ہے یا غیر شرعی طریقہ سے ذبح کر دیا جائے مثلاً جھٹکا دے کر تو اس کا خون جسم ہی میں رہ جاتا ہے جس سے پورا گوشت خراب اور نقصان دہ ہو جاتا ہے، لیکن اللہ ﷻ نے یہ حکمت بیان فرمانے کے بجائے یہ کہنے پر اکتفا فرمایا کہ جو چیزیں حرام ہیں وہ اللہ ﷻ نے خود بیان فرما دی ہیں، لہٰذا اس کے احکام کے مقابلے میں خیالی گھوڑے دوڑانا مومن کا کام نہیں، کیونکہ اللہ ﷻ کے ہر حکم میں یقیناً کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے۔

آیت نمبر ۱۲۰: ظاہری اور باطنی ہر قسم کے گناہوں کو چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ ظاہری گناہ سے مراد وہ گناہ ہیں جو اعلانیہ اور کھلم کھلا کیئے جائیں اور باطنی گناہ سے مراد وہ گناہ ہیں جو چھپ کر کیئے جاتے ہیں۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ ظاہری گناہ سے مراد وہ گناہ ہیں جو ظاہری اعضاء سے کئے جائیں اور پوشیدہ گناہ سے مراد وہ گناہ ہیں جو دل سے کئے جائیں۔ مثلاً تکبر، حسد، خود پسندی، مسلمانوں کا بُرا چاہنا، حرام کاموں کا ارادہ کرنا، بدگمانی کرنا، بے حیائی کے کاموں سے محبت کرنا، حلال کو حرام اور حرام کو حلال سمجھنا۔ گویا حلال و حرام سے متعلق احکام صرف کھانے کی چیزوں میں منحصر نہیں ہے، بلکہ اللہ ﷻ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ظاہر و پوشیدہ ہر طرح کے گناہوں کو چھوڑنا ضروری ہے۔

عملی بات: ہمیں ہر قسم کے گناہ اور باطنی برائیوں سے بچنے اور اپنی اصلاح و تربیت کے لئے نیک صحبت سنت اہل اللہ کی اصلاحی مجالس اختیار کرنی چاہیئے، نیز روزانہ کی بنیاد پر اپنا محاسبہ و فکر آخرت بھی کرتے رہنا چاہیئے۔

آیت نمبر ۱۲۱: ذبح کرتے وقت جس جانور پر اللہ ﷻ کا نام عمداً نہ لیا گیا ہو یا غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، اسے کھانے کی ممانعت ہے۔ ایسے کھانے کو "فسق" قرار دیا گیا ہے اور فسق کا مطلب ہے اطاعت سے نکل جانا۔

علمی بات: بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا رہتا ہے تاکہ وہ تم سے بحث کریں مشرکین بحث کرتے تھے کہ یہ کیا بات ہے جس کو اللہ ﷻ نے مارا ہے (یعنی مردار) اس کو تم نہیں کھاتے اور جس کو تم نے قتل کیا ہے (یعنی ذبیحہ) اس کو کھالیتے ہو۔

علمی و عملی بات: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حلال بتائے ہوئے کو حرام اور حرام بتائے ہوئے کو حلال سمجھنا بھی شرک ہے۔ یعنی ایک طرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی معبودیت کا اقرار کرنا اور دوسری طرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نافرمان لوگوں کی وہ باتیں مان کر چلنا اور ان کے مقرر کیے ہوئے اُن طریقوں کی پابندی کرنا، جو شریعت سے متضاد ہوں شرک ہے۔ توحید کا تقاضا یہ ہے کہ زندگی مکمل طور پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت میں بسر کی جائے۔

آیت نمبر ۱۲۲: مُردہ اور زندہ کا موازنہ کر کے ہدایت یافتہ اور گمراہ شخص کے برابر نہ ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایمان کو نور اور کفر کو ظلمت قرار دیا گیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مومن کو نورِ ایمان کے ذریعہ زندہ فرما دیتا ہے۔ مومن کو وحی کے علم سے روشنی عطا ہوتی ہے جس کے مطابق وہ زندگی بسر کرتا ہے۔ جبکہ کافر، کفر و شرک کی تاریکیوں میں بھٹکتا پھرتا ہے اور جہالت کی تاریکی ہی اسے ہدایت کی روشنی معلوم ہوتی ہے۔

علمی بات: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کائناتِ عالم کی ہر چیز کو بامقصد پیدا فرما کر اس کو پوری ہدایت عطا فرمائی۔ کائنات میں زمین، پانی، ہوا اور آگ، اسی طرح آسمانی مخلوقات چاند، سورج، ستارے اور سیّارے اپنی اپنی ڈیوٹی پوری طرح ادا کر رہے ہیں اور فرائض کی ادائیگی ان میں سے ہر چیز کی زندگی کا ثبوت ہے۔ اسی طرح اہلِ ایمان کا بامقصد زندگی گذارنا اُن کی زندگی کا ثبوت ہے اور اہلِ کفر و شرک کا بے مقصد زندگی گذارنا ان کے مردہ ہونے کی دلیل ہے۔

آیت نمبر ۱۲۳: انسانی معاشرہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی سنت جاریہ یہ ہے کہ ہر بستی میں اس کے فاسق سرداروں کو انبیاء اور ان کے متبعین کے مخالف بنا دیتا ہے اور اس وجہ سے حق اور باطل کے درمیان کشمکش جاری رہتی ہے۔ ان بستیوں کے مجرموں کے لیڈر اور فاسق سردار انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں کو مختلف طریقوں سے تنگ کرتے ہیں اور ان کے خلاف فریب سے کام لیتے ہیں ،لیکن درحقیقت اس فریب کا نقصان ان ہی کو پہنچتا ہے کیونکہ اس وجہ سے آخرت میں ان کو سخت عذاب دیا جائے گا۔ دنیا میں فاسقوں اور مجرموں کو غلبہ دینے کی حکمت یہ ہے کہ مسلمانوں کو آزمائش میں مبتلا کیا جائے اور جو مسلمان اس امتحان میں کامیاب اور سرخرو ہوں ان کو دنیا کی خلافت اور آخرت میں بلند درجات دیئے جائیں۔

علمی بات: اہلِ مکہ نے مکہ کے اطراف میں ہر راستہ پر چار چار آدمی بٹھا دیئے تھے۔ تاکہ وہ لوگوں کو سیدنا محمد رسول اللہ A پر ایمان لانے سے روکتے رہیں۔ جو شخص باہر سے آتا اور مکہ میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ اس سے یہ لوگ کہتے تھے کہ دیکھنا اس شخص سے بچ کر رہنا کیونکہ وہ جادوگر ہے جھوٹا ہے (معاذ اللہ) درحقیقت ہر بستی اور علاقہ کے ظالم و فاسق اہلِ اقتدار اور اہلِ ثروت ہی نہ خود ہدایت قبول کرتے ہیں نہ ہی اپنے عوام کو حق قبول کرنے دیتے ہیں۔ اس وقت پوری دنیا میں اس کا مظاہرہ دیکھا جاسکتا ہے کہ کس طرح اہلِ اقتدار اور ظالم مالدار لوگ دینِ حق کے لئے کیسی کیسی مشکلات پیدا کرتے ہیں۔

آیت نمبر ۱۲۴: **علمی بات:** ولید بن مغیرہ نے رسول اللہ A سے کہا کہ اگر نبوت واقعی کوئی چیز ہے تو میں تم سے زیادہ اس کا اہل ہوں کیونکہ میری عمر بھی تم سے زیادہ ہے اور میرا مال بھی کثیر ہے اور دوسرا سببِ نزول یہ نقل کیا ہے کہ ابوجہل نے کہا کہ بنو عبد مناف نے شرافت کے سلسلے میں ہم سے مقابلہ بازی کی یہاں تک کہ ہم گھڑ دوڑ کے گھوڑے بن کر رہ گئے۔ اب وہ کہہ رہے ہیں کہ ہم میں ایک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نبی A ہے جس کی طرف وحی کی جاتی ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قسم ہم اس مدعی نبوت پر ایمان نہ لائیں گے۔ جب تک ہمارے پاس بھی اسی طرح وحی نہ آجائے جیسی اس کے پاس آتی ہے۔ اس پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں ولید بن مغیرہ کا بھی جواب ہوا اور ابوجہل کا بھی۔ وحی کا نزول اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مرضی کے مطابق اس کے چنے ہوئے بندوں پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اپنی پیغمبری کس کو عطا فرمائے۔ جب کہ منکرینِ حق کے لئے دنیا و آخرت میں ذلت و رسوائی اور سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

آیت نمبر ۱۲۵: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ہدایت پانے والے اور گمراہ طبقہ کی علامات کا بیان ہے۔ سینہ کھول دینے سے مراد ہے فراخدلی سے حق قبول کرنا اور اس پر دلی اطمینان نصیب ہونا ہے جبکہ سینے میں تنگی سے مراد ہے اسلام کی دعوت سے دل میں گھٹن پیدا ہونا اور اسے بوجھ سمجھنا۔ جس طرح

زور لگا کر آسمان پر چڑھنا ممکن نہیں اسی طرح تنگ سینہ کے ساتھ ایمان کا حصول ممکن نہیں۔ ایسے شخص کو "رجس" میں مبتلا کر دیا جاتا ہے جس سے مراد عذاب یا شیطان کا اس پر تسلط ہے۔ ایسے شخص کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ذکر سنتا ہے تو اُسے وحشت ہونے لگتی ہے اور جب کفر و شرک کی باتیں سنتا ہے تو اس کا جی لگتا ہے یعنی وہ اس کے من کو بھاتی ہیں۔

فرمانِ نبوی A: نبی کریم A نے فرمایا "مومن کے دل کے اندر اللہ سبحانہ و تعالیٰ ایک نور ڈال دیتا ہے جس کی وجہ سے اس کا دل کشادہ اور وسیع ہو جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کیا اس کی کوئی علامت ہوتی ہے فرمایا ہاں غیر فانی گھر (یعنی آخرت) کی طرف میلان قلب اس فریب خانہ (یعنی دنیا) سے طبیعت کا اچاٹ ہونا اور موت آنے سے پہلے موت کی تیاری کرنا۔ (مستدرک الحاکم، بیہقی)

آیت نمبر ۱۲۶: اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا راستہ وہی ہے جس پر رسول اللہ A اور اہل ایمان چل رہے ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے تفصیل کے ساتھ نشانیاں اور احکام بیان فرما دیئے ہیں۔ یعنی جو حق کے طالب ہیں ان کی ہدایت کے سامان کے لئے تفصیل سے کتاب و سنت میں احکاماتِ شریعت بیان کر دیئے گئے ہیں۔

علمی بات: اس آیت کا معنی ہے یہ اسلام جس کے لئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ مومنوں کا سینہ کھول دیتا ہے یہی رب کا وہ طریقہ ہے جس کو اس نے لوگوں کے لئے پسند کر لیا ہے اور یہی طریق مستقیم ہے کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا بیان کیا ہوا راستہ مستقیم ہی ہوتا ہے جیسا کہ حدیث مبارک میں قرآنِ حکیم کے متعلق بیان ہوا ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ A نے فرمایا یہ قرآن حکیم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے اور یہ ذکر حکیم ہے اور یہ صراط مستقیم ہے۔ (جامع ترمذی) یعنی اس کی تعلیمات اور احکامات پر چلنے والا کبھی راہِ حق سے نہیں ہٹ سکتا۔

آیت نمبر ۱۲۷: فرماں بردار بندوں کے لئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے "دارالسلام" کی بشارت اور وعدہ ہے۔ فرماں برداروں کے نیک اعمال کی وجہ سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان کا دوست، مددگار اور کارساز ہے۔

علمی بات: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "سلام" "اللہ سبحانہ و تعالیٰ" کا نام ہے، اور دار السلام کے معنی ہیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا گھر اور ظاہر ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا گھر امن و سلامتی کی جگہ ہوتی ہے، اس لئے اس کے معنی ہوئے کہ وہ گھر جس میں ہر طرح کا امن و سکون اور سلامتی و اطمینان ہو۔ جنت کو دار السلام فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ جنت ہی صرف وہ جگہ ہے جہاں انسان کو ہر قسم کی تکلیف، پریشانی سے مکمل اور دائمی سلامتی حاصل ہو گی۔

آیت نمبر ۱۲۸: میدان حشر میں انسانوں اور جنات کو جمع کرنے کے بعد اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان سے سوال فرمائے گا۔ جنوں سے مراد یہاں شیطان جن ہیں۔ ان کا بہت سے انسانوں کو اپنا بنا لینے کا مطلب انہیں گمراہ کر کے اپنے راستے پر لگا لینا ہے۔ جنّات کا انسانوں سے فائدہ اٹھانا یہ ہے کہ جنّات نے ان کو گمراہی کی دعوت دی، انسانوں نے اسے قبول کر لیا اور ان کی تعظیم و تکریم کی اور مصیبتوں کے وقت ان کو پکارنا شروع کر دیا۔ یہی جنات کی کامیابی ہے اور انسانوں کا جنّات سے فائدہ اٹھانے سے مراد ان سے آسمان دنیا سے سنی ہوئی خبر میں سو جھوٹ ملا کر لوگوں کو بتانا ہے تاکہ لوگ ان کے معتقد رہیں، ان کی دوکانداری چلتی رہی اور اس کے ذریعہ وہ دنیا میں مال و دولت اور ناموری حاصل کریں۔

علمی بات: ا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ انسانوں کا جنات سے نفع حاصل کرنا یوں تھا کہ جب ان میں سے کوئی شخص سفر پر جاتا اور جنات کا خوف ہوتا تو جس منزل پر اترتا ہوتا تو یوں کہتے کہ اَعُوْذُ بِسَیِّدِ ھٰذَا الوَادِی (کہ میں اس وادی کے سردار کی پناہ لیتا ہوں) یعنی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی پناہ لینے کی بجائے شیاطین کی پناہ لیتے تھے۔ اور شیاطین کا انسانوں سے نفع حاصل کرنا یہ تھا کہ جب یہ لوگ اَعُوْذُ بِسَیِّدِ ھٰذَا الوَادِی کہتے تھے تو جنات خوش ہوتے اور کہتے تھے کہ دیکھو انہوں نے ہمیں کو پناہ دینے پر قادر سمجھا اور جو پناہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے مانگنی چاہیئے تھی وہ ہم سے مانگی۔

۲۔ان دونوں گروہوں کے لئے دوزخ کی سزا مقرر ہے۔سزا اور جزا کا فیصلہ اللہ ﷻ کی حکمت پر مبنی ہوتا ہے اور اس کے احاطہ علم سے کوئی چیز باہر نہیں۔

آیت نمبر ۱۲۹: اس آیت کے دو مفہوم ہیں i: ۔دنیا کی طرح جہنم میں بھی ایک دوسرے کے ساتھی ہوں گے۔ii۔ جیسے انسان اور جن ایک دوسرے کے ساتھی تھے اسی طرح ظالموں کے دوست بھی ویسے ہی ظالم ہوں گے۔ان کے یہ دوست بُرے اعمال میں ان کی مدد کرتے تھے۔

علمی بات: ا۔جس طرح وہ دنیا میں گناہ سمیٹنے اور برائیوں کا اکتساب کرنے میں ایک دوسرے کے شریک تھے، اسی طرح آخرت کی سزا پانے میں بھی وہ ایک دوسرے کے شریکِ حال ہوں گے۔

۲۔نیک و بد اعمال کی ایک جزاء سزاء تو آخرت میں ملے گی اور ایک جزاء سزا نقد اسی دنیا میں اس طرح مل جاتی ہے کہ نیک آدمی کو نیک اور دیانتدار رفقاء نصیب ہوجاتے ہیں جو اس کے کام میں معاون بن کر دینی و دنیوی ترقی کا سبب بنتے ہیں، اور برے اور بدنیت آدمی کو رفقاء کار بھی اسی جیسے ملتے ہیں جو بُرے کاموں میں اس کے معاون بن کر راہِ حق اور اچھے اعمال سے دور کر دیتے ہیں نتیجتاً وہ دنیا اور آخرت کے خسارہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

نوٹ: ایک حدیث شریف میں رسول اللہ A کا ارشاد ہے،"جیسے تم ہو گے ویسے ہی حکام تم پر مسلط ہوں گے"(بیہقی)،یعنی تم ظالم و بدکار ہو گے تو تمہارے حاکم بھی ظالم و بدکار ہی ہوں گے اور تم نیک عمل و نیک کردار ہو گے تو اللہ ﷻ تمہارے حُکّام نیک، رحم دل اور منصف مزاج لوگوں کو بنا دے گا۔

آیت نمبر ۱۳۰: سورۂ جن کی ابتدائی آیات میں جنّات کا قرآن حکیم سننا اور ایمان لانے کا ذکر صراحتاً موجود ہے جس کے بعد اس میں روز قیامت اللہ ﷻ کا انسان اور جنات دونوں سے خطاب کا ذکر ہے۔اُن سے رسولوں کی دعوت حق لانے کے متعلق سوال ہو گا کیوں کہ یہ دو مخلوقات اللہ ﷻ کے احکام کی مُکلّف ہیں۔دونوں گروہوں کے کفار اور فاسق لوگ اپنی غلطیوں کا اعتراف کریں گے۔یہ وہ لوگ تھے جو آخرت سے غافل تھے اور دنیا کی زندگی کے دھوکہ میں مبتلا تھے۔

علمی بات: انسانوں میں تو پیغمبروں کا تشریف لانا واضح ہے، اس آیت میں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنات میں بھی رسول مبعوث ہوتے رہے ہیں۔چنانچہ اسی بنا پر بعض علماء کا کہنا ہے کہ جنات میں بھی آنحضرت A سے پہلے پیغمبر آتے رہے اور دوسرے مفسرین کا کہنا یہ ہے کہ باقاعدہ پیغمبر تو جنات میں نہیں آئے؛ لیکن انسانوں میں جو پیغمبر بھیجے گئے وہی جنات کو تبلیغ کرتے تھے اور جو جنات مسلمان ہو جاتے وہ پھر انبیاء کرام کے نمائندے بن کر دوسرے جنات کو بھی تبلیغ کرتے تھے، جیسا کہ سورۃ الجن (72) میں تفصیل سے مذکور ہے۔آیت کی رو سے دونوں احتمال ممکن ہیں کیونکہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں اور جنات دونوں کو تبلیغ کا حق ادا کر دیا گیا اور وہ دونوں طرح ممکن ہے۔

آیت نمبر ۱۳۱: رسولوں کے ذریعہ اتمام حجت کا بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ ﷻ کسی قوم کو خبردار کیئے بغیر عذاب میں مبتلا نہیں فرماتا۔ جب کوئی بستی گمراہی اور فسق و فجور میں منہمک ہو جاتی ہے تو اچانک اس پر عذاب نازل نہیں کیا جاتا بلکہ سنت الٰہی یہ ہے پہلے ان کی طرف اللہ ﷻ کا پیغام سنانے والے بھیجے جاتے ہیں جو ان کو سمجھاتے ہیں اور انہیں گمراہی اور بدکاری سے باز آجانے کی نصیحت کرتے ہیں۔اگر پھر بھی وہ گمراہی اور بداعمالیوں پر بضد رہیں تو عذاب الٰہی نازل ہوتا ہے جو انہیں نیست و نابود کر دیتا ہے۔

آیت نمبر ۱۳۲: اللہ ﷻ ہر ایک کے اعمال سے باخبر ہے۔یعنی اہلِ ایمان کو ان کے اعمال کے مطابق درجات اور مرتبے عطا فرمائے گا اور اللہ ﷻ تکذیب کرنے والوں سے بھی بے خبر اور غافل نہیں ہے۔اُن کی بدعمالیوں کی سزا ان کو ضرور ملے گی۔

عملی پہلو: اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسانوں اور جنات میں ہر طبقہ کے لوگوں کے درجات مقرر ہیں اور یہ درجات اُن کے اعمال ہی کے مطابق رکھے گئے ہیں، ان میں سے ہر ایک کی جزا و سزا ان ہی اعمال کے مطابق ہو گی۔

نوٹ: یہ آیت اس پر دلیل ہے کہ انسانوں کی طرح جنات میں سے بھی جو اطاعت گزار اور نیکوکار ہوگا وہ جنت میں جائے گا اور جو نافرمان اور بدکار کافر ہوگا وہ دوزخ میں جائے گا۔

آیت نمبر ۱۳۳: اللہ ﷻ غنی، بے نیاز، صاحب رحمت اور قدرت کاملہ کا مالک ہے۔ وہ مخلوق کی عبادت سے بے نیاز ہے۔ اللہ ﷻ ہی ہدایت عطا فرماتا ہے اور اصلاح کے لئے مہلت بھی۔ اللہ ﷻ قادر ہے کہ مشرکین کے جرائم کی پاداش میں انہیں فنا کر کے دوسری قوم لے آئے۔

عملی پہلو: اللہ قادر مطلق تمہاری جگہ دوسروں کو لا کر بسانے کی بھی پوری قدرت رکھتا ہے۔ پس تمہیں اگر آج محنتِ عمل کا موقع ملا ہوا ہے تو اس کو غنیمت سمجھو کہ یہ کبھی بھی چھن سکتا ہے۔ نیز تمہیں اگر دین کی خدمت کا کوئی موقع ملتا ہے تو اس کو اپنی خوش نصیبی جانو ورنہ نہ وہ تمہارا محتاج ہے نہ اس کا دین۔ مہلت عمل کا عطا ہونا بھی اس کی رحمت ہی کا مظہر ہے۔

آیت نمبر ۱۳۴: روز جزاء کا وقوع اور اعمال کا بدلہ جزا و سزا کوئی مانے یا نہ مانے، بہر حال ہو کر رہے گا۔ تا کہ عدل و انصاف کے تقاضے مکمل طور پر پورے ہو سکیں۔ اور ہر کسی کو اس کی زندگی بھر کے اعمال کا پورا پورا صلہ اور بدلہ مل سکے۔ رسولوں کی تکذیب اور حق و ہدایت سے انکار پر خالق و مالک نے عذاب کا جو وعدہ لوگوں سے فرما رکھا ہے وہ بہر حال پورا ہو کر رہنا ہے خواہ وہ دنیا کے جلدی عذاب کی شکل میں آئے یا یوم الحساب کے عذاب اخروی کی صورت میں ملے۔ اس کو روکنے یا ٹالنے کی طاقت کسی میں نہیں۔

آیت نمبر ۱۳۵: مشرکین کو دو ٹوک انداز میں بُرے انجام سے خبردار کیا گیا ہے یہ دعوتِ حق کو رد کرنے کی جتنی چاہیں کوششیں کر لیں وہ ناکام ہوں گے اور نبی کریم A اپنی جدوجہد اتفاق کے ساتھ جاری رکھیں گے۔ انہیں بتا دیا گیا ہے کہ ظالم یعنی مشرک کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔

علمی بات: رسول کریم A اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے کے حالات اس پر شاہد ہیں کہ بہت تھوڑے عرصہ میں قوت و اقتدار کے مالک تمام مخالفین ان کے سامنے ذلیل ہوئے، ان کے ملک ان کے ہاتھوں فتح ہوئے، خود عہد رسالت A میں تمام جزیرہ عرب آپ A کے زیر نگین آ چکا تھا، یمن اور بحرین سے لے کر حدود شام تک آپ A کی حکومت پھیل گئی، پھر آپ A کے خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں دنیا کا ایک بڑا رقبہ اسلام کے جھنڈے تلے آ گیا۔

آیت نمبر ۱۳۶: مشرکین زمینی پیداوار اور مویشیوں میں سے ایک حصہ اللہ ﷻ کے نام اور دوسرا حصہ خود ساختہ معبودوں کے لئے مقرر کرتے تھے۔ یہ سراسر بے بنیاد رسم اور شرک ہی کی ایک قسم ہے۔

شانِ نزول: مشرکوں کا دستور تھا کہ اپنی کھیتیوں، باغات کے پھلوں، مویشیوں کے بچوں اور تمام مالوں میں ایک حصہ اللہ ﷻ کا اور ایک حصہ بتوں کا مقرر کرتے تھے۔ اللہ ﷻ کا حصہ تو مہمانوں اور مسکینوں پر صرف کرتے تھے اور بتوں کا حصہ نوکروں چاکروں اور خدمت گاروں کے صرف میں لاتے تھے اور اللہ ﷻ کے حصہ میں سے اگر کچھ بتوں کے حصہ میں شامل ہو جاتا تو پروا نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے اللہ ﷻ محتاج نہیں اس کو اس کی کوئی ضرورت نہیں لیکن اگر بتوں کے حصہ میں سے کچھ اللہ ﷻ کے حصہ میں شامل ہو جاتا تو فوراً نکال کر بتوں کے حصہ میں ملا دیتے اور کہہ دیتے یہ حاجت مند ہیں پھر اللہ ﷻ کے حصہ کی اگر کوئی چیز تلف یا کم ہو جاتی تو ان کو پروا بھی نہ ہوتی اور بتوں کے حصہ کی کوئی چیز تلف یا کم ہو جاتی تو فوراً اس کے عوض پوری کر دیتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

نوٹ: بتوں کے لئے مخصوص حصّہ مجاور وغیرہ کے پاس جاتا تھا چنانچہ وہ اسی وجہ سے ان مشرکین سے بتوں کا حصّہ کم نہ ہونے دیتے تھے کیوں کہ خود ان کی جیبیں ان سے بھرتی تھیں۔ یہ خود ساختہ رسم مذہب کے نام پر لوٹ مار کی بدترین شکل ہے۔

آیت نمبر ۱۳۷: زمانہ جاہلیت کے عرب اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا پیروکار سمجھتے تھے۔ لیکن جو دین اس زمانے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے سیکھا تھا اس کے اندر بعد میں آنے والے مذہبی پیشوا، قبائل کے سردار، خاندانوں کے بڑے بوڑھے مختلف طرح کے عقائد اور رسوم ورواج کا اضافہ کرتے چلے گئے جنھیں بعد میں آنے والی نسلوں نے اصل مذہب کا حصّہ سمجھا اور نہایت عقیدت مندی کے ساتھ ان کی پیروی کی۔ چونکہ کسی کتاب، یا تاریخ میں ایسا کوئی ریکارڈ محفوظ نہ تھا جس سے معلوم ہو تا کہ اصل مذہب کیا تھا اور بعد میں کس نے کس طرح تحریفات اور اضافہ کیا، اس وجہ سے اہل عرب کے لئے ان کا پورا دین مشتبہ ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ کسی چیز کے متعلق یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے تھے کہ یہ اصل دین کا جزء ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا تھا، اور یہ بدعات اور غلط رسوم ورواج ہیں جو بعد میں لوگوں میں پروان چڑھی ہیں۔ آج کے مشرکین کے بارے میں بھی اس طرح کے واقعات سننے میں آتے ہیں کہ کسی نے اپنے بچے کو دیوی کی بھینٹ چڑھادیا۔

آیت نمبر ۱۳۸: مشرکین کے باطل عقائد و نظریات کی مزید تین صورتوں کا بیان ہے۔

i۔ منت اور نذر کے مخصوص جانور یا کھیتی کی بعض پیداوار کا عام استعمال ممنوع تھا۔ ان کے استعمال کی اجازت صرف بتوں کے خادم اور مجاورین کے لئے ہوتی تھی۔ ii۔ مختلف قسم کے جانوروں کو بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے اور انہیں مقدس سمجھتے ہوئے ان سے باربرداری یا سواری کا کام نہ لیتے تھے۔

iii۔ بعض جانوروں کو ذبح کرتے وقت صرف بتوں کا نام لیتے تاکہ اس بت کی نذرونیاز میں اللہ تعالیٰ کی شراکت نہ ہونے پائے۔

یہ طور طریقے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ نہیں تھے، مگر وہ ان کو اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ سمجھ کر ان کی پیروی کرتے تھے ان طور طریقوں کے لئے ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی سند نہیں تھی بلکہ صرف یہی کہنا تھا کہ ان کے باپ دادا سے یونہی ہوتا چلا آرہا ہے۔ انہیں عنقریب سزا دیئے جانے کا ذکر ہے۔

آیت نمبر ۱۳۹: کفار کی ایک مروّجہ جہالت یہ بھی تھی کہ بعض جانوروں (سائبہ اور بحیرہ) کے متعلق ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ان کے پیٹ میں (دودھ یا بچہ) جو کچھ ہے اس کا استعمال مردوں کے لئے حلال ہے اور عورتوں کے لئے حرام اور اگر اسی جانور کے شکم سے مردہ بچہ پیدا ہو تو وہ مرد وزن سب کے لئے یکساں طور پر حلال ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عنقریب انہیں ان خرافات کی سزا دی جائے گی۔

عملی بات: قرآن حکیم چونکہ نصیحت ہے اور حکیم ہے یعنی ہر بات حکمت پر مبنی ہے اب غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشرکین کی ان خرافات کے بیان میں کیا حکمت و نصیحت ہو سکتی ہے سوائے اس کی کہ ہم اپنے معاشرہ میں رائج خرافات اور خود ساختہ رسومات کی پیروی کرنے کے بجائے کتاب وسنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیان کردہ معاشرت کو اپنائیں اور ان کی طرف سے واضح کردہ راستوں پر گامزن ہوں۔

آیت نمبر ۱۴۰: اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اولاد (خصوصاً بیٹیوں) کو ہلاک کرنے والے اور جانوروں کو اپنے اوپر حرام کرنے والے اللہ تعالیٰ کی ناشکری کے مرتکب ہیں۔ نیز ان مشرکانہ افعال کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا ہے۔ ایسے لوگ گمراہ اور ہدایت سے دور ہیں۔ اس سے بڑی گمراہی اور نقصان و خسارہ کیا ہو گا کہ بلاوجہ دنیا میں اپنی اولاد و اموال سے محروم ہو کر آخرت کا عذاب اپنے سر لیتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

آیت نمبر ۱۴۱: نباتات اور درختوں کی مختلف اقسام کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ باغات میں پیدا ہونے والے درختوں کی دو اقسام کا ذکر ہے۔ ایک وہ ہیں جن کو سہارا دے کر چھتریوں پر چڑھایا جاتا ہے مثلاً انگور کی بیل۔ دوسرے وہ ہیں جن کو ایسے سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی مثلاً آم کا درخت۔ پھلوں میں بھی رنگارنگی ہے اور ملتے جلتے رنگ بھی ہیں۔ فصل کی کٹائی کا حق ادا کرنے اور فضول خرچی سے منع کیا گیا ہے۔

علمی بات: فصل کی کٹائی کے حق سے مراد عشر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے جب فصل کی کٹائی کا دن آئے تو اس کا حق ادا کرو۔ کھیتی کاٹنے یا پھل توڑتے وقت اللہ تعالیٰ کا حق عشر ادا کیا جائے۔ جب فصل کاٹی جائے یا کھجوریں اُتاری جائیں تو اس میں سے مساکین کو اُن کا حصّہ دیا جائے۔

مکی زندگی میں اس کی کوئی خاص شرع مقرر نہیں تھی، بلکہ جب کٹائی کا وقت آتا تو کھیتی کے مالک پر فرض تھا کہ جو فقراء اس وقت موجود ہوں، اُن کو اپنی صوابدید کے مطابق کچھ دے دیا کرے۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد اس کے مفصل احکام آئے، اور آنحضرت A نے اس کی یہ تفصیل بیان فرمائی کہ بارانی زمینوں پر پیداوار کا دسواں حصہ اور نہری زمینوں پر بیسواں حصہ غریبوں کا حق ہے۔ آیت نے بتایا ہے کہ یہ حق کٹائی ہی کے وقت ادا کر دینا چاہیئے۔(آسان ترجمہ قرآن)

نوٹ: کھانے پینے اور دیگر ضروریات زندگی میں فضول خرچی کی ممانعت ہے۔ اپنی ضرورت کے مطابق ہی خرچ کیا جائے۔ تاکہ اللہ ﷻ کی نعمت ضائع ہونے سے بچ سکے نیز صدقہ دیتے ہوئے یہ بھی خیال رکھا جائے کہ بندہ صدقہ دینے کے بعد خود محتاج نہ ہو جائے بلکہ اعتدال سے کام لیا جائے۔

آیت نمبر ۱۴۲: اللہ ﷻ کے خاص انعام کا ذکر ہے جو اُس نے انسانوں پر مویشیوں کے ذریعہ فرمایا ہے۔ اول تو یہ فرمایا کہ اللہ ﷻ نے کچھ جانور ایسے پیدا فرمائے جو بار برداری کا کام کرتے ہیں اور ان کے قد بھی بڑے ہیں مثلاً اونٹ اور بیل وغیرہ۔ دوسری قسم کے جانور وہ ہیں جن کے قد چھوٹے ہیں گویا کہ وہ زمین پر بچھے ہوئے ہیں ان پر بوجھ نہیں لادا جاسکتا جیسے کہ بھیڑ بکری اور دنبہ ان چھوٹے قسم کے جانوروں پر سامان تو نہیں لادا جاسکتا لیکن ان کے دوسرے فائدے ہیں۔ ان کا دودھ پیا جاتا اور گوشت کھایا جاتا ہے اور بڑے جانوروں کی نسبت ان کا گوشت عمدہ ہوتا ہے اور ان کے بالوں سے پہننے اور اوڑھنے بچھونے کے کپڑے تیار کئے جاتے ہیں۔

عملی پہلو: انسان سوچے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح جانوروں میں سے کچھ کو ہماری بار برداری اور کچھ کو ہماری دوسری ضرورتوں کے پورا کرنے میں لگا دیا۔ سب بلا چون وچرا ہمارے لئے خدمات انجام دیئے جا رہے ہیں۔ اس کے باوجود اپنے خالق ومالک سے منہ موڑنا، اوراس کی حلال کردہ چیز کو حرام یا حرام کو حلال کرنا، یا باطل معبودوں کے نام منسوب کرنا شیطان کی پیروی کرنا ہے جو کہ انسان کا کھلا دشمن ہے۔

آیت نمبر ۱۴۳: وہ مویشی جو لمبے اور چھوٹے قد کے ہیں ان میں آٹھ اقسام کے جوڑوں کو بیان فرمایا ہے۔ اِن میں سے ایک اونٹ اور اونٹنی کا جوڑا ہے، دوسرا بیل اور گائے کا، تیسرا مینڈھا اور بھیڑ کا، اور چوتھا بکرے اور بکری کا جوڑا ہے۔

مشرکین عرب نے مویشیوں میں سے بحیرہ 'سائبہ 'وصیلہ اور حام بنا رکھے تھے اور عام لوگوں کے لئے ان پر سواری کرنا' بار برداری کرنا، انہیں کھانا اور ان کا دودھ پینا حرام کر دیا تھا۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے اے رسول مکرم A! آپ ان سے پوچھیئے کیا اللہ ﷻ نے ان میں سے دو نر حرام کیئے ہیں 'اگر اللہ ﷻ نے نر کی صنف حرام کر دی ہے تو پھر نر جانور کیوں کھاتے ہو اور اگر اللہ ﷻ نے مادہ کی صنف حرام کر دی ہے تو پھر مادہ جانور کیوں کھاتے ہو اور اگر اللہ ﷻ نے دونوں حرام کر دیئے ہیں تو پھر تم نر اور مادہ دونوں کیوں کھاتے ہو؟ مگر در حقیقت اللہ ﷻ نے ان میں سے کسی صنف کو حرام نہیں کیا۔ یہ حرمت کا اعتقاد محض جھوٹ کے سوا کچھ نہیں ہے۔

آیت نمبر ۱۴۴: اللہ ﷻ نے اونٹ اور گائے کے نر اور مادہ میں سے کسی کی حرمت بیان نہیں کی۔ اسی طرح مادہ کے پیٹ سے پیدا ہونے والے بچے کی حرمت کی نفی فرمائی ہے۔ مشرکین کو از خود بعض جانوروں کو حرام کر دینے کی دلیل پیش کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ دلیل کے بغیر حلال وحرام کے قانون کی کوئی حیثیت نہیں اور نہ ہی ان مشرکین کے پاس خود ساختہ حرمت کی کوئی دلیل ہے۔ ان مشرکانہ افعال کو اللہ ﷻ سے منسوب کرنا در حقیقت لوگوں کو بغیر علم گمراہ کرنے کے مترادف ہے۔ بہتان تراشی کرنے والے ظالموں کو کبھی ہدایت نصیب نہ ہو گی۔

علمی بات: اللہ ﷻ نے مزید تاکید کے لئے فرمایا کیا تم اس وقت اللہ ﷻ کے سامنے حاضر تھے جب اللہ ﷻ نے ان جانوروں کو حرام کرنے کی وصیت فرمائی تھی؟ سو یہ محض تمہارا جھوٹ گھڑا ہوا ہے اور اگر تم سچے ہو تو بتاؤ اللہ ﷻ نے کس نبی علیہ السلام کی کتاب میں ان جانوروں کی تحریم نازل کی تھی یا کس نبی علیہ السلام پر وحی آئی تھی؟ اگر تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو پیش کرو۔

آیت نمبر ۱۴۵: چار چیزوں کی حرمت کا بیان ہے۔

۱۔ مردار یعنی وہ حلال جانور جو ذبح کئے بغیر طبعی موت مرا ہو۔

۲۔ بہتا ہوا خون یعنی ذبح کرتے وقت جانور کی رگوں سے نکلنے والا خون۔

۳۔ خنزیر کا گوشت، جس کے جسم کا کوئی حصہ حلال نہیں۔

۴۔ وہ ذبیحہ جس پر اللہ ﷻ کے سوا کسی دوسرے کا نام پکارا گیا ہو۔

مگر دو شرائط کے ساتھ ان اشیا میں سے کوئی چیز کھا کر جان بچائی جاسکتی ہے جس پر مؤاخذہ نہیں، ا۔ نہ کھانے کی صورت میں ہلاکت کا ڈر ہو اور کھانے کے لئے کوئی حلال چیز میسر نہ ہو۔ ۲۔ اللہ کا باغی نہ ہو، یعنی جو چیز کھا رہا ہے اسے حرام ہی سمجھ کر کھائے، حلال نہ سمجھے۔ 3۔ زیادتی نہ کرے، صرف اتنا کھائے جس سے جان بچ سکے اس سے زائد کھانے کی اجازت نہ ہو گی۔

علمی بات: یہاں ایک چیز وضاحت طلب ہے وہ یہ کہ ظاہر آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ ﷻ نے صرف ان چار چیزوں کو حرام فرمایا ہے۔ ان کے علاوہ اور کوئی چیز حرام نہیں۔ حالانکہ ان کے علاوہ بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو حرام ہیں مثلاً شراب، درندے وغیرہ۔ یہ آیت اکثر مفسرین کے نزدیک مکی ہے اور دوسری اشیاء کی حرمت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ تو اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اس وقت تک جو وحی نازل ہوئی اس میں صرف ان چار چیزوں کی حرمت کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اس کے بعد وحی کا سلسلہ جاری رہا اور مختلف اوقات میں حکم الٰہی سے اور چیزیں حرام ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ حضور A نے کچلی کے دانت سے چیر کر کھانے والے ہر شکاری جانور اور پنجوں سے نوچ کر کھانے والے شکاری پرندے کو حرام کر دیا۔ (صحیح مسلم)

آیت نمبر ۱۴۶: یہودیوں پر بعض حلال اشیاء کو وقتی طور پر حرام کر دینے کا بیان ہے۔ اللہ ﷻ نے ان جانوروں کو بنی اسرائیل پر ان کی سرکشی کی وجہ سے بطور سزا حرام کیا تھا۔

i۔ ہر ناخن والا جانور سے مراد جس کے پاؤں پنجے کی شکل میں ہوں اور الگ الگ نہ ہوں (اُونٹ، شتر مرغ، بطخ وغیرہ) کا کھانا ان پر حرام تھا۔

ii۔ گائے، بیل، بھیڑ، بکری کی پشتوں، آنتوں اور ہڈیوں کے ساتھ لگی ہوئی چربی کے علاوہ باقی ساری چربی اُن پر حرام تھی۔

علمی بات: وہ انبیاء کرام علیہم السلام کو ناحق قتل کرتے تھے اور لوگوں کو اللہ ﷻ کے راستے سے روکتے تھے اور سود یا سود کھاتے تھے اور دیگر ناجائز اور حرام طریقوں سے لوگوں کا مال کھاتے تھے ' اور یہ اس لئے ذکر فرمایا ہے کہ یہود یہ کہتے تھے کہ اللہ ﷻ نے ان پر کسی چیز کو حرام نہیں کیا ماسوا اس کے جس کو حضرت یعقوب علیہ السلام نے خود اپنے نفس پر حرام کیا تھا ' اور چونکہ اللہ ﷻ نے یہ ماضی کی خبر دی تھی جس کا کسی کو علم نہیں تھا ' اس لئے اللہ ﷻ نے فرمایا بے شک ہم اس خبر میں ضرور سچے ہیں اور یہ سیدنا محمد A کی نبوت کی دلیل ہے کہ آپ A نے یہود کو ماضی کی ایسی بات کی خبر دی جس کا کسی کو علم نہیں تھا اور جس کو جاننے کے لئے وحی کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

آیت نمبر ۱۴۷: اللہ ﷻ کی صفت "رحمت" کا ذکر ہے۔ یہ بھی اللہ ﷻ کی رحمت ہے کہ مجرمین کا مؤاخذہ فوری نہیں کیا جاتا بلکہ توبہ اور حق قبول کرنے کی مہلت دی جاتی ہے۔ البتہ مہلت کے باوجود حق کا انکار کرنے والے اللہ ﷻ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔

فرمانِ نبوی A: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ A نے فرمایا: "پس اگر کافر کو وہ تمام رحمت معلوم ہو جائے جو اللہ ﷻ کے پاس ہے تو وہ جنت سے ناامید نہ ہو اور اگر مومن کو وہ تمام عذاب معلوم ہو جائیں جو اللہ ﷻ کے پاس ہیں تو وہ جہنم سے کبھی بے خوف نہ ہو۔" (صحیح بخاری)

آیت نمبر ۱۴۸: مشرکین کے بارے میں ذکر ہے کہ وہ یوں کہیں گے کہ اگر اللہ ﷻ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے، نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہی ہم از خود کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔ یعنی اپنی کٹ حجتی کے لئے ایسے لوگ تقدیر کا سہارا لیتے ہیں اور مجرموں کا ہمیشہ یہی وطیرہ رہا ہے۔

علمی بات: انسانوں کو کسی قول یا فعل کی آزادی ملنا اس بات کی دلیل نہیں بن سکتا کہ وہ اللہ ﷻ کے یہاں صحیح ہے ورنہ ہر مجرم اس بہانے کا سہارا لے سکتا ہے۔ چنانچہ ہر انسان کو اس دنیا میں آزادی اور اختیار سے نوازا گیا ہے اور اسی میں اس کا امتحان ہے۔ اور یہی حکمت کا تقاضا بھی ہے ورنہ کل قیامت کے دن انسان مجبور محض ہونے کو بہانہ بناتا کہ اُسے تو کوئی آزادی اور کسی قسم کا اختیار حاصل نہ تھا۔

عملی پہلو: اللہ ﷻ نے انسانوں کو دنیا میں آزمائش اور امتحان کے لئے بھیجا اور امتحان اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ مکلفین کو احکام الٰہی اور اوامر و نواہی بتا کر ان کو عمل کرنے میں اختیار بھی دیا جائے اگر انسان کو مجبور کر دیا جاتا کہ فلاں عمل ضرور ہی کرے تو اس کی آزمائش اور امتحان کیسے ہوتا؟

آیت نمبر ۱۴۹: مشرکین کے جرائم کو بے نقاب کر کے اللہ ﷻ نے حجت پوری فرما دی۔ اللہ ﷻ چاہے تو سب کو ہدایت دے لیکن جبری ہدایت دینا اللہ ﷻ کی حکمت کے خلاف ہے۔

علمی بات: اللہ ﷻ کی حکمت یہی ہے کہ بندے اپنے اختیار سے اس پر ایمان لائیں اور اس کے احکام کی تعمیل کریں ' ورنہ اگر وہ چاہتا تو جبراً سب انسانوں کو مومن بنا دیتا 'لیکن یہ اللہ ﷻ کی حکمت کے خلاف ہے۔ اللہ ﷻ یہ چاہتا ہے کہ لوگ اپنی عقل سے کام لیں 'حق اور باطل کو جانچیں اور اپنے اختیار سے ایمان قبول کریں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات اور شیطانی وسوسوں میں فرق محسوس کریں اور اپنے اختیار سے برے کاموں اور بری باتوں کو ترک کریں اور شیطان کا انکار کر کے اللہ ﷻ پر ایمان لانے کو اختیار کریں۔

نوٹ: مشرکین کی اس کٹ حجتی کے مقابلے میں حقیقت تک پہنچی ہوئی حجت صرف اللہ ﷻ کی ہے۔ اس نے ہر طرح سے ان پر اتمام حجت کر دی ہے ' ان کی ہر نامعقول بات کو معقول طریقے سے رد کر دیا ہے 'مختلف انداز سے انہیں ہر بات سمجھا دی ہے۔

آیت نمبر ۱۵۰: اہل ایمان کو مشرکین کی خوشنما باتوں سے متاثر نہ ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔ بتایا گیا ہے کہ اگر یہ مشرکین شہادت کی اہمیت اور ذمہ داری کو خاطر میں لائے بغیر اتنی ڈھٹائی پر اتر آئیں کہ اللہ ﷻ کا نام لے کر جھوٹی شہادت دینے میں بھی تامل نہ کریں، تو ان کے اس جھوٹ میں تم ان کے ساتھی نہ بننا۔

علمی بات: مشرکین سے شہادت طلب کیئے جانے کا مقصد یہ ہے کہ ان کے عقل و فہم رکھنے والے طبقہ پر ان کی جاہلانہ رسموں کی حقیقت آشکارا کی جائے۔ کیونکہ جب ان سے ان رسول A کی صداقت کے لئے شہادت طلب کی جائے گی تو شہادت دینے سے پہلے احساس ذمہ داری کی وجہ سے وہ ان باطل امور میں بڑی سنجیدگی سے غور و فکر کریں گے۔ جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ان پر رسوم و رواج کی بے ہودگی آشکارا ہو جائے گی اور وہ ان سے خود بخود باز آ جائیں گے۔ لیکن اگر وہ شرافت و دیانت کو پس پشت ڈال کر اُن لغو اور باطل رسومات پر جان بوجھ کر جھوٹی شہادت دینے پر تلے ہوئے ہیں تو ان کی شہادت حجت نہیں۔ آپ A کے ذریعہ امت کو حق کا انکار کرنے والے، منکرین قیامت اور مشرکوں کی اتباع کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

آیت نمبر ۱۵۱: گذشتہ کئی آیات میں مشرکین کے بلا دلیل اور خود ساختہ طور پر حلال و حرام کے فیصلے کرنے کی مخالفت کا ذکر تھا۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ باتیں کیا ہیں اور کن امور کو اللہ ﷻ نے لازم قرار دیا ہے۔ نیز بہت اہم معاشرتی ہدایات بیان کی گئی ہیں۔ اس آیت میں پانچ باتوں کا حکم ہے: ا۔ اللہ ﷻ کی ذات، صفات اور عبادت میں کسی اور کو اللہ ﷻ کے ساتھ شریک کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ حدیث مبارک کے مطابق سات ہلاک کرنے والے گناہوں میں سے شرک پہلے نمبر پر ہے۔ (صحیح بخاری)

۲۔ اللہ ﷻ کی توحید اور اطاعت کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کا حکم ہے۔ حدیث مبارک کے مطابق والدین کی نافرمانی بڑے بڑے گناہوں میں شامل ہے۔(صحیح بخاری)

۳۔ مفلسی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل کرنے کی ممانعت ہے۔ اولاد کا قتل صرف اللہ ﷻ پر عدم توکل اور عدم اعتماد کی دلیل نہیں بلکہ اس کی صفت ”رزاق“ کا انکار ہے۔ حدیث کی رو سے بڑے بڑے گناہوں میں اولاد کا قتل بھی شامل ہے۔(صحیح بخاری)

۴۔ ظاہری اور پوشیدہ بے حیائی سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔یعنی ایسے وسائل اختیار کرنے کی ممانعت کی گئی ہے جو بے حیائی کے کاموں کے قریب لے جائیں۔ مثلاً بے حیائی پر مبنی میگزین، ڈرامے فلمیں، مرد و عورت کا آزاد اختلاط اور نا محرم سے بے جا گفتگو وغیرہ۔

۵۔ کسی جان کو ناحق قتل کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ قرآنِ حکیم کی رو سے درج ذیل تین صورتوں میں قتل کرنا جائز ہے۔

۱۔ قتلِ عمد کے قصاص کی صورت میں۔ ۲۔ میدان جنگ میں کفار کا قتل۔

۳۔ اسلامی مملکت میں بدامنی پھیلانے اور اسلامی حکومت سے بغاوت کرنے والے کا قتل۔

سنت رسول A کی رو سے مزید قتل کرنے کی صورتیں: ۱۔ وہ شادی شدہ جو زنا کرے۔ ۲۔ جو اسلام سے مرتد ہو جائے۔ ۳۔ کسی رسول علیہ السلام کی شان میں گستاخی کرنے والا۔ البتہ اس سزا کا نفاذ حکومت کی ذمہ داری ہے عام لوگوں کو اس کی اجازت نہیں۔

نوٹ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جو شخص رسول اللہ A کا ایسا وصیت نامہ دیکھنا چاہے جس پر آپ A کی مہر لگی ہو تو وہ ان آیات کو پڑھ لے، ان میں وہ وصیت موجود ہے جو رسول اللہ A نے بحکم خداوندی اُمّت کو دی ہے۔

عملی پہلو: فواحش ان اعمال اور اقوال کو کہتے ہیں جو حد درجہ قبیح ہوں۔ یہاں کسی ایک برائی سے منع نہیں کیا گیا بلکہ فواحش جمع کا لفظ ذکر کر کے ہر قسم کی قولی اور فعلی برائیوں کے ارتکاب سے ہی نہیں بلکہ ان کے قریب تک پھٹکنے سے بھی منع کر دیا گیا ہے۔ وہ تمام وہ چیزیں جو دل میں گناہوں کی تحریک پیدا کرتی ہیں مثلاً فحش گانے، عریاں تصویریں، غلیظ لٹریچر اور ناجائز تعلقات سب سے دور رہنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اور مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ کے کلمات سے اس حکم کو اور وسیع کر دیا کہ فواحش کا ارتکاب ظاہر اور باطن، علانیہ اور تنہائی ہر حالت میں ممنوع ہے۔

آیت نمبر ۱۵۲: معاشرتی احکامات کے ضمن میں مزید چار احکامات دیئے گئے ہیں۔

۱۔ کسی یتیم کی کفالت کی ذمہ داری پر، اس کی خیر خواہی کرنے کا حکم اور اس کے مال میں ناجائز تصرف کی ممانعت کی گئی ہے۔ مال کی اس وقت تک حفاظت کی جائے جب تک یتیم شعور کی عمر تک نہ پہنچ جائے۔ حدیث مبارک کے مطابق یتیم کا مال بطورِ ظلم وزیادتی کھانا سات بڑے گناہوں میں شامل ہے۔(صحیح بخاری) ۲۔ ناپ اور تول کو عدل کے ساتھ پورا کیا جائے۔ نیز اس بات کی نفی کی گئی ہے کہ اللہ ﷻ کسی کو اس کی طاقت سے بڑھ کر پابند و مکلف نہیں کرتا۔ ۳۔ ناانصافی کی بات کی ممانعت کی گئی ہے۔ ”قول“ سے مراد فیصلہ بھی ہے اور شہادت بھی۔ کسی معاملہ میں ثالث مقرر کیئے جانے پر حق اور انصاف پر مبنی بات پر فیصلہ کرنا چاہیئے۔ شہادت درکار ہونے پر ہمیشہ عدل کی بات کی جائے اور جانبداری نہ برتی جائے چاہے وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ ۴۔ عہد کی خلاف ورزی کی ممانعت کی گئی ہے۔ عہد سے مراد ”عہد الست“ یعنی اللہ ﷻ کے رب ہونے کا اقرار (سورۃ الاعراف ۷، آیت: ۱۷۲) اور اسی طرح روزمرہ کے معمولات میں بندوں کے آپس میں کیئے گئے وعدوں کو پورا کرنا بھی شامل ہے۔

نوٹ: آیت 151 اور 152 میں بیان کی گئی ہدایات کی مزید تفصیلات اسی حصّہ میں سورۂ بنی اسرائیل آیات 23 تا 40 کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیے۔

آیت نمبر ۱۵۳: ”صراط مستقیم“ سے مراد وہ راستہ جو اللہ ﷻ کی طرف لے جاتا ہے۔ اس سے مراد اللہ ﷻ کے احکامات پر عمل کرنا ہے جس سے انسان

اللہ ﷻ کی رضا اور جنت کی نعمتیں حاصل کر سکتا ہے۔

نوٹ: ۱۔ حدیث مبارک میں ہے کہ "قرآن حکیم میں سیدھا راستہ ہے" (جامع ترمذی) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ رسول A کے اخلاق تو قرآن حکیم ہیں۔ (مسند احمد) گویا قرآن حکیم اور نبی کریم A کی اتباع صراط مستقیم ہے۔

۲۔ ایک دفعہ رسول اللہ A نے ایک سیدھی لکیر کھینچی۔ پھر اس کے دائیں بائیں بہت سی لکیریں کھینچیں اور فرمایا: یہ سیدھی لکیر اللہ ﷻ کی راہ ہے اور باقی لکیریں شیطان کی راہیں ہیں۔ پھر آپ A نے یہ آیت پڑھی۔ (سنن نسائی)

آیت نمبر ۱۵۴: مشرکین مکہ کے لئے رسول اللہ A کی رسالت کی دلیل کے طور پر ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا کی گئی تھی۔ نبوت کا یہ سلسلہ ماضی میں بھی موجود تھا۔ تورات کا نزول اللہ ﷻ کی طرف سے اتمام نعمت تھا۔ وہ اپنے دور کی ایک جامع کتاب تھی جو ہدایت و رحمت کا باعث تھی۔ تورات کی تعلیمات کا بھی ایک مقصد آخرت پر ایمان رکھنے کی تعلیم دینا تھا۔

عملی پہلو: ایک مراد اپنے آپ کو اللہ ﷻ کے سامنے جواب دہ سمجھنا اور اطاعت والی زندگی بسر کرنا ہے۔ تاکہ یہ شعور بیدار ہو جائے کہ آخرت کے انکار و سرکشی کے ساتھ گزاری جانے والی زندگی کے مقابلے میں وہ زندگی ہر اعتبار سے بہتر ہے جو اللہ ﷻ اور اس کے رسول A کی اطاعت میں بسر کی جائے اور اس طرح مشاہدہ اور غور و فکر لوگوں کو انکارِ آخرت سے کھینچ کر ایمان کی طرف لے آئے گا۔

آیت نمبر ۱۵۵: علمی بات: قرآن حکیم کے کا اصل مقصد اس کی اتباع ہے۔ سو اس برکتوں بھری عظیم الشان کتاب کی عظمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو صدقِ دل سے اپنایا جائے اور اس کی تعلیمات مقدسہ کی پیروی کی جائے تاکہ اس کے اتارنے والے رب ذوالجلال کی رحمت سے سرفرازی نصیب ہو اور اس کے غضب سے بچا جا سکے۔

آیت نمبر ۱۵۶: اللہ ﷻ نے فرمایا کہ نزولِ قرآن کا سبب یہ بھی ہے کہ مشرکین یہ نہ کہیں کہ ہم سے پہلے دو جماعتوں پر کتاب نازل ہوئی تھی (یعنی یہود و نصاریٰ پر) اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے، کیونکہ وہ ہماری زبان میں نہ تھی لہٰذا ہم اس سے استفادہ نہیں کر سکتے تھے۔ اللہ ﷻ نے قرآنِ حکیم نازل فرما کر اس عذر کو ختم کر دیا۔

آیت نمبر ۱۵۷: اللہ ﷻ نے قرآن حکیم نازل فرما کر مشرکین پر حجت تمام کر دی کہ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ یوں کہتے کہ ہمیں کتاب نہیں دی گئی۔ اگر ہم پر کتاب نازل ہوتی تو ہم خوب اچھی طرح عمل کرتے اور ہم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی، عمل کرنے میں ان سے سبقت کر جاتے اور ان کے مقابلہ میں زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔ قرآنِ حکیم ہدایت و رحمت کا منبع ہے۔ قرآنِ حکیم سے اعراض برتنے پر بُرے عذاب کا بدلہ دیا جائے گا۔

علمی بات: اگر قرآن حکیم مشرکینِ مکہ کی طرف نازل نہ کیا جاتا تو وہ بہت شور مچاتے اور کہتے جس طرح یہود و نصاریٰ کو کتابیں دی گئیں اسی طرح اگر ہمیں بھی کوئی کتاب دی جاتی تو دنیا دیکھتی کہ ہم اس کو کس طرح سینہ سے لگاتے۔ کس طرح اس کی ہدایت کے مطابق عمل کرتے۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ لو اب وہ کتاب آگئی ہے جو روشن دلائل پر مشتمل ہے۔ جو سراپا ہدایت ہے۔ اب اس پر عمل کر کے دکھاؤ۔ آیات قرآنی سے اعراض کرنے والے مشرکین کو بڑے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

علمی بات: اللہ ﷻ نے قرآن حکیم کو رہتی دنیا تک تمام انسانیت کے لئے رہبر و رہنما بنا کر نازل فرمایا ہے جو صرف عربوں کے لئے ہی نہیں بلکہ تمام اقوام کے لئے ہے۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ قرآنِ حکیم تو عربی زبان میں نازل ہوا ہے چنانچہ اہل عرب پر تو حجت تمام ہو گئی لیکن عجم یعنی غیر عرب اس سے کس طرح استفادہ کر سکتے ہیں تو اس کا جواب انتہائی آسان ہے کہ اللہ ﷻ کے فضل و کرم سے ہر زبان بولنے والوں میں کچھ اہل علم اور

علمائے کرام ہوتے ہیں جو اپنی اپنی زبانوں میں اس عالمگیر پیغام کا ترجمہ و تشریح کر کے لوگوں تک ان کے رب کی طرف سے نازل کردہ احکامات سہل انداز میں پہنچا کر تبلیغ کا فریضہ سر انجام دے رہے ہوتے ہیں لہذا اقوام عالم پر لازم ہے کہ اس کے احکام کو سیکھیں اور ان پر عمل پیرا ہوں۔

آیت نمبر ۱۵۸: اتمام حجت قائم ہونے کے بعد بھی مشرکین مکہ گمراہی سے باز نہ آئے۔ گویا وہ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ اُن کے پاس فرشتے آئیں یا آپ A کا ربّ اُن کے پاس آئے یا قیامت کی بڑی نشانی (جیسے سورج کا مغرب سے طلوع ہونے) کا وقوع ہو۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اُنہیں خبر دار فرمایا ہے۔ بڑی نشانی آنے کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا تو اس وقت کافر اپنے کفر اور فاسق اپنے فسق سے توبہ کرے گا تو اس کی توبہ قبول نہ ہوگی کیونکہ حقیقتِ حال کا مشاہدہ ہونے پر کافر اپنے کفر یا فاسق اپنے فسق سے توبہ پر آمادہ ہو ہی جائے گا لہذا مشاہدہ کے بعد ایمان اور توبہ قابلِ قبول نہیں ہے۔ کیونکہ ایمان کی شرط ہی بنا دیکھے اقرار اور قولِ رسول علیہ السلام کی تصدیق ہے۔

آیت نمبر ۱۵۹: "شیعا" سے مراد فرقے اور گروہ ہیں۔ آیت میں ہر وہ گروہ مراد ہے جو دین اسلام اور رسول A کے راستے کو چھوڑ کر دوسرے دین یا طریقے اختیار کرے۔ سیدھے راستے سے منحرف ہونے والوں کا معاملہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حوالے ہے اور وہی انہیں ان کے اعمال کی سزا دے گا۔

علمی بات: ۱۔ آپس میں مختلف گروہ بننے سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی غرض و خواہش کی وجہ سے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ مختلف گروہوں میں بٹ گئے۔ نبی کریم A کو ہدایت فرمائی گئی کہ جو لوگ اپنے دین کو ٹکڑوں میں بانٹ کر خود مختلف فرقوں میں بٹ گئے ان سے آپ A کو کوئی سروکار نہیں۔ آپ A کا کام تو تبلیغِ حق ہے اور بس۔ جو کہ آپ کر چکے۔ اب ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے اور ان کا معاملہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حوالے کر دیجئے۔ وہی ان سے حساب لے گا۔

۲۔ مفسرین کا ایک قول یہ ہے کہ اس سے مشرکین کے فرقے مراد ہیں۔ بعض مشرکین فرشتوں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے، بعض مشرکین بتوں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا شریک کہتے تھے اور بعض مشرکین ستاروں کو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں۔ حضرت سیدنا محمد A کی بعثت سے پہلے وہ ایک دوسرے سے اختلاف کرتے تھے اور بعد میں مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔

۳۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ کرام کا اختلاف اس میں داخل نہیں کہ وہ اختلاف اصولی اور بنیادی نہیں بلکہ فروعی (یعنی ضمنی) ہے اور ان فرقوں میں یہود و نصاریٰ اور اسلام کے دعویدار وہ سب فرقے داخل ہیں جو اہلِ حق سے بنیادی اختلافات رکھتے ہیں۔ جیسے خوارج اور منکرین حدیث وغیرہ۔

آیت نمبر ۱۶۰: قیامت کے دن اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے نیز اُس کی رحمت کا ذکر کیا گیا ہے۔ نیکی کرنے کے بعد اس نیکی کو محفوظ رکھتے ہوئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے والے کے لئے بشارت دی گئی ہے۔ نیز بتایا گیا ہے کہ ہر نیکی کا اجر دس گنا بڑھا کر دیا جائے گا اور یہ کم سے کم اجر ہے۔ اس کے برعکس برائی کرنے والے کو برائی کے برابر ہی سزا دی جائے گی۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ A نے فرمایا: "اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے، بے شک تمھارا رب رحم فرمانے والا ہے، جو شخص نیکی کا ارادہ کرے اور اسے عملی جامہ نہ پہنا سکے تو اس کے لئے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور اگر وہ اس کو عملی جامہ پہنا دے تو اس کے لئے دس سے سات سو گنا، بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں اور جو شخص کسی برائی کا ارادہ کرے، پھر اسے عملی جامہ نہ پہنائے تو اس کے لئے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور اگر اسے عملی جامہ پہنا دے تو اس کے لئے ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے یا اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے بھی معاف فرما دیتا ہے۔ اس طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہاں تباہ و برباد ہونے والا شخص ہی ہلاک ہوتا ہے۔" (صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد)

علمی بات: اجر و ثواب میں کمی زیادتی کا مدار انسان کے احوال اور اخلاص پر منحصر ہے جو جتنی تنگی اور مصیبت میں اخلاص کے ساتھ نیکی اختیار کرے گا اسی کے بقدرِ ثواب ملے گا کیونکہ اللہ ﷻ انسان کے اعمال اور اس کی دلی کیفیت کو دیکھتا ہے۔ جس درجہ کا اخلاص ہوگا اسی درجہ کا اجر و ثواب ملے گا۔ (واللہ اعلم بالصواب)۔

آیت نمبر ۱۶۱: صراط مستقیم کا مطلب ہے خالص دین پر عمل کرنا یعنی ہر معاملہ میں یکسو ہو کر اللہ ﷻ کی اطاعت کرنا۔ اس کی عملی مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں جنھوں نے ہر محبت کو اللہ ﷻ کی محبت کے سامنے قربان کر دیا۔ ملتِ ابراہیمی کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ یہود و نصاریٰ اور مشرکین بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امامت و عظمت کے قائل ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام غیر اللہ کی عبادت اور شرک سے بیزار تھے اور اللہ ﷻ کی توحید کے خالص داعی تھے۔ نبی کریم A ثابت قدمی سے توحید کی اُس راہ کی دعوت دے رہے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی راہ ہے۔

علمی بات: مشرکین کو بتایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جن کی اولاد ہونے پر تم فخر کرتے ہو وہ شرک سے بیزار تھے۔ وہ ہر طرف سے رخ پھیر کر صرف اللہ وحدہ لاشریک کے ہو کر رہ گئے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کا لقب ہی "حنیف" یعنی یکسو ہو گیا تھا۔ اور آپ کی ملت "ملت حنیفیہ" کہلائی جس کی اتباع و پیروی کا حکم امام الانبیاء حضرت محمد A کو بھی دیا گیا۔ "پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ آپ ابراہیم (علیہ السلام) کے طریقہ کی پیروی کریں جو بالکل یک سُو تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے" (سورۃ النحل ۱۶، آیت: ۱۲۳)۔

آیت نمبر ۱۶۲: دو باتیں بتائی گئیں۔ اول یہ کہ ہر کام اللہ ﷻ کی رضا کے لئے ہونا چاہیئے دوم یہ کہ مومن کی زندگی بھی قیمتی ہے اور موت بھی قیمتی ہے۔ مومن کو چاہیئے کہ اللہ ﷻ ہی کے لئے جیئے اور اللہ ﷻ ہی کے لئے مرے۔ پوری زندگی اللہ ﷻ کے احکام کی پابندی میں گزارے اور فرائض و واجبات کے علاوہ بھی انہیں کاموں میں لگائے جن سے اللہ ﷻ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اور جب مرنے لگے تو ایمان ہی پر مرے تو اس کی یہ موت قیمتی ہو جائے گی کیونکہ موت ہی اخروی نعمتوں کے درمیان حائل ہے۔ اگر عام مومنانہ زندگی گزارتے ہوئے کسی جہاد شرعی میں شریک ہو گیا اور دشمنانِ دین کے ہاتھوں شہید ہو گیا تو شہادت کی وجہ سے اس کی موت اور زیادہ قیمتی ہو جائے گی۔ لہٰذا ہر مومن بندہ اپنی موت اور زندگی کو قیمتی سمجھے اُسے اللہ ﷻ کے احکام کی پیروی کر کے قیمتی بنائے۔

علمی بات: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ ہر مسلمان اس آیت کو بار بار پڑھا کرے اور اس کو وظیفۂ زندگی بنالے۔

آیت نمبر ۱۶۳: توحید باری تعالیٰ کی دعوت رسول A سمیت تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے دی۔ ہر امت کے پہلے مسلمان اور صاحبِ ایمان خود وہ نبی یا رسول علیہ السلام ہوتے ہیں جن پر وحی نازل ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے رسول A اپنی امت میں اول المسلمین ہیں۔

علمی و عملی بات: ہمارے اعمال میں اسلام پر عمل کی برکات کو دیکھ کر ہمارا بھی اولین تعارف بطورِ مسلمان ہونا چاہیئے اور اس کے بعد عملی زندگی میں اس کا نمونہ پیش کریں تاکہ غیر مسلم بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو سکیں۔

آیت نمبر ۱۶۴: اس آیت میں مشرکین مکہ ولید بن مغیرہ وغیرہ کی اس بات کا جواب ہے جو وہ رسول اللہ A اور عام مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ تم ہمارے دین میں واپس آ جاؤ تو تمہارے سارے گناہوں کا بوجھ ہم اٹھالیں گے۔ اس پر فرمایا کہ آپ A ان سے کہہ دیجئے کہ کیا تم مجھ سے یہ چاہتے ہو کہ تمہاری طرح میں بھی اللہ ﷻ کے سوا کوئی اور رب تلاش کر لوں، حالانکہ وہی سارے جہان اور ساری کائنات کا رب ہے۔ اس گمراہی کی مجھ سے کوئی امید نہ رکھو۔

علمی بات: مشرکین کا یہ کہنا کہ دوسروں کے گناہوں کا بوجھ اٹھالیں گے یہ خود ایک حماقت ہے۔ گناہ تو جو شخص کرے گا اسی کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا، اور وہی اس کی سزا کا مستحق ہوگا۔ مشرکین کے کہنے سے وہ گناہ اُن کی طرف کیسے منتقل ہو سکتا ہے۔ اور اگر یہ خیال ہو کہ نامہ اعمال میں تو انہی کا لکھا رہے گا لیکن میدان حشر میں ان گناہوں کا بوجھ ہم اُٹھالیں گے تو اسے بھی اس آیت کے اگلے جملہ نے رد کر دیا، وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی، "یعنی قیامت کے روز کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا"۔

آیت نمبر ۱۶۵: لفظ خلائف، خلیفہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں کسی کا قائم مقام یعنی کہ اللہ ﷻ نے ہی تم کو تم سے پہلی قوموں کی جگہ پر آباد کیا ہے، کوئی مکان زمین جسے آج تم اپنی ملکیت کہتے اور سمجھتے ہو یہ کل تم ہی جیسے دوسرے انسانوں کی ملکیت میں تھی، اللہ ﷻ نے ان کو ہٹا کر تمہیں ان کی جگہ بٹھایا ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ تمام انسان یکساں نہیں، کوئی مفلس ہے کوئی مال دار، کوئی کم تر ہے تو کوئی عزت میں برتر، یہ درجات کا تفاوت بھی تمہیں اس کی خبر دے رہا ہے کہ اختیار کسی اور ہستی کے ہاتھ میں ہے۔ یہ سب کچھ دراصل امتحان کا سامان ہے، پوری زندگی ایک امتحان گاہ ہے، اسی امتحان کے نتیجہ میں آخرت کی زندگی کے درجات اور مراتب کا انحصار ہے کہ اس زندگی کے مطابق وہاں درجات اور مراتب ملیں گے۔ آخر میں اللہ ﷻ کی بندگی پر اس کی شان رحیمی و غفاری کے مستحق بننے کی بشارت دی گئی ہے جبکہ نافرمانی پر شدید عذاب سے دوچار ہونے کی وعید سنائی گئی ہے۔

عملی پہلو: آزمائش اس لئے ہے کہ قیامت کے دن سب لوگوں کو معلوم ہو کہ کون مال وزر کی فراوانی کی وجہ سے اللہ ﷻ کے احکام بھلا بیٹھا اور نفسانی خواہشوں کی اتباع میں زندگی کی متاعِ عزیز لٹا بیٹھا اور کون ایسا ہے جو مال و دولت اور صحت کی فراوانی کے باوجود اللہ ﷻ سے ڈرتا رہا' اور اپنے مال و جان اللہ ﷻ کے احکام کی اطاعت اور خلق خدا کی خدمت میں صرف کرتا رہا اور اللہ ﷻ کا شکر بجا لاتا رہا۔ اور کون غربت و افلاس میں بھی اللہ ﷻ اور بندوں کے حقوق ادا کرتا رہا؟ اور کون اللہ ﷻ سے شکوہ اور شکایت کرتا رہا؟ اور عبادت سے غافل رہا اسی طرح کون بیماری کی تکلیف صبر کے ساتھ سہتا رہا؟ اور کون بیماری میں گلے شکوے کرتا رہا؟ اور کون ہر حال میں اللہ ﷻ کی اطاعت میں لگا رہا؟

مشقوں کے جوابات

سوال ۱: خالی جگہیں پُر کریں:

(۱) آیت: ۹۶ میں اللہ ﷻ نے سورج اور چاند کو تخلیق کرنے کی حکمت ماہ و سال کا حساب لگانا بیان فرمائی ہے۔

(۲) آیت: ۱۰۱ میں اللہ ﷻ کی اولاد نہ ہونے کی عقلی دلیل یہ دی گئی ہے کہ اللہ ﷻ کی کوئی بیوی ہی نہیں ہے۔

(۳) آیت: ۱۲۱ کے مطابق جس جانور پر ذبح کرتے ہوئے اللہ ﷻ کا نام نہ لیا جائے تو اس جانور کا گوشت نہیں کھانا چاہیئے۔

(۴) آیت: ۱۵۵ میں قرآنِ حکیم کے بارے میں دو باتیں برکت والی کتاب ہے جسے اللہ ﷻ نے نازل فرمایا ہے اور اس کی پیروی کرو بیان ہوئی ہیں۔

(۵) آیت: ۱۶۰ میں قیامت کے دن ایک نیکی پر دس گنا ثواب دیئے جانے کی بشارت دی گئی ہے۔

سوال ۲: مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجئے:

۱۔ بارھویں رکوع کی روشنی میں اللہ ﷻ کی قدرت کی کوئی دس نشانیاں تحریر کریں۔

i۔ اللہ ﷻ ہی ہے جو گٹھلی سے درخت بناتا ہے۔ ii۔ وہ زندہ کرتا ہے۔ iii۔ وہی مارتا ہے۔ iv۔ وہ رات کی تاریکی چاک کر کے صبح کو نمودار کرتا ہے۔ v۔ اسی نے رات کو آرام کے لئے بنایا۔ vi۔ اس نے سورج و چاند کو ماہ و سال کے حساب کے لئے بنایا۔ vii۔ اسی نے راستہ ڈھونڈنے کے لئے ستارے بنائے۔ viii۔ آسمان سے پانی برسایا۔ ix۔ نباتات اُگائیں۔ x۔ انگوروں اور زیتون کے باغ اُگائے۔

۲- تیرہویں رکوع کی روشنی میں جواب دیں کہ مسلمانوں کو اللہ ﷻ نے بتوں کو بُرا بھلا کہنے سے کیوں منع کیا ہے؟

چونکہ مشرکین بتوں کو اپنا معبود سمجھتے ہیں، ان کے ذہنوں میں ان کی عظمت اور دلوں میں ان کی عقیدت ہے، ایسا نہ ہو کہ وہ غصہ میں آکر جواباً اللہ ﷻ کو بُرا بھلا کہنے لگ جائیں اس لئے ایسا انداز اختیار کرنے سے منع فرمایا۔

۳- پندرہویں رکوع کی روشنی میں اس شخص کی کیفیت بتائیں جسے اللہ ﷻ اسلام کی ہدایت عطا فرمانا چاہتا ہے اور وہ شخص جسے اسلام کی ہدایت نہیں دینا چاہتا۔

اللہ ﷻ جسے اسلام کی ہدایت عطا فرمانا چاہتا ہے تو اس شخص کا سینہ کھول دیتا ہے یعنی ایسی باطنی بصیرت عطا فرماتا ہے جس کی وجہ سے اسلام کی ہر چیز ٹھیک نظر آئے اور جسے ہدایت نہیں دینا چاہتا اس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے یعنی اگر اللہ ﷻ کی طرف سے ہدایت نہ ملے تو اس شخص کا راہِ حق پر چلنا مشکل ترین کام بن جاتا ہے۔

۴- سولہویں اور سترہویں رکوع کی روشنی میں مشرکین کے گھڑے ہوئے عقیدوں اور جن چیزوں کو انہوں نے خود حلال و حرام ٹھہرالیا اس کی چند مثالیں تحریر کریں۔

مشرکین کے عقیدہ کے مطابق ان کا یہ طریقہ تھا کہ مویشیوں اور فصل میں سے ایک حصّہ اللہ ﷻ کے نام کا صدقہ کرتے تھے اور ایک حصّہ بتوں کے نام پر دیتے تھے اور اگر کوئی بُرا وقت آتا تو اللہ ﷻ کے حصّہ میں سے استعمال کر لیتے۔ ایک عقیدہ یہ تھا کہ وہ اپنے بچوں کو مختلف بتوں کے نام پر قربان کر دیتے۔ نیز کچھ جانوروں پر سواری کو، کچھ کے گوشت کو حرام قرار دیتے تھے مثلاً اگر اُونٹنی یا بکری حاملہ ہو تو اس کا اور اس حمل سے اگر زندہ بچہ پیدا ہوتا تو اس کا گوشت مرد کھا سکتے ہیں مگر عورت نہیں اور اگر اس حمل سے مُردہ بچہ پیدا ہوتا تو اس مُردہ کا گوشت سب پر حلال ہوتا وغیرہ۔

۵- اُنیسویں رکوع کی روشنی میں اسلامی تعلیمات کے حوالہ سے جن کاموں کے کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور جن کاموں سے روکا گیا ہے اُن کی ایک فہرست بنائیں۔

اللہ ﷻ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اپنے بچوں کو تنگ دستی کے ڈر سے قتل نہ کرو، بے حیائی کے کاموں کی طرف مت جاؤ خواہ وہ ظاہر ہو یا پوشیدہ، کسی کا قتل نہ کرو، یتیم کے مال کے قریب مت جاؤ، انصاف کے ساتھ ناپ تول کرو، جب بھی بات کرو تو عدل کرو اور اللہ ﷻ سے کیئے ہوئے عہد کو پورا کرو۔

COPYRIGHT @ BLACK & WHITE — THE ILMI ... SALE OF THIS BOOK ... CIVIL & CRIMINAL ACTION

سُوْرَۃُ الْاَعْرَاف (حصّہ اوّل)

مقاصدِ مطالعہ: اس سورت کے مطالعہ کے بعد طلبہ کو مندرجہ ذیل مضامین سے آگاہی حاصل ہونی چاہیئے:

1. آیات:۱تا۵: کتاب اللہ کے نازل کرنے کا مقصد اور اس پر عمل کا تاکیدی حکم، سابقہ قوموں پر عذاب کا حال اور ان کی طرف سے اپنے ظلم کا اقرار۔
2. آیات:۶تا۱۰: تمام امتوں سے پیغمبروں کی دعوت قبول کرنے کے بارے میں سوال، میزانِ عدل پر اعمال تولے جانے اور کامیاب ہونے والوں کا ذکر، خسارے میں رہنے والوں کا بیان اور مخلوق پر انعاماتِ خداوندی کا بیان۔

(نوٹ: اس سورت کی آیات:۱۱تا۲۷ مطالعہ ٔقرآنِ حکیم حصہ اوّل میں حضرت آدم علیہ السلام کے قصّہ میں دی گئی ہیں)

3. آیات:۲۸تا۳۱: اتباعِ شریعت، نماز میں ستر پوشی اور زینت کا حکم، کھانے، پینے میں میانہ روی کا حکم اور فضول خرچی کی ممانعت۔
4. آیات:۳۲تا۳۹: کفار کو غلط عقائد پر تنبیہ، ظاہری و باطنی برائیوں کی حرمت، حرام چیزوں کی تفصیل، کفار و مشرکین کے انجام اور متکبرین و مکذبین کی سزا کا بیان۔
5. آیات:۴۰تا۴۹: منکرین کی جنت سے محرومی، جنت میں داخلہ کی شرط اور اہل جنت کے احوال، جنتیوں کا اظہار تشکر، اہل جنت و دوزخ کی گفتگو اور اہل اعراف کا تذکرہ۔
6. آیات:۵۰تا۵۳: اہل دوزخ کی اہل جنت سے فریاد، دوزخیوں کی باہمی گفتگو اور ان کی حالت زار اور کتاب اللہ کے ہدایت و رحمت ہونے کا بیان۔
7. آیات:۵۴تا۵۸: چھ دن میں زمین و آسمان کی تخلیق، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتیں اس کے وجود اور وحدانیت کی دلیل، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے خالق و حاکم ہونے کا ذکر، دعا کی تاکید، اس کے طریقہ کار کا ذکر اور کائنات میں تصرفاتِ خداوندی کا بیان۔

(نوٹ: اس سورت کی آیات:۵۹تا۷۹ اور ۸۵تا۹۳ مطالعہ ٔقرآنِ حکیم حصہ اوّل میں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کے قصّوں میں، جبکہ آیات:۸۰تا۸۴ مطالعہ ٔقرآنِ حکیم حصہ چہارم میں حضرت لوط علیہ السلام کے قصّہ میں دی گئی ہیں)

8. آیات:۹۴تا۹۹: انبیاء علیہم السلام کو جھٹلانے والوں کو اچانک پکڑنے کا ذکر، مکذبین و منکرین کی بدنصیبی، لوگوں کی عذاب سے بے خوفی اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی تدبیر
9. آیات:۱۰۰تا۱۰۲: کفار کے دلوں پر مہر لگ جانے کا بیان اور بدعہدوں کی کثرت کا ذکر۔

آیت نمبر۱: **علمی بات:** الٓمّٓصٓ یہ حروف مقطعات میں سے ہے۔ حروف مقطعات کی کل تعداد چودہ(۱۴) ہے۔ حروفِ مقطعات قرآنِ حکیم کی انتیس (۲۹) سورتوں میں آئے ہیں۔ حروف مقطعات کا علم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے پاس ہے اور یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور رسول اللہ A کے درمیان ایک راز ہے۔

آیت نمبر۲: نزولِ قرآن کا اولین مقصد غفلت میں پڑی ہوئی انسانیت کو بیدار کرنا اور انکار کرنے والوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرانا ہے۔

علمی بات: اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے تسلی ہے کہ قرآنِ حکیم کی تبلیغ میں اس خوف سے آپ A کا دل تنگ نہ ہو کہ کفار آپ A کی تکذیب کریں گے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نصرت اور حمایت آپ A کے ساتھ ہے لہٰذا آپ A اپنے دلِ منور میں اس کی تبلیغ کے حوالے سے کوئی پریشانی محسوس نہ کیجئے کیونکہ

جس کا اللہ ﷻ حافظ و ناصر ہو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا سو آپ A قرآنِ حکیم کی تبلیغ کرنے، اس کے ذریعے ڈرانے اور اس کے ساتھ نصیحت کرنے میں مشغول رہیئے اور کفار اور مشرکین کی مخالفت کی مطلقاً پروانہ کیجئے۔

عملی پہلو: امّت کے لئے یہ حکم ہے کہ اللہ ﷻ کا پیغام دوسروں تک پہنچانے کا فرض ادا کرتی رہے اور اس دعوت و تبلیغ میں کسی قسم کا کوئی خوف اور تنگی محسوس نہ کرے۔

علمی و عملی بات: عموماً انسان دو قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض ضدی اور سرکش ہوتے ہیں اور خواہشاتِ نفسانی میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کو انبیاء کرام علیہم السلام اُخروی عذاب سے ڈراتے ہیں اور بعض انسان نیک اور شریف ہوتے ہیں اور حق بات کو قبول کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ ان کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کی صرف نصیحت ہی کافی ہوتی ہے۔

آیت نمبر ۳: اس آیت میں اہلِ ایمان کو قرآنِ حکیم کے احکامات پر عمل کرنے کی پرزور تاکید کی جارہی ہے۔

علمی بات: ۱۔ "رب کی طرف سے نازل کیا گیا" سے مراد قرآنِ حکیم اور رسول اللہ A کی احادیثِ مبارکہ ہیں، کیونکہ آپ A نے فرمایا سنو! مجھے کتاب (قرآن) دی گئی ہے اور اس کے ساتھ اسی کے مثل ایک اور چیز (سنت) بھی۔ (سنن ابی داوٗد)

علمی بات: ۲۔ یہاں اولیاء سے مراد دنیا پرست پیشوا اور دوست ہیں۔ جو باطل کی راہ دکھاتے ہیں اور گمراہی کے راستے پر ڈال دیتے ہیں یہ رفیق وہی ہیں جنہیں قرآنِ حکیم میں "شَیَاطِیْنَ الْجِنِّ وَالْاِنْس" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بہر کیف آیت مبارکہ میں قرآنِ حکیم کو چھوڑ کر دوسرے سرکش دوستوں کی پیروی کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ کم نصیحت قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو بہت کم دھیان دیتے ہیں۔

عملی پہلو: قرآنِ حکیم اس لئے نازل ہوا کہ اس کے احکام پر عمل کیا جائے یعنی قرآنِ حکیم کی تلاوت کے ساتھ ساتھ اس پر عمل بھی ضروری ہے اور یہ اس وقت ممکن ہے جب ہم قرآنِ حکیم کے معنیٰ و مطلب اور احکامات کو سمجھیں گے کہ اس میں کن اعمال کی ادائیگی کا حکم ہے اور کن ناپسندیدہ اعمال سے منع کیا گیا ہے۔

آیت نمبر ۴: نوح علیہ السلام کی قوم، ہود علیہ السلام کی قوم، صالح علیہ السلام کی قوم، اور شعیب علیہ السلام کی قوم کی بستیوں کی ہلاکت کی طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ ان قوموں پر رسولوں کی مخالفت اور ان کی تکذیب کرنے کی وجہ سے اللہ ﷻ کا عذاب آیا۔

علمی بات: ۱۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر رات میں اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر دوپہر کے وقت عذاب آیا تھا۔ قرآنِ حکیم میں بڑی تفصیل سے ان قوموں کا ذکر کیا گیا ہے جن کو طویل مہلت دی گئی اور بالآخر ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان پر عذابِ الٰہی نازل ہوا۔ اور یہ تو دنیاوی ہلاکت تھی، اُخروی اور مستقل عذاب تو روزِ قیامت دیا جائے گا۔

۲۔ یہاں رات اور دوپہر کے وقت کا ذکر بستی والوں کی انتہائی غفلت کو ظاہر کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔ کیونکہ اہلِ عرب میں بھی قیلولہ کا رواج تھا تو مشرکین عرب کو ان کے انکار اور بد عملی کے نتائج سے خبردار کیا جارہا ہے۔

آیت نمبر ۵: مجرمین نے عذاب کے وقت اعتراف کیا اور پچھتائے کہ ہم نے رسولوں کی مخالفت کرکے اپنی ہی جانوں پر ظلم کیا مگر اس کا فائدہ نہیں ہوا۔

عملی پہلو: گذشتہ اقوام کا حال بتانے کا مقصد یہ ہے کہ اقوام سابقہ جن عقائد اور بداعمالیوں کی وجہ سے عذابِ الٰہی سے دوچار ہوئی انسان ان غلطیوں سے عبرت حاصل کرے اور اس عبرتناک انجام سے بچنے کے لئے اُن غلطیوں کو نہ دہرائے۔ اللہ ﷻ نے جو مختصر سی زندگی اور مہلت دی ہے اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے قیمتی بنائے۔

آیت نمبر۶: قیامت کے دن امّتوں سے سوال ہو گا کہ کیا تم تک اللہ ﷾ کے احکامات نہیں پہنچائے گئے تھے؟ اور کیا تم نے رسولوں کی دعوت کو قبول کیا تھا؟ اسی طرح قیامت کے دن اللہ ﷾ کے رسولوں علیہم السلام سے بھی یہ سوال ہو گا کہ انہوں نے پیغامِ حق پہنچا دیا تھا یا نہیں؟

علمی بات: اللہ ﷾ اِتمام حجت کے لئے امّتوں سے پوچھے گا تاکہ وہ خود اپنے زبانی جرم کا اقرار کریں اور ذلیل و رُسوا ہوں اسی طرح رسولوں سے گواہی کے طور پر پوچھا جائے گا۔ ورنہ اللہ ﷾ تو عالم الغیب ہے اور ہر شے اس کے علم میں ہے۔

عملی پہلو: نبی کریم A اللہ ﷾ کے آخری رسول ہیں۔ آپ A پر نبوّت ختم ہو گئی ہے چنانچہ اب دعوت الی اللہ اور تبلیغ کی ذمہ داری امّتِ مسلمہ پر ہے۔ جیسا کہ حجۃ ُالوَداع کے موقع پر آپ A نے فرمایا: "کہ اب پہنچائیں وہ لوگ جو یہاں موجود ہیں ان لوگوں کو جو یہاں موجود نہیں ہیں"۔ گویا ختمِ نبوّت کے بعد دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری اب اُمّتِ مسلمہ کے کاندھوں پر ہے۔

آیت نمبر۷: اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ ﷾ کے علم سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے، وہ لوگوں کے ظاہر و باطن اور ان کے ہر قول و فعل سے باخبر ہے۔ اللہ ﷾ ہم سے کسی لمحہ دور نہیں ہوتا وہ ہماری ہر بات سے باخبر ہے۔

علمی بات: اللہ ﷾ خوب جانتا ہے کہ آپ A فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کس قدر جدوجہد فرما رہے تھے اور آپ A کے صحابہ رضی اللہ عنہم کس طرح کے مشکل حالات میں آپ A کا ساتھ دے رہے تھے۔ اسی طرح اللہ ﷾ ابو جہل اور ابو لہب کی کاروائیوں کو بھی دیکھ رہا تھا کہ وہ کس کس طریقے سے حضور A کو اذیتیں پہنچا رہے تھے اور اسلام کی مخالفت کر رہے تھے۔ اللہ ﷾ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن ہم ان کے سامنے اپنے علم کی بنیاد پر تمام احوال بیان کر دیں گے کیونکہ جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا تو ہم وہاں سے غیر حاضر تو نہیں تھے۔ اگر کوئی مجرم دنیا میں اپنے آپ کو سزا سے بچا لے یا بچ جائے تو قیامت کی سزا سے نہیں بچ سکتا کیونکہ اللہ ﷾ مجرموں کو ان کے کئے کی سزا ضرور دے گا۔

آیت نمبر۸: وزن کے حق ہونے کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ اس دن وزن صرف حق ہی میں ہو گا، یعنی صرف اعمالِ صالحہ ہی کا وزن ہو گا، باطل اور بُرے اعمال سرے سے بے وزن ہوں گے اور ریاکاری کی نیکیاں ترازو میں بالکل بے حیثیت ہوں گی۔ دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ اس دن وزن ہی حق ہو گا، وزن ہی فیصلہ کن ہو گا۔ یعنی اس روز اللہ ﷾ ایسا میزانِ عدل قائم کرے گا، جس کے ذریعے سے اعمال کا ٹھیک ٹھیک وزن ہو گا۔ تو جس کا نیکیوں والا پلڑا بھاری ہو گا اس کے لئے نجات ہو گی۔

علمی بات: میزان سے مراد ترازو ہے جس کے دو پلڑے ہوتے ہیں۔ قیامت کے روز تمام ظاہری اور باطنی اعمال کا ٹھیک ٹھیک وزن کیا جانا برحق ہے تاکہ ہر ایک کی حالت اس پر واضح ہو جائے اور یہ بھی ظاہر ہو جائے کہ حساب و کتاب کے بعد جو جزا و سزا دی جائے گی وہ عین حق اور اعمال کے مطابق ہو گی۔ کسی کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی اور ناانصافی نہ ہو گی۔

آیت نمبر۹: اللہ ﷾ کے ہاں کفار کا عمل قبول نہیں کیونکہ بغیر ایمان کے کوئی عمل معتبر ہی نہیں ہوتا اور جب میزانِ عدل میں ان کے اعمال کو تولا جائے گا ان کے اعمال کا پلڑا ہلکا رہے گا اور یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے آیاتِ الٰہی کے ساتھ ظلم کیا اور اس طرح یہ سب اپنی جانوں پر زیادتی کرنے والے تھے۔

علمی بات: آیاتِ الٰہی سے بے انصافی اور ظُلم کرنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ ان آیات میں غور و فکر نہیں کرتے۔ ہدایت کی جو روشنی ان آیات میں موجود ہے اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ بلکہ انا اور ضد کے سبب ان آیات سے منہ موڑے رہتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ ﷾ کی آیتوں کا انکار کر کے ان کو جھٹلاتے اور ان کی اطاعت سے منہ موڑتے تھے وہ تو ہمیشہ جہنّم میں رہیں گے۔

آیت نمبر ۱۰: اللہ ﷻ انسانوں پر کی جانے والی درج ذیل نعمتوں کا ذکر فرما رہا ہے:

۱۔ نعمتِ اقتدار: یعنی اللہ ﷻ نے زمین کے وسائل کو انسان کی خدمت پر لگا دیا۔ سورۃ الجاثیہ ۴۵ کی آیت: ۱۳ میں ہے کہ "اور (اللہ نے) تمھارے کام میں لگا دیا ان سب کو جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اپنی طرف سے بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں"۔

۲۔ نعمتِ معیشت: یعنی اللہ ﷻ نے زندگی بسر کرنے کے لئے سارے اسباب جمع کر دیئے۔ جیسے پہاڑ، نہریں، ہوا، آگ، سورج، پیڑ پودے اور کھانے پینے کی انواع و اقسام کی چیزیں تاکہ انسان ان سے دنیا کی زندگی میں نفع اُٹھائیں۔

عملی پہلو: انسان پر اللہ ﷻ کے انعامات و احسانات اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا شمار ناممکن ہے اس کے باوجود لوگ ان سب نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے، بلکہ ان نعمتوں میں مشغول ہو کر وہ منعم حقیقی اللہ ﷻ کو بھول جاتے ہیں اور اس کی نافرمانی کرنے لگتے ہیں۔ اور ان نعمتوں کا تقاضا یہ تھا کہ انسان اللہ ﷻ کا خوب شکر ادا کرتا اور اس کی خوب عبادت کرتا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اکثر و بیشتر انسان اللہ ﷻ کا کم شکر ادا کرتے ہیں۔ مال اور اقتدار کو صحیح مصرف میں خرچ کرنا ان نعمتوں کی شکر گزاری ہے۔

نوٹ: سورۃ الاعراف کی آیات: ۱۱ تا ۲۷ کی وضاحت قصہ حضرت آدم علیہ السلام (رہنمائے اساتذہ مطالعۂ قرآن حکیم حصّہ اوّل) میں ملاحظہ فرمائیں۔

آیت نمبر ۲۸: فحش سے مراد بیت اللہ کا برہنہ طواف کرنا ہے۔ مشرکین عرب اس فعل کو مقدّس مذہبی فریضہ سمجھتے تھے۔ وہ اس جاہلانہ رسم کے جواز کے لئے یہ دلیل دیتے کہ ہم اپنے باپ دادا کی پیروی کرتے ہیں اور انہیں اللہ ﷻ ہی نے ایسا حکم دیا ہے (معاذ اللہ)۔ لہٰذا ان پر واضح کر دیا گیا کہ بے حیائی اور فحاشی اللہ ﷻ کا حکم ہرگز نہیں ہو سکتا وہ سراسر جھوٹ بول رہے ہیں۔

علمی بات: ۹ ہجری میں رسول اللہ A نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیرِ حج بنا کر بھیجا اور بعد میں سورۃ التوبہ کی ابتدائی آیات کے نزول کے بعد سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ چنانچہ ۹ ہجری حج کے اجتماع میں جو عام اعلان کیا گیا اس کے دو اہم نکات یہ تھے کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ میں داخل نہیں ہو سکتا اور دوسرا یہ کہ آئندہ کوئی برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف نہیں کر سکتا۔ (صحیح بخاری)

علمی پہلو: اس آیتِ کریمہ میں بہت سخت تنبیہ ہے ان لوگوں کے لئے جو راہِ حق کو چھوڑ کر اپنے گم راہ آباؤ و اجداد کی اندھی پیروی کرتے ہیں۔ البتہ یہ یاد رہے، صاحبِ ایمان بزرگوں اور اہلِ حق کی پیروی مطلوب طرزِ عمل ہے۔

آیت نمبر ۲۹: "قسط" سے مراد ہے انصاف، اعتدال اور برابری۔ یعنی ایسا درمیانہ راستہ جو افراط و تفریط سے پاک ہو۔ زندگی کے ہر معاملہ میں افراط و تفریط سے پاک رویہ اختیار کرنے کا حکم ہے۔ اللہ ﷻ کا ہر حکم قسط پر مبنی ہے اور بے حیائی قسط کی ضد ہے۔ چونکہ تمام احکامِ شرعیہ افراط و تفریط سے خالی ہیں اس لئے قسط کے مفہوم میں تمام عبادات و احکامِ شرعیہ داخل ہیں۔ بعض مفسرین کے نزدیک اس آیت میں مسجد سے مراد نماز ہے۔ اللہ ﷻ ہی کو اخلاص کے ساتھ پکارنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نیز یہ بھی بیان ہے کہ جس طرح پہلی بار انسان کو پیدا فرمایا گیا، اسی طرح روزِ قیامت دوبارہ اسے زندہ کر کے کھڑا کیا جائے گا۔

علمی بات: دو حکم بیان کیے گئے ہیں۔ (۱) ہر عبادت و نماز کے وقت اپنا رُخ سیدھا کرو، اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ نماز کے وقت اپنا رخ سیدھا قبلہ کی طرف کرنے کا اہتمام کرو، اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اپنے ہر عمل میں اپنا رخ اپنے رب کے حکم کے تابع رکھو، اس معنی کے لحاظ سے یہ حکم صرف نماز کے لئے خاص نہیں، بلکہ تمام عبادات و معاملات پر حاوی ہے۔ (۲) اللہ ﷻ کو اس طرح پکارو کہ عبادت خالص اسی کی ہو اس میں کسی دوسرے کی شرکت کسی حیثیت سے نہ ہو، یہاں تک کہ شرک خفی یعنی ریا و نمود سے بھی پاک ہو۔

آیت نمبر ۳۰: اس آیت میں دو گروہوں کا بیان ہے۔ ایک گروہ کو ایمان اور نیک عمل کی راہ دکھائی گئی جبکہ دوسرا گروہ اپنے انکار اور بد عملی کی وجہ سے گم راہ ہوا۔ گم راہ وہ ہیں جنھوں نے اللہ ﷻ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنایا اور اپنے آپ کو ہدایت یافتہ سمجھتے رہے۔

علمی بات: وہ لوگ جنھوں نے اللہ ﷻ کی دی ہوئی سمجھ سے صحیح کام لیا اور اس کی عطا کردہ آزادی و اختیار کو استعمال کرتے ہوئے اللہ ﷻ کے حکموں کی پابندی کی کوشش کی انہیں راہِ ہدایت دکھادی گئی اور اس پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمادی گئی اور جنھوں نے اللہ ﷻ کی دی ہوئی عقل و فہم سے کام نہ لیا اور اللہ ﷻ کو چھوڑ کر شریروں اور مفسدوں سے دوستی و محبت نبھائی۔ ان کے مقدّر میں گمراہی لکھ دی گئی اور وہ بدنصیب اس غلط فہمی میں مبتلا رہے کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں عین حق ہے اور وہ سیدھے راستے پر ہیں۔ یہ صرف اس وقت کے باطل پرستوں کا خیال نہ تھا بلکہ آج بھی راہِ حق سے بھٹکے ہوئے افراد اور قومیں بڑی شد و مد اور وثوق سے اپنے آپ کو حق کا علم بردار سمجھتی ہیں۔ ان کی گم راہی کی وجہ بیان فرمادی کہ انہوں نے خود شیطان کی رفاقت اختیار کی اور اللہ ﷻ اور اس کے رسول A کا راستہ چھوڑ دیا۔

آیت نمبر ۳۱: زینت سے مراد لباس ہے۔ نماز میں ستر پوشی کے علاوہ اپنی وسعت کے مطابق زینت والا لباس اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ تمام حلال اور پاکیزہ اشیاء کھانے کی اجازت ہے۔ تاہم اسراف کی ممانعت ہے۔ اسراف کا مطلب ہے ضروریاتِ زندگی پر ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا۔

علمی بات: طواف اور نماز میں پردے کی چیزوں کو چھپانا فرض ہے، مرد کے لئے ناف سے گھٹنوں تک اور عورت کے لئے چہرہ اور ہاتھوں کے سوا سارا بدن ستر ہے۔ جس کو چھپانا دورانِ نماز ضروری ہے۔ ایسے لباس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے جس کو پہن کر آدمی کسی مجلس میں یا معزز لوگوں کے سامنے جانا قابل شرم و عار سمجھے۔ زمانۂ جاہلیت کے عرب برہنہ ہو کر بیت اللہ کا طواف کرنے کو عبادت اور بیت اللہ کا احترام سمجھتے تھے۔ اس آیت میں لباس کو لفظ زینت سے تعبیر کر کے اس طرف اشارہ کر دیا گیا کہ نماز میں افضل و اولیٰ یہ ہے کہ صرف ستر پوشی پر کفایت نہ کی جائے بلکہ اپنی وسعت کے مطابق اچھا لباس پہنا جائے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نماز کے وقت اپنا سب سے اچھا لباس پہنتے تھے اور فرماتے تھے کہ اللہ ﷻ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے۔ اس لئے میں اپنے رب کے لئے زینت و جمال اختیار کرتا ہوں۔

عملی پہلو: اللہ ﷻ حد اعتدال سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ نہ وہ یہ پسند کرتا ہے کہ آدمی کھانے، پینے، پہننے ہی کو مقصدِ حیات بنالے اور رات دن اسی کے حصول میں مشغول رہے اور نہ اسے یہ پسند ہے کہ وہ راہبوں اور جوگیوں کی طرح ان اسبابِ دنیوی سے اور اپنی ذمہ داریوں سے بھاگ کر کنارہ کش ہو جائے۔ یہ اسراف اور ترکِ دنیا دونوں ہی شیطان کی نکالی ہوئی راہیں ہیں۔ اللہ ﷻ زندگی کے ہر پہلو میں عدل اور میانہ روی کو پسند فرماتا ہے۔

آیت نمبر ۳۲: خود ساختہ تصوّرِ عبادت اور ترکِ دنیا کی نفی کی گئی ہے۔ لوگوں کے حرام کر لینے سے اللہ ﷻ کی حلال کردہ چیزیں حرام نہیں ہو جاتیں۔ حلال اور پاکیزہ چیزیں اصلاً اہلِ ایمان کے لئے ہیں۔ دنیا میں کفار کو بھی نعمتوں سے فیض یاب ہونے کا موقع دیا گیا ہے۔ البتہ آخرت میں تمام نعمتیں صرف اہلِ ایمان کے لئے مختص ہوں گی۔

علمی و عملی بات: ۱۔ اس آیت میں ان لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے جو عبادات میں غلو اور اپنی طرف سے تنگیاں پیدا کرتے ہیں۔ اللہ ﷻ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو اپنے اوپر حرام قرار دینے کو عبادت سمجھتے ہیں۔ جیسے بعض لوگ خود ساختہ طور پر ترکِ حیوانات یعنی جاندار اور جاندار سے حاصل ہونے والی غذاؤں گوشت، دودھ، گھی وغیرہ کو چھوڑ دینا روحانیت میں کمال کا ذریعہ سمجھتے ہیں یا جیسے مشرکین مکہ حج کے دنوں میں طواف کے وقت لباس پہننا جائز نہیں سمجھتے تھے اور جو غذائیں اللہ ﷻ نے حلال کی ہیں ان سے پرہیز کو عبادت جانتے تھے۔ کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرانے کا حق صرف اُس ذات کو

ہے جس نے اس کو پیدا کیا ہے کسی اور کو اس میں مداخلت کا کوئی حق نہیں ہے۔

علمی بات: ۲۔ دنیا کی تمام نعمتیں، نفیس و عمدہ لباس، پاکیزہ اور صحت بخش غذائیں، اللہ ﷻ نے مومنوں ہی کے لئے پیدا کی ہیں تا کہ وہ ان سے فائدہ اٹھائیں، ان کو استعمال کر کے اللہ ﷻ کی عبادت کے لئے جسمانی طاقت و توانائی حاصل کریں اور اللہ ﷻ کا شکر ادا کریں۔ دوسرے لوگ تو انہی کے طفیل کھاتے پیتے اور پہنتے ہیں۔ یہ دنیا دار العمل ہے، دار الجزا نہیں، اس لئے دنیا کی نعمتوں میں کھرے کھوٹے اور اچھے بُرے کا امتیاز نہیں کیا جا سکتا بلکہ اللہ ﷻ کی نعمتوں کا یہ دستر خوان دنیا میں سب کے لئے عام ہے۔ اسی لئے اللہ ﷻ نے اپنی حکمت و مصلحت سے دنیاوی زندگی میں مومنوں کے ساتھ کافروں کو بھی نعمتوں میں شریک کر دیا تا کہ حجّت پوری ہو جائے۔ آخرت میں ساری نعمتیں اور راحتیں صرف اللہ ﷻ کے فرماں بردار بندوں کے لئے مخصوص ہوں گی کیونکہ جنّت کی نعمتیں کافروں پر حرام ہیں۔

آیت نمبر ۳۳: اللہ ﷻ کی حرام کردہ پانچ چیزوں کا ذکر ہے جن کا تعلق کھانے پینے سے نہیں بلکہ اعمال سے ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں اکثر لوگ ان جرائم اور محرمات میں مبتلا تھے جو درج ذیل ہیں:

۱۔ بے حیائی کے کام چاہے ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔
۲۔ "اثم" وہ گناہ جو انسان کی ذات تک محدود ہو۔
۳۔ "بغی" وہ گناہ جس کا تعلق دوسروں کے معاملات اور حقوق سے ہو۔
۴۔ اللہ ﷻ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا۔
۵۔ بے سند و بے بنیاد باتیں اللہ ﷻ کی طرف منسوب کرنا۔

شانِ نزول: دورِ جاہلیت میں دیگر رسومِ جہالت کے ساتھ یہ بھی ایک بے حیائی کی رسم تھی کہ وہ بیت اللہ شریف کا برہنہ طواف کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ جن کپڑوں میں ہم نافرمانی کرتے ہیں ان میں طواف نہیں کر سکتے۔ ظاہر میں تو یہ کیسی خوبصورت بات ہے لیکن ان احمقوں نے جہالت میں یہ نہ سمجھا کہ برہنہ طواف کرنے میں کس قدر بے حیائی اور بیت اللہ شریف کی بے ادبی ہے۔

علمی بات: بتایا گیا ہے کہ جن چیزوں کو تم نے خود اپنے طور پر حرام ٹھہرا لیا ہے وہ تو حرام نہیں البتہ بے حیائی کے تمام کام خواہ وہ ظاہر ہوں، جیسے برہنہ ہو کر طواف کرنا، بُرے کام کرنا جیسے شراب و جوا، کسی پر ظلم کرنا، کسی کو اللہ ﷻ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور جس بات کی تمہارے پاس کوئی دلیل و سند نہ ہو اس کو اللہ ﷻ کی طرف منسوب کرنا یہ سب حرام ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں واقعتاً حلال ہیں ان کو تو تم نے حرام سمجھ رکھا ہے اور جو چیزیں حرام ہیں ان کو تم حلال سمجھتے ہو۔ یہ سراسر جہالت ہے۔

آیت نمبر ۳۴: مجرموں کے انجام بد کا بیان ہے۔ "وقتِ مقرر" سے مراد عمل کرنے کی وہ مہلت ہے جو ہر قوم کو آزمانے کے لئے عطا کی جاتی ہے۔ کسی قوم کی اجتماعی زندگی کا وقت پورا ہو جانے پر مزید مہلت دیئے جانے کی نفی کی گئی ہے۔ قوموں کا وقتِ مقرر بیان کر کے مشرکین کو تنبیہ کی جا رہی ہے۔ اسی طرح ہر فرد کا وقتِ مقرر ہے اور اس کے آنے تک اس کو عمل کی مہلت ملی ہوئی ہے۔

شانِ نزول: یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی جب لوگوں نے عذاب کا سوال کیا یعنی یوں کہا کہ اگر آپ (A) اللہ (ﷻ) کے سچے رسول ہیں تو اللہ (ﷻ) ہم پر عذاب کیوں نہیں بھیجتا اور ہلاک کیوں نہیں کر دیتا۔

علمی بات: دنیا میں اللہ ﷻ کے نافرمان اور مجرم ہر طرح کی سرکشی اور ظلم کے باوجود اللہ ﷻ کی نعمتوں میں پل رہے ہیں۔ بظاہر ان پر کوئی عذاب اور تکلیف و تنگی نظر نہیں آتی۔ یہ محض اللہ ﷻ کی طرف سے ان کے لئے مہلت اور ڈھیل ہے تا کہ وہ توبہ کر کے اپنی حرکتوں سے باز آ جائیں۔ اللہ ﷻ کے علم میں اس مہلت اور ڈھیل کا ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ مقررہ وقت آ پہنچتا ہے تو اس وقت کوئی توبہ اور معذرت قبول نہیں ہوتی بلکہ ان کو

عذاب میں پکڑ لیا جاتا ہے۔ کبھی تو دنیا میں ہی عذاب دے دیا جاتا ہے اور اگر اللہ ﷻ کسی مصلحت کے تحت ان کو دنیا میں عذاب نہ دے تو ایسے لوگ مرتے ہی عذاب میں داخل ہو جاتے ہیں۔

آیت نمبر ۳۵: انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات پر ایمان لا کر تقویٰ اور عملِ صالح سے آراستہ ہونے والوں کے لئے بشارت دی گئی ہے کہ انہیں نہ مستقبل کا خوف ہو گا اور نہ وہ اپنے سابقہ اعمال پر غمگین ہوں گے۔

عملی پہلو: انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیجے جانے کا مقصد یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ ﷻ کے احکام سنائیں پھر جس نے رسول علیہ السلام کی بات مان کر ان کی تصدیق کی اور گناہوں کو چھوڑ کر اپنی اصلاح کر لی تو وہ اللہ ﷻ کے فضل سے جنّت میں جائے گا۔

آیت نمبر ۳۶: اللہ ﷻ کے حکم کو جھٹلانے اور تکبر کرنے والے سرکشوں کے انجام کا بیان ہے کہ وہ جہنّم میں ہمیشہ کے عذاب سے دوچار ہوں گے۔ اہلِ ایمان اور اہلِ کفر کے انجام کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اچھے انجام والوں کا طریقہ اپنائیں اور بُرے انجام والوں کی روِش اور طریقے سے بچیں تا کہ بُرے انجام سے اور سزا سے محفوظ رہ سکیں۔

علمی بات: جو اللہ ﷻ کی آیتوں کو جھٹلائیں گے اور اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں ان سے اعراض و روگردانی کریں گے، وہ دوزخ کی آگ کے ساتھی ہوں گے اور ان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اسی میں رہنا ہو گا۔

آیت نمبر ۳۷: سب سے بڑا ظالم وہ شخص ہے جو جھوٹی نبوّت کا دعویٰ کرتا ہے، خود باتیں گھڑ کر اللہ ﷻ کی طرف منسوب کرتا ہے اور رسولوں کی تکذیب کے ساتھ ساتھ اللہ ﷻ کی نازل شدہ آیات کا انکار کرتا ہے۔ یہ مجرم لوگ موت کے وقت اپنے خلاف خود گواہی دیں گے اور اپنے کفر کا اعتراف کریں گے۔

علمی بات: اللہ ﷻ پر جھوٹ گھڑنے اور اُس کی آیتوں کو جھٹلانے والوں سے بڑا کوئی ظالم نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود دنیا میں جو عمر، روزی اُن کے لیے مقرر ہے وہ اللہ ﷻ کی طرف سے ضرور ملے گی پھر جب ان کی موت کا وقت آ جائے گا اور فرشتے ان کی روحوں کو قبض کر کے جہنّم کی طرف لے جائیں گے تو بطور ڈانٹ ڈپٹ ان سے کہیں گے کہ کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جن کی تم عبادت کرتے تھے آج وہ تمہیں اس عذاب جہنم سے کیوں نہیں بچا لیتے؟ تو وہ جواب دیں گے کہ وہ غائب ہو گئے اور اب ہمیں ان سے کوئی امید نہیں ہے اور اپنے بارے میں اعتراف کریں گے کہ واقعی ہم دنیا میں کافر تھے۔

آیت نمبر ۳۸: انسانوں کی طرح جنّات کو بھی محاسبہ کے عمل سے گزرنے کے بعد جنّت یا دوزخ کا ٹھکانہ ملے گا۔ جہنّم میں پہنچنے کے بعد سب ایک دوسرے کو ملامت کریں گے۔ بعد والے پہلوں کو اپنی گمراہی کے لئے موردِ الزام ٹھہرائیں گے۔ گناہ میں برابر شریک ہونے کی وجہ سے سب کو دگنا عذاب دیا جائے گا۔

علمی بات: ا۔ جو لوگ دنیا میں اللہ ﷻ پر جھوٹ باندھتے تھے، قیامت کے روز اللہ ﷻ ان سے فرمائے گا کہ تم دوزخ میں داخل ہو کر اپنے جیسے ان گروہوں میں شامل ہو جاؤ جو تم سے پہلے گزرے ہیں خواہ وہ جنّات میں سے ہوں یا انسانوں میں سے۔ پھر جب بھی کوئی گروہ دوزخ میں داخل ہو گا تو وہ دوسرے گروہ کو لعنت و ملامت کرنے لگے گا جو ان ہی کی طرح گمراہ ہو گا اور جن کی پیروی کی وجہ سے یہ گروہ گمراہ ہوا یہاں تک کہ جب سب لوگ دوزخ میں جمع ہو جائیں گے تو بعد میں داخل ہونے والے اللہ ﷻ سے ان لوگوں کی شکایت کریں گے جو ان سے پہلے دوزخ میں داخل ہوئے تھے اور جن کی اتباع کر کے یہ لوگ گمراہ ہوئے اور کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ان ہی لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا، اس لئے ان کو دوزخ میں دوگنا عذاب دے۔ اللہ ﷻ فرمائے گا کہ صرف انہی کو نہیں بلکہ تم میں سے ہر ایک کو دوگنا عذاب ہو گا، لیکن تمہیں ابھی اس کا علم نہیں۔

۲۔پہلوں کو دُگنا عذاب دینے کی وجہ یہ ہے کہ وہ خود گمراہ ہوئے باوجود اس کے کہ ان کے پاس انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے نائبین نے واضح دلائل سے حق اور باطل کو واضح کر دیا پھر بھی انہوں نے اہلِ حق کو چھوڑ کر گمراہوں کی اتباع کی اور بعد میں آنے والوں کو گمراہ کیا۔اس طرح بعد والوں کو دُہرا عذاب دینے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے گمراہی کا راستہ اختیار کیا اور سابقہ اُمّتوں کے حالات سے عبرت حاصل نہیں کی بلکہ ان کی اندھی پیروی کی۔

آیت نمبر ۳۹: جب گمراہ لوگوں کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے دُگنے عذاب کی خبر سنا دی جائے گی تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اس جواب کے بعد پہلی جماعت بعد والی جماعت سے کہے گی کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے فیصلے کے بعد اب تمہیں ہم پر کوئی فضیلت و فوقیت نہیں رہی کہ ہمارے مقابلہ میں عذاب کم دیا جائے۔ ہم بھی دوگنے عذاب میں مبتلا ہیں اور تم بھی دوگنے عذاب میں مبتلا ہوگئے۔ پس گمراہی اور کفر میں ہم دونوں برابر ہوگئے۔ لہٰذا تم بھی اپنے کفر کے بدلے ہماری طرح عذاب کا مزہ چکھو۔ بہرحال ہر شخص اپنے اپنے کرتوتوں کا مزہ چکھے گا کوئی فریق نہیں بچ سکے گا۔

آیت نمبر ۴۰: اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے والوں اور تکبر کرنے والوں کا بیان ہے۔ان کے لئے آسمان میں جنّت کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔ان کے اعمال، دُعا اور ارواح کو واپس زمین پر لوٹا دیا جاتا ہے۔ جس طرح اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گزرنا ممکن نہیں اسی طرح اہلِ کفر کا جنّت میں جانا ممکن نہیں۔

علمی بات: "لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَاءِ" "اُن کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے" کا مطلب یہ ہے کہ کفار کی ارواح کو آسمان کی طرف فرشتے لے جاتے ہیں تو ان کے لئے دروازے نہیں کھولے جاتے، اور ان کو وہیں سے پھینک دیا جاتا ہے۔

آیت نمبر ۴۱: کفار کے انجامِ بد کا بیان ہوا ہے "مھد" گہوارے کو کہتے ہیں جو بیٹھنے یا لیٹنے کی جگہ ہوتی ہے۔ "غواش" غاشیہ کی جمع ہے جس سے مراد وہ پردہ ہے جو اوپر سے ڈھانپ لے اوپر اوڑھنے والی چیز۔ کفار پر اوپر اور نیچے ہر طرف عذابِ الٰہی کی آگ بھڑک رہی ہوگی۔ انہیں کسی پہلو چین اور قرار نصیب نہ ہوگا۔ ان کا مستقل ٹھکانہ جہنّم ہے۔

آیت نمبر ۴۲: کفار کے انجامِ بد کے بیان کے بعد ایمان اور عملِ صالح اختیار کرنے والوں کو ہمیشہ کی جنّت کی بشارت دی گئی ہے۔ ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بندوں پر کوئی ایسے احکام نازل نہیں فرمائے جو ان کی استطاعت سے باہر ہوں۔ ایسا ہرگز نہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جن کاموں کا حکم دیا انہیں انجام دینا یا جن کاموں سے روکا ہے ان سے خود کو بچائے رکھنا انسان کی سکت و بس میں نہ ہو نیز یہ بات بھی واضح ہوئی کہ آخرت کا محاسبہ ہر فرد کی صلاحیتوں اور دنیا میں دی گئی نعمتوں اور کوششوں کے مطابق ہوگا۔

آیت نمبر ۴۳: اس آیت میں اہلِ جنّت کے دو خاص احوال بیان ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ جنّت میں داخلے سے پہلے ہی ان کی باہمی رنجشوں کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔ دوسرا یہ کہ اہلِ ایمان جنّت میں پہنچ کر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر ادا کریں گے جس نے انہیں مقامِ رحمت تک پہنچایا۔ اہلِ ایمان کو ان کے اخلاصِ نیت، ایمان اور اعمالِ صالحہ کے بدلے جنّت بطور ورثہ عطا کی جائے گی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی شانِ کریمی ہے کہ اُس کی طرف سے اہلِ ایمان کے لئے جنّت کے وارث ہونے کا اعلان کیا جائے گا۔

علمی بات: ۱۔اہلِ ایمان کے بیچ اگر دنیا میں کسی وجہ سے ناراضگی یا غلط فہمی کی بنا پر رنجش پیدا ہوگئی تھی تو جنّت میں داخل ہونے سے پہلے ان کی آپس کی غلط فہمیاں اور رنجشیں دور کر دی جائیں گی اور وہ ایک دوسرے کے سچّے خیر خواہ اور مخلص دوست بن کر جنّت میں داخل ہوں گے۔ تاکہ ایک دوسرے

سے مل کر کیف و سرور اور خوشی محسوس کریں کیونکہ جن سے کوئی رنجش ہو ان کو دیکھنے سے اذّیت ہوتی ہے۔اس سے اہلِ جنّت کے دلوں کو بغض و کینہ سے پاک کر دیا جائے گا۔ بخلاف دوزخیوں کے کہ وہ مصیبت کے وقت ایک دوسرے کو لعن طعن کریں گے۔

۲۔اہلِ جنّت کے دلوں سے کینہ نکالنے کا ایک اور مفہوم یہ بھی ہے کہ ان میں سے بعض، بعض کے ساتھ ان کی قرابت اور درجات کی فضیلت کے سبب حسد نہیں کریں گے۔ ہر کوئی اپنے آپ کو اور دوسرے کو جس مقام پر بھی ہے دیکھ کر خوش و خرم ہو گا۔

آیت نمبر ۴۴: اہلِ جنّت اور اہلِ جہنّم کے مکالمہ کا بیان ہے۔ وعدہ سے مراد اہلِ ایمان کے لئے جنّت اور کفار و مشرکین کے لئے جہنّم کا وعدہ ہے۔ ظالموں پر دنیا و آخرت میں اللہ ﷻ کی لعنت اور پھٹکار ہے۔

علمی بات: جب اہلِ جنّت، جنّت میں چلے جائیں گے اور اہلِ دوزخ، دوزخ میں چلے جائیں گے تو جنّت والے اپنی خوشی ظاہر کرنے کے لئے ان سے پکار کر کہیں گے کہ ہمارے رب نے ہم سے جس اجر و ثواب اور جنّت کا وعدہ فرمایا تھا، وہ ہمیں عطا فرمادیا ہے۔ کیا تم اپنے کفر و عصیان کی بنا پر اس عذاب میں مبتلا ہو جس کی تمہارے رب نے انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے تمہیں وعید سنائی تھی؟ اہلِ دوزخ جواب دیں گے کہ ہاں۔ اسی بنا پر تو ہم عذاب میں مبتلا ہیں۔ اس وقت ایک پکارنے والا دونوں کے درمیان پکار کر کہے گا کہ ظالموں اور اللہ ﷻ کی راہ سے روگردانی کرنے والوں پر اللہ ﷻ کی لعنت ہو، جو آخرت کے انجام سے بے فکر ہو کر خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی راہِ حق سے روکتے رہے۔ یہ لوگ آخرت کے منکر تھے۔ صرف دنیاوی زندگی ہی ان کے پیشِ نظر تھی۔

آیت نمبر ۴۵: ظالموں کی بد اعمالیوں کا بیان ہے۔ وہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور لوگوں کو بھی اللہ ﷻ کی راہ سے روکتے ہیں۔ وہ آخرت کے منکر ہوتے ہیں۔

علمی بات: منکرین خود تو ایمان نہیں لائے تھے، بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی اس راستے سے روکنے کی حتی الوسع کوشش کرتے تھے۔ اگر کسی شخص کو رسول اللہ A کی مجلس کی طرف جاتے دیکھتے تو اسے ورغلانے اور بہکانے کے درپے ہو جاتے تاکہ کہیں وہ آپ A کی باتوں سے متاثر ہو کر ایمان نہ لے آئے۔

آیت نمبر ۴۶: مقام اعراف کا ذکر ہے یعنی جنّت اور دوزخ کے درمیان دیوار جہاں سے دونوں طرف دیکھا جاسکے گا۔ اہلِ جنّت اور اہلِ جہنّم کے علاوہ ایک تیسری جماعت ہو گی جو اعراف پر مقیم ہو گی۔ ان کی نیکیاں اور بُرائیاں برابر ہوں گی۔ ان کی نیکیاں انہیں جہنّم میں جانے اور بُرائیاں جنّت میں جانے سے رکاوٹ بنیں گی۔ اہلِ اعراف اہلِ جنّت کو ان کے نورانی چہروں کی بدولت اور اہلِ دوزخ کو ان کی سیاہ رنگت کی بنا پر پہچان لیں گے۔ اس لیے ان کو اہلِ اعراف کہا گیا ہے۔ اہلِ اعراف کا اہلِ جنّت کو سلام پیش کرنے اور خود بھی جنّت میں داخلے کی امید رکھنے کا بیان ہے۔

علمی بات: ۱۔ "اَعْرَاف" کو اعراف کہنے کی وجہ یہ ہے اہلِ اعراف ہر شخص کو اوپر سے دیکھ کر پہچان لیں گے کہ یہ جنّتی ہے اور یہ دوزخی ہے۔

۲۔ یہاں اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ یہ لوگ جنّت اور دوزخ والوں کو دنیا میں بھی ان کی علامتوں سے پہچانتے تھے اور چونکہ یہ لوگ صاحب ایمان تھے، اس لئے انہیں دنیا میں بھی اللہ ﷻ نے اتنی حس عطا فرمادی تھی کہ یہ پرہیزگار لوگوں کو اور اسی طرح کافروں کو ان کے چہروں سے پہچان لیتے تھے۔

آیت نمبر ۴۷: بتایا گیا ہے کہ اصحابِ اعراف اہلِ دوزخ کے عذاب اور مصیبت کا مشاہدہ کرنے کے بعد دوزخیوں کی سزا سے وحشت زدہ اور متنفر ہو کر ان میں شامل نہ کیئے جانے کی دُعا کریں گے۔

علمی بات: جنّت کے نظارے کے بعد ان کو جہنّم کا منظر بھی دکھایا جائے گا۔ یہ لوگ ابھی تک خوف اور اُمید کے درمیان کی کیفیت میں ہوں گے۔ انہیں جنّت میں داخلے کی امید بھی ہو گی اور جہنّم میں جھونکے جانے کا خوف بھی۔ اس لئے جب وہ اہل جنّت کی طرف دیکھیں گے تو انہیں سلام کریں گے اور ساتھ ہی ان کے دلوں میں اُمنگیں اور تمنائیں جاگ جائیں گی کہ اللہ ﷾ ہمیں بھی ان کے ساتھ شامل فرمادے۔ لیکن دوسری طرف جب اہلِ جہنّم پر نظر پڑے گی تو فریاد کریں گے کہ پروردگار! ہم پر رحم فرما اور ہمیں ان ظالم لوگوں کا ساتھی نہ بنا۔

آیت نمبر ۴۸: اصحابِ اعراف اہل دوزخ کو ان کی بداعمالیوں پر ملامت کریں گے۔ دنیا کی جمعیت و کثرت اور تکبر، آخرت میں اہلِ دوزخ کو کوئی فائدہ نہ دے پائے گا۔

علمی بات: قیامت کے روز اعراف والے، مشرکین کے سرداروں کو دوزخ میں دیکھ کر ملامت کے طور پر ان سے کہیں گے کہ دنیا میں جس مال و دولت اور جتھے و کثرت پر تمہیں بھروسہ اور ناز تھا اور جس کی وجہ سے تم غرور و تکبر میں مبتلا تھے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی اتباع سے انکار کرتے تھے، آج وہ تمہارے کسی کام نہ آیا۔

آیت نمبر ۴۹: اصحابِ اعراف کے ذریعے اہلِ دوزخ کو جھوٹ، تکبّر اور غلط تصوّرات پر ملامت کرنے کا بیان ہے۔ اہلِ دوزخ دنیا میں اہلِ ایمان کو فقیر، مسکین اور غلام کہہ کر حقیر سمجھتے تھے جبکہ معاملہ یہ ہے کہ اہل ایمان کو بلاخوف و خطر جنّت میں داخلے کی بشارت دی گئی ہے۔

علمی بات: اہلِ اعراف جنّت کی طرف دیکھیں گے تو اس کے اندر غریب اور کمزور صاحبِ ایمان لوگ نظر آئیں گے جن سے کافر دنیا میں استہزاء اور مذاق کرتے تھے اور ان کو ایذا دیتے تھے۔ اس وقت اہلِ اعراف کافر سرداروں کو دوزخ میں دیکھ کر کہیں گے کہ کیا یہ وہی کمزور و حقیر لوگ ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ اللہ ﷾ کی رحمت انہیں کبھی نہیں پہنچے گی اور نہ اللہ ﷾ کبھی ان کی مغفرت فرمائے گا۔

آیت نمبر ۵۰: اہلِ دوزخ کا اپنے دنیا کے شناسا اہلِ جنّت سے کچھ کھلانے پلانے کی فریاد کا بیان ہے۔ جنّت کی تمام نعمتیں صرف اہلِ ایمان کے لئے ہوں گی اور اہلِ دوزخ کو کوئی نعمت میسر نہیں آسکے گی۔ دوزخ والے بھوک اور پیاس سے بدحواس ہو کر جنّت والوں کو پکاریں گے کہ اللہ ﷾ کے لئے ہم پر کوئی قطرہ پانی کا بہادو اس چیز میں سے جو اللہ ﷾ نے تمہیں رزق دیا ہے۔ جن فقراء مؤمنین سے دنیا میں کلام کرنا توہین سمجھتے تھے آخرت میں ان کے سامنے دستِ سوال دراز کریں گے۔ اہلِ جنّت کہیں گے اللہ ﷾ نے ان دونوں چیزوں کو کافروں پر حرام کیا ہے۔ اس لئے تم کو کوئی چیز نہیں مل سکتی۔

آیت نمبر ۵۱: جنّت کی نعمتوں سے محرومی کی درج ذیل وجوہات بیان کی گئی ہیں: ۱۔ لوگوں نے دین کو کھیل تماشہ بنالیا تھا۔ ۲۔ دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈالے رکھا تھا۔ ۳۔ دنیا میں اللہ ﷾ کی آیتوں اور آخرت کی جواب دہی کو جھٹلاتے تھے۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اللہ ﷾ بھی انہیں روزِ آخرت نظر انداز کر کے اپنی رحمت سے دور کر دے گا جس کی وجہ سے اللہ ﷾ کی نعمتوں سے محروم رہیں گے۔

علمی بات: دین کو لہو و لعب بنانے والے وہی ہوتے ہیں جو دنیا کے فریب میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے دلوں سے چونکہ آخرت کی فکر اور اللہ ﷾ کا خوف نکل جاتا ہے۔ اس لئے وہ دین میں بھی اپنی طرف سے جو چاہتے ہیں اضافہ کر لیتے ہیں اور ان کے ہاں دین کے عائد کردہ احکام اور فرائض پر عمل کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ مزید یہ کہ جس چیز کو چاہا حلال کر لیا اور جس کو چاہا حرام کر لیا یا اس سے وہ بے اصل اور لایعنی امور مراد ہیں جن کو مشرکین نے دین سمجھ رکھا تھا مثلاً بیت اللہ کے پاس تالیاں اور سیٹیاں بجانا۔

آیت نمبر ۵۲: قرآنِ حکیم کے ذریعے اللہ ﷾ کا اِتمامِ حجّت کرنے کا بیان ہے۔ قرآنِ حکیم سے فائدہ اٹھانے والے وہ لوگ ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اس طرح قرآنِ حکیم دنیا و آخرت میں ان کے لئے ہدایت و رحمت بن جاتا ہے۔

علمی و عملی بات: اللہ ﷾ نے اپنے علم کامل کی بنا پر نیکوکاروں اور بدکاروں کا انجام بتادیا ہے جو روزِ آخرت یقینی ہے اور ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا و سزا بھی مل کر رہے گی۔ ہر طرح کی تفصیل اس کتاب میں مذکور ہے۔ آخرت پر یقین رکھنے والوں کے اخلاق سنور جاتے ہیں، وہ دوسروں کو فائدہ پہنچانے اور ان کی بھلائی کی باتیں سوچنے لگتے ہیں، ان کی زندگی انتہائی ذمہ دارانہ زندگی بن جاتی ہے پھر ان کی آخرت بھی سنور جاتی ہے۔ اس طرح یہ کتاب ان کی دنیوی زندگی میں بھی ہدایت اور رحمت ثابت ہوتی ہے اور آخرت میں بھی۔

آیت نمبر ۵۳: تاویل سے مراد کسی چیز کا مصداق یا واقع ہونے کا وقت ہے۔ یعنی قرآنِ حکیم نے جو وعدہ اور وعید بیان کی ہے اور اس میں جس نتیجہ اور انجام کی صراحت مذکور ہے اس کے سامنے آنے کے منتظر ہیں اور وہ سزا و جزا ہے۔ یعنی مرنے کے بعد قبر میں اور قیامت کے دن جب نتیجہ سامنے آجائے گا۔

علمی بات: منکرینِ حق جس انجام کے منتظر تھے اس کے سامنے آجانے کے بعد اعترافِ حق کرنا یا دوبارہ دنیا میں بھیجے جانے کی آرزو اور کسی سفارش کی تلاش، یہ سب بے فائدہ ہوں گی۔ وہ جھوٹے معبود بھی ان سے گم ہو جائیں گے جن کی وہ اللہ ﷾ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے، نہ وہ ان کی مدد و سفارش کر سکیں گے اور نہ ہی عذاب جہنّم سے چھڑا سکیں گے۔ درحقیقت انہوں نے خود اپنے آپ کو خسارے میں ڈال کر بربادی کا سامان کر لیا۔

آیت نمبر ۵۴: اس آیت میں کائنات کی تخلیق کا چھ دنوں میں مکمل ہونے کا بیان ہے۔ رات اور دن کا باقاعدہ نظام، سورج، چاند اور ستارے سب اللہ ﷾ کے حکم کے پابند ہیں۔ اللہ ﷾ ہی حقیقی رب اور خالق کائنات ہے۔ اسی کے حکم اور قدرت سے پورا نظام چل رہا ہے۔

علمی بات: ۱۔ ایک قول کے مطابق چھ دن رات کے بقدر وقت مراد ہے یوں تو اللہ ﷾ کو یہ بھی قدرت تھی کہ وہ پلک جھپکنے سے بھی پہلے پوری کائنات وجود میں لے آتا، لیکن اس عمل کے ذریعے انسان کو بھی جلد بازی کے بجائے اطمینان اور وقار کے ساتھ کام کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

۲۔ عرش ایسا مقام ہے جو تمام آسمانوں اور زمین اور تمام کائنات عالم کو محیط ہے سارا جہاں اس کے اندر سمایا ہوا ہے، اس سے زائد اس کی حقیقت کا معلوم کرنا انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ اللہ ﷾ عرش پر اُسی طرح جلوہ فرما ہے جو اس کی شان کے لائق ہے، نہ اس کا انکار کیا جاسکتا ہے نہ اسے مخلوق کی صفت کے ساتھ تشبیہ دی جاسکتی ہے اور نہ ہی اس کی کیفیت بیان کی جاسکتی ہے۔ عرش پر جلوہ فرما ہونے کا صحیح مطلب ہمارے فہم اور ادراک سے باہر ہے۔

فکری بات: انسان کے لئے دعوت فکر ہے دنیا کے بڑے بڑے نامور سائنسدانوں اور ماہرین کی بنائی ہوئی مشینوں اور آلات کو دیکھو، ان میں بھی کچھ نہ کچھ نقائص نکلتے رہتے ہیں۔ چلتے چلتے ان کے تمام پُرزے گھسنے لگ جاتے ہیں اور ختم ہو جاتے ہیں۔ پھر یا تو ان کی مرمت کی جاتی ہے یا نئے پرزے لگائے جاتے ہیں۔ لیکن خدائی مشینیں ایسی ہیں کہ جس طرح اور جس شان سے اللہ ﷾ نے ان کو پہلے دن چلایا تھا، یہ اسی طرح چل رہی ہیں، نہ کبھی ان کی رفتار میں فرق آتا ہے اور نہ کبھی ان کا کوئی پرزہ گھستا اور ٹوٹتا ہے اور نہ ہی کسی قسم کی مرمت کی ضرورت پڑتی ہے۔ پس یہ تو امرِ الٰہی سے چل رہی ہیں اور اسی کے تابع ہیں، ہاں جب وہ قادر مطلق ہی ایک متعین وقت پر ان کو فنا کرنے کا ارادہ کرے گا تو یہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اسی کا نام قیامت ہے۔

آیت نمبر ۵۵: اللہ ﷾ سے دُعا مانگنے کے درج ذیل آداب بیان کیئے گئے ہیں۔ ۱۔ دُعا عاجزی اور رقت سے مانگی جائے۔ ۲۔ دُعا آہستہ مانگی جائے۔ ۳۔ دُعا میں زیادتی نہ ہو۔

فرمانِ نبوی A: ۱۔ "دُعا عبادت کا مغز ہے"۔ (جامع ترمذی) ۲۔ "جو اللہ ﷾ سے نہیں مانگتا اللہ ﷾ اس سے ناراض ہو جاتا ہے"۔ (جامع ترمذی) "اللہ ﷾ سے اس امید کے ساتھ دُعائیں مانگا کرو کہ وہ قبول کرے گا"۔

علمی بات: اس آیت میں اللہ ﷻ نے دُعا کے آداب بتائے ہیں کہ دُعا عاجزی اور تواضع کے ساتھ ہو اور چپکے چپکے مانگی جائے اور دُعا میں تجاوز نہ کیا جائے تجاوز کی مد میں وہ سب چیزیں داخل ہیں جن کا مانگنا ممنوع ہو جیسے گناہ اور قطع رحمی کی دُعا نہ مانگے کوئی ایسا سوال نہ کرے جو اس کی شان کے مناسب نہ ہو۔

آیت نمبر ۵۶: دُعا کے مزید آداب کا بیان ہے کہ: ا۔ زمین میں فساد نہ مچایا جائے۔ فساد میں شرک، کفر، نفس کی اطاعت اور دیگر گناہ شامل ہیں۔ ۲۔ گناہوں کی وجہ سے اللہ ﷻ کی پکڑ اور گرفت کا خوف رکھا جائے۔ ۳۔ اللہ ﷻ کی رحمت سے مایوس نہ ہوا جائے۔ ۴۔ اعمال میں احسان کی روش اختیار کی جائے۔ اللہ ﷻ کی رحمت ایسے لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو ان مذکورہ باتوں پر عمل کریں۔

علمی بات: ا۔ زمین میں فساد کرنا یہ ہے کہ انسان اللہ ﷻ کی بندگی چھوڑ کر اپنے نفس کی یا دوسروں کی اطاعت شروع کر دے اور اللہ ﷻ کی بتلائی ہوئی راہِ ہدایت کو چھوڑ کر اپنے اخلاق، معاشرت، معیشت، سیاست اور تمدُّن کی عمارت کو ایسے اصول و قوانین پر قائم کرے جو اسلام کے مخالف اور متصادم ہوں یہی وہ بنیادی چیز ہے جس سے زمین میں فساد برپا ہو جاتا ہے اور ایسی خرابیاں اور مسائل جنم لیتے ہیں کہ جن کا دور کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

۲۔ خوف اور طمع سے پکارنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی تمام امیدیں اللہ ﷻ سے وابستہ رکھے اور اس کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہو اور ڈرنا اس بات سے چاہیئے کہ کسی غلطی یا تقصیر کی وجہ سے کہیں اللہ ﷻ کی بارگاہ میں مردود ہی نہ ہو جاؤں۔ دعا میں دونوں پہلوؤں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

۳۔ ''محسنین سے مراد احسان کرنے والے ہیں۔ کسی کام کے اچھی طرح انجام دینے کو احسان کہا جاتا ہے۔'' احسان اللہ ﷻ کی عبادت میں بھی ہوتا ہے اور بندوں کے ساتھ بھی۔ اللہ ﷻ کی عبادت میں احسان کا ذکر حدیثِ جبریل میں ہے کہ آپ A نے فرمایا: ''(احسان یہ ہے) کہ اللہ ﷻ کی عبادت اس طرح کرے گو یا تم اسے دیکھ رہے ہو، تو اگر تُم اسے نہیں دیکھتے تو (یہ خیال کر کہ) یقیناً وہ تمھیں دیکھ رہا ہے''۔ (صحیح بخاری، حدیث: 50)

آیت نمبر ۵۷: رحمت سے مراد بارش ہے۔ بارش سے قبل ہوائیں بادلوں کو چلا کر خشک زمینوں کی طرف لے جاتی ہیں۔ بارش کے ذریعے مردہ زمین زندہ ہو کر سبزہ اور اناج اُگاتی ہے جو انسانوں کی روزی کا ذریعہ بنتی ہے۔ مردہ زمین کو زندہ فرمانے والا اللہ ﷻ اسی طرح قیامت کے دن مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔

علمی بات: بارش سے پہلے اللہ ﷻ ہی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چلاتا ہے جو بارش کی آمد آمد کی خوشخبری لوگوں کو پہنچاتی ہیں جس طرح اللہ ﷻ اپنی قدرتِ کاملہ سے مردہ زمین کو زندہ اور سر سبز کر سکتا ہے اسی طرح وہ قیامت کے دن ہمیں بھی دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔ چنانچہ اللہ ﷻ کو دوبارہ زندگی دینے پر قادر نہ سمجھنا بہت بڑی گم راہی اور حماقت کی بات ہے کیونکہ وہ قادر مطلق ہے۔

آیت نمبر ۵۸: اللہ ﷻ کی ہدایت اور آیاتِ بینات کا فائدہ تمام انسانیت کے لئے ہے۔ تاہم جس طرح ہر زمین بارش سے فائدہ نہیں اٹھاتی اسی طرح ہر انسان وحی کی نعمت سے نفع حاصل نہیں کرتا۔ وحی کی نعمت سے صرف وہ لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جو اللہ ﷻ کے شکر گزار ہیں۔

علمی بات: جس طرح اچھی زمین کی پیداوار بھی خوب ہوتی ہے، اسی طرح جن لوگوں کے دلوں میں طلب کی پاکیزگی ہوتی ہے حق کے متلاشی ہوتے ہیں، وہ اللہ ﷻ کی کلام سے خوب فائدہ اٹھاتے ہیں اور جس طرح ایک خراب زمین پر بارش پڑنے کے باوجود اُس سے کوئی فائدہ مند پیداوار حاصل نہیں ہوتی، اسی طرح جن لوگوں کے دل ضد اور عناد سے خراب ہو چکے ہیں، اُن کو اللہ ﷻ کے کلام سے بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

نوٹ: سورۃ الاعراف کی آیات ۵۹ تا ۷۹ اور ۸۵ تا ۹۳ کی وضاحت رہنمائے اساتذہ مطالعہ قرآنِ حکیم حصّہ اوّل میں اور سورۃ الاعراف کی آیات ۸۰ تا ۸۴ کی وضاحت رہنمائے اساتذہ مطالعہ قرآنِ حکیم حصّہ چہارم میں ملاحظہ فرمائیں۔

آیت نمبر ۹۴: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قوموں کو مختلف بیماریوں اور فقر وفاقہ میں مبتلا کر کے ان کی آزمائش کو بیان فرمایا ہے۔ جب کبھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کسی قوم کی طرف اپنے رسول کو بھیجتا ہے اور وہ ان کی بات نہیں مانتے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اوّل ان کو دنیا ہی میں مالی اور جانی تنگی و بیماری وغیرہ میں مبتلا کر دیتا ہے تاکہ یہ لوگ گڑ گڑا کر اُس کی طرف رجوع کریں۔

علمی بات: "بَالْبَاْسَاء" کے معنی فقر وفاقہ اور "وَالضَّرَّآءِ" کے معنی بیماری و مرض کے آتے ہیں، بعض اہلِ لغت نے کہا ہے کہ باساء سے مراد اموال میں پہنچنے والی مصیبت، مثلاً فقر وفاقہ، تنگدستی، مفلسی اور قحط وغیرہ ہے۔ "ضراء" سے مراد انسانی بدن کو نقصان پہنچانے والی اشیاء، مثلاً بیماری، مشقّت، تکلیف، مصیبت اور جنگ وغیرہ ہے۔

عملی پہلو: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جن لوگوں کو اپنے عذاب سے ہلاک کیا انہیں یک دم ہی ہلاک نہیں کیا، بلکہ انہیں سالہا سال تک راہِ راست پر آنے کے بہت سے مواقع فراہم کیئے، اوّل تو پیغمبر بھیجے جو انہیں برسوں تک خبردار ہوشیار کرتے رہے، اور پھر عذابِ الٰہی سے ڈراتے رہے انہیں کچھ معاشی بدحالی اور بیماریوں وغیرہ کی مصیبتوں سے دوچار کیا تاکہ ان کے دل کچھ نرم پڑیں اور وہ راہ راست پر آجائیں۔

آیت نمبر ۹۵: نافرمان قوم پر آزمائش کے دوسرے طریقے کا بیان ہے۔ بیماری اور فقر وفاقہ کو تندرستی اور آسودگی میں تبدیل کر دیا جاتا تو اس پر نافرمان یہ کہتے کہ ماضی میں ہمارے آباؤاجداد پر بھی ایسی راحت وتکلیف آتی رہتی تھیں۔ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اچانک ان نافرمانوں پر عذاب آیا جس کا انہیں گمان بھی نہ تھا۔

علمی بات: ۱۔ حالات کی تبدیلی سے بعض لوگ سبق حاصل کر کے راہِ راست پر آجاتے ہیں، لیکن کچھ ضدی طبیعت کے لوگ ان باتوں سے کوئی سبق نہیں سیکھتے اور یہ کہتے ہیں کہ یہ دُکھ سُکھ اور گرم سرد حالات تو ہمارے باپ دادا کو بھی پیش آچکے ہیں، انہیں خوامخواہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے کوئی اشارہ قرار دینے کی کیا ضرورت ہے؟ اس طرح جب ان لوگوں پر ہر طرح کی حجّت تمام ہو چکی ہوتی ہے تو پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے عذاب آتا ہے اور اس طرح پکڑ لیتا ہے کہ ان کو پہلے سے اس کا گمان اور اندازہ بھی نہیں ہوتا۔

۲۔ جب بندوں کو گناہوں کی سزا دنیا میں ملتی رہے تو امید ہے کہ توبہ کر لیں گے، اور جب گناہ پر سزا نہ ملے تو یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ڈھیل اور پھر اس کی ہلاکت یقینی ہے، جیسے کوئی زہر کھا لینے کے بعد اُگل دے تو امید ہے کہ بچ جائے گا اور اگر وہ جسم میں سرایت کر جائے تو بس پھر ہلاکت یقینی ہے۔

آیت نمبر ۹۶: ایمان اور تقویٰ کی برکات یعنی آسمان وزمین سے برکتوں کے عطا کیئے جانے کا وعدہ ہے۔ لیکن کفر کی روش پر ڈٹے رہنے والے عذاب میں مبتلا کر دیئے جاتے ہیں۔

علمی بات: اگر بستیوں والے اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر اور اس کے رسول A پر ایمان لاتے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے اور جن چیزوں سے اس نے منع کیا ہے ان سے باز رہتے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان پر آسمانوں اور زمینوں سے برکتوں کے دروازے کھول دیتا۔ آسمان سے بارشیں نازل فرماتا اور زمین سبزہ اور فصل اگاتی اور ان کے مویشیوں میں کثرت ہوتی اور ان کو امن اور سلامتی حاصل ہوتی لیکن انھوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے رسولوں علیہم السلام کی تکذیب کی تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کے کفر اور ان کی معصیت کی وجہ سے ان پر خشک سالی اور قحط کو مسلط کر دیا۔

آیت نمبر ۹۷: نافرمانی پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے عذاب کے اچانک آجانے پر خبردار کیا گیا ہے اور تنبیہ کو نظر انداز کرنے پر رات کے وقت نیند کی حالت میں عذاب کے بھیجے جانے کا بیان ہے۔

علمی بات: پیغمبروں کی نافرمانی اور تکذیب کے بعد عذابِ الٰہی سے کسی وقت بھی بے خوف نہیں رہنا چاہیئے۔ نہ جانے رات یا دن میں کس وقت بے خبری میں عذابِ الٰہی آجائے۔ کیا یہ تکذیب کرنے والے اللہ ﷻ کے عذاب سے بے خوف ہوگئے ہیں کہ جب وہ عیش و آرام میں مشغول ہوں یا اپنی خواب گاہ میں مزے سے سو رہے ہوں اور یکا یک عذابِ الٰہی سے دوچار ہو کر ہلاک ہو جائیں، کیا انہیں اللہ ﷻ کی تدبیر سے بالکل بھی ڈر نہیں لگتا؟

آیت نمبر ۹۸: بے فکری اور غفلت کے نتیجے میں دن دیہاڑے بھی عذاب بھیج دیئے جانے کی تنبیہ ہے۔

علمی بات: جب عیش و آرام میں غافل پڑے ہوں یا دنیا کے کاروبار اور لہو و لعب میں مشغول ہوں اس وقت اللہ ﷻ کا عذاب ان کو دفعتاً آ گھیرے۔ اس بات سے یہ لوگ کیوں نڈر اور بے فکر ہو رہے ہیں۔ حالانکہ جن اسباب کی بنا پر گزشتہ اقوام پر عذاب آئے ہیں، وہ ان مشرکین مکہ میں بھی موجود ہیں یعنی کفر و تکذیب اختیار کرنا اور سید الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین A کے ساتھ دشمنی اور جنگ و جدال وغیرہ کرنا۔ یہ بات صرف کفار مکہ ہی کے لئے نہیں تھی بلکہ ہر وہ شخص جو کسی گناہ، بد عملی یا ظلم میں مشغول ہو اسے ان آیات کریمہ کو پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔

آیت نمبر ۹۹: دنیا کی تمام نافرمان قوموں اور رسول اللہ A کے دورِ نبوّت کے کفار کو تنبیہ ہے۔ اللہ ﷻ کی گرفت اور تدبیر سے بے فکر وہی ہوتے ہیں جنہوں نے خسارے میں جانے کا فیصلہ کر لیا ہو۔

علمی بات: لفظ "مَکر" کے معنی عربی زبان میں خفیہ تدبیر کے ہیں، یعنی کسی شخص کے خلاف ایسی چال چلنا کہ جب تک اس پر فیصلہ کن ضرب نہ پڑ جائے اس وقت تک اسے خبر نہ ہو کہ اس کی شامت آنے والی ہے، بلکہ ظاہر حالات کو دیکھتے ہوئے وہ یہی سمجھتا رہے کہ سب اچھا ہے۔

اللہ ﷻ وہاں سے پکڑتا ہے، جہاں سے کسی کو پکڑے جانے کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ اوپر تنبیہ کے بعد ڈھیل دینے کا جو قانون بیان ہوا، وہ اس تدبیر الٰہی ہی کی ایک مثال ہے۔ وہ قوم تو سمجھتی ہے کہ اب وہ فتح پا گئی، لیکن در حقیقت وہیں اس کی ہلاکت کا گہرا گڑھا ہوتا ہے۔

عملی پہلو: انسان کو غور و فکر کرنا چاہیئے کہ اللہ ﷻ کی تدبیر مخفی اور ناگہانی ہوا کرتی ہے۔ زلزلے کے اسباب شب و روز نشو نما پاتے رہتے ہیں۔ سیلاب ایک لمحہ کی شدید بارش ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ آتش فشاں پہاڑوں کا لاوا برسوں تک کھولتا رہتا ہے تب کہیں جا کر پھٹنے کے قابل ہوتا ہے، جب کہ اللہ ﷻ کے ہاں یہ سب تدبیریں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ انسانوں کو اس کا گمان بھی نہیں ہوتا کہ کوئی غیر معمولی بات ہونے والی ہے۔ اس لئے ہمیشہ اللہ ﷻ کے غضب سے بچنے کی فکر اور اللہ ﷻ کے عذاب سے پناہ طلب کرنی چاہیئے۔

آیت نمبر ۱۰۰: سابقہ اقوام کے حالات سے عبرت حاصل کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ظلم و زیادتی اور نافرمانی سے باز نہ آنے پر کفار و منکرین کے دلوں پر مہر لگا دی جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قبولِ حق کی صلاحیت سلب کر لی جاتی ہے اور وہ ہمیشہ حق کے انکاری رہتے ہیں۔

علمی بات: یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ کفار اپنے سر میں لگے ہوئے حسی کانوں سے سنتے تھے اور سنتے ہیں لیکن انہوں نے حق کو قبول نہ کیا اور اسے دل کے کانوں سے نہ سنا اور انہیں تسلیم کرنے اور حق پر ایمان لانے کی توفیق نہ ہوئی تو سنا ان سنا برابر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا سننا کہ اس کو قبول کریں اور نفع حاصل ہو ایسا نہیں سنتے اسی معنی میں ان کو "صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ" (بہرے، گونگے، اندھے ہیں) کہا گیا ہے۔

عملی پہلو: بنی نوع انسان کے لئے تنبیہ ہے کہ اس دنیا میں اللہ ﷻ کے عذاب سے ہمیشہ ڈرتے رہیں اور سابقہ قوموں کے انجام بد سے عبرت حاصل کریں۔ جس طرح اللہ ﷻ نے اُن کے گناہوں کی وجہ سے انہیں گرفت میں لے لیا، اسی طرح ممکن ہے اِن لوگوں کو بھی اللہ ﷻ اِن کے گناہ کی وجہ سے پکڑ لے اور ان کے دلوں پر مہر لگا دے جو اُن ہلاک کی گئی قوموں کے بعد آئے ہیں اور اسی سرزمین پر انہی کی طرح گناہ بھی کر رہے ہیں جس پر گذشتہ قومیں آباد تھیں۔

آیت نمبر ۱۰۱: جھٹلانے والوں کا بیان ہے کہ واضح دلائل لانے کے باوجود سابقہ اُمّتوں نے رسولوں کی تکذیب کی چنانچہ پتا چلا کہ جان بوجھ کر حق کو جھٹلانا انسان کو سخت دل اور ہدایت سے محروم کر دیتا ہے۔

علمی بات: اللہ ﷻ نے آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ قومِ نوح، قومِ عاد، قومِ ثمود، لوط علیہ السلام اور شعیب علیہ السلام کی قوموں کی یہ وہ اُجڑی ہوئی بستیاں ہیں جن کے کچھ حالات وواقعات ہم نے بیان کیئے ہیں۔ مشرکینِ مکہ کے تجارتی سفر کے راستے میں ان بستیوں کے آثار ونشانات ملتے ہیں۔ اللہ ﷻ نے اپنے رسولوں کو حق کے واضح دلائل دے کر ان کے پاس بھیجا، جنہوں نے اُن کو خوب سمجھایا مگر وہ لوگ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر توحید کو جھٹلاتے رہے اور اپنے کفر وانکار پر قائم رہے اور ایمان نہ لائے۔ اللہ ﷻ نے اِن کی تکذیب کی روش کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔ پھر ان میں نیکی قبول کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہی۔ اسی طرح آپ ﷺ کی قوم کے ایسے کافروں کے بارے میں بھی ہم نے طے کر دیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

آیت نمبر ۱۰۲: نافرمانوں کی اکثریت کا عہد کی پاسداری نہ کرنے کا ذکر ہے۔

علمی بات: مفسرین کرام نے اس عہد سے مختلف عہد مراد لیئے ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ اس عہد سے مراد وہ ازلی عہد یعنی عہد میثاق ہے جو آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت تمام ارواح سے لیا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو سب نے کہا کیوں نہیں۔ (سورۃ الاعراف ۷، آیت: ۱۷۲) اس وقت سب نے اقرار کیا تھا مگر دُنیا میں آکر اکثر نے فراموش کر دیا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ اس عہد سے مراد عہد ایمان ہے جیسا کہ قرآنِ حکیم میں فرمایا "کسی کو شفاعت کا اختیار نہ ہو گا سوائے اس کے جس نے رحمٰن سے عہد لیا ہو" (سورۃ مریم ۱۹، آیت: ۸۷) اس میں عہد سے عہدِ ایمان وطاعت مراد ہے۔

علمی و عملی پہلو: ان تمام قصص سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ان قوموں نے کس طرح بار بار اللہ ﷻ سے کیئے عہد وپیمان کو توڑا اور نتیجتاً ان کو سخت ترین سزائیں دی گئیں، تاکہ اس سے آپ ﷺ کو تسلّی ہو اور دوسری جانب مکہ والوں کے دل میں ڈر پیدا ہو، اور ان کو معلوم ہو کہ اگر ہم نے رسول اللہ ﷺ کا کہنا نہ مانا اور انکار کیا تو ہمارا بھی یہی حشر ہو گا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ حق کے ظہور کے بعد اوّلاً اکثریت کی جانب سے پُر زور مخالفت ہوتی ہے اور ابتداً حق کو قبول کرنے والے بہت تھوڑے لوگ ہوتے ہیں۔

مشقوں کے جوابات

سوال ۱: خالی جگہیں پُر کریں:

(۱) آیت: ۱۰ میں اللہ ﷻ کی نعمت معاش کی یاد دلائی گئی ہے۔

(۲) آیت: ۳۱ میں نماز کے حوالہ سے زینت اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

(۳) آیت: ۳۵ میں قیامت کے دن خوف اور غم سے محفوظ رہنے والوں کی صفات پرہیز گاری اختیار کرنا اور اعمال کی اصلاح کرنا بیان کی گئی ہیں۔

(۴) اللہ ﷻ کی آیات کا انکار کرنے والے اور تکبر کرنے والے جنّت میں نہیں جاسکتے اس کے لئے آیت: ۴۰ میں سوئی کے ناکہ سے اُونٹ کے گزر جانے کی مثال دی گئی ہے۔

(۵) آیت: ۵۱ کی روشنی میں روزِ قیامت اللہ ﷻ قیامت کے دن کی ملاقات کو بھلا دینے والے لوگوں کو نظر انداز کر دے گا۔

سوال ۲: مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجیے:

۱- پہلے رکوع میں کن لوگوں سے سوال کیئے جانے کا ذکر ہے؟ ان لوگوں اور سوالات کی وضاحت کریں۔

جن لوگوں کی طرف رسول بھیجے گئے ان سے سوال کیئے جانے کا ذکر ہے اور اُمّت سے جواب طلبی ہو گی کہ ان کی طرف رسول بھیجے گئے تھے کہ وہ اُنھیں اللہ ﷻ کا پیغام پہنچا دیں تو کیا تم نے اس پیغام کو قبول کیا۔

۲- پانچویں رکوع کی روشنی میں جواب دیجیے کہ قیامت کے دن بالآخر اصحابُ الاعراف کا کیا انجام ہو گا؟

اصحاب الاعراف اہل جنّت کو بھی جانتے ہوں گے اور اہل جہنّم کو بھی۔ ان کے اعمال ناموں میں نیکیاں اور بداعمالیاں برابر ہو جائیں گی جس کی وجہ سے اُنہیں جنّت یا جہنّم میں ڈالنے کا فیصلہ نہیں ہوا ہو گا اور اُنہیں اَعراف پر روکا گیا ہو گا، وہ کہیں گے اے پروردگار! ہمیں ظالموں کے ساتھ شامل نہ کرنا۔

۳- چھٹے رکوع میں اہل جہنّم کی اہل جنّت سے کس فریاد کا ذکر کیا گیا ہے نیز اہل جنّت ان کی فریاد کا کیا جواب دیں گے؟

اہل جہنّم اہل جنّت کو پکاریں گے کہ تھوڑا پانی ہم پر بہا دو یا اس رزق میں سے کچھ دے دو جو تمھیں اللہ ﷻ نے دیا ہے، لیکن اہل جنّت کہیں گے یہ دونوں چیزیں اللہ ﷻ نے کافروں پر حرام کر دی ہیں۔

۴- ساتویں رکوع میں اللہ ﷻ سے دُعا مانگنے کے کیا آداب سکھائے گئے ہیں؟

اللہ ﷻ کو جب پکارو تو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے دل میں پکارو یعنی رب کو عاجزی کے ساتھ پکارو ایک طرف خوف کا احساس بھی ہو کہ اللہ ﷻ کی پکڑ نہ آئے اور کہیں سزا نہ دے دے اور دوسری طرف اس کی رحمت کی اُمید بھی دل میں ہو اور اسی طرح اللہ ﷻ سے دُعا کرتے رہو۔

۵- بارہویں رکوع کی روشنی میں جواب دیجیے کہ اس میں ایمان اور تقویٰ کے کیا نتائج بیان کیئے گئے ہیں؟

اگر یہ بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو اللہ ﷻ ان پر آسمانوں اور زمین کی برکتیں کھول دیتا۔

سُوۡرَۃُ الۡاَعۡرَاف (حصّہ دوم)

نوٹ: سورۃ الاعراف کی آیت ۱۰۳ تا ۱۵۵ کی وضاحت رہنمائے اساتذہ مطالعہ قرآن حصّہ دوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصّہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

مقاصدِ مطالعہ اس سورت کے مطالعہ کے بعد طلبہ کو مندرجہ ذیل مضامین سے آگاہی حاصل ہونی چاہیئے:

1. آیات: ۱۵۶ تا ۱۶۲: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی بنیادیں، حضورِ اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی عالمگیر نبوت کا تذکرہ، بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا ذکر، انعامات خداوندی اور احکام الٰہیہ کا بیان۔
2. آیات: ۱۶۳ تا ۱۷۱: ہفتہ کے دن کے حکم کی خلاف ورزی کا بیان، نصیحت کرنے والوں کی نجات اور نافرمانوں پر عذاب کا ذکر، تورات میں تحریف کرنے اور رفع جبل کا واقعہ۔
3. آیات: ۱۷۲ تا ۱۷۸: روح اور اس کے تقاضے، عالم ارواح میں روح سے عہدِ الست لینے کا ذکر، روحانی تقاضوں کو پس پشت ڈالنے والوں اور ہدایت کے بعد گمراہی میں پڑنے والوں کا بیان اور اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے والوں کی مثال۔
4. آیات: ۱۷۹ تا ۱۸۳: حق کی تکذیب کرنے والے کا چوپایوں کی مانند ہونے کا ذکر، اسمائے حسنیٰ کے ساتھ دعا کرنے کا حکم، منکرین و مکذبین کو ڈھیل دینے کا ذکر اور نافرمانوں کے لئے مجرموں کے احوال سے عبرت حاصل کرنے کا بیان۔
5. آیات: ۱۸۴ تا ۱۸۸: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نذیر ہونے کا بیان، غور و فکر کی ترغیب اور سرکشی میں بھٹکنے والوں اور قیامت کے وقوع کے علم کا ذکر۔
6. آیات: ۱۸۹ تا ۱۹۸: تخلیق انسانی کا بیان، اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا ذکر، شرک کی حقیقت اور مذمت اور باطل معبودوں کی بے بسی کا تذکرہ۔
7. آیات: ۱۹۹ تا ۲۰۰: جاہلوں سے اعراض کا حکم، اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کی تلقین، مَکارم اخلاق کی تعلیم، دین کی تبلیغ کے آداب اور داعی دین کے اوصاف کا بیان۔
8. آیات: ۲۰۱ تا ۲۰۶: شیطانی وسوسوں سے بچنے کے لئے پرہیز گاروں کا اللہ تعالیٰ کی یاد میں مصروف رہنے کا بیان، نزولِ وحی کی تاخیر پر کفار کے تمسخر کا ذکر، قرآن سننے کے آداب، ذکر و دعا کی تلقین، بعض اہم آداب کا ذکر، مقرب فرشتوں کی تسبیح اور عبادت کا تذکرہ۔

آیت نمبر ۱۵۶: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اُمّت کے لئے دنیا و آخرت دونوں جگہ کی بھلائی مانگی ہے۔ "حَسَنَہ" بھلائی کو کہتے ہیں دنیا میں حسنہ کا وسیع مفہوم یہ ہے کہ بندے کو نیکی کی توفیق، رزق حلال اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت نصیب ہو جائے اور آخرت میں حسنہ سے مراد یہ ہے کہ بندے کو نجات، گناہوں کی معافی، جنت، اللہ تعالیٰ کی رضا اور دیدار نصیب ہو جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے یہ جواب دیا کہ جو سزا کا مستحق ہے اسی کو سزا ملتی ہے کسی کو بلاوجہ سزا نہیں دی جاتی۔

علمی بات: اللہ تعالیٰ کی رحمت و مہربانی ہر چیز سے زیادہ وسیع ہے اس عام رحمت کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی ایک خاص رحمت بھی ہے جو اس کے خاص بندوں پر نازل ہوتی ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت کے مستحق وہ لوگ ہوں گے جو درج ذیل شرائط پوری کریں: ۱۔ پرہیز گاری اختیار کریں۔ ۲۔ زکوٰۃ ادا کریں۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ کی تمام آیات اور احکامات پر ایمان رکھیں اور ان پر عمل کریں۔

آیت نمبر۱۵۷:۱۔ رحمت خاص کے اہل لوگوں کی صفات کا ذکر ہے۔ ۲۔رسول نبی A کی گزشتہ الہامی کتابوں میں موجود بشارات اور آپ A کے فرائضِ نبوّت کا بیان ہے۔ نیز سچے اُمتی اور نجات پانے والوں کی ذمہ داریوں کا تذکرہ ہے۔

علمی و عملی بات:۱۔رسول اللہ A کی اتباع کے حوالے سے آپ A کے تین کاموں کو نمایاں کیا گیا ہے۔ ۱۔ نیکی کا حکم دینا اور بُرائیوں سے روکنا۔ یہی اب اُمّتِ مسلمہ کی ذمہ داری ہے (سورۂ آل عمران ۳، آیت:۱۱۰)

۲۔ پاکیزہ چیزوں کو حلال کرنا اور خبیث چیزوں کو حرام ٹھہرانا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے (سورۃ الحشر ۵۹، آیت:۷)"اور رسول تمہیں جو کچھ دیں، وہ لے لو، اور جس چیز سے منع کریں اس سے رک جاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے"۔

۳۔انسانوں سے غلط عقائد، بُرے اعمال اور گزشتہ اُمّتوں کے بوجھ دور کرنا۔ اب یہ ذمہ داری اُمّتِ مسلمہ کے کاندھوں پر ہے کہ وہ اس ذمہ داری کا احساس کریں اور اس فریضۂ نیابت کو بخوبی نبھانے کی کوشش کریں۔

علمی بات:۲۔ بوجھ سے مراد وہ مشکل اور سخت احکام ہیں جن کا شرعی حکم پچھلی اُمّتوں کو تھا یا وہ بندشیں اور بے جا معاشرتی رسومات ہیں جو امتوں نے از خود اپنے اوپر عائد کرلی تھیں۔

علمی و عملی بات:۳۔ سچا اُمّتی بننے اور نجات پانے کے لئے چار کام لازمی ہیں:

۱۔رسول اللہ A پر ایمان لانا زبان سے بھی اور دل سے بھی اور اپنی جان سے بڑھ کر رسول اللہ A سے محبت کرنا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "ایمان والوں کے لئے یہ نبی (A) ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ قریب تر ہیں"۔ (سورۃ الاحزاب ۳۳، آیت:۶)

۲۔ رسول اللہ A کی تعظیم اور احترام کرنا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو (اپنے) نبی کی آواز پر بلند نہ کرو، اور نہ ان کے سامنے بلند آواز سے بولو، جیسے کہ تم ایک دوسرے سے بلند آواز سے بات کرتے ہو، ورنہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا۔(سورۃ الحجرات ۴۹، آیت نمبر:۲)

۳۔ خدمتِ دین کے مشن میں رسول اللہ A کی نصرت کرنا اور دعوت اور نفاذ دین کی جدوجہد کرنا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے اے ایمان والو! اللہ (کے دین) کے مددگار بن جاؤ، جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم رضی اللہ عنہما نے حواریوں سے کہا: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف میرے مددگار کون ہیں؟ حواریوں نے کہا: ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے (دین کے) مددگار ہیں۔ (سورۃ الصف ۶۱، آیت:۱۴)

۴۔ وحی جو رسول اللہ A پر نازل ہوئی خواہ متلو ہو یا غیر متلو اس کی پیروی کرنا یعنی قرآنِ حکیم کے حقوق مکمل طور پر ادا کرنا۔ اور سنّت رسول A کی پیروی کرنا۔

علمی بات:۴۔ نور سے مراد قرآنِ حکیم بھی ہے اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ کار یعنی سنّت نبوی A بھی۔ ان دونوں کی پیروی میں ہی نجات ہے۔

عملی پہلو: آپ A نے سخت محنت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قربانیوں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نصرت سے جزیرۂ نمائے عرب میں دین کو غالب کرکے اپنے مشن کی تکمیل کردی۔ آپ A کے بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں فتوحات زیادہ ہوتی گئیں اور اسلامی سلطنت کا دائرہ کار دور دور تک پھیل گیا۔ اُس کے بعد مسلمان اپنی بداعمالیوں کے سبب پستی اور زوال کا شکار ہوتے گئے اور آج دنیا میں کہیں بھی دین اسلام عملی طور پر غالب و نافذ نہیں ہے۔ لہٰذا اب دین کو ساری دنیا میں غالب کرنے کی جدوجہد کرنا اُمّت کی ذمہ داری ہے۔

علمی بات:۵۔ عرب کے محاورہ میں اُمّی اسے کہتے ہیں جس نے کسی مخلوق سے لکھنا پڑھنا نہ سیکھا ہو اور آپ A نے بھی کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے محض اپنے فضل و قدرت سے آپ A کو وہ علوم عطا فرمائے جو کسی کو نہیں دیئے۔ مخلوق میں آپ A سے بڑھ کر کوئی بھی صاحب علم نہیں

ہے اللہ ﷻ نے آپA کو جو علوم دیئے ان ہی میں سے وہ سب خبریں ہیں جو آپA نے عالم کی ابتدا سے لے کر جنّت میں داخل ہونے والے آخری شخص کے داخلے تک بتادیا اور اہلِ دوزخ کے احوال اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی اُمّتوں کے احوال اور واقعات بیان کیئے ایسے اُمّی پر کروڑوں اہلِ علم قربان۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ اُمّی ہونا آپ علیہ السلام کی ذاتِ گرامی کے لئے سراپا مدح اور خیر و خوبی کی بات ہے۔

علمی بات: ۶۔ اہلِ کتاب، بنی اسماعیل کے اندر ایک صاحب رسالت نبی کی بعثت کے بارے میں پہلے سے ہی واقف تھے اور اس کا چرچا ان کے ہاں برابر قائم رہا ہے۔ تورات و انجیل میں آپA کی آمد کا ذکر واضح طور پر موجود ہے۔

۲۔ بائبل میں یوحنا کی انجیل کی انتیسویں اور تیسویں آیت میں ہے کہ ”اور اب میں نے تم سے اس کے ہونے سے پہلے کہہ دیا ہے تاکہ جب ہو جائے تو تم یقین کرو اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا۔ کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں“۔

پھر اسی کتاب کے باب سولہ کی ساتویں آیت میں ہے۔ ”لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں گا تو وہ مدد گار تمہارے پاس نہ آئے گا اسی طرح تورات میں یوں ذکر ہے:” خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا، تم اس کی سننا اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں۔ میں ان کے لئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا “(استثنا باب ۱۸: ۱۵۔۱۹) ان پیشن گوئیوں پر غور کیجیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں آخری نبی ہیں ان کے بعد کوئی بنی اسرائیل میں نہیں آیا۔ پھر ان پیشن گوئیوں کا مصداق آنحضرت (A) کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟ یہ کس کا مرتبہ بیان ہوا ہے کہ وہ دنیا کا سردار ہے جو ابد تک لوگوں کے ساتھ رہے گا۔ جو شخص بھی ان پیشن گوئیوں پر انصاف اور غیر جانبداری کے ساتھ غور کرے گا وہ پکار اٹھے گا کہ یہ اگر کسی پر صادق آسکتی ہیں تو صرف نبی اُمّی اور رسولِ خاتم حضرت محمد مصطفیٰ A پر ہی صادق آسکتی ہیں۔

آیت نمبر ۱۵۸: نبی کریم A کی رسالت عالمگیر ہے۔ آپA کو اللہ ﷻ نے مبعوث فرمایا جو پوری کائنات کا مالک ہے۔ نجات اور فلاح کا واحد راستہ یہ ہے کہ اللہ ﷻ کی وحدانیت اور نبی کریم A کی رسالت کو تسلیم کر لیا جائے۔ رسول خود اللہ ﷻ اور اس کے کلمات یعنی تمام آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ نیز بتایا گیا ہے کہ ہدایت کے حصول کے لئے نبی کریمA کی اتباع لازمی ہے۔

عملی پہلو: اب قیامت تک ہدایت اور کامیابی کے حصول کی ممکن صورت یہ ہے کہ آپ A کی تعلیمات کی مکمل پیروی کی جائے اور قیامت تک آنے والے تمام انسانوں اور جنوں کی ذمہ داری ہے کہ آپ A پر ایمان لائیں اور یہ تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے کے مترادف ہے آنحضرتA کی نبوّت و رسالت تمام انسانوں اور جنّات کے لئے ہے لہٰذا سیدنا حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیینA کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔

آیت نمبر ۱۵۹: اس آیت میں گروہ کے دو مفہوم ہیں۔ بنی اسرائیل کے انصاف پسند افراد کا ذکر کیا گیا ہے۔

علمی بات: یہودیوں کو آنحضرتA پر ایمان لانے کی جو دعوت دی گئی اور اس سے پہلے ان کی بہت سی بد عنوانیاں بیان ہوئیں، اس سے یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ تمام بنی اسرائیل بد عنوانیوں کے مرتکب ہیں، اس لئے اب اللہ ﷻ نے یہ وضاحت فرمادی کہ سارے بنی اسرائیل ایک جیسے نہیں ہیں، اس میں وہ بنی اسرائیل بھی داخل ہیں جو آنحضرتA سے پہلے دینِ حق پر قائم رہے اور پھر آپA پر ایمان لائے، مثلاً حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

آیت نمبر۱۶۰: صحرائے سینا میں بنی اسرائیل کے بارہ قبائل پر کیئے گئے احسانات میں سے تین کا بیان ہے۔ ۱۔ اللہ ﷻ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چٹان پر لاٹھی ماری جس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ ۲۔ ان کے لئے بادلوں کو سائبان بنایا گیا۔ ۳۔ انہیں من و سلویٰ کی صورت میں خوراک فراہم کی گئی۔

بنی اسرائیل نے اللہ ﷻ کے ان احسانات کا شکر ادا کرنے کے بجائے اس کی نافرمانیاں شروع کر دیں اور تاکیدی حکم کے باوجود من و سلویٰ کو ذخیرہ کرنا اور دوسروں کو ان کے حق سے محروم کرنا شروع کر دیا پھر انہیں ان نافرمانیوں کی سزا خود ہی بھگتنا پڑی کہ اس سے محروم کر دیئے گئے۔

علمی بات: ۱۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی اولاد میں اللہ ﷻ نے بڑی برکت دی ان کی تعداد کثرت سے بڑھتی گئی، اور ان کی تعداد بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتی گئی، اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ انہیں مختلف جماعتوں میں تقسیم کر دیا جائے اور ہر جماعت کا ایک نگراں مقرر کر دیا جائے تاکہ ہر جماعت اپنے الگ نظم و نسق کے مطابق زندگی گزارے اللہ ﷻ کے احکام کی پابندی کرے، بنی اسرائیل پر اللہ ﷻ کا یہ ایک احسان تھا۔

تاریخی پہلو: یہ اس دور کے واقعات ہیں جب بنی اسرائیل کو چالیس سال کے طویل عرصہ کے لئے صحرائے سینا میں روک دیا گیا تھا کیونکہ ان لوگوں نے جہاد سے انکار کر کے انتہائی بُزدلی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس میدان میں دور تک کہیں پانی کا نام و نشان تک نظر نہ آتا تھا نہ کوئی کھانے پینے کی چیز ملتی تھی اور نہ کہیں کوئی سایہ یا مکان نظر آتا تھا جہاں جاکر وہ دھوپ سے پناہ لے سکیں گویا اللہ ﷻ نے ان کی ان ضروریات کا یوں اہتمام فرمایا کہ پورا چالیس سال کا عرصہ جب دھوپ تیز ہونے لگتی تو آسمان پر بادل چھا جاتے اور انہیں دھوپ سے بچاتے تھے پھر یہ کہ وہ برستے بھی نہیں تھے کہ بارش کی وجہ سے انہیں کہیں پناہ لینی پڑے، پینے کو پانی نہیں مل رہا تھا تو اللہ ﷻ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ چٹان پر اپنا عصا ماریں اس سے بارہ الگ الگ چشمے پھوٹ نکلے اور یہ چشمے بھی اس طویل مدّت میں بہتے ہی رہے ہر قبیلہ کو الگ الگ چشمہ پر اختیار اور قبضہ دیا گیا تاکہ ان میں پانی کی تقسیم پر جھگڑا نہ پیدا ہو، پھر کھانے کو من اور سلویٰ نازل فرمائے۔ نیز یہ کہ اس چالیس سال کے عرصہ میں بنی اسرائیل کی اپنی ہی تربیت کی جارہی تھی۔ تاکہ اس عرصہ میں اللہ ﷻ کے ان احسانات کا شکر ادا کرتے ہوئے صرف اسی کی عبادت بجالائیں اور ان سے وہ بزدلی دور ہو جو غلامی کی طویل زندگی میں ان کی رگوں میں رچ بس گئی تھی۔

علمی بات: ۲۔ "المَنّ" اہلِ لغت کی تحقیق میں ایک میٹھی میٹھی رطوبت (نرم شے) تھی۔ جو درختوں پر گرا کرتی تھی۔ المَنّ کے متعدد معنی بیان کیئے گئے ہیں، میٹھا گوند، شہد، شربت بہرحال اتنا یقینی ہے کہ کوئی لذیذ قدرتی غذا تھی جو بنی اسرائیل کو مسلسل مسافرت کے زمانہ میں، بلا مشقت و تھکاوٹ مل جاتی تھی۔

سلویٰ: یہ ایک پرندہ تھا جو بٹیر سے مشابہ تھا اللہ ﷻ بنی اسرائیل کے پاس خوب زیادہ تعداد میں پرندے بھیج دیتا تھا جو بنی اسرائیل کی قیام گاہوں کے آس پاس کثرت سے منڈلاتے رہتے اور کوئی انہیں پکڑنا چاہتا تو آسانی سے پکڑ لیتا۔

آیت نمبر۱۶۱: جب بنی اسرائیل نے مختلف سبزیوں کی فرمائش کی تو ان سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کسی شہر میں چلے جاؤ وہاں یہ سب کچھ دستیاب ہو جائے گا اور شہر جاتے ہوئے تواضع و انکساری کے حِطّۃ یعنی گناہوں کی معافی کی صدا لگاتے جانا۔

علمی بات: ایک قول کے مطابق یہ واقعہ حضرت یوشع علیہ السلام کے دور میں پیش آیا تھا۔ واضح رہے کہ بسا اوقات تاریخی ترتیب کو قرآنِ حکیم ملحوظ نہیں رکھتا ہے بلکہ اصل مقصود عبرت و موعظت کو پیشِ نظر رکھتا ہے۔

آیت نمبر ۱۶۲: بنی اسرائیل نے اللہ ﷻ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نافرمانی اختیار کی۔ اس نافرمانی کا یہ نتیجہ نکلا کہ ان پر عذاب مسلّط کر دیا گیا۔

علمی بات: چالیس سال صحرا میں بھٹکنے کے بعد جب یہ قوم فلسطین کی اس بستی اریحا (Jericho) میں داخل ہوئی تو اس نے تمام وعدوں اور اللہ ﷻ کے احکامات کو بھلا دیا اور تکبّر، سرکشی اور تمسخر کے ساتھ داخل ہوئے اور زبان پر توبہ کے کلمات کے بجائے دنیا طلبی کے کلمات جاری ہو گئے۔ تو پھر اللہ ﷻ نے ان پر "طاعون" جیسی بیماری کا عذاب مسلّط کر دیا جس سے لاتعداد بنی اسرائیل موت کا شکار ہوئے۔ بنی اسرائیل کی زندگی سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر وہ اپنے نبی کا کہا مانتے، اطاعت کرتے تو جس اللہ ﷻ نے صحرا میں کھانا، پانی اور سایہ عطا فرمایا، جس نے بغیر کسی جنگ کے ایک ملک عطا فرما دیا تھا تو وہ اللہ ﷻ ان کو اس سے بھی زیادہ نعمتوں سے نوازتا لیکن ان کی سرکشی انہیں لے ڈوبی اور وہ عبرتناک انجام سے دوچار ہوئے۔

آیت نمبر ۱۶۳: دورِ نبوی A کے یہود کو اصحاب سبت کے واقعہ کی یاد دہانی کرائی گئی۔ اس یاد دہانی کا مقصد یہ تھا کہ یہ واقعہ اللہ ﷻ کے رسول A کے علم میں ہے جو آپ A کی صداقت کی دلیل ہے۔ اصحابِ سبت وہ تھے جنہوں نے سبت یعنی ہفتے کے دن کے قانون کی خلاف ورزی کی۔ ان کا تعلق بنی اسرائیل کے ایک قبیلے سے تھا جو ایک دریا کے کنارے آباد تھا۔ اُن کے لئے ہفتے کا دن عبادت کے لئے مقرر تھا اور اس دن مچھلیوں کے شکار کی ممانعت تھی۔ بطور آزمائش اسی دن مچھلیاں کثرت سے آتیں اور پانی پر ظاہر ہوتیں۔ ان لوگوں نے حیلہ اختیار کر کے اللہ ﷻ کے حکم سے تجاوز کیا اور گڑھے کھود لئے تاکہ مچھلیاں اس میں پھنسی رہیں اور ہفتے کا دن گزرنے پر وہ انہیں پکڑ لیں۔ یہ ایک آزمائش تھی کیونکہ وہ اللہ ﷻ کی اطاعت سے کوتاہی کرتے تھے اور اللہ ﷻ کی حرمت کو توڑنے کے لئے مختلف طریقے اور حیلے بہانے ڈھونڈتے تھے۔

علمی بات: بنی اسرائیل کے آباؤ اجداد کی ناشکری اور سرکشی کے ایک واقعہ کا بیان ہے۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ احکامِ خداوندی سے جان بوجھ کر انحراف کرنا یہود کی پُرانی آبائی خصلت ہے جس کی سزا ان کو ملتی رہی۔ اسی لئے ان کی صورتوں کو مسخ کر کے بندر بنا دیا گیا جو انتہائی ذلّت اور عبرت ناک سزا تھی۔

آیت نمبر ۱۶۴: بستی میں رہنے والے تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے: ۱۔ ہفتے کے دن حیلہ کر کے مچھلی کا شکار کرنے والے۔ ۲۔ حیلہ سازی سے منع کرنے اور اللہ ﷻ کی نافرمانی سے مسلسل روکنے والے۔ ۳۔ وہ جو حیلہ تو نہیں کرتے تھے لیکن تبلیغ کر کے تھک چکے تھے اور اب حیلہ کرنے والوں کو منع بھی نہیں کرتے تھے۔ آیت میں تیسرے گروہ کا دوسرے گروہ کو وعظ و نصیحت سے روکنے کا بیان ہے۔ دوسرے گروہ کی طرف سے نہی عن المنکر کے فریضہ کو اختیار کرنے کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ: ۱۔ وہ اللہ ﷻ کے سامنے اپنا فریضہ ادا کر کے بری الذمہ ہو جائیں۔ ۲۔ شاید نافرمانی کرنے والے اللہ ﷻ سے ڈر کر خلاف ورزی ترک کر دیں اور توبہ کر کے پھر عذابِ الٰہی سے بچ جائیں۔

علمی بات: اُس بستی کے ایک گروہ نے اللہ ﷻ کے حکم کی مسلسل خلاف ورزی کی اور مختلف حیلوں بہانوں سے ہفتے کے دن مچھلی کا شکار جاری رکھا اور اللہ ﷻ کی قائم کردہ حرمت کو پامال کر دیا۔ اس وقت بنی اسرائیل کا وہ طبقہ جو نافرمانوں سے الگ اور لاتعلق تھا وہ نصیحت کرنے والوں سے کہتا تم ان لوگوں کو نصیحت کرتے ہو جو تمہاری نصیحت کا کوئی اثر نہیں لیتے اور بظاہر ایسا لگتا ہے کہ اللہ ﷻ ان کو ضرور سخت عذاب دے گا۔ ایسے لوگوں کو نصیحت کرنے سے کیا فائدہ۔ اس کے جواب میں منع کرنے والے لوگوں نے کہا کہ اللہ ﷻ نے نیکی کا حکم کرنا اور بُرائی سے روکنا ہم پر فرض کیا ہے۔ اسی لئے ہم

ان کو نصیحت کرتے ہیں کہ ہم اللہ ﷻ کے سامنے یہ کہہ سکیں کہ ہم نے اپنا فریضہ انجام دیا تھا نیز شاید وہ کسی وقت ہماری نصیحت کا اثر قبول کرتے ہوئے اپنی نافرمانی سے باز آجائیں اور توبہ کرلیں۔

عملی پہلو: مذکورہ واقعہ سے دو اہم ترین نکتے حاصل ہوئے ہیں، پہلا نکتہ یہ ہے کہ جب معاشرے میں نافرمانی کا دور دورہ ہو جائے تو ایک مسلمان کی ذمہ داری صرف یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو بچالے بلکہ دوسروں کو راہِ راست کی دعوت دینا بھی اس کی ذمہ داری ہے جس کے بغیر وہ مکمل طور پر بری الذمہ نہیں ہو سکتا، دوسرا نکتہ یہ ہے کہ حق کی دعوت دینے والے کو کبھی مایوس ہو کر نہیں بیٹھنا چاہیئے بلکہ پُر امید رہ کر پیغامِ حق پہنچاتے رہنا چاہیئے کہ شاید کوئی اللہ ﷻ کا بندہ بات سمجھ کر راہِ راست پر آجائے۔

آیت نمبر ۱۶۵: پھر جب انہوں نے اس نصیحت کو بھلا دیا جو ان کو کی گئی تھی اور وہ سرکشی میں حد سے بڑھ گئے تو اللہ ﷻ نے ان لوگوں کو تو بچالیا جو ان کو بُرائی سے روکتے تھے اور گناہ کا ارتکاب کرنے والے ظالموں کو ان کی نافرمانی کے سبب سخت عذاب میں پکڑ لیا۔

علمی بات: اللہ ﷻ کی نافرمانی کا ارتکاب کر کے اصحابِ سبت نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ نیک لوگوں کی نصیحت نہ ماننے اور حیلہ سے باز نہ آنے پر ان پر عذاب کا نزول ہوا۔ بہرحال بُرائی سے روکنے والے عذاب سے بچائے گئے۔ نجات کے لئے نیک بننے کے ساتھ اپنی استطاعت کے بقدر بھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا لازم ہے۔

فرمانِ نبوی A: "جو شخص تم میں سے کوئی بُرائی دیکھے تو اسے چاہیئے کہ اپنے ہاتھ (قوت) سے بدل دے اور اگر ایسا نہ کر سکے تو زبان سے روکے، یہ بھی نہ کر سکے تو دل میں ہی بُرا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے"۔ (صحیح مسلم، حدیث:49)

فرمانِ نبوی A: "تم لازماً نیکی کا حکم دوگے اور بدی سے روکوگے اور اگر ایسا نہ کیا تو تم پر اللہ ﷻ کا عذاب آئے گا۔ پھر تم دُعائیں کروگے اور تمہاری دُعائیں قبول نہ ہوں گی"۔ (جامع ترمذی، حدیث:2149)

آیت نمبر ۱۶۶: عذاب کے باوجود اصحابِ سبت کا حد سے گزرنے پر انجامِ بد کا بیان ہے۔ ان کو بندروں کی شکل میں تبدیل کر دیا گیا۔ کچھ وقت کے بعد وہ مر گئے۔ اس واقعہ کو موجودہ اور آئندہ آنے والوں کے لئے باعث عبرت بنا دیا گیا ہے۔

علمی بات: یہ لوگ اپنی سرکشی کی وجہ سے دنیا میں بندر بنا دیئے گئے اور بنی اسرائیل کو کہہ دیا گیا تھا کہ اگر تم نے نافرمانی اختیار کی تو اللہ ﷻ تمہیں ہمیشہ ذلیل ورسوا اور غیر اقوام کا محکوم رکھے گا۔

آیت نمبر ۱۶۷: بنی اسرائیل پر ان کی بداعمالیوں کی پہلی دنیاوی سزا کا بیان ہے۔ ان پر قیامت تک ایسے سخت گیر افراد مسلّط کئے جائیں گے۔ جو انہیں سخت عذاب میں مبتلا کرنے کے ساتھ اپنا محکوم بنا کر رکھیں گے۔ اللہ ﷻ کی ایک صفت شان تو یہ ہے کہ وہ عَزِیۡزٌ ذُو انۡتِقَام اور سَرِیۡعُ الۡعِقَاب ہے اور اس کی دوسری شان یہ ہے کہ وہ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡم ہے۔ اب یہ انسانوں کے طرزِ عمل پر منحصر ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس کی کس شان کا مستحق بناتے ہیں۔

علمی بات: دورِ نبوی A اور قیامت تک کے یہود کو تنبیہ کی گئی کہ توبہ کر کے اسلام قبول کرلیں تو ذلّت و رُسوائی سے بچ سکتے ہیں۔ کسی قوم پر ظالم حکمران کا تسلّط بھی اللہ ﷻ کا عذاب ہے جو اس قوم کی نافرمانیوں کی وجہ سے آتا ہے۔ قومِ یہود حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد سے آج تک محکوم بنی رہی ہے۔ کبھی یونانی، کشدانیوں اور کلدانیوں نے ان کو غلام بنایا، کبھی نصرانیوں کے زیر تسلّط رہے اور ان کو جزیہ وخراج دیتے رہے۔ تقریباً چودہ سو سال تک وہ مسلمان حکومتوں کو خراج (ٹیکس) ادا کرتے رہے۔ اب جو اسرائیل کے نام سے حکومت قائم ہے وہ یہودیوں کی حکومت نہیں ہے بلکہ حقیقت میں وہ امریکہ اور دیگر مغربی ممالک کی چھاؤنی ہے اور اس چھوٹے سے علاقے کے یہودی امریکہ اور مغربی ممالک کے سہارے سے زندہ ہیں اور امریکی

حکومت کے غلام ہیں۔ آخر کار وہ دجال کے مددگار بن کر نکلیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد مسلمان ان کو قتل کر دیں گے۔ یہ سب قربِ قیامت میں ہوگا۔ مسلمانوں کو اس میں ایک گونہ بشارت ہے کہ اگر آج بھی مسلمان اپنی منتشر جمعیت کو یکجا و باہمت بنالیں تو یہود کو زیر کرنا کچھ مشکل نہیں۔

آیت نمبر ۱۶۸: یہود کو ان کی بداعمالیوں کے نتیجے میں دنیا میں دی گئی دوسری سزا کا بیان ہے۔ ان کی آبادی دنیا کے مختلف حصوں میں منتشر کر کے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان کی جمعیت کو منتشر کر دیا۔ وہ دنیا کے مختلف ممالک میں بے بس اقلیت بن کر رہ گئے۔ ان میں سے بعض نیکوکار بھی ہیں۔ یعنی ان میں سے بعض تورات کے احکام پر کاربند رہنے والے ہیں اور بعض بدکار بھی ہیں۔ اسی طرح یہود کو خوشحالی اور تنگدستی دونوں حالتوں سے آزمائے جانے کا بیان بھی ہے۔ کہ ان کو راہِ راست پر لانے کے لئے ان کے ساتھ لطف و عنایت کا رویہ بھی اپنایا گیا اور ان سے شدت و سختی والا معاملہ بھی اختیار کیا گیا۔ ان کی آزمائش کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنی بداعمالیوں سے باز آکر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔

عملی پہلو: بنی اسرائیل نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کے بجائے خواہشاتِ نفسانی اختیار کی جس سے ان کی بھلائی کی طاقت و قوّت مفلوج ہو کر رہ گئی اور اپنے آپ کو اس دھوکے میں رکھا کہ ہماری بخشش کر دی جائے گی کہ ہم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے پیارے اور اس کے لاڈلے ہیں وغیرہ۔ یہی ان لوگوں کی من گھڑت امیدیں اور بے بنیاد آرزوئیں تھیں جنہوں نے ان کا بیڑا غرق کر کے رکھ دیا اور یہ ذلّت و رُسوائی کے ہولناک گڑھے میں جا پہنچے۔

آیت نمبر ۱۶۹: یہود کے علماء کا دنیا کے حقیر مال کے عوض دین فروشی کا بیان ہے کہ وہ تورات میں تحریف کے مرتکب تھے۔ انہوں نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے کئے گئے عہد کی پاسداری نہ کی۔ وہ طالبِ دنیا ہونے کے باوجود مغفرت کی امید رکھتے ہیں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف ناحق باتیں منسوب کرتے ہیں۔ اس کے برعکس دنیا کے مقابلے میں آخرت کو ترجیح دینے والوں کے لئے بشارت کا ذکر ہے۔

علمی بات: ایک زمانے میں بنی اسرائیل میں اچھے اور بُرے سب طرح کے لوگ تھے۔ پھر ان لوگوں کے بعد ان کے جانشین ایسے ناخلف لوگ بنے کہ وہ تورات کے وارث بننے کے باوجود محض تھوڑے سے دنیاوی فائدے کی خاطر اور اسے ہی سب کچھ سمجھتے ہوئے آخرت پر ترجیح دیتے رہے دنیا کے بدلے دین کو بیچ دیتے، تورات میں تحریف کر کے، غلط مسئلہ اور غلط حکم بتادیتے چنانچہ اس طرح انہوں نے تھوڑے سے دنیاوی فائدے کے لئے اپنی آخرت خراب کر ڈالی۔ وہ بخشش کی آرزو تو رکھتے مگر گناہوں کو نہیں چھوڑتے اور نہ توبہ پر قائم رہتے۔

عملی پہلو: جب کسی قوم کے ذمہ دار اور تعلیم یافتہ طبقہ کی اخلاقی پستی اور دنیا کی مادہ پرستی کا یہ حال ہو تو ان کے عوام کی حالت کیسی ہو گی۔ اُمّتِ مسلمہ کے اہلِ علم حضرات کو اپنی اولاد کی دینی تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیئے۔ کہیں ان کی اولاد بھی ان روحانی بیماریوں میں مبتلا نہ ہو جائے جن میں بنی اسرائیل کی اولاد مبتلا ہو گئی اور نتیجتاً اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے غضب کا شکار ہو کر اپنی آخرت تباہ و برباد کر ڈالی۔

آیت نمبر ۱۷۰: اس آیت میں نافرمانوں کے بعد نیک لوگوں کی تین صفات کا بیان ہے: ۱۔ وہ کتاب اللہ کے حقوق ادا کرتے ہیں۔ ۲۔ نماز قائم کرتے ہیں۔ ۳۔ اپنی اصلاح کے ساتھ دوسروں کی اصلاح کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ ان صفات کے حامل بندوں کا اجر ضائع نہیں کیا جاتا۔

عملی بات: اگر کوئی شخص احکامِ الٰہی پر کاربند ہے تو اس کے آباؤ و اجداد کے اعمالِ بد کی وجہ سے اس کے اعمال غارت نہیں کئے جائیں گے بلکہ اس کو ان اعمالِ خیر کا اجرِ عظیم عطا فرمایا جائے گا۔ مفسرین کرام کی ایک رائے کے مطابق ان سے حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے اہلِ کتاب مؤمنین ساتھی مراد ہیں جو تورات پر بھی ایمان لائے تھے اور تورات میں انہوں نے اس طرح کی تحریف نہیں کی تھی اور نہ اس کے احکام کو بگاڑ کر کمائی کا ذریعہ بنایا تھا بلکہ خالص تورات پر عمل کرتے تھے پھر حضور اقدس A کی بعثت ہوئی تو آپ A پر بھی ایمان لائے اور آپ A کی اتباع کی۔

علمی و عملی بات: کتاب سے مراد وہی کتاب ہے جس کا ذکر پہلے آچکا ہے یعنی تورات اور یہ بھی ممکن ہے کہ تمام آسمانی کتب تورات، زبور، انجیل، قرآنِ حکیم سب مراد ہوں۔ اللہ ﷻ کی کتاب کو صرف تبرک اور تعظیم کے ساتھ رکھ لینا کافی نہیں ہوتا بلکہ اس کے احکام کی پابندی بھی لازم ہے۔ کتابُ اللہ کے احکام میں سب سے زیادہ اہم اور افضل واعلیٰ نماز ہے نیز یہ کہ نماز کی پابندی احکام الٰہیہ پر کاربند ہونے کی خاص نشانی ہے کہ اس کے ذریعے فرماں بردار اور نافرمانوں کی پہچان ہوتی ہے اور اس کی پابندی میں یہ خاصیت ہے کہ جو نماز کا پابند ہو گیا اس کے لئے دوسرے احکام خداوندی کی پابندی بھی سہل ہو جاتی ہے۔

آیت نمبر ۱۷۱: بنی اسرائیل سے لئے گئے ایک خاص وعدے کا ذکر ہے جو ان سے اس وقت لیا گیا جب طور پہاڑ کو زمین سے اٹھا کر ان کے سروں پر معلق کر دیا گیا تھا۔ اور اسی کیفیت و حالت میں ان سے پوری شریعت پر عمل کرنے کا عہد لیا گیا۔

علمی بات: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فریضۂ تبلیغ سے متعلق اللہ ﷻ کا حکم سنایا اور انہیں تورات کو قبول کرنے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا تو بنی اسرائیل کو یہ بات گراں گزری۔ چنانچہ انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ اس کتاب میں دیئے ہوئے احکام سخت اور دشوار ہیں اس لئے ہم سے اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔ اس پر فرشتوں نے اللہ ﷻ کے حکم سے کوہ طور کے ایک حصے کو اٹھا کر سائبان کی طرح ان کے سروں پر معلّق کر دیا۔ پھر ان سے کہا گیا کہ اگر تم تورات کے احکام کو نہیں مانو گے تو یہ پہاڑ تمہارے سروں پر گرا دیا جائے گا۔ جب انہیں یقین ہو گیا کہ پہاڑ اب ان پر گر ہی جائے گا، تب انہوں نے تورات اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا عہد کیا۔

فکری بات: دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے" (سورۃ البقرۃ ۲، آیت:۲۵۶) کا تعلق غیر مسلموں سے ہے کہ ان کو بالجبر مسلمان نہیں بنایا جائے گا اور بنی اسرائیل کے اس واقعہ میں کسی کو اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا گیا بلکہ ان لوگوں نے مسلمان ہونے کے باوجود تورات کے احکام کی پابندی سے انکار کر دیا، اس لئے ان سے جبراً پابندی کا عہد لینا لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ میں شامل نہ ہو گا۔

علمی بات: حضور نبی کریم A کے زمانے کے یہود آنحضرت A کی نبوّت تسلیم کرنے میں جو پس و پیش سے کام لیتے تھے ان کو اللہ ﷻ نے یہ بات یاد دلائی ہے کہ جس تورات پر عمل کرنے کا عہد تمہارے بڑوں سے لیا جا چکا ہے اسی تورات میں نبی آخر الزمان A کے اوصاف اور ان پر ایمان لانے کا عہد موجود ہے چنانچہ تورات کا عہد یاد رکھ کر اور اس کے مطابق عمل پیرا رہنا چاہیئے اور بدعہدی کے وبال سے ڈرنا چاہیئے۔

آیت نمبر ۱۷۲: اس آیت میں قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں کی روحوں سے لئے گئے "عہدِ الست" کا بیان ہے۔ جس میں اللہ ﷻ نے اپنے رب ہونے کا عہد لیا تھا۔ تمام روحوں نے اللہ ﷻ کے سامنے اپنے رب ہونے کا اقرار کیا۔ یہ عہد لینے کی وجہ یہ تھی کہ تمام انسانوں پر اللہ ﷻ کی طرف سے اِتمامِ حجّت ہو جائے تاکہ وہ قیامت کے دن کا انکار نہ کر سکیں کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے۔

علمی بات: یہی عہد روزِ قیامت مؤاخذہ کی اصل بنیاد ہے کہ ان کو انکار کا موقع نہ مل سکے گا کہ جس کی وجہ سے وہ اپنی حجت قائم کر سکیں نیز اس سے یہ فائدہ بھی ہوا کہ اسی عہد کی بنیاد پر توحید کی معرفت ہر انسان کے باطن میں رکھ دی گئی ہے۔

فرمانِ نبوی A: ہر پیدا ہونے والا بچہ دینِ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ (صحیح بخاری)

حدیثِ قدسی ہے اللہ ﷻ فرماتا ہے میں نے اپنے بندوں کو حنیف (اللہ ﷻ کی طرف یکسوئی سے متوجہ ہونے والا) پیدا کیا ہے۔ پس شیطان ان کو ان کے دین (فطرت) سے گمراہ کر دیتا ہے۔ (صحیح مسلم)

آیت نمبر ۱۷۳: "عہدِ الست" کی دوسری وجہ کا بیان ہے کہ انسان اپنے آباؤاجداد پر اپنی گمراہی کی ذمہ داری ڈال کر خود بری الذمّہ نہ ہو جائے۔

علمی بات: ۱۔ دنیا میں اس عہد کی یاد دہانی انبیاء کرام علیہم السلام اور آسمانی کتب کے ذریعے کرادی گئی۔ ہر شخص سے یہ عہد انفرادی طور پر لیا گیا تھا تاکہ وہ یہ نہ کہہ سکے کہ اصل میں مشرک یا قصوروار تو ہمارے آباؤاجداد تھے اور ہمیں محض ان کی اولاد ہونے کی سزا کیوں دی جارہی ہے؟

علمی بات: ۲۔ متعدد احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے موقع پر پیش آیا تھا۔ اس وقت جس طرح فرشتوں کو جمع کرکے انسان اوّل آدم علیہ السلام کو سجدہ کرایا گیا تھا اور زمین پر انسان کی خلافت کا اعلان کیا گیا تھا، اسی طرح پوری نسل آدم کو بھی، جو قیامت تک پیدا ہوگی، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بیک وقت وجود اور شعور بخش کر اپنے سامنے حاضر کیا تھا اور ان سے اپنی ربوبیت کی شہادت لی تھی۔

آیت نمبر ۱۷۴: آیات کا اطلاق احکام، دلائل اور معجزات سب پر ہوتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی آیات پر غور کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ربوبیت کا اعتراف کرے اور یہ اعتراف اسے اطاعت باری تعالیٰ پر آمادہ کرے۔ آیات کے واضح بیان کے باوجود شرک اور کفر میں مبتلا ہونے والا خود مجرم ہے۔ آخرت میں ایسے شخص کا کوئی عذر قبول نہیں ہوگا۔

آیت نمبر ۱۷۵: اس آیت میں ایک ایسے شخص کا ذکر ہے جس کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی آیات کا علم عطا فرمایا تھا۔ وہ شخص دنیا کی محبت میں ڈوب گیا اور خواہشات کی پیروی میں لگ گیا۔ چنانچہ آیاتِ الٰہی کو فراموش کرنے اور ذکرِ الٰہی سے غفلت برتنے کی وجہ سے شیطان اس پر مسلّط ہوگیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "جو رحمٰن کے ذکر سے غافل ہوتا ہے اس پر شیطان مسلّط کردیا جاتا ہے۔" (سورۃ الزخرف ۴۳، آیت: ۳۶) بالآخر اس کا انجام گمراہی کی صورت میں سامنے آیا۔

عملی بات: اِنسَلَخَ "کھال اتارنا" سانپ کا اپنی پرانی کھال (خول، کینچلی) کو اتار دینا عربی میں اِنْسَلَخَتِ الْحَیَّةُ مِنْ جِلْدِھَا کہلاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جس طرح سانپ اپنی پہلی کھال کو اتار پھینکتا ہے اسی طرح اس شخص نے بھی ان آیات وہدایات کو اتار کر پھینک دیا اور اس کی جگہ گمراہی اور ضلالت کا لباس اوڑھ لیا۔ "اَتْبَعَ" کا معنی ہے کسی کے پیچھے لگنا۔ جب انسان دانستہ آیاتِ ربانی کو فراموش کرتا ہے اور انہیں پس پشت ڈال دیتا ہے تو شیطان اس پر مسلّط ہوجاتا ہے اور ہر لمحہ اس کے دل میں وسوسہ اندازی کرنے لگتا ہے۔ نتیجتاً وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نافرمانی کرکے باغی بن جاتا ہے۔

آیت نمبر ۱۷۶: ہر شخص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی آیات پر ایمان لاکر اور ان کی قدر کرکے اور احکام الٰہی کی پیروی سے بڑا رتبہ حاصل کرسکتا ہے۔ مگر بسا اوقات انسان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی آیات کو جانتے ہوئے بھی ان کی قدردانی نہیں کرتا اور محض دنیاوی مفادات کی خاطر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا نافرمان بن جاتا ہے۔ زمین کی طرف مائل ہونے سے مراد مادی مفادات ہی میں کھو جاتا ہے چنانچہ مذکورہ آیت میں ذکر کردہ شخص اپنی خواہشاتِ نفس کی لالچ میں اس انتہا کو پہنچ گیا کہ اسے کتے سے تشبیہ دی گئی۔ "یلھث" تھکاوٹ یا پیاس وغیرہ کی وجہ سے زبان باہر نکال کر ہانپنے کو کہتے ہیں۔ کتا ہر وقت ہانپتا رہتا ہے۔ حرص ولالچ میں اس کی زبان لٹکتی اور رال ٹپکتی رہتی ہے۔ اسی طرح شیطان کی پیروی کرنے والا شخص دنیا کی لالچ میں مبتلا ہوکر حلال وحرام کی تمیز کھو دیتا ہے۔ آیات کو جھٹلانا قول وفعل دونوں طرح سے ہوتا ہے۔ یہود نے تورات کو عملی طور پر جھٹلایا۔ ان کے لئے گدھے کی مثال بیان ہوئی۔ (سورۃ الجمعہ ۶۲، آیت: ۱۰) ان واقعات کے بیان کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے کیے گئے عہد کو توڑنے کا انجام یاد رکھیں اور اس واقعہ سے عبرت حاصل کریں۔

عملی پہلو: ۱۔ یہ خستہ حالی، پریشانی اور ہر وقت کا اضطراب منکرین حق کے کسی ایک فرد کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ جو بھی حق کو حق پہچانتے ہوئے اس سے روگردانی کرتا ہے اس کا یہی حال ہوتا ہے۔ اس چیز کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ غفلت کے مارے ہوش میں آئیں اور عبرت ونصیحت حاصل کریں۔

۲۔ نفس کا بندہ بہت کچھ مل جانے کے باوجود بھی خواہشاتِ نفس کی ایک دنیا دل میں لیے زبان لٹکائے، ہانپتا رہتا ہے۔ ساری دنیا کو وہ بس حرص ہی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ایک کتا پورے مردار جانور سے صرف اپنا حصّہ لینے پر اکتفا نہ کرے گا بلکہ اسے صرف اپنے ہی لئے خاص کرنا چاہے گا اور کسی دوسرے کتے کو اس کے پاس نہ بھٹکنے دے گا۔ الغرض تشبیہ کا مُدعا یہ ہے کہ دنیا پرست آدمی جب علم اور ایمان کی رسّی توڑ کر بھاگتا ہے اور نفس کی اندھی خواہشات کو پورا کرنے میں لگ جاتا ہے تو پھر کتے کی حالت کو پہنچے بغیر نہیں رہتا۔

۳۔ حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ مثال تمام کفار اور معاندین ومکذبین پر صادق آتی ہے جو حق واضح ہو جانے کے بعد بھی احکامِ الٰہیہ چھوڑ کر کتے کی طرح دنیا کی حرص و طمع میں پڑے رہے اور خَسِرَ الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃ یعنی دنیا و آخرت کی بربادی کا مصداق ٹھہرتے ہیں۔ اس واقعہ میں اہلِ علم کے لئے بالخصوص اور دیگر لوگوں کے لئے بالعموم تنبیہ اور مقامِ عبرت ہے کہ جس کو اللہ ﷻ علم کے نور اور ہدایت سے نوازے تو وہ نفسانی خواہش کی ہرگز اتباع نہ کرے اس میں یہ سبق مقصد ہے کہ جس شخص کو اللہ ﷻ نے علم وعبادت کے شرف سے نوازا ہو اس کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ احتیاط اور تقویٰ سے کام لینا چاہیئے اور اللہ ﷻ کی پناہ طلب کرتے رہنا چاہیئے۔

لمحہ فکریہ! یہ حقیقت ہے کہ امت قرآنِ حکیم کے احکام اور نبی کریم A کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دینے کی وجہ سے زوال کا شکار ہے اللہ ﷻ اور اُس کے رسول A کے احکامات پر انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر عمل کرنے سے ہی دنیا اور آخرت کی بھلائیاں میسر آئیں گی اور پستی بلندی میں اور کمزوری قوت میں بدل جائیگی۔

آیت نمبر۱۷۷: اللہ ﷻ کی آیات کو جھٹلانے والوں کے لئے کتے کی مثال سب سے بُری مثال ہے۔ یہ مثال فقط ایک شخص کی نہیں بلکہ پوری قوم کے لئے بھی دی گئی ہے مثلاً مشرکینِ مکہ یا بنی اسرائیل۔ ایسے لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ وہ اللہ ﷻ کا کوئی نقصان نہیں کرسکتے۔

علمی بات: اس قصّہ میں یہودیوں کے لئے خصوصی طور پر نصیحت اور عبرت حاصل کرنے کا موقع ہے کیونکہ انہیں بنی اسرائیل کے پرانے واقعات معلوم تھے اور اس میں مشرکینِ مکہ کے لئے بھی سامانِ عبرت اور نصیحت ہے اور یہ واقعات آنحضرت A کو کسی انسان نے نہیں بتائے بلکہ اللہ ﷻ نے آپ A کو وحی الٰہی کے ذریعے بتائے ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ یہود کے ساتھ ساتھ مشرکین مکہ کو بھی ایمان لانے کی طرف یہ واقعات متوجہ کررہے ہیں جو کہ آپ A کی دعوت کا عین منشاء ہے۔

آیت نمبر۱۷۸: ہدایت یافتہ کو "واحد" اور گمراہی اختیار کرنے والوں کے لئے "جمع" کے صیغوں کا استعمال کرنے میں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہدایت کا راستہ صرف ایک ہی دین حق ہے، جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر آنحضرت A تک تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا طریقہ رہا ہے۔ اس لئے حق کی پیروی کرنے والے خواہ کسی زمانے کے ہوں، کسی بھی نبی کی اُمّت ہوں، وہ سب ایک ہیں اس کے برعکس گمراہی کے مختلف اور بے شمار راستے ہیں کیونکہ اس کے اسباب بے شمار ہیں۔

علمی بات: یہاں نبی کریم A کے لئے تسلّی واطمینان اور قریش کے لئے وعید ہے کہ ہدایت وضلالت کے معاملے میں اللہ ﷻ کا ایک قانون ہے۔ اس کے تحت ہدایت انہی کو ملتی ہے جو اس کے سچّے طالب ہوتے ہیں اور جو خواہشاتِ نفس کی غلامی اختیار کرلیتے ہیں، وہ گم راہی کے لئے چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ اُنہیں کبھی راہ ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔

علمی پہلو: کسی شخص کو اپنی علمی قابلیت اور فضیلت پر نازاں نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ عقل و فکر کی بُرائی سے بچنے اور سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق کے لئے اللہ ﷻ سے دُعا بھی کرتے رہنا چاہیئے۔ کیونکہ شیطان علم کی راہ سے بھی انسانوں کو گمراہ کرسکتا ہے۔

آیت نمبر۱۷۹: جنّات اور انسانوں کی اکثریت جہنّم میں جانے کی روش پر کاربند رہتی ہے گویا جہنّم کے لئے پیدا ہوئی ہے۔ ایسے لوگ اللہ ﷻ کی نعمتوں کو صحیح طور پر استعمال نہیں کرتے۔ ان کے دل معنوی اعتبار سے مردہ، نگاہیں عبرت حاصل کرنے سے قاصر اور کان حق سننے سے محروم ہیں۔ ایسے لوگوں کو چوپایوں سے بدتر کہا گیا ہے کیونکہ پالتو چوپائے بھی اپنے مالک کی خواہش کو اپنی خواہش پر مقدم رکھتے ہیں۔

علمی بات: ایسے لوگ جہنّم کا ایندھن اس لئے بنائے گئے کہ دعوتِ حق کو سمجھنے، پیغامِ ہدایت کو سننے اور اس کے روشن شواہد کو دیکھنے کی جو صلاحیتیں انہیں عطا فرمائی گئی تھیں انہوں نے انہیں بیکار کر کے چھوڑ دیا اور بے عقل چوپایوں کی طرح ہو کر رہ گئے۔ جس طرح ان چوپایوں کی ساری قوتیں کھانے پینے اور خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل میں صرف ہوتی ہیں اسی طرح ان انسان نما حیوانوں کا مقصد بھی یہی ہے کہ اچھا کھائیں اور دوسری لذّتوں سے لطف اندوز ہوں۔ زندگی کا کوئی اعلیٰ مقصد پیش نظر نہیں بلکہ بعض حالات میں تو یہ حیوانوں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ وہ حیوانات بے عقل و نا سمجھ ہونے کے باوجود اپنے مالک کی خدمت گزاری سے منہ نہیں موڑتے اور اس کے بلانے پر بھاگے چلے آتے ہیں۔ مگر ان لوگوں کو تو یاد تک نہیں کہ ہمارا بھی کوئی خالق و مالک ہے اس لحاظ سے تو یہ حیوانوں سے بھی بدرجہا بدتر ہیں۔

آیت نمبر۱۸۰: اسمائے حسنیٰ سے مراد اللہ ﷻ کے مبارک نام ہیں جن سے اللہ ﷻ کی صفات، عظمت اور اس کی قدرت کا اظہار ہوتا ہے۔ اسمائے حسنیٰ کے حوالے سے دو ہدایات دی گئی ہیں: ۱۔ مشکلات و حاجات کے لئے اللہ ﷻ کو پکارا جائے۔ ۲۔ ان ہی ناموں سے اللہ ﷻ کو پکارا جائے جو بتائے گئے ہیں۔

نیز اللہ ﷻ کے ناموں میں ٹیڑھ اختیار کرنے والوں سے تعلق رکھنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ ٹیڑھ اختیار کرنے کی تین صورتیں: ۱۔ اللہ ﷻ کے ناموں میں تبدیلی کرنا۔ ۲۔ اللہ ﷻ کے ناموں میں اضافہ کرنا یعنی ایسے نام گھڑ لینا جن کی اجازت نہیں۔ ۳۔ اللہ ﷻ کے ناموں کا غلط استعمال کرنا۔

علمی و عملی بات: ۱۔ غافلین کے ذکر کے بعد مؤمنین کو بتایا گیا ہے کہ تم غفلت اختیار نہ کرنا، غفلت دور کرنے والی چیز اللہ ﷻ کا ذکر ہے۔ پس تم اس کو اچھے ناموں اور اچھی صفات سے یاد کرو۔ اچھے ناموں سے مراد وہ نام ہیں جو صفات اور کمال کے اعلیٰ درجے پر دلالت کرنے والے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کسی صفت اور کمال کا اعلیٰ درجہ جس سے اوپر کوئی اور درجہ نہ ہو وہ صرف خالق کائنات ہی کو حاصل ہے۔ اسمائے حسنیٰ اللہ ﷻ ہی کی ذات کے ساتھ خاص ہیں تو اس کو انہی اسماء حسنیٰ کے ساتھ پکارنا ضروری ہے۔ یہ ہدایت بھی دی گئی ہے کہ جو لوگ اللہ ﷻ کے اسماء حسنیٰ میں تحریف و کج روی یعنی ٹیڑھ سے کام لیتے ہیں اور غلط راہ اختیار کرتے ہیں، آپ ایسے لوگوں سے قطع تعلق کر لیں اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ بہت جلد ان کو اللہ ﷻ کے اسماء و صفات میں کج روی کی سزا مل جائے گی۔

علمی بات: ۲۔ لغت میں الحاد کے معنی ہیں کسی ایک طرف مائل ہونا، اللہ ﷻ کے اسماء میں الحاد کرنا تین قسم پر ہے: ۱۔ اللہ ﷻ کے اسماء مقدّسہ کا غیر اللہ پر اطلاق کیا جائے جیسا کہ کفار نے اپنے بتوں پر اللہ ﷻ کے ناموں کا ان میں تصرّف کر کے اطلاق کیا۔ مثلاً انہوں نے لفظ اللہ ﷻ سے ہی ایک بت کا نام لات بنایا۔ (معاذ اللہ)

۲۔ اللہ ﷻ کا ایسا نام رکھنا جو اس کے حق میں جائز نہیں ہے جیسے عیسائی اللہ ﷻ کو "ابو المسیح" یعنی مسیح کا باپ کہتے ہیں۔ (نعوذ باللہ) ۳۔ بندہ اپنے رب کا ایسے الفاظ کے ساتھ ذکر کرے جس کا معنی وہ نہیں جانتا، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی ایسے لفظ کا ذکر کرے جس کا معنی اللہ ﷻ کی شانِ عالی کے لائق نہیں ہے اسی طرح اسماء الٰہیہ کو سحر وغیرہ کے لئے استعمال کرنا بھی الحاد کے طریقوں میں شامل ہے۔

آیت نمبر۱۸۱: ایک رائے یہ ہے کہ اس گروہ سے مراد نبی کریم A کی اُمّت ہے جس کا اصل مصداق حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اور پھر وہ لوگ جو ان کے نقشِ قدم پر چلیں۔ ہر امت میں ایک گروہ حق پر قائم رہتا ہے خواہ اس کی تعداد کتنی ہی کم ہو۔ یہی الفاظ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے بارے میں

آئے تھے۔(سورۃ الاعراف ۷: آیت ۱۵۹) ''اور موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم میں ایک گروہ (ایسا بھی) ہے وہ حق کے ساتھ رہنمائی کرتے ہیں اور اسی کے مطابق انصاف کرتے ہیں۔''عدل پر قائم اس گروہ کی دوصفات کا بیان ہے: ۱۔ خود بھی شریعت کی اتباع کرتے ہیں۔

۲۔ اگر کبھی جھگڑا پیش آئے تو اس کا فیصلہ شریعت کے قانون کے مطابق کرتے ہیں۔

عملی بات: اُمّتِ محمدیہ نے ہر قسم کی افراط و تفریط اور کج روی سے علیحدہ ہو کر سچائی اور انصاف و اعتدال کا طریقہ اختیار کیا اور وہ اسی کی لوگوں کو دعوت دیتی ہے۔ اگر ان میں آپس میں کوئی تنازع پیدا ہو جائے تو وہ اپنے جھگڑوں اور غیروں کے معاملات کا فیصلہ عدل و انصاف کے ساتھ کرتی ہے۔

آیت نمبر ۱۸۲: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی آیات سے مراد احکام، معجزات اور دلائل ہیں۔ ''اِسۡتِدۡرَاج'' کا معنی درجہ بدرجہ یا آہستہ آہستہ آگے بڑھنا ہے۔ آیات سے اعراض کرنے والوں کو دنیاوی مال و اسباب میں بڑھنے کی ڈھیل دی جاتی ہے۔ ان کی یکدم گرفت نہیں کی جاتی۔ ان کی توقع کے برخلاف ایسے موقع پر ان کی گرفت کی جاتی ہے کہ ان کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ایسے لوگوں کو دنیاوی نعمتوں سے خوب نوازتا ہے جب وہ ان نعمتوں میں خوب مست ہو جاتے ہیں تب یک لخت پکڑتا ہے اور غفلت کی حالت میں ان کو ہلاک کر دیتا ہے۔

علمی بات: ضروری نہیں کہ جو لوگ دنیا میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ فوراً ان کا مواخذہ کرے اور نہ یہ کوئی معیار ہے کہ جس شخص پر دنیا میں مال، رزق اور صحت وغیرہ کے اعتبار سے تنگی و سختی ہے تو وہ عتابِ الٰہی میں گرفتار اور جو خوشحال ہے وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نزدیک محبوب ہے۔ بلکہ جو لوگ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کے کفر و گناہ اور تکذیب کے باوجود ان کو ہر قسم کی نعمتوں اور آسائشوں میں رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ عیش و عشرت میں مست اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی سزا سے بے فکر ہو جاتے ہیں اور جرائم کے ارتکاب پر زیادہ دلیر ہو جاتے ہیں تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کو دفعتاً ایسی ناگہانی بلا میں گرفتار کر دیتا ہے جس کی ان کو خبر بھی نہیں ہوتی۔

آیت نمبر ۱۸۳: گزشتہ آیت میں نافرمانوں کے حوالے سے ''اِسۡتِدۡرَاج'' کا ذکر تھا۔ اب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے والوں کو مہلت دیئے جانے کا بیان ہے۔ یہ مہلت افراد اور اقوام کو بطور امتحان دی جاتی ہے۔ مواخذہ کا وقت آنے پر انہیں ان کے انجام سے دوچار کر دیا جاتا ہے۔ اس وقت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی گرفت سے کوئی نہیں بچ پاتا کیوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تدبیر بڑی مضبوط ہوتی ہے۔

علمی بات: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی سنّت یہ ہے کہ وہ مجرم لوگوں پر سرزنش اور تنبیہ کے طور پر پہلے چھوٹے چھوٹے دکھ اور تکلیفیں نازل فرماتا ہے اگر لوگ ان سے عبرت حاصل کر لیں تو خیر ورنہ انہیں ایک دوسرے طریقے سے آزماتا ہے۔ یعنی ان پر خوش حالی اور آسودگی کا دور آتا ہے جس میں وہ ایسے مگن ہو جاتے ہیں کہ انہیں سابقہ تکلیفیں یاد ہی نہیں رہتیں اور وہ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان پر مہربان ہے حالانکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ انہیں محض اس لئے مہلت دے رہا ہوتا ہے کہ جس انتہا کو وہ پہنچنا چاہتے ہیں پہنچ جائیں تو پھر یکدم انہیں ان کے انجام سے دوچار کر دیتا ہے اس وقت لوگوں کو کوئی طاقت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے عذاب سے بچا نہیں سکتی۔

آیت نمبر ۱۸۴: ''صاحب'' سے مراد رسول اللہ A کی ذاتِ گرامی ہے۔ دعوتِ حق پیش کرنے پر رسول اللہ A کو مشرکین مکہ کبھی ساحر اور کبھی مجنون کہتے تھے۔ (معاذ اللہ) ایسا کہنا دراصل ان کی ہٹ دھرمی اور غور و فکر نہ کرنے کا نتیجہ تھا۔ جبکہ انہی لوگوں نے آپ A کو صادق و امین بھی کہا تھا۔ نیز اس آیت میں رسول اللہ A کا مشرکین مکہ کی خیر خواہی کرنے اور ان کے انکار اور بد عملی کے نتائج سے خبردار کرنے کا ذکر ہے۔

علمی بات: آنحضرت A کے بارے میں ایسے بے سروپا تبصرے وہی کر سکتا ہے جو بے سوچے سمجھے بات کرنے کا عادی ہو، اگر یہ لوگ ذرا بھی غور کر لیں تو ان پر اپنے ان الزامات کی حقیقت واضح ہو جائے۔ یہ لوگ آپ A کے حال سے پوری طرح واقف ہیں کہ آپ A کا دنیاوی لذّات سے کنارہ کشی اور

ہمہ تن آخرت کی طرف متوجہ رہنا، دن رات لوگوں کو حکمت و دانائی کی باتیں بتانا اور ان کو وعظ و نصیحت کرنا اور آخرت کے عذاب سے خبر دار کرنا، یہ سب کسی مجنون اور دیوانے سے سر زد نہیں ہو سکتا۔ ان کے بارے میں جنون کا گمان کرنا خود جنون ہے۔

آیت نمبر ۱۸۵: کفار کو کائنات کے نظام اور مخلوقات میں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔ انہیں ان کی عمر کی مدت اور فرصت عمل پر نظر کی دعوت دی گئی ہے۔ مہلت عمل کبھی بھی ختم ہو سکتی ہے۔ لفظ حدیث کا لغوی مفہوم ہے "بات" یہاں لفظ "حدیث" سے مراد قرآنِ حکیم ہے۔ یہ لوگ اگر قرآنِ حکیم سن کر بھی ایمان نہ لائیں گے تو پھر کبھی ایمان نہ لا سکیں گے۔

علمی بات: اگر یہ لوگ اس حکمتوں بھری کائنات میں صحیح طریقے سے غور و فکر سے کام لیں، تو ان کے سامنے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جائے گی کہ جس چیز کی طرف ان کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے پیغمبر A بلا رہے ہیں اس کی تصدیق و تائید اس پوری کائنات سے ہو رہی ہے اس کائنات میں صحیح طریقے سے غور کرنے والا پکار اٹھے گا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کائنات کو بے کار و بے مقصد پیدا نہیں فرمایا۔

آیت نمبر ۱۸۶: ہدایت دینے اور گمراہ کرنے کا اختیار اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے پاس ہے۔ قانونِ ہدایت یہ ہے کہ جو جیسی طلب و تڑپ رکھتا ہے اس کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ نشانیاں دیکھنے اور قرآنِ حکیم سننے کے باوجود ایمان نہ لانے والوں کے انجام کا ذکر ہے۔ وہ سرکشی میں سرگرداں رہتے ہوئے اپنے بُرے انجام کو پہنچ جاتے ہیں۔

عملی پہلو: ہدایت و ضلالت، ہر چیز اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔ عام طور پر وہ جب ہی ہدایت کی توفیق دیتا ہے جب بندہ خود اپنے کسب و اختیار سے اس راستے پر چلنا چاہے۔ باقی جو جانتے بوجھتے بدی اور شرارت ہی کی ٹھان لے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ بھی راستہ دکھلانے کے بعد اسے اسی کے حال میں چھوڑ دیتا ہے۔

آیت نمبر ۱۸۷: قریشِ مکہ کے قیامت کے متعلق سوال پر اس آیت کا نزول ہوا۔ قیامت کا حتمی علم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے پاس ہے۔ وہی مقررہ وقت پر اسے ظاہر فرمائے گا۔ قیامت کی آمد اچانک ہو گی۔ اس کا واقع ہونا آسمانوں اور زمین پر بہت بھاری بات ہے۔ نیز اس آیت میں قیامت کا علم پوشیدہ رکھنے کی حکمت کا ذکر ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ دنیا امتحان کے لئے ہے۔ قیامت کے بارے میں سوال کے بجائے اس کے لئے تیاری کرنا زیادہ اہم بات ہے۔ قیامت کا حادثہ آسمانوں اور زمین پر بہت گراں گزرے گا کیونکہ وہ لوگوں کی بے خبری میں اچانک آ جائے گی۔

آیت نمبر ۱۸۸: اس آیت میں رسول کریم A کی عاجزی کا بیان ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت اور علم کامل کا بیان ہے۔ رسول علیہم السلام بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم کے تابع ہوتے ہیں۔ رسولوں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے علم اور رہنمائی عطا ہوتی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فضل سب سے بڑھ کر نبی کریم A پر ہوا۔ ہمارے لئے اس کا ادراک ممکن نہیں۔ مزید برآں آپ A کے بشیر اور نذیر ہونے کا بیان ہے۔

علمی بات: حضور رحمۃ العالمین خاتم النبیین A اپنی ذاتِ مقدسہ سے اُلوہیت کی نفی فرما رہے ہیں کہ میں اللہ نہیں۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ وہ ہے جس کی قدرت کامل اور اختیار مستقل ہے جو چاہے کر سکتا ہے۔ نہ کسی کام سے اسے کوئی روک سکتا ہے اور نہ اسے کسی کام پر مجبور کر سکتا ہے۔ اور مجھ میں کامل قدرت اور مستقل اختیارات نہیں۔ میرے پاس جو کچھ ہے میرے رب کا عطیہ ہے اور میرا سارا اختیار اسی کی عنایت ہے۔ "لَآ اَمۡلِكُ" کے کلمات سے اپنے اختیار کامل کی نفی فرمائی اور "اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہ" سے اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا کہ کوئی نادان یہ نہ سمجھے کہ حضور A کو نفع و ضرر کا کچھ اختیار ہی نہیں۔ فرمایا مجھے اختیار ہے اور یہ اختیار اتنا ہی ہے جتنا میرے ربِ کریم نے مجھے عطا فرمایا ہے۔

آیت نمبر ۱۸۹: "نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ" سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد ان ہی سے ان کی زوجہ بی بی حوا علیہا السلام کو پیدا کیا گیا۔ دونوں سے نسل انسانی کی ابتدا ہوئی۔ نکاح کا ایک اہم مقصد زوجین کا باہمی سکون اور دوسرا مقصد اولاد کا حصول ہے۔ ایک عمومی مثال کے

ذریعے اولاد کے حوالے سے شرکیہ طرزِ عمل کو بیان کیا گیا ہے۔ ایسے زوجین کی مثال دی گئی ہے جو اللہ ﷻ سے تندرست اور نیک اولاد کی التجا اور عطا ہونے پر شکر گزاری کا عہد کرتے ہیں۔

علمی بات: ان آیات میں چند باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔

ا۔ اللہ ﷻ نے اپنی قدرت سے پہلے انسان (حضرت آدم علیہ السلام) اور پہلی عورت (حضرت حوا علیہا السلام) کو پیدا فرمایا۔ عمومی انداز سے ذکر ہے کہ میاں اور بیوی کا جوڑا بنانے کا مقصد یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی محبت سے ذہنی سکون، جسمانی لذّت اور راحت حاصل کریں۔ ۲۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ ان دونوں کے ملنے سے محض جسمانی سکون اور لذّت ہی حاصل نہ ہو بلکہ ایسی نسلیں تیار ہوں جن سے دنیا میں دینی و ایمانی رونق پیدا ہو۔

۳۔ انسانوں کے عمومی رویّے کا ذکر ہے کہ جب میاں اور بیوی کا اختلاط ہوتا ہے تو اس سے ایک ہلکا سا حمل ٹھہر جاتا ہے جس کے ساتھ وہ عورت چلتی پھرتی ہے۔ وضع حمل کا وقت قریب آنے لگتا ہے تو یہ جذباتی کیفیت اور بھی بڑھ جاتی ہے اور دونوں مل کر اللہ ﷻ سے دُعائیں کرتے ہیں کہ اے اللہ ﷻ ہماری اولاد کو خیر و خوبی سے پیدا فرما اور وہ پیدا ہونے والا بچہ نیک بخت ہو، خوبصورت ہو وغیرہ۔ دونوں کی زبان پر یہی ایک دُعا ہوتی ہے۔

آیت نمبر ۱۹۰: اس آیت کے اوّلین مخاطب مشرکینِ مکہ ہیں۔ صحت مند بچہ عطا کئے جانے پر ناشکری کی روش کا بیان ہے۔ وہ اولاد کی عطا کو اللہ ﷻ کے ساتھ دوسری ہستیوں کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بچے کا مشرکانہ نام رکھتے تھے۔ نیز یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ ﷻ ان جھوٹے معبودوں سے بلند و برتر ہے جن کو وہ اللہ ﷻ کے ساتھ شریک کرتے تھے۔

علمی بات: کفار و مشرکین کو جھنجھوڑا جا رہا ہے کہ جب انہیں اولاد کی اُمید لگتی ہے تو وہ اللہ ﷻ سے التجائیں کرتے ہیں اس کی بارگاہِ عالیہ میں دُعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے رب! اگر تو نے ہمیں صحیح، سالم اور تندرست فرزند عطا کیا تو وہ عمر بھر تیرے شکر گزار رہیں گے۔ اولادِ کی نعمت ملتی ہے تو عطا فرمانے والے رب العالمین کو بھول جاتے ہیں اور اسے اپنے عمل کا طبعی نتیجہ سمجھتے ہیں۔ یا کہتے ہیں کہ یہ فلاں ستارے کی تاثیر ہے یا یہ انہیں فلاں بت نے بخشا ہے۔ یہ کتنی احسان فراموشی اور حق ناشناسی ہے جو یہ مشرکین کر رہے ہیں۔ انسان کا یہ معاملہ صرف اولاد تک نہیں بلکہ زندگی کے ہر نازک موڑ پر ایسا ہی ہوتا ہے۔

آیت نمبر ۱۹۱: اُلوہیت کا معیار بتا دیا گیا ہے۔ جو مخلوق اور فانی ہے وہ اِلٰہ یعنی معبود نہیں۔ اس معیار کے مطابق اللہ ﷻ کے سوا تمام معبودِ باطل ہیں خواہ وہ کوئی بھی ہو اور زندہ یا فانی ہو۔

علمی بات: اللہ ﷻ نے بت پرستی کا رد کیا ہے۔ مٹی پتھر یا لکڑی کے مجسمے بنا کر ان کی پوجا کرنا شرک کی ایک صورت ہے اس کے علاوہ جو لوگ ملائکہ اور جنّات وانسان کو عبادت میں شریک کرتے ہیں اللہ ﷻ نے ان کا بھی رد فرمایا ہے شرک اللہ ﷻ کی صفات میں ہو یا عبادت میں یہ قابل مذمت ہے اس مقام پر اللہ ﷻ نے بت پرستی کا اس طرح رد فرمایا ہے کیا یہ لوگ ان کو شریک بناتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ خود پیدا کیئے جاتے ہیں۔

آیت نمبر ۱۹۲: یہاں اولین مراد بت ہیں جن کی مشرکین پرستش کرتے تھے۔ ان کے اِلٰہ ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ ان خود ساختہ بتوں کی بے بسی ظاہر کی گئی ہے۔

علمی بات: مشرکوں کی کمال حماقت ہے کہ ایسوں کے آگے جھکتے ہیں جو کسی کو تو پیدا کیا کرتے خود اپنے پیدا کرنے پر بھی قادر نہیں۔ بلکہ اپنی پیدائش تک کے لئے دوسرے ہی کے محتاج ہیں۔ بلکہ تخلیق تو در کنار وہ تو امداد تک پر قادر نہیں۔ نہ کسی دوسرے کی نہ خود اپنی ہی! حیرت ہے کہ ایسی بے بس ہستیوں کو معبود کے درجے پر رکھا جائے ۔

آیت نمبر ۱۹۳: جھوٹے معبودوں کی بے چارگی ظاہر کی گئی ہے۔ وہ شرک کرنے والوں کی کسی پکار کا جواب دینے پر قادر نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کو پکارنا یا نہ پکارنا دونوں کا نتیجہ یکساں ہوتا ہے۔

علمی بات: جو کام سب سے سہل تر ہے کہ کوئی بات بتلانے کے لئے پکار کو سن لینا یہ جھوٹے معبود اس سے بھی عاجز ہیں تو جو اس سے مشکل ہے کہ اپنی حفاظت کریں اور پھر جو اس سے بھی مشکل ہے کہ دوسروں کی مدد کرنا اور پھر جو ان سب سے دشوار تر ہے کہ کسی شے کو پیدا کرنا ان سے تو بدرجہ اولی زیادہ تر عاجز ہوں گے پھر ایسے عاجز محتاج کب عبادت کے لائق ہوسکتے ہیں۔

آیت نمبر ۱۹۴: اس آیت میں بتوں کے معبود ہونے کی تردید ہے۔ یہ بھی اللہ ﷻ کے مملوک ہیں اور نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے ہیں۔ ان سے حاجت روائی اور مشکل کشائی کی توقع رکھنے والوں کی مذمّت ہے۔

علمی بات: مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ بت زندہ ہیں اور سنتے سمجھتے ہیں اس لئے ان کے اعتقاد کے مطابق ان سے بات کی گئی۔ کہا جا رہا ہے کہ اگر تمہاری بات بالفرض مان بھی لی جائے کہ یہ زندہ ہیں اور سنتے سمجھتے ہیں تو پھر بھی یہ زیادہ سے زیادہ تمہاری طرح کے انسان ہی ہوں گے۔ یہ آخر خدا کیونکر بن گئے اور اپنے جیسے انسان کی بندگی کا طوق گلے میں ڈالنا کہاں کی دانشمندی ہے۔ نیز مفسرین نے بتوں کو عباد کہنے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی ہے کہ وہ بھی تمہاری طرح اللہ ﷻ کے مملوک ہیں اور تمہاری طرح اس کے پیدا کردہ ہیں۔

آیت نمبر ۱۹۵: خود ساختہ معبودوں کی لاچارگی کا بیان ہے۔ یہ تو تراشے گئے بت ہیں۔ یہ تو اپنے اعضاء سے کام لینے سے بھی محروم ہیں۔ مزید برآں نبی کریم A کی طرف سے مشرکین سے دوٹوک انداز میں گفتگو کا ذکر ہے۔

علمی بات: یہ بت مخلوق ہونے کے باوجود ان کمالات سے محروم ہیں جن سے کسی مخلوق پر امتیاز حاصل ہوسکتا ہے، نہ وہ چل سکتے ہیں، نہ وہ اپنے ہاتھوں سے کوئی چیز پکڑ سکتے ہیں، نہ آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ تم ان کو پکارتے پکارتے تھک جاؤ گے مگر وہ تمہاری پکار کا کبھی جواب نہ دے سکیں گے، کیونکہ تمہارا ان کو پکارنا یا خاموش رہنا ان کے لئے سب برابر ہے۔ ان میں سننے، سمجھنے اور جواب دینے کی قوت ہی نہیں۔ پھر تم ایسی عاجز و بے بس مخلوق کو کیوں معبود بناتے ہو۔

شانِ نزول: حضور نبی کریم A نے جب بت پرستی کی مذمّت کی تو مشرکین نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا کہ بتوں کو بُرا کہنے والے تباہ ہوجاتے ہیں۔ (معاذاللہ) اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی کہ اگر بتوں میں کچھ قدرت سمجھتے ہو تو انہیں پکارو، ان سے مدد لو اور تم بھی جو مکر و فریب کرسکتے ہو وہ میرے مقابلے میں کرو اور اس میں دیر نہ کرو، مجھے تمہاری اور تمہارے معبودوں کی کچھ بھی پرواہ نہیں اور تم سب مل کر بھی میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔

آیت نمبر ۱۹۶: "ولی" کے معنی محافظ، حمایتی اور مددگار کے ہیں۔ اللہ ﷻ ہی نبی کریم A اور اہلِ ایمان کا مددگار ہے۔ باطل معبوں کے برعکس اللہ ﷻ اپنی بندگی کرنے والوں کی ہر اعتبار سے رہنمائی اور مدد کرنے پر قادر ہے۔ اللہ ﷻ ہی نے قرآنِ حکیم نازل فرما کر ہدایت کا سامان مہیا کر دیا جس کا انسان سب سے زیادہ محتاج ہے۔

علمی بات: اللہ ﷻ کی حمایت و نصرت ہمیشہ اپنے نیک اور فرماں بردار بندوں کے شاملِ حال رہا کرتی ہے۔ وہ جس کے ساتھ ہو دنیا کی کوئی طاقت اُس کا بال بیکا نہیں کرسکتی۔ سچ یہ ہے کہ اہلِ حق کے پاس یہی ایک قوت ہے جس کے بل بوتے پر وہ بڑی بے باکی سے ہر طاغوتی طاقت سے ٹکرا جاتے ہیں۔ اللہ ﷻ کی ذات ہی حامی و ناصر ہے کیونکہ اسی نے ہدایت و اصلاح کے لئے کتاب نازل فرمائی ہے۔ یہاں لطیف اشارہ ہے کہ اس کا حامی و ناصر ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ اس کی نازل کردہ کتاب سے بندہ مضبوط تعلق پیدا کرے۔

آیت نمبر۱۹۷: مشرکین کو مخاطب کر کے ان کے باطل معبودوں کے بارے میں متنبہ کیا گیا ہے۔یعنی اگر وہ ان کو اپنے مقاصد میں رہنمائی کے لئے پکاریں تو وہ ان کی پکار سن ہی نہیں سکتے تو مدد کیا کریں گے۔

علمی بات: آیت میں یہ اشارہ ہے کہ عنقریب وہ وقت آئے گا کہ مشرک مغلوب ہوں گے تو یہ بت اس وقت بھی ان کی کچھ مدد نہ کر سکیں گے اور نہ وہ جن کے یہ بت بنائے گئے۔ پھر ان کی مدد کرنا تو ایک طرف رہا وہ اپنے آپ کو بھی تباہی سے نہ بچا سکیں گے اور اس طرح جو کچھ حضور نبی کریمA کی زبان مبارک سے فرمایا گیا وہ حرف بہ حرف پورا ہوا اور مشرکین مکہ باوجود اپنی ساری طاقت کے آخر کار مغلوب ہوئے۔

آیت نمبر۱۹۸: آپ A سے فرمایا گیا کہ آپ A انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ بظاہر آپA کی طرف دیکھ رہے ہیں، اس سے مراد بت ہیں یا مشرکین۔ اگر اس سے مراد بت ہیں تو ان کے دیکھنے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ آپA کے سامنے اور بالمقابل ہیں اور چونکہ دیکھنے والا بالمقابل ہوتا ہے اس لئے فرمایا وہ بظاہر دیکھ رہے ہیں حالانکہ حقیقت میں وہ بالکل نہیں دیکھ رہے اور اگر اس سے مراد مشرکین ہیں تو پھر معنیٰ یہ ہے کہ یہ کفار اور مشرکین بظاہر آپA کو دیکھ رہے ہیں لیکن یہ چونکہ آپA کو محبت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے بلکہ عداوت سے دیکھتے ہیں تو گویا کہ وہ آپA کو نہیں دیکھتے یا چونکہ وہ حق سے اعراض کرتے ہیں اور اللہ ﷻ نے آپA کی ذات میں نبوّت کے جو دلائل اور نشانیاں رکھی ہیں ان کا اثر قبول نہیں کرتے اس لئے گویا کہ وہ آپ A کو نہیں دیکھتے۔

علمی بات: مشرکین اپنے بتوں کی صورتیں بناتے وقت ان کی آنکھیں ایسی بناتے کہ ان کی طرف دیکھنے والے کو ایسا معلوم ہو کہ وہ سچ مچ دیکھ رہے ہیں، مگر جب وہ بے جان بت ہیں تو دیکھیں گے کیسے؟ یا یہ کہ مشرکین بظاہر تو آنکھیں رکھتے ہیں مگر بصیرت کے اندھے ہیں، اس لئے کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔

آیت نمبر۱۹۹: مکارمِ اَخلاق کی نہایت جامع اور مؤثر تعلیم دی گئی جو اللہ ﷻ کی طرف سے نبی آخر الزمانA کو اور آپA کے توسط سے آپA کی اُمّت کو دی جاری ہے۔ خاص کر ان حضرات کو جو دعوت الی اللہ کے عظیم کام میں مشغول ہوں۔ اخلاقیات کے ضمن میں کوئی نیکی یا خوبی و فضیلت ایسی نہیں جو اس آیتِ کریمہ کے اندر سمو نہ دی گئی ہو۔ بعض روایات میں ہے کہ جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی تو حضور نبی کریمA نے جبرائیل امین عَلَیہِ السَّلام سے فرمایا "مَا هٰذَا یَا جِبْرِیْلُ؟" "یہ کیسی تعلیم ہے اے جبرائیل؟" تو حضرت جبرائیل عَلَیہِ السَّلام نے عرض کیا کہ "آپA کا رب آپA کو حکم دیتا ہے کہ آپA درگزر فرمائیں اس سے جو آپA سے زیادتی کرے اور عطا فرمائیں اس کو جو آپA کو محروم رکھے اور تعلق قائم فرمائیں اس سے جو آپA سے قطع تعلقی کرے۔"

علمی بات: اس آیت میں مبلّغ کو تین ہدایات دی گئی ہیں۔

۱۔ اختلاف اور اشتعال کے مقابلے میں حوصلہ رکھنا اور درگزر کرنا۔ ۲۔ نیکی کی تبلیغ کرنا۔ ۳۔ جہلاء سے اعراض برتنا۔

آیت نمبر۲۰۰: جو لوگ گناہوں سے بچنے اور اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں جونہی انہیں شیطان کا غلبہ یا اس کے اثرات محسوس ہوں تو وہ اس پر چوکنے ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر شیطان سے اللہ ﷻ کی پناہ میں نہ آیا جائے تو شیطان اور اس کے ساتھی انسان کو گمراہی میں مبتلا کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑتے۔

علمی بات: لفظ "نزغ" کا معنٰی ہے: انگلیوں کے پوروں سے کسی کو گدگدانا، کسی کو برائی پر آمادہ کرنا اور اکسانا، وسوسہ ڈالنا، کسی کام کو بگاڑنے کے لیے دخل انداز ہونا۔ شیطان انسان کے پیچھے لگا رہتا ہے۔ غصّہ اور انتقام پر ابھارتا رہتا ہے اور ایسے وسوسے دل میں ڈالتا ہے کہ انسان معاف کرنے یا درگزر

کرنے پر عمل پیرا نہ ہو سکے۔ خصوصاً دین کا کام کرنے والوں کو ورغلاتا اور طیش میں لا کر بُرے طرزِ عمل پر اُبھارتا ہے جس سے دعوتِ دین کا کام متاثر ہوتا ہے اس لیے ایک مبلغ کو شیطان کا شر اور وسوسہ دفع کرنے کا یہ علاج بتایا کہ شیطان مردود سے اللہ ﷻ کی پناہ مانگی جائے اس سے شیطان ذلیل ہو گا اور وسوسہ ڈالنے سے پیچھے ہٹے گا۔

عملی پہلو: وسوسہ اور غصّہ کے دفع کرنے کے لئے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھنا بہت مفید ہے۔ اسی طرح سورۃ المؤمنون میں فرمایا: "وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ "(سورۃ المؤمنون آیت:۹۷)ترجمہ: آپ(A) دعا کیجیے اے میرے رب! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

آیت نمبر ۲۰۱: انسان کو ورغلانے کے لئے انسان کے گرد گردش کرنے والے شیطان کو "طائف" کہتے ہیں، کسی چیز کا خیال یا اس کی صورت جو نیند اور بیداری میں دکھائی دے اس کو "طیف" کہتے ہیں۔ اس آیت میں شیطان سے بچنے والوں کا تذکرہ فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ ﷻ سے ڈرتے ہیں ان کا طریقہ یہ ہے کہ جب شیطان ان کے دل میں کوئی وسوسہ ڈالے اور بہکانے کی کوشش کرے تو فوراً اللہ ﷻ کو یاد کرنے لگتے ہیں۔ اللہ ﷻ کا ذکر شیطان کو دور کرنے کے لئے بہت بڑا ہتھیار ہے۔ شیطان انسان کے دل پر مضبوطی کے ساتھ جما ہوا ہے۔ سو جب وہ اللہ ﷻ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب اللہ ﷻ کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو شیطان وسوسے ڈالنے لگتا ہے۔

علمی بات: ۱۔ سورۃ الفلق میں جو "مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ (وسوسہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے (شیطان) کے شر سے۔ وہ جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے)

علمی بات: ۲۔ "فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ" (تو فوراً ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔) یعنی تقویٰ اختیار کرنے والے جب شیطان کا وسوسہ آنے پر اللہ ﷻ کو یاد کرتے ہیں اور اس سے پناہ طلب کرتے ہیں تو اس سے فوراً چونک جاتے ہیں اور آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ شیطان کی شرارت فوراً واضح ہو جاتی ہے اور خطاو ثواب کا پتہ چل جاتا ہے۔

آیت نمبر ۲۰۲: متقین کا ذکر فرمانے کے بعد ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو شیطانوں کے بھائی ہیں یعنی ان کا شیطان کے ساتھ بہت زیادہ تعلق ہے۔ وہ شیطان کے وسوسوں سے نہیں بچتے۔ بلکہ ان شیطانی وسوسوں پر عمل کرتے ہیں۔ لہٰذا جو شخص شیطان کا دوست بنے گا پھر اس پر شیطان کا حکم تو لازمی چلے گا۔ شیاطین اپنے بھائی بندوں کو گمراہی میں گھسیٹتے ہوئے دور تک لے جاتے ہیں اور گمراہی کی آخری حد یعنی دوزخ میں پہنچا کر چھوڑتے ہیں۔

آیت نمبر ۲۰۳: مشرکین فرمائشی معجزات کا مطالبہ کرتے تھے۔ چنانچہ مطلوبہ معجزہ ظاہر نہ کرنے پر آپ A پر بے ہودہ اعتراض کرتے (معاذاللہ) رسول اللہ A کی زبانی ان کو جواب دیا گیا کہ آپ A خود اللہ ﷻ کی وحی کی پیروی کرتے ہیں۔ قرآنِ حکیم بذات خود معجزہ ہے۔ ہدایت کے متلاشی کے لئے بے شمار نشانیاں موجود ہیں۔

علمی بات: ۱۔ مشرکین آپ A سے کسی نشانی کا مطالبہ کرتے تھے اور رسول اللہ A ان کے سامنے اِسے پیش نہ فرماتے تھے۔ تو بطور استہزاء کہتے کہ تم اسے اپنی طرف سے گھڑ کیوں نہیں لیتے؟ (معاذاللہ) تو اللہ ﷻ نے آپ A سے فرمایا آپ A فرمادیجئے کہ میں اللہ ﷻ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں مجھے تو بذریعہ وحی میں جو کچھ بتایا جاتا ہے اس کی اتباع کرتا ہوں اور یہ قرآنِ کریم تو دل کی آنکھیں کھولتا ہے اور اسے بصیرت عطا کرتا ہے اور بھلائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور اللہ ﷻ کی رحمت ہے۔

۲۔ نبی A کا ہر قول و فعل وحی الٰہی کے مطابق ہوتا تھا آپ A، اللہ ﷻ کی وحی کے مطابق عمل پیرا رہتے تھے۔

آیت نمبر۲۰۴: قرآنِ حکیم سننے کے آداب اور اس سے مستفید ہونے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے کہ قرآنِ حکیم کو پوری توجہ سے سنا جائے اور خاموش رہا جائے۔ قرآنِ حکیم جہاں پڑھا اور سنا جاتا ہے وہاں اللہ ﷻ کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ قرآنِ حکیم کا رحمت ہونا اُس کے ان آداب کے بجالانے پر موقوف ہے۔ مشرکین اہلِ ایمان کے قرآنِ حکیم پڑھنے پر خوب شور و غل کرتے تا کہ قرآنِ حکیم کی آواز کانوں میں نہ پڑ سکے۔ ان کو یہ روش چھوڑنے اور قرآنِ حکیم کے آداب کی پیروی کرنے کا حکم ہے۔

علمی و عملی بات: ا۔ دراصل قرآنِ حکیم کی تلاوت کے وقت توجہ اور ہمہ تن گوش ہو کر سننے کا حکم ہے، اس لئے کہ قرآنِ حکیم کے معانی سمجھ کر بھی سننا چاہیئے، اس نیت سے کہ اس کو ہم اپنائیں گے، اس کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگ لیں گے۔

علمی بات: ۲۔ جب حضور نبی کریمA قرآنِ حکیم کی تلاوت فرماتے تو کفار شور و غل مچاتے۔ نہ خود سنتے نہ اوروں کو سننے دیتے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے کہ جب قرآنِ حکیم پڑھا جا رہا ہو تو اسے غور سے سنو۔ اس کو سننے سے کچھ بعید نہیں کہ رحمت الٰہی کے دروازے تم پر کھل جائیں اور تم اس دعوت حق کو قبول کرنے کے لئے اپنے سینہ کو کشادہ پاؤ اور بہت ممکن ہے کہ ظاہری جمال اور معنوی حسن سے متاثر ہو کر تمہیں یقین ہو جائے کہ یہ کسی انسان کا نہیں بلکہ رب ذوالجلال کا کلام ہے۔

آیت نمبر۲۰۵: ذکر کے حوالے سے آداب کا بیان ہے جو درج ذیل ہیں: ا۔ ذکر دل کی توجہ کے ساتھ ہلکی آواز سے کیا جائے اور آواز کو زیادہ بلند نہ کیا جائے۔ ۲۔ ذکر کے دوران انسان میں رِقّت اور اللہ ﷻ کا خوف طاری ہو۔ ۳۔ خاص طور سے صبح و شام اللہ ﷻ کا ذکر کیا جائے۔ صبح و شام میں دونوں وقت کی نمازیں بھی داخل ہیں۔ ۴۔ اللہ ﷻ کی یاد سے کبھی بھی غفلت نہ برتی جائے۔

علمی بات: دل کے آئینہ سے غفلت کا غبار اور روح سے نافرمانی کے داغ دھونے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کی صبح و شام یادِ الٰہی میں بسر کرے۔ ذکر تب اپنا پورا اثر دکھاتا ہے جب اس میں مذکورہ شرائط موجود ہوں۔ (ا) ذکر کرتے وقت انسان عاجزی اور انکساری کا مجسمہ بنا ہوا ہو۔ کبر و غرور اور غفلت و کاہلی سے کوسوں دور ہو۔ (۲) اسے اس بات کا ہر وقت شدید احساس ہو کہ اس کے اعمال اور اس کا ذکر اُس بارگاہِ رفعت و جلال کے شایانِ شان نہیں۔ (۳) ذکر گلا پھاڑ پھاڑ کر بہت زیادہ اُونچی آواز سے نہ کرے۔ جس میں بے ادبی کا شائبہ ہو بلکہ درمیانی آواز سے کیا جائے جس میں خشیت، ادب اور سنجیدگی ہو۔

آیت نمبر۲۰۶: اللہ ﷻ کے مقرب فرشتوں کی عاجزی کا بیان ہے۔ گناہوں سے مبرّا ہونے کے باوجود وہ اللہ ﷻ کی عبادت میں لگے رہتے ہیں۔ وہ ہر وقت اللہ ﷻ کی تسبیح کرتے ہیں اور اسی کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ آیت کے اختتام میں سجدے کا حکم ہے تا کہ انسانوں کا حال بھی مقرب فرشتوں کے مطابق ہو۔

علمی و عملی بات: ا۔ رب کی یاد سے غفلت ایک قسم کا تکبر ہے۔ قربِ خداوندی کے طالب اس سے حد درجہ اجتناب و احتراز کرتے ہیں۔ اسی لئے اللہ ﷻ کے مقرب فرشتے بھی مقرب ہونے کے باوجود اللہ ﷻ کی عبادت و بندگی سے تکبر نہیں کرتے۔ وہ دن رات اُسی کی تسبیح و تقدیس میں لگے رہتے ہیں اور تھکتے نہیں۔ وہ خاص اسی کو سجدہ کرتے ہیں اور سجدہ قربِ خداوندی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

فرمان نبویA: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہA نے فرمایا کہ سجدے کی حالت میں بندہ اپنے رب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ لہٰذا (سجدے کی حالت میں) زیادہ دُعا کیا کرو۔ (سنن نسائی، سنن ابی داؤد)

عملی بات: ۲۔ ترتیب تلاوتِ قرآنِ حکیم کے مطابق یہ پہلی آیت ہے جس پر سجدۂ کرنا واجب ہوتا ہے۔

عملی بات:۳۔ نورانی اور پاک مخلوق فرشتے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدۂ ریز ہیں تو انسان جو مسجودِ ملائکہ ہے اور اللہ ﷻ کا خلیفہ ہے اس کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنے مولائے کریم کی عبادت اور اطاعت میں صبح و شام کوشاں رہے۔ ہر دم اس کی یاد، اس کا ذکر اور اس کی محبت میں سرشار رہے۔ وہ بھی ملاءِ اعلیٰ کے رہنے والوں کی موافقت میں سجدۂ ریز ہو جائے۔

فرمانِ نبوی A: سجدۂ تلاوت شیطان کے لئے بہت بڑی مار ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ A نے ارشاد فرمایا کہ جب ابن آدم آیت سجدۂ پڑھتا ہے پھر سجدۂ کرتا ہے تو شیطان روتا ہوا وہاں سے ہٹ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ ہائے میری بربادی! ابن آدم کو سجدۂ کا حکم ہوا تو اس نے سجدۂ کر لیا لہٰذا اس کے لئے جنّت ہے اور مجھے سجدۂ کا حکم دیا گیا اور میں نے انکار کیا لہٰذا میرے لئے دوزخ ہے۔(صحیح مسلم)

علمی بات:۴۔ یہ آیت سجدۂ ہے اور اس طرح کی چودہ آیاتِ سجدۂ ہیں جن کو جب انسان پڑھے یا سنے تو اس پر سجدۂ کرنا لازمی ہے۔ اسے سجدۂ تلاوت کہتے ہیں۔

۲۔ سجدۂ تلاوت کے ادا کرنے کی بھی وہی شرطیں ہیں جو سجدۂ نماز کی ہیں۔ یعنی باوضو ہو، پاک جگہ ہو وغیرہ۔

۳۔ سجدۂ تلاوت کرنے لگے تو اس میں تکبیر تحریمہ کی طرح ہاتھ اٹھانا نہیں ہے بلکہ اللّٰہُ اَکْبَر کہتا ہوا سجدۂ میں چلا جائے اور ایک سجدۂ کرے تکبیر کہتے ہوئے سر اٹھائے اس میں تشہد اور سلام نہیں ہے۔

۴۔ جیسے آیت سجدۂ پڑھنے والے پر سجدۂ واجب ہوتا ہے ایسے ہی سننے والے پر بھی واجب ہو جاتا ہے اگرچہ اس نے ارادہ کر کے نہ سنا ہو، البتہ تلاوت کرنے والے کے لئے بہتر یہ ہے کہ آیت سجدۂ حاضرین کے سامنے زور سے نہ پڑھے، ہاں اگر حاضرین سننے ہی کے لئے بیٹھے ہیں تو سجدۂ تلاوت زور سے پڑھ دے۔

سجدۂ تلاوت کی دُعا: سجدۂ تلاوت میں اگر سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم تین مرتبہ کہے تو یہ بھی درست ہے اور اگر اس کے ساتھ دُعاءِ ماثور پڑھ لے تو زیادہ بہتر ہے۔ دُعاءِ ماثور یہ ہے: سَجَدَ وَجْھِی لِلَّذِیْ خَلَقَہٗ وَ شَقَّ سَمْعَہٗ وَ بَصَرَہٗ بِحَوْلِہٖ وَ قُوَّتِہٖ (سنن ابی داوٗد، جامع ترمذی)

"میرے چہرہ نے اس ذات کے لئے سجدۂ کیا جس نے اسے پیدا فرمایا اور اسے اپنی طاقت و قدرت کے ذریعہ آنکھ و کان نکال کر (زینت بخشی)"۔

علمی بات:۵۔ قرآن حکیم میں بعض آیات "آیات سجدہ" کہلاتی ہیں جن کی تلاوت کرنے یا سننے پر سجدہ کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ یہ آیت بھی ان آیات سجدہ میں سے ایک ہے۔ جبکہ سورۃ النجم میں فرمانِ نبوی A کے ساتھ یہ بات آئی ہے: بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب سجدے کی حالت میں ہوتا ہے۔ ایک جگہ نبی کریم A نے ارشاد فرمایا کہ "جب انسان سجدہ والی آیت پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہوا اور ہائے افسوس کہتا ہوا اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے" اور دوسری روایت میں ہے شیطان کہتا ہے ہائے افسوس ابن آدم کو سجدہ کا حکم کیا گیا تو وہ سجدہ کر کے جنت کا مستحق ہو گیا اور مجھے سجدہ کا حکم دیا گیا تو میں سجدے کا انکار کر کے جہنمی ہو گیا"(صحیح مسلم)

عملی پہلو: ہمیں ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی مکمل عبادت میں گزارنی چاہیئے۔ ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول A کی مرضی کو پیشِ نظر رکھنی چاہیئے۔

مشقوں کے جوابات

سوال ۱: خالی جگہیں پُر کریں:

(۱) آیت: ۱۵۸ میں ہدایت کے حصول کے لئے رسول اللہ ﷺ کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔

(۲) آیت: ۱۶۴ میں قصّہ "اصحابِ سبت" کے ذیل میں اصلاح کرنے والے لوگوں نے نافرمانوں کو سمجھانے کی وجوہات اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے معذرت پیش کرنا اور بُرے لوگوں کا پرہیز گار بن جانا بیان کی گئی ہیں۔

(۳) آیت: ۱۶۸ میں خوشحالی اور تکلیف میں مبتلا کیئے جانے کی حکمت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف رجوع کرنا بیان کی گئی ہے۔

(۴) آیت: ۱۷۲ میں بندوں سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے رب ہونے کا اقرار لیا گیا ہے۔

(۵) آیت: ۲۰۴ میں قرآنِ حکیم کے حوالہ سے دو آداب توجہ سے سننا اور تلاوت سننے کے دوران خاموش رہنا بیان کیئے گئے ہیں۔

سوال ۲: مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجئے:

۱۔ اُنیسویں رکوع میں نبی کریم ﷺ کی کیا عظیم صفات و بنیادی اختیارات بیان کیئے گئے ہیں؟

رسول اللہ ﷺ کی تورات و انجیل میں مذکور صفات اور ان خداداد اختیارات کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ نیکی کا حکم فرمانے اور بُرائی سے روکنے کے ساتھ ساتھ پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنے والے اُمتیوں سے بوجھ اور ان پر پڑے ہوئے طوق اُتارتے ہیں۔

۲۔ بیسویں رکوع میں بنی اسرائیل پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کن نعمتوں کے نزول کا ذکر کیا گیا ہے؟

بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کے لئے بارہ چشمے بنائے گئے تاکہ پانی کی تقسیم میں کسی قسم کا کوئی تنازعہ نہ ہو اور ان پر بادل کا سایہ بنائے رکھا اور ان پر من و سلویٰ اُتارا گیا۔

۳۔ اکیسویں رکوع کی روشنی میں اصحابِ سبت پر عذاب آنے کی وجہ بیان کریں نیز یہ بتائیں کہ کن لوگوں کے بچ جانے کا ذکر ہے؟

اصحابِ سبت پر عذاب آنے کی وجہ یہ بیان ہوئی ہے کہ ان کے لئے سبت یعنی ہفتہ کے دن اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کے لئے مقرر تھا اور باقی دنوں میں وہ مچھلی پکڑتے تھے لیکن ان کی آزمائش کے لئے سبت یعنی ہفتہ کے دن مچھلی زیادہ نظر آتی تھی اور باقی دنوں میں نہیں، تو انہوں نے سبت کے دن شکار شروع کر دیا اور حد سے تجاوز کرنے والوں میں شامل ہو گئے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے عذاب نازل ہوا اور آیات میں صرف ان لوگوں کے عذاب سے بچنے کا ذکر ہے جو لوگوں کو نافرمانی سے روکتے تھے۔

۴۔ بائیسویں رکوع میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے والوں کے لئے کیا مثال اور انجام بیان کیا گیا ہے؟

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے والوں کی مثال کتے کی سی ہے اگر کوئی اس پر حملہ کرے تو بھی وہ ہانپتا رہتا ہے اور اگر اسے چھوڑ دو تو تب بھی وہ ہانپتا رہے گا۔ جو شخص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی آیات سے اِعراض اور اس کے احکام کی نافرمانی کرتا ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کو ڈھیل دیتا ہے اور اس کی رسی دراز کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ گناہوں میں دھنستا چلا جاتا ہے۔

۵- چوبیسویں رکوع میں اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ خدائی میں شریک ٹھہرائے جانے والے باطل معبودوں کی بے بسی اور کمزوری کو کس طرح بیان کیا گیا ہے اور شیطانی حملہ کے وقت اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ سے ڈرنے والوں کے کس طرزِ عمل کا ذکر ہے؟

اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ خدائی میں شریک ٹھہرائے جانے والے باطل معبودوں کی بے بسی اور کمزوری اس طرح بیان کی گئی کہ نہ وہ چل سکتے ہیں اور نہ کچھ پکڑ سکتے ہیں نہ ان کی آنکھیں ہیں اور نہ کان کہ کچھ سن اور دیکھ سکیں۔ وہ تو خود اپنی مدد نہیں کرسکتے۔ اگر کوئی اُنہیں اپنی رہنمائی کے لئے پکارے تو وہ اس کی طرف توجہ نہیں کرسکتے وہ تو خود تمہاری ہی طرح بندے ہیں۔ نیز شیطانی حملوں کے حوالہ سے بیان ہوا ہے کہ اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کرو۔ نیز یہ بھی بیان ہوا ہے کہ جو لوگ اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ سے ڈرتے ہیں جب کبھی اُنہیں شیطان کی طرف سے کوئی بُرا خیال چھو جاتا ہے تو وہ اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کی یاد میں لگ جاتے ہیں تو فوراً ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

سُوۡرَةُ یُوۡنُس (حصّہ اوّل)

مقاصدِ مطالعہ: اس سورت کے مطالعہ کے بعد طلبہ کو مندرجہ ذیل مضامین سے آگاہی حاصل ہونی چاہیئے:

1. آیات: ۱ تا ۴ — وحی اور رسالت کی حقیقت، قرآن کریم کی عظمت وجلالت، نبی اکرم ﷺ کی نبوت کا انکار کرنے والوں کے پانچ شُبہات کا ذکر اور ان کا مدلل جواب۔
2. آیات: ۵ تا ۱۰ — توحید باری تعالیٰ کے دلائل، ذکرِ آخرت اور عجائباتِ قدرت کا بیان، منکرین آخرت کا انجام اور صالحین کے انعام کا ذکر۔
3. آیات: ۱۱ تا ۱۷ — عذاب کے لئے کفار کی جلد بازی کا جواب، انسان کی تنگ ظرفی کا ایک مظہر اور نمونہ، اہل باطل کا قرآن حکیم کو بدلنے کا مطالبہ، قرآن حکیم کا ایک عظیم الشان اور بے مثال معجزہ، اللہ ﷻ پر جھوٹ باندھنا سب سے بڑا ظلم۔
4. آیات: ۱۸ تا ۲۴ — توحید کے مزید دلائل، حیات دنیا کی مثال اور اس میں غوروفکر کرنے کی ترغیب، حیات دنیوی کا مقصد امتحان اور آزمائش ہونا
5. آیات: ۲۵ تا ۲۷ — اللہ ﷻ کا لوگوں کو دارالسلام یعنی جنت کی طرف بلانے کا تذکرہ اور آخرت میں اعمال کی جزا کا ذکر۔
6. آیات: ۲۸ تا ۴۰ — قیامت کے روز کافروں کی ذلت ورُسوائی کا ذکر، توحید کے کچھ اور دلائل، مشرکین مکہ کی طرف سے قرآن میں ترمیم کا مطالبہ اور اس کا جواب۔
7. آیات: ۴۱ تا ۴۸ — مخالفین اسلام کو ان کے حال پر چھوڑنے کا حکم، روزِ قیامت مکذبین کی حسرت وندامت اور ان کا عبرت ناک انجام اور کفار کا تکذیب ومذاق کے طور پر بے خوفی کے ساتھ عذاب طلب کرنے کا ذکر۔
8. آیات: ۴۹ تا ۵۳ — دنیا کی بے ثباتی کا ذکر، منکرین حق کے لئے عذاب قیامت کا یقینی ہونے کا تذکرہ اور قرآن کریم کی صفاتِ عالیہ کا بیان۔

ربطِ سورت: اس سے قبل سُوۡرَةُ التَّوۡبَةِ میں کفار سے براءت کا اظہار کیا گیا اور سُوۡرَةُ یُوۡنُس میں کفار کے وہ عقائد بیان کیئے گئے جن کی وجہ سے کفار سے براءت ظاہر کی گئی۔ سُوۡرَةُ التَّوۡبَةِ میں قتال فی سبیل اللہ کا بیان تھا۔ سُوۡرَةُ یُوۡنُس میں بتایا گیا ہے کہ قتال فی سبیل اللہ سے پہلے اتمامِ حجّت یعنی محکم دلائل کے ساتھ دعوتِ توحید کا پہنچ جانا ضروری ہے۔ سُوۡرَةُ التَّوۡبَةِ میں تین مضامین کا خاص طور پر ذکر تھا، قرآنِ حکیم کی صداقت، رسالت کا اثبات اور توحید باری تعالیٰ۔ سورہ یونس میں اسی ترتیب سے ان تین مضامین کے ساتھ ساتھ آخرت کا اثبات، قصص، شرک کا باطل ہونا، کفار کے شبہات اور اُن کے جوابات اور آپ A کو تسلی دینے کا بیان ہے۔ اسی طرح سُوۡرَةُ التَّوۡبَةِ کا اختتام رسالت کے ذکر پر ہوا اور سُوۡرَةُ یُوۡنُس کی ابتداء بھی رسالت کے ذکر سے ہوئی۔

آیت نمبر ا: یہ حروفِ مقطعات ہیں۔ حروفِ مقطعات کا علم اللہ ﷻ کے پاس ہے اور یہ اللہ ﷻ اور رسول اللہ A کے درمیان ایک راز ہے۔ ”کتاب“ سے مراد قرآنِ حکیم ہے۔ قرآنِ حکیم کی عظمت ہے کہ اس کی تمام آیات حکمت سے بھری ہیں۔

علمی بات: حکیم کا معنی ہے دانا، یعنی یہ حکمت اور دانائی والی کتاب کی آیتیں ہیں۔ حکیم کا معنی محکم اور اٹل بھی کیا گیا ہے کہ یہ کتاب اپنی جگہ بڑی محکم اور اٹل ہے۔ دُنیائے کفر نے اس کے خلاف بڑی کوشش کی ہے مگر کامیاب نہیں ہوسکی اور نہ قیامت تک کامیاب ہوسکے گی۔

آیت نمبر ۲: مشرکین کے ایک اعتراض کا جواب دیا گیا ہے وہ کہتے تھے کہ رسول انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہونا چاہئے۔ بتایا گیا ہے کہ رسول کا انسان ہونا ہی ضروری ہے تاکہ وہ انسانوں کے لئے نمونہ بن سکیں۔ رسول اللہA پر ایمان لاکر ان کی تعلیم کو تسلیم کرنے والے کو اعلیٰ درجات کی بشارت دی گئی ہے۔ رسول اللہA کی تعلیمات کو تسلیم کرنے کے بجائے کفار نے ان کو جادوگر قرار دیا۔ (معاذ اللہ)

علمی بات: ا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مشرکین کی حیرت کی تردید فرمادی ہے کہ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں بلکہ اگر وہ رسول کوئی فرشتہ یا جن ہوتا تو حیرت کی بات تھی، اس لئے کہ بنی نوع انسان یا تو اسے دیکھ نہیں پاتے یا اگر دیکھ پاتے تو اس سے مانوس نہیں ہوتے، کیونکہ انسان اپنے ہی جیسے جسدِ خاکی رکھنے والے انسان کے ساتھ مانوس ہوتا ہے۔ اس لئے نبی کریمA کا مبعوث ہونا فطرت اور عقل کے تقاضے کے عین مطابق تھا لیکن کفارِ قریش نے آپA کی دعوت قبول نہیں کی اور جب ان سے کچھ نہ بن پڑا، تو کہنے لگے کہ یہ آدمی تو صریح جادوگر ہے اور یہ قرآنِ حکیم کھلا جادو ہے (معاذ اللہ) جو انسانوں کو مسحور کر دیتا ہے، یہ آسمان سے نازل شدہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کوئی کتاب نہیں ہے۔

۲۔ ایک رسول علیہ السلام اور ایک جادوگر کی زندگی میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

۴۔ جادوگر کے اخلاق و کردار دونوں مکروہ ہوتے ہیں اور لوگ اگر ان کی عزّت کرتے ہیں تو ان کے شر سے بچنے کی خاطر جبکہ انبیاء علیہم السلام کے اخلاق اور کردار نہایت پاکیزہ ہوتے ہیں اور اسی بنا پر ان کی عزّت کی جاتی ہے اور ان کی گذشتہ زندگی کو کفار کے سامنے معیار کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

ایسے واضح تضاد کے باوجود مخالفین اگر انبیاء کرام علیہم السلام کو جادوگر کہنا ان کی ضد، ہٹ دھرمی، عناد، اپنے آباؤاجداد کے مذہب کا تعصّب اور اپنے مناصب اور سرداریوں کے ختم ہوجانے کے خوف سے تھا اور یہی چیز ان کے پیشِ نظر تھی جو قبولِ اسلام میں رکاوٹ تھی۔

آیت نمبر ۳: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حقیقی رب ہونے کے دلائل بیان کئے گئے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے چھ دن میں پوری کائنات پیدا فرمائی، پھر عرش پر جلوہ فرما ہوا جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔ کائنات کا خالق بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے اور مدبّر و منتظم بھی وہی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کے لئے سفارش نہیں کر سکتا۔ ان سب باتوں کا تقاضا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کو رب تسلیم کرکے اسی کی بندگی اختیار کی جائے۔

علمی بات: ا۔ تخلیقِ کائنات اور نظامِ کائنات کو بیان فرمایا گیا ہے یعنی یہ کائنات از خود وجود میں نہیں آئی، بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کا پورا انتظام چلا رہا ہے۔

۲۔ ایّام یوم کی جمع ہے اور عام طور پر صبح سے لے کر شام تک کے وقت کو یوم کہا جاتا ہے لیکن اس جگہ ایّام کا ذکر ہو رہا ہے جب کہ نہ سورج تھا اور نہ ہی صبح و شام کا کوئی وجود اس لئے آیتِ کریمہ میں یوم سے مراد وہ دن تو ہو نہیں سکتا جس کا ابھی وجود نہ تھا۔ ہاں! اس سے مراد محض وقت ہے اور جس کی مقدار اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کے علم میں ہے۔

آیت نمبر ۴: لوگوں کو لازماً پلٹ کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف جانا ہے۔ جس اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مخلوق کو پہلی بار پیدا کیا وہی مرنے کے بعد اُسے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔ قیامت کے دن عدل کے فیصلے ہوں گے۔ ایمان اور عملِ صالح اختیار کرنے والوں کو پورا بدلہ دینے کی بشارت دی گئی ہے۔ جبکہ جھٹلانے والوں کے لئے کھولتا ہوا مشروب اور دردناک عذاب ہوگا۔

علمی بات: اکثر اوقات چور، ڈاکو اور لٹیرے جھوٹے گواہوں یا اپنے اثر و رسوخ اور دولت کے بل بوتے پر سزا سے بچ جاتے ہیں اور قوم و ملّت کی نگاہوں میں اشراف بنے ہوتے ہیں لہٰذا اس امر کی شدّت سے ضرورت تھی کہ ایسا دن مقرر ہو جس میں پاکبازوں کو اُن کی نیکی کا صلہ اور اجر ملے اور بُروں اور مفسدوں کو ان کی بداعمالیوں کی سزا ملے اسی کو عالمِ آخرت سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہی چیز اسلام نے انتہائی کھلے انداز میں پیش کرکے اسے یوم الجزاء اور یوم الحساب قرار دیا۔

آیت نمبر ۵: اللہ﷾ کی قدرتِ کاملہ کی نشانیوں میں سے سورج اور چاند کا بیان ہے۔ سورج اور چاند مقررہ حساب کے مطابق اپنے مدار میں گردش کر رہے ہیں۔ دونوں کے ذریعہ سالوں کی گنتی اور حساب معلوم کرنے کے علاوہ انسانوں کے لئے بے شمار فوائد ہیں۔ یہ دلائل ان لوگوں کے لئے ہیں جو اللہ﷾ کی دی ہوئی عقل سے غور و فکر کرتے ہیں۔

علمی بات: ا۔ اوّل آفتاب کی روشنی کا اور پھر چاند کی روشنی کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ﷾ نے ان دونوں کو سراپا روشنی بنایا۔ آفتاب کے لئے لفظ ضِیاء اور چاند کے لئے لفظ نُور استعمال فرمایا۔ ضِیاء بڑی اور قوی روشنی کو کہتے ہیں اور نُور قوی اور ضعیف ہر روشنی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا آفتاب کے لئے لفظ ضِیاء استعمال میں لایا گیا۔ اللہ﷾ نے آفتاب کو زیادہ قوی روشنی دی جب وہ طلوع ہوتا ہے تو رات چلی جاتی ہے اور دن آجاتا ہے، چونکہ دن میں چلنے پھرنے اور کاروبار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے دن کو بہت زیادہ روشن بنایا اور رات کو سکون اور آرام کے لئے بنایا ہے۔ چونکہ آرام وسکون کے لئے دھیمی روشنی کی ضرورت ہے اس لئے چاند کو دھیمی روشنی عطا فرمائی جس کے لئے لفظ نور استعمال فرمایا۔ ایسی روشنی جو آنکھوں کو نہ چبھے بلکہ بھلی معلوم ہوتی ہو۔

۲۔ انسانوں کے نفع کو بھی بیان فرما دیا کہ وہ ان کے ذریعہ یہ معلوم کرلیتے ہیں کہ فلاں معاملہ یا معاہدہ کو کتنے برس گزر گئے اور میعاد پورا ہونے میں کتنے برس باقی ہیں۔ آفتاب کی منازل کا پتہ تو ماہرینِ فلکیات وغیرہ کو ہی ہو سکتا ہے لیکن چاند کے طلوع اور غروب اور گھٹنے بڑھنے سے عام طور سے تاریخ کا پتہ چل جاتا ہے، پڑھا لکھا شہری انسان ہو یا دیہاتی ہر شخص آسانی سے مہینہ کی ابتداء اور انتہا سمجھ لیتا ہے اور احکامِ شرعیہ میں چاند کے مہینوں ہی کا اعتبار کیا جاتا ہے مثلاً زکوٰۃ اور حج کی ادائیگی، رمضان کے روزوں اور عدّت کے مہینوں میں بھی چاند کا اعتبار ہوتا ہے۔

آیت نمبر ۶: رات اور دن کے نظام اور پوری کائنات میں اللہ﷾ کی معرفت کی نشانیاں موجود ہیں۔ ان نشانیوں پر غور و فکر کرنے والوں پر اللہ﷾ کی عظمت واضح ہو جاتی ہے۔ لہٰذا وہ اللہ﷾ کی نافرمانی سے بچتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔

علمی بات: ا۔ کائنات کا یہ حیرت انگیز نظام جس میں چاند و سورج منظّم و طے شدہ حساب کے پابند ہو کر اپنا کام کر رہے ہیں وہ اللہ﷾ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کی نشانی ہے، اس بات کو مشرکینِ عرب بھی تسلیم کرتے تھے یہ سب چیزیں اللہ﷾ ہی کی پیدا کی ہوئی ہیں، تو پھر اسے اپنی خدائی میں آخر کسی اور شریک کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔

۲۔ ساری کائنات بے مقصد پیدا نہیں کی گئی، اگر اس دُنیوی زندگی کے بعد آخرت کی ابدی زندگی نہ ہو جس میں نیک لوگوں کو اچھا صلہ اور بُرے لوگوں کو بُرائی کا بدلہ نہ ملے تو اس کائنات کی پیدائش بے مقصد ہو کر رہ جاتی ہے، لہٰذا یہی کائنات توحید کے ساتھ ساتھ آخرت کی ضرورت کو بھی بدرجہ اتم ثابت کرتی ہے۔

آیت نمبر ۷: دُنیا کے طلب گار اور اللہ﷾ کی نشانیوں پر غور نہ کرنے والوں کی چار حالتیں بیان کی گئی ہیں: ا۔ انہیں اللہ﷾ سے ملنے کی توقع نہیں۔ ۲۔ انہوں نے دُنیاوی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھ لیا۔ ۳۔ اسی دُنیاوی زندگی پر وہ خوش اور مطمئن ہیں۔ ۴۔ ایسے غافل ہیں کہ توحید کی ہر طرف پھیلی ہوئی نشانیوں کو دیکھنے کے باوجود خوابِ غفلت سے بیدار نہیں ہوتے۔

عملی پہلو: اللہ﷾ سے غافل لوگوں کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ انہوں نے دُنیا میں ایسا دل لگایا کہ آخرت کی اور اللہ﷾ کے پاس جانے کی کچھ خبر ہی نہ رہی۔ اسی چند روزہ حیات کو مقصودِ اصلی بنالیا اور قدرت کی جو نشانیاں اوپر بیان ہوئیں، ان میں کبھی غور و تامل نہ کیا کہ ایسا مضبوط اور حکیمانہ نظام یوں ہی بے کار نہیں بنایا گیا۔ ضرور اس تخلیق کا کوئی خاص مقصد ہو گا۔ پھر جس نے پہلی مرتبہ ایسی عجیب و غریب مخلوقات پیدا فرمائی، اس کے لئے دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟

آیت نمبر ۸: اللہ ﷻ سے ملاقات کو بھلانے والے دُنیا پرستوں کے بُرے انجام کا ذکر ہے۔ ان کی غفلت کا بدلہ یہ ہے کہ انہیں جہنّم کی آگ میں ڈالا جائے گا۔ یہ سزا ان کے اپنے عمل کا نتیجہ ہو گا۔

علمی و عملی بات: جس کسی نے تمام ہمت اور کوشش اور عمر، آخرت سے غافل رہ کر خواہشاتِ دُنیا کے پورا کرنے میں گزار دی اس نے گویا دوزخ کے دروازہ کا پردہ اٹھایا اور دوزخ میں جانے کا قصد و ارادہ کیا، خواہشاتِ دُنیا میں ہی لگے رہنا اور آخرت کو پسِ پشت ڈالنا رحمتِ الٰہی اور جنّت سے روکنے والی چیزیں ہیں۔

آیت نمبر ۹: اللہ ﷻ کی نشانیوں میں غور و فکر کرنے والوں کی رہنمائی کا بیان ہے۔ ان کے ایمان و نیک اعمال کا بدلہ ابدی نعمتوں اور راحتوں والے جنّت کے باغات کی صورت میں دیا جائے گا۔

علمی بات: ایمان اور عمل صالح والوں کو ان کے ایمان کی وجہ سے اللہ ﷻ دُنیا میں صراطِ مستقیم کی ہدایت، یعنی سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ ایک مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں ایمان لانے کی وجہ سے قیامت کے دن اللہ ﷻ کی طرف سے ان کی رہنمائی ہو گی، حتیٰ کہ وہ (پل) صراط سے گزر کر سیدھے جنّت میں پہنچ جائیں گے۔

آیت نمبر ۱۰: اہلِ جنّت کے چند مخصوص حالات کا بیان ہے۔ ان کی زبانوں پر اللہ ﷻ کی حمد و تسبیح جاری ہو گی۔ ہر ملاقات پر وہ ایک دوسرے کو سلامتی کی دُعائیں دیں گے۔ ان کی ہر مجلس کا اختتام اللہ ﷻ کی حمد و ثنا کے ساتھ ہو گا۔

فرمانِ نبوی A: "جنّتی جنّت میں کھائیں گے اور پئیں گے، وہ نہ تھوکیں گے، نہ پیشاب کریں گے، نہ پاخانہ کریں گے اور نہ ناک صاف کریں گے۔" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: "جو کھانا وہ کھائیں گے وہ کہاں جائے گا؟" تو رسول اللہ A نے جواب دیا: "بس ڈکار آئے گی اور پسینہ آئے گا جس سے مشک کی خوشبو آئے گی (اور ان کا کھانا تحلیل ہو جائے گا)۔ (ان کے دلوں میں اور ان کی زبانوں پر) تسبیح اور حمد خود بخود بے اختیار جاری ہو گی جس طرح سانس خود بخود جاری رہتی ہے"۔ (صحیح مسلم)

علمی بات: "تَحِیَّتُھُم" کے معنی ہیں زندگی کی دُعا دینا کہ اللہ ﷻ تمہیں زندگی بخشے، یعنی وہ ایک دوسرے سے ملیں گے تو ایک دوسرے کو زندہ رہنے کی دُعا سلام کے الفاظ سے دیں گے، جیسا کہ اللہ ﷻ نے (سورۂ ابراہیم ۱۴، آیت: ۲۳) میں بھی بیان فرمایا ہے اور ان کی دُعا اور گفتگو کا اختتام ربُّ العالمین کی حمد کے ساتھ ہو گا، دُنیا میں بھی ان کی گفتگو اور دُعا کا خاتمہ اللہ ﷻ کی حمد و تسبیح کے ساتھ ہوا کرتا تھا، جنّت میں بھی یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا۔

آیت نمبر ۱۱: آیت کے اصل مخاطب منکرینِ آخرت ہیں مگر اس کا حکم عام ہے کہ انسان جلد باز ہے اور فوری طور پر خیر اور بھلائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اگر اس کے لئے اس کی بُرائی پر اتنی ہی جلد عذاب کا فیصلہ کر دیا جاتا تو جلد ہی وہ موت اور تباہی سے دوچار ہو جاتا دُنیا کی زندگی میں وہی لوگ سرکش بنتے ہیں جو دُنیا میں اس تصوّر کے ساتھ جیتے ہیں کہ مرنے کے بعد انہیں اللہ ﷻ کا سامنا نہیں کرنا ہو گا۔

علمی بات: اللہ ﷻ کا قانون یہ ہے کہ کوئی شخص نیکی کرتا ہے تو اس کا ثواب فوراً اس کے اعمال نامہ میں شامل کر دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص بُرائیوں کا مرتکب رہتا ہے تو اللہ ﷻ اس کو ڈھیل دیتا ہے تاکہ وہ کسی نہ کسی موڑ پر توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لے۔ اللہ ﷻ کا یہ قانون انسان کے لئے بہت بڑی رحمت ہے، ورنہ انسان اپنے نفس پر بڑا ظلم کرنے والا ہے کہ وہ ہر وقت بُرائی کرنے پر آمادہ رہتا ہے اور اگر لوگوں کی ان کی بُرائیوں پر فوراً گرفت کی جانے لگے تو ان کی مہلتِ عمر بہت جلد ختم ہو جائے اور زمین کی پشت چلنے والے انسانوں سے خالی ہو جائے۔

عملی پہلو: حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان سچائی اور انصاف کے ساتھ معاملہ کرنے کا ایک ہی حقیقی محرّک ہے کہ انسان اس بات کا مکمل یقین

رکھے کہ سب طاقتوروں کے اوپر ایک ایسا طاقتور ہے کہ ہر انسان اس کے آگے بے بس ہے۔ ایک دن تمام انسان اس کے حضور پیش ہوں گے اور ہر ایک مجبور ہو گا کہ اپنے بارے میں اس ذات کے فیصلہ کو تسلیم کرے۔

آیت نمبر ۱۲: ناشکرے بندوں کا اللہ ﷻ کے ساتھ احسان فراموشی کا بیان ہے کہ جب اُن کو مصیبت پہنچتی ہے تو چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے گڑگڑا کر اللہ ﷻ سے رحم کی التجا کرتے ہیں اور تکلیف دور ہونے پر اللہ ﷻ سے ایسے غافل ہو جاتے ہیں گویا کہ اس کو کبھی پکارا ہی نہیں تھا۔ حد سے گزرنے والوں کے بُرے اعمال ان کے لئے خوشنما بنا دیئے جاتے ہیں۔

علمی بات: دُنیا کا نظام اس طرح بنا ہے کہ آدمی بار بار کسی نہ کسی تکلیف یا حادثہ کی زد میں آجاتا ہے اور جب اسے کوئی راہ سجھائی نہیں دیتی اور خلاصی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تو اس وقت آدمی محسوس کرنے لگتا ہے کہ خارجی طاقتوں کے مقابلہ میں وہ آدمی بے بس و بے اختیار ہو کر اللہ ﷻ کو پکارنے لگتا ہے۔ وہ اللہ ﷻ کی قدرت کے مقابلہ میں اپنی عاجزی کا اعتراف کر لیتا ہے۔ مگر یہ حالت صرف اس وقت تک رہتی ہے جب تک وہ مصیبتوں کی گرفت میں ہو، مصیبت سے نجات پاتے ہی وہ دوبارہ ویسا ہی غافل اور سرکش بن جاتا ہے۔ اُن لوگوں کی اس طرح اظہارِ بندگی اللہ ﷻ کے ہاں معتبر نہیں کیونکہ اللہ ﷻ کو وہ اظہارِ بندگی مطلوب ہے جو خوشی و راحت رنج و تکلیف ہر حالت میں کی جائے اور اپنی غرض کی بندگی کی تو اللہ ﷻ کے نزدیک کوئی قیمت اور اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

فرمانِ نبوی A: جسے پسند ہو کہ اللہ ﷻ سختیوں اور مصیبتوں میں اس کی دُعا قبول فرمائے تو وہ خوش حالی میں کثرت سے دُعا کیا کرے۔ (جامع ترمذی)

آیت نمبر ۱۳: گزشتہ اقوام کو ان کی ظلم کی پاداش میں ہلاک کر دیا گیا۔ ان کے رسولوں نے واضح نشانیوں کے ساتھ انہیں توحیدِ باری تعالیٰ کی دعوت دی۔ ظلم پر ڈھٹائی کرنے والوں سے ایمان لانے کی توفیق سلب کر دی جاتی ہے۔ ان کے حالات بیان فرما کر موجودہ کفار کو ہلاکت سے خبردار کیا گیا ہے۔

علمی بات: ۱۔ لفظ بیّنات (دلائل اور نشانیوں) میں اللہ ﷻ کی توحید اور پیغمبروں کی صداقت پر ہر قسم کے دلائل اور معجزات وغیرہ آجاتے ہیں۔ مگر معجزہ اِتمامِ حجّت کے لئے آتا ہے جس کے بعد انکار کی صورت میں عذابِ الٰہی سے دوچار ہو کر ہلاکت مقدر بن جاتی ہے۔

۲۔ پچھلی قوموں کی تاریخ اور ان کی سرکشی و نافرمانی اور رسولوں کی تکذیب کی پاداش میں مختلف قسم کے عذاب اسی دُنیا میں آچکے ہیں، اس اُمّت میں اگرچہ اللہ ﷻ نے سید الانبیاء A کے اکرام اور دُعاؤں کی وجہ سے یہ وعدہ فرما لیا ہے کہ اس اُمّت پر عمومی عذاب نہ آئے گا۔ لیکن عذابِ الٰہی سے بے فکر ہو جانا بہت بڑی نا سمجھی ہے، کیونکہ پوری اُمّت اور پوری دُنیا پر عمومی عذاب نہ بھیجنے کا وعدہ ضرور ہے مگر خاص خاص افراد اور قوموں پر عذاب آجانا اب بھی ممکن ہے۔

آیت نمبر ۱۴: "خلائف" خلیفہ کی جمع ہے جس کے معنی ہے گزشتہ اُمتوں کا جانشین یا پہلے کے بعد دوسرے کا جانشین بنا۔ پچھلی قوموں کی ہلاکت کے بعد موجودہ قوموں کو ان کا جانشین بنا کر زمین پر بھیجا گیا۔ جانشین بنانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ موجودہ قوم کا امتحان لیا جائے کہ پچھلی قوم کے انجام سے عبرت حاصل کر کے اپنی اصلاح کرتی ہے یا سرکشی کا راستہ اختیار کرتی ہے۔

علمی بات: اس آیت میں مخاطب وہ مشرکینِ عرب ہیں جو رسول اللہ A کے زمانے میں موجود تھے کہ گزشتہ اقوام کے بعد اللہ ﷻ نے انہیں زمین کا مکین بنایا، تاکہ انہیں بھی آزمائے کہ وہ لوگ اس کی اطاعت اور اس کے رسول A کی اتباع کرتے ہیں یا نہیں۔

آیت نمبر ۱۵: سردارانِ قریش کی طرف سے قرآنِ حکیم میں تبدیلی کے مطالبہ کا بیان ہے۔ انہوں نے رسول اللہA سے دو مطالبات کیئے: ۱۔اس قرآنِ حکیم کی جگہ دوسرا قرآنِ حکیم لے آئیں۔(معاذ اللہ) ۲۔اس قرآنِ حکیم کی جو چیزیں ان کی مرضی کے خلاف ہیں ان کو تبدیل کر دیا جائے۔(معاذ اللہ)ان کے دونوں مطالبات کی تردید کی گئی اور رسول اللہA کی زبانی ان کو یہ جوابات دیئے گئے کہ:۱۔رسول اللہA اپنی طرف سے قرآنِ حکیم میں کسی کمی بیشی یا تبدیلی کا اختیار نہیں رکھتے۔ ۲۔رسول اللہA وحی الٰہی کے پابند ہیں۔ ۳۔رسول اللہA اللہ ﷻ کی نافرمانی سے ڈرتے ہیں۔

شانِ نزول: مشرکینِ مکّہ میں سے پانچ آدمی عبداللہ بن اُمیہ المخزومی، ولید بن مغیرہ، مکرز بن حفص، عمرو بن عبیداللہ بن ابی قیس العامری اور عاص بن عامر بن ہشام نے حضور سرورِ دوعالمA سے یہ کہا تھا کہ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو آپ اس قرآنِ حکیم کے علاوہ کوئی اور قرآنِ حکیم لے آئیں جس میں لات، عزّیٰ اور منات کی عبادت سے ممانعت نہ ہو اور نہ ان کی مذمّت کی گئی ہو یا آپA اس قرآنِ حکیم کو بدل ڈالیں اور عذاب کی آیتوں کی جگہ رحمت کی آیتیں اور حرام کی جگہ حلال اور حلال کی جگہ حرام لکھ دیں، اللہ ﷻ نے ارشاد فرمایا:(اے محمدA!) آپ کہیئے کہ اس قرآنِ حکیم کو بدلنا میرے اختیار میں نہیں ہے۔ میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی مجھ پر وحی کی جاتی ہے، اس کے مطابق میں حکم دیتا ہوں یا کسی چیز سے منع کرتا ہوں۔

علمی بات: قرآنِ حکیم میں تبدیلی کے مطالبہ کی وجوہات: کفارِ مکّہ کا یہ مطالبہ کہ آپ کوئی اور قرآنِ حکیم لے آئیں یا اسی قرآنِ حکیم کو بدل ڈالیں تو ان کا یہ مطالبہ بطور استہزاء تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سنجیدگی کے ساتھ آپA سے اس مطالبہ کی غرض یہ ہو کہ اگر آپA نے ان کا یہ مطالبہ مان لیا تو آپ کا یہ دعویٰ باطل ہو جائے گا کہ یہ قرآنِ حکیم اللہ ﷻ کا کلام ہے اور اس کا نازل کیا ہوا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ قرآنِ حکیم کو آپA کی تصنیف سمجھتے ہوں اور واقعی کوئی اور کتاب چاہتے ہوں کیونکہ قرآنِ حکیم میں ان کے معبودوں کی مذمّت بیان کی گئی ہے اور اُن کی پرستش کو باطل قرار دیا گیا ہے، اس لئے وہ کوئی اور کتاب چاہتے تھے جس میں یہ سب چیزیں موجود نہ ہوں۔ بہرحال کفار کے ان تمام خیالات کی واضح تردید کر دی گئی۔

آیت نمبر ۱۶: رسول اللہA اللہ ﷻ کی مشیت کے مطابق اللہ ﷻ کے احکام کی تعمیل فرماتے ہیں۔ رسالت کی صداقت کے ضمن میں آپA کی چالیس سالہ پاکیزہ زندگی کو بطور دلیل پیش کیا گیا کہ جس نے تمام تر زندگی کبھی جھوٹ نہیں بولا تو نبوّت جیسے بڑے مسئلے پر جھوٹ کا ارتکاب کیسے کر سکتا ہے۔

علمی بات: اس آیت میں کفار اور مشرکین کے اس خیال کا رد ہے کہ یہ قرآنِ حکیم نبیA کا کلام ہے کیونکہ مشرکینِ مکّہ نے اوّل سے آخر تک نبیA کی زندگی کا مشاہدہ کیا تھا اور ان کو آپA کے تمام احوال معلوم تھے، وہ یہ جانتے تھے کہ آپA نے کسی کتاب کا مطالعہ نہیں کیا اور نہ کسی استاذ سے علم حاصل کیا پھر آپA پر اسی طرح چالیس سال کا عرصہ گزر گیا، پھر چالیس سال بعد آپA اچانک اس عظیم کتاب کو لے آئے جس میں اوّلین اور آخرین کی خبریں ہیں اور تہذیبِ اخلاق، تدبیرِ منزل اور ملکی سیاست کے متعلق مفصل احکام اور پیشن گوئیاں ہیں ہر وہ شخص جس کے پاس عقلِ سلیم ہو تو اس پر یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ ایسا معجزانہ کلام اللہ ﷻ کی وحی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا پھر آپ نے ان لوگوں میں اپنے شباب کی پوری عمر گزاری ہے جس میں آپ نے اللہ ﷻ کی کوئی نافرمانی نہیں کی تو اب وہ آپ سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ آپ اللہ ﷻ کی نافرمانی کریں گے اور اس کے کلام کو بدل ڈالیں گے کیا تم اتنی سی بات نہیں سمجھتے!

آیت نمبر۱۷: اللہ ﷻ پر جھوٹ باندھنے سے مراد کسی شخص کا کوئی بات گھڑ لینا اور اس کو اللہ ﷻ کی طرف منسوب کر دینا ہے۔ اللہ ﷻ پر جھوٹ باندھنے والے اور اللہ ﷻ کی آیات کو جھٹلانے والوں کو مجرم قرار دیا گیا۔ ایسے مجرموں کو کامیابی نصیب نہ ہو گی۔

علمی بات: ۱۔ اللہ ﷻ پر جھوٹ باندھنے سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص ایک بات تو خود گھڑے یا تصنیف کرے پھر اسے اللہ ﷻ کی طرف منسوب کر دے ایسا شخص سب سے بڑھ کر ظالم ہے اور جب ہر نبی علیہ السلام اپنے قول میں سچا ہے تو نبی علیہ السلام اور اللہ ﷻ کی آیات کا منکر بھی ویسا ہی سب سے بڑھ کر ظالم ہو گا اور دونوں کے ظلم میں کوئی فرق نہیں۔

۲۔ فلاح سے مراد کامیابی سے ہم کنار ہونا ہے لیکن نظریہ کی تبدیلی سے کامیابی کا معیار بھی بدل جاتا ہے مثلاً ایک دُنیادار اور آخرت کے منکر کے نزدیک انتہائی کامیابی یہ ہے کہ اسے امن وچین اور عیش وعشرت سے زندگی بسر کرنا نصیب ہو اور لمبی عمر حاصل ہو جبکہ ایک دیندار اور آخرت پر یقین رکھنے والے کے نزدیک کامیابی کا معیار اللہ ﷻ کی رضا اور اُخروی عذاب سے نجات پانا ہے اگرچہ وہ بھی اللہ ﷻ سے فلاح دارین کا طالب ہوتا ہے۔ چنانچہ اس دُنیا میں بھی اسے وہ کچھ نصیب ہوتا ہے جو اس کے مقدّر میں ہوتا ہے لیکن وہ اس کو کامیابی کا معیار قرار نہیں دیتا اس آیت میں جس کامیابی کا ذکر ہے اس سے مراد اُخروی فلاح ہے یعنی اللہ ﷻ پر جھوٹ باندھنے یا اس کی آیات کو جھٹلانے والوں کو کبھی اخروی فلاح نصیب نہیں ہو گی۔

آیت نمبر۱۸: مشرکین اللہ ﷻ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتیں۔ مشرکین کا دعویٰ ہے کہ ان کے خود ساختہ معبود اللہ ﷻ کے مُقرّب ہیں جو اللہ ﷻ کی بارگاہ میں ان کی شفاعت کریں گے۔ ان کے اس باطل دعویٰ کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ایسا کوئی سفارشی نہیں ہے جو کوئی بات اللہ ﷻ سے جبراً منوائے۔ اللہ ﷻ پاک اور بلند ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

علمی بات: مشرکینِ مکہ اس بات کو مانتے تھے کہ اس کائنات کا خالق اور مالک اللہ ﷻ ہے۔ وہ اپنے بُتوں کو کائنات کا خالق ومالک نہیں بلکہ اللہ ﷻ کے قُرب کا وسیلہ سمجھتے تھے۔ ان کا یقین تھا کہ جن ہستیوں کے نام پر یہ بُت بنائے گئے ہیں وہ ہستیاں اللہ ﷻ کے ہاں بہت مقُرب اور محبوب ہونے کے باعث اس کے ہاں ہماری سفارش کریں گی، لہٰذا اس وجہ سے ان کی عبادت کرتے تھے جو کہ سراسر حرام ہے۔

آیت نمبر۱۹: ابتدا میں پوری نوعِ انسانی کا توحید پر کاربند ہونے اور ایک اُمّت ہونے کا بیان ہے۔ بعد میں لوگوں نے خود مشرکانہ طور طریقے اور تصوّرات اختیار کر کے آپس میں اختلاف کیا۔ اللہ ﷻ کی طرف سے اصلاح کی مہلت دینے کی سنّت نہ ہوتی تو یقیناً اُمّتوں کے درمیان اختلافات کا فیصلہ کر دیا جاتا۔

علمی بات: چونکہ اللہ ﷻ نے کائنات کی تخلیق سے پہلے ہی یہ طے فرمایا ہوا تھا کہ دُنیا انسانوں کے امتحان کے لئے پیدا کی جائے گی اور تمام اقوام کی طرف اللہ ﷻ کی طرف سے پیغمبر بھیجے جائیں گے جو لوگوں کو دُنیا میں آنے کا مقصد بتائیں اور دین حق کو واضح دلائل سے بیان کر دیں، پھر وہ اپنی مرضی سے جو راستہ چاہیں اختیار کریں اور آخرت میں فیصلہ کیا جائے کہ کس کا راستہ صحیح اور انعام کے قابل تھا اور کس کا غلط اور قابل سزا تھا، اس لئے اللہ ﷻ نے دُنیا میں اس فیصلے کا مشاہدہ نہیں کروایا۔

آیت نمبر۲۰: معجزات طلب کرنے والے مشرکین کو رسول اللہ A کی زبانی جواب دیا گیا ہے۔ غیب کا علم صرف اللہ ﷻ کو ہے اور اسے علم ہے کہ کون سی نشانی کب ظاہر ہو گی۔ اللہ ﷻ کے حتمی فیصلہ کے لئے انہیں بھی انتظار کرنے اور خود رسول اللہ A کو بھی منتظر رہنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

اللہ ﷻ کے پیغمبروں کا یہ کام نہیں ہوتا کہ وہ کافروں کے ہر مطالبے کو پورا کریں اور ہر ایک کی فرمائش پر ہر روز نئے معجزات دکھایا کریں، بالخصوص، جب یہ بات معلوم ہو کہ مطالبہ کرنے والے محض وقت گذاری اور بہانہ بازی کے لئے ایسی فرمائشیں کر رہے ہیں۔ اس لئے آنحضرت A کو مختصر

جواب دینے کی ہدایت فرمائی گئی ہے کہ غیب کی ساری باتیں، جن میں معجزات کا ظاہر کرنا بھی داخل ہے، میرے اختیار میں نہیں، صرف اللہ ﷻ کے اختیار میں ہے، وہ تمہاری کونسی فرمائش پوری کرتا ہے اور کونسی پوری نہیں کرتا، اس کا تم بھی انتظار کرو اور میں بھی انتظار کرتا ہوں۔

آیت نمبر ۲۱: راحت اور تکلیف میں لوگ اپنی اصل حیثیت کو برقرار نہیں رکھتے۔ تکالیف و مصائب کے بعد نعمت کا مطلب تنگی، قحط سالی اور بیماری کے بعد رزق کی فراوانی، صحت و عافیت اور خوشحالی وغیرہ ہے۔ اللہ ﷻ تکالیف کے بعد جب راحت بھیجتا ہے تو ناشکرا انسان احسان فراموشی کرتا ہے۔ مشرکینِ مکّہ کی اس روش کی طرف اشارہ ہے جو غیر اللہ کی طرف راحت کو منسوب کرتے تھے۔ ان کی احسان فراموشی کے نتیجہ میں اللہ ﷻ ان کا مؤاخذہ کرنے پر قادر ہے۔

علمی بات: اہلِ مکّہ پر حق تعالیٰ نے سات سال تک قحط مسلّط کیا۔ جب ہلاکت کے قریب پہنچ گئے تو گھبرا کر حضور A سے دُعا کی درخواست کی اور وعدہ کیا کہ یہ عذاب اٹھ جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے آپ A نے دُعا فرمائی اللہ ﷻ نے دُعا قبول فرمالی اور اہلِ مکّہ پر رحم فرمایا۔ قحط کی بلاء دُور ہوئی تو پھر وہی شرارتیں کرنے لگے، اللہ ﷻ کی آیتوں کو جھٹلاتے اور انعاماتِ الٰہیہ کو ظاہری اسباب اور بے اصل خیالات و اوہام کی طرف منسوب کرنے لگتے۔ ان کی اس طرح کی باتوں کا جواب دیا کہ اچھا تم خوب مکر و فریب اور حیلہ سازی کر لو۔ مگر یہ یاد رہے کہ تمہاری حیلہ بازیاں ایک ایک کر کے لکھی جا رہی ہیں۔ اللہ ﷻ کی تدبیر تمہارے مکر و فریب سے کہیں تیز اور جلد اثر کرنے والی ہے جب مجرم کی سرکشی اور نافرمانی حد سے بڑھ جاتی ہے تو دفعتاً پکڑ میں آجاتا ہے۔ لہٰذا عقلمند شخص کو چاہیئے کہ اللہ ﷻ کی طرف سے نرمی اور خوش کن حالات کو دیکھ کر دھوکہ میں نہ پڑے، نہ معلوم نرمی کے بعد کیسی سختی آنے والی ہے۔

آیت نمبر ۲۲: خشکی میں چلانے سے مراد یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے خشکی میں سواریاں مہیا فرمائیں۔ سمندر میں چلانے سے مراد کشتیاں اور جہاز بنانے کی سمجھ کا عطا کیا جانا ہے۔ توحید کی معرفت فطرتِ انسانی میں موجود ہے۔ مشرکین سمندر میں ہواؤں اور موجوں کے درمیان گھر جانے کی صورت میں خالصتاً اللہ ﷻ ہی کو پکارتے تھے۔

علمی بات: زمانۂ نزولِ قرآنِ حکیم میں بادبانی کشتیاں ہوتی تھیں۔ ہوا موافق ہوئی تو کشتیاں چلنے لگیں۔ ہوا بند ہو گئی تو کھڑی ہو گئیں، ہوا موافق خوشگوار ہے تو خوش ہو رہے ہیں اور اگر تیز ہوا چلنے لگی اور ہر طرف سے موجیں اٹھ اٹھ کر آنے لگیں تو ڈرنے لگے اور یقین کر لیا کہ اب تو گھیرے میں آگئے لہٰذا اللہ ﷻ کے حضور خالص اعتقاد کے ساتھ دُعا کرنے لگتے کہ اے اللہ! اگر تو نے ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دی تو ضرور ہم تیرے شکر گزار بندوں میں ہوں گے۔

آیت نمبر ۲۳: باحفاظت خشکی پر آجانے کے بعد مشرکین کا اللہ ﷻ سے بدعہدی اور بغاوت کا بیان ہے۔ ان کی بغاوت کا نقصان خود انہیں کو ہو گا۔ آخر کار انہیں اللہ ﷻ کے پاس حاضر ہونا ہے جہاں انہیں ان کے اعمال کا حساب دینا ہو گا۔

عملی پہلو: یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ انسان پر جب مشکلات آتی ہیں تو اس کے دل سے ایک ہی آواز نکلتی ہے کہ اے اللہ! میری اس مشکل کو آسان فرما دے اور اللہ ﷻ اس کی مشکلات آسان بھی فرما دیتا ہے لیکن پھر وہ بھول جاتا ہے کہ اس کی ان مشکلات کو حل کرنے والی کون سی ذات تھی۔ اللہ ﷻ ہمیں شکر ادا کرتے رہنے، مداومت اور بندگی کی توفیق عطا فرمائے۔

آیت نمبر ۲۴: دُنیا کی زندگی اور اس کی حقیقت کا بیان ہے۔ دُنیا کی زندگی کو کھیتی سے تشبیہ دے کر اس کی ناپائیداری کو واضح کیا گیا ہے۔ کھیتی بارش کے پانی سے سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے اور کھیتی والے اپنی ضرورتیں پوری ہونے پر خوش ہوتے ہیں۔ اچانک دن یا رات میں اس پر اللہ ﷻ کی طرف سے کوئی

آفت آجاتی ہے جس سے وہ تباہ ہو جاتی ہے گویا کہ وہ تھی ہی نہیں۔ جس طرح کھیتی پر بہار آتی ہے انسانوں پر بھی جوانی آتی ہے پھر اچانک کسی آفت یا مصیبت کا شکار ہو کر موت کی آغوش میں سو جاتے ہیں۔ موت کے سبب انسان اِس ناپائیدار دُنیا سے کوچ کر کے آخرت کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔

علمی بات: اللہ ﷻ نے اس شخص کے متعلق ایک عجیب مثال بیان فرمائی ہے جو دُنیا کی لذّتوں اور خواہشات میں منہمک ہو کر آخرت کو بھلا دیتا ہے۔ آسمان سے جو پانی نازل ہوتا ہے اس کی وجہ سے زمین کی پیداوار خوب گھنی ہو جاتی ہے اور بارش کی وجہ سے رنگ برنگ کے پھول، خوشنما بیلیں، خوش ذائقہ پھل اور طرح طرح کے غلّوں کی اجناس پیدا ہوتی ہیں، حتیٰ کہ باغوں اور کھیتوں کا مالک جب ان ہری بھری لہلہاتی ہوئی فصلوں اور پھلوں سے لدے ہوئے درختوں کو دیکھتا ہے تو خوشی سے پھولا نہیں سماتا، پھر وہ بڑے بڑے عمدہ منصوبہ بناتا ہے کہ ان باغوں اور کھیتوں سے اتنے منافع اور فوائد حاصل کرے گا، پھر اچانک ٹِڈی دل یعنی فصلوں کو کھانے والے کیڑے مکوڑے کثیر تعداد میں آکر تمام کھیتوں اور باغوں کو چاٹ کر چلے جاتے ہیں، یا آسمان سے زبردست آندھی اور برف باری ہوتی ہے اور سب کچھ اُجڑ جاتا ہے یا دریاؤں میں سیلاب آتا ہے اور تمام فصلوں کو بہا کر لے جاتا ہے اور وہ غم اور افسوس میں ہاتھ ملتا ہوا رہ جاتا ہے، اسی طرح جو آدمی آخرت سے اعراض کر کے دُنیا کمانے کی دھن میں لگا رہتا ہے، جب وہ آخرت میں اجر و ثواب سے محروم اور عذاب میں گرفتار ہو گا تو اس کا بھی یہی حال ہو گا۔

آیت نمبر ۲۵: سلامتی کے گھر سے مراد جنّت ہے۔ آخرت ہی کی دائمی و ابدی زندگی کے طلب گار بننے کی تلقین کی گئی ہے۔ ہدایت دینا اللہ ﷻ ہی کے اختیار میں ہے۔

علمی بات: ۱۔ جنّت کو دَارُ السَّلَامِ کہنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ جنّت کے سات نام ہیں اور ان میں سے ایک نام دار السّلام ہے، اور وہ سات نام یہ ہیں: ۱۔ دَارُ السَّلَامِ (امن و سلامتی کا گھر" ہے) ۲۔ دَارُ الْجَلَالِ (عزت وعظمت والا گھر) ۳۔ جَنَّةُ عَدْنٍ (لازوال نعمت کے باغ) ۴۔ جَنَّةُ الْمَاْوٰی (رہنے کی جنت) ۵۔ جَنَّةُ الْخُلْدِ (ابدی باغات) ۶۔ جَنَّةُ الْفِرْدَوْس (جنت کے اعلیٰ ترین باغات) ۷۔ جَنَّةُ النَّعِيْمِ (نعمت کے باغات)۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اہلِ جنّت ہر ناپسندیدہ چیز سے سلامت اور محفوظ ہوں گے۔

۲۔ جنّت، میں ہر قسم کے رنج وبلا اور نقصان سے سلامتی ہے۔ رسول اللہ A نے لوگوں کو جنّت کی طرف بلایا تھا۔ آپ کا بلانا اللہ ﷻ کا بلانا ہے اس لئے اللہ ﷻ نے فرمایا: اور اللہ ﷻ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ A نے فرمایا: ہر روز جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کی دونوں جانب دو فرشتے ندا کر رہے ہوتے ہیں۔ اے لوگو! اپنے رب کی طرف آؤ! بے شک جو چیز تھوڑی اور کافی ہو وہ اس سے بہتر ہے جو زیادہ ہو اور غافل کرنے والی ہو اور اس ندا کو جن اور انسانوں کے سوا تمام مخلوق سنتی ہے اور اس کی تائید میں اللہ ﷻ نے قرآنِ حکیم میں یہ آیت نازل فرمائی: اور اللہ ﷻ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ (مسند احمد)

آیت نمبر ۲۶: اللہ ﷻ اور اُس کے رسول A کی اطاعت پر کاربند رہنے والوں کے لئے خیر اور بھلائی کی بشارت ہے۔ حدیث کے مطابق "مزید" سے مراد اہلِ جنّت کو تمام نعمتوں سے نوازنے کے بعد دیدارِ الٰہی کا میسر آنا ہے۔ وہ ہر قسم کی ذلّت اور رُسوائی سے محفوظ ہوں گے اور ہمیشہ جنّت میں رہیں گے۔

علمی بات: "زِيَادَةٌ" سے مراد اللہ ﷻ کا دیدار ہے۔ یہی مفہوم (سورۃ النساء ۴، آیت: ۱۷۳)، (سورۃ النور ۲۴، آیت: ۳۸) اور (سورۃ ق ۵۰، آیت: ۳۵) میں بیان ہوا ہے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم A نے آیت " لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ " کی تفسیر میں فرمایا: جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے تو ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا: اللہ کے پاس تمہارے لیے اس کی طرف سے کیا ہوا ایک وعدہ ہے اور وہ چاہتا ہے کہ تم سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا کر دے۔ تو وہ جنتی کہیں گے: کیا اللہ نے ہمارے چہرے روشن نہیں کر دیئے ہیں اور ہمیں آگ سے نجات نہیں دی ہے اور

ہمیں جنت میں داخل نہیں فرمایا ہے ؟(اب کون سی نعمت باقی رہ گئی ہے ؟)" آپ A نے فرمایا:"پھر پردہ اٹھا دیا جائے گا"، آپ A نے فرمایا:"قسم اللہ کی !اللہ نے انہیں کوئی ایسی چیز دی ہی نہیں جو انہیں اس کے دیدار سے زیادہ لذیذ اور محبوب ہو۔" (جامع ترمذی)

آیت نمبر ۲۷: نیکوکاروں کے برعکس اللہ ﷻ کی نافرمانی کرنے والوں کا بیان ہے۔ "سیئات" سے مراد کفر، شرک اور اس کے ساتھ دیگر بُرائیاں ہیں۔ ان کی بُرائیوں کی سزا ان کی بُرائی کے برابر ہی ملے گی۔ برے لوگوں کے چہرے ذلّت ورُسوائی کی وجہ سے اندھیری رات کی طرح سیاہ ہوں گے۔ انہیں ہمیشہ کے لئے جہنّم کی وعید سنائی گئی ہے۔

علمی بات: روزِ قیامت کفار کی بدصورتی کا یہ حال ہوگا کہ گویا ان کے چہروں کو اندھیری رات کے ٹکڑوں سے ڈھانک دیا گیا ہے کافر دُنیا میں کتنا ہی خوبصورت ہو قیامت کے دن نہایت ہی بدترین صورت میں ہوگا۔ سورۃ عبس ۸۰، آیات: ۴۱، ۴۰، ۴۲ میں فرمایا"اور اس دن بہت سے چہرے ایسے ہوں گے کہ ان پر بدرونقی ہوگی ان پر بدصورتی چھائی ہوئی ہوگی وہ لوگ کافر اور فاجر ہوں گے"۔

آیت نمبر ۲۸: بتایا گیا ہے کہ میدانِ حشر میں تمام لوگوں کو جمع کیا جائے گا۔ مشرکین اور ان کے شرکاء بھی پیش ہوں گے۔ شرکاء میں وہ تمام اشیاء شامل ہیں جن کی دُنیا میں پوجا کی جاتی تھی مثلاً بُت، جنات، انسان وغیرہ یہ شرکاء مشرکین کی عبادت کا رد کریں گے۔

علمی بات: منکرین توحید باری تعالیٰ کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ آج معبودِ برحق کی عبادت چھوڑ کر جن مٹی، پتھر اور لوہے کے بُتوں اور دیگر جھوٹے معبودوں کی وہ یہ سمجھ کر پرستش کرتے ہیں کہ وہ روزِ قیامت ان کی شفاعت کریں گے۔ تو وہ اچھی طرح جان لیں کہ یہ اس وقت اُن سے اپنی لاتعلقی اور بےزاری کا اظہار کریں گے۔

آیت نمبر ۲۹: شرکاء اپنی بات کی صداقت کے لئے اللہ ﷻ کی گواہی کا ذکر کریں گے۔ وہ اپنے پوجنے والوں کی عبادت سے لاعلمی اور برأت کا اظہار کریں گے۔

علمی بات: باطل معبود انکار کی وجہ بیان کریں گے کہ اگر وہ ہماری پوجا کرتے بھی رہے ہیں تو ہمیں بالکل اس کی خبر نہیں، اس لئے ہم پر اس کا کچھ الزام نہیں۔ ہم اُن کے اس گھناؤنے فعل سے بالکل بری ہیں اور ہم جھوٹ بول رہے ہوں تو ہمارے درمیان اللہ ﷻ گواہ ہے اور وہ کافی ہے، اس کی گواہی کے بعد کسی اور ثبوت اور گواہی کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی۔

آیت نمبر ۳۰: روزِ قیامت ہر شخص کی کارکردگی اس کے سامنے ہوگی جسے وہ دیکھ لے گا۔ تمام لوگ معبودِ برحق اللہ ﷻ کے پاس پہنچا دیئے جائیں گے۔ مشرکین جن کو دُنیا میں اپنا مددگار اور سفارشی سمجھا کرتے تھے وہ سب غائب ہو جائیں گے۔

علمی بات: اس آیت کے دو معنی ہیں: ایک یہ ہے کہ ہر شخص اپنے عمل کے نتیجہ کی پیروی کرے گا، اگر اس کے نیک اعمال تھے تو وہ جنّت کی طرف جائے گا اور اگر اس کے بُرے اعمال تھے تو دوزخ کی طرف جائے گا، دوسرا معنی یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال نامے کو پڑھے گا اور اس کے مطابق اپنی جزا اور سزا کو جان لے گا۔ تمام مشرکین اس دن اللہ ﷻ کی طرف رجوع کریں گے جو ان کا مالک حقیقی ہے اور دُنیا میں وہ اللہ ﷻ کو چھوڑ کر جن چیزوں کی عبادت کرتے تھے ان کا جھوٹ اور باطل ہونا ان پر منکشف ہو جائے گا۔

آیت نمبر ۳۱: مشرکین کو اعتراف حق کے لئے سوالیہ انداز میں پیش کئے جانے والے دلائل کا ذکر ہے۔

۱۔ کون آسمان وزمین سے انسان کے لئے رزق پیدا فرماتا ہے؟ ۲۔ انسان کی سماعت وبصارت کی قوّتیں کس کے اختیار میں ہیں؟

۳۔ کون زندہ کو مردہ اور مردہ کو زندہ کرسکتا ہے؟ ۴۔ کائنات کے تمام معاملات کی تدبیر کون کرتا ہے؟

مشرکین بھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی کی ربوبیت کا اعتراف کرتے تھے۔ سچائی کو جاننے کے باوجود شرک پر اڑے رہنے پر انہیں عذاب کی تنبیہ کی گئی ہے۔

علمی و عملی بات: انسان دُنیوی معاملات میں کچھ ایسا پھنس جاتا ہے کہ اسے بھول کر بھی یہ خیال نہیں آتا کہ اس کے معبود نے اس پر کیا کیا احسانات فرمائے ہیں۔ اگر وہ اس پر غور کرے کہ آسمان سے پانی نہ برسے اور زمین غلہ نہ اگائے تو وہ کیا شے کھا کر زندہ رہ سکتا ہے؟ ناشکرا بندہ اس کا دیا ہوا رزق کھائے چلا جاتا ہے مگر کبھی شکریہ کی دو کلمات تک زبان پر نہیں لاتا۔ غور کریں اگر وہ کسی کو بہرا اور اندھا بنا دے تو اس کی زندگی کا لُطف خاک میں مل جائے گا یا نہیں۔ لیکن کتنے لوگ ہیں جو ان نعمتوں پر اس کے شکر گزار ہیں؟ لوگ اس پر بھی غور نہیں کرتے کہ اس نے نطفہ کے ایک حقیر قطرہ سے رحمِ مادر میں ایک خوبصورت بچہ پیدا فرما کر بطنِ مادر سے اسے راہ سُجھائی اور پھر اُسے کچھ دن زندہ رکھنے کے بعد موت دے دی۔ یہ سب کام کیا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سوا کوئی اور کر رہا ہے؟ اگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی کر رہا ہے تو لوگ اس سے ڈرتے کیوں نہیں اس کی نافرمانی کیوں کرتے ہیں؟

آیت نمبر ۳۲: اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی حقیقی رب ہے۔ اس کے علاوہ دوسروں کو معبود بنانا اور انہیں پکارنا گمراہی ہے۔

علمی و عملی بات: کفار و مشرکین کو یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ تمہارے رزق، موت و حیات، تمہارے جسم کا خالق و مالک اور پوری کائنات کا منتظم اور مدبّر صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہے اور تم بھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی کو مانتے ہو تو جان لو کہ پھر تمہارا سچا اور برحق رب تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی ہے۔ اب خواہ کوئی بھی چیز ہو وہ یا تو حق ہو گی یا باطل، یہ صحیح نہیں ہے کہ ایک شے حق بھی ہو باطل بھی، تو جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا رب اور مالک ہونا حق ہے تو پھر دوسرے باطل معبود کیسے حق ہو سکتے ہیں؟

آیت نمبر ۳۳: تعصّب اور ہٹ دھرمی سے کام لینے والوں کے متعلق اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے۔ صحیح راستہ اختیار نہ کرنے پر وہ ہدایت اور ایمان سے محروم رہیں گے۔

علمی بات: جس طرح یہ مشرکین تمام تر اعتراف کے باوجود اپنے شرک پر قائم ہیں اور اسے چھوڑنے کے لئے تیار نہیں، اسی طرح آپ کے رب کی یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ غلط راستہ چھوڑ کر صحیح راستہ اختیار کرنے کے لئے تیار ہی نہیں ہیں، تو توحید اور ایمان کی دولت انہیں کس طرح نصیب ہو سکتی ہے؟ ارشاد فرمایا: اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَہُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ (سورۃ البقرۃ:۲ ، آیت:۶) "بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ان کے حق میں برابر ہے خواہ آپ انہیں ڈرائیں یا انہیں نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے" یہ وہی بات ہے جسے دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے وَلٰکِنۡ حَقَّتۡ کَلِمَۃُ الۡعَذَابِ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ (سورۃ الزمر ۳۹، آیت:۷۱) "لیکن کافروں پر عذاب کا حکم ثابت ہو گیا"۔

آیت نمبر ۳۴: جھوٹے معبودوں کے رد میں مشرکین کو دو باتوں پر مطلع کیا جا رہا ہے: ۱۔ جو ہستی پہلی بار پیدا کر سکتی ہے وہ دوسری بار بھی پیدا کرنے پر قادر ہے۔ ۲۔ پہلی بار کی تخلیق میں جب ان کے معبودوں کا کوئی حصّہ نہیں تو دوبارہ تخلیق میں بھی وہ شریک نہیں ہیں۔

علمی بات: مشرکین سے باطل خداؤں کے بارے میں براہِ راست پوچھا جا رہا ہے کہ تمہارے معبودانِ باطل میں سے کون ہے جس نے ابتدا میں اس کائنات کو پیدا کیا اور پھر اسے دوبارہ وجود بخشے گا؟ ظاہر ہے اس کا جواب نفی میں تھا اور ہمیشہ اس کا جواب نفی میں ہی رہے گا۔ تو فرمایا جا رہا ہے کہ جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو ان کا خالق اور دوبارہ پیدا کرنے والا مانتے ہو تو پھر کہاں بھٹکے پھرتے ہو؟ جب پیدا کرنے والا اور تمہیں اپنے ہاں لوٹانے والا بھی ایک اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی ہے۔ پھر تمہارے باطل معبود کہاں سے درمیان میں آ گئے اور ان کا کیا اختیار ہے؟

آیت نمبر ۳۵: مشرکین سے ہدایت کے ضمن میں سوال کیا جا رہا ہے کہ کون حق کے راستہ کی ہدایت دیتا ہے؟ دَعوت اِلی الحق سے مراد زندگی گزارنے کا ایسا طریقہ جس میں معاشرے کے ہر فرد پر فرائض و حقوق کی پوری طرح رعایت ملحوظ رکھی گئی ہو۔ لہٰذا حق کی طرف رہنمائی کرنے والا ہی اتباع کا حقدار ہے نہ کہ وہ جو خود ہدایت کا محتاج ہو۔

علمی بات: مشرکین کو مخاطب کرکے مزید یہ سوال کیا گیا ہے کہ ان کے معبودوں میں کوئی ہے جو ان کی حق کی طرف راہنمائی کرسکے۔ یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ پتھر، مٹی اور لکڑی کے بُت ہدایت ور ہنمائی نہیں کرسکتے اور نہ ہی جنات اور سورج، چاند، ستارے از خود ہدایت کا راستہ دکھا سکتے ہیں بلکہ یہ سب خود محتاج ہدایت ہیں۔ لہٰذا صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی ہے جو ہدایت کی رہنمائی کرتا ہے اور اس پر چلنے کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ پیروی تو اس کی کرنی چاہیئے جو راہِ حق کی رہنمائی کرتا ہے اور خود ہدایت والا ہے۔ درحقیقت مشرکین محض فرسودہ خیالات، سنی سنائی باتوں اور اپنے وہم وگمان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔

آیت نمبر ۳۶: مشرکین کی اکثریت حق کے بجائے محض اپنے گمانوں کی پیروی کرتی ہے۔ بلاشبہ گمان، حق کا نعم البدل نہیں ہوسکتا۔ شرک کے لئے کوئی دلیل ہی نہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علم میں ہے کہ کون حق پر ہے اور کون محض گمان کی پیروی کررہا ہے۔

عملی پہلو: یہاں نافرمان اور سرکش لوگوں کو سرزنش کی جارہی ہے کہ وہ یہ مت سمجھیں کہ ان کی کارستانیوں کی کسی کو خبر نہیں اور وہ جو کچھ کرتے ہیں اس پر کوئی محاسبہ نہ ہوگا۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کے کاموں سے خوب واقف ہے۔

آیت نمبر ۳۷: قرآنِ حکیم کسی کا گھڑا ہوا نہیں بلکہ اس ذات کا نازل کردہ کلام ہے جس نے پچھلی آسمانی کتابیں نازل فرمائیں۔ اس میں تمام مطلوبہ احکام کی تفصیل موجود ہے۔ اس کی تعلیمات اور بیان کردہ واقعات میں کوئی شک نہیں۔

علمی بات: ۱۔ گزشتہ آیت میں گمان کی پیروی سے ممانعت کے بعد اب اس چیز کا بیان ہے جس کی پیروی کرنا فرض ہے اس میں ایسے احکام کی تفصیل بیان کی گئی ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے فرض کیئے ہیں اور یہ گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات کو صحیح صحیح بیان کرتا ہے۔

۲۔ مشرکین کا ایک شبہ یہ تھا کہ اس قرآنِ حکیم کو نبی کریم A نے از خود لکھ کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف منسوب کردیا ہے (معاذاللہ)۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس شبہ کا اس طرح ازالہ فرمایا کہ یہ قرآنِ حکیم ایسی چیز نہیں ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وحی کے بغیر اس کو گڑھ لیا جائے۔

آیت نمبر ۳۸: مشرکین کو قرآنِ حکیم کے مقابلے میں اس جیسی ایک سورت بنا کر پیش کرنے کا چیلنج کیا گیا ہے اور وہ اس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا تمام مددگاروں کو بھی اپنے ساتھ بلالیں اور سب مل کر اس چیلنج کو قبول کریں۔

علمی بات: ۱۔ سورۂ بنی اسرائیل آیت ۸۸ میں پورا قرآنِ حکیم، سورۂ ھود آیت ۳۰ میں قرآنِ حکیم جیسی دس سورتیں اور یہاں ایک ہی سورت بنانے میں مقابلے کی دعوت دی گئی ہے۔ پھر اسی کو (سورۃ البقرۃ ۲، آیت: ۲۳) میں بھی دہرایا گیا۔

۲۔ یہ قرآنِ حکیم کا چیلنج ہے، قرآنِ حکیم کہتا ہے تمہیں اگر میرے مُنَزَّل مِنَ اللہ ہونے میں شبہ ہے تو تم پوری قوت واستعداد کے ساتھ مقابلہ پر آجاؤ فصاحت وبلاغت کے ساتھ ہو کر آؤ تم میں یہ ہرگز جرأت پیدا نہیں ہوسکے گی کہ تم ایک سورت بھی قرآنِ حکیم کے مقابلہ میں بناڈالو، یہ چیلنج ان لوگوں کو دیا گیا جن کا بچہ بچہ شاعر تھا، فصاحت وبلاغت جن کی گھٹی میں پڑی تھی مگر کسی بھی ذی ہمت نے قرآنِ حکیم کے اعلانِ مقابلہ کو قبول نہیں کیا، یہ چیلنج آج بھی موجود ہے، دُنیا ترقی کی بہت سی منزلیں طے کرچکی ہے کیا کوئی قوم آج تک ایسا کلام پیش کرسکی ہے، جس میں قرآنِ حکیم کی سی جامعیت ہو، جو قرآنِ حکیم کی طرح زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہو اور پھر فصاحت وبلاغت میں کمال پر ہو۔ آج بھی دعوتِ مقابلہ ہے، کہ تم اس جیسا کلام بنا کر پیش کرو اگر تم اس سے عاجز ہوں تو پھر اس کی اتباع کرو کیونکہ قرآنِ حکیم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کتاب ہے، اس لئے انسانی طاقت سے باہر ہے کہ وہ اس جیسی کتاب لکھ کر لاسکے، اس لئے لوگوں کو چاہیئے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انہیں جو فطری سمجھ بوجھ عطا فرمائی ہے اسے بروئے کار لاتے ہوئے اس حقیقت پر غور کریں اور قرآنِ حکیم کی برکات سے مستفید ہوں۔

آیت نمبر ۳۹: قرآنِ حکیم کو جھٹلانے والوں کی مذمّت کی گئی ہے۔ وہ قرآنِ حکیم کے علوم کا ادراک اور اس کے پیغام کی حقیقت نہ پا سکے۔ سابقہ اقوام کا انجام بیان فرما کر جھٹلانے والوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ ان کے جھٹلانے کا انجام اللہ ﷻ کے عذاب کی صورت میں ظاہر ہونے والا ہے۔ جو ابھی تک ان کے سامنے نہیں آیا، لیکن پچھلی قوموں کے انجام سے ان کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔

علمی اور عملی بات: قرآنِ حکیم کے متعلق انکار کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے قرآنی معارف پر آگاہی حاصل نہیں کی۔ اس میں غور وفکر کرنے کی زحمت ہی نہیں اٹھائی۔ قرآنِ حکیم نے نیک لوگوں کے لئے جس اجر وثواب کا وعدہ اور نافرمانوں کو جس عذابِ الیم کی دھمکی دی ابھی ان کا وقوع نہیں ہوا۔ وہ ان وعدوں، وعیدوں اور پیشین گوئیوں کو محض ڈراوا سمجھ رہے ہیں۔ فرصت کے ان لمحوں کو پہلی قوموں نے بھی ضائع کر دیا۔ انہوں نے بھی اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کو قبول نہ کیا۔ ان کے روشن معجزات کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ اور جب وہ عذاب آیا اور اس نے انہیں پیس کر رکھ دیا اس وقت ان کا شرمندہ ہونا، ندامت کے آنسو بہانا اور فریاد کرنا ان کے کسی کام نہ آسکا۔ مشرکین کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ وہ بھی نزولِ عذاب سے پہلے توبہ کرلیں ورنہ ان کا بھی وہی عبرتناک انجام ہوگا جو اُن سے پہلی نادان قوموں کا ہوا۔

آیت نمبر ۴۰: مشرکین میں سے بعض کا قرآنِ حکیم پر ایمان لاکر فائدہ اٹھانے اور بعض کا اس کی تکذیب کرنے کا بیان ہے۔ قرآنِ حکیم پر ایمان لانے والوں کی تعریف کی گئی ہے۔ ایمان نہ لانے والوں کو فسادی قرار دیا گیا ہے کیونکہ وہ اسلام کی ترویج و اشاعت میں رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے اللہ ﷻ خوب واقف ہے اور ان کے فساد کی سزا انہیں ضرور ملے گی۔

علمی بات: کفار میں دو طرح کے لوگ ہیں، بعض ایسے ہیں جنہیں یقینی طور پر معلوم ہے کہ یہ قرآنِ حکیم اللہ ﷻ کا کلام ہے اور ایسا معجزانہ کلام بنانا کسی انسان کے بس میں نہیں ہے، مگر وہ ہٹ دھرمی سے اسے جھٹلائے جارہے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو بالکل عقل کے اندھے اور سمجھ کے کورے ہیں، انہیں اس قرآنِ حکیم کے کلامِ الٰہی ہونے کا واقعی یقین نہیں ہے۔

عملی پہلو: ایمان نہ لانے والے اللہ ﷻ کی نظر میں مفسد ہیں کیونکہ اپنی فطرت کے اعتبار سے کسی کے لئے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ وہ حق کو قبول کرنے سے باز رہے۔ ایسا آدمی اپنے ضمیر کی آواز کو دباتا ہے، وہ اپنے سوچنے کی صلاحیت کو استعمال نہیں کرتا، وہ صاف اور کھلے دلائل کو جھٹلا کر نظر انداز کر دیتا ہے وہ سن کر اَن سُنی کرتا ہے اور سمجھنے کے باوجود بھی سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا، وہ حق کے مقابلہ میں اپنے تعصّب اور مفادات کو ترجیح دیتا ہے۔

آیت نمبر ۴۱: حق کی مخالفت میں کمربستہ رہنے والوں کے اعمال سے رسول اللہ A کو بَری ہونے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ رسول اللہ A اپنے اعمال اور مشرکین اپنے اعمال کے خود ذمہ دار ہیں۔

عملی پہلو: بحث و مناظرہ کرنے والے لوگ آخر وقت تک بلاوجہ اپنی بات پر اڑے رہتے ہیں مگر داعیِ حق جب دیکھتا ہے کہ مخاطب ضد اور ہٹ دھرمی پر اتر آیا ہے تو مزید بات کرنے کے بجائے وہ یہ کہہ کر الگ ہو جاتا ہے کہ اصل فیصلہ اللہ ﷻ کے یہاں ہونا ہے۔ اللہ ﷻ کی میزان میں جو شخص جیسا نکلے گا ویسا ہی اس کا انجام ہوگا۔

علمی بات: رسول اللہ A کو تسلّی دی گئی ہے کہ اگر یہ مشرکین آپ (علیہ السلام) کی مسلسل تبلیغ کے باوجود مسلمان نہیں ہوتے تو آپ (A) غم اور فکر نہ کریں آپ علیہ السلام کو دعوتِ اِلی الحق پر ثواب ملے گا اور ان کو اسلام قبول نہ کرنے کی سزا ملے گی کیونکہ ہر شخص اپنے اعمال کا خود جواب دہ ہے۔

آیت نمبر ۴۲: قریشِ مکّہ کے بعض کافر سرداروں اور دیگر مشرکین کے مکر و فریب کا بیان ہے۔ وہ رسول اللہ A کی محفل میں حاضر ہو کر بظاہر بڑی توجہ سے قرآنِ حکیم سنتے ہیں۔ لیکن ان کی نیت ہدایت حاصل کرنے کی نہیں ہوتی۔ ان کو غیر عاقل بہرے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

علمی بات: یعنی ظاہری طور پر وہ قرآنِ حکیم تو سنتے ہیں، لیکن سننے کا مقصد چونکہ طلب ہدایت نہیں، اس لئے انہیں اس طرح کوئی فائدہ نہیں ہوتا جس طرح ایک بہرے کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا، بالخصوص جب بہرا غیر عاقل بھی ہو کیونکہ عقل مند بہرا پھر بھی اشاروں سے کچھ سمجھ لیتا ہے۔ لیکن ان کی مثال تو غیر عاقل بہرے کی طرح ہے جو بالکل ہی بے سمجھ رہتا ہے۔ ان باتوں سے نبی A کی تسلّی مقصود ہے، جس طرح ایک حکیم اور طبیب کو جب معلوم ہو جائے کہ مریض علاج کرانے میں سنجیدہ نہیں اور وہ میری ہدایات اور علاج کی پرواہ نہیں کرتا تو وہ اسے نظر انداز کر دیتا ہے۔

آیت نمبر ۴۳: سرداران قریش کا حق کے معاملے میں نابینا ہونے کا بیان ہے۔ دل کی بصیرت سے محروم ہونے کی وجہ سے رسول اللہ A کی صحبت ان کے لئے مفید نہیں ہوتی۔

علمی بات: بعض لوگ آپ A کی طرف دیکھتے ہیں لیکن اُن کا مقصد چونکہ کچھ اور ہوتا ہے اور اپنے دل میں نہ سمجھنے کا تہیہ کئے ہوتے ہیں اس لئے انہیں بھی اس طرح کوئی فائدہ نہیں ہوتا، جس طرح ایک اندھے کو نہیں ہوتا۔ بالخصوص وہ اندھا جو بصارت کے ساتھ ساتھ بصیرت سے بھی محروم ہو۔ کیونکہ بعض اندھے، جنہیں دل کی بصیرت حاصل ہوتی ہے، وہ آنکھوں کی بصارت سے محروم ہونے کے باوجود بہت کچھ سمجھ لیتے ہیں۔ لیکن ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی اندھا جو دل کی بصیرت سے بھی محروم ہو۔

آیت نمبر ۴۴: اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیتوں کا صحیح استعمال کر کے حق قبول نہ کرنے والے عذاب کے مستحق ہیں۔ یہ خود اپنے بُرے اعمال کے سبب اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کسی پر بھی ظلم نہیں کرتا۔

علمی بات: اپنے اوپر ظلم یہ ہے کہ فکر و نظر یعنی عقل و بصیرت سے کام نہ لینا اور اپنے حواس اور صلاحیتوں کو استعمال نہ کرنا یعنی حق اور باطل میں فرق کو نہ پہچاننا اور اگر حق سمجھ میں آجائے تو ضد میں اس کی طرف سے منہ موڑ لینا اور خود اپنے اختیار سے بُرے کام کرتے رہنا، قدرت کی نشانیوں کو سمجھنے کے باوجود لہو ولعب میں مشغول رہنا یہ سب اپنی جانوں پر ظلم ہے، ایسا شخص دوسروں پر ظلم کرنے والوں سے زیادہ ظالم ہوتا ہے کیونکہ اس کے نفس کا حق اس پر سب سے زیادہ ہے اور وہ اسی کو جہنم کی آگ کا مستحق بنانے پر تلا بیٹھا ہے۔

آیت نمبر ۴۵: روزِ قیامت اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے سامنے حاضر ہونے پر لوگ دُنیا کی زندگی کو انتہائی مختصر تصور کریں گے۔ مجرم ایک دوسرے کو پہچان لیں گے لیکن یہ پہچان مفید نہیں ہوگی۔ قیامت کے دن کو جھٹلا کر گمراہی میں پڑے رہنے والے ابدی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

علمی و عملی بات: یہ آخرت اور عذاب کے جھٹلانے والوں کی جلد بازی کا جواب ہے۔ فرمایا کہ آج تو ان کو آخرت بہت بعید معلوم ہوتی ہے لیکن جس دن وہ اکٹھا کیئے جائیں گے اس دن اس دُنیا کی زندگی کے متعلق ان کی سوچ یہ ہوگی کہ وہ اس دُنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے۔ وہ ایک دوسرے کو اس طرح پہچانتے ہوں گے گویا ان کی ملاقات صبح و شام کا قصّہ ہے۔ ہر بات ذہن میں اس طرح تازہ ہوگی گویا اس پر کوئی زمانہ گزرا ہی نہیں۔ مطلب یہ کہ اصل شے تو وہ احساس ہے جو اس دُنیا کی زندگی سے متعلق روزِ آخرت میں ان پر طاری ہوگا تو اب یہ انسان کی محرومی ہی ہے کہ وہ اس دُنیا کی زندگی کو بہت طویل اور سب کچھ سمجھ کر آخرت سے بے پرواہ بیٹھے اور جب اس سے ڈرایا جائے تو یہ رٹ لگانا شروع کر دے کہ اگر وہ آنی ہے تو آ کیوں نہیں جاتی۔

آیت نمبر ۴۶: نافرمانوں کی گرفت اور ان پر عذاب کی دو صورتوں کا بیان ہے۔ ان مجرمین کی سزا رسول اللہ A کی حیاتِ مبارکہ میں یا پھر رسول اللہ A کے دُنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد ظاہر کی جائے گی۔ ان کے تمام جرائم پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ گواہ ہے۔ وہ آخرت کے عذاب سے نہیں بچ سکیں گے۔

علمی بات: اگر ان کافروں اور منکرین پر عذاب کا کچھ حصّہ آپ A کی زندگی میں آجائے یا آپ A کے دُنیا سے رحلت فرمانے کے بعد آئے یا دُنیا میں چھوٹ دے کر آخرت میں پکڑا جائے بہر حال عذاب نے آکر رہنا ہے اور انہیں اپنی بداعمالیوں کا نتیجہ بہر حال بھگتنا ہے۔ یہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی گرفت سے

نہ تو چھوٹ سکتے ہیں اور نہ ہی بچ سکتے ہیں کہ ان سب نے آخر کار لوٹ کر اللہ ﷻ ہی کے پاس آنا ہے۔

آیت نمبر ۴۷: لوگوں کی ہدایت کے لئے ہر اُمّت میں ان ہی میں سے رسول بھیجے جانے کا بیان ہے۔ رسول کی دعوت کا ساتھ دینے والوں کی نصرت اور ٹھکرانے والوں کو سزا دی جاتی ہے۔ یہ فیصلہ انصاف پر مبنی ہوتا ہے۔ اللہ ﷻ اِتمامِ حجت سے پہلے کسی کو سزا نہیں دیتا۔

علمی بات: اس سے پہلے اُمّت محمدیہ A اور آپ A کا ذکر تھا۔ اب عام اقوام اور اُمتوں کا ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ ہر اُمّت کے پاس اللہ ﷻ کے احکام پہنچانے والے رسول بھیجے گئے ہیں۔ تاکہ اللہ ﷻ کی حجت تمام ہو، اِتمامِ حجت سے پہلے کسی کو عذاب نہیں دیا جاتا۔ اُن کو سزا رسول علیہ السلام کے آنے اور حجت تمام کرنے کے بعد دی جاتی ہے۔ اللہ ﷻ کے یہاں ظلم اور ناانصافی کا تصوّر نہیں کہ مجرموں کے لئے فوراً عذاب اور سزا کا فیصلہ اِتمامِ حجت سے پہلے سنا دیا جائے۔ اسی طرح قیامت میں بھی باقاعدہ پیشی ہوگی، فردِ جُرم لگانے کے لیے گواہ پیش ہوں گے پھر نہایت انصاف سے فیصلے ہوں گے۔

آیت نمبر ۴۸: مشرکین کی ہٹ دھرمی کا بیان ہے۔ عذاب کی تنبیہ کئے جانے پر وہ عذاب لے آنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔

شانِ نزول: دشمنوں پر عذاب نازل کرنا اور دوستوں کی مدد کرنا اور انہیں غلبہ دینا یہ سب مشیت الٰہی پر منحصر ہے اور مشیت الٰہی میں ان باتوں کا ایک وقت متعین ہے جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ جب آجاتا ہے تو گھڑی بھر بھی دیر نہیں لگتی۔

عملی پہلو: غافل انسان اپنے آپ کو مادر پدر آزاد سمجھتا ہے۔ وہ بظاہر دیکھتا ہے کہ وہ جو چاہے کرے نہ تو کوئی اس کی گرفت کر سکتا ہے اور نہ کوئی اسے سزا دے سکتا ہے۔ یہ صورتِ حال اس کو غفلت میں ڈال دیتی ہے۔ حتیٰ کہ اللہ ﷻ کا داعی جب اس کو اس کے انجام سے ڈراتا ہے تو وہ اللہ ﷻ کے داعی کا مذاق اڑانے لگتا ہے۔ وہ کہتا ہے ہماری سرکشی پر تم جس عذاب کی دھمکی دے رہے ہو وہ کب پوری ہوگی۔

آیت نمبر ۴۹: مشرکین کے مطالبہ کا جواب دو طریقوں سے دیا گیا ہے۔ رسول اللہ A عذاب نہیں لائیں گے۔ اللہ ﷻ جب چاہے گا عذاب لے آئے گا۔ ہر اُمّت کے لئے مہلت کی ایک مدت مقرر کر دی گئی ہے۔ عذاب کا وقت آجانے پر اس میں قطعاً تاخیر نہیں ہو سکتی۔

علمی و عملی بات: اللہ ﷻ کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ جس وقت رسول کی دعوت کسی شخص یا گروہ کو پہنچی اور اس نے اس کو ماننے سے انکار کیا یا ماننے میں تأمل کیا اس پر فوراً عذاب کا فیصلہ نافذ کر دے بلکہ اللہ ﷻ کا قاعدہ یہ ہے کہ ہر فرد کو اس کی انفرادی حیثیت کے مطابق اور ہر گروہ کو اس کی اجتماعی حیثیت کے مطابق سوچنے سمجھنے کے لئے کافی وقت دیتا ہے اور اس بات کو اللہ ﷻ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس کو کتنی مہلت ملنی چاہیئے۔ پھر وہ مہلت جب پوری ہو جاتی ہے اور وہ شخص یا گروہ اپنی باغیانہ روِش سے باز نہیں آتا تب اللہ ﷻ اس پر عذاب کا فیصلہ نافذ کرتا ہے۔ یہ فیصلے کا وقت اللہ ﷻ کی مقرر کردہ مدت سے نہ ایک گھڑی پہلے آسکتا ہے اور نہ وقت آجانے کے بعد ایک لمحہ ٹل سکتا ہے۔

آیت نمبر ۵۰: عذاب کی جلدی کرنے کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں: ۱۔ عذاب مانگنے والے عذاب جیسی خوفناک چیز کے لئے جلدی کر رہے ہیں۔ حالانکہ اس سے پناہ مانگنی چاہیئے۔ ۲۔ رات یا دن کسی بھی وقت عذاب آجائے تو اس وقت کیا یہ فوراً اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں؟

علمی بات: اللہ ﷻ کا عذاب رات کو آپڑے یا دن کو آجائے تو عذاب میں ایسی کون سی چیز ہے جس کی وجہ سے مجرمین عذاب کے لئے جلدی مچاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عذاب تو رات یا دن میں کسی وقت بھی نازل ہو سکتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ عذاب سخت چیز ہے اس کے آنے کی جلدی کیوں مچاتے ہیں، عذاب میں ایسی کون سی چیز مرغوب ہے جسے جلد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ حقیقتاً یہاں عذاب اُن کا مطلوب نہیں بلکہ وعدۂ عذاب کی تکذیب ان کا مقصود ہے۔

آیت نمبر ۵۱: عذاب کا مطالبہ کرنے والوں کو در حقیقت عذاب پر یقین نہیں ہے۔ ان کا یہ تقاضا محض جھٹلانے اور مذاق اڑانے کی نیت سے ہے۔ فی الواقع عذاب کے ظاہر ہونے پر انہیں یقین آجائے گا جو اس وقت بے سود ہو گا۔

علمی بات: اللہ ﷻ کا دستور اور قانون یہ ہے کہ وہ انسانوں کی توبہ کو اس وقت تک قبول فرماتا ہے جب تک موت کے فرشتے سامنے نہ آجائیں یعنی اس پر جاں کنی شروع نہ ہو جائے۔ لیکن جب موت کے فرشتے سامنے آجاتے ہیں تو پھر کسی طرح اس کی توبہ قبول نہیں کی جاتی۔ موت کے وقت کا ایمان اور توبہ اللہ ﷻ کے نزدیک معتبر نہیں، اسی طرح دُنیا میں وقوعِ عذاب سے پہلے پہلے توبہ قبول ہو سکتی ہے، جب عذاب آپڑے پھر توبہ قبول نہیں ہوتی، اس لئے خواہ یہ معاملہ انفرادی ہو یا اجتماعی اللہ ﷻ کا یہی قانون کسی فرد یا قوم پر جاری ہوتا ہے۔

یہاں اللہ ﷻ نے اپنا قانون بیان فرمایا ہے کہ آج یہ کفارِ مکّہ جس عذابِ الٰہی کو نظر انداز کر رہے ہیں اور اپنے کفر و شرک سے توبہ نہیں کرتے۔ اگر وہ عذاب آگیا تو پھر توبہ کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے۔

آیت نمبر ۵۲: عذاب آجانے پر ظالموں کا انجام بیان ہوا ہے۔ ان کے اعمال کے بدلے انہیں ہمیشہ جہنّم کا عذاب چکھنے کا حکم دیا جائے گا۔

علمی بات: موت کے بعد ظالموں سے کہا جائے گا کہ اب ہمیشہ کے اس عذاب کا مزہ چکھو جس نے کبھی ختم نہیں ہونا اور ان لوگوں سے مزید کہا جائے گا کہ انہیں اُن کے اپنے ہی اعمال کا بدلہ دیا جا رہا ہے جو وہ لوگ زندگی بھر کرتے رہے تھے۔ اس لئے دینِ حق سے منہ موڑنا ظلم ہے اب جس عذاب سے انہیں واسطہ پڑنے والا ہے وہ دائمی عذاب ہے جس سے بچ نکلنے کی کوئی صورت ممکن نہیں۔

عملی پہلو: انسان اس پہلو پر غور نہیں کرتا کہ جب معاملہ اللہ ﷻ اور انسان کے درمیان ہو تو فیصلہ کا اختیار تمام تر صرف فریقِ اوّل کو ہوتا ہے۔ انسان صرف یہ دیکھتا ہے کہ اللہ ﷻ کا قانون فوراً حرکت میں نہیں آرہا ہے اس لئے وہ غفلت میں پڑا رہتا ہے۔ مگر جب اللہ ﷻ کا فیصلہ آئے گا تو اس وقت انسان اپنے آپ کو بے بس پا کر سب کچھ مان لے گا حالانکہ اس وقت کا ماننا کچھ کام نہ آئے گا کیونکہ وہ عمل کا انجام پانے کا وقت ہو گا نہ کہ عمل کرنے کا۔

آیت نمبر ۵۳: مشرکین کا تمسخر آمیز لہجہ میں قیامت کے متعلق سوال کرنے کا بیان ہے۔ رسول اللہ A کو رب کی قسم بیان فرما کر قیامت کے وقوع کا اعلان کرنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ مشرکین اللہ ﷻ کو عاجز نہیں کر سکتے اور اس کی پکڑ سے بھاگ نہیں سکتے۔

علمی بات: کفار غفلت کے نشے میں چُور ہو کر تعجب سے پوچھتے ہیں کہ کیا واقعی ہم ریزہ ریزہ ہو کر اور خاک میں مل کر دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اور دائمی عذاب کا مزہ چکھیں گے؟ آپ A فرما دیجئے کہ اس میں تعجب کی کیا بات ہے، یہ بات تو یقینی ہے۔ تمہارا مٹی میں مل جانا اور ریزہ ریزہ ہو جانا اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتا کہ وہ تمہیں پہلے کی طرح دوبارہ زندہ نہ کرے اور عذاب کا مزہ نہ چکھائے۔ تمہارا اللہ کے قبضہ سے بھاگ نکلنا ناممکن ہے۔

مشقوں کے جوابات

سوال ۱: خالی جگہیں پُر کریں:

(۱) آیت: ۲ میں آپ ﷺ کو تلقین کی گئی کہ اہل ایمان کو رب کے ہاں بلند رتبہ کی خوشخبری دیں۔

(۲) آیت: ۱۲ میں ناشکرا انسان تکلیف دور ہو جانے کے بعد ایسا ہو جاتا ہے گویا اس نے اللہ ﷻ کو پکارا ہی نہ ہو۔

(۳) آیت: ۱۷ میں سب سے بڑا ظالم اللہ ﷻ پر جھوٹ باندھنے والے اور اللہ ﷻ کی آیتوں کو جھٹلانے والے کو قرار دیا گیا ہے۔

(۴) آیت: ۲۴ میں اللہ ﷻ نے انسان کی زندگی کے لئے بارش سے پیدا ہونے والی نباتات کی مثال بیان فرمائی ہے۔

(۵) آیت: ۴۵ میں قیامت کے دن لوگوں کو آخرت کی زندگی کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی صرف ایک گھڑی محسوس ہو گی۔

سوال ۲: مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجیے:

۱- پہلے رکوع کی روشنی میں جنّت میں اہلِ جنّت کی دُعائیں یا مناجات تحریر کریں۔

اہلِ جنّت کی پکار یہ ہو گی کہ اے اللہ! تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے اور وہ ایک دوسرے کے خیر مقدم کے لئے سلام بولیں گے اور آخری دُعا یہ ہو گی کہ تمام تعریفیں اللہ ﷻ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

۲- دوسرے رکوع میں قرآنِ حکیم کے بارے میں مشرکینِ مکہ کا کیا مطالبہ بیان ہوا ہے اور اس مطالبہ کا اُنہیں کیا جواب دیا گیا ہے؟

مشرکین کا مطالبہ یہ بیان ہوا ہے کہ اس قرآنِ حکیم کے سوا کوئی اور قرآنِ پاک لے آئیں یا اسے بدل دیں اس مطالبہ کا اُنہیں رسول اللہ ﷺ کی زبانی یہ جواب دیا گیا کہ آپ ﷺ فرما دیجئے کہ مجھے یہ حق نہیں کہ میں اسے اپنی طرف سے بدل دوں میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی فرمائی جاتی ہے۔

۳- تیسرے رکوع کی روشنی میں جواب دیں کہ قیامت کے دن اہلِ جہنّم اور اہلِ جنّت کے چہرے کیسے ہوں گے؟

قیامت کے دن اہلِ جنّت کے چہروں پر نہ سیاہی چھائے گی اور نہ ذلّت جبکہ اہلِ جہنّم کے چہروں پر ذلّت چھا جائے گی، گویا ان کے چہرے اندھیری رات کے ٹکڑوں سے ڈھانپ دیئے گئے ہیں۔

۴- چوتھے رکوع میں توحید باری تعالیٰ کے دلائل کا بیان ہے۔ آپ کم از کم پانچ دلائل تحریر کریں۔

۱۔ اللہ ﷻ ہی آسمان وزمین سے رزق عطا فرماتا ہے۔ ۲۔ اللہ ﷻ ہی ہے جو سب کو سن سکتا ہے اور دیکھ سکتا ہے ۳۔ اللہ ﷻ ہی زندہ کرتا ہے۔

۴۔ اللہ ﷻ ہی بے جان کو جاندار سے باہر نکالتا ہے۔ ۵۔ اللہ ﷻ ہی ہر کام کا انتظام کرتا ہے۔

۵- چوتھے رکوع کی روشنی میں جواب دیں کہ قرآنِ حکیم کی کیا شان بیان کی گئی ہے؟

قرآنِ حکیم کوئی گھڑی ہوئی کتاب نہیں بلکہ اس میں تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق اور تفصیل موجود ہے اور یہ اللہ ﷻ کا نازل کردہ کلام ہے۔

سُوۡرَۃُ یُوۡنُس (حصّہ دوم)

مقاصدِ مطالعہ: اس سورت کے مطالعہ کے بعد طلبہ کو مندرجہ ذیل مضامین سے آگاہی حاصل ہونی چاہیئے:

1. آیات: ۵۴ تا ۷۰ — مشرکین کے بُرے اعمال کا ذکر اور ان کو دعوت حق دینے کا طریقہ، آپ ﷺ کو تسلی وبشارت، اللہ ﷻ کی قدرت کاملہ و دلائلِ توحید، وسعت علم باری تعالیٰ، اولیاء اللہ کی علامات اور صفات، اولیاء اللہ کو روزِ قیامت اور دنیا میں کسی قسم کا خوف اور رنج و ملال نہ ہونے کا بیان۔
2. آیات: ۷۱ تا ۹۳ — قرآن پاک کی صداقت کا ثبوت اور عبرت و نصیحت کے لئے انبیاء کرام حضرت نوح علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کا ذکر اور اللہ ﷻ کی طرف سے بنی اسرائیل کو اپنے انعامات یاد دلانے کا بیان۔
3. آیات: ۹۴ تا ۱۰۲ — قرآن کریم کی حقانیت عظمت و فضیلت، مشکلات میں گھری قوم کے لئے قوم یونس کی مثال اور دعاؤں کی تلقین، حضورِ اکرم ﷺ کے ذریعہ دین اسلام کی حقانیت کا تذکرہ، توحید کی تعلیم و تاکید اور مکذبین کو قدرت کی نشانیوں میں غور کا حکم۔
4. آیات: ۱۰۳ تا ۱۰۹ — قرآنِ حکیم کے احکام پر عمل کرنے میں ہی کامیابی، آپ ﷺ سے اللہ ﷻ کا خصوصی خطاب و احکامات اور آپ ﷺ کو تسلی و تشفی کا بیان۔

آیت نمبر ۵۴: روزِ قیامت اللہ ﷻ کی بارگاہ میں ظلم کرنے والوں کی حالتِ زار بیان کی گئی ہے۔ اس دن وہ زمین کے تمام خزانے بطور فدیہ دے کر عذاب سے نجات پانے کے لئے تیار ہوں گے اور اپنی ندامت کو چھپائیں گے تاکہ سب کے سامنے مزید رُسوائی نہ ہو مگر بالآخر اس میں ناکام رہیں گے اور اللہ ﷻ کی بارگاہ میں حق اور انصاف کے ساتھ فیصلے ہوں گے۔

علمی بات: کفار آج تو مال و دولت پر مغرور اور نازاں ہیں۔ اپنی عزّت، اپنی سلامتی اور اپنے عیش و آرام کو اس مال و دولت سے وابستہ سمجھ رہے ہیں لیکن کل جب یہ اللہ ﷻ کی بارگاہ میں حاضر کیئے جائیں گے اور ان کے گناہوں کا بوجھ ان کی گردن پر لاد دیا جائے گا دوزخ کے شعلے ان کی طرف لپک رہے ہوں گے اس وقت ان کی یہ خواہش ہو گی کہ کاش ان سے یہ سب کچھ لے لیا جائے اور ان کی جان بخشی کر دی جائے۔ مشرکین کی حسرتوں کا کوئی فائدہ نہ ہو گا۔

عملی پہلو: آدمی جسمانی ساخت کے لحاظ سے کمزور مخلوق ہے۔ وہ زیادہ تکلیف کو برداشت نہیں کر سکتا۔ دُنیا میں جب تک اس کو عذاب کا سامنا نہیں ہوتا وہ حق کا مذاق اڑاتا ہے۔ وہ اس کو شانِ بے نیازی کے ساتھ ٹھکرا دیتا ہے۔ مگر جب آخرت کا عذاب سامنے ہو گا تو اس پر اتنی گھبراہٹ طاری ہو گی کہ دُنیا کا سب کچھ اس کو حقیر معلوم ہونے لگے گا۔ ساری دُنیا کی مال و دولت اور تمام نعمتیں عذابِ الٰہی کے مقابلے میں حقیر اور ہیچ نظر آئیں گی اور اس کی خواہش ہو گی کہ دُنیا کا سب کچھ فدیہ میں دے کر اس تکلیف دہ عذاب سے نجات پا جائے۔

آیت نمبر ۵۵: اللہ ﷻ ہی کائنات کا حقیقی مالک ہے۔ قیامت ضرور قائم ہو گی اور انسانوں کا حساب و کتاب ضرور ہو گا۔ انسانوں کی اکثریت آخرت سے غافل رہتی ہے۔

علمی بات: اس دنیا میں لوگ ظاہری اسباب کی طرف نظر دوڑاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ فلاں کا مال ہے، فلاں کی جائیداد ہے۔ کیونکہ وہ غفلت اور جہل کی وجہ سے امور ظاہرہ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اس غفلت پر اللہ تعالیٰ نے متنبہ کیا ہے کہ تمام آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کی ملکیت ہے،

وہی زندگی دینے اور لینے والا ہے۔ جب وہ تمہاری زندگی واپس لے لے گا تو تمہارے ملکیت میں کیا رہ جائے گا؟ لہٰذا تم نہ اپنے مالک ہو نہ اپنے مال و جائیداد کے، سب کا مالک اللہ ہی ہے۔

آیت نمبر ۵۶: زندگی اور موت پر صرف اللہ ﷻ کا اختیار ہونے اور تمام انسانوں کا اسی کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا بیان ہے۔ ہر ایک کو اپنے اعمال کے بارے میں خود جواب دینا ہو گا۔ صرف زمین و آسمان کی ملکیت ہی نہیں، بلکہ زندگی اور موت دینا بھی اللہ ﷻ ہی کے اختیار میں ہے اور لوگوں کو دوبارہ زندہ ہو کر اسی کے پاس جانا ہے۔

علمی بات: آسمان و زمین میں ہر چیز کی ملکیت، وعدہ الٰہی کا برحق ہونا، زندگی اور موت سب اللہ کے اختیار میں ہے، جو ذات سارے اختیارات کی مالک ہے اُس کی گرفت سے کون بچ سکتا ہے؟ اور جو دن اُس نے حساب و کتاب کے لئے مقرر کیا ہے، اُسے کون ٹال سکتا ہے؟ یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے۔

آیت نمبر ۵۷: قرآنِ حکیم کی چار صفات کا بیان ہے جو باہمی مربوط ہیں۔ ۱۔ مَوعِظہ: قرآنِ حکیم ایسی نصیحت ہے جس سے دلوں میں نرمی، دُنیا سے بے رغبتی اور آخرت سے لگاؤ پیدا ہوتا ہے۔ ۲۔ شِفاء: یہ انسانوں کی باطنی بیماریوں یعنی دل کی بیماریوں کا علاج ہے۔ ۳۔ ھُدیٰ: یہ انسانوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح کے لئے ہدایات فراہم کرتا ہے۔ ۴۔ رَحمۃ: اس پر ایمان لانے اور اس کی پیروی کرنے والوں کے لئے دُنیا اور آخرت میں رحمت کا باعث ہے۔

علمی بات: دل کی سختی وہ بنیادی مرض ہے جس کے باعث اعلیٰ سے اعلیٰ کلام بھی کسی انسان پر بے اثر ہو کر رہ جاتا ہے۔ چنانچہ قبولِ ہدایت کے لئے سب سے پہلے دلوں کی سختی کو دور کرنا ضروری ہے۔ جیسے بارش سے فائدہ نرم زمین کو ہوتا ہے پتھریلی زمین بارش سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتی، بارش کا پانی اوپر ہی اوپر بہہ کر نکل جاتا ہے، اس کے اندر جذب نہیں ہوتا۔ دلوں کی سختی کو دور کرنے کے لئے مؤثر ترین نسخہ وعظ و نصیحت (موعظ) ہے۔ جب وعظ اور نصیحت سے دلوں میں گداز پیدا ہو گا تو پھر قرآنِ حکیم ان پر دوا کی مانند اثر کر کے تکبر، حسد، بغض، حُبِّ دُنیا وغیرہ تمام امراض کو دور کر دے گا۔ حُبِّ دُنیا میں مال و دولت، اولاد، بیوی شہرت وغیرہ کی حد سے بڑھی ہوئی تمام محبتیں شامل ہیں۔ ایک انسان کے حق میں قرآنِ حکیم سب سے پہلے وعظ اور نصیحت ہے، پھر تمام امراضِ قلب کے لئے شفاء اور پھر ہدایت۔ کیونکہ جب دل سے بیماری نکل جائے گی، دل شفایاب ہو گا تب ہی انسان قرآنِ حکیم کی ہدایت اور رہنمائی کو عملاً اختیار کرے گا اور جب انسان یہ سارے مراحل طے کر کے قرآنِ حکیم کی ہدایت کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال لے گا تو پھر اس کو انعامِ خاص سے نوازا جائے گا اور وہ ہے اللہ ﷻ کی خصوصی رحمت۔ کیونکہ یہ قرآنِ حکیم ربِ رحمان کی رحمانیت کا مظہر اتم ہے: (اَلرَّحۡمٰنُ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ)۔

عملی پہلو: قرآنِ حکیم نے ان لوگوں کی زندگیوں کی کایا پلٹ دی تھی جو کفر و شرک میں ڈوب کر انسانیت اور اخلاق کے ہر اصول کو بھول چکے تھے۔ وہ تاثیر آج بھی ہے اور قیامت تک اس کی تاثیر برقرار رہے گی بات صرف عمل کرنے کی ہے۔ نبی کریم A کے جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآنِ حکیم اور اپنے نبی A کی سنّت پر عمل کیا تو وہ ساری دُنیا پر چھا گئے، تمام قوتیں اور طاقتیں ان کی غلام اور محکوم بن کر رہ گئیں۔ پہلے کی طرح آج بھی ہماری بلندی، نجات، کامیابی اور روحانی بیماریوں کا علاج قرآن و سنّت ہی میں موجود ہے۔

آیت نمبر ۵۸: قرآنِ حکیم اللہ ﷻ کی رحمت کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ قرآنِ حکیم سب سے بڑی دولت ہے۔ اس دولت کو سعادت اور خوش نصیبی سمجھنا چاہئے۔ اس دولت میں کچھ مل گیا تو بہت کچھ مل گیا۔ اس کے سوا باقی بہت کچھ ملا تو کچھ بھی نہ ملا۔

علمی بات: فضل سے مراد قرآنِ حکیم ہے اور یہی اللہ ﷻ کی رحمت کا سب سے بڑا مظہر بھی ہے جیسے فرمایا کہ اَلرَّحۡمٰنُ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ۔ ترجمہ: رحمٰن نے (اپنے رسول A کو) قرآن سکھایا۔ (سُوۡرَۃُ الرَّحۡمٰنِ ۵۵ آیت:۱) ایک رائے کے مطابق رحمت سے مراد صاحب قرآن رسالت مآب A بھی ہیں جیسا کہ ارشاد ہے: وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ۔ ترجمہ: اور ہم نے آپ (A) کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ (سُوۡرَۃُ الۡاَنۡبِيَآءِ، آیات:۱۰۷) قرآنِ حکیم اور صاحب قرآن کی صورت میں ہم پر اللہ ﷻ کا سب سے بڑا فضل اور رحمت کا نزول ہوا ہے۔

عملی پہلو: انسان صرف اللہ ﷻ کی رحمت اور اس کے فضل کی وجہ سے مسرور ہو نہ کہ مادی اسباب میں زیادتی کی وجہ سے کیونکہ مادی اسباب اور اس کی لذّتیں فانی ہیں ان کے زوال کا خدشہ انسان کو لاحق رہتا ہے جبکہ روحانی ترقی اللہ ﷻ کے فضل اور راحت کی دلیل ہے کیونکہ روحانی ترقی اخلاص سے مزیّن اعمال اور تقویٰ کی بدولت ملتی ہے یہ انسان کی نیک بختی اور سعادت مندی کی دلیل ہے اور لافانی دولت بھی۔

آیت نمبر ۵۹: مشرکین کے مذہبی پیشواؤں کو سرزنش کی گئی ہے۔ وہ اپنی من گھڑت رسموں کے ذریعے اللہ ﷻ کے عطا کردہ رزق کو حلال یا حرام ٹھہراتے تھے۔ رزق کا اطلاق صرف خوراک پر ہی نہیں ہوتا بلکہ مال، صحت، علم، لباس، مکان، سواری وغیرہ بھی رزق میں شامل ہیں۔ عرب کے مشرکین نے مختلف جانوروں کو بُتوں کے ناموں پر مخصوص کر کے انہیں خواہ مخواہ حرام قرار دے دیا تھا۔

علمی و عملی بات: اپنی طرف سے کسی بھی چیز کو حلال یا حرام قرار دینا اللہ ﷻ پر جھوٹ باندھنا ہے۔ اللہ ﷻ نے بندوں کو پیدا فرمایا ان کو رزق بھی عطا فرمایا۔ اللہ ﷻ کے رسولوں نے اللہ ﷻ کی کتابوں کے احکام اور حلال و حرام کی وہ تفصیلات بتائیں جو اللہ ﷻ کے نزدیک حلال اور حرام تھیں۔ مشرکین نے جو اپنی طرف سے حرام و حلال تجویز کر رکھا ہے اس کی بھی تردید فرمائی اور اُمّتِ محمدیہ A کے لئے بھی پیش بندی کے طور پر فرمادیا کہ اللہ ﷻ کی ہدایات سے ہٹ کر اپنے طور پر حرام و حلال کے فیصلے کرنا کسی کے لئے جائز نہیں ہے جو کتاب و سنّت نے حلال ٹھہرایا وہی حلال ہے اور حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنا بندہ کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔

آیت نمبر ۶۰: خود ساختہ حلال و حرام کو اللہ ﷻ کی طرف منسوب کرنے والوں کو قیامت کے دن شدید وعید سنائی گئی ہے۔ اللہ ﷻ بلا تفریق سب کو رزق عطا فرماتا ہے۔ انسانوں کی اکثریت شکر کرنے کے بجائے اللہ ﷻ کی حدود کی خلاف ورزی کرتی ہے۔

علمی و عملی بات: کفار روزِ قیامت کے متعلق کیا خیال کر رہے ہیں کہ کیا معاملہ ان کے ساتھ ہو گا؟ سخت پکڑے جائیں گے، یا سستے چھوٹ جائیں گے؟ عذاب بھگتنا پڑے گا یا نہیں؟ کن خیالات میں پڑے ہیں۔ یاد رکھیں جو دردناک سزا ملنے والی ہے وہ ٹل نہیں سکتی۔ اللہ ﷻ اپنے فضل سے دُنیا میں بہت کچھ مہلت دیتا ہے۔ بہت سی تقصیرات و کوتاہیوں سے درگزر فرماتا ہے۔ لیکن بہت سے لوگ اس نرمی اور ستّاری کو دیکھ کر بجائے شکر گذار ہونے کے اور زیادہ دلیر اور بے خوف ہو جاتے ہیں۔ بالآخر مستحقِ عقاب ٹھہرتے ہیں اور اللہ ﷻ کی پکڑ اور گرفت میں آتے ہیں۔

آیت نمبر ۶۱: بیک وقت رسول اللہ A اور مشرکین دونوں کو خطاب ہے۔ رسول اللہ A لوگوں کی ہدایت کے لئے قرآنِ حکیم سناتے ہیں اور اس کے ذریعے جہاد کر رہے ہیں۔ جبکہ مخالفین رسول A اور اہلِ ایمان کو تکلیفیں پہنچا کر اسلام کی راہ سے روکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کائنات میں اللہ ﷻ کے اِذن سے کوئی چیز باہر نہیں۔ بندوں کا کوئی کردار اس کی نظروں سے اوجھل نہیں۔ تلاوتِ قرآنِ حکیم کا خاص طور ذکر کیا گیا ہے۔ ہر چھوٹی بڑی چیز کا اندراج لوحِ محفوظ میں ہے۔ اللہ ﷻ کی وسعت علم کے بیان کی حکمت یہ ہے کہ مخالفین کو تنبیہ ہو جائے اور رسول اللہ A اور آپ علیہ السلام کے ذریعہ اہل ایمان کو تسلّی و تشفّی نصیب ہو۔

علمی بات: ۱۔ آپ علیہ السلام جس کام اور جس حال میں ہمیشہ ہوتے ہیں یا قرآنِ حکیم پڑھتے ہیں اس کا کوئی جُز اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے مخفی نہیں اسی طرح تمام انسان جو کچھ عمل کرتے ہیں وہ ہماری نظروں کے سامنے ہیں اور آسمان و زمین میں کوئی ایک ذرہ بھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے چھپا ہوا نہیں ہے بلکہ ہر چیز کتابِ مبین یعنی لوحِ محفوظ میں لکھی ہوتی ہے۔ علمِ الٰہی کی وسعت اور ہر چیز کو محیط ہونے کے بیان میں حکمت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ نبی کریم A کو تسلّی دی جائے کہ اگرچہ مخالف اور دشمن آپ علیہ السلام کے بہت ہیں مگر آپ A اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی حفاظت میں ہیں آپ علیہ السلام کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔

۲۔ قیامت میں انسانوں کے دوبارہ زندہ ہونے کو مشرکینِ عرب اس وجہ سے ناممکن سمجھتے تھے کہ اربوں انسان جب مر کر مٹی کے ذرّات میں تبدیل ہو چکے ہوں گے، اس کے بعد ان سب کو اکٹھا کر کے دوبارہ زندگی کیسے دی جاسکتی ہے؟ یہ کیسے معلوم ہوگا کہ مٹی کا کونسا ذرہ کس انسان کے جسم کا حصّہ تھا۔ آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ تم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی قدرت اور علم کو اپنے اوپر قیاس مت کرو۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا علم اتنا وسیع ہے کہ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

آیت نمبر ۶۲: اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے فرماں برداروں اور دوستوں کا ذکر جنھیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اولیاء کہا گیا ہے۔ ولایت کا ایک معنی ہے قُرب۔ اولیاء کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ انھیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ غم۔ اولیاء اللہ کی صفات اگلی آیت میں بیان کی گئی ہیں۔

علمی بات: ۱۔ ولی وہ مومن کامل ہے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو پہچاننے، اخلاص کے ساتھ دائمی عبادت کرنے اور ہر قسم کے گناہوں سے اجتناب کرنے والا ہے۔ جس کا دل اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی یاد اور اس کے دھیان میں مشغول رہے۔ وہ اگر کسی سے محبت کرتا ہے تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لئے اگر کسی سے نفرت کرتا ہے تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لئے۔ یہی وہ مقام ہے جسے حدیث مبارکہ میں تکمیل ایمان کہا گیا۔

۲۔ قُرب کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ قُرب جو ہر انسان بلکہ کائنات کے ذرہ ذرہ کو اپنے خالق سے ہے اور اگر یہ قُرب نہ ہو تو کوئی چیز موجود نہ ہوسکے۔ دوسرا قُرب وہ ہے جو صرف خاص بندوں کو میسر ہے اسے قُربِ محبت کہتے ہیں۔ قُربِ محبت کے بے شمار درجے ہیں اس قُربِ محبت کا سب سے بلند اور ارفع مقام وہ ہے جہاں محبوبِ رَبُّ العٰلَمِین فائز ہیں۔

۳۔ خوف مستقبل اور غم ماضی کے واقعات سے تعلق رکھتا ہے۔ اولیاء اللہ نہ ماضی کے حادثات اور فوت شدہ چیزوں پر اور نہ مستقبل کے اندیشوں اور پریشانیوں کا خوف رکھتے ہیں۔ راضی برضائے رب کی کیفیت ہر وقت ان کے شاملِ حال ہوتی ہے اور ماضی کی کسی بات کا کوئی غم نہ ہونا اور مستقبل میں بے خوف ہونا یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ کیونکہ دُنیا میں عام طور پر ہر انسان کو خواہ وہ کتنا خوشحال ہو، ہر وقت مستقبل کا کوئی نہ کوئی خوف یا ماضی کا کوئی نہ کوئی غم پریشان کرتا رہتا ہے۔ یہ نعمت کامل طور پر تو صرف جنّت ہی میں حاصل ہوگی کہ انسان ہر طرح کے خوف اور صدمے سے بالکل آزاد ہو جائے گا۔

آیت نمبر ۶۳: وہ سچے اور مخلص مومن ہوتے ہیں جن کے دل نورِ ایمان سے منور ہوتے ہیں۔ وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت سے سرشار رہتے ہیں اور گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں۔

علمی بات: ۱۔ جو لوگ ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا یہ لوگ اولیاء اللہ ہیں۔ ایمان کے بغیر تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا کوئی دوست ہو ہی نہیں سکتا۔ خواہ کیسی اور کتنی ریاضت کرے اور عبادت کے نام سے کچھ بھی عمل کرے۔ کافر اور مشرک کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا قُرب نصیب نہیں ہوتا اور وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ولی نہیں ہو سکتا۔

۲۔ ہر وہ عمل جو ایمان کے تقاضوں کے مطابق ہو اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو وہ سب عمل قُربِ خداوندی اور رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے۔ اولیاء اللہ کی تعریف میں جو اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فرمایا یہ ایمان کے تمام تقاضوں کو شامل ہے فرائض سے لے کر مستحبات تک جو بھی کرنے کے کام ہیں وہ سب اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا قُرب حاصل ہونے کا ذریعہ ہیں۔ یہ تو ایمان کے تقاضوں کا ذکر ہوا جن پر عمل کرنا ہے ان کے علاوہ دوسرے تقاضے بھی ہیں جن کا تعلق ان اعمال سے

ہے جن کا ارتکاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس کو وَکَانُوۡایَتَّقُوۡنَ میں بیان فرمادیا۔ حرام سے لے کر مکروہ تنزیہی تک جو اعمال ترک کرنے کے ہیں ان سے بچنا بھی رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے اور یہ بھی عبادت ہے۔

آیت نمبر ۶۴: اولیاء اللہ کے لئے دُنیا و آخرت کی بشارتیں دی گئی ہیں۔ یہ بشارتیں حتمی اور یقینی ہیں۔ یہی حقیقت میں سب سے بڑی کامیابی ہے۔

علمی بات: اس حوالے سے مفسرین کرام کی مختلف آراء ہیں۔ ا۔ اس بشارت سے اچھے خواب مراد ہیں جنہیں آدمی خود دیکھے یا اس کے لئے دیکھے جائیں۔ ۲۔ اس بشارت سے دُنیا میں نیک نامی بھی مراد لیتے ہیں۔ ۳۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ دُنیا کی بشارت یہ ہے کہ موت کے وقت فرشتے بشارت لے کر آتے ہیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضامندی کی خوشخبری دی جاتی ہے۔ ۴۔ اس سے وہ بشارت مراد ہے جس کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مؤمنین سے وعدہ فرمایا ہے کہ انہیں جنّت کا داخلہ نصیب ہوگا۔

یہ بشارتیں اس دُنیا میں دی گئی ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی باتوں یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے وعدوں میں کوئی تبدیلی نہیں جو وعدے فرمائے ہیں وہ سب پورے ہوں گے جو بشارتیں دی ہیں وہ سچی ہیں ان کے مطابق انعام دیا جائے گا۔

آیت نمبر ۶۵: رسول اللہ A اور اہلِ ایمان کو مخالفینِ اسلام کی بدکلامی سے غمزدہ نہ ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔ حقیقی غلبہ، قوّت و عزّت۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ مخالفین بالآخر مغلوب ہوں گے اور اہلِ حق کو عزّت اور غلبہ نصیب ہوگا۔

علمی و عملی بات: آنحضرت A کے مخالفین آپ A کے منہ پر بھی اور غائبانہ طور پر بھی (معاذاللہ) ایسی باتیں کرتے تھے جو شرافت کی حد سے خارج اور انتہائی تکلیف دہ تھیں جس سے طبعاً آپ A کو تکلیف ہوتی تھی اس تکلیف اور رنج پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ A کو تسلّی دیتے ہوئے فرمایا عزت تو اللہ ہی کے لئے اور اس کے رسول (A) کے لئے اور مومنوں کے لئے ہے لیکن منافقین نہیں جانتے۔ سورۃ المنافقون ۶۳، آیت: ۸ عزّت مند وہ ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے معزز ہو، اس میں ہمارے لئے سبق ہے کہ اگر مخالف ہمارے خلاف پروپیگنڈہ کرتا ہے تو یہ اس کا کام ہے ہم اس کی پرواہ نہ کریں اور دعوتِ حق اور صحیح کام کرتے رہیں۔

آیت نمبر ۶۶: آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ملکیت میں ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا (نعوذ باللہ) دوسرے شرکاء کو پکارنے والے محض گمان کی پیروی کرتے ہیں۔ ان کے پاس شرک کی کوئی دلیل نہیں۔ محض گمان اور اندازے ہیں۔

علمی بات: ا۔ زمین و آسمان کا منتظم اور مدبّر کون ہے؟ جو اس کو سنبھالے ہوئے ہے اور اس کو چلا رہا ہے۔ یہ سوال ہر زمانہ میں انسان کی تلاش کا مرکزی نکتہ رہا ہے۔ مگر اس سوال کا صحیح جواب پانا اسی وقت ممکن ہے جب کہ مادی دُنیا سے باہر کی دُنیا تک دیکھ سکے اس ظاہری مادی دُنیا سے الگ تصوّراتی دُنیا تک دیکھنے والی آنکھ کسی کو حاصل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر وہ جواب جو وہ خود قائم کرتا ہے وہ محض قیاس و گمان کی بنیاد پر ہوتا ہے نہ کہ حقیقی علم کی بنیاد پر۔ اس دُنیا میں حقیقی علم کی بنیاد پر بولنے والے صرف وہ لوگ ہیں جن کو پیغمبر کہا جاتا ہے۔ یہ وہ مخصوص لوگ ہیں جن کا رابطہ عالم بالا سے براہِ راست قائم ہوتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ خود انہیں اپنی طرف سے حقیقت کی خبر دیتا ہے۔ اس لئے اس دُنیا میں پیغمبرانِ اسلام کا علم ہی واحد علم ہے جو یقینی اور قطعی ہوتا ہے۔

۲۔ جو لوگ اپنے خیال کے مطابق "شرکاء" کی پیروی کر رہے ہیں۔ وہ کسی حقیقت کی پیروی نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ صرف اپنے قیاس و گمان کی پیروی کر رہے ہیں۔ پیغمبروں کے ذریعہ ظاہر ہونے والی حقیقت کی تصدیق ساری کائنات کر رہی ہے مگر "مشرکین" جس چیز کے مدعی ہیں اس کی تصدیق کرنے والا کوئی نہیں۔

آیت نمبر۶۷: کائنات کی نشانیاں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے وجود اور قدرت پر دلیل ہیں۔

علمی بات: ا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اپنی حکمت کے زیرِ اثر اتنی بڑی بڑی چیزیں پیدا کیں جو انہی لوگوں کے لئے مفید ہیں جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا کلام اور اس کی وعظ و نصیحت، حق کو قبول کرنے کی نیت سے سنیں اور ان کے تقاضوں کے مطابق چلنے اور حق کو قبول کرنے سے گریز نہ کریں۔ کسی چیز کو ماننے اور تسلیم کرنے کی پہلی منزل سننا ہوتا ہے۔ جو پیغام سنے گا نہیں وہ غور کیا کرے گا اور اسے کیسے سمجھے گا؟ لہٰذا ایسا شخص دوسری منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ تیسری منزل کسی چیز کو یاد کرنا ہوتا ہے اور چوتھی منزل اس پر عمل پیرا ہونا ہے۔ اس کے بعد آخری منزل یہ ہے کہ جو کچھ حاصل ہو اس پر عمل کرکے اسے دوسروں تک بھی پہنچائے یہاں پر "یَسمَعُون" کے لفظ سے پہلی منزل کی طرف اشارہ ہے کیونکہ سارا معاملہ اسی سے آگے چلے گا۔

۲۔ جس طرح رات کی تاریکی کے بعد اللہ سبحانہ و تعالیٰ روزِ روشن کو لاتا ہے اور دن کے اُجالے میں وہ چیزیں نظر آتی ہیں جو شب کی ظلمت میں دکھائی نہ دیتی تھیں۔ ایسے ہی مشرکین کے ذہنوں میں اور خیالات و اوہام کے اندھیروں کا پردہ چاک کرنے کے لئے اس نے قرآنِ حکیم کا آفتاب چمکایا جو لوگوں کو معرفتِ الٰہی کا ٹھیک راستہ دکھانے والا ہے اور ظُلمت اور اندھیروں سے نکالنے والا ہے۔

آیت نمبر۶۸: کفارِ عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ فرشتے (نعوذ باللہ) اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ اس کے رد کے لئے دو دلیلیں پیش فرمائی جارہی ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ وہ غنی ہے۔ یعنی وہ کسی کا محتاج نہیں اور کائنات کا ذرہ ذرہ اپنے وجود، اپنی نشو و نما اور اپنی بقاء میں اس کا محتاج ہے، اولاد کی ضرورت تو اس لئے ہوتی ہے جو خود کمزور ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کی وجہ سے طاقتور ہو جائے اور اپنے دشمنوں کو مغلوب کرسکے یا وہ فقیر و مسکین ہوں کہ اس کی اولاد ہو جو کسبِ رزق میں اس کی معاون ثابت ہو۔ جو ذات ہر قسم کی احتیاج اور ضرورت سے پاک ہے اس کو اولاد کی خواہش آخر کیوں ہو۔ دوسری دلیل "جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے" اور کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز اس کی پیدا کردہ ہے اور اس کی مملوک ہے تو وہ اس کی اولاد کیسے بن سکتی ہے؟

آیت نمبر۶۹: فلاح نہ پانے کا مطلب ہے کہ ایک شخص اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہو بلکہ اگر وقتی طور سے کچھ ہاتھ بھی لگ جائے تو بھی بالآخر دائمی ناکام اور نامراد ہو۔ بعض لوگ گھٹیا مقاصد کے ساتھ فوری نتائج کے طالب ہوتے ہیں تو جب انہیں اپنا مطلوب جلد حاصل ہو جائے تو وہ سمجھتے ہیں کہ وہ کامیاب ہوگئے حالانکہ وہ ظاہری اور سطحی مطلوب ہے جس کے پیچھے خوفناک عذاب کروٹ لے رہا ہے۔ چند روزہ عیش کا خاتمہ یقینی ذلّت اور مصیبت پر ہو تو اسے فلاح نہیں کہہ سکتے۔ حالانکہ اصل کامیاب تو وہ لوگ ہیں جو اُخروی فلاح حاصل کرنے والے ہیں۔

آیت نمبر۷۰: دنیا کا فائدہ بہت قلیل ہے پھر بہر حال انہوں نے مرنا ہے اور مرنے کے بعد اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے پاس لوٹ کر جانا ہے اور وہاں انہوں نے اپنے کفر اور تکذیب کی وجہ سے دائمی عذاب بھگتنا ہے تو یہ کامیابی نہیں ہے بلکہ واضح ناکامی ہے۔

علمی بات: ا۔ ان لوگوں کے لئے بس دُنیاوی زندگی میں چند روزہ نفع اٹھالینے کی مہلت ہے اس کے بعد ان کے لئے ہمیشہ کی محرومی اور دائمی عذاب ہے۔

۲۔ کہ ان لوگوں نے آخر کار اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی کی طرف پلٹ کر جانا ہے پس جو لوگ اس طرح کہتے ہیں کہ ہم مر مٹ کر یونہی ختم ہو جائیں گے اور ہم سے کوئی حساب کتاب نہیں لیا جائے گا۔ ان کی ایسی تمام باتیں بے بنیاد ہیں۔

۳۔ ان کو ان کے قرآنِ حکیم اور رسول اکرم A کی تکذیب اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے کے بدلے سخت سزا اور عذاب کا مزہ چکھایا جائے گا۔

آیت نمبر۷۱: حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے۔ تبلیغ اور وعظ و نصیحت کی وجہ سے قوم کی ناگواری انہیں اپنے فرضِ منصبی سے نہ ہٹا سکی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے وہ دعوتِ حق کی ذمہ داری ادا کرتے رہے۔

علمی بات: ا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا قصّہ عزم واستقلال کا نمونہ ہے، اُنہوں نے ساڑھے نو سو برس تک پیہم مسلسل قوم میں تبلیغ فرمائی اور دن رات وعظ ونصیحت فرمائی مگر قوم کی اکثریت شرک وکفر پر اڑی رہی نافرمانی وانکار کی لعنتوں نے چاروں طرف سے ان کو گھیر لیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کمال بے خوفی سے اعلان فرمادیا کہ میں صرف اپنے اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر بھروسہ رکھتا ہوں، تم مخالفت میں پورا زور صرف کرلو اپنے بغض وحسد کا اعلان کردو اور مجھے جینے اور سنبھلنے کی قطعاً مہلت نہ دو پھر دیکھو میرا اللہ سبحانہ و تعالیٰ میری کس طرح دستگیری فرماتا ہے۔

۲۔ رسولوں کی اقوام کے قصص بیان فرمانے میں یہ حکمت ہے، کہ جب رسول اللہ A اور آپ علیہ السلام کے اصحاب رضی اللہ عنہم یہ سنیں گے کہ تمام کافر اپنے رسولوں کے ساتھ اسی طرح تکذیب اور مخالفت میں پیش پیش ہیں تو کفارِ مکّہ کی مخالفت کو برداشت کرنا آپ A پر آسان ہو جائے گا۔ نیز جب کفار، انبیاء سابقین علیہم السلام کے ان واقعات کو سنیں گے، تو ان کو یہ علم ہو جائے گا کہ انبیاء علیہم السلام کو ان کے زمانہ کے کافروں نے ایذاء پہنچانے میں اپنی انتہائی طاقت صرف کردی، لیکن بالآخر وہ ناکام ہوئے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی مدد فرمائی اور کافر ذلیل اور رسوا ہوئے۔ تو ہوسکتا ہے کہ ان واقعات کو سن کر کفار کے دل خوف زدہ ہوں اور وہ اپنی ایذاء رسانیوں سے باز آجائیں۔

آیت نمبر ۷۲: حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم سے خطاب جاری ہے۔ اپنی جدوجہد کے عوض کسی قسم کا کوئی اُجرت یا بدلہ ان کا مقصود نہ تھا بلکہ وہ صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم کے پابند اور اسی کے فرماں بردار تھے۔

علمی بات: حضرت نوح علیہ السلام نے قوم سے فرمایا کہ تمہارے مقابلہ میں جسمانی تکالیف سے گھبراتا ہوں اور نہ مالی نقصان کی کوئی فکر ہے کیونکہ میں نے دعوت و تبلیغ کے کارِ خیر کے عوض تم سے کبھی کوئی معاوضہ طلب نہیں کیا میں جس کا کام کرکے اس کا حکم بجالا رہا ہوں اسی کے ذمہ کرم پر میرا اجر ہے جب میں اس کا فرماں بردار ہوں اور یہ خدمت اور فرض بے خوف وخطر انجام دیتا ہوں تو کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنے فضل ورحمت کے دروازے مجھ پر نہ کھولے رکھے۔

آیت نمبر ۷۳: تمام تر وعظ و نصیحت کے باوجود قوم کی اکثریت نے دعوتِ توحید کو جھٹلایا۔ عذاب آنے پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھ کشتی میں موجود اہلِ ایمان کو بچالیا اور زمین میں اہلِ ایمان کو جانشین بنادیا۔ اس واقعہ کو بیان کرکے رسول اللہ A کو جھٹلانے والوں کے عبرتناک انجام کی تنبیہ کی گئی ہے۔

علمی بات: اس آیت میں کفار کے لئے ترہیب اور عبرت کا سامان ہے کہ جو لوگ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے رسول کی تکذیب کریں گے ان پر ایسا عذاب آسکتا ہے جیسا حضرت نوح علیہ السلام کو جھٹلانے والوں پر آیا تھا اور اس آیت میں مومنوں کے لئے ایمان پر ثابت قدم رہنے کی ترغیب ہے کہ جس طرح اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے اصحاب کو مخالفین کے شر اور فساد سے نجات عطا کی تھی اسی طرح اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان کو بھی مخالفین کے ضرر سے بچائے گا۔

آیت نمبر ۷۴: حضرت نوح علیہ السلام کے بعد آنے والے رسولوں کا بیان ہے۔ رسولوں کے واضح دلائل لانے کے باوجود ان کی قوموں نے انہیں جھٹلایا۔ مجرمین کا اوّلاً انکار کرنے اور اس پر ڈٹے رہنے کا بیان ہے۔ حد سے گزرنے پر ان کے دلوں پر مہر لگادی گئی جس سے وہ ایمان لانے کی سعادت سے محروم ہوگئے۔

علمی بات: حضرت نوح علیہ السلام کے بعد بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی آمد کا سلسلہ جاری رہا انھوں نے اپنی اپنی قوم کو پیغامِ حق سنایا اور اپنے پیغام کی صداقت کو دلائل و معجزات سے ثابت کیا۔ لیکن ضدی قوم نے ایک مرتبہ جس بات کو ماننے سے انکار کیا پھر اس کو ماننے سے انکاری ہی رہی۔ ان کی

مسلسل سرکشی کے باعث حق قبول کرنے کی صلاحیت ضائع ہو گئی اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی۔ یعنی دوسرے لوگوں کی طرح ان میں بھی نورِ حق دیکھنے، کلمہ حق سننے اور دعوتِ حق سمجھنے اور قبول کرنے کی صلاحیتیں تھیں لیکن انہوں نے اپنی بداعمالیوں سے خود ہی انہیں ضائع کر دیا۔

نوٹ: حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کی مزید تفصیلات مطالعہ قرآنِ حکیم حصّہ اوّل اور اس کے رہنمائے اساتذہ میں ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہیں۔

آیت نمبر ۷۵: حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا گیا۔ انہوں نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے عطا کردہ معجزات کے ذریعے فرعون اور اس کی قوم کو ایک اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف بُلایا۔ سرکش گناہوں کے عادی آلِ فرعون نے تکبر کا رویہ اختیار کیا اور پیغامِ حق کو جھٹلایا۔

علمی بات: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذمہ دو اہم کام تھے۔ اپنی قوم بنی اسرائیل کو جو صدیوں سے مصر میں قبطیوں کے ماتحت غلامانہ زندگی بسر کر رہی تھی آزاد کرانا اور فرعون کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی توحید پہنچانا جو اپنے خدا ہونے کا دعوے دار تھا اور اپنی رعایا کو اپنی پرستش کرنے کا حکم دے رکھا تھا یہ دونوں کام جتنے اہم تھے اتنے ہی مشکل اور دشوار بھی تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دلائل و معجزات کی روشنی سے رب کی وحدانیت تو ان پر واضح کر دی تھی لیکن آلِ فرعون تکبر اور گھمنڈ کی وجہ سے اسے قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ وہ جرم و گناہ میں بہت آگے نکل چکے تھے۔ سچائی اور نیکی کی راہ سے بہت دور نکل گئے اور مقابلہ پر اُتر آئے۔

آیت نمبر ۷۶: آلِ فرعون کا دعوتِ حق تسلیم کرنے سے انکار کا ذکر ہے۔ انکار کے لئے کوئی معقول دلیل نہ ہونے پر انہوں نے معجزات کو جادو قرار دے دیا۔ وہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے معجزات کو بھی ساحرانہ شعبدہ بازی ہی سمجھتے (معاذاللہ) اور اس فن میں آلِ فرعون کو تو کمال حاصل تھا اس لئے وہ اپنی دانست میں کسی ساحر کی غلامی پر رضامند ہونے کے لئے تیار نہ تھے۔

آیت نمبر ۷۷: حق کو جادو قرار دیئے جانے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آلِ فرعون کو بھرپور جواب دیا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ معجزات کا جادو سے کوئی واسطہ اور تعلق نہیں بلکہ یہ تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے حق ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے رسولوں کے مقابلے میں جادوگر اپنے مطلوبہ مقاصد حاصل نہیں کر سکتے۔

علمی بات: جادوگر کے سامنے کوئی بلند نصب العین نہیں ہوتا اور نہ اس میں ایسی قوت ہوتی ہے کہ وہ زندگی کے اہم امور میں کامیاب ہو سکے وہ چند لوگوں کو اپنی چالاکیوں سے حیرت میں ڈال سکتا ہے، مگر حق و صداقت کے مقابلہ میں کسی طرح کی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا، کیونکہ کسی چیز کو ثابت کرنا ایک نصب العین ہے مقدس اُسوہ ہے جبکہ جادوگری صرف فریب و دجل ہے، اس لئے اس لیے بتایا جا رہا ہے کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی تم جادوگر سمجھتے ہو تو انتظار کرو عنقریب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کامیابیاں اور کامرانیاں تم پر آشکارا ہو جائیں گی۔

آیت نمبر ۷۸: دلیل سے عاجز آلِ فرعون نے حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام کی دعوتِ حق کو دو وجوہات کی بنا پر ٹھکرا دیا: ۱۔ حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام انہیں ان کے بڑوں کے عقیدے اور طور طریقوں سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ ۲۔ دونوں نبی ملک و قوم کا اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہیں (معاذاللہ)۔

علمی بات: فرعون اور اس کے درباریوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت اور پیغام کو قبول نہ کرنے کے دو سبب بیان کیئے: ایک یہ کہ ہم اس دین کو ترک نہیں کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو عمل کرتے ہوئے پایا، گویا انہوں نے دلائل و معجزات نبوّت کے مقابلہ میں اندھی پیروی کو ترجیح دی اور اس پر اصرار کیا اور دوسرا سبب یہ بیان کیا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام ملک مصر میں اپنی بڑائی، اپنا تسلط اور اپنا اقتدار چاہتے ہیں کیونکہ جب مصر کے رہنے والے ان کے معجزات کو دیکھ کر ان پر ایمان لے آئیں گے تو پھر سب ان ہی کے مطیع اور فرماں بردار ہوں گے۔ یوں مصر کی حکومت ان کے ہاتھ سے نکل جائیگی اور اس کے بعد صراحتاً کہہ دیا کہ ہم تمہاری بات ماننے والے نہیں ہیں۔

آیت نمبر۷۹: فرعون نے تمام ماہر جادو گروں کو بلانے کا حکم دیا۔

علمی بات : ا۔فرعون کا جادوگروں کو بلانے کا مقصد یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیش کردہ معجزوں کو جادو کے ذریعے باطل ثابت کیا جاسکے (معاذاللہ)۔ ۲۔ آدمی جب کسی حقیقت کو نہ ماننا چاہے تو اس کی یہ خواہش اس کو وہاں تک لے جاتی ہے کہ وہ احمقانہ تدبیروں سے اس حقیقت کا مقابلہ کرنے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔ وہ سیلاب کے مقابلہ میں تنکوں کا بند باندھتا ہے حالانکہ وہ خود جان رہا ہوتا ہے کہ سیلاب کے مقابلہ میں تنکوں کی کوئی حقیقت نہیں۔

آیت نمبر۸۰: فرعون کے حکم کی تعمیل میں ماہر جادوگروں کا میدان میں جمع ہونے کا بیان ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے انہیں دعوت دی گئی کہ جو پیش کرنا ہے پیش کرو۔

علمی بات: جادو کی یوں تو بہت سی قسمیں ہوتی ہیں، لیکن چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو معجزہ دکھایا تھا، اس میں سے انہوں نے اپنی لاٹھی زمین پر پھینکی تھی، اور وہ سانپ بن گئی تھی، اس لئے مقابلے پر جو جادوگر بلائے گئے اُن کے بارے میں ظاہر یہی تھا کہ وہ اسی قسم کا کوئی جادو دِکھائیں گے کہ کوئی چیز پھینک کر سانپ بنادیں، تاکہ یہ باور کرایا جاسکے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ بھی اسی قسم کا کوئی جادو ہے۔

آیت نمبر۸۱: جادوگروں کے جادو دکھانے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان سے خطاب:

ا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کے جادو کو باطل کردے گا۔ ۲۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فسادیوں کے کاموں کو پایہ تکمیل تک نہیں پہنچاتا۔

علمی بات: جادوگر فسادی اس طور پر تھے کہ محض دُنیا کے حصول کے لئے انہوں نے جادو کا فن سیکھا جس سے وہ لوگوں کو بیوقوف بناتے تھے۔

آیت نمبر۸۲: حق سے ایک مراد ہے وہ بات جو دلائل سے ثابت ہو اور اٹل ہو۔ یہاں جادوگروں کی ناکامی کا بیان ہے۔ حق و باطل کے فیصلہ کن معرکہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ حق کی نصرت وحمایت فرماتا ہے اور باطل کو مٹادیتا ہے۔

آیت نمبر۸۳: شروع میں بنی اسرائیل میں محض چند نوجوانوں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دینے کا بیان ہے۔ باقی لوگ فرعون اور اس کے سرداروں کے مظالم کے خوف میں مبتلا تھے لہٰذا انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ نہ دیا۔

علمی بات: اس وقت مصر پر قبطی قوم حکمران تھی، جسے قرآن کریم نے "آلِ فرعون" کہا ہے اور بنی اسرائیل ان کے محکوم تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو آزادی دلوانا چاہتے تھے، لیکن بنی اسرائیل میں سے صرف چند جوانوں نے ہی آپ علیہ السلام کی دعوت پر لبیک کہا تھا۔ دراصل غلام ہونے کی وجہ سے وہ لوگ فرعون اور اس کے سرداروں کے مظالم سے خوف زدہ تھے۔ عام طور پر ہر محکوم قوم کے کچھ شاطر لوگ اپنی قوم سے غداری کر کے حکمرانوں سے مل جاتے ہیں اور حکمران انہیں مراعات اور خطابات سے نواز کر ان کی وفاداریاں خرید لیتے ہیں۔ چنانچہ بنی اسرائیل میں سے بھی کچھ لوگ فرعون کے ایجنٹ بن چکے تھے۔ اس کی سب سے بڑی مثال قارون کی ہے۔ بنی اسرائیل کے عام لوگ ایسے مخبروں کے ڈر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قریب ہونے سے گریز کرتے تھے۔

آیت نمبر۸۴: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کے نوجوانوں کی ہمت افزائی فرمائی اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنے کی تلقین فرمائی۔ حقیقی ایمان والے اسباب بھی اختیار کرتے ہیں لیکن ان کا بھروسہ صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر ہوتا ہے۔

علمی بات: مظالم کی اس صورت حال میں تقاضا یہ نہیں ہوتا کہ آدمی مخالفین حق کے ڈر سے خاموش ہو کر بیٹھ جائے۔ بلکہ وہ اُن کے مقابلہ میں اللہ ﷻ کی نصرت پر نظر رکھے وہ اللہ ﷻ کے بھروسہ پر اس حق کا ساتھ دینے کے لئے اٹھ کھڑا ہو جس کا ساتھ دینے کے لئے ذاتی طور پر وہ اپنے آپ کو عاجز اور کمزور سمجھ رہا تھا۔

آیت نمبر ۸۵: اللہ ﷻ پر توکل کرنے کے ساتھ نوجوانوں کا اللہ ﷻ کی بارگاہ میں دُعا مانگنے کا بیان ہے۔ انہوں نے دُعا کی کہ ظالموں کے لئے انہیں ذریعہ آزمائش نہ بنایا جائے۔

علمی بات: دعا اس طرح کرتے کہ اے اللہ! ہمیں ان ظالموں کا تختۂ مشق نہ بنا کہ یہ ہم پر ظلم کرتے رہیں اور ہم ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔ کیونکہ ایسی صورت میں ہمارا دین بھی خطرہ میں ہو گا اور ظالموں یا ظلم دیکھنے والوں کو لعنت و ملامت کا موقع مل جائے گا کہ اگر ہم حق پر نہ ہوتے تو ہمیں تم پر ایسا تسلط و اقتدار کیوں حاصل ہوتا؟ اور تم اس قدر پست و ذلیل کیوں ہوتے؟

آیت نمبر ۸۶: اس آیت میں ان کی دُعا کا مزید بیان ہے کہ انہیں قوم کے ظالموں کے شر سے محفوظ رکھا جائے۔

علمی و عملی بات: مسلمانوں سے فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تم واقعی اللہ ﷻ پر ایمان رکھتے ہو تو صرف اللہ ﷻ پر توکل کرو ایمان کا معنی یہ ہے کہ بندہ یہ مان لے کہ اللہ ﷻ واحد ہے اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ اس کی مخلوق ہے اور سب کچھ اس کے زیر تصرف اور اس کے زیرِ تدبیر ہے اور جب بندہ میں یہ کیفیت پیدا ہو جائے گی تو وہ اپنے تمام معاملات کو اللہ ﷻ کے سپرد کر دے گا اور اس کے دل میں اللہ ﷻ پر توکل کا نور پیدا ہو جائے گا اور توکل کا معنی یہ ہے کہ بندہ اپنے تمام معاملات کو اللہ ﷻ کے سپرد کر دے اور تمام احوال میں صرف اللہ ﷻ پر اعتماد کرے۔

آیت نمبر ۸۷: فی الحال بنی اسرائیل کو ہجرت نہ کرنے اور مصر ہی میں اپنے گھروں کو قبلہ رخ بنا کر مساجد کا درجہ دیئے جانے کی ہدایت دی گئی ہے۔ قبلہ سے مراد خانہ کعبہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کو نماز کے ذریعے مدد حاصل کرنے کی تلقین کی گئی تا کہ اللہ ﷻ فرعون کے ظلم و ستم کے مقابلہ میں انہیں ثابت قدم اور صحیح رکھے۔ ایسا کرنے والوں کے لئے اللہ ﷻ کی طرف سے بہترین انجام کی بشارت دی گئی۔

علمی و عملی بات: ا۔ یہاں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے ذریعہ دو احکام بنی اسرائیل کو دیئے گئے۔ i۔ کہ فی الحال مصر سے ہجرت نہ کریں بلکہ اپنے گھروں میں سکونت پذیر رہیں۔ ii۔ اپنے گھروں کو نماز کی جگہ بنالیں اور فی الحال عبادت گاہوں میں جا کر نماز پڑھنے کا حکم معطل ہے۔

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توحید و آخرت کی باتیں مصر کے بادشاہ فرعون کو سخت ناگوار تھیں۔ اس نے ان کے اوپر نہایت سخت قسم کی پابندیاں عائد کر دیں۔ یہاں تک کہ کھلے طور پر دینی سرگرمیاں جاری رکھنا ان کے لئے سخت دشوار ہو گیا۔ اس وقت حکم ہوا کہ عبادت خانوں میں جانے اور فرعون سے ٹکرانے کے بجائے یہ کرو کہ اپنے گھروں میں نماز ادا کرو اور اپنے کام کو قریبی دائرہ میں سمیٹ لو۔ ۳۔ غور طلب بات یہ ہے کہ ان حالات میں بھی ان کو جو دوسرا حکم دیا گیا وہ نماز کی اقامت کا تھا۔ نماز در اصل اللہ ﷻ سے نہایت قریب ہو کر اللہ ﷻ سے مدد مانگنے کا ذریعہ ہے۔ ۴۔ دی گئی ہدایات کو پورا کرنے میں ان کے لئے فلاح اور نجات کا راز چھپا ہوا تھا۔ یہ حکم گویا اس بات کی خوش خبری تھی کہ اللہ ﷻ ان کو اس حالت سے نکالنے والا ہے جس میں ان کے دشمنوں نے ان کو مبتلا کر دیا ہے۔ ۵۔ اُس وقت خانہ کعبہ ہی قبلہ تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کعبہ ہے اور کعبہ ہی حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے اصحاب کا قبلہ تھا۔ بعض علماء کرام نے فرمایا کہ تمام انبیاء علیہم السلام سابقین کا قبلہ اصل میں کعبہ ہی تھا۔

بیت المقدس تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں قبلہ بنا اور حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کے دور میں پیدا ہوئے۔

آیت نمبر۸۸: آلِ فرعون کی مخالفت کرنے کا بیان ہے فرعون اور آلِ فرعون کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب سے عذاب کے حوالہ سے دعائے ضرر کا ذکر ہے اور دعوتِ حق کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ فرعون اور اس کے سرداروں کی مال و دولت کی فراوانی تھی۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے مال و اسباب کی تباہی اور عذاب آنے تک ایمان نصیب نہ ہونے کی دعائے ضرر کی۔ آخرت سے غافل شخص جس کے پاس دُنیا کے اسباب و سامان زیادہ جمع ہو جائیں وہ بڑائی کے احساس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے لوگ اپنے اندر یہ صلاحیت کھو دیتے ہیں کہ کسی دوسرے کی زبان سے جاری ہونے والے حق کو پہچانیں اور اسے تسلیم کرلیں۔ اپنے وسائل کو وہ صرف اس مقصد کے لئے استعمال کرتے ہیں کہ حق کو دبائیں اور اس ماحول کے اندر اپنی برتری اور فوقیت کو قائم رکھیں۔

علمی بات: ا۔ "تاکہ وہ لوگوں کو تیری راہ سے گمراہ کرتے رہیں" کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دیئے ہوئے مال و اسباب کو اس لئے استعمال کیا کہ اس کے ذریعہ سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بندوں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دور کریں، انہوں نے اس کو حق کی خدمت میں لگانے کے بجائے باطل کی خدمت میں لگایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کے سامنے سچے دین کی دعوت پیش کی اور اپنی اعلیٰ صلاحیتوں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نصرتوں کے ذریعہ اس کو اِتمامِ حجّت کی حد تک واضح کردیا اس کے باوجود فرعون اور اس کے ساتھیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیغام کو نہیں مانا۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن کے خلاف دعائے ضرر کی اور ساتھ اُن کے جرائم بھی ذکر کیے کہ انہوں نے دنیا کی محبت کی وجہ سے دین کو ترک کردیا ہے، اے ہمارے رب! تو اُن کے دلوں کو سخت کردے۔ یہ دعائے ضرر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قیامِ مصر کے بالکل آخری زمانے میں کی تھی۔ ایسے موقع پر پیغمبر کی بد دُعا خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فیصلہ کا اعلان ہوتا ہے جو اُس کے نمائندہ کی زبان سے جاری کیا جاتا ہے۔

۲۔ یہ دعائے ضرر صرف دینی حمیت اور دینی دل سوزی کی وجہ سے تھی یہ غصّہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے دین کی خاطر تھا۔ جب اُن کے ایمان لانے سے مایوس ہوگئے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعائے ضرر ہے کہ "اے میرے رب! زمین پر باقی نہ چھوڑ کافروں میں سے کوئی بسنے والا۔ بے شک اگر تُو نے انہیں چھوڑ دیا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور وہ بدکار سخت کافر کو ہی جَنم دیں گے۔ (سورۃ نوح ۷۱، آیت: ۲۶،۲۷)

آیت نمبر۸۹: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے دُعا کی قبولیت کی بشارت اور چند ہدایات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئیں۔ یعنی دعوت و تبلیغ جاری رکھنے اور ثابت قدم رہنے کی تلقین فرمائی گئی۔ نافرمانوں کی بات ماننے سے بچنے کی تلقین فرمائی گئی۔

علمی بات: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دعا قبول ہونے کی بشارت دی گئی جس کا اثر چالیس سال بعد ظاہر ہوا اور ساتھ یہ بھی ہدایت دی گئی کہ اپنے فریضۂ منصبی یعنی دعوت و تبلیغ میں لگے رہیں، اگر قبولیتِ دعا کا اثر دیر سے ظاہر ہو تو نادانوں کی طرح جلد بازی سے کام نہ لیں۔

آیت نمبر۹۰: اس آیت میں فرعون اور اس کے لشکر کا بنی اسرائیل کا تعاقب کرنے کا ذکر ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کو دریا پار کرائے جانے کا بیان ہے۔ یہ بتایا گیا کہ فرعون اور اس کے لشکر کو دریا کی موجوں نے گھیر لیا۔ ڈوبتے وقت فرعون نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر ایمان لانے کا اعلان کیا۔ مگر عین موت کے وقت ایمان لانا معتبر نہیں ہوتا۔

علمی و عملی بات: مصر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مشن دو طرفہ تھا۔ ایک تو فرعون کو توحید اور آخرت کی طرف بلانا۔ دوسرے بنی اسرائیل کو غلامی سے نجات دلا کر مصر سے باہر لے جانا اور وہاں ان کی تربیت کرنا۔ جب فرعون پر دعوتِ حق کی تکمیل ہو چکی تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم سے وہ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے روانہ ہوئے۔ صحرائے سینا پہنچنے کے لئے انہیں سمندر کو پار کرنا تھا۔ جب بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رہنمائی میں سمندر کے کنارے پہنچے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ

کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پانی پر اپنا عصا مارا۔ پانی بیچ سے پھٹ کر دائیں بائیں کھڑا ہو گیا اور درمیان میں خشک راستہ نکل آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل اس راستہ سے بآسانی پار ہو گئے۔ فرعون اپنے لشکر کے ساتھ بنی اسرائیل کا پیچھا کرتے ہوئے آگے بڑھا۔ وہ سمندر کے کنارے پہنچا تو دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل پانی کے درمیان ایک خشک راستہ سے گزر رہے ہیں۔ یہ واقعہ دراصل اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی تھا۔ فرعون کو اس سے یہ سبق لینا چاہئے تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حق پر ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے۔ مگر اس نے سمندر کے پھٹنے کو اللہ تعالیٰ کی نشانی سمجھنے کے بجائے عام واقعہ سمجھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس واقعہ میں فرعون کے لئے اطاعت اور انابت کا پیغام تھا وہ اس کی سرکشی میں اضافہ کا سبب بن گیا۔ اس نے "سمندر" کو دیکھا مگر "قدرتِ الٰہی" کو نہیں دیکھا۔ اس نے سمجھا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں نے سمندر کو پار کیا ہے اسی طرح وہ بھی سمندر پار کر سکتا ہے۔ یہی سوچ لئے فرعون اور اس کا لشکر سمندر میں داخل ہو گئے۔ فرعون اور اس کا لشکر جب بیچ سمندر میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے دونوں طرف کا پانی مل گیا اور فرعون اپنے لشکر سمیت اس میں غرق ہو گیا۔ غرق ہوتے ہوئے فرعون نے ایمان کا اقرار کیا مگر وہ بے سود تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اختیاری ایمان معتبر ہے نہ کہ وہ ایمان جب کہ آدمی کا ایمان موت طاری ہونے کی صورت میں ہو۔

آیت نمبر ۹۱: موت کے وقت فرعون کا ایمان لانا اسے کوئی فائدہ نہ پہنچا سکا۔ جب ایمان لانے کی مہلت تھی تو وہ کفر اور معصیت پر ڈٹا رہا۔

علمی و عملی بات: ایمان اس وقت تک قبول ہے جب تک جسم میں جان ہو اور موت کی یقینی علامات کا ظہور نہ ہوا ہو کیونکہ مقصد اپنے اختیار سے ایمان بالغیب لانا ہے اور جب عذاب سامنے آکر سب کچھ واضح ہو جائے تو پھر ایمان بالغیب باقی نہیں رہتا۔ جب عمل کی تمام امیدیں ہی منقطع ہو جائیں، تو پھر اسے ایمان کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ فرعون عمر بھر تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مشغول رہا اور جب بحر قلزم میں غرق ہونے لگا موت سامنے دکھائی دینے لگی، اس وقت تضرع گریہ وزاری کرنے لگا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس وقت ایمان و توبہ مقبول نہیں۔

آیت نمبر ۹۲: اللہ تعالیٰ نے فرعون کی لاش کو محفوظ فرما کر نشانِ عبرت بنا دیا۔ آج بھی اس کی لاش محفوظ ہے۔ قرآنِ حکیم کی حقانیت کا بیان ہے۔ نشانیوں کو دیکھنے اور ان کا اعتراف کرنے کے باوجود اکثریت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتی۔

عملی بات: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور سرکشی کا انجام ہلاکت ہے، ایسے واقعات پیغمبروں کے دور میں بار بار انسان کے سامنے آتے رہے۔ تاہم اس قسم کے کچھ نمونے اللہ تعالیٰ نے مستقل طور پر محفوظ کر دیئے ہیں تاکہ وہ بعد کے زمانہ میں بھی انسان کو سبق دیتے رہیں جبکہ نبیوں کی آمد کا سلسلہ ختم ہو گیا ہو۔

علمی و عملی بات: دورِ حاضر کے محققین کے مطابق آج تک وہ مقام جزیرۂ نمائے سینا کے مغربی ساحل پر موجود ہے جہاں فرعون کی لاش سمندر میں تیرتی ہوئی پائی گئی تھی۔ یہ جگہ آج بھی جبلِ فرعون کے نام سے مشہور ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں فرعون کی لاش کو سمندر نے پھینکا تھا اس کی لاش کو دیکھ کر بنی اسرائیل کو بھی اس کے ڈوب جانے کا یقین ہو گیا۔ نیز باقی لوگوں کے لئے بھی اس میں درسِ عبرت ہے۔ مصر میں ایسے مصالحے ایجاد ہو چکے تھے جن کے استعمال سے لاش کو گلنے سڑنے سے بچایا جا سکتا تھا اور اس زمانہ میں بادشاہوں اور اُمراء کے جسموں کو خوشبودار مصالحہ لگا کر محفوظ کیا جاتا تھا، اس عمل کو حنوط کہتے ہیں۔ چنانچہ ماہرین آثارِ قدیمہ نے مصر کے شاہی قبرستان سے متعدد حنوط شدہ ممیاں نکالی ہیں جو محفوظ ہیں۔ مصر کے عجائب گھر (دار الآثار) میں ایک لاش موجود ہے جس کے متعلق ماہرین اثریات (Archaeologists) کا خیال ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے فرعون یعنی رَعمَسِیس ثانی کی لاش ہے۔ ۱۹۰۷ء میں سر گرافٹن الیٹ سمتھ نے اس کی ممی پر سے جب پٹیاں کھولی تھیں تو اس کی لاش پر نمک کی ایک تہ جمی ہوئی پائی گئی تھی جو کھارے پانی میں اس کی غرقابی کی ایک کھلی علامت تھی۔ واللہ اعلم۔

علمی بات: یاد رہے کہ الفاظ قرآنی کی صحت اس کے ثبوت پر موقوف نہیں کہ اس کی لاش تا قیامت لوگوں کی نگاہوں کے سامنے محفوظ رہے۔

آیت نمبر ۹۳: بنی اسرائیل پر کئے گئے احسانات میں سے چند ایک کا بیان ہے۔ یعنی انہیں شام و فلسطین پر غلبہ اور بہترین رزق مہیا کیا گیا۔ مادی نعمتوں کے علاوہ روحانی نعمت کے طور پر انہیں تورات عطا کی گئی جس میں زندگی کے لئے مکمل ہدایات موجود تھی۔ مگر انہوں نے اس کے واضح احکام میں آپس میں اختلاف کیا اور اللہ ﷻ کے احسان فراموشی کی روشِ اختیار کی، روزِ قیامت ان کا حتمی فیصلہ اللہ ﷻ کی بارگاہ میں ہو جائے گا۔

علمی بات: ۱۔ بنی اسرائیل قدیم زمانہ میں اللہ ﷻ کے دین کے حامل تھے۔ ان کے ساتھ اللہ ﷻ نے یہ احسان کیا کہ ان کے دشمن (فرعون) سے ان کو نجات دی۔ اس کے بعد اللہ ﷻ ان کو سینا کی کھلی فضا میں لے گیا۔ وہاں ان کے لئے خصوصی انتظام کے تحت پانی اور رزق مہیا کیا۔ صحرائی تربیت کے ذریعہ ان کے اندر ایک نئی طاقتور نسل تیار کی۔ اس نسل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ایک عظیم ملک فتح کیا اور شام، اُردن اور فلسطین جیسے سرسبز علاقہ میں بنی اسرائیل کی سلطنت قائم کی جو کئی سو سال تک باقی رہی۔ اس احسان کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ بنی اسرائیل اللہ ﷻ کے فرماں بردار اور شکر گزار رہتے اور اللہ ﷻ کے دین کی خدمت کو اپنی زندگی کا مقصد بناتے۔ مگر واضح رہنمائی کے ہوتے ہوئے انہوں نے بے راہ روی اختیار کی۔

۲۔ بنی اسرائیل کئی فرقوں میں بٹ گئے اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ تورات ان کی صحیح رہنمائی کرنے کے لئے ناکافی تھی بلکہ اس کی وجہ نئے نئے فلسفیانہ مباحث پیدا کرنا، پھر آپس میں اختلاف کرنا، پھر فرقے بنانا اور اپنی اپنی چودھراہٹ کی خاطر ان کی آبیاری کرنا تھی۔ ان کے علماء و مشائخ کے حب جاہ نے ان فرقوں میں اتنا تعصّب پیدا کر دیا تھا کہ ان میں اتحاد کی صورت باقی نہ رہی تھی حالانکہ اگر وہ اللہ ﷻ کی کتاب کی طرف رجوع کرتے تو وہ پھر سے متحد ہو سکتے تھے۔

عملی پہلو: آج مسلمان بھی اسی گروہ بندی و مختلف تعصّبات کا شکار ہیں جس کا یہود اور نصاریٰ شکار ہو چکے تھے۔ حالانکہ آج بھی اللہ ﷻ کی کتاب اور رسول A کی سنّت موجود ہے۔ اگر گروہ بندیوں سے بالاتر ہو کر اس کے واضح احکام کی طرف رجوع کریں تو بنیادی مسائل میں اتحاد کی صورت آج بھی ممکن ہے

نوٹ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی مزید تفصیلات مطالعہ ٔ قرآنِ حکیم حصّہ دوم اور اس کے رہنمائے اساتذہ میں ملاحظہ فرمائی جا سکتی ہیں۔

آیت نمبر ۹۴: اس آیت میں خطاب ان لوگوں سے ہے جو رسول اللہ A کی رسالت اور قرآنِ حکیم کے برحق ہونے میں شک کرتے تھے۔ سابقہ آسمانی کتابوں کی پیش گوئیاں قرآنِ حکیم کے برحق ہونے پر شاہد ہیں۔ قرآنِ حکیم کے برحق ہونے پر شک نہ کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

علمی و عملی بات: یہ قرآنِ حکیم کے بارے میں شک کرنے والوں کو دعوت دی گئی ہے کہ جن کے پاس پچھلی آسمانی کتابیں (تورات و انجیل اور زبور) موجود ہیں ان سے اس قرآنِ حکیم کی بابت معلوم کریں، کیونکہ ان میں اِس کی نشانیاں اور آخری پیغمبر (علیہ السلام) کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ آیت کے آخر میں اللہ ﷻ نے خود گواہی دی ہے کہ یہ قرآنِ حکیم برحق کتاب ہے، جسے اللہ ﷻ نے نازل فرمایا ہے، اس لئے کسی کو اس کی حقانیت میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں ہونا چاہیئے اور نہ ان لوگوں کے بارے میں ہونا چاہیئے جو اللہ ﷻ کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں اس لئے کہ ان کا انجام دُنیا اور آخرت میں خسارہ کے سوا کچھ نہیں ہو گا۔

آیت نمبر ۹۵: اللہ ﷻ کی آیات کی تکذیب کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ تکذیب کا راستہ خسارہ اور تباہی کی طرف لے جانے والا ہے۔

عملی پہلو: ان لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے جن کا شعار ہی انکار ہے کہ زندگی کی فرصت کو غنیمت جانو اور انکار و سرکشی سے اب بھی باز آ جاؤ ورنہ ایک ایسا وقت آنے والا ہے جب توبہ کرو گے تو توبہ قبول نہیں ہو گی جیسا کہ بُرا وقت فرعون پر آیا اور اس نے ڈوبتے وقت توبہ کی اور ایمان کا اقرار کیا لیکن اس کو کچھ بھی حاصل نہ ہوا بلکہ اس کا نتیجہ یہ ٹھہرا کہ وہ نامراد اور نیست و نابود ہو گیا۔ اللہ ﷻ کی نشانیوں سے انکار کا یہی انجام ہوتا ہے۔

آیت نمبر ۹۶: اس آیت میں منکرین کے ایمان نہ لانے کا ذکر ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان سے ان کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے قبولِ حق کی صلاحیت واپس لے لی ہے لہٰذا وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

علمی عملی بات: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کو ایک حد تک ارادہ و اختیار دیا ہے، جس کے مطابق وہ نیکی یا بدی میں سے جس پر چاہے عمل کر سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو وہ سب کچھ معلوم ہے جو شروع سے اب تک واقع ہوا اور آئندہ ہو گا۔ نیز اسے پہلے ہی معلوم ہے کہ اپنے ارادہ و اختیار کو استعمال کرتے ہوئے کون حق کو قبول کرے گا اور کون کفر کی راہ اختیار کرے گا۔ اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس ازلی علم کو "كَلِمَتُ رَبِّكَ" کہا گیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کفر میں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نافرمانی میں اس قدر غرق ہو جاتے ہیں کہ ان کی حق قبول کرنے کی استعداد ہی ختم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ وہ کسی صورت ایمان نہیں لاتے ضد، تعصّب اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے انہیں ایمان لانے کی توفیق نہیں ہو گی۔

آیت نمبر ۹۷: منکرین ہر قسم کی نشانیاں دیکھنے کے باوجود بھی حق قبول نہیں کرتے۔ وہ دردناک عذاب دیکھے بغیر ایمان کا اقرار نہیں کریں گے۔ عذاب دیکھ کر ایمان لانا فائدہ مند نہیں ہو گا۔

علمی و عملی بات: نہ ماننے والوں کے پاس کتنی ہی نشانیاں آ جائیں وہ ایمان لانے والے نہیں۔ کتنے ہی لوگ ہیں جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی آیتوں اور نشانیوں میں غور و فکر نہیں کرتے اور نہ ہی عبرت حاصل کرتے ہیں ورنہ اگر کوئی نصیحت حاصل کرنا چاہے تو عالَم کے ایک ایک ذرہ میں ایسی نشانیاں موجود ہیں جن کو دیکھ کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کی قدرتِ کاملہ کو پہچانا جا سکتا ہے لیکن جو لوگ جان بوجھ کر اندھے اور بہرے بنے رہیں اور دیکھنے اور سننے کی کوشش ہی نہ کریں وہ ان سے کیونکر فائدہ حاصل کر سکتے ہیں یہ لوگ ایسے مدہوش ہیں کہ اگر آنکھوں سے بھی اس عذاب کو دیکھ لیں تو بھی ماننے والے نہیں اگرچہ عذاب دیکھ کر ماننا بذاتِ خود بھی فائدہ مند نہیں ہو سکتا۔

آیت نمبر ۹۸: قومِ یونس علیہ السلام کا بیان ہے کہ اس قوم کی توبہ عذاب کی نشانیاں ظاہر ہونے کے بعد قبول کر لی گئی۔ کئی قوموں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نافرمانیاں کیں لیکن یہ واحد قوم تھی جس نے عذاب کے آثار دیکھ کر توبہ کی۔ ان کو معاف کر دیا گیا اور پھر ایک مدّت تک نعمتوں سے نوازا گیا۔

علمی بات: پچھلی آیتوں میں یہ حقیقت بیان فرمائی گئی تھی کہ کسی انسان کے لئے ایمان لانا اسی وقت کار آمد ہوتا ہے جب وہ موت سے پہلے اور عذابِ الٰہی کا مشاہدہ کرنے سے پہلے ایمان لائے۔ جب عذاب آ جاتا ہے تو اس وقت ایمان لانا کار آمد نہیں ہوتا۔ پچھلی جتنی قوموں پر عذاب آیا ان سب کا حال یہ تھا کہ وہ عذاب کو دیکھنے سے پہلے ایمان نہیں لائے، اس لئے عذاب کا شکار ہوئے۔ البتہ ایک حضرت یونس علیہ السلام کی قوم ایسی تھی کہ وہ عذاب کے نازل ہونے سے ذرا پہلے یعنی عذاب کی علامات کو دیکھ کر ایمان لے آئی تھی۔ اس لئے اس کا ایمان منظور کر لیا گیا اور اس کی وجہ سے اس پر آنے والا عذاب ہٹا لیا گیا۔

عملی پہلو: آج اُمّتِ مسلمہ پر مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں اور مسلمان کی حالتِ زار ناقابلِ بیان ہے، اس کی سب سے اہم وجہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ ایسے میں پوری اُمّت کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور اجتماعی توبہ کرنی چاہیئے اور تمام معاملات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی فرمان برداری کی طرف آنا چاہیئے۔ امید ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مسلمانوں کو پھر سے وہ عروج عطا فرمائے گا جو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کو عطا فرمایا تھا۔ حضرت یونس علیہ السلام کے اس واقعہ میں ہمارے لئے بہت بڑا سبق ہے کہ وہ کس طرح اپنے بال بچوں بلکہ حیوانوں سمیت ایک وسیع میدان میں اکٹھے ہو گئے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور اپنے گناہوں کا اعتراف اور آہ وزاری کرنے لگے اور یہ آہ وزاری اتنی کثرت و اخلاص سے کی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی اور ان پر واقع ہونے والے عذاب سے انہیں نجات دے دی۔

نوٹ: حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ کی مزید تفصیلات مطالعہ قرآنِ حکیم حصّہ اوّل اور اس کے رہنمائے اساتذہ میں ملاحظہ فرمائی جا سکتی ہیں۔

آیت نمبر۹۹: کفار کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے رسول اللہ A کو رنج نہ کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ چاہتا تو روئے زمین پر سب ایمان لے آتے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ لوگوں کے سامنے ہر طرح کی راہ کھول دی جائے۔ پیغمبر علیہ السلام پر لوگوں سے ایمان قبول کرانے کی ذمہ داری نہیں ہوتی۔

علمی بات: ۱۔ اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ایمان کوئی ایسی چیز نہیں کہ زور زبردستی سے کسی کے اندر ٹھونس دی جائے۔ یہ تو اسی کے اندر پیدا ہوگا جس میں فہم و قبول کی استعداد و صلاحیت اور طلب موجود ہو۔ جو اس کا شوق رکھتا ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ ایسے شخص کے لئے ایمان اور ہدایت کے راستے کھول دیتا ہے۔ دین و ایمان کے معاملہ میں جبر، زبردستی اور مجبور کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

۲۔ حضور A کی شدید خواہش تھی کہ یہ سب لوگ ایمان لے آئیں مگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اس سلسلے میں ہمارا اپنا قانون ہے اور وہ یہ کہ جو حق کا طالب ہوگا اسے حق مل جائے گا اور جو تعصّب، ضد اور ہٹ دھرمی پر اتر آئے گا اسے ہدایت نصیب نہیں ہوگی۔ انسانوں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے پیدا ہی امتحان کے لئے کیا ہے۔ لہٰذا اے نبی (A) آپ (علیہ السلام) اس معاملے میں اپنا فرض ادا کرتے جائیں، کوئی ایمان لائے یا نہ لائے اس کی پروا نہ کریں، کسی کو ہدایت دینے یا نہ دینے کا معاملہ ہم سے متعلق ہے۔ اصل میں یہ ساری باتیں حضور A کے دل مبارک کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے کی جارہی ہیں۔

آیت نمبر ۱۰۰: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توفیق کے بغیر کسی کو ایمان کی نعمت نصیب نہیں ہوتی۔ ایمان کی توفیق اسی کو ملتی ہے جو حق کا متلاشی ہو۔ گندگی سے مراد عقیدہ کی گندگی ہے۔ کفر و شرک پر اڑے رہنے اور ہدایت کے لئے غور و فکر نہ کرنے والوں کو ہدایت سے محروم کردیا جاتا ہے۔

علمی بات: جو بھی ایمان لاتا ہے وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم اور اس کی توفیق سے ایمان لاتا ہے اور یہ توفیق ان کو حاصل ہوتی ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بخشی ہوئی عقل اور سمجھ سے کام لیتے ہیں۔ جو لوگ عقل اور سمجھ سے کام نہیں لیتے ان کی بصیرت پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کے بُرے اعمال کی نجاست مسلّط کردیتا ہے جو ان کو بالکل اندھا بنا کر چھوڑ دیتی ہے اور وہ اپنی خواہشاتِ نفس کے پیچھے ہی بھٹکتے پھرتے ہیں اور ان پر کفر کی گندگی مسلّط ہوجاتی ہے۔

آیت نمبر ۱۰۱: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بنائی ہوئی کائنات پر غور و فکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ غور و فکر کرنے والوں کے لئے کائنات میں بڑی نشانیاں ہیں۔ کفر اور ہٹ دھرمی میں مبتلا لوگوں کو کوئی نشانی یا وعید فائدہ نہیں دیتی لہٰذا وہ ایمان نہیں لاتے۔

علمی بات: اس کائنات کی ہر چیز کو اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا شاہکار ہے، اس سے نہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حیرت انگیز کارخانہ خود بخود وجود میں نہیں آیا، اسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے پیدا کیا ہے، بلکہ اس سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ جو ذات اتنی عظیم کائنات پیدا کرنے پر قادر ہے، اسے اپنی بادشاہت کے لئے کسی شریک یا مددگار کی حاجت نہیں ہے، لہٰذا وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔

آیت نمبر ۱۰۲: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی آیتوں اور نشانیوں کو جھٹلانے والوں کی مذمّت کی گئی ہے۔ ان کو سابقہ نافرمان قوموں جیسے انجام کی وعید سنائی گئی ہے۔ مزید برآں بُرے انجام کے لئے منتظر رہنے کی تنبیہ کی گئی ہے۔

علمی بات: اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ کفار پر حجّت پوری ہوچکی۔ حق واضح ہوچکا۔ اب بھی وہ ایمان نہیں قبول کرتے۔ شاید وہ اس عذاب کے منتظر ہیں جو ان سے پہلے گمراہ قوموں پر نازل ہوا تھا اور انہیں ملیامیٹ کرگیا تھا۔ اگر ان کی یہی منشاء ہے تو ان کی یہ حسرت بھی پوری کردی جائے گی۔ انہیں کہیئے کہ انتظار کریں یہاں تک کہ وہ گھڑی آجائے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کی ہلاکت و بربادی کے لئے مقرر کر رکھی ہے اور فرمایئے میں بھی تمہارے ساتھ اس وقت کا منتظر ہوں۔ اس وقت سچا اور جھوٹا ظاہر ہوجائے گا۔

آیت نمبر ۱۰۳: حق سے مراد یہاں رحمت ہے۔ نافرمان قوموں پر عذاب آنے کی صورت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی خاص رحمت سے رسولوں اور اہلِ ایمان کو بچالیتا ہے۔

علمی و عملی بات: جیسے پہلی قوموں کے ساتھ ہماری عادت رہی ہے کہ مُکذّبِین کو ہلاک کر کے پیغمبروں اور مؤمنین کو بچایا۔ اسی طرح موجودہ اور آئندہ مؤمنین کی نسبت اللہ ﷻ کا وعدہ ہے کہ دُنیا میں کفّار کے مظالم سے اور آخرت میں عذابِ الیم سے نجات دیں گے شرط یہ ہے کہ مؤمنین ایمان کی صفات سے متصف ہوں۔

آیت نمبر ۱۰۴: مکی دور کے آخر میں قریش کی طرف سے رسول اللہ A کے لئے ایک مصالحت کی پیشکش کی گئی۔ ایک معین عرصہ تک بتوں کی پرستش کرنے کی دعوت دی گئی (معاذ اللہ) اور انہوں نے کہا کہ اتنے ہی عرصے وہ بھی معبودِ واحد یعنی اللہ ﷻ ہی کی عبادت کریں گے۔ اس قسم کی مصالحت کا ہونا ناممکن ہے۔ عبادت صرف اسی معبودِ برحق کی ہوگی جس کی عبادت کا حکم ہے جس کے ہاتھ میں زندگی و موت کا اختیار ہے۔

علمی بات: دین برحق وہ ہوتا ہے جو ایسی مضبوط دلیلوں، بے مثال محبّتوں اور لازوال حقیقتوں سے مزیّن ہوتا ہے کہ جس میں کوئی صاحبِ عقل شک نہ کر سکے اور مشرکین ان بُتوں کی پرستش کرتے تھے جن کو انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا سو جو بُت اپنے وجود میں خود مشرکین کے محتاج تھے وہ ان کے خالق اور معبود کیسے ہو سکتے ہیں اور ان کی مشکلات کو کس طرح دور کر سکتے ہیں یہ ایسا خود ساختہ دین ہے جس کا ہر صاحبِ عقل انکار کرے گا۔ اس آیت میں پہلے غیر اللہ کی عبادت کی نفی کی پھر اللہ ﷻ کی عبادت کا اثبات کیا گیا کیونکہ پہلے بُرائی کو دور کیا جاتا ہے پھر اچھائی سے متصف کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ایمان اور معرفت کا ذکر فرمایا جو تمام اعمالِ صالحہ کی اساس ہے۔

آیت نمبر ۱۰۵: بظاہر خطاب رسول اللہ A سے ہے لیکن مخاطب عام لوگ بالخصوص اہلِ ایمان ہیں۔ حنیف ایسے شخص کو کہتے ہیں جو ہر طرف سے ہٹ کر صرف ایک طرف یعنی توحید پر قائم ہو۔ ہر قسم کے جاہلانہ اور مشرکانہ عقائد و نظریات کو چھوڑ کر ایک اللہ ﷻ کی عبادت کا حکم دیا گیا ہے۔

علمی بات: دین کے معاملہ میں مستقیم رہنے کا حکم ہے۔ جن چیزوں کا اللہ ﷻ نے حکم دیا ہے ان پر عمل کریں اور جن چیزوں سے منع کیا ہے ان سے اجتناب کریں اور اخلاص کے ساتھ صرف اللہ ﷻ کی عبادت کریں۔

عملی پہلو: ہر باطل سے خواہ وہ کسی رنگ و روپ میں ہو اس سے اپنا منہ موڑنے اور کمال یکسوئی کے ساتھ صرف اس دینِ حق کی طرف رخ کرنے کا حکم ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ دینِ اسلام قبول کر لینے کے بعد کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنی انفرادی یا اجتماعی، معاشی، سیاسی یا ریاستی رہنمائی کے لئے کسی اور نظام کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے۔

آیت نمبر ۱۰۶: اللہ ﷻ کو چھوڑ کر باطل معبودوں کو پکارنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے پر قدرت نہ رکھنے والوں کو پکارنا ظلم کا ارتکاب ہے۔ ظلم کا مطلب ہے کسی چیز کو اس کے اصل مقام سے ہٹا کر کسی اور جگہ رکھ دینا۔

علمی و عملی بات: نبی کریم A کے ذریعے اُمّت کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ کفار و مشرکین کو دوٹوک الفاظ میں یہ بتا دیں کہ مومن بُتوں کے سامنے نہیں جھک سکتا، اس کی پیشانی تو اس اللہ ﷻ کے سامنے جھکے گی وہ انسان جو اس لئے پیدا ہوا ہے کہ کائنات میں حکومت کرے اور اللہ ﷻ کا خلیفہ ثابت ہو، وہ اگر دُنیا کی حقیر اور بے حقیقت چیزوں کے سامنے اپنی جبین کو عبادت کے لئے جھکا دے، تو اس سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہو سکتا ہے۔

آیت نمبر ۱۰۷: خیر اور شر کا اختیار صرف اللہ ﷻ کے پاس ہے۔ کسی تکلیف کو اللہ ﷻ کے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا۔ اسی طرح اللہ ﷻ کسی کے لئے بھلائی کا ارادہ فرما دے تو اس کے فضل کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ اللہ ﷻ ہی کی طرف رجوع کرنے والوں کے لئے بخشش اور مہربانی کی بشارت دی گئی۔

علمی بات: نفع و نقصان کا مالک صرف اللہ ﷻ ہے۔ نفع و نقصان سوائے اللہ ﷻ کے کسی کے اختیار میں نہیں، اللہ ﷻ ہی حقیقی اور دائمی مددگار ہے۔ اُسی کو مشکلات میں پکارنا چاہیئے اور اُسی سے اُمیدیں وابستہ کرنی چاہئیں۔ سیدنا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک

مرتبہ آنحضرتA کے ساتھ سوار تھا، آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اے پیارے بیٹے! اللہ ﷻ کے حقوق کی پابندی کرو، اللہ ﷻ تمہاری محافظت کرے گا، جب بھی سوال کرنا ہو تو اللہ ﷻ ہی سے کرو اگر اللہ ﷻ کی طرف سے تیرے لئے اچھائی مقدر ہے تو تمام کائنات اس کو روک نہیں سکتی اور اگر بُرائی مقدر ہے تو کوئی اس کو ٹال نہیں سکتا۔ قلم تقدیر جو کچھ لکھ چکا وہی ہو گا اور تقدیر کے صحیفے بھی خشک ہو چکے ہیں۔(جامع ترمذی)

آیت نمبر۱۰۸: رسول اللہA کے ذریعہ پوری نوعِ انسانی کو خطاب ہے۔ حق سے مراد قرآنِ حکیم اور دینِ اسلام ہے۔ حق کو اختیار کرنے والے کامیاب اور گمراہی اختیار کرنے والوں کا وبال انہی پر ہو گا۔ پیغمبر علیہ السلام کے ذمہ حق منوانے کی ذمہ داری نہیں۔

علمی بات: بطور اِتمامِ حجّت کافروں سے خطاب ہے کہ دیکھو تمہارے پاس دینِ حق آ گیا اور نبیA کے ذریعہ سے تم تک پہنچ گیا اور اللہ ﷻ کی حجّت تم پر پوری ہو گئی اب تم حق تعالیٰ کے سامنے اپنی گمراہی کا کوئی عذر اور حیلہ پیش نہیں کر سکتے۔ اب اگر اس سے ہدایت حاصل کرلو تو تمہارا ہی فائدہ ہے ورنہ تمہارا ہی نقصان ہے رسول کا کام خبر دے دینا ہے وہ کسی سے حق قبول کرانے کے ذمہ دار نہیں۔ اگر یہ برابر اسی سابقہ عداوت اور ایذء ارسانی پر قائم رہیں تو آپ علیہ السلام صبر کیجئے عنقریب اللہ ﷻ فیصلہ فرمادے گا یعنی حسبِ وعدہ آپA کو غالب اور منصور کرے گا۔ یہ مضمون گویا کہ تمام سورت کا خلاصہ ہے۔

آیت نمبر۱۰۹: رسول اللہA اور اہلِ ایمان کو قرآنِ حکیم کی پیروی اور حق پر جمے رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ داعی حق کو مشکلات پر صبر کرنے اور ثابت قدم رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ حق و باطل کے درمیان اللہ ﷻ کی طرف سے فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔

علمی بات: آپ A اور اہل ایمان کے لیے تسلّی کا ذکر ہے کہ آپA اس چیز کی پیروی کیجئے جو آپA کی طرف وحی کی جاتی ہے آپ A لوگوں تک اللہ ﷻ کا پیغام پہنچا دیجئے چاہے کوئی مانے یا نہ مانے اور اگر تبلیغ اور دعوتِ اسلام پر یہ لوگ آپA کو ایذاء پہنچائیں تو آپA صبر کیجئے یہاں تک کہ خود اللہ ﷻ فیصلہ کرے کہ حق کو غلبہ دے اور کفر کو ذلیل و خوار کرے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔وہ حسبِ وعدہ آپA کو فتح و نصرت عطا فرمائے گا۔

مشقوں کے جوابات

سوال۱: خالی جگہیں پُر کریں:

(۱) آیت:۶۱ میں اللہ ﷻ کے بارے میں ذکر ہے کہ وہ لوگوں کے اعمال سے خوب واقف ہے۔ اعمال میں خاص طور پر تلاوتِ قرآنِ پاک کا ذکر ہے۔

(۲) آیت:۸۳ میں ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دینے والے چند نوجوان تھے۔

(۳) آیت:۹۲ میں ذکر ہے کہ اللہ ﷻ نے فرعون کی لاش کو بعد میں آنے والوں کے لئے عبرت بنا دیا۔

(۴) آیت:۱۰۰ میں ذکر ہے کہ کسی کے لئے ممکن نہیں کہ وہ اللہ ﷻ کے حکم کے بغیر ایمان لے آئے۔

(۵) آیت:۹۸ کی روشنی میں بتائیں کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا یہ انجام ہوا کہ وہ ایمان لے آئے تھے تو اس وجہ سے ان پر سے عذاب ٹال دیا گیا۔

سوال۲: مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجئے:

۱۔ چھٹے رکوع میں قرآنِ حکیم اور رسول اللہ ﷺ کی کیا صفات بیان کی گئی ہیں اور ہمیں کیا حکم دیا گیا ہے؟

قرآنِ حکیم اللہ ﷻ کی طرف سے ایک نصیحت ہے اور دلوں کی بیماریوں کے لئے شفا ہے اور ایمان والوں کے لئے ہدایت اور رحمت کا سامان ہے۔ یہ

سب کچھ اللہ ﷻ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہے لہٰذا ہمیں اس پر خوش ہونا چاہیئے۔ یہ ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جو لوگ جمع کر رہے ہیں۔

۲۔ ساتویں رکوع کی روشنی میں اولیاء اللہ کی صفات اور ان کے لئے دی گئی بشارت تحریر کریں۔

اولیاء اللہ ایمان اور تقویٰ کی صفات رکھتے ہیں اور اُنہیں بشارت دی گئی کہ اُنہیں نہ آئندہ کا کوئی خوف ہو گا اور نہ ماضی کی بات کا کوئی غم، ان کے لئے خوش خبری ہے دُنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔

۳۔ آٹھویں رکوع میں کتنے انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر کیا گیا ہے؟ ان میں سے کسی ایک کی دعوت کے بارے میں تین باتیں لکھیں۔

حضرت نوح، حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کا ذکر آیا ہے۔

i۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو استقامت کے ساتھ دعوت دی اور اللہ ﷻ پر توکل کیا۔

ii۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: کہ میں تم سے اس دعوت پر کوئی اَجر نہیں مانگتا میرا اَجر تو صرف اللہ ﷻ کے ذمہ کرم پر ہے۔

iii۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے یہ بھی فرمایا: کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں برداروں میں سے ہو جاؤں۔

۴۔ نویں رکوع میں مشکلات میں گھری قوم کے لئے بیان کی گئی دُعاؤں کا ترجمہ تحریر کریں؟

i۔ "اے ہمارے رب! ہمیں ظالم قوم کے لئے (ذریعہ) آزمائش نہ بنا اور اپنی رحمت سے ہمیں کافر قوم سے نجات عطا فرما۔"

ii۔ "اے ہمارے رب! بے شک تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو بہت سے (اسباب) زینت اور اَموال دنیا کی زندگی میں دیئے ہیں، اے ہمارے رب! تا کہ وہ لوگوں کو تیری راہ سے گمراہ کرتے رہیں، اے ہمارے رب! ان کے مال برباد کر دے اور ان کے دل سخت کر دے پھر وہ ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔"

۵۔ گیارہویں رکوع میں آپ ﷺ کو دس باتوں کا حکم فرمایا گیا ہے۔ آپ ان میں سے کوئی پانچ باتیں لکھیں۔

تعلیم اُمّت کے لئے آپ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ: i۔ مومنوں میں سے ہو جائیں۔ ii۔ اپنا رخ یکسوئی کے ساتھ دین پر قائم رکھیں۔

iii۔ شرک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔ iv۔ اللہ ﷻ کے سوا ان کو نہ پکاریں جو نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

v۔ اس کی طرف پیروی کیجیے جو آپ ﷺ کی طرف وحی فرمائی جاتی ہے۔

سُوْرَۃُ هُوْد

مقاصدِ مطالعہ: اس سورت کے مطالعہ کے بعد طلبہ کو مندرجہ ذیل مضامین سے آگاہی حاصل ہونی چاہیئے:

1. آیات: ۱ تا ۴ — قرآن کی حقانیت اور عظمت وشرف، اسلام کے بنیادی عقائد توحید، رسالت اور قیامت کا مؤثر اور دلنشین انداز میں تذکرہ۔
2. آیات: ۵ تا ۸ — اللہ ﷻ کا علم کامل اور ہمہ گیر ہونے کا بیان، ذاتِ باری تعالیٰ کا تمام مخلوق کے رزق کا ذمہ دار ہونے کا تذکرہ، اللہ ﷻ کی قدرت کاملہ کا ذکر، تخلیقِ کائنات کا بیان، مشرکین مکہ کے فرمائشی معجزات کے مطالبہ اور ان کا مدلل جواب۔
3. آیات: ۹ تا ۱۲ — مصیبت اور آسانی میں مومن اور کافر کے طرزِ عمل کا موازنہ اور اہل ایمان کو کفار کی ناشائستہ باتیں خاطر میں نہ لانے کی تلقین
4. آیات: ۱۳ تا ۱۴ — قرآن مجید کے معجزہ ہونے، منکرین قرآن سے اس قرآن کریم جیسی دس سورتیں لانے کا مطالبہ اور صداقتِ قرآن مجید اور مکذبین قرآن کا انجام۔
5. آیات: ۱۵ تا ۲۴ — آخرت کو دنیا پر مقدم رکھنا، ظالم لوگوں کی بُری صفات اور انجام کا تذکرہ، اہل ایمان کا حال اور حسن انجام کا بیان۔

(نوٹ: اس سورت کی آیات: ۲۵ تا ۶۸ مطالعہ "قرآنِ حکیم حصّہ اوّل میں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کے قصّوں میں دی گئی ہیں)

6. آیات: ۶۹ تا ۷۲ — حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتوں کی آمد، مہمان فرشتوں کا کھانے سے انکار اور اپنے انکار کی وضاحت کا بیان۔

(نوٹ: اس سورت کی آیات: ۷۷ تا ۹۵ مطالعہ "قرآنِ حکیم حصّہ اوّل اور حصّہ چہارم میں حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کے قصّوں میں دی گئی ہیں)

7. آیات: ۹۶ تا ۱۰۸ — فرعون کا انجام اور انبیاء علیہم السلام کے واقعات بیان کرنے کی حکمت، کفر و تکذیب کا انجام اور اہل محشر کی قسموں کا ذکر۔
8. آیات: ۱۰۹ تا ۱۱۳ — مشکل حالات میں اہل ایمان کے لئے ہدایات، ہر دور میں حق سے اختلاف رکھنے والوں کے موجود ہونے کا بیان، احکام الٰہی پر استقامت رکھنے کا حکم، پیغمبرِ اسلام ﷺ اور اہل ایمان کو عبادت الٰہی میں مستعد اور ثابت قدم رہنے کی تلقین۔
9. آیات: ۱۱۴ تا ۱۱۷ — اقامتِ صلوٰۃ کی تاکید، بُرائی سے روکنے والوں کا اللہ ﷻ کے عذاب سے محفوظ رہنے کا بیان، سابقہ اقوام کی ہلاکت کے ظاہری اور باطنی اسباب، دین کی دعوت سے اعراض کرنے والوں کو عذاب کی وعید۔
10. آیات: ۱۱۸ تا ۱۲۳ — کفار کی طرف سے پہنچنے والی اَذِیّتوں پر اللہ ﷻ کا اپنے حبیب مکرم ﷺ کو تسلی اور سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات کا بیان، واقعاتِ انبیاء کرام علیہم السلام میں تمام مسلمانوں کے لئے بھی عبرت اور نصیحت کا پیغام، انفرادی اور اجتماعی اصلاح کے حوالہ سے ترغیب اور ترہیب کا انداز اور اس کے فائدہ مند ہونے کا بیان اور اللہ ﷻ کی تائید ونصرت پر توکل وبھروسہ رکھنے کا حکم۔

ربطِ سورت: سورۂ ھود کے مضامین سورۂ یونس کے مضامین سے ملتے جلتے ہیں۔ البتہ سورۂ یونس میں جن پیغمبروں کے واقعات مختصر بیان ہوئے تھے، اس سورت میں انہیں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ خاص طور پر حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، اور حضرت لوط علیہ السلام کے واقعات زیادہ تفصیل سے انتہائی بلیغ اور مؤثر اسلوب میں بیان فرمائے گئے ہیں۔

سورت کا اختتام اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی توحید، قرآنِ حکیم کی حقانیت اور حضرت سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کی صداقت اور اسلام کے پیغام پر ہوتا ہے، جس میں قیامت، حساب و کتاب، جزاو سزا اور قرآنِ حکیم کے اعجاز کا تفصیلی طور پر ذکر ہے نیز کتاب اللہ کی آیات کے محکم ہونے کا بیان ہے جیسا کہ سورۂ یونس کا اختتام بھی اسی قسم کی آیات پر ہوا ہے۔

سورۂ یونس کے آخر میں فرائضِ خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر تھا۔ سورۂ ھود کی ابتداء میں بھی فرائض خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے۔

سورۂ یونس کے آخر میں صداقت قرآنِ حکیم کا ذکر تھا۔ سورۂ ھود کی ابتداء میں بھی صداقت قرآنِ حکیم کا ذکر ہے۔

سورۂ یونس کے آخر میں دلیل وحی کے ساتھ توحید خداوندی کا ذکر تھا۔ اس سورت کے شروع میں بھی دلیل عقلی کے ساتھ توحیدِ خداوندی کا ذکر ہے۔

آیت نمبر ۱: حروف مقطعات کی کل تعداد ۱۴ چودہ ہے۔ حروفِ مقطعات قرآنِ حکیم کی (۲۹) (انیتس) سورتوں میں آئے ہیں۔ حروف مقطعات کا علم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے پاس ہے اور یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک راز ہے۔ محکم کے معنی مضبوط اور اٹل کے ہیں۔ مضبوط کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ دلائل کے لحاظ سے مضبوط اور مکمل ہیں اور ان میں کوئی نقص نہیں ہے۔ قرآنِ حکیم کی آیات محکم ہیں جن پر عمل پیرا ہونے پر لوگوں کو فلاح نصیب ہوتی ہے۔ ابتدا میں اس کلام کی آیات جامع اور گہرے مفہوم کی حامل تھیں۔ بعد میں ان آیات کی وضاحت نازل فرمادی گئی۔ قرآنِ حکیم حکیم وخبیر ہستی نے نازل فرمایا ہے۔

علمی بات: قرآنِ حکیم وہ جلیل القدر اور عظیم الشّان کتاب ہے جس کی آیتیں لفظی و معنوی ہر اعتبار سے نہایت مستحکم ہیں۔ قرآنی حقائق و دلائل ایسے مضبوط و محکم ہیں کہ زمانہ کتنا ہی تبدیل ہو جائے ان حقائق کے بدلنے یا غلط ہونے کا کوئی امکان تک نہیں۔ موقع بہ موقع دلائل توحید، احکام، مواعظ، قصص، الغرض ہر چیز بڑی خوبصورتی اور قرینہ سے الگ رکھی ہے اور تمام ضروریات دینی ودُنیوی کا تفصیل سے بیان ہے۔

آیت نمبر ۲: قرآنِ حکیم کا بنیادی پیغام پوری نوعِ انسانی کو صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بندگی کرنے کی دعوت دینا ہے۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی مشترکہ دعوت ایک اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عبادت تھی۔ یعنی اس محکم و مفصل کتاب کے نازل کرنے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ دنیا کو صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دی جائے اور بندگی کے آداب سکھائے جائیں۔ تمام انبیاء ورسل علیہم السلام توحید کی دعوت قبول کرنے والوں کو دنیا و آخرت کی بشارت دیتے اور انکار کرنے والوں کو دنیا و آخرت کے بُرے انجام سے ڈراتے تھے۔

آیت نمبر ۳: استغفار اور توبہ کی ترغیب دی گئی ہے۔ ایسا کرنے والوں کو متاعِ حَسَن سے نوازا جائے گا۔ متاعِ حَسَن سے مراد حلال و پاکیزہ رزق، قلبی سکون واطمینان اور نیک اعمال ہیں چنانچہ نیک اعمال کی کثرت کرنے والوں کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے فضل سے زیادہ عطا فرمائے گا اور حق سے اعراض کرنے اور گناہوں کی بخشش نہ مانگنے والے بڑے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ یوم کبیر سے یا تو روزِ قیامت مراد ہے یا عذاب کا کوئی دن۔

علمی بات: ا۔ ماضی کے گناہوں پر ندامتِ قلب کے ساتھ گناہوں سے رُک جانا اور مستقبل میں نہ کرنے کا عزم، یہ توبہ ہے۔ جب کہ ماضی کے گناہوں کی معافی مانگنا ”استغفار“ ہے۔ توبہ اور استغفار میں فرق یہ ہے کہ جو گناہ ہو چکے ان پر صدقِ دل سے معافی مانگنا استغفار اور پچھلے گناہوں پر ندامتِ قلبی کے ساتھ ساتھ آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد کرنا توبہ ہے گویا ”توبہ“ اصل منزل ہے جب کہ توبہ کی طرف جانے والا راستہ ”استغفار“ ہے۔

۲۔یعنی ہر نیک انسان کو اس کے اعمالِ حسنہ کی جزاء اللہ ﷻ اپنے فضل و کرم سے عطا فرماتا ہے نیکیوں میں جتنا کوئی بڑھتا جائے گا اسی قدر اللہ ﷻ اسے اپنے اعلیٰ خزانوں سے مالا مال کرتا جائے گا۔

عملی پہلو:۱۔ اخلاص کے ساتھ توبہ واستغفار کرنا عمر میں برکت اور رزق میں وسعت کے لئے بہترین عمل ہے۔

عملی پہلو:۲۔ گناہوں پر اصرار اور بے راہ روی کی روش اختیار کرنے والوں اور گزشتہ پر سچے دل سے نادم نہ ہونے والوں کا انجام اچھا نہیں ہوتا، ایسا نہ ہو کہ ایسے لوگ قیامت کے دن عذاب میں مبتلا کر دیے جائیں۔ لہٰذا اپنی غلطیوں کی اصلاح کرتے ہوئے صدقِ دل سے توبہ واستغفار کرتے رہنا چاہیئے۔

آیت نمبر ۴: ہر شخص کو اللہ ﷻ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ اللہ ﷻ دینِ حق سے اعراض کرنے والوں کو سزا دینے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔

علمی بات: کسی مجرم کو سزا دینے کے لئے دو باتوں کی ضرورت ہوتی ہے پہلی یہ کہ مجرم حاضر ہو، دوسری یہ کہ سزا دینے والا قدرت واختیار رکھتا ہو چنانچہ اللہ ﷻ دعوتِ حق پر لبیک سے اعراض کرتے ہوئے سیدھی راہ سے منہ پھیرنے والوں کو اپنے پاس حاضر کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہے اور انہیں سزا دینے کا مکمل اختیار بھی رکھتا ہے چنانچہ مجرموں کو اپنے انجامِ بد سے ضرور ڈرنا چاہیئے۔

آیت نمبر ۵: اللہ ﷻ کے علم کی وسعت کا بیان ہے۔ آیت کا ایک مفہوم یہ ہے کہ کفار ومشرکین اپنا بغض ودشمنی چھپا نہیں سکتے۔ کسی چیز کو مخفی رکھنے کی کتنی ہی کوشش کر لی جائے اللہ ﷻ سے کوئی چیز مخفی ہو ہی نہیں سکتی۔ اللہ ﷻ دلوں کے ارادوں سے بھی خوب واقف ہے۔

علمی بات: بعض کفارِ مکّہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتے تھے لیکن جب اس کے جواب میں قرآنِ حکیم نازل ہوتا تو یہ سمجھتے کہ کوئی ہماری باتیں سن کر بتلا دیتا ہے لہٰذا کپڑا اوڑھ کر دُوہرے ہو کر باتیں کرتے۔ بتایا جا رہا ہے کہ تم اپنی حقیقت چھپانے کی ہزار کوشش کرو تب بھی کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ وہ اللہ ﷻ ایسی پاک ذات ہے جو تمہارے ظاہر کو بھی جانتا ہے اور تمہارے باطن کو بھی۔ وہ تو ایسا باخبر ہے جس سے تمہارے سینوں میں چھپا ہوا کوئی راز بھی مخفی نہیں رہ سکتا۔

آیت نمبر ۶: زمین پر چلنے پھرنے اور رینگنے والے جانوروں کو دَابَّہ کہا جاتا ہے، پرندے بھی اسی میں داخل ہیں۔ نیز ہر جاندار کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے چنانچہ ہر جاندار مخلوق کا رزق اللہ ﷻ کے ذمہ کرم پر ہے اور یہ رزق طے شدہ ہے۔ ہر مخلوق کا عارضی اور مستقل ٹھکانہ اللہ ﷻ کے علم میں ہے۔ مخلوق کے ذمہ عبادت کا فریضہ ہے۔ رازق اللہ ﷻ ہے اور لوحِ محفوظ میں ہر بات لکھی ہوئی ہے۔

علمی بات:۱۔ اللہ ﷻ ایک ایک جاندار کو روزی پہنچاتا ہے، دنیا میں ان کی جگہوں کو اور قبل از پیدائش اور موت کے بعد بھی ان کے ٹھکانوں کو جانتا ہے تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ان کے اقوال وافعال اور ان کے دیگر تمام احوال وکوائف سے بے خبر رہے؟ اسے سب خبر ہے اور لوحِ محفوظ میں ہر بات لکھی ہوئی ہے۔

فرمانِ نبوی A: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم اللہ ﷻ پر اس طرح توکل کرو، جیسا اس پر توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تم کو اس طرح رزق دے گا، جیسے پرندے کو روزی دیتا ہے، کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ پرندہ صبح خالی پیٹ ہوتا ہے اور شام کو سیر وسیراب ہوتا ہے۔ (مسند احمد)

۴۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ: اگر ابنِ آدم اپنے رزق سے اس طرح بھاگے جیسے موت سے بھاگتا ہے تب بھی اس کا رزق اسے پالے گا جیسے موت اسے پالیتی ہے۔ (سلسلۃ الصحیحہ)

۵۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک کھجور پڑی ہوئی دیکھی آپ ﷺ نے اسے لے لیا وہاں پر ایک سائل موجود تھا وہ کھجور آپ ﷺ نے اسے عطا فرما دی۔ (الطبرانی)

علمی وعملی پہلو: آج عالمی سطح پر یہ ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے کہ دنیا کی آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے اور وسائلِ رزق اس کے مساوی نہیں لہٰذا خاندانی منصوبہ

بندی اور افزائشِ نسل پر کنٹرول ضروری ہے۔مادہ پرست ماہرین کے فکر کی اصل وجہ محض اللہ ﷻ کی رزّاقیت پر عدم توکل ہے ورنہ اللہ ﷻ تو آبادی کی افزائش کے ساتھ ساتھ زمین کے خزانے انسانوں کی دسترس میں دے رہاہے، صدیوں سے بنجر پڑی ہوئی زمینیں آباد ہو رہی ہیں زمین سال میں دو کے بجائے چار چار فصلیں دینے لگی ہے کہیں تیل دریافت ہو رہا ہے کہیں جلانے کی گیسیں اور کہیں دوسری معدنیات نیز انسان حصولِ رزق کے نئے سے نئے وسائل بھی دریافت کر رہاہے۔مادہ پرست ماہرینِ معاشیات یہ تو اندازہ کر لیتے ہیں کہ اتنے سال بعد موجودہ شرح پیدائش کے مطابق دنیا کی آبادی کتنی ہو جائے گی لیکن اس دوران اللہ ﷻ جو نئے نئے وسائلِ رزق مہیا کرتا ہے اس کا وہ کچھ اندازہ نہیں کرسکتے لہٰذا ان کے اکثر اندازے غلط ثابت ہوتے ہیں اس مادہ پرستی اور محض مادی وسائل پر نظر رکھنے کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اللہ ﷻ کی ذات سے توکل اٹھ جاتا ہے۔

علمی بات:۲۔ الفاظ مُسْتَقَرَّ (قرار گاہ) اور مُسْتَوْدَعَ (سونپے جانے کی جگہ) مطلب یہ ہے کہ اللہ ﷻ وہ تمام جگہیں بھی جانتا ہے جہاں انسان نے کچھ مدّت کے لئے ٹھہرنا ہے، خواہ باپ کی پشت ہو یا ماں کا رحم، یا زمین کا کوئی حصہ جہاں اس نے زندگی میں ٹھہرنا ہے اور وہ جگہ بھی جہاں انسان نے مرنے کے بعد سپرد ہونا ہے، خواہ وہ زمین میں کھودی ہوئی جگہ ہو یا کسی جانور کا پیٹ یا سمندر و دریا ہوں جو جگہ بھی اللہ ﷻ نے قیامت کے وقوع تک لکھ رکھی ہے وہ جگہ بطورِ برزخ کے ہے اور وہ جگہ اس کے لئے قبر ہی ہے۔

علمی بات:۳۔ کتابِ مُبین سے مراد لوحِ محفوظ ہے جیسا کہ اس حدیثِ مبارکہ سے واضح ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ﷻ تھا اور کوئی چیز نہ تھی اور اللہ ﷻ کا عرش پانی پر تھا، پھر اس نے زمین وآسمان پیدا کیئے اور لوحِ محفوظ میں ہر چیز لکھ دی۔(صحیح بخاری)

آیت نمبر ۷: اللہ ﷻ کی وحدانیت اور قدرتِ کاملہ کی دلیل کے طور پر کائنات کی تخلیق کا بیان ہے۔ اللہ ﷻ نے چھ دنوں میں زمین و آسمان کی تخلیق فرمائی۔ ان کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ ﷻ کا عرش پانی پر تھا۔ یہ بات متشابہات میں سے ہے۔ جس کی کیفیت وتفصیل میں جانے سے شریعت مطہرہ نے منع کیا ہے انسان کی تخلیق کا مقصد یہ بیان ہوا کہ اس دُنیا میں انسانوں کا امتحان لیا جائے کہ کون عمل میں اچھا ہے؟ روزِ قیامت تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کر کے ان کے عمل کے مطابق انہیں جزا یا سزا دی جائے گی۔ قیامت و آخرت کے منکرین کی کج فہمی کا بیان ہے کہ وہ انسانوں کے دوبارہ زندہ ہونے کے متعلق مؤثر بیان کو جادو قرار دیتے ہیں جس نے بہت سے لوگوں کو متاثر کر لیا ہے۔

علمی بات:۱۔ "سِتَّةِ اَيَّامٍ" سے مراد چھ ادوار لئے گئے ہیں اور ہر دور کی مقدار کتنی تھی ہماری دنیا کے دن کے برابر یا قیامت کے دن کے برابر؟ اللہ ﷻ ہی بہتر جانتا ہے۔

۲۔ "الْعَرْشِ" اصل میں چھت والی چیز کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع عروش ہے قرآنِ حکیم میں آیا ہے وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوشِهَا اور اس کے مکان اپنی چھتوں پر گرے پڑے تھے۔ عرش کا لفظ عزّت، غلبہ، سلطنت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ البتہ جہاں تک عرشِ الٰہی کا تعلق ہے ہم صرف نام کی حد تک واقف ہیں اور اس کی حقیقت انسان کے فہم سے بالاتر ہے۔ عرش کی اصل حقیقت اللہ ﷻ کے علم میں ہے۔ یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ اللہ ﷻ اپنی شان کے مطابق عرش پر جلوہ فرما ہے۔

عملی پہلو: اس آیت نے واضح فرما دیا ہے کہ اس کائنات کو پیدا کرنے کا اصل مقصد بنی آدم کی آزمائش ہے اور آزمائش یہ ہے کہ ان میں سے کون اچھا عمل کرتا ہے، یہ نہیں کہ کون زیادہ عمل کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اعمال کی گنتی سے زیادہ انسان کو اس کی فکر کرنی چاہیئے کہ اس کا عمل اخلاص اور خشوع وخضوع کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہو۔ اس لئے کہ اللہ ﷻ نے انسان کو خلیفہ بنایا نیز اسے اختیارات سونپ کر اس پر اخلاقی ذمہ داریاں عائد

کیں تاکہ آزمائے کہ ان میں سے کون اچھا عمل کرکے آتا ہے۔

آیت نمبر۸: اس آیت میں قیامت کو جھٹلانے والوں کو فوراً سزا نہ دیئے جانے پر ان کا طرزِ عمل ذکر کیا گیا ہے۔ وہ طنزاً پوچھتے کہ ان پر عذاب کیوں نہیں آرہا؟ لہٰذا اللہ ﷻ نے جواب مرحمت فرمایا کہ کافر جان لیں کہ جس دن ان پر عذاب آئے گا وہ انہیں گھیر لے گا اور وہ بچ نہیں سکیں گے۔

علمی بات: ۱۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت ایک مدت معین تک عذاب کو روکے رکھتی ہے تو یہ تکذیب و استہزاء کے طور پر کہتے ہیں کہ وہ عذاب کہاں ہے؟ آخر آتا کیوں نہیں؟ کس چیز نے اسے پکڑ رکھا ہے؟ ان کے لئے تنبیہ ہے کہ ابھی باضابطہ مذاق اڑاتے ہیں، لیکن جب عذاب اپنے وقتِ مقرر پر آجائے گا تو ہر طرف سے گھیر کر تباہ و برباد کرکے چھوڑے گا اور کوئی اُسے ٹالنے والا نہ ہوگا۔

۲۔ اس عذاب سے مراد یا تو دنیا کا عذاب ہے یا آخرت کا، اگر دنیوی مراد ہو تو یہ وہ عذاب ہے جو غزوۂ بدر میں ان کو ذِلّت آمیز شکست کی صورت میں حاصل ہوا تھا اور اگر اس سے آخرت کا عذاب مراد ہے تو وہ قیامت کے بعد ان پر نازل کیا جائے گا۔

آیت نمبر۹: ایک غیر تربیت یافتہ انسان کی کم ظرفی کا بیان ہے۔ کسی راحت کے بعد تکلیف میں مبتلا ہونے پر وہ مایوس ہو کر شکوہ کرنے لگتا ہے بلکہ پچھلی راحتوں کو بھی فراموش کر ڈالتا ہے جب کہ مؤمنانہ طرزِ عمل یہ ہے کہ مصیبت پر صبر کیا جائے۔

علمی بات: انسان بنیادی طور پر کوتاہ نظر اور ناشکرا ہے۔ کسی نعمت، کامیابی یا خوشی کے بعد اگر اسے کوئی مشکل پیش آتی ہے تو اس وقت وہ بھول جاتا ہے کہ اس پر کبھی اللہ کی نظر کرم بھی تھی۔ چاہیے تو یہ کہ اچھے حالات میں انسان اللہ کا شکر ادا کرے اور جب کوئی سختی آجائے تو اس پر صبر کرے اور ساتھ ہی ساتھ دل میں اطمینان رکھے کہ ہر طرح کے حالات اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں اگر آج سختی ہے تو کل آسائش بھی تو تھی۔

آیت نمبر۱۰: غیر تربیت یافتہ انسان نعمت ملنے پر اتراتا اور تکبر کرتا ہے۔ جب کہ مؤمنانہ طرزِ عمل نعمت پر شکر کرنا ہے۔ یعنی مصیبت کے بعد اگر اللہ ﷻ آرام و آسائش نصیب کرے تو غافل انسان مغرور ہو کر شیخیاں بگھارتا ہے اور اتراتا پھرتا ہے حالانکہ اسے چاہیئے تھا کہ پچھلی حالت یاد کرکے اللہ ﷻ کا شکر ادا کرتا اور اس کا احسان مند ہو کر اللہ ﷻ کے سامنے جھکتا۔

آیت نمبر۱۱: مؤمنین کا طرزِ عمل بیان کیا گیا ہے۔ یعنی گزشتہ آیات میں بیان کی گئی کمزوریوں سے ایمان والے مستثنیٰ ہیں جن میں دو صفات پائی جائیں:

۱۔ صبر ۲۔ عمل صالح۔ ایسے لوگ اللہ ﷻ کے ہر فیصلہ پر راضی ہوتے ہیں۔ ان کے لئے بخشش اور بہت بڑی نعمت کی بشارت ہے۔

علمی بات: اس مقام پر صبر کا لفظ مستقل مزاجی کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے یعنی وہ لوگ جو نہ تو مصیبت کے وقت دل برداشتہ اور مایوس ہوتے ہیں بلکہ صبر و ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے برداشت کرتے ہیں اور اسی طرح کسی خوشی کے موقع پر آپے سے باہر نہیں ہوتے بلکہ اپنے آپ کو قابو میں رکھتے اور ہر حال میں اللہ ﷻ کا شکر بجالاتے ہیں اور ہر حال میں اپنے رویہ و عملی توازن کو برقرار رکھتے ہیں۔ چنانچہ نہ مال و دولت اور آسودگی ان کا مزاج خراب کرتی ہے اور نہ ہی تنگی و نامساعد حالات کے دوران اپنی ہمت ہار بیٹھتے ہیں ایسے ہی لوگوں کے قصور اللہ ﷻ معاف کرتا ہے اور ان کے نیک کاموں کے عوض انہیں بہت زیادہ اجر بھی عطا فرماتا ہے۔

فرمانِ نبوی A: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مسلمان کے حال پر تعجب ہوتا ہے، اس کے ہر حال میں خیر ہے اور یہ مؤمن کے سوا اور کسی کا وصف نہیں ہے، اگر اس کو راحت پہنچے تو شکر کرتا ہے اور وہ اس کے لئے خیر ہے اور اگر اس کو مصیبت پہنچے تو صبر کرتا ہے اور وہ (بھی) اس کے لئے خیر ہے"۔ (صحیح مسلم)

آیت نمبر ۱۲: کافروں کے دو اعتراضات کا ذکر: ۱۔ رسول ﷺ اللہ ﷻ کے رسول ہیں تو ان پر کوئی خزانہ کیوں نازل نہیں ہوا؟
۲۔ کوئی فرشتہ ان کے ساتھ ان کی حفاظت اور اظہارِ عظمت کے لئے کیوں نازل نہیں ہوا؟
رسول اللہ ﷺ کو ان بے ہودہ اعتراضات پر تسلی دی گئی ہے اور نافرمانوں کو ان کے انجام سے خبردار کرتے رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔

شانِ نزول: عبد اللہ بن ابی امیہ مخزومی نے رسول کریم ﷺ سے کہا تھا کہ اگر آپ سچے ہیں اور آپ ﷺ کا رب ہر چیز پر قادر ہے تو اس نے آپ پر خزانہ کیوں نہیں اتارا، یا آپ ﷺ کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا جو آپ ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتا، اس پر یہ آیت نازل فرمائی۔

علمی بات: کفار نے اعتراض کیا کہ اگر آپ ﷺ سچے نبی ہوتے تو آپ ﷺ کے پاس سونے چاندی، لعل و جواہرات کے خزانے ہوتے جنہیں آپ ﷺ لوگوں میں تقسیم کرتے اور لوگ آپ ﷺ کی بات مانتے یا آپ ﷺ کے ہمراہ کوئی فرشتہ ہوتا جو لوگوں کو آپ ﷺ کی صداقت کا یقین دلاتا اور جو ماننے سے انکار کرتا اس کی گردن مروڑ کر رکھ دیتا۔ یقیناً حضور اکرم ﷺ کو ان کی اس قسم کی ہرزہ سرائیوں پر دکھ ہوتا تھا چنانچہ اللہ ﷻ فرماتا ہے کہ اے محبوب! یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ ان کی رضا جوئی کے لئے کتاب میں ردوبدل کر دیں یا دولت کی کمی اور کسی فرشتہ کے ہمراہ نہ ہونے کی وجہ سے کچھ دل گرفتگی محسوس کریں۔ لہٰذا ایسی باتوں سے آپ زیادہ رنجیدہ نہ ہوں، کیونکہ آپ کا کام تو یہ ہے کہ انہیں حقیقت سے آگاہ فرما دیں اس کے بعد یہ لوگ مانیں یا نہ مانیں، یہ خود ان کے اختیار میں ہے اور اللہ ﷻ خود ان سے نمٹ لے گا۔

آیت نمبر ۱۳: مشرکین و کفار کہتے ہیں کہ قرآنِ حکیم اللہ ﷻ کا کلام نہیں ہے بلکہ پیغمبر ﷺ کا بنایا ہوا کلام ہے۔ (معاذ اللہ) انہیں قرآنِ حکیم کے مقابلے میں دس سورتیں پیش کرنے کا چیلنج دیا گیا ہے۔ فرمایا گیا کہ اس کام کے لئے جس کو چاہے بلا لیں اور چاہے جس کی مدد لے لیں اور اس چیلنج کو پورا کر کے دکھائیں۔

علمی بات: مشرکین نبی کریم ﷺ سے آپ کی نبوّت پر معجزہ طلب کرتے تھے، آپ کو بتایا گیا کہ آپ یہ کہیں کہ میری نبوّت پر معجزہ یہ قرآنِ حکیم ہے۔ نبی ﷺ نے اس قرآنِ حکیم کے ساتھ چیلنج کیا کہ اگر یہ بالفرض کسی انسان کا بنایا ہوا کلام ہے تو تم بھی اس جیسا کلام بنا کر لے آؤ لیکن آپ ﷺ کے مخالفین باوجود یہ کہ عرب میں ان کی فصاحت و بلاغت مُسلّم تھی کوئی شخص قرآنِ حکیم کے مثل کلام بنا کر نہیں لا سکا، قرآنِ حکیم نے کئی طرح سے یہ چیلنج پیش کیا ہے: چنانچہ (سورہ بنی اسرائیل ۱۷، آیت: ۸۸) میں ہے آپ ﷺ کہیئے اگر تمام انسان اور جن مل کر اس قرآنِ حکیم کی مثل لانا چاہیں تو وہ اس کی مثل نہیں لا سکتے، خواہ وہ ایک دوسرے کی مدد (بھی) کریں اور زیرِ تفسیر آیت میں دس سورتوں کی مثل لانے کا چیلنج دیا گیا ہے اور سورۃ البقرہ ۲، آیت: ۲۳ اور سورۂ یونس ۱۰، آیت: ۳۹ میں کسی ایک سورت کی مثل لانے کا چیلنج دیا گیا ہے۔

آیت نمبر ۱۴: چیلنج قبول نہ کرنے کی صورت میں ثابت ہو جائے گا کہ قرآنِ حکیم اللہ ﷻ کا کلام اور اس کے کامل علم کا مظہر ہے۔ وہی معبودِ حقیقی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی ایسی ذات نہیں جو ایسا کلام نازل کر سکے۔ لہٰذا اللہ ﷻ ہی کی اطاعت قبول کرنے اور اسی کی وحدانیت تسلیم کر کے اس کے کلام کو برحق ماننے کا حکم دیا گیا۔

علمی بات: مشرکین سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تم قرآنِ حکیم کا مثل بنانے کے لئے اپنے بڑے بڑے فصیح و بلیغ شاعروں اور خطیبوں کو دعوت دو اور وہ اس دعوت کو قبول کرنے کی جرأت نہ کر سکیں تو پھر تم جان لو کہ یہ اللہ ﷻ کا کلام ہے اور یہ بھی یقین کر لو کہ اس کی ذات کے سوا کوئی معبود نہیں۔ دیکھو! اب تو حق واضح ہو گیا تو کیا اب بھی اسلام لانے میں پس و پیش کرو گے؟

آیت نمبر ۱۵: دنیا پرستوں کا بیان ہے۔ یعنی صرف دنیا اور اس کی زیب و زینت چاہنے والوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دنیا میں ہی دے دیا جاتا ہے۔

علمی بات: کافر لوگ جو آخرت پر تو ایمان نہیں رکھتے، اور جو کچھ کرتے ہیں، دنیا ہی کی خاطر کرتے ہیں، ان کے اچھے اور رفاہی کاموں، مثلاً خدمتِ خلق اور بھلائی کے دیگر کام وغیرہ کا صلہ دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے، آخرت میں ان کو کوئی ثواب نہیں ملتا، کیونکہ ایمان کے بغیر آخرت میں کوئی نیکی معتبر نہیں ہے۔

عملی پہلو: اگر مسلمان کوئی نیک کام صرف دنیوی شہرت یا دولت وغیرہ حاصل کرنے کے لئے کرے تو اسے دنیا میں تو وہ شہرت یا دولت مل سکتی ہے۔ لیکن اس نیکی کا ثواب آخرت میں نہیں ملتا۔ بلکہ اعمال میں اخلاص کے فقدان کی وجہ سے اُلٹا گناہ ہوتا ہے کیونکہ آخرت میں وہی نیکی معتبر ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت سے کی گئی ہو۔

آیت نمبر ۱۶: دنیا کے طلب گاروں کے لئے آخرت میں دوزخ کی آگ کے سوا کچھ نہیں ہو گا۔ دنیا میں ان کے کئے گئے تمام بظاہر اچھے کام آخرت کے اعتبار سے ضائع ہو جائیں گے۔

علمی بات: ان آیات میں اوّل تو ان لوگوں کی مذمّت فرمائی جو دنیا کے طالب ہیں دنیا ہی ان کا مقصود و مطلوب ہے اور فقط دنیا کو مطمع نظر بنا لینے کی وجہ سے آخرت کے طلب گار نہیں اور ایمان لانے کے روادار نہیں، دنیا اور دنیا کی زینت ہی ان کے نزدیک سب سے بڑی چیز ہے ایسے لوگ اگر کچھ ایسے اعمال کر لیتے ہیں جو اچھائی کے زمرے میں آسکتے ہیں مثلاً صلۂ رحمی یا فقراء و مساکین پر خرچ کرنا وغیرہ تو دنیا ہی میں ان کا بدلہ دے دیا جائے گا اور چونکہ اچھے اعمال کو کارگر بنانے کی شرط اوّل یعنی ایمان مفقود ہے لہٰذا آخرت میں ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور ان کے عوض کچھ نہ ملے گا۔

آیت نمبر ۱۷: اہلِ فطرت کا بیان ہے جو اپنے رب کی جانب سے واضح دلیل پر قائم ہیں۔ دلیل سے مراد وہ فطرتِ توحید ہے جس پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ گواہ سے مراد قرآنِ حکیم یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو اس فطرت کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ قرآنِ حکیم سے پہلے رحمت بھرے احکاماتِ شریعت تورات میں تھے۔ اب یہ رحمت قرآنِ حکیم کی صورت میں ہے۔ قرآنِ حکیم کے برحق ہونے پر شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لوگوں کی اکثریت ایمان لانے سے محروم ہے جن کا ٹھکانہ جہنّم ہے۔

علمی بات: ۱۔ ایک وہ شخص ہے جو فطرتِ توحید اور دینِ فطرت کو تھامے ہوئے ہے، اس کی سچائی کا عقیدہ رکھتا ہے اور اس کے پاس اس کی سچائی کے دو گواہ موجود ہیں ایک تو خود قرآنِ حکیم کا اعجاز یعنی اس کی فصاحت و بلاغت اور اسلوبِ بیان کہ جس نے عرب کے بڑے بڑے فصیح ادیب اور شعراء کو اس جیسا کلام لانے سے عاجز کر دیا اور دوسرا گواہ دنیا میں قرآنِ حکیم کے آنے سے پہلے ہی موجود ہے یعنی تورات جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی جو کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے وہ امام بھی ہے اور دینِ فطرت کی تصدیق بھی کرتی ہے۔ تورات کی گواہی بھی قرآنِ حکیم کی سچائی کے لئے کافی ہے۔ اب سمجھ لیا جائے کہ جو شخص دینِ فطرت کو تھامے ہوئے ہے اور قرآن و تورات کی دلیل اور حجت کے ساتھ اس پر قائم ہے۔ کیا وہ شخص اس کے برابر ہو سکتا ہے جو منکر ہے یعنی ایسا نہیں ہو سکتا۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کو قیامت تک مدارِ نجات قرار دینے کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب اور ملّتوں کے ماننے والوں میں سے جو شخص بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرے گا اس کا ٹھکانہ جہنّم ہے کیونکہ ان کی شریعتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت آنے کی وجہ سے منسوخ ہو چکی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس قیامت تک خاتم النبیین بنا دی گئی ہے، لہٰذا اب ان کی نجات کا دارومدار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت پر ایمان لانے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی پیروی کرنے میں ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ جو یہودی یا نصرانی میری دعوت سنے اور اس کے باوجود میری لائی ہوئی تعلیمات پر ایمان نہ لائے تو وہ اہلِ جہنّم میں سے ہو گا۔

آیت نمبر ۱۸: اِفْتَرَاءِ سے مراد دین میں کوئی بات خود سے گھڑ کر اللہ ﷻ کی طرف منسوب کر دینا یا اسے شریعت سے ثابت کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ اللہ ﷻ کے لئے شریک ہونے کی جھوٹی بات اللہ ﷻ کی طرف منسوب کرنے والے سب سے بڑے ظالم ہیں۔ روزِ قیامت کئی گواہ ان کے اس ظلم پر گواہی دیں گے۔ ان پر اللہ ﷻ کی لعنت ہوگی۔

علمی بات: ۱۔ جھوٹ باندھنے کی مختلف صورتیں ہیں۔ اگر کوئی شخص اللہ ﷻ کی کتاب یا اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہیں لاتا تو یہ بھی اللہ ﷻ پر جھوٹ باندھنا ہے۔ اللہ ﷻ کی ذات، صفات یا عبادات میں اس کا شریک ثابت کرنا بھی اللہ ﷻ پر جھوٹ باندھنا ہے کیونکہ اس کا کوئی شریک نہیں۔ جیسا کہ مشرکین اللہ ﷻ کے لئے اولاد تجویز کرتے تھے اور اس کے لئے شریک ٹھہراتے تھے۔ اسی طرح جو شخص کوئی غلط دعویٰ کرتا ہے وہ بھی مُفْتَرِی (جھوٹ باندھنے والا) ہے جیسے مسیلمہ کذاب یا مرزا قادیانی نے نبوّت کا دعویٰ کیا تو انہوں نے اللہ ﷻ پر جھوٹ باندھا کیونکہ اللہ ﷻ نے تو انہیں نبی بنا کر نہیں بھیجا تھا۔ ان لوگوں کے یہ سب دعوے اللہ ﷻ پر بہتان ہیں اسی بنا پر اللہ ﷻ نے فرمایا کہ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ ﷻ پر افتراء کرے۔ پس ایسے لوگوں پر اللہ ﷻ کی لعنت یعنی رحمت سے دوری کی گئی ہے۔

۲۔ قرآنِ حکیم کی مختلف آیات میں کئی گواہوں کا ذکر ملتا ہے۔ جن میں فرشتے، انبیاء و رسل، امّت کے مومنین، انسان کے اپنے اعضاء و جوارح اور زمین کی گواہی شامل ہے۔

۱۔ وہ فرشتے جو انسانوں کے اعمال لکھنے پر مقرر ہیں یعنی کراماً کاتبین۔

۲۔ انبیاء و رسل علیہم السلام جو اپنی اپنی اُمّتوں کے بارے میں گواہی دیں گے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے "پس اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر اُمّت سے ایک گواہ لائیں گے اور ہم آپ ﷺ کو ان سب پر گواہ (بنا کر) لائیں گے۔" (سورۃ النساء ۴، آیت: ۴۱)

۳۔ آپ ﷺ کی اُمّت کے مؤمنین بھی گواہی دیں گے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا "(اور اے مسلمانو!) اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین اُمّت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور یہ رسول تمہارے حق میں گواہ ہو جائیں"۔ (سورۃ البقرہ ۲، آیت: ۱۴۳)

۴۔ انسان کے اپنے اعضاء و جوارح کی گواہی کے متعلق بھی موجود ہے کہ "آج کے دن ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے، اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے جو وہ کمایا کرتے تھے"۔ (سورۃ یٰسٓ ۳۶، آیت: ۶۵) یہی بات سورۃ حٰمٓ السجدہ ۳۲، آیات: ۲۰، ۲۱ میں بھی بیان ہوئی ہے۔ جس دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے اعمال کی ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ (سورۃ النور ۲۴، آیت: ۲۴)

۵۔ زمین گواہی دے گی۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے "اس دن وہ (زمین) اپنی خبریں بیان کر دے گی"۔ (سورۃ الزلزال ۹۹، آیت: ۴)

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مؤذن کی آواز جتنی مسافت پر پہنچے گی اور جہاں تک جن و انس اس کو سنیں گے قیامت کے دن اس کی شہادت دیں گے۔ (صحیح بخاری)

آیت نمبر ۱۹: لوگوں کو اللہ ﷻ کی اطاعت سے روکنے اور اللہ ﷻ کے احکامات پر اعتراض کرنے والے ظالموں کا بیان ہے جن پر اللہ ﷻ کی خصوصی لعنت اور پھٹکار ہے۔ یہ لوگ آخرت کی پیشی کے منکر ہیں۔

علمی بات: ۱۔ یہاں عِوَجاً کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ﷻ کے دین میں عیب نکالنا، طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کرنا، مختلف قسم کے حیلے اور جھوٹے پروپیگنڈے کرنا۔ گویا ظالم لوگ دینِ حق کے بارے میں طرح طرح کے اعتراضات نکال کر اس کو ٹیڑھا ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ دینِ اسلام سے خود بھی دور بھاگتے تھے اور جو لوگ اسلام قبول کر چکے ان کو بھی اس سے ہٹانا چاہتے تھے۔ یہی ہیں جو آخرت کے بھی منکر تھے۔

۲۔ جو لوگ ظلم و ناانصافی سے اللہ ﷻ کے کلام کو جھوٹا بتلاتے ہیں اور آخرت کے منکر ہیں نیز دوسروں کو اللہ ﷻ کی راہ پر چلنے سے روکتے ہیں اور اس تلاش میں رہتے ہیں کہ سیدھے اور درست راستے کو ٹیڑھا اور غلط ثابت کریں۔ ایسے ظالموں پر اللہ ﷻ کی خاص طور پر لعنت ہے۔

آیت نمبر ۲۰: اللہ ﷻ کی راہ سے روکنے والوں کے لئے کوئی مددگار نہ ہو گا۔ انہیں دُگنا عذاب دینے کی وجہ یہ ہے کہ وہ خود کفر و شرک کے مرتکب ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ ان کا حق سے اعتراض اس بنا پر تھا کہ انہوں نے حق دیکھنے اور سننے کی صلاحیت ہی استعمال نہ کی۔

علمی بات: ۱۔ یہ لوگ زمین میں اللہ ﷻ کو عاجز کرنے والے نہ تھے کہ کہیں جا کر چھپ جاتے اور اللہ ﷻ کی قدرت سے باہر ہو جاتے اور موت سے بچ جاتے جب دنیا میں اللہ ﷻ کو عاجز کر کے کہیں نہیں جاسکتے تو آخرت میں کیسے چھوٹ کر جاسکتے ہیں؟ جہاں حساب کے لئے جمع کئے جائیں گے۔

۲۔ ان لوگوں کے لئے اللہ ﷻ کے سوا کوئی بھی مددگار نہیں ہو گا اور جن لوگوں کو انہوں نے سفارشی سمجھا تھا وہ کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچاسکیں گے۔ ان کے لئے دُگنا عذاب ہے۔ ایک عذاب ان کے اپنے کفر کا اور دوسرا عذاب دوسروں کو ایمان سے روکنے کا اور کفر پر جمائے رکھنے کا۔

۳۔ یہ لوگ سن نہیں سکتے تھے۔ یعنی حق سے دور بھاگتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی باتیں سننے کو اس قدر ناپسند کرتے تھے کہ گویا اپنی قوتِ سامعہ ہی ختم کر چکے تھے اور دیکھ نہیں پاتے تھے یعنی اللہ ﷻ کی معرفت کی نشانیاں جو خود ان کے اندر اور دوسری مخلوقات اور تمام کائنات میں موجود ہیں ان سے قصداً اور ارادۃً اندھے بن جاتے تھے۔

۴۔ ان کی ضد، عناد اور حق سے دور بھاگنے کی کوشش نے انہیں ایمان قبول نہ کرنے دیا، بلکہ وہ دوسروں کے ایمان قبول کرنے میں ہر طرح کی رکاوٹیں پیدا کرنے کی کوششیں کرتے رہے۔

آیت نمبر ۲۱: یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے خود اپنا نقصان کیا کہ اللہ ﷻ کی عبادت کو چھوڑ کر پتھروں کی پوجا اختیار کی اور جنّت دے کر دوزخ مول لی۔ ایسے لوگ آخرت میں اپنے نقصان کے خود ذمہ دار ہوں گے۔ ان کے خود تراشیدہ معبود ان سے غائب اور گم ہو جائیں گے یعنی اُن کے ذہن میں بُتوں کے سفارشی ہونے کا خیال تھا اور یقین رکھتے تھے کہ بُت شفاعت کر کے انہیں بچالیں گے، ایسا ہرگز نہ ہو سکے گا۔

آیت نمبر ۲۲: روزِ قیامت یہ لوگ سب سے زیادہ خسارے میں ہوں گے۔

علمی بات: چونکہ انہوں نے نفیس اور اعلیٰ چیز کو دے کر ناپاک، ادنیٰ اور بے فائدہ چیز پسند کی اس لئے ان کا خسارہ لازمی اور یقینی ہے۔ بلاشبہ یقیناً یہی لوگ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

آیت نمبر ۲۳: اہل جہنم کے ذکر کے بعد اب سعادت مند اہل جنت کا بیان ہے۔ ان کی تین صفات ذکر کی گئی ہیں: ۱۔ وہ اللہ ﷻ کے کلام اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاتے ہیں۔ ۲۔ وہ اللہ ﷻ اور رسول اللہ ﷺ کے احکامات پر عمل کرتے ہیں۔ ۳۔ وہ عاجزی اختیار کرتے ہیں۔

علمی بات: "اِخْبَاتٌ" کا مطلب ہے تواضع، جھکنا، عاجزی کرنا، مطمئن ہونا، ڈرنا، اخلاص کا مظاہرہ کرنا، خوف کرنا، رجوع کرنا، خشوع اور خضوع کرنا، تسلیم و رضا وغیرہ۔ اللہ ﷻ نے ایمان اور اعمالِ صالحہ کے ساتھ مسلمانوں کے مطمئن ہونے اور عاجزی و تواضع اختیار کرنے کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ مسلمان جب اللہ ﷻ کی عبادت کریں تو عبادت کے وقت ان کے دل اللہ ﷻ کے ذکر سے مطمئن ہوں اور اللہ ﷻ نے جو ثواب کا وعدہ اور عذاب کی وعید کا ذکر فرمایا ہے اس پر دل سے یقین رکھنے والے ہوں۔ نیز ان کو یہ ڈر اور خوف ہو کہ کسی کمی اور کوتاہی کی بناء پر ان کے نیک اعمال مسترد نہ کر دیئے جائیں لہٰذا بندۂ مؤمن اپنے نیک اعمال کی بنا پر تکبر میں مبتلا نہ ہو۔ ایسے لوگوں کے لئے ہمیشہ جنّت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کی بشارت دی گئی ہے۔

آیت نمبر ۶۷: کافر کو اندھے اور بہرے سے اور مؤمن کو دیکھنے اور سننے والے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کافر حق بات دیکھنے سے اندھا اور حق کے دلائل سننے سے بہرہ بنتا ہے۔ اس کے برعکس مؤمن حق دیکھ کر اس کی پیروی اور حق کے دلائل کو سن کر باطل سے اجتناب کرتا ہے۔ دونوں کے طرزِ عمل اور انجام کے مختلف ہونے کا بیان ہے۔

علمی و عملی بات: کافر دنیا میں حق کی دلیل سننے کے بعد اُسے ان سنی کر دیتا ہے اور حق کی نشانیاں و علامات دیکھ لینے کے بعد بھی پرواہ نہیں کرتا اس لئے وہ اندھے اور بہرے کی طرح ہے جو دن کی روشنی میں بھی کان اور آنکھیں بند کر لینے کے سبب اندھیروں میں بھٹکتا پھرتا ہے، لیکن مؤمن حق کے دلائل سنتا ہے اور حق کی نشانیوں میں غور و فکر کرتا ہے اس لئے وہ سننے اور دیکھنے والے کی طرح ہے جو روشنی میں اپنی آنکھیں استعمال کرتے ہوئے اپنی منزل کی تلاش کر لیتا ہے، تو ظاہر ہے یہ دونوں ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔

نوٹ: آیات: ۲۵ تا ۶۸ حصہ اوّل حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کے قصّوں میں دی گئی ہیں۔

آیت نمبر ۶۹: اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انسانی صورت میں فرشتوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف بھیجا۔ فرشتوں کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں سلام اور ان کے جواب کا ذکر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے میزبانی کے طور پر بھنے ہوئے بچھڑے کا گوشت پیش کیا۔

عملی بات: ۱۔ یہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت دینے اور قومِ لوط کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے آئے تھے۔ یہ فرشتے انسانی شکل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے ہاں داخل ہوتے ہوئے سلام کرنا نہ صرف تمام الہامی تعلیمات میں رائج ایک سنّت ہے بلکہ آسمانی فرشتوں کی بھی صفت ہے۔

۲۔ سلام کہنا اور سلام کا جواب دینا انبیائے کرام علیہم السلام اور فرشتوں کی سنّت ہے، نیز گھر میں موجود اچھے کھانے سے مہمانوں کی تواضع و خدمت کرنا بھی انبیاء کرام علیہم السلام کی سنّت و طریقہ ہے۔

آیت نمبر ۷۰: فرشتوں کی کھانے کی طرف رغبت نہ کرنے پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوف محسوس ہوا۔ جس پر مہمانوں کے فرشتے ہونے اور عذاب دینے کے لئے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی طرف بھیجے جانے کی وضاحت کی گئی ہے۔

علمی بات: چونکہ فرشتے انسانی شکل میں آئے تھے، اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام شروع میں انہیں انسان ہی سمجھے اور ان کی مہمان نوازی کے لئے بھنے ہوئے بچھڑے کا گوشت لے آئے لیکن چونکہ وہ فرشتے تھے جنہیں کچھ کھانے کی ضرورت نہیں پڑتی، اس لئے انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا، اس زمانے میں رسم یہ تھی کہ اگر کوئی شخص میزبان کے یہاں کھانا پیش ہونے کے بعد نہ کھائے تو یہ اس بات کی علامت سمجھی جاتی تھی کہ وہ مہمان کی حیثیت سے نہیں آیا بلکہ کسی اور ارادے سے آیا ہے، اس لئے حضرت ابرہیم علیہ السلام نے خوف محسوس کیا، اس موقع پر فرشتوں نے ان کے پاس بھیجے جانے کے مقاصد واضح کر دیئے۔

آیت نمبر ۷۱: فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سیّدہ سارہ علیہا السلام کو بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام اور پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت دی۔

علمی بات: حضرت سیّدہ سارہ علیہا السلام کو جب علم ہوا کہ ان کے مہمان فرشتے ہیں تو وہ بھی پاس آکھڑی ہوئیں اور خوشی میں ہنس پڑیں، پھر فرشتوں نے حضرت سیّدہ سارہ علیہا السلام کو بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام اور پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام کی خوش خبری دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں حضرت سیّدہ ہاجرہ علیہا السلام کے بطن سے ایک بیٹے یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام پہلے سے موجود تھے لیکن حضرت سیّدہ سارہ علیہا السلام کی کوئی اولاد نہ تھی، چنانچہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انہیں اس نعمت سے نوازنے کی بشارت عطا کی ہے۔

آیت نمبر ۷۲: حضرت سیّدہ سارہ علیہا السلام نے بڑھاپے اور بانجھ پن کی وجہ سے بیٹے کی خوشخبری ملنے پر تعجب کا اظہار فرمایا۔

علمی بات: ۱۔ یعنی جب بیوی کی عمر ۹۰ سال کے لگ بھگ ہو اور شوہر ۱۰۰ سو سال سے تجاوز کر چکے ہوں ان حالات میں کسی بچے کا پیدا ہونا خَرقِ عادت نہ سہی حیرت انگیز ضرور ہے اسی بنا پر ان کا حیرت زدہ ہونا بالکل قدرتی بات تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کو اگرچہ اس بات کا یقین تھا کہ ایسا کر دینا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت سے باہر نہیں ہے۔ یہ تعجب عرف اور عادت کی بناء پر ہے، چونکہ یہ ولادت عرف اور عادت کے خلاف تھی اس لئے بتقاضائے بشریت وہ اس پر اپنے تعجب کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکیں۔ اس لئے انہوں نے اس پر اظہار تعجب کیا۔ انہوں نے شک کے طور پر یہ بات ہرگز نہیں کہی تھی۔

۲۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی کو کوئی ناقابل یقین قسم کی خوشخبری سنائی جائے اور وہ اس کے بارے میں از راہِ تعجب یوں کہے کہ کیا ایسے فی الواقع ہو سکتا ہے ؟ اس سے اس خوشخبری کی عظمت شان مزید بڑھ جاتی ہے۔ اس اظہارِ تعجب میں ایک خاص قسم کی فرط مسرت اور بے پناہ خوشی کا پہلو بھی موجود ہے۔

آیت نمبر ۷۳: فرشتوں نے حضرت سیّدہ سارہ علیہا السلام کو جواب دیا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فیصلے قابلِ تعجب نہیں ہوتے کیوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جو چاہے کرنے پر قادر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھرانے پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بے شمار نعمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہی ہیں۔

علمی بات: ۱۔ قدرتِ خداوندی اتنی بے پایاں اور وسیع ہے کہ اس کے سامنے ہر قسم کا تعجب اور تمام حیرانیاں کم ہیں۔ حضرت سیّدہ سارہ علیہا السلام کی توجہ جب قدرت الٰہی کی طرف مبذول کرائی گئی تو ان کا تعجب خوشی و مسرت میں بدل گیا۔

۲۔ یہاں اہلِ بیت یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر والوں پر رحمتِ الٰہی اور اس کی بے حساب برکتوں کے نزول کی خوشخبری و بشارتیں عطا کی جا رہی ہیں۔ یہاں مخاطب حضرت سیّدہ سارہ علیہا السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ ہیں، لہٰذا جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے اہلِ بیت میں آپ کی کی زوجہ محترمہ داخل ہیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت میں حضور A کی تمام ازواجِ مطہرات رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُنَّ داخل ہیں اور پھر ان کے ساتھ دوسرے حضرات قدسی صفات آپ کی صاحب زادیاں حضرت زینب، حضرت رقیہؓ، حضرت امِّ کلثوم، حضرت فاطمہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُنَّ، اور آپ کے داماد حضرت علی رضی اللہ عنہ، آپ کے نواسے حضراتِ حسنین کریمین، اور آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا: "سَلْمَانُ مِنَّا اَھْلَ الْبَیْتِ" سلمان بھی ہمارے گھر کا ایک فرد ہے۔ (المستدرک للحاکم)

آیت نمبر ۷۴: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فرشتوں سے قوم لوط علیہ السلام کے متعلق گفتگو کا ذکر ہے۔ خواہش تھی کہ کسی طرح قوم لوط علیہ السلام سے عذاب ٹل جائے اور اس قوم کو مزید مہلت مل جائے۔

علمی بات: حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے جو عراق میں ہی ان پر ایمان لا کر ان کے ساتھ وطن سے ہجرت میں ان کے ساتھ شریک تھے۔ بعد میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انہیں بھی پیغمبر بنا کر سدوم کے شہر میں بھیجا۔ اس شہر کے لوگ شرک کے علاوہ ہم جنس پرستی کی لعنت میں مبتلا تھے۔ جب انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی بات نہیں مانی تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کرنے کے لئے ان فرشتوں کو بھیجا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ امید تھی کہ شاید یہ لوگ سنبھل جائیں اس لئے وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں عرض گزار ہوئے کہ ابھی ان پر عذاب نازل نہ کیا جائے۔ انہوں نے ایک شائستہ اصرار کے انداز میں بار بار اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں جس طرح عذاب مؤخر کرنے کی فرمائش و درخواست کی، اس پیار بھرے انداز کو جدال سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

آیت نمبر ۷۵: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین صفات کے بیان سے ان کی بہت زیادہ مدح سرائی کی گئی ہے۔ قوم لوط علیہ السلام سے ہمدردی، ان کا نرم دل اور بردبار ہونا ہے۔ نیز ان کا بہت زیادہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا بیان ہے۔

علمی بات: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ استدعا تو منظور نہیں فرمائی گئی کہ قوم لوط سے عذاب کو مؤخر کر دیا جائے، لیکن جس جذبے اور جس انداز سے انہوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے رجوع فرمایا تھا، اس آیت مبارکہ میں اس کی بڑے بلیغ انداز میں تعریف فرمائی گئی ہے۔ حَلِيْمٌ کہتے ہیں بردبار کو جو بدی کرنے والے سے انتقام لینے میں جلدی نہ کرے۔ اواہ: کا معنی ہے نرم دل، رحیم المزاج جو دوسرے لوگوں کی غم خواری کرے، مُنِيْبٌ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا اور اس کی اطاعت کرنے والا۔ جو ہر وقت دل و جان سے اپنے رب کی طرف راغب رہے۔

آیت نمبر ۷۶: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قوم لوط علیہ السلام کی سفارش نہ کرنے کی ہدایت دی۔ بتایا گیا کہ ان لوگوں پر عذاب ضرور نازل ہو گا جس کو ٹالا نہیں جاسکے گا۔

علمی بات: حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی فطری شفقت، نرم خوئی اور رحم دلی سے اس قوم پر ترس کھا کر حق تعالیٰ کی جناب میں کچھ سفارش کرنا چاہتے تھے۔ اسی کا جواب دیا گیا کہ اے ابراہیم! اس معاملہ اور بات کو چھوڑ دو۔ ان بدبختوں کو مدّتوں سمجھایا گیا لیکن وہ اپنے کفر و شرک سے باز نہ آئے۔ ان کے لئے عذاب مقدر ہو چکا ہے۔ اب یہ فیصلہ بدلا نہیں جاسکتا۔ کیونکہ مشرکین کے لئے بخشش نہیں۔ اس لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے خلیل کو ان کے حق میں سفارش کرنے سے روک دیا۔

نوٹ: آیات: ۷۷ تا ۹۵ حصہ اوّل میں حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کے قصّوں میں دی گئی ہیں۔

آیت نمبر ۹۶: آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا بیان ہے۔ انہیں احکام، معجزات اور دلائل دے کر بھیجا گیا۔

علمی بات: مفسرین کرام نے نشانیوں سے مختلف چیزیں مراد لی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نو واضح معجزے عطا فرمائے تھے جن کا ذکر سورۃ الاسراء ۱۷، آیت: ۱۰۱، میں ہوا ہے۔

۱۔ عصا ۲۔ ید بیضاء ۳۔ طوفان ۴۔ ٹڈیاں ۵۔ جوئیں ۶۔ مینڈک ۷۔ خون ۸۔ پیداوار میں کمی ۹۔ جانوں میں کمی۔

۲۔ "سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ" سے مراد کھلے ہوئے اور روشن معجزات عصا اور ید بیضاء ہیں، کیونکہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہت مشہور معجزے ہیں۔ جو سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے اپنی نبوّت کی دلیل کے طور پر پیش کیئے۔ ان کی خصوصیت کے پیش نظر انہیں علیحدہ بھی ذکر فرمایا، حالانکہ یہ (نشانیوں) میں داخل تھے۔

۳۔ "سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ" سے مراد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا وہ پیغام ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہما السلام فرعون کے پاس لے کر گئے اور وہ قوی عقلی اور فطری دلائل ہیں جو لاٹھی پھینکنے سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے مکالمہ کے دوران بیان فرمائے اور وہ ان دلائل سے لاجواب ہو کر قید کی دھمکی دینے لگا اور معجزے کا مطالبہ کرنے لگا۔ (سورۃ طٰہٰ ۲۰، آیات: ۴۷ تا ۵۵) اور (سورۃ شعراء ۲۶، آیات: ۱۵ تا ۲۹)۔

ایک مراد اس کے لغوی معنی (یعنی کھلا ہوا غلبہ) مراد لئے گئے ہیں، کیونکہ فرعونیوں کے مقابلہ پر بار بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نمایاں غلبہ اور فتح مبین حاصل ہوتی رہی۔

آیت نمبر ۹۷: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ آل فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بجائے فرعون کے گمراہ کن احکامات کی پیروی کی۔ حالانکہ فرعون کا طریقہ سراسر جہالت اور کفر و سرکشی پر مبنی تھا۔ فرعون کے ساتھ اس کے سرداروں کا ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قوم اپنے تمام امور میں انہی سرداروں کی پیروی کرتی تھی۔

علمی بات: بالکل واضح اور روشن نشانیاں دیکھ کر بھی فرعونیوں نے پیغمبر علیہ السلام کی بات نہ مانی اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دشمن کے حکم پر چلتے رہے۔ فرعون باوجود اپنے مصاحبین کی طرح معمولی انسان ہونے کے اُلوہیت کا دعویدار تھا۔ علی الاعلان کفر و شرک اور ظلم کرتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہادی برحق تھے۔

آپ علیہ السلام کا قول مبنی بر حق تھا، عقل و نقل کی شہادت اور معجزات کی تائید آپ علیہ السلام کے قول کو ثابت کر رہی تھی پھر بھی فرعون کے ساتھی ایسے احمق، کند ذہن تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے ہادی برحق کی اتباع سے روگرداں اور فرعون جیسے باطل پرست کے پیروکار تھے۔

آیت نمبر ۹۸: روز قیامت فرعون اور اس کی پیروی کرنے والوں کے انجام کا بیان ہے۔ فرعون جس طرح دنیا میں اپنی قوم کا رہبر تھا اسی طرح قیامت کے دن وہ اپنی قیادت میں اپنی قوم کے ساتھ جہنّم میں گرایا جائے گا۔ اسی ٹھکانہ میں ان سب کو ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہوگا۔

علمی بات: ا۔ جس طرح دنیا میں آلِ فرعون آنکھیں بند کئے فرعون کے پیچھے چلتے رہے جب قیامت کا دن ہو گا تو اس روز بھی ان کا حشر اپنے اس لیڈر کے ساتھ ہو گا جس کی ظالم حکومت اور غلط قیادت نے انہیں دنیا میں برباد کیا تھا لہٰذا آج جو بھی ٹھکانہ اس کا ہو گا وہی آلِ فرعون کا ہو گا۔ گمراہ رہنما کو بھی سزا ملے گی اور ان کے پیروکاروں پر بھی عذاب آئے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو غور و فکر کی جو صلاحیتیں دی تھیں ان سے کام لے کر انہوں نے حق و باطل میں امتیاز کیوں نہ کیا۔

۲۔ فرعون اپنے پیروکاروں کے آگے اس طرح جارہا ہو گا جس طرح قافلہ کی ضروریات کے لئے پانی تلاش کرنے والا قافلہ لشکر کے آگے چلتا ہے۔ لیکن ان بدنصیبوں کی بدنصیبی کا کیا کہنا کہ جس گھاٹ پر فرعون انہیں لئے جارہا ہے وہاں میٹھا اور ٹھنڈا پانی نہ ہو گا جو ان کی تشنگی دور کرے اور تسکین کا باعث ہو۔ بلکہ اُبلتا اور کھولتا ہوا پانی ہو گا۔ اگر وہ پئیں گے تو ان کے منہ اور گلے جل جائیں گے اور ان کی آنتیں پھٹ جائیں گی اور اگر نہیں پئیں گے تو شدّتِ پیاس سے تڑپتے رہیں گے۔

آیت نمبر ۹۹: لعنت سے مراد رحمت الٰہی سے دوری اور محرومی ہے۔ فرعون اور اس کے پیروکار دنیا میں رحمت الٰہی سے محروم رہے اور قیامت کے دن بھی اسی محرومی کے شکار رہیں گے اور دنیا میں بھی لوگوں نے لعنت بھیجی اور آخرت میں بھی پڑے گی۔

علمی بات: "رفد" لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی چیز کو سہارا دینے کے لئے اس کے ساتھ رکھی جاتی ہے اور اس کا معنی مدد کرنا اور بخشش کرنا بھی آیا ہے یعنی جو مدد انہیں دی گئی جو بخشش ان پر کی گئی وہ بہت بُری تھی یعنی دنیا میں بھی سب لوگ ان پر لعنت بھیجتے رہے اور قیامت کے دن بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

آیت نمبر ۱۰۰: جن بستیوں کے حالات بیان ہوئے ان میں کچھ کے کھنڈرات و نشانات عبرت کے لئے موجود ہیں۔ "حصید" کا لفظ اس کھیت کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کی فصل کاٹ دی گئی ہو۔ عذاب سے مٹ جانے والی بستیوں کو فصل کٹنے کے بعد کھیت کی ویرانی کے منظر سے تشبیہ دی گئی ہے۔

علمی بات: بعض اُمّتوں کی بربادی کا حال بیان فرمانے کے بعد یہاں فرمایا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہلاک شدہ بستیوں کی خبریں سناتے ہیں۔ ان ہلاک شدہ بستیوں میں سے بعض بستیاں دنیا میں موجود ہیں کچھ تو کھنڈروں کی صورت میں ہیں اور کچھ ایسی ہیں کہ ان کے رہنے والوں کی ہلاکت کے بعد دوسرے لوگ ان میں رہنے لگے مثلاً فرعون کا ملک مصر فرعون کے غرق ہونے کے بعد بھی باقی رہا۔ اور کچھ ایسی بستیاں ہیں جن کا بالکل خاتمہ ہو گیا جیسے عاد و ثمود اور قوم لوط کی بستیاں ایسی تباہ ہوئیں کہ بعد میں آباد نہ ہو سکیں۔ ان میں سے بعض بستیوں کے آثار موجود ہیں اور مشرکین مکّہ ادھر سے گزرتے بھی ہیں لہٰذا انہیں ان سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔

آیت نمبر ۱۰۱: ہلاک شدہ قوموں نے خود شرک اور ہٹ دھرمی کا ارتکاب کرکے اپنے اوپر ظلم کیا۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب آنے پر ان کے خود ساختہ معبود ان کے کچھ کام نہ آئے۔ ان معبودوں کے متعلق تمام عقائد باطل ثابت ہوئے اور وہ ان لوگوں کی ہلاکت اور مزید تباہی کا باعث بنے۔

علمی بات: اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کسی کو بے قصور نہیں پکڑا جس سے ظلم کا وہم اور شائبہ ہو سکے، جب نافرمان لوگ جرائم کے ارتکاب میں حد سے آگے نکل گئے اور اس طرح اپنے آپ کو کھلم کھلا سزا کا مستحق ٹھہرا دیا تب اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا عذاب آیا۔ پھر جن خود ساختہ معبودوں کا انہیں بڑا سہارا اور جن سے بڑی توقعات وابستہ تھیں وہ ایسی سخت مصیبت کے وقت کچھ بھی کام نہ آئے۔ یہ جھوٹے معبود اپنے پجاریوں کی کوئی مدد تو کیا کرتے اُلٹے ان کی ہلاکت کا سبب ہی بن گئے اور اس سے ان کی تباہی و بربادی میں اضافہ ہی ہوا۔ نہ یہ ان کی پوجا کرتے نہ ہلاکت کی سزا میں مبتلا ہوتے۔

آیت نمبر ۱۰۲: کسی قوم کے ظلم پر اُتر آنے کی وجہ سے اس کی گرفت ہوتی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی پکڑ سخت اور دردناک ہوتی ہے جس سے کوئی ظالم نہیں بچ پاتا۔

علمی بات: جن بستیوں کے باشندے ظلم اور کفر کے خوگر ہو جاتے ہیں اور باز نہیں آتے تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان کی گرفت کرتا ہے اور اس کی گرفت ایسی ہی ہوا کرتی ہے کہ پھر ان کو تباہ و برباد ہی کر کے چھوڑتا ہے کیونکہ اس کی گرفت سخت اور دردناک ہے۔

آیت نمبر ۱۰۳: آخرت کی جواب دہی سے ڈرنے والے لوگ ہمیشہ نافرمانوں کے انجام سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔

"یَوۡمٌ مَّشۡهُوۡد" کے دو مفہوم ہیں: ۱۔ تمام لوگ اس دن صرف جمع ہی نہیں کئے جائیں گے بلکہ انہیں باز پرس کے لئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سامنے حاضر بھی کیا جائے گا۔ ۲۔ لوگوں کے مقدمات پر شہادتیں قائم کی جائیں گی اور سخت کاروائی تمام لوگوں کی موجودگی میں ہوگی۔

علمی بات: ۱۔ دنیا جو "دارالعمل" ہے، جب اس میں کفر و شرک اور تکذیب انبیاء کرام علیہم السلام پر سزائیں ملتی ہیں اور اس قدر سخت ملتی ہیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آخرت میں جو خالص "دارالجزاء" ہے کیا کچھ سزا ان جرائم پر ملے گی؟ اس چیز میں بڑی عبرت و نصیحت ہے۔ تمام دنیا کا یک وقت فیصلہ اسی دن ہوگا جب سارے اوّلین و آخرین اکٹھے کئے جائیں گے اور کوئی شخص غیر حاضر نہ رہ سکے گا گویا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عدالت میں سب سے بڑی پیشی کا دن وہی ہوگا۔

۲۔ ان واقعات میں اس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو اور عبرت کی وجہ بالکل ظاہر ہے کہ جب دنیا کا عذاب ایسا سخت ہے جو آخرت کے مقابلے میں بہت ہلکا ہے تو قیامت جو کہ دارالجزاء ہے اس کا عذاب کتنا سخت ہوگا۔

آیت نمبر ۱۰۴: قیامت کا اپنے وقت مقررہ پر آنے کا بیان ہے۔ سزا و جزا کا فوری وقوع نہ ہونا اس کا ایک وقت متعین ہونے کی وجہ سے ہے۔

علمی بات: ۱۔ مَّعۡدُوۡدٍ کا معنی ہے گنا ہوا۔ گنی ہوئی چیز آخر ختم ہو جاتی ہے، یعنی قیامت کی مہلت گنتی کے چند دن ہیں، جیسے روزوں کے متعلق فرمایا: وَاَیَّاماً مَّعۡدُوۡدَاتٍ۔ سورۃ البقرۃ ۲، آیت: ۱۸۴ گنے ہوئے چند دنوں میں۔ "اور وہ گنتی صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے علم میں ہے، قیامت نہ اس سے پہلے آسکتی ہے، نہ اس سے مؤخر ہو سکتی ہے"۔

۲۔ جب تک دنیا کے تمام پیدا ہونے والے لوگ پیدا نہ ہو جائیں اور ان کے پیدا ہونے کے لئے جو مدّت مقرر ہے وہ پوری نہ ہو جائے اس وقت تک قیامت نہ آئے گی۔ جب دنیا کی یہ مدّت ختم ہو جائے گی تو قیامت کا دن قائم ہوگا اور ہر شخص کو اس کے عمل کے موافق جزا و سزا ملے گی۔

آیت نمبر ۱۰۵: کلام نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حضور کسی کو بحث و تکرار کرنے کی ہمت نہ ہوگی۔ اس دن انسانوں کا ایک گروہ گناہ گاروں پر مشتمل ہوگا اور دوسرا نیکوکاروں پر۔

علمی بات: ۱۔ قیامت کا دن بہت طویل ہوگا اس میں لوگوں کے احوال مختلف ہوں گے بعض حالتوں میں تو شدّت اور ہیبت کی وجہ سے کسی کو بھی اذنِ الٰہی کے بغیر بات زبان پر لانے کی قدرت نہ ہوگی اور بعض احوال میں اِذن دیا جائے گا کہ لوگ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اجازت سے کلام کریں گے اور بعض احوال میں جب دہشت کی شدّت کم ہوگی، اس وقت لوگ اپنے معاملات میں جھگڑیں گے اور اپنے مقدمات پیش کریں گے۔

۲۔ "شقی" یعنی وہ بد بخت جس کے لئے اس کی بد عملی کی وجہ سے آگ واجب ہو گئی۔ "سَعِیۡد" وہ خوش قسمت جس کے لئے اس کے نیک اعمال کی وجہ سے جنّت واجب ہو گئی۔ قیامت کے روز نوعِ انسانی صرف دو گروہوں میں بانٹی جائے گی۔ ایک گروہ سعید ہو گا جنہوں نے اپنی دنیوی زندگی میں اپنے رب کو پہچانا اور اس کی بندگی میں اپنی عمر بسر کی۔ ان کو الگ کر دیا جائے گا اور ان کو سعادت کے اعزاز سے نوازا جائے گا اور دوسرا گروہ شقی جو عمر بھر اپنے مالک کو بھلائے رہے اور اپنی نفس پرستی میں مگن رہے ان پر بد بختی اور بد نصیبی کی پھٹکار پڑتی ہو گی۔

آیت نمبر ۱۰۶: ان نافرمان لوگوں کے انجام کا بیان ہے جنہیں دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔ ان کا تکلیف اور غم سے چیخ چیخ کر رونے کا ذکر ہے۔

علمی بات: جو بد بخت ہوں گے وہ دوزخ میں پڑے ہوں گے۔ وہ وہاں چیخیں اور چلائیں گے مگر ان کو کوئی فائدہ بھی نہیں ہو گا۔ زفیر اس آواز کو کہتے ہیں جو گدھا ہنہنگتے وقت ابتدائی طور پر نکالتا ہے اور جو تیز ہوتے ہوتے شہیق تک پہنچ جاتی ہے اور اس آخری آواز کو "شہیق" کہا جاتا ہے۔ ان لفظوں میں جو حقارت کا پہلو ہے وہ بالکل واضح ہے۔ ان کا ٹھکانہ بہر حال وہی ہو گا۔ ہاں! اگر علم الٰہی میں کچھ سزا پانے کے بعد اگر کسی مسلمان کو وہاں سے نکالا جانا منظور ہو تو وہ اللہ ﷻ ہی جانتا ہے۔

آیت نمبر ۱۰۷: مجرمین کا دائمی ٹھکانہ دوزخ ہو گا۔ آسمان اور زمین سے مراد آخرت کے آسمان و زمین ہیں۔ جہنّم سے نکالنے کا استثنا اہلِ توحید میں سے ان گنہگاروں کے لئے ہے جن کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو گا۔

علمی بات: ۱۔ قرآنِ حکیم ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں وہاں کے حالات کے مطابق دوسرے زمین و آسمان پیدا کئے جائیں گے دیکھئے (سورۃ ابراہیم ۱۴، آیت ۴۸، سورۃ الزمر ۳۹، آیت: ۶۷ تا ۷۴) اور چونکہ وہ زمین و آسمان ہمیشہ رہیں گے اس لئے آیت کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگ بھی دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

۲۔ جہنّم سے نکالنے کے استثناء کی ٹھیک ٹھیک مراد تو اللہ ﷻ ہی کو معلوم ہے، لیکن اس سے بظاہر ایک تو یہ حقیقت واضح فرمائی گئی ہے کہ کسی کے عذاب و ثواب کا تمام تر فیصلہ اللہ ﷻ ہی کے اختیار میں ہے، دوسری یہ بات واضح ہے کہ اللہ ﷻ نے اپنی مشیت بیان فرما دی ہے کہ وہ کافروں میں سے کسی کو بھی چھوٹ نہیں دے گا بلکہ وہ ہمیشہ ان کو جہنّم کے عذاب میں مبتلا رکھے گا۔

۳۔ اگر اللہ ﷻ چاہے تو زہر کھانے والے کو بھی بچا سکتا ہے۔ اسی طرح اگر اللہ ﷻ چاہے تو کسی مجرم کو تھوڑی بہت سزا دے کر یا سزا دیئے بغیر ہی معاف کر سکتا ہے جیسا کہ گناہ گار مسلمانوں کے ساتھ ہو گا۔

آیت نمبر ۱۰۸: اہلِ جہنّم کے برعکس اب سعادت مند بندوں کے انجام کا بیان ہے۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ اللہ ﷻ کی عطا کردہ جنّت اور اس کے نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے۔ جنّت کی نعمتیں ابدی ہوں گی جن سے وہ کبھی محروم نہیں ہوں گے۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ہم نے کہا اے اللہ ﷻ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ ہمیں جنّت کے بارے میں بتلائیں کہ اس کی عمارت کیسی ہو گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک اینٹ سونے کی اور ایک اینٹ چاندی کی ہو گی، اس کا گارا انتہائی تیز مہکنے والی کستوری کا اور اس کے کنکر لؤلؤ اور یاقوت کے موتی ہوں گے اور اس کی مٹی زعفران ہو گی، جو آدمی جنّت میں داخل ہو جائے گا، وہ خوشحال ہو گا، کبھی بدحال نہیں ہو گا، وہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، اسے موت نہیں آئے گی، اس کا لباس بوسیدہ نہیں ہو گا اور اس کا شباب زائل نہیں ہو گا۔ (صحیح مسلم)

علمی بات: عَطَآءً غَيۡرَ مَجۡذُوۡذٍ: اس کے معنی ہیں "غَيۡرَ مَقۡطُوۡعٍ" یعنی نہ ختم ہونے والی عطا۔ اس جملے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جن کو بھی جنّت میں داخل کیا جائے گا ان کا یہ دخول عارضی نہیں، ہمیشہ کے لئے ہو گا اور تمام جنّتی ہمیشہ اللہ ﷻ کی عنایات اور اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے، اس میں کبھی اختتام نہیں ہو گا۔

آیت نمبر ۱۰۹: مشرکین کے تمام مشرکانہ عقائد غلط ہیں وہ اپنے باپ دادا کی محض اندھی پیروی کر رہے ہیں۔ ان کی سرکشی کا انہیں مکمل بدلہ دیا جائے گا جس میں کچھ کمی نہیں کی جائے گی۔

علمی بات: بُت پرست جن بُتوں کی عبادت کرتے ہیں ان کے پاس ان کی پرستش پر کوئی دلیل نہیں ہے وہ صرف اپنے آباؤ اجداد کی اندھی پیروی کرتے ہیں۔ نیز یہ بھی بتلایا گیا کہ ان کو ان کی سرکشی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جس میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔

اس ارشاد سے حسبِ ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

آیت نمبر ۱۱۰: قرآنِ حکیم کی تکذیب کئے جانے پر رسول اللہ ﷺ کی غم گساری کی جا رہی ہے۔ ہر دور میں اللہ ﷻ کی کتاب سے اختلاف کرنے والے موجود رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا کئے جانے پر ان کی قوم کے ایک گروہ نے ان سے بھی اختلاف کیا۔ ایسے لوگوں کو اصلاح کے لئے مہلت دی جاتی ہے۔ مہلت سے فائدہ نہ اٹھانے والوں کو مقررہ وقت پر سزا دی جائے گی۔ مشرکینِ مکّہ کا قرآنِ حکیم کے بارے میں گہرے شک میں مبتلا ہونے کا ذکر ہے۔

علمی بات: ا۔ یہ کافروں کی کوئی نئی روش نہیں ہے بلکہ ہمیشہ سے کفار کا انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ یہی رویہ رہا ہے اللہ ﷻ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی تو ان کی قوم کے لوگوں نے بھی اس میں اختلاف کیا بعض اس پر ایمان لے آئے اور بعض اس کے انکار پر ڈٹے رہے۔ مخلوق کا ہمیشہ یہی وتیرہ رہا ہے۔

۲۔ منکرین کے عمل کا انجام ان کے سامنے نہیں آتا تو اس کا سبب مہلت اور امتحان ہے۔ زمین پر موت سے پہلے کی زندگی جانچ پڑتال کی زندگی ہے۔ اس لئے موت تک انسان کو یہاں ڈھیل دی جا رہی ہے کہ وہ جو چاہے بولے اور جو چاہے کرے۔ موت اس مقررہ مدّت کا خاتمہ ہے۔ موت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو مقامِ امتحان سے اٹھا کر مقامِ نتائج میں پہنچا دیا جائے۔ وہاں ہر ایک کو وہی ملے گا جس کا وہ فی الواقع مستحق تھا اور ہر ایک سے وہ چھن جائے گا جس کو اس نے استحقاق کے بغیر اپنے گرد جمع کر رکھا تھا۔

آیت نمبر ۱۱۱: ہر ایک کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اللہ ﷻ ہر ایک کے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے۔

علمی بات: جس نے رسول علیہ السلام کی تصدیق کی یا رسول علیہ السلام کی تکذیب کی یا جس کو دنیا میں جلدی سزا مل گئی یا وہ جس کی سزا مؤخر کی گئی وہ سب اس امر میں برابر ہیں کہ ان کو آخرت میں پوری جزاء ملے گی۔ اہل ایمان کو ان کے ایمان اور اطاعت پر ثواب ہو گا اور کافروں کو ان کے کفر اور معصیت پر عذاب ہو گا۔ پھر اس کی دلیل یہ بیان فرمائی کہ جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ ﷻ ان کی خوب خبر رکھنے والا ہے جب کہ وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے تو وہ ہر شخص کو اس کے کاموں کی پوری پوری جزاء اور بدلہ دے گا۔

آیت نمبر ۱۱۲: رسول اللہ ﷺ کے توسط سے اہلِ ایمان کو انتہائی مشکل حالات کے وقت چند ہدایات دی گئی ہیں۔ شدید مخالفت کے باوجود ہر حال میں دین پر استقامت اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ مخالفین کے ظلم کے ردِ عمل میں ایسا قدم نہ اٹھایا جائے جو شریعت کے خلاف ہو۔ اللہ ﷻ اہلِ ایمان اور ان کے مخالفین کے اعمال سے خوب واقف ہے۔

علمی بات: نبی کریم ﷺ اور اہلِ ایمان کو ایک تو استقامت و پامردی کی تلقین کی جا رہی ہے، جو دشمن کے مقابلے میں ایک بہت بڑا ہتھیار ہے، دوسرے "طُغْيَانٌ" یعنی حد سے بڑھ جانے سے روکا گیا ہے، جو اہلِ ایمان کی اخلاقی قوت اور رفعت کردار کی بلندی کے لئے بہت ضروری ہے، حتیٰ کہ دشمن کے ساتھ معاملہ کرتے وقت بھی حد سے تجاوز جائز نہیں ہے۔ "وَلَا تَطْغَوْا" سے مراد ظلم و زیادتی، اللہ ﷻ نے جو حدود مقرر کی ہیں ان سے نکل جانا اور گناہوں کا ارتکاب ہے۔

آیت نمبر ۱۱۳: اہلِ ایمان کے لئے ایک اور اہم ہدایت دی گئی۔ ظالمین یعنی ظالموں اور بالخصوص مشرکین سے کسی قسم کا سمجھوتا کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ سمجھوتا کرنے میں دین کے دشمنوں کی طرف میلان، ان پر اعتماد، ان کو دوست بنانا اور دین کے معاملہ میں لچک پیدا کرنا شامل ہے۔ ظالموں سے سمجھوتا کرنا جہنّم کا مستحق بنا دیتا ہے۔

علمی بات: ظلم و جور میں خود مبتلا ہونے سے تو دین و دنیا کی تباہی سبھی جانتے ہیں مگر ظالموں کی طرف ادنٰی ساجھکاؤ اور میلان، ان سے راضی ہونا اور ان پر اعتماد کرنا بھی انسان کو اسی بربادی کے کنارے پہنچا دیتا ہے۔ پھر انسان کی بربادی میں دیر نہیں لگتی۔ اہلِ کفر اور اہلِ معصیت کی صحبت سے اجتناب واجب ہے، بجز اس کے کہ کسی مجبوری سے ان سے ملنا پڑے، اور حقیقت یہی ہے کہ انسان کی اصلاح و فساد میں سب سے بڑا دخل صحبت اور ماحول کا ہوتا ہے، اسی لئے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں آیتوں کے دو لفظوں کے متعلق فرمایا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے پورے دین کو "لا" کے دو حرفوں میں جمع کر دیا ہے، ایک، پہلی آیت میں لَا تَطْغَوْا اور دوسرا، دوسری آیت میں لَا تَرْكَنُوْا، پہلے لفظ میں حدودِ شرعیہ سے نکلنے کی اور دوسرے لفظ میں بُرے لوگوں کی صحبت کی ممانعت ہے اور یہی سارے دین کا خلاصہ ہے۔

آیت نمبر ۱۱۴: نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قائم کرنے سے مراد پابندی، آداب اور افضل وقت میں نماز ادا کرنا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ نیکیاں بُرائیوں کے اثرات کو مٹا دیتی ہیں اور نیک کاموں میں نماز کو اوّلیت حاصل ہے۔ نیکیاں صغیرہ گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہیں جب کہ کبیرہ گناہوں کی معافی کے لئے سچی توبہ ضروری ہے۔

فرمانِ نبوی A: ۱۔ سیّدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آدمی کی آزمائش اس کی بیوی، اس کے مال، اس کی اولاد اور اس کے پڑوسی میں ہوتی ہے۔ (اس آزمائش میں اگر ناکامی ہو جائے تو) نماز، روزہ اور صدقہ اس کا کفارہ کرتے ہیں، نیک بات کا حکم کرنا اور بُری بات سے روکنا (اس کا کفارہ) کرتا ہے۔" (صحیح بخاری)

۲۔ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بتاؤ کہ اگر کسی کے دروازے کے سامنے کوئی نہر جاری ہو اور وہ اس میں ہر روز پانچ مرتبہ نہاتا ہو تو تم کیا کہتے ہو کہ یہ (نہانا) اس کے میل کو باقی رہنے دے گا؟" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی، یا رسول اللہ! (اتنا نہانا تو) اس کے میل کو ذرا سا بھی باقی نہیں چھوڑے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کے ذریعے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (صحیح بخاری)

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب مسلمان یا مومن بندہ وضو کرتا ہے اور اپنا چہرہ دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ اس کے چہرے سے وہ تمام صغیرہ گناہ جھڑ جاتے ہیں جو اس کی آنکھوں نے کئے تھے یا اسی طرح کی کوئی اور بات فرمائی، پھر جب وہ اپنے ہاتھوں کو دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ وہ تمام گناہ جھڑ جاتے ہیں جو اس کے ہاتھوں سے ہوئے ہیں، یہاں تک کہ وہ گناہوں سے پاک وصاف ہو کر نکلتا ہے"۔ (جامع ترمذی، مسند احمد)

آیت نمبر ۱۱۵: دعوتِ دین، نیک اعمال بالخصوص اوقات صلوٰۃ اور دین پر استقامت کے لئے صبر کی تلقین کی گئی ہے۔ عمدگی کے ساتھ عمل کرنے والے نیکوکاروں کا اجر محفوظ ہے۔

علمی بات: صبر کا جامع معنی ہے کہ ایک مسلمان ہر حال میں شریعت کے قواعد وضوابط کی پابندی کرتا رہے اور ہمہ وقت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور صبر و شکر کا مظاہرہ کرے۔ لیکن سیاق وسباق کے حوالے سے یہاں صبر کا معنی یہ ہے کہ ایک داعی اور مسلمان پریشانیوں اور مشکلات کے مقابلے میں اپنا حوصلہ قائم رکھے۔ ایسے صابر شخص کو تسلّی دینے کے ساتھ ساتھ خوشخبری بھی سنائی جا رہی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کا اجر کبھی ضائع نہیں کرے گا۔

آیت نمبر ۱۱۶: اہلِ بصیرت اور سمجھدار لوگوں پر فساد سے روکنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ہلاک ہونے والی اقوام میں فساد اور بُرائیوں سے باز رکھنے والے چند ہی لوگ تھے جو عذاب آنے پر بچالئے گئے۔ باقی اکثریت ظالم تھی جو ظلم پر قائم اور دنیا کی عیش و عشرت میں مگن رہی یہاں تک کہ عذاب نے انہیں گھیر لیا۔

علمی بات: اللہ ﷻ جو عذاب دیتا اور ہلاک کرتا ہے اس کا سبب کفر و شرک اور ظلم و معاصی ہوتے ہیں۔ ان گناہوں میں سے یہ بھی ہے کہ لوگ گناہوں میں مبتلا ہوں اور طاقت کے ہوتے ہوئے بھی انہیں نہ روکا جائے۔ جب لوگ اصلاح کے کام میں لگے ہوئے ہوں گے تو اللہ ﷻ کی طرف سے عذاب نہیں آئے گا ورنہ عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بے شک ہم نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: جب لوگ کوئی بُری بات دیکھیں اور اس کو دفع نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ ﷻ ان پر اپنا عام عذاب نازل کر دے۔ (سنن ابن ماجہ)

عملی پہلو: یہ بات قرآن میں بار بار دہرائی گئی ہے کہ حق کے علمبردار امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حق ادا کرنے والے لوگ جہاں بھی ہوں اور جس قوم سے بھی ہوں اللہ تعالیٰ ہمیشہ انھیں اپنی رحمت خاص سے بچالیتا ہے۔

آیت نمبر ۱۱۷: کسی بھی قوم پر ناحق عذاب نہیں آتا۔ ظلم اور فساد کرنے والے عذاب میں مبتلا کئے جاتے ہیں۔ جب تک کسی بستی میں قوم اصلاح کی کوششوں میں لگی رہتی ہے وہاں اللہ ﷻ عذاب نہیں بھیجتا۔

علمی بات: کسی قوم کی بقا اور عذابِ الٰہی سے بچنے کے لئے لازم ہے کہ اس میں اصلاح احوال کے لئے ایک منظم جماعت موجود ہو۔ اللہ ﷻ افراد کی انفرادی اور ذاتی کمزوریوں سے درگزر کر دیتا ہے لیکن جب انفرادی کمزوریاں جرائم کی صورت اختیار کرتے ہوئے اجتماعی شکل اختیار کرلیں اور ان کی اصلاح کے لئے کوئی منظم جماعت بھی نہ ہو، تو اس قوم کا وجود دنیا میں کینسر کی صورت اختیار کرلیتا ہے جس کے منفی اثرات ہر جاندار تک پہنچتے ہیں۔ اس صورت حال کو بدلنے اور دنیا کے نظام کو متوازن اور ہموار رکھنے کے لئے ظالم قوم کو عذابِ الٰہی سے ہلاک کرکے نیک لوگوں کو بچالیا جاتا ہے۔ عمومی عذاب کے وقت نیک لوگوں کو بچانے کا وعدہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ذات کے ساتھ مشروط ہوا کرتا ہے۔ اب اللہ ﷻ چاہے تو بُرے لوگوں کے ساتھ نیک لوگوں کو اس عذاب سے دوچار کر دے۔ بعد ازاں نیک لوگوں کا ان کی نیت کے مطابق معاملہ ہو گا۔

آیت نمبر ۱۱۸: اللہ ﷻ چاہتا تو تمام انسانوں کو دین حق کے راستے پر ڈال دیتا مگر کسی کو زبردستی دین پر مجبور کرنا حکمت کا تقاضا نہیں ہے، انسان کو اختیار دیا گیا جس کے تحت وہ اچھے یا بُرے اعمال کر سکتا ہے۔ ہر دور میں کچھ لوگ اختیار کا غلط استعمال کرکے حق کی مخالفت اور اس سے اختلاف کرتے رہے ہیں۔

علمی بات: ۱۔ اگر اللہ ﷻ چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی اُمّت بنا دیتا اور سب ایک ہی دین پر ہوتے دنیا میں اسلام ہی اسلام ہوتا اور وہ سب تکوینی طور پر اور جبراً مسلمان ہو جاتے۔ لیکن اللہ ﷻ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ حق اور باطل دونوں راستے بیان کر دیئے جائیں اور جسے ایمان قبول کرنا ہو وہ اپنے اختیار سے قبول کرے اور جسے کفر پر جمے رہنا ہو وہ اپنے اختیار سے کفر پر جما رہے۔ پس جب حق قبول کرنے پر جبر نہیں کیا گیا اور با اختیار بنا دیا تو شیاطین کی کوششوں اور نفسانی خواہشات کے تقاضوں پر چلنے والے کافر رہیں گے اور اس طرح اہلِ حق اور اہلِ باطل میں ہمیشہ اختلاف رہے گا۔ ہاں جس پر اللہ ﷻ کی مہربانی ہو وہ حق ہی کو اختیار کرے گا اور اسی پر رہے گا۔

۲۔ اختلاف سے مراد دین حق اور تعلیمات انبیاء کرام علیہم السلام کی مخالفت ہے، اجتہادی اختلاف جو ائمہ دین اور فقہاء اسلام میں ہے وہ فروعی اختلاف ہے، اصول دین کے اندر ان حضرات کے بیچ کوئی اختلاف نہ تھا اور حق و باطل کے درمیان اختلاف اصول و عقائد میں ہوا کرتا ہے۔

آیت نمبر ۱۱۹: جن پر اللہ ﷻ کی رحمت ہو وہ لوگ اختلافات سے محفوظ رہتے اور سیدھی راہ پا لیتے ہیں۔ اختیار کی قوت انسانوں کے علاوہ جنات کو بھی دی گئی ہے۔ دینِ حق سے اختلاف کا راستہ اختیار کرنے والے جنات اور انسانوں کی اکثریت جہنّم کی مستحق ہو گی۔

علمی بات: ۱۔ کائنات کی تخلیق اور انسان کو اس میں بھیجنے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسان کو اچھے بُرے کی تمیز سکھا کر اسے یہ موقع دیا جائے کہ وہ اپنے اختیار اور اپنی مرضی سے جو راستہ چاہے اختیار کرے۔ اسی میں اس کا امتحان ہے کہ وہ اپنی مرضی اور اختیار کو ٹھیک استعمال کرتا ہے، اور اس کے نتیجے میں جنّت کماتا ہے یا اس اختیار کا غلط استعمال کر کے دوزخ کا مستحق بن جاتا ہے۔

۲۔ کافر انسانوں میں سے بھی ہوں گے اور جنات میں سے بھی ہوں گے دونوں جماعتوں کے کفار سے جہنّم بھر دی جائے گی، جیسا کہ سورۃ الاعراف میں اور سورۃ صٓ میں ہے کہ اللہ ﷻ نے ابلیس کو خطاب کر کے فرمایا۔ یقیناً اِن میں سے جو تیری پیروی کرے گا (تو وہ تیرا ساتھی ہو گا) (اور) میں تم سب سے ضرور جہنّم کو بھر دوں گا۔ (سورۃ الاعراف ۷، آیت: ۱۸)

۳۔ "وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ" اور اسی کے لئے اس نے انہیں پیدا فرمایا۔ ایک مراد ہے کہ اللہ ﷻ نے لوگوں کو رحمت کے لئے پیدا کیا ہے، یہ الگ بات ہے کہ وہ شقاوت کو اپنے لئے پسند کریں۔ انسان کی تخلیق کی غایت یہ ہے کہ وہ اللہ ﷻ کی رحمت سے بہرہ مند ہوتا رہے اور ہمیشہ ہدایت کی شاہراہ پر گامزن رہے۔ دوسری رائے ہے کہ اس کا تعلق اختلاف سے ہے یعنی انسان کو اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اپنے اختیار سے کوئی راہ چنے۔ اسے کسی ایک راہ پر چلنے کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اس طرح جو اختلاف رونما ہو گا اس کے پیشِ نظر بعض کو جنّت میں اور بعض کو دوزخ میں بھیجا جائے گا۔

آیت نمبر ۱۲۰: سابقہ رسولوں کے واقعات بیان کرنے کے تین مقاصد ہیں:

۱۔ تا کہ رسول اللہ ﷺ کی تسلّی و تشفی اور اہلِ ایمان کے ایمان اور استقامت میں اضافہ ہو۔

۲۔ آپ ﷺ اور اہلِ ایمان تک سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات پہنچ جائیں جن کی انہیں پہلے سے خبر نہ تھی۔

۳۔ تمام انسانوں اور بالخصوص اہلِ ایمان کے لئے نصیحت و یاددہانی کا سامان ہے۔

علمی بات: رہنمائی عطا کی گئی ہے کہ کفارِ مکہ آپ ﷺ کے ساتھ جو برتاؤ کر رہے ہیں اس پر آپ ﷺ دل برداشتہ نہ ہوں۔ انبیاء و رسل علیہم السلام اور ان کے ساتھیوں کو ہمیشہ ایسے ہی حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ گزشتہ اُمّتوں نے بھی اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ ایسا ہی کچھ کیا، لیکن بالآخر اللہ ﷻ نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کی مدد کی اور ان کو کافروں پر غلبہ عطا فرمایا لہٰذا آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو غلبہ نصیب ہو گا، کفارِ مکہ ناکام و نامراد ہوں گے، اور آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے تمام صحابہ کرام و اہلِ بیتِ اطہار رضی اللہ عنہم کو اللہ ﷻ معزز و مکرم بنائے گا اور دینِ اسلام غالب ہو کر رہے گا۔

آیت نمبر ۱۲۱: توحید کے واضح دلائل دیکھ لینے کے باوجود ایمان نہ لانے والوں کے لئے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے دوٹوک اعلان کرایا گیا کہ وہ اپنے طریقہ پر اور اہلِ ایمان اپنے طریقہ پر عمل کرتے رہیں۔

آیت نمبر ۱۲۲: انکار پر اصرار کرنے والوں کو ان کے بُرے انجام کا منتظر رہنے کی تنبیہ کی گئی ہے۔ توحید کو اختیار کرنے والے اپنے بہترین انجام کے منتظر رہیں گے۔ جو فریق جیسے انجام کا اہل ہو گا اللہ ﷻ ویسے انجام سے دوچار کرے گا۔

علمی بات: ایک مراد ہے کہ شیطان نے تم کو جو فقر و فاقہ سے ڈرایا ہے تم اس کا انتظار کرو اور ہم اس رحمت اور مغفرت کا انتظار کر رہے ہیں جس کا اللہ ﷻ نے ہم سے وعدہ کیا ہے۔ ایک دوسری رائے کے مطابق ہمارے حسنِ انجام کا انتظار کرو اور ہم تم پر عذاب کے نازل ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔ وقت بتلائے گا کہ کون پکڑ کا مستحق ہے؟

آیت نمبر ۱۲۳: اللہ ﷻ آسمان و زمین کے تمام رازوں سے واقف ہے۔ تمام انسانوں کے معاملات آخری فیصلہ کے لئے اسی کے سامنے پیش ہوں گے۔ اللہ ﷻ کی بندگی اور اسی پر بھروسہ کرتے ہوئے دعوتِ حق کا کام جاری رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔

علمی بات: اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو تسلّی دی ہے کہ آپ ﷺ اہل کفر و شرک کی شرارتوں سے دل گرفتہ نہ ہوں آپ علیہ السلام اپنی دعوت کو جاری رکھیئے اور ان کا فیصلہ اللہ ﷻ کے حوالہ کر دیجئے، اس سے آسمان و زمین کی کوئی بات چھپی ہوئی نہیں، سب معاملات اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ وہاں انہیں پتہ لگ جائے گا کہ وہ کس خبط میں پڑے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ اپنے پروردگار کی بندگی اور فرمانبرداری میں لگے رہیئے اور اپنی اُمّت کو بھی اس کی تلقین فرمایئے اور اسی کی مدد پر قوی بھروسہ رکھیئے آپ ﷺ کا رب آپ ﷺ کے ماننے والوں اور آپ علیہ السلام کے مخالفین کے تمام اعمال سے بخوبی آگاہ ہے۔ وہ اُن کے اِن اعمال کا بدلہ ضرور دے گا۔

مشقوں کے جوابات

سوال ۱: خالی جگہیں پُر کریں:

(۱) آیت: ۱ میں قرآنی آیات کے بارے میں ذکر ہے کہ پہلے اُنہیں دلائل سے پختہ کیا گیا اور پھر ان کی تفصیل بیان کی گئی۔

(۲) آیت: ۲۴ میں کافروں کی اندھا اور بہرا ہونے کی اور مومنوں کی دیکھنے اور سننے والے کی مثال بیان کی گئی ہے۔

(۳) آیت: ۱۱۱ کی روشنی میں بتائیں کہ اللہ ﷻ لوگوں کے اعمال سے واقف ہے اور ان کا پورا پورا بدلہ روزِ قیامت عطا فرمائے گا۔

(۴) آیت: ۱۱۴ میں ذکر ہے کہ نیکیاں بُرائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔

(۵) آیت: ۱۱۶ میں ذکر ہے کہ اللہ ﷻ نے فساد سے روکنے والوں کو عذاب سے نجات عطا فرمائی۔

سوال ۲: مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجئے:

۱- پہلے رکوع کی روشنی میں قرآنِ حکیم کی عظمت اور اللہ ﷻ کی بندگی و قدرت کے حوالہ سے کوئی پانچ باتیں تحریر کریں۔

قرآنِ حکیم کی عظمت کے حوالہ سے یہ بتایا گیا ہے کہ یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات دلائل سے پختہ کی گئی ہیں پھر تفصیل سے بیان کی گئی ہیں نیز اللہ ﷻ کی بندگی و قدرت کے حوالہ سے بتایا گیا ہے کہ: i۔ اللہ ﷻ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ ii۔ جو ہمارے دل میں ہے اور جو ظاہر ہے اللہ ﷻ ہر بات سے واقف ہے۔ iii۔ وہ سینوں کے رازوں کو بھی خوب جاننے والا ہے۔ iv۔ وہ ہر جاندار کو رزق دیتا ہے۔ v۔ اس نے چھ دنوں میں زمین و آسمان کو پیدا فرمایا۔ vi۔ اللہ ﷻ نے دنیا میں ہمیں آزمائش کے لئے بھیجا ہے۔

۲- دوسرے رکوع کی روشنی میں بتائیں کہ جو لوگ صرف دنیا ہی کے طلب گار ہیں اُن کا کیا انجام ہو گا؟

جو لوگ صرف دنیاوی زندگی کے طلب گار ہیں اللہ ﷻ اُنہیں دنیا میں مال و زینت دے گا اور دنیا میں ان سے کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ مگر آخرت میں ان لوگوں کے لئے آگ ہو گی اور جو سب انہوں نے دنیا میں کیا وہ برباد اور ضائع ہو جائے گا۔

۳- دوسرے رکوع کی روشنی میں اہل جنّت کی تین صفات بیان کیجئے۔

اہل جنّت کی صفات ایمان لانا، نیک اعمال کرنا اور اللہ ﷻ کے سامنے عاجزی اختیار کرنا بیان ہوئی ہیں۔

۴- ساتویں رکوع کی روشنی میں بتائیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر آنے والے مہمانوں نے آپ علیہ السلام کو کیا خوش خبری دی؟ نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین صفات تحریر کریں۔

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر آنے والے مہمانوں نے آپ علیہ السلام کو بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام اور اس کے بعد پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری دی۔ ۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تحمل والے تھے۔ ۳۔ آپ علیہ السلام بڑے ہی نرم دل انسان تھے۔ ۴۔ آپ علیہ السلام اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔

۵- نویں رکوع میں لوگوں کی کون سی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں اور ان کا کیا انجام بیان کیا گیا ہے؟

لوگوں کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں ایک خوش نصیب اور دوسرے بد نصیب۔ پس جو بد نصیب ہیں وہ آگ میں ہوں گے ان کے لئے وہاں چیخنا اور چلانا ہو گا اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور جو خوش نصیب ہیں تو وہ جنّت میں ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں یہ وہ عطا ہے جو کبھی ختم نہ ہو گی۔

سُوْرَةُ الرَّعْد

مقاصدِ مطالعہ: اس سورت کے مطالعہ کے بعد طلبہ کو مندرجہ ذیل مضامین سے آگاہی حاصل ہونی چاہیئے:

1. آیات: ۱تا۵ — قرآن کریم کی حقانیت کا بیان، مختلف اسالیب سے توحید و رسالت اور قیامت کی اثبات پر عقلی دلائل اور بعث بعد الموت کے منکروں کا انجام۔
2. آیات: ۵تا۱۰ — منکرین کا عذابِ الٰہی کا مطالبہ، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کمال علم و قدرت کا بے حد و حساب ہونے اور اس کی عظیم قدرت کی نشانیوں کا تذکرہ۔
3. آیات: ۱۱تا۱۲ — محافظتِ خداوندی، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف نگران فرشتے مقرر ہونے کا ذکر، نعمت کی ناقدری کرنے والوں اور قوموں کے عروج و زوال کے لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قانون۔
4. آیت: ۱۳ — مظاہرِ قدرت کے ذریعہ توحیدِ باری تعالیٰ کی دعوت، زبانِ حال سے بادلوں کی گرج اور آسمانی بجلیوں کی چمک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عظمت و حدانیت کا ثبوت۔
5. آیات: ۱۴تا۱۷ — باطل معبودوں سے مانگنے اور حق و باطل کے مابین فرق اور مثال کے ذریعے اس کی وضاحت، ساری کائنات کی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے آگے سجدہ ریزی کا ذکر، کفر و ایمان میں فرق اور حق و باطل کی مثال۔
6. آیات: ۱۸تا ۲۶ — اہل حق و طل کے اوصاف و انجام، نماز ادا کرنے والے اور صبر کرنے والے سعادت مند متقی لوگوں کا ذکر، فساد پھیلانے والے اور عہد و پیمان توڑ دینے والے گناہ گار لوگوں کے حال کو اندھے سے تشبیہ دینے کا بیان، فسادی اور عہد کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے جہنم کے عذاب کی وعید اور دنیا میں ہونے والے تغیرات کا بیان۔
7. آیات: ۲۷ تا۲۹ — اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والوں کی صفات اور ان کی بہترین جزا کا بیان، ہدایت و گمراہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا اختیار اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ذکر سے سکونِ قلب کے حصول کا بیان۔
8. آیات: ۳۰تا ۳۱ — منکرین کی ہٹ دھرمی اور ان کا حال، بدنصیبوں کا معجزات دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لانے کا بیان اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے مالک و مختار ہونے کا ذکر۔
9. آیات: ۳۲تا ۳۵ — شرک کی تردید کا ذکر، مشرکین کی فرمائش، ان کے باطل عقائد اور دنیا و آخرت میں بُرے عذاب کا بیان، پرہیز گاروں کے لئے جنات عدن کی بشارت اور اس جنت کے احوال کا بیان۔
10. آیات: ۳۶تا۳۷ — مضامین قرآن اور عربیتِ قرآن سے واقفیت حاصل کرنے کا تذکرہ، منصب رسالت پر شبہات اور ان کے جوابات۔
11. آیات: ۳۸ تا۴۲ — آنحضرت ﷺ کی صداقت پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی گواہی کا بیان اور رسول کریم ﷺ کی ذمہ داریوں کا تذکرہ۔
12. آیت: ۴۳ — اہل کتاب میں سے مومنین کا اپنی کتابوں میں سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کی نشانیاں موجود ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کی نبوت کی گواہی کا ذکر۔

آیت نمبر۱: رسول اللہ ﷺ پر نازل کردہ قرآنِ حکیم کی آیات اور آپ ﷺ کی نبوّت کے برحق ہونے کا ذکر ہے۔ نیز یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ ان سب دلائل کے واضح ہونے کے باوجود لوگوں کی اکثریت غور و فکر نہ کرنے کی وجہ سے ایمان نہیں لاتی۔

علمی بات: ۱۔ حروف مقطعات کی کل تعداد ۱۴ چودہ ہے۔ حروفِ مقطعات قرآنِ حکیم کی (۲۹) (انیتس) سورتوں میں آئے ہیں۔ حروف مقطعات کا علم اللہ ﷻ کے پاس ہے اور یہ اللہ ﷻ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان ایک راز ہے۔

۲۔ قرآنی دعوت کے تین بنیادی عقائد سے منکرین حق کو اتنا شدید اختلاف تھا کہ وہ کسی قیمت پر ان کو ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔ (۱) توحید باری تعالیٰ (۲) روزِ قیامت (۳) وحی۔ ان عقائد کے خلاف شبہات ان کے دل میں ایسے جڑ پکڑ چکے تھے کہ آفتاب سے زیادہ روشن دلائل کے سامنے بھی وہ سر جھکانے کو تیار نہ تھے۔ چنانچہ اس سورت میں اُن کے اِن تین شکوک وشبہات کی پرزور طریقہ سے تردید کی گئی ہے۔

آیت نمبر۲: اللہ ﷻ کی قدرتِ کاملہ اور کائنات میں اس کے غلبہ کی وسعت کا بیان ہے۔ اللہ ﷻ نے آسمانوں کی تخلیق فرمائی جو بغیر ستونوں کے قائم ہیں جنہیں ہر شخص دیکھ رہا ہے۔ اللہ ﷻ نے عرش پر استویٰ فرمایا جو اس کی شان کے لائق ہے، جس کی مثال دینا بھی ممکن نہیں۔ چاند اور سورج کے معین مدّت کی طرف چلنے کے دو معنی ہیں:

۱۔ چاند اور سورج قیامت تک اللہ ﷻ کے حکم سے چلتے رہیں گے۔ ۲۔ چاند اور سورج کے لئے منازل مقرر کر دی گئی ہیں جن میں وہ چلتے رہتے ہیں۔

کائنات کی تخلیق اور تدبیر و نظام کا مقصد یہ ہے کہ لوگ رب کی نشانیوں پر غور و فکر کریں اور اس سے ملاقات کا یقین کر لیں۔

علمی بات: ۱۔ اس آیت میں اللہ ﷻ اپنی توحید اور واجب الوجود ہونے پر دلائل قائم فرما رہا ہے۔ اللہ ﷻ نے ارشاد فرمایا کہ اس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کیا کیونکہ یہ مشاہدہ ہے کہ ایک عام سی چھت بھی بغیر ستونوں کے قائم نہیں ہو سکتی تو جس قادر و قیوم نے آسمانوں کو بغیر کسی سہارے کے بلند کر دیا تو یقیناً وہ ہستی ممکنات اور مخلوقات سے بہت بالا تر ہے۔

۲۔ جو اللہ ﷻ پوری کائنات پیدا کرنے، اس کی تدبیر کرنے اور اس کا نظام چلانے پر قادر ہے اس کے لئے اس سب نظام کو فنا کر کے دوبارہ پیدا کرنا کچھ بھی مشکل نہیں۔ وہ قیامت کو برپا کرنے، مخلوق کو دوبارہ زندہ کر کے اپنی بارگاہ میں پیش کرنے اور سزا و جزا دینے پر بھی قادر ہے۔

آیت نمبر۳: اللہ ﷻ نے زمین کو پھیلا کر اس میں بلند و بالا پہاڑ پیدا کئے اور ان پہاڑوں سے دریا اور نہریں جاری فرمادیں اور ہر طرح کے پھل اور میوے جوڑوں کی صورت میں پیدا کئے۔ نیز رات اور دن کا نظام جاری کر دیا۔ لہٰذا ان نعمتوں اور نشانیوں میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے بڑی رہنمائی موجود ہے۔

علمی بات: اللہ ﷻ کی تخلیق، قدرت اور توحید کی پانچ دلیلیں مذکور ہیں: ۱۔ زمین کا وسیع و عریض فرش بچھانا۔ ۲۔ جگہ جگہ پہاڑوں کو قائم کر دینا۔ ۳۔ پہاڑوں سے چشمے جاری کرنا۔ ۴۔ پھلوں کی بے شمار اقسام کا اُگانا۔ ۵۔ دن کے اُجالے کے بعد رات کی تاریکی کو پھیلا دینا۔

علمی و عملی بات: حقیقت یہ ہے کہ رَعد و بَرق کی اپنی حیثیت اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اللہ ﷻ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے۔ انسانوں کی نفع رسانی کے لئے اللہ ﷻ کی طرف سے انہیں مقرر کیا گیا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ ﷻ جب کسی کو ان لشکروں کے ذریعہ سے ہلاک کرنا چاہتا ہے تو یہ بجلیاں ایک قسم کا بم بن کر اس پر برستی ہیں اس لئے ان بجلیوں کے ضرر سے بچنے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اللہ ﷻ کی تسبیح کرنے کا حکم دیا ہے۔

آیت نمبر۴: اللہ ﷻ نے زمین کو مختلف ٹکروں میں تقسیم کیا جس میں کہیں کھیت، کہیں انگوروں اور کھجوروں کے باغات، پھر ان کی تاثیر اور خاصیت بھی مختلف رکھی گئی ہے۔ اللہ ﷻ نے ایک ہی جڑ سے کھجور کے دو درخت اُگائے جو ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں لیکن ان کے پھلوں میں

رنگ، شکل، ذائقہ اور لذّت الگ الگ پیدا کر دیئے۔ یہ نشانیاں غور و فکر کرنے والوں کے لئے اللہ ﷻ کی معرفت اور اس کے لئے شکر کے جذبات پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں۔

علمی بات: ا۔ زمین کے حصّے ایک دوسرے سے ملے ہوتے ہیں لیکن کوئی حصّہ ذرخیز ہوتا ہے تو کوئی بنجر، کوئی سخت ہوتا ہے تو کوئی نرم، باوجود اس کے کہ زمین کے ٹکڑے ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں، مٹی ایک ہوتی ہے، پانی ایک ہوتا ہے لیکن ان میں پیدا ہونے والے دانے اور پھل مختلف ہوتے ہیں، کوئی میٹھا ہوتا ہے تو کوئی کھٹا، کوئی عمدہ اور لذیذ ہوتا ہے تو کوئی بے مزہ اور بعض زمینوں میں ایک پھل ہوتا ہے تو دوسرا نہیں ہوتا۔ یہ تمام نشانیاں اللہ ﷻ کی وحدانیت اور اس کی کمالِ قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔ جو صاحب عقل بھی ان میں غور و فکر کرے گا وہ ایمان لے آئے گا کہ جو ذات واحد ان سب پر قادر ہے، وہ یقیناً بنی نوع انسان کو دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ دوبارہ پیدا کرنا اس کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔

۲۔ "صِنْوَانٌ" صنو کی جمع ہے "صنو" کا معنی ہے کہ نیچے جڑ تو ایک ہو لیکن اوپر تنے جدا جدا ہوں۔ کھجور کے ایسے درخت بھی ہوتے ہیں کہ نیچے جڑ تو ایک ہوتی ہے لیکن اوپر تنے جدا جدا ہوتے ہیں۔

۳۔ "وَغَيْرُ صِنْوَانٍ" اور وہ بھی ہیں جن کے تنے علیحدہ علیحدہ نہیں ہوتے ایک ہی تنا چلا جاتا ہے اور اس کے اوپر پھل لگتا ہے۔

آیت نمبر ۵: قیامت کے وقوع اور دوبارہ زندگی پر منکرین کا تعجب بذاتِ خود باعث تعجب ہے۔ دوبارہ پیدا ہونے سے انکار در حقیقت اللہ ﷻ کی قدرتِ کاملہ کا انکار ہے۔ منکرین کی سزا یہ ہے کہ آخرت میں ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

علمی بات: ا۔ کفّار اللہ ﷻ کی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھنے کے باوجود قیامت کا انکار کرتے ہیں۔ کیا اس سے زیادہ عجیب بھی کوئی بات ہوئی کہ جس نے پہلے ایک چیز کو بنایا وہ دوبارہ اس کے بنانے پر قادر نہ ہو (العیاذ باللہ)، حالانکہ ہر عقل مند آدمی جان سکتا ہے کہ زمین و آسمان کی پیدائش انسان کی پیدائش سے بہت بڑی ہے اور دوبارہ پیدا کرنا پہلی بار پیدا کرنے کی نسبت بہت آسان ہے۔

۲۔ جب کسی کے گلے میں طوق پڑا ہوا ہو تو وہ ادھر اُدھر دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اسی طرح یہ لوگ حقائق کو دیکھنے اور ان کی طرف دھیان کرنے سے محروم ہیں۔ اس جملے کا مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن دوزخ کے اندر ایسے لوگوں کی گردنوں میں آگ کے طوق ہوں گے اور یہی اہل دوزخ ہیں جو اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے۔

آیت نمبر ۶: منکرین کا اعتراض یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت پر عذابِ الٰہی کیوں نہیں آجاتا؟ الْمَثُلٰتُ سے مراد ایسی سزا ہے جو انسان کو سب کے سامنے رسوا کرے اور دوسروں کے لئے عبرت کا ذریعہ بنے۔ پچھلی قوموں کی عبرتناک مثالیں دیکھ کر موجودہ منکرین عبرت حاصل نہیں کرتے۔ اللہ ﷻ بڑی مغفرت والا ہے البتہ نعمت وحی سے مستفید نہ ہونے اور اپنی سرکشی پر ڈٹے رہنے والوں کو وہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

علمی بات: ا۔ بجائے اس کے کہ منکرین حق اللہ ﷻ سے عافیت اور سلامتی مانگتے، وہ اُلٹا عذاب کا مطالبہ کرتے تھے۔ حالانکہ ان سے پہلے ایسی قومیں گزر چکی ہیں جنہوں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا تو اللہ ﷻ نے ان پر عذاب نازل کر دیا پھر وہ لوگ ان کے انجام سے عبرت کیوں نہیں حاصل کرتے اور ڈرتے کیوں نہیں کہ کہیں انہیں بھی عذابِ الٰہی اپنی گرفت میں نہ لے لے۔

عملی پہلو: نادانی میں چھوٹے گناہ سرزد ہو جائیں یا بڑے گناہ اگر انسان سچی توبہ کرلے تو اللہ ﷻ زیادتیوں کے باوجود اپنے بندوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ لیکن کفر و شرک اور اللہ ﷻ کے ساتھ ضد اور عناد کا معاملہ ایسا ہے کہ اس پر اللہ ﷻ کا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔ لہٰذا بندوں کو یہ سوچ کر بے فکر نہیں ہونا چاہیئے کہ اللہ ﷻ بڑا بخشنے والا اور رحیم ہے، اس لئے وہ ہماری ہر نافرمانی کو ضرور معاف فرمادے گا۔

آیت نمبر ۷: منکرینِ حق رسول اللہ ﷺ کے بہت سارے معجزات دیکھنے کے باوجود کہتے کہ ہمارے مطالبے پر معجزے ظاہر کیوں نہیں ہوتے؟ اعتراض کا جواب یہ دیا گیا کہ رسول ﷺ کا کام معجزے دکھا کر زبردستی حق منوانا نہیں ہے بلکہ حق کا راستہ دکھانا اور آخرت کے حوالے سے خبردار کرنا ہے۔

علمی بات: ا۔ آپ ﷺ کے لئے تسلّی و تشفی ہے کہ آپ ﷺ کا کام بس حق پہنچا دینا اور عذابِ آخرت سے ڈرانا ہے لوگوں سے حق منوانا آپ ﷺ کے ذمہ نہیں لہٰذا اگر یہ کسی خاص معجزہ کی فرمائش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اسے ظاہر نہیں فرماتا تو آپ ﷺ فکر مند نہ ہوں جب آپ ﷺ نے تبلیغ کا کام سر انجام دے دیا تو آپ ﷺ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے۔

۲۔ نبی کریم ﷺ قیامت تک کے لئے ہر قوم کے نبی اور رہنما ہیں اور نبی کریم ﷺ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کی طرف نبی یا اس کی دعوت کو پھیلانے والا کوئی ہادی بھیجا لہٰذا ہر قوم کی طرف نبی یا اس کے نائب کی حیثیت سے کوئی ہادی آیا تھا۔ آپ ﷺ کوئی نئے یا پہلے نبی نہیں۔ اسی طرح سب ہی انبیاء کرام علیہم السلام کا فریضۂ منصبی یہ تھا کہ وہ قوم کو ہدایت کا پیغام پہنچائیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں۔ مزید براں کہ ہادی کے لئے نبی ہونا ضروری نہیں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی اُمّتوں میں جو اہلِ علم تھے وہ اپنے اپنے نبی کی اُمّتوں کو ہدایت کی طرف رہنمائی دیتے رہے۔

آیت نمبر ۸: اللہ تعالیٰ کی صفت علم کے مظاہر کا بیان ہے۔ ہر مادہ کے رحم میں پرورش پانے والے کا کامل علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ حمل کی درست مدّت کا علم بھی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو نہیں۔ کائنات میں ہر شے اپنی پوری مقدار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔

علمی بات: ا۔ مشرکینِ مکّہ کی خواہش کے مطابق اس لئے نشانی نہیں بھیجی گئی کہ تمام امور کی حکمتوں کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اسی کے علم میں ہے کہ کون سی چیز دُنیا میں کب وقوع پذیر ہونی چاہیئے۔ وہ کفار کے جاہلانہ افکار و خیالات کا ہرگز پابند نہیں ہے۔

۲۔ ماں کے بطن میں جس بچہ نے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وجود اختیار کیا ہے اس کا پوری طرح اللہ تعالیٰ کو علم ہے۔ انسانوں کی بنائی ہوئی مشینیں یہ ممکنہ اندازہ تو لگا سکتی ہیں کہ ماں کے بطن میں لڑکا ہے یا لڑکی ہے یا وہ کس حالت، مقام اور حیثیت میں ہے البتہ اُن کا یہ اندازہ بھی حتمی نہیں ہوتا۔ لیکن دُنیا کی کوئی الٹرا ساؤنڈ مشین یہ نہیں بتا سکتی کہ یہ بچہ جو اس دُنیا میں قدم رکھ رہا ہے وہ خوبصورت ہے یا بدصورت، اس کی کتنی زندگی ہے اور اس کا رزق کتنا ہے اور اس کی موت کب واقع ہو گی۔ وہ بچہ والدین کا فرماں بردار ہو گا یا نافرمان، ایمان پر قائم رہے گا یا کفر پر مرے گا، وہ دُنیا میں کیسا مقام حاصل کرے گا۔ ان تمام باتوں کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

آیت نمبر ۹: انسان کسی بات کو ظاہر کرے یا چھپائے اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی بات اور کوئی حالت پوشیدہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی بہت بلند و برتر ہے جسے ہر قسم کا اختیار حاصل ہے۔

علمی بات: منکرینِ حشر یہ کہتے تھے کہ مرنے کے بعد ان کی خاک بکھر جائے گی، پھر وہ خاک کیونکر جمع ہو کر انسانی سانچے میں ڈھل سکے گی۔ ان لوگوں کو یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ وسیع و عریض فضا میں بکھرے ہوئے اور ان باہم ملے ہوئے ذرّات کو ممتاز اور الگ کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے کیسے دشوار ہو سکتا ہے جس کی شان یہ ہے کہ وہ ہر حاضر و غائب اور ہر پوشیدہ و عیاں کا عالم ہے، ماں کے بطن میں بچہ جن ادوار، احوال اور کیفیات سے گزرتا ہے، اسے اس کے ہر دور، ہر حال اور ہر کیفیت کا بخوبی علم ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے لئے ان مردہ اجسام ذرّات کو الگ الگ جمع کرنا کون سا مشکل کام ہے۔

آیت نمبر ۱۰: انسان کوئی بات بآوازِ بلند کہے یا سرگوشی کے انداز میں کہے، اللہ تعالیٰ کو تمام باتوں کا علم ہوتا ہے۔ کوئی انسان دن میں عمل کرتا ہو یا رات کی تاریکی میں کہیں چھپا ہوا ہو اللہ تعالیٰ اس کے مقام اور حال سے خوب واقف ہے۔ سب کچھ اس کے علم میں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے کوئی ذرہ برابر چیز نہ زمین میں غائب ہوتی ہے اور نہ ہی آسمان میں۔

آیت نمبر ۱۱: مُعَقِّبٰتٌ کا مطلب ہے ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے اوراس سے مراد فرشتے ہیں جو باری باری ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کی حفاظت کے لئے نگران فرشتے مقرر کئے ہیں جو اس کی حفاظت پر مامور رہتے ہیں۔ حفاظت سے مراد اعمال کی حفاظت بھی ہے اور خود لوگوں کی حفاظت بھی۔ کسی قوم کی اچھی حالت کے بدل جانے کا انحصار اس کے اپنے عمل پر ہے۔ کسی قوم پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا عذاب اس وقت آتا ہے جب وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حد درجہ کی ناشکری اور نافرمانی کرتی ہے۔ عذاب آجانے پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا اُسے کوئی ٹالنے کی قدرت نہیں رکھتا۔

علمی بات: ا۔ ہر شخص خواہ اپنے کلام کو چھپائے یا ظاہر کرے، اسی طرح اپنے چلنے پھرنے کو رات کی تاریکیوں کے ذریعہ مخفی رکھنا چاہے یا کھلے عام سڑکوں پر پھرے، ان سب لوگوں کے لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کی جماعتیں مقرر ہیں جو ان کا ہر طرح سے احاطہ کئے رہتی ہیں جن کی خدمت اور ڈیوٹی بدلتی رہتی ہے، ان کے ذمہ یہ کام بھی سپرد ہے کہ وہ بحکمِ خداوندی انسانوں کی حفاظت کریں۔

۲۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کسی قوم کی امن وخوشحالی کی حالت کو آفت ومصیبت میں اس وقت تک تبدیل نہیں کرتا جب تک وہ قوم خود اپنے لئے وبال اور عذاب کے اسباب پیدا نہ کرلے۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے انسانوں کی حفاظت کے لئے فرشتوں کا پہرہ لگا رہتا ہے لیکن جب کوئی قوم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نافرمان ہو کر بدعملی اور سرکشی اختیار کرتی ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ بھی اس سے اپنا حفاظتی پہرہ اٹھالیتا ہے پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قہر وعذاب اس پر ٹوٹ پڑتا ہے جس سے بچنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔

آیت نمبر ۱۲: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت کا ایک اور نظارہ آسمانی بجلی کا کڑکنا ہے، بجلی کے چمکنے پر انسان پُر امید ہوتا ہے کہ بارش برسے گی تاہم اسے خوف بھی ہوتا ہے کہ بجلی تباہی کا باعث نہ بن جائے۔ بھاری بادلوں سے مراد وہ بادل ہیں جن میں بارش کا پانی ہوتا ہے۔ بارش کا پورا نظام اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت کا بہت بڑا شاہکار ہے۔

علمی بات: ا۔ بَرق اس روشنی کو کہتے ہیں جو ہواؤں کی رگڑ کی وجہ سے بادلوں میں چمکتی ہے اور برق کے ظہور میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت کی دلیل ہے کیونکہ بادل پانی کے گیلے یعنی تَر اجزاء اور ہوا سے مرکب ہوتا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس سے برق پیدا کرتا ہے جو آگ کے اجزاء پر مشتمل ہوتی ہے۔

۲۔ جب بجلی چمکتی ہے اور بادل گرجتے ہیں تو کسانوں کو بارش کی اُمید ہوتی ہے اور یہ ڈر بھی ہوتا ہے کہ کہیں ان پر بجلی نہ گر جائے اور ان کو جلا کر خاکستر نہ کردے، اس طرح کبھی بارش سے لوگوں کو اپنی فصلوں کی نشو ونما اور نفع کی اُمید ہوتی ہے اور اسی بارش سے بعض لوگوں کو ضرر اور نقصان پہنچنے کا خدشہ ہوتا ہے بلکہ ہر فنا ہونے والی چیز کا یہی حال ہے۔

۳۔ اسلامی عقیدہ کی رو سے یہ کڑک اور برق وغیرہ طبعی قوانین کا نتیجہ نہیں بلکہ کائنات کے انتظام پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرشتوں کو مقرر کر رکھا ہے۔ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم سے معاملات کی تکمیل کرتے ہیں۔ بادل اور بارش پر حضرت میکائل علیہ السلام مقرر ہیں۔ وہی بادلوں کو ہانکتے اور چلاتے ہیں اور ان کا رُخ اس طرف پھیر دیتے ہیں جدھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حکم ہو۔ بجلی بھی صرف وہاں گرتی ہے جہاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حکم ہوتا ہے۔ بادلوں کی روانی، ان کی سمت کا تعین اور ان کا برسنا اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کے حکم سے ہوتا ہے۔

آیت نمبر ۱۳: آسمانی بجلی کڑکتے ہوئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ تمام فرشتے بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تسبیح میں مشغول رہتے ہیں۔ بجلی گرا کر بھی نافرمانوں کو عذاب دیا جاتا ہے۔ لوگ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت کے حوالے سے بحث کرتے ہیں حالانکہ اس کی گرفت بہت سخت ہے۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک یہودی حضور اکرم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ اے ابو القاسم! ہمیں یہ بتائیے کہ رَعد کیا ہے؟ ”آپ ﷺ نے فرمایا کہ رَعد (کڑک) فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے بادلوں کو ہانکنے پر مقرر ہے، اس کے پاس آگ

کے کوڑے ہیں۔ اس کے ذریعہ اللہ ﷻ جہاں چاہتا ہے وہ وہاں بادلوں کو ہانک کرلے جاتا ہے"۔ یہودی نے عرض کیا کہ یہ آواز کیا ہے جو سننے میں آتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بادل کو جھڑکنے اور ڈانٹنے کی آواز ہے۔ یہ ڈانٹ اس وقت تک بادلوں کو پڑتی رہتی ہے جب تک وہ وہاں پہنچ نہیں جاتے جہاں انہیں پہنچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس یہودی نے کہا: آپ (ﷺ) نے درست فرمایا۔ (جامع ترمذی، مسند احمد، سنن نسائی)

علمی و عملی بات: حقیقت یہ ہے کہ رَعد و بَرق کی اپنی حیثیت اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اللہ ﷻ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے۔ انسانوں کی نفع رسانی کے لئے اللہ ﷻ کی طرف سے انہیں مقرر کیا گیا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ ﷻ جب کسی کو ان لشکروں کے ذریعہ سے ہلاک کرنا چاہتا ہے تو یہ بجلیاں ایک قسم کا بم بن کر اس پر برستی ہیں اس لئے ان بجلیوں کے ضرر سے بچنے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اسی حوالے سے اللہ ﷻ کی تسبیح کرنے کا حکم دیا ہے۔

عملی پہلو: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب بجلی کی گرج اور کڑک سنتے تو فرماتے: "اَللّٰھُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُھْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ" "اے اللہ! تو اپنے غضب سے ہمیں نہ مار، اپنے عذاب کے ذریعہ ہمیں ہلاک نہ کر اور ایسے بُرے وقت کے آنے سے پہلے ہمیں عافیت عطا فرما"۔ (جامع ترمذی)

آیت نمبر ۱۴: اللہ ﷻ ہی کو پکارنا حق ہے۔ اسے پکارنے والا مایوس نہیں ہوتا۔ اللہ ﷻ کے سوا دوسروں کو پکارنے والوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی پانی کو دیکھ کر ہاتھ پھیلائے کہ وہ اس کے منہ میں خود چلا جائے جو ناممکن ہے۔ اسی طرح اللہ ﷻ کو چھوڑ کر دوسروں کو پکارنا گمراہی ہے۔

علمی بات: ۱۔ پریشان حال کی پکار کو اللہ ﷻ ہی سنتا ہے، وہی اس کی تکلیفوں کو دور کرتا ہے اس لئے صرف اسی کی عبادت کی جائے اور اسی سے مدد مانگی جائے۔ مگر جو لوگ بُتوں کی اور اللہ ﷻ کے سوا غیروں کی عبادت و پرستش کرتے ہیں ان کی مثال اس آدمی کی ہے جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف بڑھائے تاکہ پانی اس کے منہ تک پہنچ جائے، لیکن پانی اس کی پیاس کو محسوس نہیں کرتا اور نہ یہ دیکھ پاتا ہے کہ کوئی اپنے ہاتھ اس کے سامنے پھیلائے ہوئے ہے اس لئے نہ وہ اس کی فریاد سن پاتا ہے اور نہ اس کے منہ تک پہنچتا ہے۔ بُتوں کا حال بھی ایسا ہی ہے وہ اپنی عبادت کرنے والوں کی ایک ادنیٰ مانگ بھی پوری نہیں کر پاتے۔

۲۔ اللہ ﷻ سے جو دُعا کی جائے اللہ ﷻ اسے شرف قبولیت عطا فرما کر انسان کی حاجت پوری فرما دیتا ہے۔ اس لئے کافروں کی یہ چیخ و پکار بے فائدہ ہے۔ کیونکہ جو دینے پر قادر ہے اس سے وہ مانگتے نہیں اور جن سے وہ مانگتے ہیں وہ محض پتھروں کے وہ مجسمے ہیں جو کچھ نہیں دے سکتے۔

آیت نمبر ۱۵: کائنات کی ہر چیز پر اللہ ﷻ ہی کا غلبہ ہے اور ہر چیز اس کے سامنے سجدہ کئے ہوئے ہے۔ نہ صرف ہر چیز بلکہ ان کا سایہ بھی عاجزی کے ساتھ اللہ ﷻ کے سامنے سجدہ کرتا ہے۔

علمی بات: ۱۔ آسمانوں اور زمین میں جتنی چیزیں ہیں سب اللہ ﷻ کے ارادہ و مشیّت اور اس کے حکم کے تابع ہیں۔ کوئی بھی اس کے حکم سے ایک ذرہ برابر سر تابی نہیں کر سکتا۔ جو کفار اللہ ﷻ کو سجدہ نہیں کرتے وہ بھی اس کے ارادہ و مشیّت کے مطابق کبھی صحت مند ہوتے ہیں تو کبھی بیمار، ان میں کوئی مال دار ہوتا ہے تو کوئی فقیر، انہیں بھی ایک محدود وقت تک زندہ رہنے کے بعد موت لاحق ہوتی ہے۔ اہل ایمان اللہ ﷻ کے سامنے برضا و رغبت جھکتے ہیں اور کافر اللہ ﷻ کے اوامر کو بحالتِ اَضطراری یعنی غیر ارادی طور پر قبول کرنے پر مجبور ہیں۔

۲۔ سجدہ کا معنی ہے کسی کے سامنے جھکنا اور عجز کا اظہار کرنا اور عرف میں اللہ ﷻ کے سامنے عاجزی و انکساری اختیار کرنے اور اللہ ﷻ کی عبادت کرنے کو سجدہ کہتے ہیں۔ انسان، حیوانات اور جمادات سب کے لئے سجدہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ سجدہ کی دو قسمیں ہیں: ایک سجدہ اختیاری ہے، یہ انسان کے

ساتھ خاص ہے اور اسی پر ثواب مرتب ہوتا ہے۔ قرآنِ حکیم میں ہے: فَاسْجُدُوا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوا: اللہ کے لئے سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو۔(سورۃ النجم ۵۳، آیت: ۶۲) اور سجدہ کی دوسری قسم ہے سجدہ اضطراری اس کو سجدۂ تسخیر بھی کہتے ہیں جیسے سورۃ الرحمٰن کی آیت میں ہے وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ "زمین پر پھیلنے والے پودے اور اپنے تنوں پر کھڑے ہوئے درخت اللہ کے لئے سجدہ کرتے ہیں۔"(سورۃ الرحمٰن ۵۵، آیت:۶)

یہ سجدہ کا لغوی معنی ہے اور سجدہ کا اصطلاحی معنی ہے زمین پر اپنی پیشانی رکھنا اور اس سے بڑھ کر کسی تذلّل و تواضع اور عاجزی و انکساری کا تصوّر نہیں ہے۔

نوٹ: یہ آیت سجدۂ تلاوت ہے اس آیت پر سجدہ کرنا واجب ہے۔ **(مزید تفصیل سورۃ الاعراف کی آخری آیت:۲۰۶، کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیے۔)**

آیت نمبر ۱۶: پوری کائنات کا رب اور ہر شے کا خالق اللہ ﷻ ہے لہٰذا عبادت کا مستحق بھی صرف وہی ہے۔ شرک کو اندھیرے اور ایمان کو نور سے تعبیر فرمایا گیا جو برابر نہیں ہو سکتے۔ جھوٹے معبودوں نے کائنات میں کوئی شے نہیں بنائی تو انہیں خدائی میں کیسے شریک کر لیا جائے؟ کوئی چیز پیدا کرنا تو درکنار وہ تو خود نفع و نقصان کا کوئی اختیار بھی نہیں رکھتے۔ اللہ ﷻ ہی تمام چیزوں کا خالق اور زبردست قوّت والا ہے۔

علمی بات: مشرکینِ عرب جن دیوتاؤں کو معبود مان کر ان کی عبادت کرتے تھے، ان کے متعلق عام طور پر ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ ﷻ نے خدائی کے بہت سے اختیارات ان کو دے رکھے ہیں اس لئے ان کی عبادت کرنی چاہئے تاکہ وہ اپنے اختیارات ہمارے حق میں استعمال کریں اور اللہ ﷻ سے ہماری سفارش بھی کریں۔ اوّل تو یہ فرمایا گیا ہے کہ جب یہ تراشے ہوئے بُت اپنے آپ کو کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے تو دوسروں کی کیا مدد کریں گے۔ پھر فرمایا گیا کہ اگر ان دیوتاؤں نے بھی اللہ ﷻ کی طرح کچھ پیدا کیا ہوتا، تب تو ان کو خدا کا شریک ماننے کی کوئی وجہ ہو سکتی تھی لیکن انہوں نے جب کچھ بھی پیدا نہیں کیا بلکہ خود ان کو مشرکوں نے بنایا ہے تو پھر کس طرح ان کو اللہ ﷻ کا شریک قرار دے کر عبادت کا مستحق ٹھہرایا جائے؟

آیت نمبر ۱۷: حق اور باطل کی مثال بیان کی گئی ہے۔ باطل کی مثال سیلاب کے پانی پر اُبھری جھاگ یا دھاتوں کو پگھلاتے وقت پیدا ہونے والی جھاگ کی ہے۔ جھاگ کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی وہ سوکھ کر ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح باطل بھی بے حقیقت اور ناپائیدار ہوتا ہے۔ پانی یا دھات کو حق کے ساتھ تشبیہ دی گئی جو باقی رہ جاتا ہے اور جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسی طرح بالآخر حق ہی غالب اور باقی رہتا ہے۔

علمی بات: ا۔ مکی زندگی میں عقیدۂ توحید اور کفر و شرک کی کشمکش نے حق و باطل میں ٹکراؤ کی صورت اختیار کر لی تھی۔ باطل ہر قیمت پر اہلِ حق کو ہزیمت دینے پر تلا ہوا تھا۔ مختلف قسم کے شبہات اٹھا کر حق کے بارے میں بدگمانیاں پیدا کی جا رہی تھیں اور اہلِ حق کو تڑپا دینے والی اذیتیں پہنچا کر توڑنے کی کوشش ہو رہی تھی اور ان اذیتوں اور سخت خراب حالات میں مسلمانوں میں مایوسی پیدا کرنے کی بھی کوشش جاری تھی۔ اس آیتِ کریمہ میں اللہ ﷻ نے مسلمانوں کو اطمینان کا سامان پہنچایا ہے اور اہلِ باطل کو آئینہ دکھا دیا ہے اور اُن کی آنکھوں دیکھی ایک مثال دے کر سمجھایا ہے کہ سیلاب کی صورت میں پانی تیزی سے بہتا ہے تو راستہ میں آنے والا سارا خس و خاشاک جھاگ کی صورت میں پانی کے اوپر ظاہر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح زیور اور دیگر سامان بنانے کے لئے جب سونا، چاندی اور دیگر دھاتوں کو پگھلایا جاتا ہے تو ان کا میل کچیل بھی جھاگ کی صورت میں اوپر تیرنے لگتا ہے اور بعض مرتبہ یہ جھاگ اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ اس کے نیچے پانی اور سونا چاندی نظر بھی نہیں آتے۔ لیکن یہ جھاگ کچھ لمحوں کے بعد زائل ہوتا ہے یا اُسے زائل کر دیا جاتا ہے۔ بعد میں اصل پانی رہ جاتا ہے جو زمین کو سرسبز و شاداب بناتا ہے اور اصل سونا چاندی رہ جاتے ہیں جو زیورات کے کام آتے ہیں۔ اس مثال میں پانی اور دھاتوں سے مراد حق ہے جو باقی رہتا ہے اور لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے اور جھاگ سے مراد باطل ہے جو پانی اور دھاتوں کے اوپر چھایا رہتا ہے لیکن وہ پائیدار نہیں ہوتا بالآخر زائل ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کبھی کبھار باطل حق پر چھایا ہوا نظر آتا ہے، مگر حقیقت میں ایسا نہیں۔ آخر کار باطل زائل ہونے والا اور حق باقی رہنے والا ہے۔

۲۔ پہلی مثال میں اس علم کو جو نبی کریم ﷺ پر وحی کے ذریعہ سے نازل کیا گیا تھا، آسمانی بارش سے تشبیہ دی گئی ہے اور ایمان لانے والے سلیم الفطرت لوگوں کو ان ندی نالوں کے مانند ٹھہرایا گیا ہے جو اپنے اپنے ظرف کے مطابق اس بارانِ رحمت سے فیض یاب ہو کر رواں دواں ہو جاتے ہیں۔ اس ہنگامہ کو جو اہلِ حق کے خلاف منکرین و مخالفین نے برپا کر رکھا تھا اسے جھاگ اور خس و خاشاک سے تشبیہ دی گئی ہے جو ہمیشہ سیلاب کے اٹھتے ہی اس کی سطح پر اپنی اچھل کود دکھانا شروع کر دیتا ہے۔ دوسری مثال سے یہ اہم بات معلوم ہوئی کہ ہر نفع بخش چیز اسی وقت قابلِ نفع بن سکتی ہے جب وہ ملمع سازی، ملاوٹ اور میل کچیل سے صاف کر دی گئی ہو اور جب تک پاک صاف کرنے کا عمل بروئے کار نہیں لایا جاتا تب تک اس کی اصلیت ظاہر نہیں ہو سکتی اور اس سے صحیح معنوں میں استفادہ نہیں کیا جا سکتا۔

آیت نمبر ۱۸: حق کا ساتھ دینے والوں کے لئے اللہ ﷻ کے ہاں بہترین بدلہ کی بشارت ہے۔ باطل کا ساتھ دینے والوں کے لئے بدترین انجام کی وعید سنائی گئی ہے۔ قیامت کے دن اہلِ باطل سے کوئی فدیہ نہیں لیا جائے گا کہ ان کو عذابِ الٰہی سے نجات مل سکے بلکہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے جو بہت ہی بُری جگہ ہے۔

علمی بات: اہلِ حق اور اہلِ باطل کا انجام بیان کیا گیا ہے کہ اہلِ حق نے اللہ ﷻ کی وحدانیت قبول کرتے ہوئے اسے ایک جانا اور انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کو برحق سمجھ کر اس کی تصدیق کی اور اُس کی نازل کردہ شریعت پر عمل کیا ان کا قیام جنّت کے عالی شان محلات میں ہو گا اور جن لوگوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کو ٹھکرایا قیامت کے دن وہ کسی طرح بھی بچ نہ سکیں گے اور جہنّم میں دھکیل دیئے جائیں گے۔

آیت نمبر ۱۹: یہ بات واضح ہے کہ اللہ ﷻ کی نازل کردہ آیات کو حق سمجھنے والے اور دُنیاوی مفادات کے طالب دونوں برابر نہیں ہو سکتے، لیکن اس کو وہی سمجھ سکتے ہیں جو عقل و فکر سے کام لیتے ہیں۔ غفلت میں پڑے رہنے والے اس عظیم فرق کو نہیں سمجھ سکتے۔

علمی بات: حق بات کا علم ہونا ہی کافی نہیں بلکہ اس پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص یہ علم رکھتا ہے کہ قرآنِ حکیم برحق ہے مگر خود اس پر ایمان نہیں لاتا تو اس کا محض علم رکھنا کچھ مفید نہیں ہو گا۔ اس مقام پر علم سے مراد اعتقاد بھی ہے یعنی جس شخص کا عقیدہ اور ایمان یہ ہے کہ قرآنِ حکیم اللہ ﷻ کی نازل کردہ برحق کتاب ہے، وہ قرآنِ حکیم کے منکر کی طرح تو نہیں ہو سکتا جس کو اندھے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مثلاً فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ''تو آپ(A) جان لیجئے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔'' (سورۃ محمد ۴۷، آیت:۱۹) یعنی اللہ ﷻ کے وحدہ لاشریک ہونے کا محض علم ہونا مفید نہیں کیونکہ یہ علم تو یہود و نصاریٰ کو بھی تھا مگر وہ اس کے انکاری تھے، لہٰذا ان کا صرف جاننا مفید نہیں ہے اور جس شخص کے پاس نہ تو علم ہے کہ قرآنِ حکیم برحق ہے اور نہ وہ اس کی حقانیت کا اعتقاد رکھتا ہے، وہ نابینا آدمی کی طرح ہے جسے کچھ نظر نہیں آتا ایسا آدمی تو حق و باطل اور صحیح و غلط میں امتیاز ہی نہیں کر سکتا۔ گویا ایماندار آدمی بینا کی طرح ہے اور مشرک، کافر اور منافق نابینا کی طرح اور ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ بے عقل اور نادان لوگ نصیحت سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

آیت نمبر ۲۰: حق کا ساتھ دینے والوں کی چھ صفات کا بیان ہے۔ پہلی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ ﷻ کے ساتھ عہدِ بندگی کی پاسداری کرتے ہیں۔ دوسری صفت یہ ہے کہ وہ اپنے وعدوں کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔

علمی بات: ایمان والوں کی صفات اور ان کا انجام بیان کیا جا رہا ہے، یعنی وہ منافقوں کی طرح نہیں ہیں کہ عہد و پیمان کر کے توڑ دیں یا جب لڑائی جھگڑا کریں تو گالیاں دیں، بات کریں تو جھوٹ بولیں اور جب ان کے پاس امانت رکھوائی جائے تو اس میں خیانت کریں۔ لہٰذا جس قسم کا عہد بھی اللہ ﷻ سے کیا جائے اسے پورا کرنا ضروری ہے۔

فرمانِ نبوی ﷺ: "جو امانت کی پاسداری نہیں کرتا اُس کا ایمان ہی نہیں، جو وعدہ پورا نہیں کرتا اُس کا کوئی دین نہیں۔" (مسند احمد)

آیت نمبر ۲۱: حق کا ساتھ دینے والوں کی مزید صفات کا بیان ہے۔ اہلِ ایمان کی تیسری صفت یہ ہے کہ وہ لوگ ان رشتوں کو جوڑتے ہیں جس کے متعلق اللہ ﷻ نے حکم فرمایا ہے کہ اُسے جوڑا جائے۔ چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں۔ پانچویں صفت یہ ہے کہ انہیں ہر وقت آخرت کی باز پرس کی فکر لگی رہتی ہے۔

علمی بات: ا۔ وہ باہمی معاہدے جو انسان آپس میں کرتے ہیں یا وہ اللہ ﷻ کی کتاب، سنّتِ رسول ﷺ اور نیک لوگوں سے تعلق جوڑے رکھتے ہیں۔

۲۔ اسلام نے ضروری تعلقات قائم رکھنے اور ان کے حقوق ادا کرنے کی تعلیم دی ہے لہٰذا والدین، اہل و عیال، بہن بھائیوں، دوسرے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے جو حقوق اللہ ﷻ نے ہر انسان پر لازم کئے ہیں۔ صلہ رحمی اور رشتہ داروں سے تعلقات قائم رکھنے اور ان کے حقوق کی ادائیگی کی تاکید احادیثِ مبارکہ میں بھی بکثرت مذکور ہے۔

فرمانِ نبوی ﷺ: ا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ: "جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ ﷻ اس کے رزق میں وسعت اور اس کے کاموں میں برکت عطا فرمائے تو اُسے چاہیئے کہ صلہ رحمی کرے۔" (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

۳۔ اہلِ ایمان کی چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں یعنی حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کا تصوّر کر کے لرزاں و ترساں رہتے ہیں، اس لئے جو نیکیاں کرتے ہیں وہ فرمانِ الٰہی سمجھ کر کرتے ہیں اور جو بُرے کام چھوڑتے ہیں وہ اللہ ﷻ کی نافرمانی سمجھ کر چھوڑتے ہیں۔ یہاں لفظ خوف کے بجائے خشیت کا لفظ استعمال کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ ﷻ سے اُس کا خوف کسی درندہ یا موذی چیز سے خوف کی طرح نہیں بلکہ یہ ایسا خوف ہے جو اولاد کو ماں باپ سے اور شاگرد کو استاد سے ہوتا ہے اور اس کا منشا کسی ایذا رسانی کا خوف نہیں ہوتا بلکہ ادب، محبت اور عظمت ہے۔ یہ اس بات کا خوف ہوتا ہے کہ کہیں ہمارا کوئی قول و فعل اللہ ﷻ کی ناراضگی کا ذریعہ نہ بن جائے۔

۵۔ اہلِ ایمان کی پانچویں صفت یہ ہے کہ انہیں ہر وقت آخرت کی باز پرس کی فکر لگی رہتی ہے وہ اپنے نیک اعمال پر بھروسہ نہیں کرتے بلکہ اللہ ﷻ سے دُعا کرتے ہیں کہ اللہ ﷻ حساب کے مرحلہ کو آسان بنادے۔ یعنی یہ لوگ بُرے حساب سے ڈرتے ہیں بُرے حساب سے مراد حساب میں سختی ہے۔

آیت نمبر ۲۲: اہلِ حق کی مزید صفات کا بیان ہے۔ اہلِ ایمان کی چھٹی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ ﷻ کی نافرمانیوں سے بچتے ہیں اور راہِ حق میں آنے والی مشکلات پر صبر کرتے ہیں۔ ساتویں صفت یہ ہے کہ وہ نماز کو تمام ارکان و شرائط کی رعایت رکھتے ہوئے خشوع کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ آٹھویں صفت یہ ہے کہ وہ اللہ ﷻ کے دیئے ہوئے رزق میں سے علانیہ اور پوشیدہ طور پر خرچ کرتے ہیں۔ نویں صفت یہ ہے کہ وہ بُرائی کا بدلہ اچھائی سے دیتے ہیں۔ ان صفات کے حاملین کو جنّت کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔

علمی بات: ا۔ وہ اللہ ﷻ کی رضا حاصل کرنے کے لئے مصائب پر صبر کرتے ہیں یعنی اللہ ﷻ کی اطاعت کرنے اور اس کی نافرمانی سے بچنے کے لئے جو مشکلات پیش آئیں یا کسی بیماری، تکلیف اور آزمائش میں مبتلا ہو جائیں تو صرف اللہ ﷻ کی رضا جوئی کے لئے ان پر صبر کرتے ہیں۔ صبر سے مراد وہ صبر ہے جو ابتدائے صدمہ میں ہو اور اختیاری ہو کیونکہ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد تو ہر ایک کو صبر آ ہی جاتا ہے۔

۲۔ اہلِ ایمان نماز قائم کرتے ہیں یعنی پانچوں وقت کی نماز بروقت، خشوع و خضوع کے ساتھ اور سنّت کے مطابق ادا کرتے ہیں۔

۳۔ اللہ ﷻ کے عطا کردہ رزق میں سے اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ حالات کے مطابق کبھی پوشیدہ خرچ کرتے ہیں تاکہ لینے والے کی عزّت نفس مجروح نہ ہو اور کبھی اعلانیہ خرچ کرتے ہیں تاکہ دوسروں کو بھی ترغیب ہو۔

۴۔ نیکی کے ذریعہ بُرائی کو دور کرتے ہیں کیونکہ نیکیاں بُرائیوں کو مٹادیتی ہیں۔ بُرائی کا جواب بھلائی سے دیتے ہیں گناہ کے بعد نیکی کرتے ہیں کوئی ظلم کرتا ہے تو معاف کردیتے ہیں اور جو قطع تعلق کرتا ہے اس سے تعلق قائم کرتے ہیں۔ آخرت میں ایسے ہی لوگوں کا انجام اچھا ہوگا۔

فرمانِ نبوی ﷺ: رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ ﷻ سے ڈرتے رہو اور بُرائی کے بعد کوئی نیکی کرو جو اس بُرائی کو مٹادے اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔ (جامع ترمذی)

۵۔ "الدّار" کے لفظی معنی گھر کے ہیں۔ اس سے مراد آخرت کا عالم ہے یہ لفظ اکثر وطن کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہاں آخرت کے بجائے اس لفظ کو استعمال کرنے سے بظاہر اشارہ اس طرف ہے کہ انسان کا اصلی گھر اور وطن آخرت ہے اس لئے کہ دُنیا کی زندگی تو فنا ہو جانے والی ہے انسان کو ہمیشہ ہمیشہ جہاں رہنا ہے وہ عالمِ آخرت ہے۔

آیت نمبر ۲۳: اہلِ حق کے لئے جنّت کے باغات ہیں جہاں ان کا قیام دائمی ہوگا۔ وہاں ان کے ساتھ ان کے نیک والدین، بیویاں اور اولاد بھی ہوں گی۔ فرشتے انہیں ہر دروازے سے آکر مبارکباد پیش کریں گے جس سے ان کی خوشی میں اضافہ ہوگا۔

علمی بات: اللہ ﷻ کے مقبول اور نیک بندوں کو خود بھی جنّت میں مقام ملے گا اور ان کی رعایت سے ان کے ماں باپ، بیوی اور اولاد کو بھی، شرط یہ ہے کہ یہ لوگ صالح یعنی مومن اور مسلمان ہوں "کافر نہ ہوں" اگرچہ اعمالِ صالحہ میں اس نیک آدمی کے برابر نہ ہوں مگر اللہ ﷻ اس نیک آدمی کی برکت سے ان لوگوں کو بھی جنّت میں اسی مقام پر پہنچادے گا جو اس نیک شخص کا مقام ہوگا جیسا کہ دوسری جگہ نیک اولاد کو نیک والدین سے ملانے کا ذکر ہے چناچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "تو ہم ان کی اولاد کو انہی کے ساتھ شامل فرمادیں گے۔" (سورۃ الطور ۵۲، آیت: ۲۱)

آیت نمبر ۲۴: اہلِ جنّت کے لئے مزید انعامات کا بیان ہے۔ فرشتے انہیں ان کے صبر اور فرماں برداری کے بدلے سلامتی کی دُعائیں اور ہمیشہ کے گھر کی مبارکباد دیں گے۔

علمی بات: ۱۔ یہ وہ لوگ جن کی خدمت میں فرشتے حاضر ہو کر تسلیمات عرض کریں گے، انہوں نے ساری عمر اپنے نفس کی گناہوں سے حفاظت، نیکی اور اطاعت پر کاربند رہنے اور مصائب کو برداشت کرنے میں لگے رہے۔ اسی وجہ سے اُن کو اس درجہ اعزاز وانعامات سے نوازا گیا۔ "سَلٰمٌ" کا مطلب ہے کہ اب تم ہر مصیبت، رنج وغم اور پریشانی سے محفوظ ہوگئے۔ (سبحان اللہ)

۲۔ ایمان قبول کرنے کے بعد ہر حکم بجالانے پر ہمیشگی، ہر بُرائی سے اجتناب، اللہ ﷻ کی تقدیر پر قناعت کرتے ہوئے ہر مصیبت وراحت میں اللہ ﷻ سے راضی رہنا، غرض دین کی ہر بات پر استقامت کی بنیاد صبر ہی ہے اور اس کی جزا کا بھی کوئی حساب نہیں، جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا: "آپ فرمادیجئے اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو اپنے رب سے ڈرو جنہوں نے اس دنیا میں نیکی کی ان کے لئے بھلائی ہے اور اللہ کی زمین وسیع ہے بے شک صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا"۔ (سورۃ الزمر ۳۹، آیت: ۱۰)

آیت نمبر ۲۵: اہلِ حق کی صفات اور بہترین انجام کے بیان کے بعد اب باطل پرستوں کی بُری صفات کا بیان ہے۔ وہ اللہ ﷻ سے کیئے گئے عہدِ بندگی کا پاس نہیں کرتے۔ وہ اللہ ﷻ، اس کے پیغمبروں، کتابوں اور شریعت کے ساتھ تعلق جوڑنے کے حکم کو پورا نہیں کرتے اور آپس میں صلہ رحمی نہیں

کرتے غرضیکہ وہ ہر چیز میں مخالفت کرتے ہیں، وہ اللہ ﷻ کی نافرمانیاں کرکے زمین میں فساد مچاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے اللہ ﷻ کی لعنت اور آخرت میں بُرا انجام ہے۔

علمی بات: اللہ ﷻ نے کفار کے متعلق فرمایا وہ اللہ ﷻ سے کیئے ہوئے پختہ وعدوں کو توڑتے ہیں۔ انہوں نے عالمِ اَرواح میں اللہ ﷻ کی عبادت کرنے اور شرک نہ کرنے کا جو وعدہ کیا تھا اس کو توڑتے ہیں۔ اللہ ﷻ نے اپنی اُلوہیت اور توحید پر جو دلائل قائم کئے ہیں ان میں غور و فکر نہیں کرتے۔ انبیاء کرام علیہم السلام نے ان کو اللہ ﷻ کی توحید کا جو پیغام پہنچایا اس کو غور سے نہیں سنتے بلکہ منہ موڑتے اور اعراض کرتے ہیں۔ اللہ ﷻ نے جن چیزوں کو جوڑنے کا حکم دیا ہے ان کو توڑتے ہیں یعنی اللہ ﷻ کے رسول ﷺ اور مومنوں سے قطع تعلق کرتے ہیں، ماں باپ اور دیگر رشتہ داروں سے حسن سلوک نہیں کرتے اور ان کے حقوق ادا نہیں کرتے۔ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں یعنی لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کی مخالفت پر اُبھارتے ہیں، شرک اور بُت پرستی کی دعوت دیتے ہیں۔ مسلمانوں کی جانوں اور اموال پر ظلم کرتے ہیں۔ اللہ ﷻ نے فرمایا ان پر لعنت ہے یعنی دُنیا اور آخرت میں اللہ ﷻ کی رحمت سے یہ بالکل دور ہیں اور آخرت میں ان کا گھر جہنّم ہے اور وہ بُرا گھر ہے۔

آیت نمبر ۲۶: رزق کی کمی بیشی اللہ ﷻ کی حکمت اور فیصلہ پر منحصر ہے۔ کافر عارضی منفعت اور چند روزہ دُنیاوی زندگی پر خوش ہیں۔ یہ چیزیں اُن دائمی اور پائدار نعمتوں کے مقابلے میں حقیر ہیں جو فرماں برداروں کو آخرت میں عطا کی جائیں گی۔

علمی بات: مکّہ میں اکثر مسلمان غریب تھے اور کفار کے پاس مال و دولت کی کثرت تھی۔ کفارِ مکّہ مسلمانوں کو طعنہ دیتے کہ اللہ ﷻ ان سے راضی ہے اس لئے ان کے پاس دولت کی فراوانی ہے۔ جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ دُنیاوی مال و دولت اور رزق کی فراوانی اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ ﷻ ان سے خوش ہے کیونکہ بہت سے منکروں یعنی قارون اور فرعون کے پاس بھی مال و دولت اور رزق کی فروانی تھی۔ اسی طرح مال و دولت اور رزق کی کمی بھی اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ ﷻ ان سے ناراض ہے کیونکہ بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام اور اللہ ﷻ کے نیک بندوں کے پاس بظاہر مال و دولت کی فراوانی نہ تھی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی ہے جہاں ہر شخص کو اس کے نیک و بد اعمال کا پورا پھل مل کر رہے گا۔ بہر حال دُنیا کی تنگی و فراخی مقبول و مردود ہونے کا معیار نہیں بن سکتی۔

آیت نمبر ۲۷: مخالفین حق کا رسول اللہ ﷺ سے فرمائشی معجزہ دکھانے کے مطالبہ کا ذکر کر کے ان کے مطالبہ کا جواب دیا گیا ہے۔ اللہ ﷻ فرمائشی معجزہ دکھانے پر قادر ہے لیکن معجزہ دکھا کر زبردستی کسی کو ہدایت نہیں دی جاتی۔ ہدایت اسی کو ملتی ہے جو حصولِ ہدایت کے لئے عاجزی سے اللہ ﷻ کی طرف رجوع کرے۔

علمی بات: درحقیقت ہدایت اور گمراہی اللہ ﷻ ہی کے اختیار میں ہے۔ جو شخص تعصب اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے حق کا انکار کرتا جائے اُسے اللہ ﷻ گمراہی میں کھلا چھوڑ دیتا ہے اور جو شخص ہدایت کی تمنا اور اس کی جستجو کرتا ہے اسے ہدایت عطا کی جاتی ہے، کیونکہ ہدایت اس قدر گراں نعمت ہے جو تمنا اور جستجو کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ چنانچہ جو لوگ اللہ ﷻ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں انہیں ایمان کی دولت نصیب ہوتی ہے۔

عملی پہلو: جو انسان اخلاص کے ساتھ اللہ ﷻ کی طرف رجوع کرتا ہے اللہ ﷻ اس کے لئے ہدایت کے دروازے کھول دیتا ہے اور جو اللہ ﷻ سے روگردانی و اعراض کرتا ہے اور اپنے اختیار سے گمراہی میں ہی رہنا پسند کرتا ہے تو اللہ ﷻ بھی اسے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے۔

آیت نمبر ۲۸: ہدایت پر گامزن لوگ وہ ہیں جن کے دلوں کو اللہ ﷻ کے ذکر سے اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ بلاشبہ اللہ ﷻ کا ذکر ہی دلوں کے اطمینان اور راحت کا باعث ہے۔ سکونِ قلب مال و دولت سے نہیں یادِ الٰہی سے نصیب ہوتا ہے۔

علمی بات: جب تک دل میں شک کا کانٹا چبھتا رہتا ہے انسان کو کسی پہلو قرار نہیں آتا اور جب ایمان ویقین کے نور کا اُجالا ہوتا ہے تو سارے اضطراب ختم اور ساری بے چینیاں دور ہو جاتی ہیں۔ ذکرِ الٰہی سے ہی دل میں اطمینان اور سکون پیدا ہوتا ہے۔ یہی وہ نور ہے جس سے شکوک و شبہات کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں۔ یہی وہ غذا ہے جس سے روح کو تقویت ملتی ہے اور انسان میں نیکی کی مضمر صلاحیتیں نشوونما پاتی ہیں۔ دُنیا کی ساری نعمتوں میں سے اطمینانِ قلب سب سے عظیم نعمت ہے محض دولت، عزّت، صحت اور کثرت اولاد کے باوجود بھی روح کو سکون اور دل کو چین نصیب نہیں ہوتا۔ صرف اللہ ﷻ کا ذکر ہی وہ آبِ حیات ہے کہ جس سے سیر ہونے والا پھر کبھی تشنگی، کسی خلجان اور کوئی گھبراہٹ محسوس نہیں کرتا۔

آیت نمبر۲۹: طوبیٰ کے معنی خیر، بشارت اور پاکیزگی کے ہیں۔ ایمان اور عملِ صالح کرنے والے سعادت مندوں کے لئے جنّت میں انتہائی عمدہ مقام اور نعمتوں کی بشارت ہے۔

علمی بات: اہلِ ایمان اور عملِ صالح کرنے والوں کا انجام بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ ﷻ انہیں جنّت عطا فرمائے گا اور وہاں وہ ایسی اچھی حالت میں ہوں گے جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا ہے، ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ اللہ ﷻ انہیں جنّت میں ایک درخت عطا کرے گا جس کا نام طوبیٰ ہے، اور وہ ایسی نعمت ہوگی جس کی خوبیاں الفاظ میں نہیں بیان کی جاسکتیں۔

فرمانِ نبوی A ۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم A کی خدمت میں ایک آدمی نے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ A! وہ لوگ بڑے خوش نصیب ہیں جنہیں آپ کی زیارت نصیب ہوئی اور وہ آپ پر ایمان لائے، نبی اکرم A نے فرمایا: واقعی طوبیٰ (خوشخبری) ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لائے اور طوبی پھر طوبی پھر طوبی ہے ان لوگوں کے لئے جو مجھ پر بن دیکھے ایمان لائیں گے، اس آدمی نے پوچھا کہ "طوبی" سے کیا مراد ہے؟ فرمایا کہ یہ جنت کے ایک درخت کا نام ہے جس کی مسافت سو سال کے برابر ہے اور اہلِ جنت کے کپڑے اسی کے (پھلوں کے) چھلکوں سے تیار ہوں گے۔ (مسند احمد)

آیت نمبر۳۰: رسول اللہ ﷺ کو تسلّی دی گئی ہے کہ کفار ومشرکین کی طرف سے مخالفت کوئی نئی چیز نہیں۔ جس طرح سابقہ اُمّتوں میں انبیاء کرام علیہم السلام بھیجے گئے اسی طرح آپ ﷺ کو آخری رسول بنا کر بھیجا گیا ہے وہ رحمان ہی رسول اللہ ﷺ کا رب ہے جس کا ذاتی نام اللہ ﷻ ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ آپ ﷺ کو لوگوں کی مخالفت کی پرواہ نہ کرنے اور اللہ ﷻ کی ذات ہی پر بھروسہ کرنے کا ذکر ہے۔

شانِ نزول: ابو جہل نے ایک دن سنا کہ حضور ﷺ خانہ کعبہ کے قریب کھڑے ہوئے دُعا مانگ رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں یا اللہ یا رحمٰن وہ جاہل دوڑتا ہوا مشرکین کے پاس گیا اور کہنے لگا آؤ تمہیں ایک عجیب بات سناؤں کہ اب محمد ﷺ نے بھی دو خداؤں (اللہ اور رحمٰن) کی عبادت شروع کر دی (معاذاللہ) تو یہ آیت نازل ہوئی۔

علمی بات: نبی کریم ﷺ کی نبوّت کی تصدیق و تائید کے طور پر کہا گیا ہے کہ جیسے ہم نے پہلے بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث کیئے، اسی طرح اب آپ ﷺ کو مبعوث کیا ہے، تا کہ آپ ﷺ کفارِ قریش اور دیگر لوگوں کو وہ قرآنِ حکیم پڑھ کر سنائیں جو آپ ﷺ کے لئے اللہ ﷻ کا سب سے بڑا معجزہ اور بنی نوع انسان کے لئے اللہ ﷻ کی رحمت ہے، لیکن کفار اس ذاتِ باری تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں جس کی ایک صفت "الرّحمٰن" بھی ہے اور جس نے اپنی اس صفتِ رحمت کے تقاضے کے مطابق انسانوں کی ہدایت کے لئے قرآنِ حکیم نازل فرمایا ہے اور آپ ﷺ کو رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡن بنا کر بھیجا ہے۔

آیت نمبر۳۱: کفار کے مطالبات کا جواب دیا گیا ہے۔ اللہ ﷻ چاہے تو بطورِ معجزہ پہاڑ حرکت میں آجائیں، زمین کے ٹکڑے کر دیے جائیں یا مردہ زندہ ہو کر باتیں کرنے لگیں۔ مگر اس صورت میں بھی کفار ایمان نہیں لائیں گے۔ ایسے معجزات دکھانا اللہ ﷻ کے اختیار میں ہے لیکن ایسے معجزے دکھا کر

زبردستی لوگوں کو ہدایت نہیں دی جاتی۔ کفار اپنے کفر کی وجہ سے دُنیا میں مختلف عذابوں اور آفتوں میں مبتلا رہیں گے یہاں تک کہ اللہ ﷻ کا وعدہ پورا ہو جائے گا۔

علمی بات: ۱۔ اگر اللہ ﷻ چاہتا تو قرآنِ حکیم کے ذریعے سے وہ کچھ ہوتا جس کا بیان اوپر آیا، لیکن اس نے ایسا نہیں چاہا اس لئے کہ ایمان کا تعلق اپنی خواہشات کی تکمیل سے نہیں بلکہ اس کا تعلق اللہ ﷻ کی طرف سے عطا کردہ عقل و شعور اور فطری صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے اللہ ﷻ اور رسول اکرم ﷺ پر یقین و اعتماد سے ہے۔

۲۔ اکثر مفسرین نے وعدہ سے فتح مکّہ مراد لی ہے البتہ بعض نے موت اور بعض نے روزِ قیامت مراد لیا ہے۔ مختصر یہ کہ یہ سلسلہ عذابوں اور مصیبتوں کا جاری رہے گا یہاں تک کہ اللہ ﷻ کا وعدہ آجائے یعنی مکّہ فتح ہو جائے جس میں مشرکین مغلوب ہوں گے یا ان میں سے ہر شخص کو موت آجائے۔ یقیناً اللہ ﷻ اپنا وعدہ پورا فرما کر رہے گا۔ لہٰذا منکرین کو چاہیئے کہ اُن پر جو مصیبت آئے اسے بھی وہ عبرت کی نظر سے دیکھیں اور اپنے کئے کا نتیجہ سمجھ کر اپنی حالت کو بدلیں اور اگر آس پاس کی بستیوں اور شہروں پر کوئی مصیبت نازل ہو جائے تو اس سے بھی عبرت حاصل کریں کیونکہ اس میں بھی سب کے لئے تنبیہ ہے۔

آیت نمبر ۳۲: مخالفین کے استہزاء کرنے پر اللہ ﷻ کی طرف سے نبی کریم ﷺ کی دل جوئی فرمائی گئی ہے۔ سابقہ مجرموں کو ایک مقررہ مدّت تک اصلاح کی مہلت دی گئی۔ پھر بالآخر انہیں بدترین عذاب میں مبتلا کر دیا گیا۔ نبی کریم ﷺ کے مخالفین کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر وہ بھی باز نہ آئے تو ان کا انجام بھی سابقہ اقوام جیسا ہو گا۔

علمی بات: اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو تسلی عطا فرمائی کہ آپ ﷺ اپنی قوم کے اس جاہلانہ مطالبہ پر صبر کریں۔ گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کا بھی ان کی قوموں نے اسی طرح مذاق اڑایا تھا جس طرح آپ ﷺ کی قوم نے آپ ﷺ کا مذاق اڑایا ہے (معاذ اللہ)، اللہ ﷻ نے ان کو ڈھیل دی یعنی ان پر اپنے عذاب کو مؤخر کر دیا پھر اللہ ﷻ نے ان کو اچانک اپنی گرفت میں لے لیا۔ یعنی اللہ ﷻ نے جس طرح پچھلی اُمّتوں سے انتقام لیا تھا ان سے بھی انتقام لے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، چند سالوں کے بعد مکّہ مکرمہ سے کفر و شرک کا ایسا نام و نشاں مٹا کہ چودہ سو سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے کوئی مشرک وہاں داخل بھی نہیں ہو سکتا۔

آیت نمبر ۳۳: ہر نفس کے اعمال پر اللہ ﷻ نگران ہے۔ مشرکین کے پاس شرک کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔ "مکر" سے مراد ان کے غلط عقائد و اعمال ہیں جو ان کی نظروں میں خوشنما بنا دیئے گئے۔ یہی بد اعمالیاں انہیں سیدھے راستے سے روک رہی ہیں۔ ان کے لئے ہدایت کا فیصلہ نہ ہو گا۔

علمی بات: ۱۔ اللہ ﷻ ہر شخص کے ہر عمل کی ہر وقت نگرانی رکھتا ہے، ایک لمحہ کسی سے غافل نہیں۔ ذرا کوئی شرارت کرے اسی وقت تنبیہ کر سکتا اور سزا دے سکتا ہے کیا مجرم اس سے چھوٹ کر کہیں بھاگ سکتے ہیں؟ کیا اس کی مثل پتھر کی وہ مورتیاں ہو سکتی ہیں جو نہ دیکھتی ہیں نہ سنتی ہیں، نہ اپنے اور نہ دوسروں کے نفع و ضرر کا کچھ اختیار رکھتی ہیں۔ سب کے ظاہری و پوشیدہ اعمال اللہ ﷻ کے سامنے ہیں، وہ ان لوگوں کی ان مشرکانہ گستاخیوں سے بے خبر نہیں، انہیں جلد یا کچھ مدّت بعد سزا مل کر رہے گی۔

۲۔ کافروں کے مکر و فریب سے مراد ان کا کفر ہے، شیطان نے ان کے لئے ان کے کفر کو مزیّن کر دیا تھا اور کافر خود بھی کفر کی تعریف اور تحسین کرتے تھے۔ چونکہ انہوں نے اپنے لئے گمراہی کا راستہ خود اختیار کیا تھا اس لئے اللہ ﷻ نے ان میں گمراہی کو پیدا کر دیا اس لئے فرمایا جس کو اللہ ﷻ گمراہ کر دے اس کے لئے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔

آیت نمبر ۳۴: کفار اور مشرکین کے بُرے انجام کا بیان ہے۔ ان کے لئے دُنیا میں بھی عذاب ہے اور آخرت کا عذاب بھی جو زیادہ سخت ہو گا جس سے بچانے والا کوئی نہیں ہو گا۔

علمی بات: دُنیا کا عذاب جیسا اور جتنا بھی ہو عارضی اور فانی ہے اور آخرت کا عذاب دائمی ہے، اسے زوال و فنا نہیں، مزید بر آں جہنّم کی آگ دُنیا کی آگ کی نسبت ۶۹ گنا تیز ہے۔ اس لئے اس عذاب کے سخت ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

فرمانِ نبوی ﷺ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" (تمہاری) دُنیا کی (آگ جہنّم کی آگ کے مقابلے میں) اپنی گرمی اور ہلاکت خیزی میں سترّواں حصّہ ہے۔" کسی نے پوچھا، یا رسول اللہ ﷺ! کفار اور گناہ گاروں کے عذاب کے لئے یہ ہماری دُنیا کی آگ بھی بہت تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا "دُنیا کی آگ کے مقابلہ میں جہنّم کی آگ انہتر (۶۹) گنا بڑھ کر ہے۔" (صحیح بخاری)

آیت نمبر ۳۵: کفار کے بر عکس متقی اہلِ ایمان کے بہترین انجام کا بیان ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جنّت کی صفات کا بھی ذکر کیا گیا ہے:

۱۔ اس کے نیچے سے نہریں جاری ہیں۔ ۲۔ اس کے باغات کے پھل دائمی ہوں گے۔ ۳۔ اس جنّت کے درختوں کا سایہ دائمی ہو گا۔

اس کے بر عکس اللہ ﷻ کے احکامات کو نہ ماننے والے کفار کا ٹھکانہ جہنّم کی آگ ہے۔

علمی بات: ۱۔ جنّت کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ قرآن مجید کے دوسرے مقام پر جنت کی نہروں کی صفات کا یوں تذکرہ فرمایا گیا ہے "پرہیز گاروں سے جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اُس میں ایسے پانی کی نہریں ہیں جو (کبھی) بدبودار نہ ہوں گی اور ایسے دودھ کی نہریں ہیں جس کا ذائقہ نہیں بدلے گا اور ایسی شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لئے لذّت بخش ہے اور صاف کیے ہوئے شہد کی نہریں (بھی) ہیں اور اُن کے لئے اُن باغات میں ہر قسم کے پھل ہیں اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے کیا یہ (لوگ) اُس کی طرح ہو سکتے ہیں جو آگ میں ہمیشہ رہنے والا ہے اور جنہیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا تو وہ اُن کی آنتیں کاٹ کر رکھ دے گا۔ (سورۃ محمد (A) ۴۷، آیت: ۱۵)

۲۔ جنّت کے پھل دائمی ہیں۔ دُنیا کے باغات کے پھل اور منافع عارضی اور ختم ہو جانے والے ہیں اور آخرت کے باغات کے پھل اور منافع ختم ہونے والے نہیں ہیں۔

۳۔ جنّت کا سایہ دائمی ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ جنّت میں نہ گرمی ہو گی اور نہ سردی، نہ وہاں سورج اور چاند ہوں گے اور نہ وہاں اندھیرا ہو گا۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جنّتی جنّت میں خوب کھائیں گے پیئیں گے لیکن وہ نہ تھوکیں گے نہ پیشاب کریں گے اور نہ پاخانہ اور نہ ناک جھاڑیں گے۔" لوگوں نے عرض کیا کہ پھر کھانا کہاں جائے گا؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا: "(انہیں) ڈکار اور پسینہ آئے گا، اس میں مشک کی خوشبو ہو گی (بس اسی سے ان کا کھانا وغیرہ ہضم ہو جائے گا) اور (جنّت میں) ان کی زبانوں پر تسبیح و تحمید اس طرح جاری ہو گی جس طرح سانس چلتی ہے۔" (صحیح مسلم)

آیت نمبر ۳۶: اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ کا بیان ہے۔ وہ حق کی روش پر گامزن ہیں اور نزولِ قرآنِ حکیم پر روحانی مسرت محسوس کرتے ہیں۔ اس کے بر عکس بہت سے یہود و نصاریٰ اور مشرکینِ مکّہ رسول اللہ ﷺ اور قرآنِ حکیم کے انکاری ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے دعوتِ توحید پیش کی گئی ہے اور شرک کی نفی کرائی گئی ہے۔

علمی بات: یہودیوں اور عیسائیوں کے مختلف گروہوں کا ذکر فرمایا گیا ہے، ان میں سے کچھ وہ ہیں جو قرآنِ حکیم کی آیات سن کر خوش ہوتے ہیں کہ یہ وہی اللہ ﷻ کی کتاب ہے جس کی پیشن گوئی پچھلی کتابوں میں کی گئی تھی چنانچہ اس گروہ کے کئی افراد آنحضرت ﷺ پر ایمان لے آئے تھے، نصاریٰ

میں سے بھی اور یہود میں سے بھی۔ یہ حقیقت ذکر فرما کر ایک طرف تو کفارِ مکّہ کو شرم دلائی گئی ہے کہ جن لوگوں کے پاس آسمانی ہدایت موجود ہے وہ تو ایمان لا رہے ہیں اور جن لوگوں کے پاس نہ کوئی کتاب ہے نہ کوئی اور آسمانی ہدایت، وہ ایمان لانے سے کترا رہے ہیں ۔ دوسری طرف آنحضرت ﷺ اور دوسرے مسلمانوں کو تسلّی بھی دی گئی ہے کہ جہاں اسلام کے دشمن موجود ہیں، وہاں بہت سے لوگ اس پیغامِ ہدایت کو قبول بھی کر رہے ہیں۔ یہود میں دوسرا گروہ کافروں کا ہے کہ وہ قرآنِ حکیم کے بعض حصوں کا انکار کرتے ہیں۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ میں سے جو لوگ ایمان نہیں لائے وہ بھی قرآنِ حکیم کی ساری باتوں کا انکار نہیں کر سکتے کیونکہ اس کی بہت سی باتیں وہ ہیں جو تورات یا انجیل میں بھی موجود ہیں، مثلاً توحید، پچھلے انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان، ان کے حالات، واقعات اور عقیدۂ آخرت وغیرہ۔ اس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ سوچتے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس ان باتوں کے معلوم ہونے کا کوئی ذریعہ نہیں اور آپ کو یہ باتیں وحی سے معلوم ہوئی ہیں اس صورت میں انہیں آپ ﷺ کی رسالت کو تسلیم کرنا چاہیئے۔

آیت نمبر ۳۷: رسول اللہ ﷺ پر قرآنِ حکیم عربی زبان میں نازل کیا گیا کیوں کہ قرآنِ مجید کے اوّلین مخاطب اہلِ عرب تھے۔ قرآن وسنّت کے واضح احکام کے مقابلہ میں کفار کی خواہشات کی پیروی کرنے کی ممانعت ہے۔ ایسا کرنے والے کے لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عدالت میں نہ کوئی حمایتی ہو گا نہ کوئی بچانے والا۔

علمی بات: آپ ﷺ کو تسلّی دی گئی ہے کہ کسی کے انکار و ناخوشی کی ذرہ برابر پروا نہ کریں۔ اے مخاطب حق تعالیٰ نے جو قرآن و سنت کے عظیم علوم آپ ﷺ کو عطا فرمائے ہیں اس کی پیروی کرتے رہیں اگر بالفرض محال آپ ﷺ ان لوگوں کی خواہشات کی طرف جھک گئے تو اس کے وبال سے کون بچا سکتا ہے۔ یہ خطاب ہر طالب حق کو ہے۔ آپ ﷺ کو مخاطب فرما کر اُمّت کو تعلیم دی گئی ہے۔ اگر اُمّت نے مشرکین کی پیروی کی تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے مقابلہ میں اس کا کوئی حامی ہو گا نہ بچانے والا۔

آیت نمبر ۳۸: کفار و مشرکین کا بے ہودہ اعتراض بیان کیا گیا ہے کہ وہ رسول کے بشری تقاضوں کو نبوّت و رسالت کے منصب کے خلاف سمجھتے تھے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام انسانوں ہی میں سے چنے گئے۔ ان کی بیویاں تھیں اور اولاد بھی۔ رہا معجزے کا مطالبہ تو وہ رسول اکرم ﷺ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم سے ہی دکھاتے تھے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مشرکین کی سازشوں کا جواب ضرور دے گا البتہ اس کے لئے وقت مقرر ہے۔

علمی بات: ا۔ مشرکینِ مکّہ سیّدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوّت میں طرح طرح کے شبہات پیش کیا کرتے تھے، ان کے خیال میں نبی کو فرشتہ ہونا چاہیئے تھا اس لئے وہ آپ ﷺ کے کھانے پینے پر بھی اعتراض کرتے تھے اور آپ ﷺ کی ازواج اور اولاد پر بھی اعتراض کرتے تھے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کے اس اعتراض کے جواب میں فرمایا بے شک ہم نے آپ ﷺ سے پہلے بھی رسول بھیجے تھے اور انہیں بیویاں اور اولاد بھی عطا کی تھیں، لہٰذا جب ان گزشتہ رسولوں کے حق میں ازواج اور اولاد ان کی رسالت کے منافی نہیں تھی تو آپ ﷺ کے حق میں تعداد ازواج اور ان کی اولاد رسالت کے منافی کیسے ہو سکتی ہے۔

۲۔ کفار نے جب یہ دیکھا کہ ان کے کفر پر اصرار کے باوجود ان پر عذاب نازل نہیں ہو رہا تو انہوں نے آپ ﷺ پر طعن اور اعتراض کیا اور کہا کہ اگر آپ ﷺ سچے نبی ہوتے تو ہم پر عذاب آ چکا ہوتا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ہر چیز کی مدّت کتابِ تقدیر میں لکھی ہوئی ہے یعنی کفار پر عذاب کا نزول اور نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے متبعین کے لئے فتح و نصرت کا ظہور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نزدیک ایک خاص مقررہ وقت پر ہے اور ہر رونما ہونے والی چیز کا وقت لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے اور ہر چیز کا اپنے وقت پر ظہور ہو گا۔

آیت نمبر ۳۹: اللہ ﷻ اپنی قدرتِ کاملہ سے جس چیز کو چاہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہے باقی رکھتا ہے۔ اللہ ﷻ ہی نے ہر دور میں رسولوں کو احکامات اور شریعتیں عطا فرمائیں۔ تقدیر بھی اللہ ﷻ کی مقرر کردہ ہے، اللہ ﷻ چاہے تو تبدیل فرما سکتا ہے۔ اُمُّ الکتاب سے مراد لوحِ محفوظ اور علمِ الٰہی ہے جس میں کوئی ردوبدل ممکن نہیں۔

علمی بات: ا۔ اللہ ﷻ اپنی حکمت کے موافق جس حکم کو چاہے منسوخ کر دے اور جسے چاہے باقی رکھے، جس قوم کو چاہے مٹا دے اور جسے چاہے برقرار رکھے اور اسباب کی تاثیر چاہے بدل ڈالے یا باقی رکھے۔ غرض ہر قسم کا تغیّر و تبدّل، نسخ و احکام اسی کے ہاتھ میں ہے، قضاو قدر کے تمام فیصلے اسی کے قبضہ میں ہیں۔ اللہ ﷻ لوحِ محفوظ سے جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس حکم اور فیصلے کو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے۔

۲۔ تقدیر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مُبرم۔ دوسری مُعلّق، تقدیر مُبرم کا مطلب یہ ہے کہ جو نہیں ٹلتی اور تقدیر مُعلّق وہ ہے جس کو اللہ ﷻ اپنی مشیّت سے تبدیل فرما دیتا ہے، مثلاً اللہ ﷻ کی طرف سے پہلے سے یہ طے شدہ ہے کہ فلاں آدمی بیمار ہو گا، یہ علاج کرے گا یا اس کے لئے یہ دُعا ہو گی تو اس دُعا یا دوا کی وجہ سے اس کی بیماری ٹل جائے گی یہ تقدیر مُعلق ہے۔ تقدیر مُبرم مثلاً موت کہ یہ نہ دُعا سے ٹلتی ہے اور نہ دوا سے۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تقدیر کو محض دُعا ہی ٹالتی ہے اور صرف نیکی ہی عمر میں اضافے کا باعث ہوتی ہے۔" (جامع ترمذی)

آیت نمبر ۴۰: کفار کے عذاب لے آنے کے مطالبہ کا جواب دیا گیا ہے کہ عذاب آ کر رہے گا۔ نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں بھی کفار پر عذاب آ سکتا ہے اور آپ ﷺ کے دُنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد بھی۔

علمی بات: ا۔ اللہ ﷻ کی طرف سے تسلّی ہے کہ اے محبوب ﷺ! کفر کو شکستِ فاش ہو گی، کفار کی ساری کوششیں رائیگاں جائیں گی، حق کا بول بالا ہو گا، ہر طرف توحید کا نور پھیلے گا، بحروبر، آبادیوں اور صحراؤں میں اسلام کا پرچم لہرائے گا، یہ ہمارا وعدہ ہے جو ضرور پورا ہو گا۔ ان میں سے کچھ آپ ﷺ کی اس حیاتِ دُنیوی میں وقوع پذیر ہو گا اور کچھ بعد میں رونما ہو گا۔ آپ ان کفار و مشرکین کی ایذا رسانیوں اور بدزبانیوں سے پریشان نہ ہوا کریں۔ حق کا پیغام پہنچا دینا آپ ﷺ کے ذمہ ہے اور ان سے باز پرس کرنا ہمارا کام ہے، یعنی حساب لینا اللہ ﷻ کے ذمہ ہے۔

۲۔ غزوۂ بدر میں مشرکین کو شکست ہوئی اور انہوں نے ذلّت اٹھائی پھر آنحضرت ﷺ کی زندگی میں مکّہ معظمہ فتح ہو گیا اور اس وقت کے موجودہ مشرکین میں سے کچھ مقتول ہوئے اور اکثر نے اسلام قبول کیا۔

آیت نمبر ۴۱: دشمنانِ دین کو ان کے گرد زمین کے تنگ کیئے جانے کے بارے میں خبردار کیا گیا ہے۔ زمین کو تنگ کرنے سے مراد یہ ہے کہ اسلام کی قبولیت میں اضافہ اور دشمنوں کے اثر و رسوخ میں کمی ہے۔ اسلام کا غلبہ اللہ ﷻ کا حکم اور فیصلہ ہے جسے کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ دشمنانِ اسلام کے لئے تنبیہ ہے کہ اللہ ﷻ جلد حساب لینے پر قادر ہے۔

علمی بات: ا۔ جب مشرکین مکہ نے مکہ کے اندر رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف دشمنی پورے زور شور سے جاری کی تھی اور وہ اپنے سارے وسائل اس امید پر جھونک رہے تھے کہ ایک دن محمد ﷺ اور آپ کی تحریک کو نیچا دکھا کر رہیں گے۔ اس صورت حال میں انہیں مکہ کے مضافاتی علاقوں کے حوالے سے مستقبل کی ایک امکانی جھلک دکھائی جا رہی ہے کہ بیشک ابھی تک مکہ کے اندر تمہاری کوشش کسی حد تک کامیاب ہے لیکن کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ مکہ کے آس پاس کے قبائل میں اس دعوت کے اثر و نفوذ میں بتدریج اضافہ ہو رہا ہے اور اس کے مقابلے میں تمہارا حلقہ اثر روز بروز

سکڑ تا چلا جارہا ہے ؟ کیا تمھیں نظر نہیں آ رہا کہ یہ دعوت رفتہ رفتہ تمہارے چاروں طرف سے تمہارے گرد گھیرا تنگ کرتی چلی جا رہی ہے ؟ اب وہ وقت بہت قریب نظر آ رہا ہے جب تمہارے ارد گرد کا ماحول اسلام قبول کر لے گا اور تم لوگ اس کے دائرہ اثر کے اندر محصور ہو کر رہ جاؤ گے۔

۲۔ اللہ ﷻ جو چاہتا ہے فیصلہ فرماتا ہے۔ اللہ ﷻ اپنے احکام کو نافذ فرماتا ہے اور کسی کو اٹھاتا ہے تو کسی کو گراتا ہے، کسی کو مارتا ہے تو کسی کو زندگی دیتا ہے۔ اس کے احکام کو کوئی پھیرنے اور ان سے ٹکرانے والا نہیں اور اس کے فیصلوں میں کوئی دخل اندازی نہیں کر سکتا۔ عنقریب آخرت میں بھی اللہ ﷻ ان کا حساب لے گا اور کافروں کو ان کے جرائم کی سزا دے گا۔

آیت نمبر ۴۲: مکر مخفی چال کو بھی کہتے ہیں۔ حق کو مٹانے کے لئے پہلے لوگوں نے بھی مخفی چالیں چلیں اور مشرکینِ مکّہ بھی ایسا ہی کر رہے ہیں۔ اللہ ﷻ ہر شخص کے ہر کام سے خوب واقف ہے لہٰذا اس کے سامنے کسی کی چال کامیاب نہیں ہو سکتی۔ ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا۔ عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ اچھا انجام کس فریق کے حق میں ہو گا۔

علمی بات: آپ ﷺ کی قوم سے پہلی قومیں بھی دینِ حق کی دعوت کو روکنے اور اس کے آگے بند باندھنے کی سر توڑ کوششیں کرتی رہی ہیں۔ مگر بالآخر وہی کچھ ہوا جو اللہ ﷻ کو منظور تھا۔ اللہ ﷻ کی تقدیر کے سامنے ان کی تدبیریں کچھ بھی کام نہ آسکیں۔ منکرینِ حق کو جلد ہی پتہ چل جائے گا کہ انجام بخیر کس فریق کے حق میں ہوتا ہے۔ جو تدبیریں یہ لوگ اسلام کو ختم کرنے کے سلسلہ میں کر رہے ہیں وہ سب اللہ ﷻ کے علم میں ہیں اور ان کا توڑ وہ خوب جانتا ہے۔ اللہ ﷻ ہر ایک کے ہر عمل سے باخبر ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ کافروں کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ کس کا انجام اچھا ہوا۔

آیت نمبر ۴۳: کفار رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا انکار کر رہے تھے۔ تاہم آپ ﷺ کی رسالت کی صداقت مشرکینِ مکّہ کی گواہی کی محتاج نہیں۔ آنحضرت ﷺ کی نبوّت کی دونوں دلیلیں یعنی عقلی اور نقلی موجود ہیں، عقلی تو یہ کہ آنحضرت ﷺ کو معجزات اور قرآنِ حکیم اللہ ﷻ نے عطا فرمایا جو دلیل نبوّت ہے اور نقلی یہ کہ پہلی آسمانی کتابوں میں آپ ﷺ کی نبوّت کی خبریں اور پیشین گوئیاں موجود ہیں جو کہ انصاف اور حق پسند علمائے اہل کتاب سے پوچھی جا سکتی ہیں پس عقلی و نقلی دلائل کے ہوتے ہوئے آپ ﷺ کی نبوت سے انکار بجز شقاوت کے اور کیا ہے۔

علمی بات: آپ ﷺ کی رسالت پر اللہ ﷻ کی گواہی کافی ہے۔ اہلِ کتاب کے سلیم الفطرت لوگ بھی آپ ﷺ کی رسالت کے گواہ ہیں۔ اہلِ کتاب کی کتابوں میں آپ ﷺ کے متعلق بشارتیں موجود ہیں۔ جیسا کہ مشرکین عرب یہود و نصاریٰ سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھا کرتے تھے، اسی لئے یہاں ان کا بھی حوالہ دیا گیا ہے کہ وہ بھی اپنی کتابوں کے ذریعہ جانتے ہیں کہ سیّدنا محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ ﷻ کے رسول ہیں۔ چنانچہ عبد اللہ بن سلام، سلمان فارسی اور تمیم داری رضی اللہ عنہم نے اسلام لانے کے بعد اس کی شہادت دی کہ تورات و انجیل میں رسول اللہ ﷺ کے خاتمُ النّبییّن ہونے کی صراحت موجود ہے۔

مشقوں کے جوابات

سوال ۱: خالی جگہیں پُر کریں:

(۱) آیت:۵ میں ذکر کیا گیا ہے کہ آخرت کا انکار کرنے والوں کی گردنوں میں طوق ہوں گے۔

(۲) آیت:۱۱ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ ﷻ کسی قوم سے اپنی نعمت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اس کی ناشکری نہیں کرتے۔

(۳) آیت:۲۸ میں بتایا گیا ہے کہ دلوں کو اطمینان اللہ ﷻ کے ذکر سے حاصل ہوتا ہے۔

(۴) آیت:۳۶میں ذکر ہے کہ اہلِ کتاب میں سے نیک لوگوں کا قرآنِ حکیم کے بارے میں یہ طرزِ عمل ہوتا ہے کہ وہ قرآن حکیم کے نزول پر خوش ہوتے ہیں۔

(۵) آیت:۴۲میں ذکر ہے کہ اللہ ﷻ ہر جان کے عمل کو جانتا ہے۔

سوال ۲: مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجیے:

۱- پہلے رکوع میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے اللہ ﷻ کی قدرت کے کیا مظاہر بیان کیئے گئے ہیں؟

اللہ ﷻ وہ ذات ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند فرمایا اور سورج اور چاند کو تابع فرمایا کہ ہر ایک وقت مقرر تک چل رہا ہے۔ اللہ ﷻ ہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اس میں پہاڑ اور نہریں بنائیں اور تمام پھلوں میں دو قسم کے جوڑے بنائے۔ وہ دن کو رات سے ڈھانپ دیتا ہے یقیناً اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں بنائیں۔

۲- دوسرے رکوع میں بتوں کو معبود سمجھ کر پکارنے والوں کی کیا مثال بیان کی گئی ہے؟

اور جو لوگ اللہ ﷻ کے علاوہ دوسروں کو معبود سمجھ کر پکارتے ہیں وہ اُنہیں کچھ بھی جواب نہیں دے سکتے۔ اُنہیں پکارنے کی مثال تو ایسے ہے جیسے کوئی شخص پانی کی طرف اپنے ہاتھ پھیلائے تا کہ پانی اُس کے منہ تک پہنچ جائے حالانکہ وہ اُس کے منہ تک پہنچنے والا نہیں۔

۳- دوسرے رکوع میں حق اور باطل کے حوالہ سے کون سی دو مثالیں بیان کی گئی ہیں؟

حق اور باطل کے حوالہ سے سوالیہ انداز میں دو مثالیں بیان کی گئی ہیں۔

i- کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہو سکتا ہے؟ ii- کیا اندھیرے اور روشنی برابر ہو سکتے ہیں؟

۴- تیسرے رکوع کی روشنی میں اہلِ حق کی صفات اور ان کا انجام بیان کریں۔

وہ لوگ اللہ ﷻ کے عہد کو پورا کرتے ہیں، ان (رشتوں) کو جوڑتے ہیں جس کے متعلق اللہ ﷻ نے حکم فرمایا ہے کہ اُسے جوڑا جائے، اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور بڑے حساب کا خوف رکھتے ہیں اور اپنے رب کی رضا حاصل کرنے کے لئے صبر کرتے ہیں اور جو اللہ ﷻ نے اُنہیں عطا فرمایا ہے اسی میں سے پوشیدہ اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں اور وہ بُرائی کو بھلائی سے دور کرتے ہیں ان کا انجام آخرت میں یقینی جنّت ہے۔

۵- پانچویں رکوع کی روشنی میں جنّت کی صفات کو بیان کریں۔

جنّت ایسی ہے کہ اس کے نیچے نہریں بہتی ہیں اس کا پھل ہمیشہ رہنے والا ہے اور اس کا سایہ بھی ہمیشہ رہنے والا ہے۔

سُورَةُ اِبْرَاهِيم

مقاصدِ مطالعہ: اس سورت کے مطالعہ کے بعد طلبہ کو مندرجہ ذیل مضامین سے آگاہی حاصل ہونی چاہیے:

1. آیت: ۱ — قرآن کریم کی عظمت و شان کا بیان، حکمتِ نزول کا ذکر، نبی اعظم و آخر الزماں ﷺ کا لوگوں کو ظلمتِ کفر سے نکال کر نورِ ایمان کی طرف لے جانے کا بیان۔
2. آیات: ۲ تا ۳ — کافروں کے لئے وعید اور حقیقی کافروں کی پہچان کا بیان، کفار کی دنیا سے غیر معمولی محبت اور حق سے دوری اور لوگوں کو راہ حق سے روکنے کا ذکر۔
3. آیات: ۴ تا ۸ — تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنی قوم کی زبان بولنے والا بنا کر بھیجے جانے کا بیان، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا تذکرہ اور تورات نازل کرنے کی غرض و غایت، بنی اسرائیل کو انعامات کی یاد دہانی اور آزمائش، ایام اللہ کی یاد قائم رکھنے کا حکم، شکر گزاروں کے لئے مزید عطا اور ناشکروں کے لئے شدید عذاب کا بیان۔
4. آیات: ۹ تا ۱۵ — مختلف قوموں کا اپنے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ناروا سلوک پر رب ذوالجلال کی طرف سے سخت تنبیہ، بشریت انبیاءِ کرام علیہم السلام کا تذکرہ، پیغام حق کے بارے میں منکرین کا شک و شبہ اور انبیاء علیہم السلام کا ان کو جواب، عاجز و لاجواب ہونے والے کافروں کا انبیاءِ کرام علیہم السلام کو ملک بدر کرنے کی دھمکی دینے کا ذکر، کافروں کے ایمان کے مسلسل انکار سے مایوس ہو کر انبیاء علیہم السلام کا ان کے لئے عذاب کی دعا، انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات کے ذکر سے تاجدارِ رسالت ﷺ کو تسلی دینے کا بیان۔
5. آیات: ۱۶ تا ۲۱ — جہنم کی کیفیات، کافروں کے اعمال کی مثال، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا ذکر، قیامت کے روز کافروں کی باہم گفتگو کا بیان۔
6. آیات: ۲۲ تا ۲۷ — شیطان کا اپنے پیروکاروں کو حوصلہ شکن جواب دینا، انہیں اپنی ملامت کرنے کو کہنا، کلمہ ایمان و کلمہ خبیثہ کی مثالوں کا بیان۔
7. آیات: ۲۸ تا ۳۴ — اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ناشکری کرنے والوں کا انجام، کفار و مشرکین کی سخت مذمت اور مومنین و صالحین کی تعریف و توصیف، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی دس صفاتِ عالیہ کا ذکر۔
8. آیات: ۳۵ تا ۴۱ — بارگاہِ الٰہی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے مکہ مکرمہ، اپنی اولاد، اپنے والدین اور سب اہل ایمان کے لئے مغفرت اور خیر و برکت کی مختلف ایمان افروز دعاؤں کا ذکر، اولادِ ابراہیمی میں سے ہر دور میں سچے اور پکے مسلمانوں کے موجود رہنے کا تذکرہ۔
9. آیات: ۴۲ تا ۴۷ — مہلت اور ڈھیل کی وجہ سے کافروں کا دنیا میں پھلنا پھولنا، قیام قیامت کے ہولناک منظر کا بیان، قیامت کے روز کفار کی حالت زار کی تصویر کشی، توحید باری تعالیٰ کا ذکر، روز قیامت نافرمانوں پر ہونے والے عذاب سے عبرت۔
10. آیات: ۴۸ تا ۵۲ — قیامت قائم ہونے کے دن زمین و آسمان کے تبدیل ہونے کا ذکر، قرآن کریم کے نزول کے مقاصد کا بیان۔

آیت نمبر ا: نزول قرآنِ حکیم کا مقصد اور نبی کریم ﷺ کی مبارک محنت کا ذکر ہے۔ آیاتِ قرآنی کے ذریعہ لوگ کفر و شرک کے اندھیروں سے ہدایت کی روشنی کی طرف آتے ہیں۔

علمی بات: ا۔"الٓرٰ"حروف مقطعات میں سے ہے۔ حروف مقطعات کی کل تعداد ۱۴ چودہ ہے۔ حروفِ مقطعات قرآنِ حکیم کی انیتس (۲۹) سورتوں میں آئے ہیں۔ حروف مقطعات کا علم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے پاس ہے اور یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان ایک راز ہے۔

۲۔ کسی ایک آیت میں استعمال ہونے والے حروف مقطعات کی زیادہ سے زیادہ تعداد پانچ ہے جیسا کہ سورۃ مریم کے آغاز میں ہے، مثلاً کٓھٰیٰعٓصٓ اور کم سے کم تعداد ایک ہے۔ مثلاً صٓ (سورۃ صٓ)، قٓ (سورۃ قٓ)، نٓ (سورۃ القلم) وغیرہ۔ نیز قرآنِ حکیم میں حروفِ تہجی میں سے چودہ (۱۴) حروف "حروفِ مقطعات" میں استعمال ہوئے ہیں جو یہ ہیں: (ا، ح، ر، س، ص، ط، ع، ق، ک، ل، م، ن، ھ، ی) یہ کُل چودہ حروف ہیں۔

۳۔ روشنی یا نور کے مقابلے میں "ظُلْم" "تاریکی کا لفظ واحد استعمال نہیں کیا بلکہ اس کی جمع" ظُلُمٰتِ "تاریکیاں استعمال کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ صراطِ مستقیم صرف ایک ہی ہے اور اسی صراطِ مستقیم کو روشنی سے تعبیر فرمایا گیا جب کہ ٹیڑھی یا باطل راہیں لاتعداد ہیں اور یہ سب گمراہی کے راستے ہیں اس لئے ان سب راستوں کو تاریکیوں سے تعبیر کیا گیا۔ گویا اس کتاب قرآنِ حکیم کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو باطل کی تمام راہوں سے ہٹا کر صراطِ مستقیم پر لایا جائے اور یہ کام تب ہی ہو سکتا ہے جب لوگوں کے پروردگار کو بھی انہیں راہِ راست پر لانا منظور ہو۔ اس منظوری کا قانون یہ ہے کہ جو ہدایت کا طالب ہو اسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ یقیناً ہدایت کی توفیق دیتا ہے اور یہی اس کی منظوری اور اذن ہے لیکن جو لوگ ہٹ دھرمی کی راہ اختیار کریں انہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہدایت کی توفیق نہیں بخشتا۔

آیت نمبر ۲: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کائنات کی تمام چیزوں کا مالک ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ "ویل" سے مراد شدید عذاب اور ہلاکت ہے نیز جامع ترمذی کی روایت کے مطابق ویل دوزخ کی ایک وادی کا نام بھی ہے۔ یہ عذاب دنیوی بھی ہو سکتا ہے اور اُخروی بھی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کتاب کا انکار کرنے والوں کے لئے ہلاکت و بربادی کی وعید ہے۔

عملی پہلو: قرآنِ حکیم اس لئے نازل کیا گیا ہے کہ سب انسانوں کو اندھیروں سے نکال کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے راستہ کی روشنی میں لے آئے مگر جو بدنصیب قرآنِ حکیم ہی کے منکر ہو جائیں تو وہ اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو عذاب میں ڈال رہے ہیں۔ جو لوگ قرآنِ حکیم کے کلام الٰہی ہونے کے منکر ہیں وہ تو اس وعید کی مراد ہیں ہی مگر جو اعتقاداً منکر نہیں مگر عملاً قرآنِ حکیم کو چھوڑے ہوئے ہیں نہ تلاوت سے کوئی واسطہ ہے نہ اس کے سمجھنے اور عمل کرنے سے کوئی سروکار ہے انہیں بھی اپنی فکر کرتے ہوئے اصلاح کرنی چاہئے اور قرآنِ حکیم سے تعلق مظبوط کرنا چاہیے۔

آیت نمبر ۳: بُری خصلتوں کا ذکر کیا گیا ہے: ا۔ وہ دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔ ۲۔ وہ دوسروں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی راہ پر آنے سے روکتے ہیں۔

۳۔ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکامات پر اعتراض، ان میں ٹیڑھ اور کجی تلاش کرتے ہیں۔ ایسے کافروں کو تباہ کن عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

علمی بات: دین دشمن کفار اسلام میں کوئی نہ کوئی عیب تلاش کرتے رہتے ہیں تاکہ انہیں اعتراض کا موقع ملے یا وہ اس فکر میں لگے رہتے ہیں کہ قرآن وسنت میں کوئی بات ان کے خیالات اور خواہشات کے مطابق مل جائے تو اس کو اپنے باطل نظریات کی تائید میں پیش کریں۔

عملی پہلو: یہ آیت ہم سب کو دعوت دیتی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے گریبان میں جھانکے اور اپنی ترجیحات کا تجزیہ کرے کہ اس کی زندگی کے اوقاتِ کار کی تقسیم کیا ہے؟ اس کی بہترین صلاحیتیں کہاں خرچ ہو رہی ہیں؟ اس نے اپنی زندگی کا نصب العین کیا متعین کر رکھا ہے؟ پھر اپنی شبانہ روز

مصروفیات میں سے دنیا اور آخرت کے حصّے الگ الگ کر کے دیکھے کہ دنیوی زندگی (مَتاعُ الغُرُوْر) کو سمیٹنے کی اس بھاگ دوڑ میں سے ازلی اور حقیقی زندگی (خَيْرٌوَّ اَبْقٰی) کے لئے اس کے دامن میں کیا کچھ بچتا ہے؟

آیت نمبر ۴: اس آیت میں لوگوں پر اللہ ﷻ کے احسان کا ذکر ہے۔ اللہ ﷻ کا ہر قوم پر یہ احسان ہے کہ اس نے ان میں ایسے رسول کو بھیجا جو ان کی زبان میں کلام فرماتے تاکہ قوم آسانی سے رسول کی بات سمجھ سکے اور اللہ ﷻ کے پیغام کو جان کر اس قوم کے لئے شریعت کے احکام اور مسائل کو سمجھنا آسان ہو جائے۔ اللہ ﷻ زبردست اور حکیم ہے۔ اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ ہدایت کے طالب کو ہدایت دی جائے۔ گمراہ صرف اسے کیا جاتا ہے جو خود گمراہی کی راہ اختیار کرے۔

علمی بات: قرآنِ حکیم عربی زبان میں کیوں ہے؟ ۱۔ جب رسول کریم ﷺ کی بعثت اور دعوت تمام اقوام دنیا کے لئے عام ہوئی جن میں سینکڑوں زبانیں رائج ہیں تو ان سب کی ہدایت کے لئے دو ہی صورتیں ممکن تھیں ایک یہ کہ قرآنِ حکیم ہر قوم کی زبان میں جدا جدا نازل ہوتا اور اللہ ﷻ کی قدرتِ کاملہ کے سامنے اس کا انتظام کوئی دشوار نہ تھا لیکن تمام اقوام عالم کے لئے ایک رسول ایک کتاب اور ایک شریعت بھیجنے کا جو ایک عظیم مقصد تھا وہ کسی صورت حاصل نہ ہوتا کہ تمام اقوامِ عالم میں ہزاروں طرح کے اختلافات کے باوجود دینی، اخلاقی، معاشرتی وحدت اور یک جہتی پیدا کی جائے۔

جب ہر قوم ہر ملک کا قرآنِ حکیم الگ زبان میں ہوتا تو اس میں تحریفِ قرآن کے بے شمار راستے کھل جاتے اور قرآنِ حکیم کے کلام کا محفوظ ہونا جو اس کی ایسی امتیازی خصوصیت ہے کہ اغیار اور منکرینِ قرآن بھی اس کو تسلیم کئے بغیر نہ رہ سکے، یہ معجزانہ خصوصیت قائم نہ رہتی اور ایک ہی دین ایک ہی کتاب کے ہوتے ہوئے اس کے ماننے والوں کی راہیں اتنی مختلف ہو جاتیں کہ کوئی نقطۂ وحدت ہی باقی نہ رہتا۔

۳۔ حق تعالیٰ نے تمام دنیا کی زبانوں میں سے عربی زبان کا انتخاب فرمایا اور عربی زبان دنیا کی سب سے گہری اور وسیع زبان ہے۔ یہ دنیا کی وہ فصیح ترین زبان ہے جو اپنے اندر گہرائی اور گیرائی لیے ہوئے ہے، اس کے دامن میں ان تمام افکار و معانی کے لئے وسعت ہے جو انسانی دل و دماغ میں پائے جاسکتے ہیں۔ اسی لئے قرآنِ حکیم عربی زبان میں نازل ہوا، اور دوسری قوموں تک قرآنِ حکیم کا پیغام بذریعہ ترجمہ پہنچا، ان قوموں نے اسلام لانے کے بعد حفظِ قرآن اور فہمِ قرآن کے لئے خوب محنت کی، تراجم تیار کئے، تفسیریں لکھیں، عربی زبان میں دسترس حاصل کی اور قرآن و سنت کو ان کی اصل زبان میں سمجھا اور اسلام کی دعوت کو اسی طرح سمجھا جس طرح عرب مسلمانوں نے سمجھا۔

۴۔ چونکہ قرآنِ حکیم بطورِ معجزہ عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور اللہ ﷻ نے اس کی حفاظت کی ضمانت لی ہے، اسی لئے ابتدائے اسلام سے لے کر اب تک دنیا کی کوئی طاقت اس میں ایک نقطہ کی بھی تبدیلی نہیں کر سکی اور نہ کر سکے گی اور اس کی دعوت عربی اور غیر عربی زبانوں میں عام ہوتی رہے گی یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔

آیت نمبر ۵: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ قوم کو گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنی کی طرف لائیں۔ مزید بر آں اللہ ﷻ کے ایام کے حوالے سے قوم کو نصیحت کریں۔ اللہ ﷻ کے ایام سے مراد وہ تاریخی واقعات کے دن ہیں جن میں اللہ ﷻ نے بعض قوموں پر انعامات فرمائے اور بعض کو عذاب دیا۔ ان واقعات میں ہر صبر اور شکر کرنے والے کے لئے نشانیاں موجود ہیں۔

علمی و عملی بات: عربی میں نعمتوں کو بھی ایام کہا جاتا ہے اور گزشتہ واقعات کو بھی۔ یہاں دونوں معنی مراد لئے جاسکتے ہیں۔ اللہ ﷻ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنی قوم کو وہ نعمتیں یاد دلائیں جو ہم نے ان پر فرمائیں۔ کس طرح انہیں فرعون کے ظلم و استبداد سے رہائی دی، کس طرح دریا سے انہیں سلامتی سے گزارا اور کس طرح ان کی آنکھوں کے سامنے فرعون کو غرق کیا یا انہیں گزری ہوئی قوموں کے واقعات و حالات سنائیں تاکہ یہ نصیحت قبول کریں۔ ان واقعات میں ہر اس شخص کو جو صبر اور شکر کی صفات سے متصف ہے اللہ ﷻ کی قدرت کی نشانیاں نظر آئیں گی۔

عملی پہلو: (صَبَّارٍ شَكُوْرٍ) سے مراد وہ مومنین ہیں جو مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں اور نعمتوں پر شکر ادا کرتے ہیں۔ جب گزشتہ قوموں کی بربادی یا ان پر اللہ ﷿ کی نعمتوں کی بارش کے واقعات سنتے ہیں تو فوراً چوکنا ہوتے ہیں، اپنا محاسبہ کرتے ہیں اور صبر و شکر کی زندگی اختیار کرتے ہیں۔

آیت نمبر ۶: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو اللہ ﷿ نے اپنے انعامات و احسانات کی یاد دہانی کرائی ہے۔ اللہ ﷿ نے ان لوگوں کو آلِ فرعون کے ظلم سے نجات دی جو ان کے بیٹوں کو قتل اور بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے۔ یہ ان کے لئے بڑی آزمائش تھی جن سے نجات دینا ان پر اللہ ﷿ کا بہت بڑا احسان تھا۔

علمی بات: نجومیوں نے فرعون کو بتایا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جو تیرے اقتدار کو ختم کر دے گا، چنانچہ اس نے حکم جاری کر دیا کہ بنی اسرائیل کے ہاں پیدا ہونے والے ہر بچہ کو قتل کر دیا جائے۔ والدین کے سامنے کمسن بیٹوں کو ذبح کرنا والدین کے لئے واقعی بہت بڑی آزمائش تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو یہ احسان یاد دلایا کہ اللہ ﷿ نے ان کو فرعون کے مظالم سے نجات دی لہٰذا ان پر اللہ ﷿ کا شکر لازم ہے۔

نوٹ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصّہ کی مکمل تفصیلات مطالعۂ قرآنِ حکیم حصّہ دوم اور اس کے رہنمائے اساتذہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

آیت نمبر ۷: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو مزید نصیحت کی گئی۔ قوم کو اللہ ﷿ کی نعمتوں کی قدر کرنے کی تلقین کی گئی۔ نعمتوں کی قدر اور شکر پر مزید نعمتوں کی نوید سنائی گئی۔ ناشکری پر نعمتوں سے محرومی اور سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

علمی بات: شکر سے مراد اللہ ﷿ کی نعمتوں کا اعتراف کرنا اور احسان مندی کا اظہار کرنا ہے۔ شکر کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ ﷿ کی ان نعمتوں کو اللہ ﷿ کی مرضی کے مطابق استعمال کیا جائے، نہ کہ ان کو اللہ ﷿ کی نافرمانی میں استعمال کیا جائے۔

آیت نمبر ۸: تمام انسان مل کر بھی اللہ ﷿ کی ناشکری کریں تو اللہ ﷿ کا کچھ نقصان نہ ہوگا۔ اللہ ﷿ سب سے بے نیاز ہے۔ کائنات کی ہر شے اُسی کی حمد کرتی ہے۔

علمی بات: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے یہ بھی فرمایا کہ اگر تم اور زمین میں رہنے والے سبھی لوگ اللہ ﷿ کے ناشکرے ہو جاؤ تو اس کا نقصان تمہیں ہی پہنچے گا، وہ تمہارے شکر کا محتاج نہیں ہے۔ تمہاری ناشکری سے اس کی ذات و صفات میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔

آیت نمبر ۹: گزشتہ اقوام میں سے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم، قومِ عاد اور قومِ ثمود کا ذکر ہے جن کی طرف اللہ ﷿ نے واضح نشانیوں کے ساتھ رسول علیہم السلام بھیجے۔ ان قوموں نے دعوتِ توحید اور رسالت کے حوالے سے شکوک و شبہات کا اظہار کیا۔ ان تینوں اقوام کے بعد آنے والی اقوام نے بھی حق کا انکار کیا جنہیں اللہ ﷿ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

علمی بات: گزشتہ قوموں کے حالات سے عبرت حاصل کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔ یہاں تمام رسولوں کو ایک جماعت بیان فرما کر ان کا ذکر اکٹھا کیا جا رہا ہے کیونکہ سب نے اپنی اپنی قوم کو ایک ہی جیسی دعوت دی اور اس دعوت کے جواب میں سب رسولوں کی قوموں کا ردِّ عمل بھی تقریباً ایک جیسا تھا۔ ان سب اقوام نے اپنے رسولوں کی دعوت کو رد کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں تو ان باتوں کے متعلق بہت سے شکوک و شبہات لاحق ہیں جن کی وجہ سے ہم سخت الجھن میں پڑ گئے ہیں۔

آیت نمبر ۱۰: قوموں کے انکار پر رسولوں کے اظہارِ تعجب کا ذکر ہے۔ لوگوں کو دعوتِ توحید دی گئی کہ اللہ ﷿ ہی پوری کائنات کا پیدا فرمانے والا ہے۔ اللہ ﷿ پکارتا ہے کہ لوگ اس کی طرف پلٹیں تا کہ وہ ان کے گناہ معاف فرما دے۔ دعوتِ توحید کو ماننے کے بجائے قوموں نے اعتراضات شروع کر دیئے کہ رسول اُن جیسے بشر ہیں، رسول انہیں ان کے باپ دادا کے عقائد سے دور کرنا چاہتے ہیں۔ رسول ان کی مرضی کے مطابق کوئی معجزہ پیش کریں تا کہ انہیں رسول کی نبوّت کا یقین ہو جائے۔

علمی بات: ا۔ رسولوں نے اپنی اپنی قوم سے فرمایا کیا تمہیں اللہ ﷻ کے متعلق شک ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ گویا انہوں نے یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ انسان کی فطرت اور عقل اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ چھوٹی سی صنعت بھی بغیر صانع کے وجود میں نہیں آتی تو اتنی بڑی کائنات بغیر کسی بنانے والے کے کیسے وجود میں آسکتی ہے؟

۲۔ مشرکینِ مکہ اللہ ﷻ کو خالق ارض وسما مانتے تھے، ان کا شرک یہ تھا کہ وہ بُتوں کو اللہ ﷻ کا شریک قرار دیتے تھے وہ اس اعتقاد سے بُتوں کی عبادت بھی کرتے تھے کہ وہ اللہ ﷻ کی بارگاہ میں ان کی شفاعت کریں گے۔ یہ تمام باتیں ان کے بڑوں اور ان کے آباء واجداد کو شیطان نے سمجھائی تھیں اور وہ نسل در نسل اس عقیدہ میں پختہ اور راسخ ہوچکے تھے۔ یہ شرک ان کے دل و دماغ کی گہرائیوں میں پیوست ہوچکا تھا۔ اللہ ﷻ تسلسل سے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیجتا رہا تاکہ وہ لوگوں کو وحدانیت کی طرف بلائیں اور شرک سے باز رکھیں۔

آیت نمبر ۱۱: رسولوں کی طرف سے قوموں کے اعتراضات اور بے جا مطالبات کا یہ جواب دیا گیا کہ بلاشبہ وہ انسان ہیں مگر اللہ ﷻ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان فرما کر نبوت کے لئے چن لیتا ہے۔ معجزہ کا ظاہر کرنا ان کے اختیار میں نہیں، یہ صرف اللہ ﷻ ہی کے اختیار میں ہے۔ وہ اللہ ﷻ ہی پر مکمل توکل کرتے ہیں۔

علمی بات: مومنوں کو صرف اللہ ﷻ پر بھروسہ کرنا چاہیئے اور انہیں قوموں کی جانب سے جو بھی رنج والم اس دعوتِ حق کی راہ میں پہنچ رہا ہے اس پر صبر کرنے کے لئے اللہ ﷻ پر بھروسہ کرنا اور اسی سے مدد مانگنی چاہیئے۔

آیت نمبر ۱۲: قوموں کا ایذا پہنچانے پر رسولوں کے صبر واستقامت اختیار کرنے کا ذکر ہے۔ رسولوں کا بھروسہ اللہ ﷻ ہی کی ذات پر ہے کیونکہ اُسی نے ان کے لئے ہدایت کے راستے واضح فرمائے ہیں۔ اللہ ﷻ ہی انہیں قوم کی سازشوں سے بچانے والا ہے۔

علمی بات: رسولوں نے فرمایا کہ اللہ ﷻ پر بھروسہ نہ کرنے کے لئے ہمارے پاس کیا عذر باقی رہ گیا ہے، جب کہ اس نے ہم میں سے ہر ایک کو راہِ راست عطا فرمائی ہے چونکہ کافروں کی اذیتوں سے پائے استقلال میں لغزش آنے کا خطرہ رہتا، اس لئے اپنی قوت ارادی اور عزم صمیم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اے لوگو! ہم دعوت کی راہ میں تمہاری اذیتوں پر صبر کریں گے۔

عملی پہلو: حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنے پیروکاروں کو یہ تلقین کی کہ وہ اللہ ﷻ پر ہی بھروسہ کریں۔ اللہ ﷻ کے راستہ پر چلنے میں کفار کی طرف سے جو سختیاں جھیلنی پڑیں اور جن مصائب کا سامنا ہو ان کو حوصلہ سے برداشت کریں اور اللہ ﷻ پر توکل کرنے کو کسی حال میں نہ چھوڑیں۔

آیت نمبر ۱۳: رسولوں کی دعوتِ حق پر کفار کے ردِ عمل کا بیان ہے۔ انہوں نے رسولوں سے کہا کہ وہ اِن کا دین قبول کرلیں یا پھر انہیں جلاوطن کردیا جائے گا (معاذ اللہ)۔ اللہ ﷻ کی طرف سے رسولوں کو ظالموں کے ہلاک ہونے کی بشارت دی گئی ہے۔

علمی بات: ا۔ اس سے پہلے اللہ ﷻ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے کفار کی اذیتوں کے مقابلہ میں اللہ ﷻ پر توکل کرنے کو کافی قرار دیا تھا اور یہ کہا تھا کہ ہمیں اللہ ﷻ کی حفاظت پر اعتماد ہے جب انبیاء کرام علیہم السلام نے یہ فرمایا تو کافروں نے اور زیادہ جہالت اور خباثت کا مظاہرہ کیا اور کہا ہم تم کو ضرور اپنے ملک سے نکال دیں گے سوائے اس کے کہ تم ہمارے دین میں داخل ہوجاؤ۔

۲۔ اگر کوئی شخص ظالم سے اپنا بدلہ نہ لے اور اس کے ظلم پر صبر کرے تو اللہ ﷻ اس کی طرف سے بدلہ لیتا ہے۔ اللہ ﷻ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کے صبر کی جزا دینے کے لئے نوید سنائی۔

آیت نمبر ۱۴: اللہ ﷻ کی طرف سے بشارت دی گئی کہ ظالموں کو ہلاک کرکے ان کی جگہ اہل ایمان کو آباد کیا جائے گا۔ یہ وعدہ ہر اس شخص کے لئے ہے جو اعمال کا محاسبہ ہونے سے اور عذاب کی وعید سے خوف کھائے۔

علمی بات: کفار اہلِ ایمان کو کیا نکالیں گے اللہ ﷻ ہی ان ظالموں کو تباہ کر کے ہمیشہ کے لئے یہاں سے نکال دے گا کہ پھر کبھی واپس نہ آسکیں گے اور ان کی جگہ اہلِ ایمان اور ان کے مخلص وفاداروں کو زمین میں آباد کرے گا۔ کفارِ مکّہ نے نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے مکہ سے نکالنا چاہا تھا لیکن آپ ﷺ کا وہ نکلنا ہی آخر وہاں اسلام اور مسلمانوں کا دائمی غلبہ و قیام کا سبب بنا اور کفر و شرک کا نشان باقی نہ رہا۔

آیت نمبر ۱۵: کفار کی طرف سے عذاب کی دھمکی پر عذاب نازل کرنے کے مطالبے کا بیان ہے۔ رسولوں کی طرف سے فتح و نصرت کی دُعا یا عذاب آجانے کی صورت میں رسولوں کی مدد فرمائی گئی اور قوموں کا ہر منکر اور ضدی شخص ہلاک و برباد ہوا۔

علمی بات: اس بات کے کہنے والے ظالم مشرک بھی ہو سکتے ہیں کہ انھوں نے بالآخر اللہ ﷻ سے فیصلہ طلب کیا، کہ اگر یہ رسول سچے ہیں تو ہمیں اپنے عذاب کے ذریعے سے ہلاک کر دے، جیسا کہ غزوۂ بدر کے موقع پر مشرکینِ مکہ نے اسی قسم کی آرزو کی تھی، یا اس کے کہنے والے رسول بھی ہو سکتے ہیں کہ انھوں نے اللہ ﷻ سے دُعائیں کیں کہ اے اللہ! ہمیں ہمارے دشمنوں پر غلبہ نصیب فرما، یا ہمارے اور ان کے درمیان آخری فیصلہ کر دے۔ تو اللہ ﷻ نے ان کی مدد فرمائی اور انہیں ان کے دشمنوں پر غلبہ دے دیا اور سرکش و نافرمانوں کو منہ کی کھانی پڑی۔

آیت نمبر ۱۶: دنیاوی عذاب کے علاوہ آخرت میں منکرین کے لئے سخت سزا ہے۔ جہنّم میں پانی کی فریاد پر پیپ اور خون ملا پانی پینے کو دیا جائے گا جسے پیتے وقت ان کی جان شدید مصیبت میں رہے گی۔

علمی و عملی پہلو: عذاب کے اس تصوّر ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اگر انسان غور کرے تو اس کے دل میں رقّت و خوف پیدا ہو جائے گا اور جہنّم کے عذاب سے بچنے کی فکر دامن گیر ہو گی۔ موقع کلام کے لحاظ سے یہ وعید ان لوگوں کو سنائی گئی جو رسول ﷺ کی مخالفت میں پیش پیش تھے اور ان کی پیروی کرنے والوں پر شدید مظالم ڈھا رہے تھے۔ گویا ان سے کہا گیا کہ وہ جیسی چاہیں سرکشی اور ظلم کی مثالیں قائم کریں، لیکن آگے اُن کے لئے طرح طرح کے عذاب تیار ہیں۔

آیت نمبر ۱۷: نافرمان کی سخت سزا اور تکلیف کا بیان ہے۔ دنیا کے عذاب کے بعد آخرت کے عذاب کی ایک جھلک دکھائی جا رہی ہے کہ منکر کو جہنّم میں بدبودار پیپ والا پانی پلایا جائے گا، وہ پیاس کی شدّت کی وجہ سے اُسے پینے پر مجبور ہو گا۔ وہ اُسے حلق سے نیچے نہیں اتار سکے گا لہٰذا وہ اسے گھونٹ گھونٹ کر کے نگلنے کی کوشش کرے گا اور اسے ہر طرف سے مہلک مصائب آگھیریں گے حتیٰ کہ وہ اس جینے پر مرنے کو ترجیح دے گا مگر اسے موت نہیں آئے گی جو اسے اذیتوں سے نجات دلا سکے بلکہ اس پر عذاب کو مزید سخت سے سخت تر کیا جائے گا۔ (معاذ اللہ)

آیت نمبر ۱۸: کفار کا انجام بیان کرنے کے بعد ان کے اعمال کا بیان ہے۔ ان کی نیکیوں کو راکھ کے ڈھیر کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔ روزِ قیامت تیز ہوا چلے گی اور راکھ کے ڈھیر کو بکھیر کر رکھ دے گی۔ دنیا میں ان کے کیے گئے اچھے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ بلاشبہ اس طرح کے اعمال بہت دور کی گمراہی کا مظہر ہیں۔

علمی بات: کافر لوگ دنیا میں کچھ اچھے کام بھی کرتے ہیں مثلاً غریبوں کی امداد وغیرہ۔ اللہ ﷻ کی سنّت یہ ہے کہ ان کے ایسے اچھے کاموں کا بدلہ انہیں دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے۔ آخرت میں ان کو کوئی ثواب نہیں ملتا کیونکہ وہاں ثواب ملنے کے لئے ایمان شرط ہے۔ لہٰذا آخرت میں وہ اعمال ان کے کچھ کام نہیں آئیں گے۔ اس کی مثال یہ دی گئی ہے کہ جس طرح راکھ کو آندھی اڑا لے جائے تو اس کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ اسی طرح کافروں کے اعمال کو ان کا کفر کالعدم کر دے گا اور ان اعمال کا کوئی فائدہ ان کو آخرت میں نہیں ملے گا۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ ﷻ مومن پر (اس کی) نیکی کے معاملہ میں ذرا سا بھی ظلم نہیں کرے گا۔ اس کو اس کی نیکی کا بدلہ دنیا میں بھی دیا جائے گا اور آخرت میں بھی دیا جائے گا۔ رہا کافر! اسے نیکیوں کے بدلے میں جو اس

نے دنیا میں اللہ کے لیے کی ہوتی ہیں، اسی دنیا میں کھلا (پلا) دیا جاتا ہے حتی کہ جب وہ آخرت میں پہنچتا ہے تو اس کے پاس کوئی نیکی باقی نہیں ہوتی جس کی اسے جزادی جائے "۔ (صحیح مسلم)

آیت نمبر ۱۹: کائنات کی تخلیق با مقصد ہے۔ چنانچہ انسان کو بھی با مقصد پیدا کیا گیا ہے۔ مقصدِ تخلیق سے اعراض کرنے والی قوموں کو مٹا دیا جاتا ہے۔ اللہ ﷻ ان کی جگہ دوسروں کو زمین میں آباد کر دینے پر قادر ہے۔

علمی بات: اس کائنات کی تخلیق ایک برحق مقصد کے لئے کی گئی ہے اور وہ مقصد یہی ہے کہ اللہ ﷻ کے فرماں برداروں کو انعام دیا جائے اور نافرمانوں اور ظالموں کو سزا ملے، اگر آخرت کی زندگی نہ ہوتی تو نیک اور بد سب برابر ہو جاتے۔ لہٰذا انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس دنیا کے بعد ایک دوسری زندگی ہو جس میں ہر انسان کو اس کے مناسب بدلہ دیا جاسکے۔

آیت نمبر ۲۰: کفارِ مکہ کو تنبیہ کی گئی ہے کہ نافرمانیوں سے باز آجاؤ۔ اللہ ﷻ تو قادر ہے کہ ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر ان کی جگہ دوسروں کو لے آئے۔ ایسا کرنا اللہ ﷻ کے لئے ذرا بھی مشکل نہیں ہے۔

علمی بات: شاید کفار کو یہ خیال گزرے کہ جب مٹی میں مل کر مٹی ہو گئے پھر دوبارہ زندگی کہاں؟ قیامت اور عذاب وثواب وغیرہ سب کہانیاں ہیں۔ ان کو بتلا دیا گیا کہ جس اللہ ﷻ نے آسمان وزمین اپنی کامل قدرت وحکمت سے پیدا کیئے اسے کفار کو از سرِ نو دوبارہ پیدا کرنا یا کسی دوسری مخلوق کو اُن کی جگہ لے آنا کیا مشکل ہے؟ اگر آسمان وزمین کے محکم نظام کو دیکھ کر یہ یقین ہوتا ہے کہ اس کا پیدا کرنے اور قائم رکھنے والا کس قدر حکیم ہے (جیسا کہ گزشتہ آیت میں لفظ "بالحق" میں تنبیہ فرمائی گئی) تو کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اس نے اشرف المخلوقات (انسان) کو بے فائدہ پیدا کیا ہوگا اور اس کی تخلیق وایجاد سے کوئی عظیم الشان مقصد نہ ہوگا۔ یقیناً اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی ہونی چاہیئے جس میں انسان کی پیدائش کا عظیم مقصد مکمل طریقہ سے آشکارا ہو۔

آیت نمبر ۲۱: میدانِ حشر میں متکبر وگمراہ قائدین اور ان کے متعلقین کے درمیان مکالمے کا ذکر ہے۔ چنانچہ ان گمراہ ومتکبر قائدین سے ان کے پیروکار اللہ ﷻ کے عذاب سے بچانے کی التجا کریں گے، مگر دنیا میں یہ قائدین تو خود گمراہ تھے لہٰذا ان کے پیروکار بھی خسارے میں رہیں گے۔ وہ سب برابر کے مجرم اور سزا کے مستحق ہوں گے۔ اللہ ﷻ کی گرفت سے چھٹکارا ممکن نہ ہوگا خواہ وہ بے قراری کا اظہار کریں یا صبر کریں۔

علمی بات: قیامت کے روز جب سب لوگوں کو قبروں سے نکال کر حساب وکتاب کے لئے اللہ ﷻ کے سامنے پیش کیا جائے گا تو کمزور اور کم درجے کے کافر ان لوگوں سے کہیں گے جو دنیا میں بڑے سمجھے جاتے تھے اور لوگوں کو پیغمبروں کی اتباع سے روکتے تھے کہ دنیا میں ہم تمہارے تابع تھے، تمہارے ہی کہنے پر ہم نے پیغمبروں کی تکذیب کی تھی اور ان کی بات نہیں مانی تھی تو کیا اب تم ہمارے لئے اللہ ﷻ کے عذاب میں کچھ کمی کرا سکتے ہو اور اس مصیبت کی گھڑی میں ہمارے کچھ کام آسکتے ہو؟ اس پر وہ سردار جواب دیں گے کہ اگر اللہ ﷻ ہمیں ایمان کی توفیق دیتا تو ہم تمہیں بھی سیدھے راستے پر لے چلتے، ہم تو خود گمراہ تھے۔ اس لئے ہم نے تمہیں بھی گمراہی کی طرف بلایا، مگر تم کیوں آنکھیں بند کر کے ہمارے کہنے پر چلتے رہے؟

عملی پہلو: ان لوگوں کو سختی سے تنبیہ کی جارہی ہے جو دنیا میں آنکھیں بند کر کے دوسروں کے پیچھے چلتے ہیں یا اپنی کمزوری کو حجت بنا کر طاقت ور ظالموں کی پیروی کرتے ہیں۔ ان کو بتایا جارہا ہے کہ آج جو تمہارے لیڈر، پیشوا اور حاکم بنے ہوئے ہیں کل ان میں سے کوئی بھی تمہیں اللہ ﷻ کے عذاب سے ذرہ برابر بھی نہ بچا سکے گا۔ لہٰذا آج تم جن کے پیچھے چل رہے ہو یا جن کا حکم مان رہے ہو وہ خود کہاں جارہے اور تمہیں کہاں پہنچا کر چھوڑیں گے۔ یہ بات اچھی طرح سوچ لو۔

آیت نمبر ۲۲: روزِ قیامت شیطان کا اپنے پیروکاروں سے بیزار ہونے کا ذکر ہے۔ چنانچہ وہ کہے گا کہ اللہ ﷻ کے وعدے سچے اور اس کے وعدے فریب تھے۔ لوگوں نے اس کی بے دلیل پکار کو مان لیا اور پیغمبروں کی دلائل سے بھرپور دعوت کو ٹھکرا دیا۔ اسے لوگوں پر کوئی اختیار حاصل نہیں تھا بلکہ خود اہل

دوزخ نے دنیاوی عیش و عشرت کے لئے اس کی پیروی کی تھی۔ اہلِ جہنّم خود اپنے آپ کو ملامت کریں، اُسے ملامت نہ کریں۔ اللہ ﷻ کی اطاعت کرنے کے بجائے اپنی پیروی کرنے والوں کا انکار کرے گا۔ اب نہ وہ انہیں عذاب سے بچا سکتا ہے نہ اہلِ دوزخ اسے اللہ ﷻ کے قہر سے بچا سکتے ہیں۔ بلاشبہ شیطان کی پیروی کرنے والوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

علمی بات: اہلِ دوزخ کی ایک بہت بڑی بے وقوفی کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔ شیطان مردود انہی لوگوں پر الزام لگائے گا اور اپنی صفائی پیش کرے گا کہ دنیا میں تو اس نے اپنے ماننے والوں کو خوب بہکایا اور راہِ حق سے ہٹا کر کفر و شرک کے دلدل میں پھنسایا لیکن قیامت کے دن اپنے ماننے والوں ہی کو الزام دے گا کہ تم نے اللہ ﷻ کے وعدوں پر بھروسہ نہ کیا، اس کے وعدے سچے تھے اور میرے وعدوں پر کان دھرا اور ان کو مانا حالانکہ میرے سارے وعدے جھوٹے اور فریب تھے۔ لہٰذا اب مجھے کچھ الزام نہ دو، میرا تم پر کوئی زور تو چلتا نہ تھا۔ میں نے اتنا ہی کیا کہ تمہیں کفر و شرک کی دعوت دی اور تم نے میری بات مان لی۔ اب مجھے ملامت مت کرو، اپنی جانوں کو ملامت کرو تم خود مجرم ہو۔ پیغمبروں کی دعوت کو چھوڑ کر جو معجزات اور دلائل پیش کرتے تھے تم نے میری باتوں پر کیوں کان دھرا، میں نے کوئی زبردستی ہاتھ پکڑ کے تو تم سے کفر و شرک کے کام نہیں کرائے۔ اب ہم یہاں ایک دوسرے کی مدد نہیں کر سکتے، اب تو عذاب چکھنا ہی ہے۔ تم نے دنیا میں جو مجھے اللہ ﷻ کا شریک بنایا تھا میں اس سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔

عملی پہلو: اللہ ﷻ کا کتنا بڑا فضل ہے کہ اس نے اسی دنیا میں بتا دیا کہ شیطان ملامت کرے گا۔ ہر شخص کو فکر کرنی چاہیئے کہ وہ کس راہ پر ہے۔ عذاب سے چھڑانے کے لئے نہ یہ گمراہ سردار کام آئیں گے نہ شیطان کام آئے گا۔ سب سے بڑا جھوٹا لیڈر یہی شیطان ہے۔ یہ سب ایک دوسرے سے بیزار ہو جائیں گے لہٰذا ہر شخص حق کی اتباع کرے جو اللہ ﷻ نے خاتم الانبیاء حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعے بھیجا ہے اور اپنی کتاب قرآنِ حکیم میں واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔

آیت نمبر ۲۳: شیطان کے مقابلہ میں اللہ ﷻ کے احکامات کی پیروی کرنے والے اہلِ ایمان کا انجام بیان کیا گیا ہے۔ وہ اللہ ﷻ کی آراستہ و پیراستہ جنّت میں داخل کئے جائیں گے جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ جنّت کی نعمتیں عارضی نہیں ہوں گی بلکہ ہمیشہ کے لئے ہوں گی۔ وہ وہاں ایک دوسرے کو سلامتی کے کلمات کا ہدیہ پیش کریں گے۔

علمی بات: جو ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ میں مشغول رہے ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ اپنے رب کے حکم سے ایسے باغوں میں داخل کئے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور صرف داخلہ ہی نہیں ہو گا بلکہ وہ ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ جب آپس میں ملاقات کریں گے تو ایک دوسرے کو سلامتی کی دُعائیں دیں گے آپس میں بھی ایک دوسرے کو سلام کریں گے اور فرشتے ان کے پاس آئیں گے تو وہ بھی سلام کہیں گے۔

آیت نمبر ۲۴: پاک کلمہ سے مراد کلمۂ توحید ہے۔ ہر نبی علیہ السلام نے اپنی دعوت کا آغاز اسی کلمہ سے کیا۔ کلمۂ توحید کی مثال پاکیزہ درخت سے دی گئی ہے۔ کلمۂ توحید کو دل سے ماننے والوں کے اعمال بھی بہت عمدہ، نفع بخش اور فائدہ مند ہوتے ہیں۔

علمی بات: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کلمۂ طیّبہ سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اور شجرہ طیّبہ سے مراد مومن ہے۔ بعض مفسرین نے کہا کہ شجرہ سے مراد کھجور کا درخت ہے اور آیت کا معنی یہ ہے کہ مومن کے قلب میں کلمہ کی جڑ ہے اور ایمان ہے، جس طرح کھجور کے درخت کی جڑیں زمین میں پیوست ہوتی ہیں اسی طرح ایمان مومن کے سینہ میں راسخ ہوتا ہے، اور جس طرح کھجور کی شاخیں اوپر کی جانب بلند ہوتی ہیں، اسی طرح مومن کے نیک اعمال کو فرشتے اوپر کی جانب لے جاتے ہیں اور اللہ ﷻ ان نیک اعمال پر جو ثواب عطا فرماتا ہے اس کو کھجور کے پھلوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ پھر جیسے کھجور کا پھل ہر وقت دستیاب ہوتا ہے، کبھی تازہ اور کبھی خشک چھواروں کی صورت میں، اسی طرح کامل مومن کا ہر عمل موجب ثواب

ہو تا ہے اس کا بولنا، اس کا خاموش رہنا، اس کا چلنا پھرنا، اس کا کھانا پینا اور عبادات میں تقویت و تر و تازگی حاصل کرنے کے لئے اس کا سونا غرض یہ کہ ہر وقت ہر عمل موجب ثواب ہو تا ہے۔

آیت نمبر ۲۵ پاکیزہ درخت عام درختوں کی طرح نہیں بلکہ اپنے رب کے حکم سے ہر موسم میں پھل دیتا ہے۔ سچے مومن کا کردار ہمیشہ عمدہ ہو تا ہے اور ہمیشہ نیک اعمال کا پھل دیتا ہے۔ ان مثالوں کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ ان سے نصیحت حاصل کریں۔

علمی بات: کلمہ ٔطیّبہ ایسا بار آور اور نتیجہ خیز کلمہ ہے کہ جو شخص یا قوم اسے بنیاد بنا کر اپنی زندگی کا نظام اسی پر استوار کرے، اس کو ہر آن اس کے مفید نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ کلمہ ٔطیّبہ فکر میں سلجھاؤ، طبیعت میں سلامتی، مزاج میں اعتدال، سیرت میں مضبوطی، اخلاق میں پاکیزگی، روح میں لطافت، جسم میں طہارت، برتاؤ میں خوشگواری، معاملات میں راست بازی، کلام میں صداقت، قول و قرار میں پختگی، معاشرت میں حسن سلوک، تہذیب میں فضیلت، تمدّن میں توازن، معیشت میں عدل، سیاست میں دیانت، جنگ میں شرافت، صلح میں خلوص اور عہد و پیمان میں وثوق پیدا کرتا ہے۔

عملی پہلو: جس کسی شخص نے بھلائی کے کام، نیکی کی دعوت یا دین کی سربلندی کے لئے کسی اجتماعی محنت یا تحریک کے لئے کسی کی بنیاد رکھی اُس نے اپنے لئے ایک بہت عمدہ پھلدار درخت لگا لیا۔ یہ درخت جب تک باقی رہے گا اپنے اثرات و ثمرات سے نہ معلوم کس کس کو فیض یاب کرے گا۔ مثلاً کسی نے بھلائی کی دعوت دی اور اس دعوت کو کچھ لوگوں نے قبول کیا پھر انہوں نے اس دعوت کو مزید آگے پھیلایا تو یوں اس نیکی کا حلقہ اثر وسیع سے وسیع تر ہو تا جائے گا اور نہ معلوم مستقبل میں ایسے نیک اثرات مزید کہاں کہاں تک پہنچیں گے۔

آیت نمبر۲۶: پاکیزہ کلمہ کے مقابلہ میں ناپاک کلمہ یعنی کفر و شرک کا بیان ہے۔ ناپاک کلمہ کی مثال ایسے درخت کی ہے جس کی جڑیں زمین کے اندر گہری نہیں بلکہ زمین کے اوپر ہی رہتی ہیں۔ اسے ذراسی کوشش سے اکھاڑ کر پھینکا جاسکتا ہے۔ یہ مثال ہر باطل نظریہ، باطل کام اور باطل نظام کے لئے ہے جسے کبھی پائداری حاصل نہیں ہوتی۔

علمی بات: ۱۔ کلمۂ خبیثہ کی مثال اس درخت کی ہے جس کی زمین میں نہ کوئی بنیاد ہوتی ہے اور نہ جڑ، اسی لئے وہ زمین کے اوپر ٹھہر نہیں پاتا۔ جیسے کوئی ایسا درخت جسے زمین سے اکھاڑ دیا گیا ہو تو اس میں کوئی خیر نہیں ہوتی اور وہ غیر مفید اور ناکارہ ہو تا ہے۔ بعینہ یہی مثال کفر و شرک کی ہے، کیونکہ یہ کلمۂ کفر انسان کی فطرت میں داخل نہیں ہوتا، اس میں قرار نہیں ہوتا اور نہ اس کی جڑ مضبوط ہوتی ہے۔

۲۔ کلمۂ طیّبہ اور کلمہ ٔخبیثہ کے اس فرق کو ہر وہ شخص بآسانی محسوس کر سکتا ہے جو دنیا کی مذہبی، فکری، اخلاقی اور تمدنی تاریخ کا مطالعہ کرے۔ وہ دیکھے گا کہ آغازِ تاریخ سے آج تک کلمہ ٔطیّبہ تو ایک ہی رہا ہے، مگر کلماتِ خبیثہ بے شمار پیدا ہوئے۔ کلمہ ٔطیّبہ کبھی جڑ سے نہ اکھاڑا جاسکا جبکہ کلماتِ خبیثہ کی فہرست ہزاروں مردہ کلمات کے ناموں سے بھری پڑی ہے، حتی کہ ان میں سے اکثر کا حال یہ ہے کہ آج تاریخ کے صفحات کے سوا کہیں ان کا نام و نشان تک نہیں پایا جاتا۔ اپنے دور میں جن کلمات کا بڑا زور و شور رہا ہے آج ان کا ذکر کیا جائے تو لوگ حیران رہ جائیں کہ کبھی انسان ایسی ایسی حماقتوں کا بھی قائل رہ چکا ہے۔ پھر کلمہ ٔطیّبہ کو جب، جہاں، جس شخص یا قوم نے بھی صحیح معنوں میں اپنایا تو اس کی خوشبو سے اس کا ماحول معطر ہو گیا اور اس کی برکتوں سے صرف اسی شخص یا قوم نے فائدہ نہیں اٹھایا، بلکہ اس کے گرد و پیش کی دنیا بھی ان سے مستفید ہوئی۔ مگر جب کسی کلمہ ٔخبیثہ نے کہیں انفرادی یا اجتماعی زندگی میں اپنی جڑیں مظبوط کیں تو اس کی بدبو سے سارا ماحول بدبودار ہو گیا۔ اس کے کانٹوں کی چبھن اور چھید سے نہ اس کا ماننے والا امن میں رہا، اور نہ وہ شخص محفوظ رہا جس کو اس سے واسطہ پیش آیا ہو۔

آیت نمبر ۲۷: قولِ ثابت یعنی مضبوط بات سے مراد ایمان اور کلمۂ توحید ہے۔ مومنین کو ان کے ایمان اور توحید کی بدولت مصائب اور مشکلات کے دور میں ثابت قدم رکھا جاتا ہے۔ یہاں آخرت سے مراد قبر کی منزل بھی ہے۔ کلمۂ توحید کی برکت سے مومنین کو دنیا کے علاوہ اسی طرح کی ثابت قدمی آخرت میں بھی عطا ہوتی ہے۔ جب کہ ظالم یعنی کفار اور مشرکین کو گمراہی میں ہی مبتلا رکھا جاتا ہے۔ اللہ ﷻ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے، اس کا ہر کام مصلحت اور حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

علمی بات: کلمۂ طیّبہ کے حاملین کا قول دنیا اور آخرت میں ثابت ہوتا ہے دنیا میں ثبوت کا معنی یہ ہے کہ اللہ ﷻ ان کو کلمۂ طیّبہ اور اس کے تقاضوں پر ثابت قدم رکھتا ہے اور دنیا میں ان کے نیک کاموں پر تعریف و تحسین ہوتی ہے اور آخرت میں اللہ ﷻ ان کو ان نیک کاموں پر بہت زیادہ اجر عطا فرماتا ہے اور جس طرح دنیا میں وہ کلمۂ طیّبہ پر قائم تھے اللہ ﷻ ان کو قبر اور حشر میں بھی کلمۂ طیّبہ پر قائم رکھتا ہے۔ آخر میں فرمایا اللہ ﷻ ظالموں کو گمراہی پر قائم رکھتا ہے یعنی جو لوگ کلمۂ خبیثہ کے حاملین ہیں اور یہی لوگ کافر اور ظالم ہیں اللہ ﷻ ان کی دنیا میں بھی مذمت فرماتا ہے اور آخرت میں بھی ان کو ثواب سے محروم رکھتا ہے۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں کو پختہ قول (کلمہ طیبہ کی حقیقی شہادت) کے ذریعے سے (حق پر) ثابت قدم رکھتا ہے۔“ آپ ﷺ فرمایا: ”یہ آیت عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی، پس اس (مرنے والے) سے کہا جاتا ہے: تمھارا رب کون ہے؟ وہ (مومن) کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے اور میرے نبی محمد ﷺ ہیں، یہی (اللہ) عزوجل کے قول ”یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِالۡقَوۡلِ الثَّابِتِ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ فِی الۡاٰخِرَۃِ“ (سے مراد) ہے۔ (صحیح مسلم)

آیت نمبر ۲۸: قریش کے مشرک سرداروں کا ذکر ہے۔ انہوں نے رسول کریم ﷺ اور قرآنِ حکیم کا انکار کر کے اللہ ﷻ کی عطا کردہ نعمتوں کی ناقدری کی۔ اللہ ﷻ کی نعمتوں کا جواب ضد اور عناد سے دیا اور حق کی مخالفت پر جم گئے۔ پھر اس مخالفت میں بڑھتے ہی گئے یہاں تک کہ خود بھی تباہ ہوئے اور اپنی قوم کو بھی تباہی سے ہم کنار کیا۔

علمی بات: قریشِ مکہ پر اللہ ﷻ نے بہت سارے احسانات فرمائے تھے۔ اپنے گھر کی خدمت اور ہمسائیگی کا شرف انہیں بخشا تھا۔ سارے اہلِ عرب کے دلوں میں ان کی عزت اور تکریم کا جذبہ پیدا کر دیا۔ پھر انہیں میں سے خاتم النبیین ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ ان کا تو یہ فرض تھا کہ ہر دم شکر الٰہی بجا لاتے اور اس کے کسی حکم سے انحراف نہ کرتے۔ لیکن انہوں نے ان نعمتوں کی قدر نہ کی، خود بھی برباد ہوئے اور اپنی قوم کو بھی ہلاکت و بربادی کی پستیوں میں دھکیل دیا۔

آیت نمبر ۲۹: اللہ ﷻ کی عظیم نعمتوں کی ناشکری کرنے والوں کا انجام بیان ہوا ہے۔ ان کے لئے جہنّم ہے جو بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔ وہ ہلاکت و تباہی کا گھر ہے جس میں یہ ایندھن بنے ہوں گے اور وہ جہنّم میں رہنے کی بہت ہی بُری قرار گاہ ہے۔

آیت نمبر ۳۰: کفار اور مشرکین کی مذمّت اور انجامِ بد کا بیان ہے۔ انھوں نے دوسری ہستیوں کو اللہ ﷻ کے برابر ٹھرایا ہے۔ انہیں دنیا کی چند روزہ زندگی کا فائدہ اٹھالینے کی مہلت ہے۔ اس کے بعد بالآخر انہیں دوزخ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔

علمی بات: ”اَنۡدَادًا“ ”نِدًّ“ کی جمع ہے۔ نِد کے معنی برابر، ہمسر اور مدمقابل کے ہیں۔ چونکہ کفار و مشرکین نے اپنے بُتوں کو اللہ ﷻ کا ہمسر قرار دے رکھا تھا۔ وہ ان سے ایسے محبت کرتے تھے جس طرح اللہ تعالیٰ سے کی جاتی ہے اور ان کی اسی طرح پرستش کرتے تھے جس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت جاتی

ہے، اپنے زعم میں ان کا مقصد تو یہ تھا کہ وہ ہدایت حاصل کریں مگر ان کی اس غلط روش کا نتیجہ یہ نکلا کہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی اللہ ﷻ کے راستے سے بھٹکایا۔ اس لئے انہیں بتایا گیا ہے کہ اس چند روزہ زندگی میں عیش و عشرت کر لو، آخر انجام کار تمہارے لئے آتشِ دوزخ ہے۔

آیت نمبر ۳۱: اہلِ ایمان کے لئے ہدایات دی گئیں کہ وہ نماز قائم کریں اور اللہ ﷻ کی راہ میں ظاہری اور پوشیدہ طور پر خرچ کریں۔ ان تقاضوں کو پورا کر کے ہی قیامت کے عذاب سے بچنا ممکن ہوگا۔ قیامت کے دن کوئی تعلق یا لین دین کام نہیں آئے گا۔

علمی بات: ۱۔ گزشتہ آیت میں اللہ ﷻ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے اور اس کے ساتھ غیروں کو شریک بنانے والوں کے بارے میں اللہ ﷻ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ وہ انہیں بتادیں کہ ان کا ٹھکانا جہنّم ہوگا۔ اب اللہ ﷻ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ وہ مومنوں کو فرمادیں کہ وہ لوگ نماز قائم کریں اور اللہ ﷻ نے جو روزی دی ہے اس میں سے چھپا کر اور علانیہ اللہ ﷻ کی راہ میں خرچ کریں، یعنی زکوۃ ادا کریں، رشتہ داروں پر خرچ کریں اور دوسرے حاجت مند لوگوں کی بھی مدد کریں۔

۲۔ پوشیدہ طور پر مال کو خرچ کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ نفس کو ریاکاری کا موقع نہیں ملتا اور اصلاً یہی مطلوب ہے۔ البتہ ضرورت کے تحت ظاہراً خرچ کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ دوسروں کو بھی عمل خیر کی توفیق ہو جاتی ہے، لوگوں کے سامنے ترغیب دلانے کے لئے نیک عمل کرنے کا نام ریاکاری نہیں بلکہ ریاکاری اس جذبہ، کیفیت اور ارادے کا نام ہے کہ لوگ اس کے لئے واہ واہ کریں، اس کی تعریف اور اس کے کارناموں کے گُن گائیں۔

علمی و عملی بات: جس دن نہ بیع ہو گی اور نہ دوستی ہو گی۔ اس سے قیامت کا دن مراد ہے وہاں مال دے کر کوئی مجرم نہیں چھوٹ سکتا اور جان کے بدلہ میں کچھ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور دنیا میں اگر کسی ایسے شخص سے دوستی تھی کہ اس دوستی کی وجہ سے اللہ ﷻ کی نافرمانی کی جاتی تھی تو یہ دوستی وہاں کچھ کام نہ آئے گی۔ اس لئے دنیا اور اہلِ دنیا کی وجہ سے اللہ ﷻ کی نافرمانی نہ کریں۔ البتہ جو لوگ متقی ہیں ان سے دوستی کریں۔ یہ دوستی محض دین کی وجہ سے اور اللہ ﷻ کے لئے ہوتی ہے تو ان کی یہ دوستی آخرت میں بھی منقطع نہ ہو گی اور اس سے شفاعت کا فائدہ ہو گا۔

آیت نمبر ۳۲: اللہ ﷻ کی بڑی عظیم الشّان نعمتوں کی یاددہانی کرائی گئی ہے۔ اللہ ﷻ نے انسانوں کے فائدے کے لئے زمین و آسمان بنائے۔ آسمان سے بارش برسائی اور پانی جیسی نعمت عطا فرمائی۔ پانی سے طرح طرح کے پھل اور میوے پیدا فرمائے۔ کشتیوں کے ذریعے سے دریا اور سمندر کے سفر کو ممکن بنایا۔ انسان کی ضروریات پوری کرنے کے لئے زمین میں نہریں جاری فرمادیں۔

علمی بات: اللہ ﷻ نے ہی کشتیوں اور جہازوں کو انسانوں کے کام میں لگایا ہے۔ وہ اللہ ﷻ کے حکم سے دریاؤں میں چلتے پھرتے ہیں۔ لفظ "سَخَّرَ" سے مراد یہی ہے کہ اللہ ﷻ نے ان چیزوں کا استعمال انسانوں کے لئے آسان کر دیا ہے لکڑی اور لوہے سے کشتی اور جہاز بنانے کے اوزار و آلات اور ان سے صحیح کام لینے کی عقل و دانش، یہ سب چیزیں اللہ ﷻ کی دی ہوئی ہیں۔ ان میں سے کوئی چیز بھی لوگوں نے پیدا کی ہے نہ وہ کر سکتے ہیں۔ خالقِ کائنات کی بنائی ہوئی لکڑی لوہے، تانبے اور پیتل ہی میں تصرُّفات کر کے یہ ایجاد کا سہرا لوگوں نے اپنے سر لیا ہے حالانکہ حقیقت دیکھیں تو خود اُن کا اپنا وجود اُن کے ہاتھ پاؤں، اُن کا دماغ اور عقل بھی اُن اپنی بنائی ہوئی نہیں ہے۔

آیت نمبر ۳۳: اللہ ﷻ کی مزید نعمتوں کا بیان ہے۔ اللہ ﷻ نے سورج اور چاند کی حرکت کو خاص ترتیب پر جاری و ساری فرما کر انسانوں کے لئے انہیں مفید بنایا۔ رات اور دن کا نظام انسانوں کی سہولت کے لئے بنایا۔

علمی بات: ان تمام چیزوں کے گنوانے سے انسان کو یہ جتلانا مقصود ہے کہ زمین کے دامن اور آسمان کی وسعتوں میں اللہ ﷻ کی تمام تخلیقات اور فطرت کی تمام قوتیں مسلسل انسان کی خدمت میں اس کی نفع رسانی کے لئے مصروف کار ہیں۔ کیونکہ اس کائنات میں انسان ہی ایک ایسی مخلوق ہے جو

سب مخلوقات سے اعلیٰ و بالا ہے۔ اللہ ﷻ نے یہ بساط، کون و مکان انسان ہی کے لئے بچھائی ہے اور باقی تمام اشیاء کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ انسان کی ضروریات پوری کریں۔

آیت نمبر ۳۴: اللہ ﷻ نے انسان کو ہر وہ شے دی ہے جس کی اسے ضرورت ہے۔ بلاشبہ اللہ ﷻ کی نعمتیں بے شمار ہیں۔ انسان شمار کرنا چاہے بھی تو شمار نہیں کر سکتا۔ اللہ ﷻ کی نعمتوں پر شکر ادا نہ کر کے انسان اپنے نفس پر ظلم اور ناانصافی کرتا ہے۔

علمی بات: یہ وہ عظیم انعامات ہیں جو انسان کے عالمِ وجود میں قدم رکھنے سے پہلے بن مانگے مہیا کر دیئے گئے لیکن ان کے علاوہ اللہ ﷻ انسان کی ان تمام ضروریات کو بھی پورا کرتا ہے جن کے متعلق وہ اللہ ﷻ سے التجائیں کرتا ہے اور دُعائیں مانگتا ہے۔ اس کے انعامات و احسانات اتنے کثیر ہیں کہ انسان اگر ان کا شمار کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ انسان ذرا سوچے کہ اگر ہاتھوں میں انگلیاں ہی نہ ہوں یا انگلیوں کے سروں سے ناخن ہی جھڑ جائیں تو انسان کے بازو کی ساری قوت بے کار ہو جائے۔ اگر منہ میں لعاب (تھوک) ہی نہ پیدا ہو تو کیا انسان کی زبان لکڑی کی طرح خشک ہو کر نہ رہ جائے گی؟ اگر آنکھوں پر چھپر نہ ہوں یا چھپروں کے ساتھ پلکیں نہ ہوں تو انسان آنکھوں کی حفاظت کیسے کر سکے گا؟ بظاہر یہ معمولی چیزیں ہیں جن کی افادیت کے متعلق انسان بہت ہی کم غور و فکر کرتے ہیں۔ جب ان کی اہمیت کا یہ حال ہے تو بڑی بڑی نعمتوں کی اہمیت کا انسان خود ہی اندازہ لگا سکتا ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ انسان کی پیشانی اپنے پروردگار کے حضور میں ہر وقت جھکی رہتی۔ لیکن وہ بڑا ظالم اور سخت ناشکرا بن گیا۔ انسان خود ہی انصاف سے بتائے کہ ایسے محسن اور کریم رب کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا یا اس کی نافرمانی کرنا ظلمِ عظیم نہیں اور اس کی گراں قدر نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کے باوجود اس کی ناشکری کرنا کیا کفرانِ نعمت کی حد نہیں؟

آیت نمبر ۳۵: اللہ ﷻ کی بارگاہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعاؤں کا بیان ہے۔ مادی اور روحانی دونوں نعمتوں کے عطا کئے جانے کی التجا کا ذکر ہے۔ امن عطا کئے جانے اور شرک سے حفاظت کی دُعا کا بیان ہے۔ اسی طرح دُعا میں عاجزانہ رویہ کا بھی ذکر ہے۔

علمی بات: ا۔ شہر سے مراد مکہ مکرمہ کا شہر ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اہلیہ ہاجرہ علیہا السلام اور اپنے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ ﷻ کے حکم سے چھوڑا تھا، اس وقت یہاں نہ کوئی آبادی تھی اور نہ بظاہر زندہ رہنے کے اسباب، لیکن اللہ ﷻ نے یہاں پہلے زمزم کا کنواں جاری فرمایا جسے دیکھ کر قبیلہ "جرہم" کے لوگ یہاں آکر حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی اجازت سے آباد ہوئے اور پھر رفتہ رفتہ یہ ایک شہر بن گیا۔

۲۔ آیاتِ سابقہ میں دلائل سے یہ واضح کیا گیا ہے کہ اللہ ﷻ ہی اس تمام کائنات کو پیدا کرنے والا ہے اور وہی تمام مخلوقات کا پروردگار ہے اس لئے صرف وہی عبادت کا مستحق ہے اب اس آیت میں اس کے مناسب یہ ذکر فرمایا: کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بُتوں کی پرستش کا انکار فرمایا۔ انہوں نے اللہ ﷻ سے دو چیزوں کی دُعا کی: ایک یہ کہ اس شہر مکہ کو امن والا بنادے اور دوسری یہ کہ مجھے اور میرے بیٹوں کو بُت پرستی سے محفوظ رکھ۔

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ ﷻ کے جلیل القدر پیغمبر تھے۔ انبیاء کرام علیہم السلام اگرچہ معصوم ہوتے ہیں ان سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا لیکن پھر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس دُعا میں اپنے آپ کو بھی شامل فرمایا ہے یہ آپ کی کمال عاجزی ہے کہ اپنی اولاد کو شرک و بُت پرستی سے بچانے کی دُعا کرنے کے ساتھ لوگوں کو اس کی اہمیت سمجھانے کے لئے اپنے آپ کو بھی شامل دُعا فرمالیا۔

آیت نمبر ۳۶: گمراہی کی ظاہری وجہ بیان کی گئی ہے۔ بُتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ شرکیہ رویہ گمراہی کا راستہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے شرک کرنے والوں سے بے زاری کا اعلان کیا گیا۔ مشرکینِ مکہ کو نصیحت اور تنبیہ کی گئی ہے۔ کسی ہستی سے تعلق کی اصل بنیاد اس کی پیروی کرنا ہے۔ اللہ ﷻ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

علمی بات: ا۔ کیا ہی خوبصورت انداز میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ جو میرے فرماں بردار ہوں گے وہ تو میرے گروہ میں شامل ہی رہیں گے لیکن جنھوں نے میری نافرمانی کی تو ان کے لئے یہ نہیں فرمایا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کو بخش دے، بلکہ عرض کیا کہ تو غفور ورحیم ہے تیرا کام ہی مغفرت کرنا اور رحم کرنا ہے۔ مقصد بھی پورا ہو گیا اور بارگاہِ صمدیت کے آداب کا بھی پوری طرح پاس رہا۔

۲۔ عصیاں سے مراد اگر گناہ ہوں تو بات واضح ہے اور اگر کفر وشرک مراد ہو تو پھر اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ان کو ہدایت کی توفیق مرحمت فرما، ان کی توبہ قبول فرما، کیونکہ جس کی موت کفر پر ہو اس کے لئے نہ مغفرت ہے اور نہ اس کے لئے طلب مغفرت کی اجازت ہے۔

آیت نمبر ۳۷: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اولاد کو مسجد حرام کے پاس بسانے کا مقصد نماز کا قیام اور محترم گھر کے پاس آباد ہونا تھا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے لوگوں کے دلوں میں بیت اللہ کی محبت پیدا فرما دینے کی دُعا کا ذکر ہے، تاکہ وہ بار بار اس گھر کی زیارت کے لئے حاضر ہوں۔ بیت اللہ کے قریب رہنے والوں کو پھل اور میوے بطورِ رزق عطا فرما دینے کی دُعا کی تاکہ لوگ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا شکر ادا کریں۔

علمی بات: یہاں ابراہیم علیہ السلام کی بعض ذرّیت (اولاد) سے مراد اسماعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد ہے اور ابراہیم (علیہ السلام) کا اپنی اولاد کو بیتِ حرام کے پاس بسانے کا مقصد یہ تھا کہ ان کی اولاد وہاں نماز قائم کرے یعنی یادِ الٰہی جاری رکھے۔ ان کی دُعا کا مقصد بھی یہی تھا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کی اولاد کو نماز کی توفیق عطا فرمائے۔ گویا آپ علیہ السلام نے یہ لفظ کہہ کر اولاد کو اقامتِ نماز کا غائبانہ حکم دیا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دُعا بھی کی کہ ان کو اس کی توفیق عطا فرمادے۔ نماز کے تحت یہاں طواف وغیرہ دوسری عبادات بھی داخل ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصودِ گزارش یہ ہے کہ یہ آبادی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کے لئے ہے اور خانہ کعبہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کرنے والوں کا ایک مقام ہے۔

عملی پہلو: اس آیت سے جہاں نماز قائم کرنے کی اہمیت معلوم ہوئی جو ایمان کے بعد افضل اور اوّلین عمل ہے، وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے اہل وعیال کو نمازی بنانے کی فکر کرنا بے حد ضروری ہے۔ اس کے ساتھ دینی تعلیم کا حصول، دین کے فرائض جاننے کا اہتمام اور کم سے کم انہیں دین کا اتنا علم ضرور دلائیں کہ وہ حق و باطل اور حلال وحرام میں تمیز کر سکیں۔ مزید یہ کہ اپنی دینی ذمہ داریوں سے آگاہ ہو کر اسے بخوبی نبھا سکیں۔ مزید یہ معلوم ہوا کہ اپنی اولاد کے لئے معاش کا انتظام کرنا اور ان کے لئے رزق کی دُعا کرنا یہ بزرگی اور دین داری کے منافی نہیں ہے۔ اولاد کے دین وایمان کی فکر کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے معاشی حالات کی بھی فکر کی جائے تو یہ توکل کے منافی نہیں ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نعمتوں کی شکر گزاری بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے، خود بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے شکر گزار بنیں اور اولاد کو بھی شکر گزار بنانے کی فکر کریں۔

آیت نمبر ۳۸: حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علم کی وسعت کا حوالہ دے کر دُعا کر رہے ہیں۔ ان کی دُعا کا اصل مقصد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا کا حصول ہے جو دلوں کے پوشیدہ رازوں اور کائنات کی ہر چیز کی حقیقت سے واقف ہے۔

علمی و عملی بات: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دُعا ان تمام جذبات کی ترجمانی کر رہی ہے جو ایک سچے بندے کے اندر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو پکارتے ہوئے ابھرتے ہیں۔ اس کی بندگی تقاضا کرتی ہے کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے اپنے عجز کا اقرار کرے۔ جو کچھ مانگے احتیاج کی بنیاد پر مانگے نہ کہ استحقاق کی بنیاد پر۔ ایک طرف وہ ملی ہوئی نعمتوں کا اعتراف کرے اور دوسری طرف ادب کے تمام تقاضوں کے ساتھ اپنی درخواست پیش کرے۔ وہ اقرار کرے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ دینے والا ہے اور انسان لینے والا اور محتاج ہے۔

آیت نمبر ۳۹: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے عطا ہونے والی اولاد حضرت اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام پر شکر کی ادائیگی کا ذکر ہے۔ بلاشبہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی دُعاؤں کو سننے اور قبول فرمانے والا ہے۔

علمی بات: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے بڑھاپے میں انہیں دو عظیم بیٹوں سے نوازا تا کہ ان کے اُن کے بیٹے بعد دعوت الی اللہ کا کام کرتے رہیں لوگوں کو توحید کی طرف بلائیں اور نماز قائم کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کے لئے دُعا کی تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان کو ایک بیٹے کی خوش خبری دی۔ مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر تقریباً نوے سال ہوگئی تو حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اور اس کے تیس سال بعد حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر تقریباً ایک سو بیس سال تھی۔

عملی پہلو: معلوم ہوا اولاد اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے ایک تحفہ ہے، یہ صرف اسباب جمع ہو جانے سے نہیں ہوتی، ورنہ ہر تندرست جوڑے کے ملنے سے اولاد ہو جاتی، بلکہ یہ محض عطائے الٰہی ہے، وہ بھی اس کی مرضی کے مطابق ہوتی ہے، چاہے بیٹے ہی دے، چاہے بیٹیاں، چاہے دونوں ملا کر دے اور چاہے تو بے اولاد رکھے۔

آیت نمبر ۴۰: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ساتھ اپنی اولاد کو نمازی بنانے کی دُعا کی۔ اس دُعا کو خاص طور پر قبول کرنے کی درخواست بھی کی۔ عبادت کی توفیق کے لئے دُعا مانگنا ضروری ہے۔ اولاد اور گھر والوں کی دینی تربیت گھر کے سربراہ کی ذمہ داری ہے۔

علمی بات: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دُعا کی کہ مجھے اور میری اولاد کو ہمیشہ نماز پڑھنے والا بنا اور اے میرے رب! قیامت کے دن میری مغفرت فرما اور میرے والدین کی اور تمام مومنین کی۔ مسلمان عمومی طور پر اپنی نمازوں میں یہی دُعا کرتے ہیں، تا کہ اپنی دُعا میں اپنے والدین کے ساتھ تمام اہل ایمان کو شامل کریں۔

عملی پہلو: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے یہ دُعا بھی کی کہ وہ انہیں اور ان کی اولاد کو نماز کا پابند بنا دے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ داعیان دین کو اپنے گھر والوں کی ہدایت اور ان کی دینی تعلیم و تربیت سے غافل نہیں رہنا چاہئے، بلکہ دعوت و تبلیغ میں انہیں اوّلیت دینی چاہئے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دُعائے مغفرت و بخشش سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان اپنی اولاد کے کامل اور پختہ ایمان اور عمل کے لئے بھی دُعا مانگے کیونکہ ایمان و عمل ہی اصل پونجی ہے جو انسان کے لئے دارین کی سعادت و سرخروئی کی ضامن ہے اور پھر یہ کہ انسان پہلے اپنے لئے دُعا مانگے اور پھر دوسروں کے لئے ، کیونکہ وہ خود بھی دُعا کا محتاج ہے۔

آیت نمبر ۴۱: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ساتھ اپنے والدین اور تمام ایمان والوں کے حق میں دُعائے مغفرت فرمائی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعائے مغفرت خاص اس وقت تک متعین ہے جب قیامت قائم ہو گی اور ہر انسان اپنے حساب کتاب کے معاملے میں بے حد پریشان ہو گا۔

علمی بات: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے اپنے لئے دُعا کی پھر اپنے والدین اور تمام مسلمانوں کے لئے دُعا کی اور اس میں ہمیں دُعا کا طریقہ بتایا ہے کہ سب سے پہلے اپنے لئے دُعا کرنی چاہیئے تا کہ یہ معلوم ہو کہ دُعا کرنے والا سب سے زیادہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مغفرت کا محتاج ہے اور اگر کوئی شخص صرف دوسروں کے لئے دُعا کرے اور اپنے لئے دُعا نہ کرے تو اس سے یہ ظاہر ہو گا کہ وہ اپنے آپ کو دُعا سے مستغنی سمجھتا ہے اور اگر وہ پہلے دوسروں کے لئے دُعا کرے اور پھر اپنے لئے دُعا کرے تو اس سے یہ ظاہر ہو گا کہ وہ دوسروں کی بہ نسبت اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دُعا کا کم محتاج ہے۔

نوٹ: مفسرین کرام کی ایک رائے کے مطابق آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تھا۔ کئی مؤرخین نے بتایا ہے کہ آپ علیہ السلام کے والد کا نام تارخ اور ان کا لقب آزر تھا۔ جب کہ مفسرین کرام کی ایک جماعت کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا جو کہ توحید باری تعالیٰ کے قائل تھے اور چچا کا نام آزر تھا جو شرک میں مبتلا ہو گیا تھا، اور چچا کو باپ کہنا عربی محاورات میں عام ہے۔

آیت نمبر ۴۲: کفارِ مکہ کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی دی ہوئی مہلت سے بے فکر نہ ہو جانے کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان کے تمام جرائم سے بخوبی واقف ہے۔ دنیا میں تو انہیں مہلت دی جا رہی ہے۔ روزِ قیامت ان کی آنکھیں خوف کے مارے کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔

علمی بات: نبی کریم ﷺ کے ذریعہ اہلِ ایمان کو تسلّی اور اطمینان دلایا جارہا ہے کہ وہ یہ خیال نہ کریں کہ اللہ ﷻ ظالموں کے اعمال سے بے خبر ہے، یعنی اللہ ﷻ نے اگر انہیں مہلت دے رکھی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ان سے بے خبر ہے اور وہ انہیں ان کی بد اعمالیوں کی سزا نہیں دے گا، بلکہ وہ ان کے تمام اعمال کو شمار کر رہا ہے اور جب وہ دن آجائے گا جب مارے دہشت کے لوگوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔ ان کے بُرے اعمال ان کے سامنے پیش کر دیے جائیں گے۔

آیت نمبر ۴۳: میدانِ حشر میں نافرمانوں کے حال کا بیان ہے۔ وہ سر اٹھائے میدانِ حشر کی طرف دوڑ رہے ہوں گے۔ ان کی آنکھیں اوپر ہی لگی رہیں گی اور نیچے کی طرف نہیں آسکیں گی۔ خوف کے مارے ان کے دل لرز رہے ہوں گے۔

علمی بات: اس روز یہ لوگ سر اٹھائے اس طرح دوڑے چلے جارہے ہوں گے کہ سخت ہولناکی کی بناء پر ان کی نگاہیں ان کی طرف پلٹ بھی نہیں سکیں گی کہ وہ بڑا ہی شدید اور انتہائی ہولناک دن ہوگا اور اس روز لوگوں کے دل و دماغ، عقل و فہم اور فکر و ادراک سے خالی و عاری ہو کر اڑے جارہے ہوں گے۔ لوگ قبروں سے نکل کر دوڑے جارہے ہوں گے، سر اٹھائے ہوئے ہوں گے اور ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔

آیت نمبر ۴۴: اس دن سے مراد ظالموں کی موت کا دن ہے یا آخرت کا دن ہے۔ اس وقت وہ اللہ ﷻ سے التجا کریں گے کہ ان کو ایک اور موقع دیا جائے تاکہ وہ توحید کی دعوت قبول کریں اور رسولوں کی پیروی کریں۔ ان کی التجا پر اللہ ﷻ کی طرف سے یہ جواب دیا گیا ہے کہ دنیا میں وہ اپنے زوال پزیر نہ ہونے کے دعوے دار تھے اور آخرت کا انکار کرتے تھے۔

علمی بات: ۱۔ یہاں کافروں کی طرف سے مہلت مانگنے کے دو مطلب ہوسکتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ دنیا میں عذابِ الٰہی یا موت کی شدت دیکھ کر چند روز کی مہلت طلب کریں کہ آئندہ اپنا رویہ درست کرلیں گے اور حق کی دعوت قبول کرکے انبیاء کرام علیہم السلام کی پیروی اختیار کرلیں گے۔ دوسرا مطلب یہ کہ وہ قیامت کے روز یہ تمنا کریں گے کہ ان کو تھوڑی سی مدت کے لئے دنیا میں لوٹا دیا جائے تاکہ وہ اللہ ﷻ اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آئیں اور اس کی دعوت کو قبول کرلیں۔

۲۔ مہلت طلب کرنے کے جواب میں اللہ ﷻ کافروں سے کہے گا کہ کیا ہم نے دنیا میں تمہیں مہلت نہیں دی تھی۔ کیا تم اس سے پہلے دنیا میں قسمیں اُٹھا کر نہیں کہا کرتے تھے کہ ہم تو دنیا میں ہمیشہ رہیں گے، ہم کبھی نہیں مریں گے اور نہ اللہ ﷻ ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ سو اب تم اس قیامت کا مزہ چکھو جس کا تم انکار کرتے تھے۔

علمی و عملی پہلو: قیامت کے دن کفار کو جس پشیمانی کا سامنا ہوگا اس کی یاد اور اس کا احساس دلا کر آج ہی انہیں تائب ہونے کی ترغیب دی جارہی ہے کہ توبہ کا دروازہ ابھی کھلا ہے۔ توبہ کروگے تو قبول ہوگی اور جب توبہ کا دروازہ بند ہوگیا اس کے بعد گریہ زاری کچھ کام نہ دے گی۔

آیت نمبر ۴۵: کفار ان ہی بستیوں میں آباد تھے جن میں ان سے پہلی اقوام کو تباہ و برباد کیا گیا تھا۔ ان کے سامنے سابقہ اقوام کے حالات و واقعات کو بطور مثال پیش کر دیا گیا تھا لیکن ان کے انجام دیکھ کر بھی انھوں نے عبرت حاصل نہیں کی تھی۔

علمی بات: مشرکینِ مکہ سے کہا جارہا ہے کہ وہ ان بستیوں کو دیکھ چکے ہیں جن کے رہنے والوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تھا، جیسے عاد و ثمود کی بستیاں۔ اللہ ﷻ نے ان پر جو عذاب نازل کیا تھا اس کے آثار اب تک باقی ہیں اور اس کی خبریں تواتر کے ساتھ مشرکین تک پہنچ چکی ہیں اور جو کچھ انھوں نے کہا تھا اور جس کی وجہ سے وہ اس انجامِ بد کو پہنچے، وہ ساری باتیں اِنہیں معلوم ہیں۔ پھر بھی اُن میں کوئی ایسا نہ ہوا جو عبرت حاصل کرتا اور اپنی اصلاح کی کوشش کرتا۔

آیت نمبر ۴۶: کفار کی مکاری اور چالبازی کا بیان ہے۔ دینِ حق کو مٹانے کی ان کی تمام کوششوں سے اللہ ﷻ خوب واقف ہے۔ ان کی سازشیں اتنی سخت تھیں کہ ان کے مقابلے پر پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جائے مگر اللہ ﷻ کی قدرتِ کاملہ کے سامنے ان کی ایک نہ چلی اور وہ ناکام ہوئے۔

علمی بات: ۱۔ اہلِ مکہ نبی کریم ﷺ اور دین اسلام کے خلاف بڑی زبردست سازشیں کرتے تھے۔ اللہ ﷻ نے فرمایا کہ ان کی وہ تمام سازشیں لکھی جا رہی ہیں اور ان کا بدلہ انہیں مل کر رہے گا۔ وہ سازشیں اتنی ہیبت ناک تھیں کہ پہاڑوں کو اکھاڑ پھینکتیں اور انہیں تہ و بالا کر دیتیں، لیکن اللہ ﷻ اپنے نبی ﷺ اور دین اسلام کی حمایت و نصرت فرماتا رہا اور ان کی چالیں دھری کی دھری رہ گئیں۔

۲۔ جن مخالفانہ تدبیروں کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے اس میں یہ بھی امکان ہے کہ اس سے مراد پچھلی ہلاک شدہ قوموں کی تدبیریں ہوں مثلاً نمرود، فرعون، قوم عاد و ثمود وغیرہ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس میں موجودہ مشرکین عرب کا حال بیان کیا گیا ہو۔

آیت نمبر ۴۷: اہلِ ایمان کے لئے تسلّی کا بیان ہے۔ ہر دور میں رسولوں کے خلاف سازشیں کی گئیں۔ پھر اللہ ﷻ نے اپنے رسولوں اور اہل ایمان کی مدد کا وعدہ پورا فرمایا اور مجرموں سے زبردست انتقام لیا۔

علمی بات: اللہ ﷻ کے وعدے سے مراد دنیا و آخرت میں اللہ ﷻ کے رسولوں اور اہلِ ایمان کو نصرت و عزت سے نوازا ہے، جیسا کہ فرمایا۔ اللہ ﷻ نے لکھ دیا ہے کہ بے شک میں اور میرے رسول ضرور غالب آئیں گے بے شک اللہ بڑا ہی قوت والا بہت غالب ہے۔ (سورۃ المجادلۃ ۵۸، آیت: ۲۱) اس سے مقصود ایک طرف تو رسول اللہ ﷺ کو تسلّی دینا اور دوسری طرف آپ ﷺ کے مخالفین کو متنبہ کرنا ہے کہ جس طرح پہلے انبیاء کرام علیہم السلام سے جو ہم نے وعدے کئے وہ سب پورے کئے اسی طرح اپنے آخری رسول سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے تائید و نصرت کا جو وعدہ کر رہے ہیں اسے بھی یقیناً پورا کریں گے اور ان لوگوں کو تباہ و برباد کریں گے جو آپ ﷺ کی مخالفت پر کمربستہ ہیں کیونکہ اللہ ﷻ سب پر غالب ہے اور انتقام والا ہے۔

آیت نمبر ۴۸: روزِ قیامت زمین و آسمان کو بدل کر نئی صورت میں ڈھال دیا جائے گا۔ پھر تمام لوگ اللہ ﷻ کے سامنے حاضر ہوں گے جو اکیلا اور زبردست طاقت کا مالک ہے۔

علمی بات: ۱۔ قرآنِ حکیم کی بعض آیات سے زمین میں تبدیلی کی جو صورت سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ زمین میں اس دن کوئی بلندی یا پستی نہیں رہے گی۔ سب پہاڑ زمین بوس کر دیے جائیں گے، زمین ہموار کر دی جائے گی۔ سمندروں، دریاؤں اور ندی نالوں کو خشک کر دیا جائے گا۔ جبکہ سمندر کا موجودہ رقبہ خشکی سے تین گنا زیادہ ہے۔ مزید یہ کہ آسمان کے ستارے بکھر جائیں گے اور شمس و قمر بے نور ہو جائیں گے اور لوگ اپنی قبروں سے نکل کر اللہ ﷻ کے سامنے حاضر ہونے کے لئے دوڑ رہے ہوں گے، تاکہ وہ انہیں ان کے اعمال کا بدلہ دے۔

۲۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ زمین اس طرح بدل دی جائے گی کہ کچھ بڑھا دی جائے گی کچھ کمی کر دی جائے گی۔ اس کے ٹیلے، پہاڑ، نشیب، درخت اور اس میں جو بھی کچھ ہے سب ختم ہو جائے گا اور زمین کو چمڑے کی طرح پھیلا دیا جائے گا جو بالکل برابر ہو جائے گی اور اس میں کوئی کجی اور اٹھی ہوئی جگہ نظر نہ آئے گی اور آسمانوں کو اس طرح بدل دیا جائے گا کہ چاند، سورج ستارے سب ختم ہو جائیں گے۔

آیت نمبر ۴۹: روزِ قیامت اہلِ جہنّم کے انجام کا بیان ہے۔ انہیں باہم زنجیروں میں جکڑ دیا جائے گا۔

علمی بات: یہ اس دن کی ہولناکی کی مزید تفصیل ہے کہ جب قیامت کے دن یہ آسمان و زمین نہ ہوں گے اور کل مخلوق اللہ ﷻ کے سامنے کھڑی کی جائے گی تو جن لوگوں نے دنیا میں فساد مچا رکھا تھا جو خود بھی راہِ حق سے دور رہے اور دوسروں کو بھی روکے رکھا تھا۔ اس دن وہ تمام مجرمین زنجیروں میں جکڑے ہوئے اپنے شیطانوں سمیت آئیں گے۔

آیت نمبر ۵۰: قطران سے مراد ہر وہ جلنے والا مادہ جو بدبودار، گاڑھا اور سیاہ دھواں چھوڑتا ہو، اس کے جلنے کی شدت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اہلِ جہنّم کا لباس گندھک کا ہوگا جس سے جہنّم کی آگ کی شدت میں مزید اضافہ ہوگا۔ آگ ان کے چہروں کو ڈھانپ لے گی۔ نعوذ باللہ۔

علمی بات: ان کے لباس گندھک کے ہوں گے اور ان کے چہروں پر آگ لپک رہی ہوگی، اللہ ﷻ نے جہنّمیوں کی شکل وصورت کی قباحت اور ان کی بدترین حالت بیان کرنے کے لئے گندھک کی مثال بیان کی ہے۔ مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ خارش زدہ اونٹ، جس کے جسم سے پیپ نکل رہی ہو اور بدبو آرہی ہو اور علاج کے لئے اس کے سارے جسم پر گندھک کو مل دیا جاتا ہے۔ جس کی بدبو بہت ہی شدید اور جس کا منظر بڑا ہی قبیح ہوتا ہے۔

آیت نمبر ۵۱: قیامت کی ہولناکیاں بیان کرنے کا مقصد لوگوں کو متنبہ کرنا ہے۔ ہر جان کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ بلاشبہ اللہ ﷻ جلد حساب لینے والا ہے۔

علمی و عملی بات: اس آیت میں ہر شخص سے مراد کفار ہیں کیونکہ سیاق کلام کفار کے متعلق ہے البتہ اس کو عموم پر برقرار رکھنا بھی جائز ہے یعنی مومنین اور پرہیز گار جو نیک عمل کریں گے ان کو اس کے بدلے میں اچھی جزا ملے گی اور کفار اور فساق کو ان کے کفر اور فسق وفجور کی سخت سزا ملے گی۔ اس سے لوگوں کو ڈرایا ہے تاکہ وہ بُرے کاموں سے باز آجائیں اور توبہ کرنے میں جلدی کریں کیا پتہ کس وقت موت آجائے۔

علمی بات: تمام انسانوں کو الگ تین گروہوں میں تقسیم کر دینے سے ان کی صورتحال واضح ہو جائے گی یعنی کچھ دائیں والے ہوں گے اور کچھ بائیں والے اور ایک گروہ کو سامنے رکھا جائے گا تو صرف اس بات سے ان کا فیصلہ ہو جائے گا کہ سامنے والے اللہ ﷻ کے نعمتوں میں ہوں گے اور دائیں والے ان سے کم درجہ میں ہوں گے لیکن وہ بھی کامیاب ہوں گے لیکن بائیں والے کو دیکھتے ہی ہر آنکھ فیصلہ کرے گی کہ یہ لوگ جہنّمی ہیں اور دوسری جگہ صرف اعمال نامہ کے ہاتھ میں دیئے جانے سے سب کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ کامیاب ہیں یا ناکام ہو چکے ہیں۔ اعمال نامہ کا دائیں ہاتھ میں دیا جانا کامیابی کی علامت ہے اور بائیں ہاتھ میں دیئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ دوزخ کی طرف دھکیل دیئے جانے والے ہیں۔ لہٰذا اس پر کوئی زیادہ وقت صرف نہیں ہوگا بلکہ آنکھ جھپکنے ہی میں سارا کام ہو جائے گا اور میدانِ حشر میں اکٹھے کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ ہر ایک کو اس کا بدلہ دیا جائے اور جو اس نے کیا ہے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔

آیت نمبر ۵۲: نزول قرآنِ حکیم کے مقاصد کا بیان ہے۔ قرآنِ حکیم اللہ ﷻ کا پیغام ہے جسے تمام لوگوں تک پہنچانا ضروری ہے۔ قرآنِ حکیم کو پہنچانے کے تین فائدے یہ ہیں: ۱۔ لوگوں کو ان کے بُرے اعمال کے انجام سے بروقت خبر دار کیا جائے۔ ۲۔ لوگوں کو معلوم ہو کہ اعمال پر گرفت کرنے والی صرف ایک ہی ہستی ہے لہٰذا ہر حال میں اسی کی طرف رجوع کیا جائے۔ ۳۔ قرآنِ حکیم میں مذکور آیات و واقعات سے غور وفکر کرنے والے عبرت حاصل کریں۔

علمی بات: اس آیت میں اللہ ﷻ نے نبی کریم ﷺ کو خبر دی کہ یہ قرآنِ حکیم جو آپ ﷺ پر نازل کیا گیا ہے ایک نصیحت ہے تاکہ لوگ اللہ ﷻ سے ڈریں اور انہیں معلوم ہو جائے کہ ایک اللہ ﷻ کے سوا دوسرا کوئی معبود نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی شریک ہے۔ اس لئے کہ جو لوگ صاحبِ فہم ہیں اور عقلِ سلیم رکھتے ہیں ان کو اس میں غور وفکر کرنا چاہیئے اور نصیحت حاصل کرنی چاہیئے۔

فرمانِ نبوی ﷺ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا: عقلمند وہ شخص ہے جو مرنے سے پہلے مرنے کے بعد (کام آنے والے) اعمال کرے اور عقل سے عاجز وہ شخص ہے جو (آخرت سے غافل ہو کر) اپنی خواہشات کی پیروی کرے اور آخرت کی بہتری کی تمنا دل میں رکھے۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

عملی پہلو: اللہ ﷻ نے انسانوں کو دو قوتیں عطا کی ہیں قوتِ نظریہ اور قوتِ عملیہ، قوتِ نظریہ ہی سے انسان توحید اور رسالت کے دلائل میں غور وفکر کر کے اللہ ﷻ اور رسول ﷺ پر ایمان لاتا ہے اور قوتِ عملیہ سے اللہ ﷻ اور مخلوق کے حقوق ادا کرتا ہے جس سے انسان کا دل روشن ہو جاتا ہے اور اس کا دل تجلیاتِ الٰہیہ کے لئے آئینہ بن جاتا ہے۔ قرآنِ حکیم میں عقائد اور احکام شرعیہ کو تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے اور ان احکام پر عمل کرنے سے

انسان کا تزکیہ ہوتا چلا جاتا ہے قرآنِ حکیم میں ایسی آیات ہیں جن میں نیک اعمال پر بشارت دی گئی ہے اور بُرے اعمال پر عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ پس انسان کو ثواب کے شوق سے یا عذاب کے خوف سے نیک اعمال کرنے چاہیئے اور بُرے اعمال کو ترک کرنا چاہیئے اور ہدایت کے لئے یہ اسلوب کافی ہے کیونکہ انسان ثواب کے شوق سے اطاعت کرتا ہے یا عذاب کے خوف سے۔

مشقوں کے جوابات

سوال ۱: خالی جگہیں پُر کریں:

(۱) آیت: ۷ کے مطابق شکر ادا کرنے کا نتیجہ نعمتوں میں اضافہ ہے۔

(۲) آیت: ۱۸ کے مطابق قیامت کے دن کفار کی نیکیاں راکھ کے ڈھیر کی مانند ہوں گی۔

(۳) آیت: ۲۲ میں ذکر ہے کہ قیامت کے دن شیطان اہل جہنّم سے کہے گا کہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔

(۴) آیت: ۳۴ کے مطابق اللہ ﷻ کی نعمتوں کو شمار کرنا ممکن نہیں۔

(۵) آیت: ۳۶ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی پیروی کرنے والوں کو اپنا قرار دیا۔

سوال ۲: مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجیئے:

۱- پہلے رکوع میں مذکور " وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ " میں ایّام اللہ سے کیا مراد ہے؟

ایّام اللہ سے مراد انبیاء کرام علیہم السلام اور ایمان والوں پر اللہ ﷻ کے خاص فضل و کرم کے ظہور اور منکرین کی تباہی و بربادی کے دن ہیں۔

۲- تیسرے رکوع میں اہل جہنّم کا کیا انجام بیان ہوا ہے؟

جہنمی کو پینے کے لئے پیپ کا پانی دیا جائے گا وہ اسے گھونٹ گھونٹ کر کے پیئے گا اور اسے حلق سے نیچے نہ اتار سکے گا اور اسے ہر طرف سے موت گھیر لے گی مگر وہ مرے گا نہیں اور اس کے لئے سخت عذاب ہو گا۔

۳- چوتھے رکوع میں اللہ ﷻ نے "کلمہ ٔطیّبہ "یعنی توحید و رسالت پر ایمان اور "کلمہ ٔخبیثہ "یعنی کفر و شرک کے لئے کیا مثال بیان کی ہے؟

کلمہ ٔطیّبہ کی مثال پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں اور اللہ ﷻ کے حکم سے ہر وقت اپنا پھل دیتا ہے اور کلمہ ٔخبیثہ کی مثال ناپاک درخت کی طرح ہے جسے زمین کے اوپر سے اُکھاڑا جائے اس کے لئے کوئی قرار نہیں۔

۴- چھٹے رکوع کی روشنی میں ایک فہرست بنایئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کن کن باتوں کی دُعا مانگی؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دُعا کی کہ i۔ اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا دیجیئے۔ ii۔ میری اولاد کو بُتوں کی پوجا سے دور رکھیئے۔ iii۔ اُنہیں پھلوں سے رزق عطا فرمائیں تاکہ وہ شکر ادا کریں۔ iv۔ مجھے نماز قائم کرنے والا بنا دیجیئے اور میری اولاد کو بھی۔ v۔ مجھے اور میرے والدین کو بخش دیجیئے اور سب ایمان والوں کو بھی۔

۵- ساتویں رکوع کی روشنی میں جواب دیجیئے کہ قیامت کے دن ظالموں اور مجرموں کا کیا حال ہو گا؟

قیامت کے دن ظالموں کی آنکھیں خوف سے پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی اور وہ اپنے سر اوپر اُٹھائے ہوئے دوڑ رہے ہوں گے اور ان کے دل خوف کی وجہ سے بدحواس ہوں گے مجرم زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے ان کے کُرتے گندھک کے ہوں گے اور ان کے چہروں کو آگ ڈھانپ رہی ہو گی۔

۶- ساتویں رکوع کی روشنی میں قرآنِ حکیم کے نُزول کے مقاصد بیان کریں؟

قرآنِ حکیم انسانوں کے لئے پیغام ہے تا کہ اُنہیں خبر دار کیا جائے اور سب جان لیں کہ بے شک اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی اکیلا معبود ہے تا کہ عقل مند لوگ نصیحت حاصل کریں۔

ALL RIGHTS ® RESERVED WITH THE ILM FOUNDATION. SALE OF THIS BOOK WOULD BE A CIVIL & CRIMINAL ACT

سُوۡرَةُ الۡحِجۡر

مقاصدِ مطالعہ: اس سورت کے مطالعہ کے بعد طلبہ کو مندرجہ ذیل مضامین سے آگاہی حاصل ہونی چاہیئے:

1. آیات: ۱تا۹ — قرآن حکیم کی امتیازی شان اور حقانیت کا بیان، قیامت کے روز غافلین کی حسرت اور کافروں کی سرکشی کا ذکر اور اللہ ﷻ کی طرف سے قرآنِ مجید کی حفاظت کا ذمہ لینے کا تذکرہ۔
2. آیات: ۱۰تا۲۵ — اللہ ﷻ کے انبیاء اور رسولوں علیہم السلام کے ساتھ کفار و مشرکین کے طرزِ عمل کا بیان، منکرین رسالت کے شبہات و اعتراضات کا جواب، کافروں کی طرف سے آنحضرت ﷺ کی تکذیب پر آپ ﷺ کو تسلی دینے کا تذکرہ، آسمان کو مردود شیاطین کی شرارتوں سے محفوظ کیئے جانے کا ذکر، توحیدِ باری تعالیٰ کے دلائل، عجائباتِ قدرت اور شاہکارِ خداوندی کا بیان۔
3. آیات: ۲۶تا۴۴ — قصّہ تخلیق آدم، فرشتوں کو آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم اور شیطان کی حکم عدولی کا بیان، ابلیس کے غرور و تکبر کا بیان، گمراہی، ابلیس پر ابدی لعنت کا ذکر، ابلیس کا اعلانِ انتقام اور جہنم کے طبقوں کا تذکرہ۔
4. آیات: ۴۵تا۵۰ — اہل جنت کے دلوں سے کینہ وعداوت دور کیئے جانے کا بیان، متقی لوگوں کے لئے اخروی جزا و ثواب اور نعمتوں کا تذکرہ۔
5. آیات: ۵۱تا۸۴ — حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمان فرشتوں کا واقعہ، اللہ ﷻ کا اپنے حبیب کریم ﷺ کی تسلی کے لئے سابقہ اقوام (قوم لوط، اصحابُ الایکہ (قوم شعیب) اور اصحابُ الحجر) کا عذابِ الٰہی کے نتیجہ میں ہلاک ہونے کا بیان۔
6. آیات: ۸۵تا۸۷ — تخلیق کائنات کی حکمت و مصلحت کا ذکر، آنحضرت ﷺ کے لئے سبع مثانی اور قرآن عظیم کے تحفوں کا بیان۔
7. آیات: ۸۸تا۹۹ — مال کی بے وقعتی کا بیان، تعصب وہٹ دھرمی کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کی رسالت کا انکار کرنے اور مذاق اڑانے والوں کو سخت عذاب اور حساب وکتاب کی تنبیہ، توحید باری تعالیٰ کا بیان، نبی کریم ﷺ کی رسالت اور قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے پر دلائل کا ذکر، آنحضرت ﷺ کو اعلانیہ تبلیغ اسلام کا حکم، آپ ﷺ سے اللہ ﷻ کا خصوصی خطاب واحکامات اور آپ ﷺ کو تسلی و تشفی دیے جانے کا بیان۔

ربط سورت: ۱۔ سورۂ ابراہیم میں ایام اللہ یعنی سابقہ قوموں کے عذاب کا اجمالی ذکر تھا۔ سورۃ الحجر میں قریشی قیادت کے استہزاء پر قومِ لوط، اصحابُ الایکہ اور قومِ ثمود کی ہلاکت کے تفصیلی تذکرے بیان ہوئے ہیں۔

۲۔ سورۂ ابراہیم میں روزِ قیامت شیطان کی ایک تقریر کا ذکر تھا۔ سورۃ الحجر میں دُنیا میں شیطان کا لوگوں کو بہکانے کے شیطانی منصوبہ کا ذکر ہے۔

۳۔ سورۂ ابراہیم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اولاد کے لئے دُعا کا ذکر تھا۔ سورۃ الحجر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی بشارت کا تذکرہ ہے۔ ۴۔ دونوں سورتوں کے آغاز میں آیاتِ قرآن کی اہمیت کا بیان ہے۔

۵۔ دونوں سورتوں کے اختتام پر اللہ ﷻ کی طرف سے نبی کریم ﷺ کے ذریعہ اہل ایمان کو تسلّی دی۔

آیت نمبر۱: قرآنِ حکیم کی دوصفات کا بیان ہے۔

۱۔ قرآنِ حکیم ایک کامل کتاب ہے۔ ۲۔ قرآنِ حکیم کی آیات واضح ہیں اور اس کی کوئی بات مشکل اور اُلجھی ہوئی نہیں ہے۔

علمی بات: یہ اُس جامع اور عظیم الشان کتاب کی آیتیں ہیں جس کے مقابلہ میں کوئی دوسری کتاب "کتاب" کہلانے کی مستحق نہیں اور اُس قرآن کی آیتیں ہیں جس کے اصول نہایت صاف، دلائل روشن، احکام معقول اور واضح، بیانات شگفتہ اور فیصلہ کن ہیں، لہٰذا آگے جو کچھ بیان کیا جانے والا ہے اسے مخاطبین کو پوری توجہ سے سننا چاہیئے۔

آیت نمبر۲: بتایا گیا ہے کہ کفار موت کے وقت یا پھر دُنیا و آخرت میں اپنا انجام دیکھ کر اور اہلِ ایمان کو عزّت و کامیابی سے سرفراز ہوتا دیکھ کر مسلمان ہونے کی آرزو کریں گے۔

علمی بات: اس آیتِ کریمہ میں نبی کریم ﷺ کے لئے بشارت ہے کہ آپ ﷺ کا دین غالب ہو کر رہے گا اور ایک دن ایسا آئے گا کہ کفار تمنا کریں گے کہ کاش وہ پہلے ہی مسلمان ہو چکے ہوتے تو آج انہیں بھی وہ مقام حاصل ہوتا جو ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل ہے، جنہوں نے ابتدا ہی میں اسلام کی دعوت پر لبّیک کہا اور سابقین اوّلین قرار پائے۔ نبی کریم ﷺ کی حوصلہ افزائی اور اہلِ ایمان کی ہمت بڑھائی جا رہی ہے کہ دعوتِ دین کے کام میں صبر و استقامت کے ساتھ لگے رہیں، کیونکہ انجام کار غلبہ آپ ﷺ ہی کو حاصل ہو گا۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ کفار یہ تمنا یا تو موت کے وقت کریں گے یا قیامت کے دن، جب حقیقت کھل کر سامنے آ جائے گی اور انہیں اپنے دین و عقیدہ کے باطل ہونے کا یقین ہو جائے گا۔

آیت نمبر۳: رسول ﷺ کو کفر و شرک سے باز نہ آنے والوں کو ان کے حال پر چھوڑ دینے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ انہیں جلد ہی اپنے انجام کا پتہ چل جائے گا۔

علمی بات: آپ ﷺ کفار کو ان کے حال پر چھوڑ دیں کہ وہ دُنیا کے عیش و عشرت اور زیب و زینت سے اپنا جو حصّہ لینا چاہتے ہیں ان کو وہ حصّہ لینے دیں۔ جب یہ لوگ اپنے کرتوتوں کی سزا بھگتیں گے تو خود جان لیں گے کہ آپ ﷺ جو کچھ فرماتے تھے وہ صحیح اور حق تھا اور اس کے جواب میں وہ جو کچھ کہتے اور کرتے تھے وہ غلط اور باطل تھا۔

عملی پہلو: قرآنِ حکیم نے توجہ دلائی ہے کہ صرف کھانے پینے اور دُنیا میں مزے اڑانے کو اپنی زندگی کا اصل مقصد بنا لینا اور اسی کے لئے لمبی لمبی خیالی امیدیں باندھتے رہنا کافروں کا کام ہے۔ مسلمان دُنیا میں رہتا ضرور ہے اور اس میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں سے فائدہ بھی اٹھاتا ہے مگر اس دُنیا کو اپنی زندگی کا مقصد نہیں بناتا بلکہ اسے آخرت کی بھلائی کے لئے استعمال کرتا ہے جس کا بہترین راستہ شریعت کے احکام کی پابندی ہے۔

آیت نمبر۴: ہر مجرم قوم اور بستی پر آنے والے عذاب کا ایک وقت معین ہے۔ قوم کے نافرمانوں کو مہلت دی جاتی ہے پھر مقررہ وقت آ جانے پر انہیں ہلاک کر دیا جاتا ہے۔

علمی بات: اللہ سبحانہ و تعالیٰ جب کسی بستی کو گناہوں پر اصرار کی وجہ سے ہلاک کرنا چاہتا ہے تو اس کا ایک وقت مقرر کر دیتا ہے، تاکہ اس سے پہلے بستی والوں کو اسباب ہلاکت پر خوب غور و فکر کرنے کا موقع مل جائے اور وہ اپنی حرکتوں سے باز آ جائیں۔ کوئی بھی ظالم قوم اپنے وقت مقرر سے پہلے ہلاک نہیں ہوتی اور جب وہ وقت آ جاتا ہے تو ایک لمحہ کی تاخیر بھی نہیں ہوتی، کیونکہ حجت پوری ہو چکی ہوتی ہے اور اسے معذور سمجھے جانے کا کوئی سبب باقی نہیں رہ جاتا۔ بعض مفسرین نے کہا ہے اس آیت میں جو بستی کی تباہی اور ہلاکت کا ذکر ہے اس سے مراد وہ عذاب ہے جس نے بستیوں کو مکمل تباہ کر دیا تھا جیسے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ہود علیہ السلام کی قوموں پر عذاب آیا تھا۔

آیت نمبر۵: کوئی نافرمان قوم اپنے مقرر کردہ وقت سے پہلے یا بعد میں ہلاک نہیں ہوتی ہے۔

علمی بات: اللہ ﷻ کسی بھی قوم پر عذاب بھیجنے سے پہلے اس کو اتنی مہلت دیتا ہے کہ تقدیرِ الٰہی کی حجت اس پر تمام ہو جائے۔ اور اِتمامِ حجت کے بعد بھی اگر یہ قوم باز نہیں آتی تو وہ لازماً اپنے آخری انجام سے دوچار ہو کر رہتی ہے۔ پس منکرین و مکذّبین کو تاخیرِ عذاب سے کسی دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیئے۔

عملی پہلو: تاریخ کے اس حوالے سے ہر دور میں موجود سرکش کفار کو سبق لینا چاہیئے۔ کچھ عرصہ اگر عذاب نہیں آتا تو اس سے دھوکے میں پڑنے اور مست ہونے کے بجائے ان کو ہوش کے ناخن لینے چاہیئے اور اپنی روش بدل لینی چاہیئے۔ ورنہ وہ عذاب ان پر اپنے مقررہ وقت پر آکر رہے گا جس کے وہ مستحق ہیں، مگر اس وقت کے پچھتاوے سے ان کو کچھ حاصل نہیں ہو گا۔

آیت نمبر ۶: دعوتِ توحید کے جواب میں کفار نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں (معاذ اللہ) گستاخانہ کلمات کہے۔ اس آیت میں قرآنِ حکیم کو "الذِّکر" کہا گیا جس کے معنی یاد دہانی اور نصیحت کے ہیں۔

علمی بات: رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ بات کہنے والوں میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو اس طرح کے خیالات کا اظہار دشمن کے انداز میں نہیں بلکہ ہمدردی میں کر رہے تھے۔ جب ابتدا میں نبی کریم ﷺ نے نبوّت کا دعویٰ کیا اور بتایا کہ غارِ حرا میں ان کے پاس فرشتہ آیا ہے تو بہت سے لوگوں کو گمان ہوا کہ شاید اکیلے کئی راتیں غارِ حرا میں رہنے کی وجہ سے ضرور آپ ﷺ پر کسی بد روح یا جن کے اثرات ہو گئے ہیں (معاذ اللہ)۔ چنانچہ سورۃ ن (اس کا دوسرا نام سورۃ القلم بھی ہے) جو کہ بالکل ابتدائی دور کی سورت ہے، اس میں ان لوگوں کے خیالات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا گیا: "(اے محبوب ﷺ!) اپنے رب کے فضل سے آپ مجنون نہیں ہیں۔" (سورۃ القلم ۶۸، آیت: ۲)

آیت نمبر ۷: کفار نے رسول اللہ ﷺ سے فرشتوں کے نزول کا مطالبہ کیا۔ اس مطالبہ سے ان کا مقصد فرشتوں سے رسول کریم ﷺ اور قرآنِ حکیم کی صداقت کی گواہی حاصل کرنا تھا۔

علمی بات: کفارِ مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے دشمنی، کینہ اور سرکشی میں آکر کہا کہ اگر تم سچے ہو تو آسمان سے فرشتوں کو کیوں نہیں اتار لاتے جو تمہاری صداقت کی گواہی دے اور دعوت و تبلیغ کے کام میں تمہاری مدد کرے۔

آیت نمبر ۸: اللہ ﷻ کی طرف سے کفار کے مطالبے کا جواب دیا گیا ہے۔ فرشتوں کو عذاب کا فیصلہ دے کر ہی نازل کیا جاتا ہے جس کے بعد نافرمانوں کو مہلت نہیں دی جاتی۔

علمی بات: یہ اللہ ﷻ کی طرف سے فرشتے اتارنے کی فرمائش کا جواب ہے کہ جس قوم کے لئے کوئی پیغمبر بھیجا گیا ہو، اس کے پاس ہم فرشتے اس وقت اتارتے ہیں جب اس قوم کی نافرمانی حد سے گزر جاتی ہے اور اس فیصلے کا وقت آجاتا ہے کہ اب ان پر عذاب نازل ہو۔ پھر فرشتے تو مجرموں پر قہرِ الٰہی بن کر آتے ہیں، جیسے غزوۂ بدر میں آئے تھے یا لوگوں کی جانیں نکالنے کے لئے آتے ہیں یا پھر کسی قوم کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کرنے کے لئے آتے ہیں، پھر جب یہ آجاتے ہیں تو مجرموں کا کام تمام کر کے چھوڑتے ہیں۔ جب یہ فیصلہ کر کے فرشتے بھیج دیئے جاتے ہیں تو پھر اُس قوم کو ایمان لانے کی مہلت نہیں ملتی کیونکہ یہ دُنیا ایک امتحان کی جگہ ہے یہاں انسان سے جو ایمان مطلوب ہے وہ ایمان بالغیب ہے جس میں انسان اپنی عقل اور سمجھ کو کام میں لا کر اللہ ﷻ اور اس کی توحید کے آگے سرِ تسلیم خم کرے۔ اگر غیب کی ساری چیزیں دُنیا میں دکھا دی جائیں تو امتحان ہی کیا ہوا؟

آیت نمبر ۹: رسول اللہ ﷺ پر نازل کردہ قرآنِ حکیم اللہ ﷻ ہی کا کلام ہے اور اللہ ﷻ ہی اس کی حفاظت فرمانے والا ہے اور اس نے اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ قرآنِ حکیم کی حفاظت کے ذرائع یہ ہیں۔ ۱۔ حفظ ۲۔ کتابت ۳۔ تدریس ۴۔ عمل۔ ۵۔ نشر و اشاعت ۶۔ دعوت۔

علمی بات: ۱۔ اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر کفارِ مکہ نے اس قرآنِ حکیم کا انکار کر دیا ہے تو کیا ہوا، اس کے خلاف ان کی کوئی سازش کارگر نہ ہوگی کیونکہ وہ اللہ ﷻ کا کلام ہے، اللہ ﷻ نے اسے اپنے رسول مکرم ﷺ پر اتارا ہے اور وہی اس کی حفاظت کرتا رہے گا۔ اس میں نبی اکرم ﷺ کے لئے تسلّی کا سامان بھی ہے اور تمام مسلمانوں کے لئے بہت بڑی خوشخبری بھی کہ اس مشعلِ ہدایت کو کوئی بجھا نہ سکے گا۔ یہ قرآنِ حکیم بغیر کسی ادنیٰ تغیّر و تحریف کے باقی رہے گا اور اللہ ﷻ قیامت تک اس کی حفاظت کرتا رہے گا۔ قرآنِ حکیم کی حفاظت کی ذمہ داری کا اس طرح پورا ہونا بھی قرآنِ حکیم کی صداقت کی دلیل ہے۔

۲۔ اللہ ﷻ نے قرآن حکیم کی حفاظت اس طرح فرمائی ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کے سینوں میں اسے اس طرح محفوظ کر دیا ہے کہ اگر بالفرض کوئی دشمن قرآنِ حکیم کے سارے نسخے (معاذ اللہ) ختم کر دے تب بھی چھوٹے چھوٹے بچے اسے دوبارہ کسی معمولی تبدیلی کے بغیر لکھوا سکتے ہیں جو بذاتِ خود قرآنِ حکیم کا زندہ معجزہ ہے۔

۳۔ قرآنِ حکیم کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ یہ محفوظ ہے، اس کی زبان، ادب، ترجمہ و معانی، مطالب و مقاصد اور وہ تمام چیزیں محفوظ ہیں جو قرآنِ حکیم کے لئے ضروری ہیں، قرآنِ حکیم کے الفاظ اس باب میں نہایت حکیمانہ ہیں۔ ارشاد یہ نہیں ہے کہ قرآنِ حکیم محفوظ ہے بلکہ ذمہ داری یہ ہے کہ "ذِکر" محفوظ رہے گا کیونکہ صرف قرآنِ حکیم کے الفاظ کی حفاظت مفید اور کافی نہیں جب تک قرآنی تہذیب و تمدن، قرآنی مفہوم و مقصد، قرآنی پیغام اور قرآنی عمل محفوظ نہ ہو۔ الفاظ و حروف کا مجموعہ اگر محفوظ رہ جائے تو عملاً فائدہ مند نہیں جب تک قرآنِ ناطق یعنی حضور نبی کریم ﷺ کی سیرت مطہرہ کے نقوش ہمارے سامنے نہ ہوں۔ چنانچہ منفرد اور امتیازی شان یہ ہے کہ قرآنِ حکیم کا حرف حرف سینوں میں جبکہ حضور نبی کریم ﷺ کی شخصیت مبارکہ کا ایک ایک پہلو کتبِ سیرت میں محفوظ ہے۔

آیت نمبر ۱۰: کفار کے جھٹلانے پر رسول اللہ ﷺ کو غم نہ کرنے کی تلقین فرمائی گئی۔ ہر رسول کے ساتھ ان کی قوم نے یہی معاملہ کیا۔

علمی بات: ۱۔ "شِیَع" "شِیْعَۃٌ" کی جمع ہے، معنی ہے لوگوں کا ایسا گروہ جو خاص عقائد و نظریات، طریقوں اور ایک مذہب پر متفق ہو، اس کے معنی کسی شخص کے پیروکار و مددگار کے بھی آتے ہیں خواہ نیک ہوں یا بد۔ یہاں یہ لفظ بُرے شیعہ یعنی بُری جماعت کے معنی میں ہے، جیسا کہ ایک دوسری آیت میں آیا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ "بے شک وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور گروہ گروہ ہو گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے بے شک اُن کا معاملہ اللہ ہی کے حوالہ ہے پھر وہ اُنہیں بتائے گا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔" (سورۃ الانعام ۶، آیت: ۱۵۹)

البتہ دوسرے مقام پر یہ لفظ "نیک" کے معنی میں ہے: وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ "اور بے شک انہی کے گروہ میں سے یقیناً ابراہیم (علیہ السلام بھی) ہے۔" (سورۃ الصّٰفّٰت ۳۷، آیت: ۸۳)

۲۔ اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو تسلّی دی گئی ہے کہ آپ ﷺ ان کے جھٹلانے اور استہزاء سے رنجیدہ نہ ہوں کیونکہ یہ معاملہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے چنانچہ ہم نے آپ ﷺ سے پہلے بھی پیغمبروں کو پچھلے لوگوں کے بہت سے گروہوں میں بھیجا تھا۔

آیت نمبر ۱۱: کوئی رسول ایسے نہیں گزرے جن کے ساتھ تکذیب اور استہزاء کا معاملہ نہ کیا گیا ہو۔

علمی بات: بتایا گیا کہ جس طرح کفارِ مکہ نے سیّد دو عالم ﷺ سے جاہلانہ باتیں کیں اور بے ادبی سے آپ ﷺ کو مجنون کہا (معاذ اللہ) یہ کوئی نئی بات نہیں، بلکہ ہمیشہ سے منکرین کی عادت رہی ہے کہ جب بھی کوئی پیغمبر آیا ہے انہوں نے اس کا مذاق اُڑایا ہے۔ گویا آپ ﷺ کو تسلّی دی گئی ہے کہ کفار کی تکذیب و استہزاء سے ہرگز غمگین اور رنجیدہ نہ ہوں۔ قدیم دور سے کفار کی انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ یہی عادت رہی ہے کہ وہ رسولوں کے ساتھ تمسخر کرتے رہے ہیں (معاذ اللہ)۔

آیت نمبر ۱۲: رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کے دلوں میں کفر واستہزاء داخل کر دیا جاتا ہے۔

علمی بات: ۱۔ اللہ ﷻ نے فرمایا کہ جس طرح ہم نے ان گزشتہ مجرموں کے دلوں میں گمراہی کو داخل کر دیا تھا، کفار مکہ کے دلوں میں بھی کفر وضلالت کو پیوست کر دیں گے۔

۲۔ مجرمین سے مراد مشرکین مکہ ہیں یعنی جس طرح گزشتہ کافر امتوں کے دلوں میں ہم نے کفر واستہزاء کو داخل کر دیا تھا اسی طرح مکہ کے ان مشرکوں کے دلوں میں بھی ہم کفر واستہزاء کو داخل کرتے ہیں۔

۳۔ چونکہ انہوں نے خود ضد کرتے ہوئے کفر کا ارادہ کیا تھا اس لئے اللہ ﷻ نے ان کے دلوں میں کفر کو پیدا کر دیا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”پھر جب انہوں نے ٹیڑھ اختیار کی تو اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا اور اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔“

(سورۃ الصَّف ۶۱، آیت: ۵)

آیت نمبر ۱۳: کفارِ مکہ رسول ﷺ اور قرآنِ حکیم پر ایمان نہیں لاتے۔ سابقہ اُمّت کے نافرمان بھی رسولوں اور اللہ ﷻ کی کتاب کا انکار کرتے رہے ہیں۔

علمی بات: جس طرح منکرین حق اللہ ﷻ کی آیات کا مذاق اڑاتے ہیں، کبھی آپ ﷺ پر (معاذاللہ) کتاب گھڑ لینے کا الزام لگاتے ہیں کبھی کہتے ہیں یہ محض جادوگری اور جادو بیانی ہے، کبھی کسی معجزہ کا مطالبہ کرتے ہیں اور کبھی فرشتوں کے نزول کا، تو یہ سب کچھ ان کے آیاتِ الٰہی کو نہ ماننے کے لئے کٹ حجتیاں ہیں اور ایسا استہزاء صرف آپ ﷺ سے ہی نہیں کیا جارہا بلکہ منکرین حق پہلے رسولوں سے بھی یہی کچھ کرتے چلے آئے ہیں۔ ایسی آیات کو نازل کرنے کا ایک اہم مقصد رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو تسلّی دینا بھی ہے جو سخت سنگین حالات سے دوچار تھے۔

آیت نمبر ۱۴: کفار کے کفر کی شدّت کا بیان ہے۔ اگر ان کے لئے آسمانوں کا دروازہ کھول دیا جائے اور یہ آسمان پر چلنے لگ جائیں تب بھی ایمان نہ لائیں گے۔

علمی بات: کفّار کی ہٹ دھرمی کا ذکر ہے کہ کفران کے دلوں میں یوں جڑ پکڑ چکا ہے کہ اگر ان کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جائیں اور یہ سیڑھی لگا کر دن دہاڑے اوپر بھی چڑھ جائیں اور اللہ ﷻ کی قدرت کے روشن دلائل اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں پھر بھی یہ حق کو قبول کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوں گے۔

آیت نمبر ۱۵: آسمان کی بلندیوں پر چلنے کے باوجود کفار کہیں گے کہ یہ محض نظر کا دھوکا ہے اور ان پر جادو کر دیا گیا ہے۔ ہٹ دھرم لوگ کسی طور بھی حق کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔

علمی بات: ان کا کفر وعناد اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ فرشتوں کا نزول تو رہا ایک طرف، اگر خود ان کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جائیں اور یہ ان دروازوں سے آسمان پر آجائیں، تب بھی انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہ آئے گا اور رسولوں کی تصدیق نہ کریں گے بلکہ یہ ڈھٹائی سے کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے یا ہم پر جادو کر دیا گیا ہے، جس سے ہم ایسا محسوس کر رہے ہیں کہ ہم آسمان پر آجا رہے ہیں جبکہ حقیقت سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔

آیت نمبر ۱۶: اللہ ﷻ ہی نے ستارے پیدا کئے جو آسمان کی زینت ہیں۔

علمی بات: کفار ومنکرین کے سامنے اللہ ﷻ کی قدرت اور عظمت کے مزید تکوینی دلائل پیش کیئے جارہے ہیں۔ تاکہ وہ ان میں غور کریں اور اللہ ﷻ کی اُلوہیت اور وحدانیت کو تسلیم کرکے نورِ ہدایت سے اپنے قلوب کو روشن کریں۔ چمکدار ستاروں کو ایسے موزوں طور پر سجایا ہے کہ دیکھنے والی آنکھ ان کے حسنِ ترتیب کو دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہے۔ قدرتِ الٰہی کے مناظر میں سے کون سا ایسا منظر ہے جس سے ہر شخص اپنے اپنے ذوق کے مطابق لطف اندوز نہیں ہوتا۔ خالق کائنات نے ہر چیز کو جس طرح مفید اور مستحکم بنایا ہے اتنا ہی اسے حسن وجمال بھی بخشا ہے۔

آیت نمبر ۱۷: اللہ ﷻ نے آسمان کو ہر سرکش شیطان سے محفوظ کر رکھا ہے۔

علمی بات: اللہ ﷻ نے آسمان کو ہر مردود شیطان سے محفوظ رکھا ہے اور اگر کوئی شیطان یا سرکش جنّ عالمِ بالا کی باتیں سننے کے لئے اوپر جانے کی کوشش کرے تو آسمان کے روشن شہاب یعنی آگ کے شعلے اس کو نیچے بھگا دیتے ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ ﷻ سے چھپ کر شیطان اوپر جاسکتا ہے، ایسا ہرگز نہیں۔ دراصل اللہ ﷻ نے ہی انسانی آزمائش کے لئے شیطان کو لمبی مہلت اور غیر معمولی طاقت دے رکھی ہے اس لئے وہ اللہ ﷻ کی عطا کردہ طاقت کے ساتھ ایسے کام بھی کرسکتا ہے جو عام انسان نہیں کر سکتے۔

آیت نمبر ۱۸: اگر کوئی آسمانوں کی خبریں چوری چھپے سننے کے لئے اوپر جاتا ہے تو آگ کا انگارہ اس کے تعاقب میں لپکتا ہے۔

علمی بات: شیاطین اور سرکش جنات آسمان کے اوپر جاکر عالمِ بالا کی خبریں حاصل کرنا چاہتے ہیں، تاکہ وہ خبریں کاہنوں اور نجومیوں تک پہنچائیں اور وہ ان کے ذریعے لوگوں کو یہ باور کرائیں کہ انہیں غیب کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں، لیکن آسمان میں ان کا داخلہ شروع ہی سے بند ہے، البتہ آنحضرت ﷺ کی دُنیا میں تشریف آوری سے پہلے یہ شیاطین اور سرکش جنات آسمان کے قریب جاکر فرشتوں کی باتیں چوری چھپے سننے کی کوشش کرتے تھے اور وہاں سے کوئی بات کان میں پڑ جاتی تو اس کے ساتھ سینکڑوں جھوٹ ملاکر کاہنوں کو بتا دیتے تھے، اس طرح کبھی کوئی بات صحیح بھی نکل آتی تھی۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کے بعد ان کو آسمان کے قریب جانے سے بھی روک دیا گیا، اب اگر وہ ایسی کوشش کرتے ہیں تو ان کو ایک شعلے کے ذریعے مار کر بھگا دیا جاتا ہے۔

نوٹ: جنات کے متعلق مزید تفصیلات مطالعۂ قرآنِ حکیم حصّہ سوم اور اس کے رہنمائے اساتذہ میں "سورۃ الجن" میں ملاحظہ فرمائیں۔

آیت نمبر ۱۹: اللہ ﷻ کی قدرت کے حکیمانہ نظام کا بیان ہے۔ اللہ ﷻ نے زمین کو پھیلا کر اس پر مضبوط پہاڑ جما دیئے۔ کائنات کے نظام میں ہر چیز کی مقدار اور تعداد اس حد تک رکھ دی گئی جس حد تک اس کی ضرورت ہے۔

علمی بات: ہر چیز کی پیدائش اور افزائش اللہ ﷻ کے مقررہ اندازے کے مطابق ہی ہوسکتی ہے۔ موجودہ تحقیقات سے یہ معلوم ہوا ہے کہ نباتات کی ہر نوع میں تناسل کی اس قدر زبردست طاقت ہے کہ اگر صرف ایک ہی پودے کو زمین میں بڑھنے اور پھلنے پھولنے کا موقع دیا جائے تو چند ہی سالوں میں اسی جنس کے پودے تمام روئے زمین پر پھیل جائیں اور کسی دوسری قسم کے پودے کے لئے کوئی جگہ باقی نہ رہے، لیکن ہر نوع کی پیداوار کو اس علاقہ کی ضرورت اور وہاں کے لوگوں کی طبیعت کے مطابق پیدا کیا جاتا ہے۔ پھر ہر چیز زمین سے خوراک حاصل کرکے بڑھتی اور پھلتی پھولتی ہے لیکن وہ بھی ایک مخصوص حد تک پہنچ کر رک جاتی ہے مثلاً آج کل انسان عموماً پانچ سے چھ فٹ تک لمبا ہے تو ایسا نہیں ہوسکتا کہ کوئی انسان دُگنی خوراک کھا کر بارہ فٹ لمبا ہو جائے۔ غرض جاندار کیا اور بے جان کیا اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ہر ہر پہلو سے تعلق رکھنے والی حدیں مقرر کر رکھی ہیں جن سے وہ تجاوز نہیں کر سکتیں۔

آیت نمبر ۲۰: اللہ ﷻ نے انسان کو پیدا کرکے اس کی روزی کا سامان زمین سے پیدا فرمایا۔ اس کے علاوہ انسان کے تابع چوپایوں اور دیگر لاتعداد مخلوق کی روزی بھی زمین کے ساتھ وابستہ کر دی گئی ہے۔

علمی بات: اللہ ﷻ انسانوں کو مخاطب کرکے فرما رہا ہے کہ تم اس غلط فہمی کا شکار ہو کہ تم اپنے رزق کے خود کفیل ہو غور کرو یہ پانی جو تم پیتے ہو، یہ روٹی جو تم کھاتے ہو، یہ گوشت سبزیاں پھل وغیرہ جو تم استعمال کرتے ہو ان کے فراہم کرنے والے تو ہم ہیں۔ تم نے تو صرف ان کو پکا کر کھالیا اور پکانے اور ان چیزوں کو کام میں لانے کی سمجھ بھی ہماری دی ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ یہ اَن گنت پرندے جنگلی جانور، درندے، کیڑے مکوڑے اور سمندر میں بسنے والی جاندار مخلوق کیا ان کا کھانا تمہارے ہاں سے پک کر جاتا ہے۔ انہیں بھی ہم دیتے ہیں اور تمہیں بھی ہم کھلاتے ہیں۔

آیت نمبر ۲۱: اللہ ﷻ کے پاس ہر چیز کے خزانے اور وسائل لامحدود ہیں۔ لیکن وہ انہیں حکمت اور طے شدہ مقدار کے مطابق ہی مہیّا فرماتا ہے۔

علمی بات: ۱۔ اللہ تعالیٰ کے پاس ہر چیز کے خزانے موجود ہیں لہٰذا وہ چاہتا تو تمام انسانوں کو وافر رزق اور مال و دولت عطا کر سکتا تھا۔ مگر اس کی حکمت کا تقاضا ایسا نہیں کیونکہ ایک تو رزق کی فراوانی عموماً اللہ تعالیٰ کو بھول جانے اور گمراہ ہو جانے کا سبب بن جاتی ہے اِلّا ماشاء اللہ۔ دوسرے اگر تمام لوگ ہی مالدار ہوتے اور محتاج کوئی بھی نہ ہوتا تو دُنیا کا موجودہ نظام چل ہی نہیں سکتا تھا۔ یہ اسی صورت میں چل سکتا ہے کہ ایک کو دوسرے کی احتیاج ہو، امیر کو غریب کی احتیاج ہو اور غریب کو امیر کی، پھر اس میں انسان کی آزمائش بھی ہے۔ لہٰذا رزق کی کمی بیشی کا تمام تر معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

۲۔ ضروریاتِ زندگی کی تمام اشیاء مثلاً ہوا، پانی، روشنی، حرارت، گرمی، سردی، ان میں سے کوئی بھی چیز اپنی مقرر حد سے بڑھ جائے یا کم ہو جائے تو انسان کی زندگی محال ہو جائے۔ گویا اللہ تعالیٰ کے پاس خزانے تو ہر چیز کے ہیں مگر وہ انہیں اپنی حکمت اور طے شدہ مقدار کے مطابق ہی مہیّا کرتا ہے۔ مثلاً پانی کی زیادتی بھی اگر طوفان کی صورت اختیار کر جائے تو وہ بھی انسان کی ہلاکت کا باعث ہے اور کمی ہو تو وہ بھی۔ یہی حال دوسری ضروریات زندگی کا ہے۔

آیت نمبر ۲۲: پانی کے گردشی نظام کا بیان ہے۔ زمین و آسمان کے درمیان ہوا بادلوں کو اُٹھاتی ہے جس میں پانی ہوتا ہے۔ آسمان سے برسنے والے پانی سے انسان سارا سال پانی حاصل کرتا ہے۔ انسان خود اپنی ضرورت کے لئے سال بھر کا پانی جمع کرنے پر قادر نہیں ہے۔

علمی بات: ۱۔ اللہ تعالیٰ ٹھنڈی ہواؤں کے ذریعے سے بادل کو جو محض بھاپ ہوتی ہے بارش کے پانی میں بدل دیتا ہے، پھر اسے زمین پر برساتا ہے، جس سے انسان خود بھی سیراب ہوتا ہے اور اپنی زمینوں اور جانوروں کو بھی سیراب کرتا ہے۔ انسان اس بادل کے ایجاد کرنے اور اسے بارش کی شکل میں زمین پر برسانے سے بالکل عاجز ہے اور نہ اسے وادیوں، پہاڑوں، چشموں اور کنوؤں تک پہنچا کر آئندہ کے لئے محفوظ کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔

۲۔ آب رسانی کا یہ نظامِ الٰہی ہزاروں نعمتیں اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ اوّل تو پانی کو پیدا کرنا ایک بڑی نعمت ہے پھر بادلوں کے ذریعہ اس کو زمین کے ہر خطہ پر پہنچانا دوسری نعمت ہے پھر اس کو انسان کے پینے کے قابل بنا دینا تیسری نعمت ہے پھر اس پانی کو ضرورت کے مطابق جمع اور محفوظ رکھنے کا محکم نظام چوتھی نعمت ہے اور پھر انسان کو اس کے پینے کا موقع دینا پانچویں نعمت ہے، کیونکہ پانی کے موجود ہوتے ہوئے بھی ایسی آفتیں ہو سکتی ہیں جن کی وجہ سے آدمی پینے پر قادر نہ ہو۔ اس مقام پر انہی نعمتوں کی طرف اشارہ اور تنبیہ کی گئی ہے۔

آیت نمبر ۲۳: انسان کی روزی کی طرح اس کی حیات و ممات بھی اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ ہر چیز کا وارث بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

علمی بات: انسان جب دُنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اپنا مال دُنیا ہی میں چھوڑ کر چلا جاتا ہے گو اس کے اقرباء اس کے وارث ہوتے ہیں لیکن مجازی طور پر کیونکہ ان کا وارث ہونا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہوتا ہے اس لئے حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہی اس مال کا وارث ہوتا ہے اور اس سے زیادہ واضح حقیقت یہ ہے کہ جب قیامت کا بگل بجے گا اور تمام انسان اس دُنیا سے رخصت ہو جائیں گے تو بنی نوع انسان کی ساری املاک اور تمام اثاثہ جات اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں جائیں گے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ہی سب کا وارث یعنی مالک ہے۔

آیت نمبر ۲۴: اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت کا بیان ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ پہلوں کو بھی جانتا ہے اور بعد والوں کو بھی۔

پہلے اور بعد کے لوگوں سے مراد یہ ہے: ۱۔ اسلام لانے میں آگے نکل جانے والے اور پیچھے رہ جانے والے۔

۲۔ وہ لوگ جو پہلے گزر چکے اور بعد میں آنے والے ہیں۔ ۳۔ نیکی میں آگے بڑھنے والے اور پیچھے رہ جانے والے۔

علمی بات: اللہ تعالیٰ اگلے اور پچھلے تمام انسانوں کی خبر رکھتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جتنے لوگ دُنیا میں آئے اور گزر گئے اور جتنے لوگ قیامت تک پیدا ہوں گے، سب کی خبر رکھتا ہے۔ کون انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لایا، کس نے اللہ تعالیٰ کی بندگی کی اور کس نے نافرمانی کی؟ کوئی بات بھی اس سے

مخفی نہیں اور یہ حقیقت جس طرح اس کے کمالِ قدرت کی دلیل ہے، اسی طرح اس کے کمالِ علم کی بھی دلیل ہے اور قیامت کے دن اللہ ﷻ اوّل و آخر تمام انسانوں کو ان کی کثرت کے باوجود میدانِ محشر میں جمع کر کے اپنے علم و حکمت کے مطابق ان سے معاملہ کرے گا۔

آیت نمبر ۲۵: دوبارہ پیدا کیئے جانے پر اعتراض کرنے والوں کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ ﷻ کی ہر بات حکیمانہ ہے جس کے مطابق وہ فیصلہ کرتا ہے۔ وہ ہر شخص کے اعمال سے باخبر ہے جس کے مطابق قیامت کے دن ہر ایک کو جزائے عمل کے مرحلے سے گزرنا ہوگا۔

علمی بات: اللہ ﷻ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ انسان کو قیامت کے دن پھر زندہ کرے اور ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے اور وہ ہر شخص کو خواہ اس کو مرے ہوئے ہزارہا سال بھی کیوں نہ گزر چکے ہوں اور خواہ اس کے ذرے اُڑ کر کہیں سے کہیں کیوں نہ چلے گئے ہوں، سب کو جانتا بھی ہے اور ان کو یکجا کرنے پر قادر بھی ہے۔ جب حکمت کا تقاضا بھی ہو اور کوئی چیز اللہ ﷻ کے علم سے باہر بھی نہ ہو اور وہ ہر چیز پر قادر بھی ہو تو پھر قیامت کے انکار کی کوئی جرأت نہیں کر سکتا بجز اس بدنصیب کے جسے اللہ ﷻ کے علم محیط، قدرتِ کاملہ اور حکمت بالغہ پر ایمان نہ ہو۔

آیت نمبر ۲۶: انسان کی تخلیق کا بیان ہے۔ قرآنِ حکیم میں مختلف مراحل کا ذکر آتا ہے۔ اللہ ﷻ نے انسان کو بجنے والی مٹی سے پیدا کیا جو سڑے ہوئے گارے کی مانند تھی۔

علمی بات: مٹی کی مختلف حالتوں کے اعتبار سے اس کے مختلف نام ہیں، خشک مٹی "تراب" گیلی مٹی "طِین" گوندھی ہوئی بد بو دار "حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ" وغیرہ۔ جب "حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ" گیلی مٹی خشک ہو کر کھنکھناتی ہوئی بجنے لگے تو "صَلۡصَالٍ" اور جب اسے آگ میں پکا لیا جائے اور سوکھ کر سخت ہو جائے تو "الفَخَّار" کہلاتی ہے۔ یہاں اللہ ﷻ نے انسان کی تخلیق کا جس طرح تذکرہ کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا جسد مبارک "حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ" (گوندھی ہوئی، سڑی ہوئی، سیاہ بودار) مٹی سے بنایا گیا۔ جب وہ سوکھ کر کھن کھن کرنے لگا، یعنی "صَلۡصَالٍ" ہو گیا تو اس میں روح پھونکی گئی، جیسا کہ ارشاد فرمایا: خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ کَالۡفَخَّارِ وَخَلَقَ الۡجَآنَّ مِنۡ مَّارِجٍ مِّنۡ نَّارٍ "اُس (اللہ) نے انسان کو ٹھیکرے کی طرح بجتی ہوئی مٹی سے پیدا فرمایا۔ اور اس نے جنّات کو پیدا فرمایا آگ کے شُعلے سے۔" (سورۃ الرحمٰن ۵۵ آیات: ۱۵،۱۴) اور فرمایا: وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ طِیۡنٍ۔ "اور ہم نے انسان کو چُنی ہوئی مٹی سے پیدا فرمایا۔" (سورہ المؤمنون ۲۳ آیت: ۱۲)

آیت نمبر ۲۷: جنوں کی تخلیق انسانوں سے پہلے ہوئی تھی۔ جنوں کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا گیا۔

علمی بات: ۱۔ انسان سے پہلے ایک اور نوع کو پیدا کیا گیا تھا جس کا نام جانّ ہے۔ اس کی تخلیق "نَارِ السَّمُوۡم" سے ہوئی۔ سموم اس آگ کو کہتے ہیں، جو سخت تیز گرم ہو اور جس سے دھواں نہ اٹھے۔

۲۔ جس طرح انسان کے جدّ امجد حضرت آدم (علیہ السلام) ہیں اسی طرح جنات میں سب سے پہلے جس جن کو پیدا کیا گیا اس کا نام جانّ تھا اور اسے آگ سے پیدا کیا گیا۔ ان کو جن اس لئے کہتے ہیں کہ یہ لوگوں سے چھپے ہوئے ہوتے ہیں اور لوگ ان کو نہیں دیکھ سکتے۔

آیت نمبر ۲۸: اللہ ﷻ نے فرشتوں کو انسان کی تخلیق سے متعلق آگاہ فرمایا۔

علمی بات: حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ ﷻ نے ان کی تخلیق کے وقت جو عزّت بخشی اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ فرشتوں کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا۔

آیت نمبر ۲۹: اللہ ﷻ نے حضرت آدم علیہ السلام کے خاکی وجود کی تکمیل کے بعد اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی۔ پھر فرشتوں کو ان کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا حکم دیا۔ یہ حکم فرشتوں کے ساتھ عزازیل (ابلیس) کو بھی دیا گیا۔

علمی بات: ۱۔ آیت مذکورہ میں اللہ ﷻ نے روح کو اپنی طرف منسوب کر کے "مِنۡ رُّوۡحِیۡ" اسی لئے فرمایا ہے کہ تمام مخلوقات میں روحِ انسانی کا اشرف واعلیٰ ہونا واضح ہو جائے یعنی اس کی عزّت و تکریم بڑھانے کے لئے اسے اپنی روح قرار دیا، یہاں "میری روح" سے مراد اللہ ﷻ کی مخلوق روح ہے کیونکہ اس کی ذات کی مثل تو کوئی چیز نہیں، اس لئے اللہ ﷻ کی ذاتی روح تو کسی صورت مراد نہیں ہو سکتی۔

۲۔ صرف حضرت آدم علیہ السلام ہی نہیں دوسری جگہ ہر انسان کی روح کو اللہ ﷻ نے اپنی روح قرار دیا ہے، فرمایا: "جس نے جو چیز بھی بنائی نہایت خوب بنائی اور اس نے مٹی سے انسان کی پیدائش کا آغاز فرمایا۔ پھر اس کی نسل بنائی ایک حقیر پانی (نطفہ) کے خلاصے سے۔ پھر اس (کے اعضاء) کو درست فرمایا اور اس میں اپنی روح میں سے پھونکا اور تمہیں کان اور آنکھیں اور دل عطا فرمائے (مگر) تم کم ہی شکر کرتے ہو۔" (سورۃ السّجدۃ ۳۲، آیات: ۷ تا ۹) اور ظاہر ہے کہ انسان مخلوق ہے، یہ ایسے ہی ہے کہ ساری زمین اور اس کی ہر چیز اللہ ﷻ ہی کی ہے مگر مسجد حرام کو بیت اللہ (اللہ کا گھر) اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو اللہ کی اونٹنی قرار دیا گیا ہے۔

آیت نمبر ۳۰: اللہ ﷻ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے تمام فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ یہ سجدہ بطورِ تعظیم تھا۔ روح کی بنیاد پر انسان کا اصل شرف ہے۔

علمی بات: اللہ ﷻ نے تخلیق آدم سے پہلے ہی فرشتوں سے فرما دیا تھا کہ میں ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں جو مٹی سے بنایا جائے گا جب وہ بن جائے اور میں اس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں تو تم اس کے لئے سجدہ ریز ہو جانا۔ چنانچہ فرشتوں نے حکم مانا، فرمانبر داری کا مظاہرہ کیا اور سب نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کر دیا۔ یہ سجدۂ تعظیمی تھا۔ سجدہ عبادت نہیں تھا۔ عبادت تو غیر اللہ کے لئے کبھی بھی جائز نہیں تھی البتہ سجدۂ تعظیمی بعض سابقہ شریعتوں میں جائز تھا لیکن شریعت محمدیہ ﷺ میں سجدۂ تعظیمی بھی منسوخ کر دیا گیا۔ اب سجدۂ تعظیمی غیر اللہ کے لئے حرام ہے۔

آیت نمبر ۳۱: ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے انکار کر کے انسان پر اپنی برتری کے اظہار کی کوشش کی۔

علمی بات: تمام فرشتوں نے سجدہ کیا لیکن ابلیس نے سجدہ نہیں کیا۔ ابلیس چونکہ ملائکہ میں سے نہ تھا، جنات میں سے تھا۔ جیسا کہ سورۃ الکھف ۱۸، آیت: ۵۰ میں ہے کہ "وہ جنات میں سے تھا" لیکن فرشتوں کے ساتھ عالمِ بالا میں رہتا تھا اس لئے اس کو بھی سجدہ کا حکم دیا گیا، ابلیس نے کہا کہ میں اس کو سجدہ نہیں کرتا۔"

آیت نمبر ۳۲: ابلیس کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ بتانے کے حکم کا بیان کیا گیا ہے۔

آیت نمبر ۳۳: ابلیس نے سجدہ سے انکار کی وجہ یہ بتائی کہ انسان مٹی سے بنایا گیا ہے۔ اس نے انسان کو خود سے کم تر اور حقیر جانا۔ گویا اپنی بڑائی کا اظہار کرنا چاہا۔

علمی بات: اللہ ﷻ نے ابلیس سے پوچھا: تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ ابلیس نے کہا: میں مٹی سے بنے ہوئے انسان کو سجدہ کرنے والا نہیں ہوں۔ ابلیس نے تکبر کے ساتھ جواب دیا اور اللہ ﷻ کی جو حکم عدولی کی تھی اسے صحیح ثابت کرنے کے لئے کہنے لگا: میں ایسا نہیں ہوں کہ ایسے انسان کو سجدہ کروں جسے تُو نے سڑے ہوئے گارے کی بجنے والی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ (سورۃ الحجر ۱۵: آیت ۳۳) اسی طرح دوسرے مقام پر ذکر ہے کہ ابلیس نے کہا: کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تُو نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ (سورۃ بنی اسرائیل ۱۷، آیت: ۶۱) ابلیس نے اوّل تو نافرمانی کی پھر اوپر سے اللہ ﷻ کے حکم کو حکمت کے خلاف بتایا اور جس مخلوق کو سجدہ کرنے کا حکم فرمایا تھا اسے اپنے سے کم تر ظاہر کیا یہ سب تکبر کی وجہ سے ہوا۔ اس پر اللہ ﷻ نے شیطان کو جنّت سے نکال دیا اور اس کو ملعون کر دیا۔

آیت نمبر ۳۴: تکبر میں آکر اللہ ﷻ کے حکم کی نافرمانی کرنے والا ابلیس مردود قرار پایا۔

علمی بات: ۱۔ ابلیس کی نظر صرف اس بات پر گئی کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے۔ لیکن اللہ ﷻ کے اس فرمان کہ "اس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں" کے راز کو نہ سمجھ سکا اور ایسی ٹھوکر کھائی کہ اُس کی عمر بھر کی نیکیاں مسترد کر دی گئیں۔ وہ ہمیشہ کے لئے درِ رحمت سے دھتکار دیا گیا۔

۲۔ اللہ ﷻ نے ابلیس کو حکم دیا کہ وہ اس مقام و مرتبہ سے نکل جائے جو اسے فرشتوں میں حاصل تھا، کیونکہ اب وہ مردود ہے اور اب روزِ قیامت تک اس پر مسلسل لعنت برستی رہے گی۔

آیت نمبر ۳۵: اللہ ﷻ کی طرف سے ابلیس پر قیامت تک کے لئے لعنت برستے رہنے کا اعلان کیا گیا۔

علمی بات: ابلیس پر قیامت کے دن تک اللہ ﷻ کی پھٹکار اور بندوں کی طرف سے لعنت پڑتی رہے گی اور وہ خیر سے بعید تر ہوتا رہے گا۔ جب قیامت تک خیر کی توفیق نہ ہوگی تو اس کے بعد تو کوئی موقع ہی نہیں کیونکہ آخرت میں ہر شخص وہ ہی کاٹے گا جو یہاں دُنیا میں اُس نے بویا ہے۔ یوں قیامت کے دن تک تو لعنت رہے گی۔ اس کے بعد جو بے شمار قسم کے عذاب ہوں گے وہ لعنت سے کہیں زیادہ ہیں۔

آیت نمبر ۳۶: ملعون قرار دیئے جانے کے بعد ابلیس نے اللہ ﷻ سے قیامت تک مہلت مانگی۔

علمی بات: اللہ ﷻ کی رحمت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہونے کے باوجود ابلیس نے ربِّ کریم کی بارگاہ میں درخواست پیش کی کہ اے میرے رب! مجھے قیامت تک زندہ رکھ اور مہلت دے کہ میں ابنِ آدم کو گمراہ کرتا رہوں۔ گویا ابلیس اس حکمِ اخراج اور اس لعنت سے شرمندہ یا مرعوب ہونے کے بجائے اور زیادہ اکڑ گیا۔ اس نے روزِ قیامت تک کے لئے اس لئے مہلت مانگی کہ اس کو موقع مل جائے کہ وہ آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو اپنے فتنوں میں مبتلا کر کے یہ ثابت کر سکے کہ یہ اس شرف کے اہل نہیں ہیں جو ان کو بخشا گیا ہے اور ان کو سجدہ نہ کرنے کے معاملے میں وہ بالکل بجانب حق تھا۔

آیت نمبر ۳۷: اللہ ﷻ نے ابلیس کو مہلت دیئے جانے کی درخواست قبول فرمالی۔

علمی بات: اس میں حکمت یہ ہے کہ اللہ ﷻ کے بندوں کی آزمائش ہو جائے، ابلیس کی قوّت یا ہستی اگر باقی نہ رہے تو اس عالمِ ابتلاء کی مصلحتیں ہی فوت ہو جائیں لیکن یہ بھی خوب واضح رہے کہ ابلیس کے ہاتھ میں قوّت صرف پھسلانے اور سبز باغ دکھانے کی ہے، گویا وہ بزور کسی کو بُرائی پر نہیں لگا سکتا، ہاں ترغیب دے سکتا ہے۔ یہاں اس نے مہلت مانگی تھی اور اس کی خواہش کے مطابق دی گئی۔

آیت نمبر ۳۸: معینہ وقت تک کے لئے ابلیس کو مہلت دے دی گئی۔

علمی بات: ۱۔ معین وقت تک شیطان زندہ رہے گا۔ ویسے تو جنات کی عمریں انسانوں سے کافی زیادہ ہوتی ہوں گی مگر ایسا کوئی جن بھی نہیں ہے جو اس ابتدائی تخلیق کے وقت سے لے کر آج تک زندہ ہو، ماسوائے اس ایک جن کے جس کا نام عزازیل (شیطان اور ابلیس) ہے۔ باقی اس کی اولاد اور ذُریّت اپنی جگہ ہے۔

۲۔ شیطان نے مہلت تو روزِ حشر تک کے لئے مانگی تھی، لیکن اللہ ﷻ نے اس وقت کے بجائے ایک اور معین وقت تک کے لئے اسے مہلت دی، اکثر مفسرین کے مطابق وہ پہلے صور کے پھونکنے تک ہے جس کے بعد ساری مخلوقات کو موت آئے گی، اس وقت شیطان کو بھی موت آجائے گی۔

آیت نمبر ۳۹: ابلیس کا انسانوں کو گمراہ کرنے کے عزم کا بیان ہے۔ اس نے قسم اُٹھا کر کہا کہ وہ انسان کے سامنے دُنیا کی لذّتیں اور عارضی فوائد کو خوشنما بنا کر پیش کرے گا۔

علمی بات: چاہیئے تو یہ تھا کہ ربِ کریم کی شفقت و مہربانی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ابلیس اللہ ﷻ سے معافی کا خواستگار ہوتا، مگر معافی کا خواستگار ہونے

کے بجائے مزید سرکشی اور گستاخی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے آدم کی وجہ سے رُسوا کیا ہے۔ اس لئے میں زمین پر جا کر آدم اور اس کی اولاد کو خوش فہمیوں اور فریب کاریوں کے ذریعے گمراہ کروں گا۔

آیت نمبر ۴۰: شیطان نے اپنی بے بسی کا بھی اعلان کر دیا کہ اللہ ﷻ کے مخلص اور منتخب بندوں پر اس کا کوئی حملہ کامیاب نہ ہوگا۔

علمی بات: ا۔ مخلص کا معنی ہے جو اللہ ﷻ پر بلا شرکتِ غیر ایمان لائے اور اخلاص کے ساتھ اللہ ﷻ کی عبادت کرے اور اس کے رسول ﷺ کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق زندگی بسر کرے۔

۲۔ شیطان نے اللہ ﷻ سے کہا کہ وہ بندے جن کو تو نے اپنی عبادت واطاعت کے لئے چن لیا اور شکوک وشبہات کی آلودگیوں سے پاک وصاف رکھا، ان پر میرا بس نہیں چلتا۔ یہ وہ پاک لوگ ہیں جن کے عزم واستقامت کے سامنے شیطان ہار ماننے پر مجبور ہے۔

آیت نمبر ۴۱: بندوں کا اخلاص ہی اللہ ﷻ تک پہنچنے کا سیدھا راستہ ہے۔ اخلاص کے ساتھ بندگی کرنے والے شیطان سے محفوظ رہتے ہیں۔ اللہ ﷻ نے اسی وقت واضح فرمادیا کہ جو لوگ اخلاص اور بندگی کا راستہ اختیار کریں گے وہ سیدھا اللہ ﷻ تک پہنچے گے یعنی اس راہ پر چلنے والے کو اُس کی رضا حاصل ہوگی اور ایسے لوگوں پر شیطان کے بہکاوے کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔

آیت نمبر ۴۲: اللہ ﷻ کے مخلص بندوں پر ابلیس کو اختیار حاصل نہیں ہوگا۔ البتہ گمراہ لوگ جو ابلیس کی پیروی کریں گے ان پر اس کو غلبہ حاصل ہوگا۔ جو لوگ راہِ حق سے بھٹکے ہوئے ہوں اور گمراہی جن کی طبیعت ثانیہ بن چکی ہو وہ شیطان کی سازش کا شکار ہو جائیں گے۔ ایسے تمام لوگوں کا ٹھکانہ جہنّم ہوگا۔

علمی بات: میرے بندوں سے مراد وہ بندے ہیں جو اللہ ﷻ کے حکم پر چلنے کا پختہ عزم رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر شیطان کا زور نہ چلنے کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ شیطان انہیں بھی گمراہ کرنے کی کوشش تو کرے گا لیکن وہ اپنے اخلاص اور اللہ ﷻ کے فضل سے اس کے دھوکے میں نہیں آئیں گے۔ جبکہ بندوں میں سے جو اپنے اختیار سے ابلیس کی پیروی کرے گا وہ اس کا تابع ہوگا اور یہ پیروی بھی اس وجہ سے نہیں ہوگی کہ ابلیس اس کو زبردستی یا جبر سے اپنا پیروکار بنائے گا۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "شیطان نے کہا: اے میرے رب! تیری عزّت کی قسم میں ہمیشہ تیرے بندوں کو گمراہ کرتا رہوں گا جب تک ان کے جسموں میں روحیں موجود ہیں۔ اللہ ﷻ نے فرمایا مجھے میری عزّت اور جلال کی قسم! میں ہمیشہ انہیں معاف کرتا رہوں گا جب تک یہ مجھ سے بخشش طلب کرتے رہیں گے"۔

آیت نمبر ۴۳: ابلیس کی پیروی کر کے گمراہ ہونے والوں کے لئے جہنّم کی وعید سنائی گئی ہے۔

علمی بات: جب ابلیس نے کہا کہ میں ان سب کو گمراہ کروں گا تو اللہ ﷻ نے فرمایا "میں ضرور جہنم کو بھر دوں گا تجھ سے اور ان سب سے جو تیری پیروی کریں گے۔" (سورۃ ص ۳۸، آیت: ۸۵)

عملی پہلو: ابلیس تو اپنے تکبر کی وجہ سے جہنّم میں جانے کو تیار ہے۔ بنی آدم پر افسوس ہے کہ وہ اپنے اس دشمن کی باتوں پر چلتے ہیں جس نے انہیں گمراہ کرنے کی قسم اُٹھائی تھی، ابلیس تو اپنی قسم پر جما ہوا ہے لیکن بنی آدم جو اس کے ہاتھ لگے ہوئے ہیں اور اس کے پیروکار بنے ہوئے ہیں وہ ذرا سی لذّت کی وجہ سے جو گناہوں میں محسوس ہوتی ہے اپنی جانوں کو دوزخ میں گھسیٹ دیتے ہیں، دشمن کی بات مانتے ہیں اور خالق و مالک کی نصیحت پر عمل کرنے کو تیار نہیں۔

آیت نمبر ۴۴: جہنّم کی کچھ وضاحت کا بیان ہے: ا۔ جہنّم کے سات دروازے ہیں اور ہر دروازہ خاص قسم کے مجرمین کے لئے مخصوص ہوگا۔

۲۔ یا سات دروازے سے مراد جہنّم کے سات درجے اور طبقات ہیں جو ایک دوسرے کے اوپر ہیں۔ واللہ اعلم

علمی بات: ھُم سے ابلیس کے پیروکار مراد ہیں۔"اُن (دوزخیوں) کا ایک حصہ مخصوص ہو گا" مراد یہ ہے کہ ایک ہی گناہ کے مجرم الگ کر دیئے جائیں گے اور وہ سب ایک ہی دروازہ سے داخل ہوں گے۔ جیسے دہریے ایک دروازے سے، مشرک الگ دروازہ سے، منافق الگ دروازے سے وغیرہ وغیرہ۔ بالفاظ دیگر جہنّم کے ہر طبقہ کے لئے الگ الگ دروازہ ہو گا اور یہ طبقات بھی سات ہی ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک ان کے نام یہ ہیں۔
ا۔جَهَنَّمُ ۲۔ سَعِيرٌ ۳۔ لَظٰی ۴۔حُطَمَةٌ ۵۔ سَقَرُ ۶۔ جَحِيمٌ ۷۔ هَاوِيَةٌ۔ جہنّم کا لفظ ان سب طبقات کے لئے عام بھی ہے اور پہلے طبقہ کا نام بھی ہے ہر طبقہ میں تدریجاً عذاب زیادہ ہوتا جائے گا اور مختلف گناہوں والے اپنے اپنے گناہوں کی سنگینی کے مطابق الگ الگ حصوں میں ڈالے جائیں گے۔

فرمانِ نبوی A: حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم A نے فرمایا" جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ ان میں ایک دروازے کا نام ریان ہے۔ جس سے داخل ہونے والے صرف روزے دار ہوں گے۔" (صحیح بخاری)

آیت نمبر ۴۵: اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے والے پرہیز گاروں کے لئے انعامات کا ذکر ہے۔ ان کا ٹھکانا باغات اور نہروں والی جنّت میں ہو گا۔

علمی بات: قرآنِ حکیم اپنے معروف طریقے کے مطابق جہنّم اور اہل جہنّم کا حال بیان کرنے کے بعد اب اہل جنّت کا حال بیان کر رہا ہے کہ وہ باغات اور چشموں میں ہوں گے۔

آیت نمبر ۴۶: اہل جنّت کو سلامتی اور اطمینان کے ساتھ جنّت میں داخل ہونے کی بشارت دی جائے گی۔

علمی بات: قیامت کے دن اہل جنت سے یہ کہا جائے گا کہ وہ پوری سلامتی کے ساتھ اور تمام آفات و مصائب سے محفوظ و مامون جنّت میں داخل ہو جائیں۔ اب انہیں ہر ناپسند چیز سے سلامتی ہے اور آئندہ بھی کسی شر کا اندیشہ نہیں ہے۔ وہ لوگ ایک دوسرے کو سلام کہتے ہوئے، فرشتوں کے سلام سنتے ہوئے اور پروردگار عالم کے "سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ "(سورۃ یٰسٓ ۳۶، آیت: ۵۸) کے ساتھ جنّت میں داخل ہوں گے۔ جنّت کا ایک نام "دار السلام" بھی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:"ان کے لئے ان کے رب کے پاس سلامتی کا گھر ہے اور وہ ان کا مدد گار ہے ان اعمال کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے تھے۔" (سورۃ الانعام ۶، آیت: ۱۲۷)

آیت نمبر ۴۷: اہل جنّت کے سینوں کو ہر قسم کی رنجشوں اور کدورتوں سے پاک کر دیا جائے گا۔ وہ جنّت میں محبت کرنے والے بھائیوں کی طرح رہیں گے اور ایک دوسرے کے آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔

علمی بات: دُنیا میں طبعی تقاضے کی وجہ سے ان کے دلوں میں جو رنجش تھی وہ سب ان کے دلوں سے جنّت میں داخل ہونے سے قبل ہی دور کر دی جائے گی کہ سب بھائی بھائی کی طرح اُلفت و محبت سے رہیں گے جنت کے شاہانہ تختوں پر آمنے سامنے بیٹھا کریں گے۔ وہاں ان کو ذرا بھی تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔

فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جنتیوں کے دل ایک آدمی کے دل جیسے ہوں گے کہ نہ ان میں اختلاف ہو گا اور نہ بغض۔" (صحیح بخاری)

آیت نمبر ۴۸: جنّت کی دو خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔

ا۔ اہل جنّت کو جنّت میں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ ۲۔ جنّت میں قیام اور ملنے والی نعمتیں دائمی ہوں گی۔

علمی بات: جنّت کی دو خصوصیات معلوم ہوئیں، اول یہ کہ کسی کو کبھی تکان اور ضعف محسوس نہ ہو گا بخلاف دُنیا کے کہ یہاں محنت و مشقت کے کاموں سے تو ضعف و تکان ہوتا ہی ہے۔ خاص آرام اور تفریح سے بھی کسی نہ کسی وقت آدمی تھک جاتا ہے اور ضعف محسوس کرنے لگتا ہے خواہ وہ کتنا ہی لذیذ

کام اور مشغلہ ہو۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جو آرام وراحت اور نعمتیں وہاں کسی کو مل جائیں گی پھر وہ دائمی ہوں گی نہ وہ نعمتیں کبھی کم ہوں گی اور نہ ان میں سے کسی شخص کو نکالا جائے گا۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (ایک منادی ندا دے گا اے جنّت والو!) بے شک تمہارے لئے یہ ہو گا کہ تم تندرست رہو گے کبھی بیمار نہیں ہوگے اور تمہارے لئے یہ ہو گا کہ تم زندہ رہو گے، کبھی تمہیں موت نہیں آئے گی اور تمہارے لئے یہ ہو گا کہ تم جوان رہو گے، کبھی بوڑھے نہیں ہوگے اور تمہارے لئے طے ہو چکا کہ تم خوش حال رہو گے، کبھی تنگی اور تکلیف نہیں اٹھاؤ گے۔ (صحیح مسلم)

آیت نمبر ۴۹: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شانِ رحمت کا بیان ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مغفرت اور رحمت بہت وسیع ہے۔

علمی بات: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا ہے کہ آپ میرے بندوں کو اس بات کی خبر دے دیجئے کہ جو اپنے گناہوں سے تائب ہو گا اور ایمان وعمل صالح کی زندگی اختیار کرے گا، اس کے گناہوں کو میں معاف کر دوں گا اور اس کے حال پر رحم کروں گا۔

آیت نمبر ۵۰: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفتِ رحمت سے فائدہ نہ اٹھانے والوں کے لئے عذاب بھی دردناک ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت اور عذاب دونوں کو سامنے رکھنا چاہیئے۔

علمی بات: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بندوں کی دو قسمیں ہیں متقی اور غیر متقی۔ پچھلی آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا خاص لطف وکرم یہ ہے کہ بندوں کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے کہ آپ میرے بندوں کو بتادیں کہ میں نے اپنے کرم سے اپنے اوپر اپنے بندوں کی مغفرت کو لازم کر لیا ہے۔ چونکہ یہ خدشہ تھا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کی وسعت کا سن کر بندے گناہوں پر دلیر نہ ہو جائیں تو اس کے ساتھ ہی آیت میں فرمایا اور یہ کہ میرا عذاب ہی درناک عذاب ہے یعنی لوگ عذاب کے ڈر سے گناہوں سے باز رہیں۔

آیت نمبر ۵۱: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی دو شانوں کے اظہار کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنے والے مہمان فرشتوں کا بیان ہے۔ انہیں مہمان اس لئے کہا گیا کہ وہ اجنبی صورت میں آئے تھے۔ یہ مہمان فرشتے جو اصل میں تو حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی طرف بھیجے جا رہے تھے کہ ان کی بستی کو تباہ کر ڈالیں۔ پہلے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف آئے۔

علمی بات: گزشتہ آیات میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت بھی وسیع ہے اور عذاب بھی بڑا سخت ہے، لہٰذا انسان کو نہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا چاہیئے اور نہ اس کے عذاب سے بے فکر ہو کر بیٹھنا چاہیئے۔ اس مناسبت سے ان مہمانوں کا یہ واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے، کیونکہ اس واقعے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت کا بھی بیان ہے کہ یہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بڑھاپے میں حضرت اسحاق علیہ السلام جیسے عظیم بیٹے کی پیدائش کی بشارت لے کر آئے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سخت عذاب کا بھی ذکر ہے کہ انہی فرشتوں کے ذریعے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کیا گیا۔

آیت نمبر ۵۲: مہمانوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سلام کیا۔ فرشتوں نے ملاقات کا ادب ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے سلام کیا۔ ان کی آمد سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ڈر کا اظہار کیا۔

علمی بات: دو خوبصورت نوجوان مہمان بن کر اچانک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر پر تشریف لائے۔ انہوں نے آکر آپ علیہ السلام کو سلام کہا، یہ گویا اس بات کی علامت تھی کہ ہم آپ علیہ السلام کے لئے سلامتی کا پیغام لائے ہیں، ہم آپ علیہ السلام کے دشمن نہیں۔ آپ علیہ السلام اگرچہ انہیں پہچان نہیں سکے کیونکہ ان کی شکلیں بالکل اجنبی لوگوں کی تھیں۔ لیکن یہ سمجھ کر کہ وہ شریف مہمان ہیں جلدی سے ان کے لئے کھانے کا انتظام کیا۔ جب کھانا ان کے سامنے رکھا گیا تو

انہوں نے ہاتھ بڑھانے سے گریز کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں انسانی صورت میں پہنچے تھے اور ابتدا میں انہوں نے اپنا تعارف نہیں کرایا تھا۔ اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کچھ تشویش سی ہوئی۔ کیونکہ اس علاقے کے رواج کے مطابق اگر کوئی مہمان میزبان کی ضیافت قبول نہیں کرتا تھا تو اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ وہ مہمان نہیں بلکہ دشمن ہے اور وہ کسی انتقام کے لئے آیا ہے۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کچھ ڈر محسوس ہوا۔

نوٹ: اس واقعہ کی مزید تفصیلات سورہ ہود آیات: ۶۹ تا ۷۴ رہنمائے اساتذہ حصّہ پنجم میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

آیت نمبر ۵۳: مہمانوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تسلّی دی۔ مزید بر آں انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک علم والے بیٹے (اسحاق علیہ السلام) کی خوشخبری دی۔

علمی بات: آنے والے مہمان فرشتوں نے کہا کہ آپ علیہ السلام ہماری طرف سے پریشان نہ ہوں، ہم تو آپ علیہ السلام کے لئے خوشخبری لے کر آئے ہیں اور وہ خوشخبری یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس بڑھاپے میں ایک نہایت سمجھدار اور صاحبِ علم لڑکا عطا فرمائے گا۔ لفظِ غلام کے ساتھ علیم کی صفت سے اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ جو بیٹا آپ علیہ السلام کو عطا فرما رہا ہے وہ کوئی عام فرزند نہیں ہوگا بلکہ وہ علمِ نبوّت سے بھی سرفراز ہوگا اور جلیل القدر نبی ہوگا۔ اس بات نے اس خوشخبری کی قدر و قیمت میں بیش بہا اضافہ کر دیا۔

آیت نمبر ۵۴: بڑھاپے میں بیٹے کی خوشخبری سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حیرت کا اظہار فرمایا۔

علمی بات: ۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال کا مطلب یہ تھا کہ ایک بڑی مدّت کے بعد تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام جیسا بیٹا عطا فرمایا تھا۔ اور اب تو اس کو پیدا ہوئے بھی ایک عرصہ گزر گیا اور میں اگرچہ اس وقت بھی بوڑھا تھا لیکن اب تو پہلے سے بھی زیادہ بوڑھا ہو گیا ہوں۔ اب یہ خوشخبری کیسے؟ پھر یہ جو تم حضرت سارہ علیہا السلام کے بطن سے بیٹے کی خوشخبری سنا رہے ہو تو یہ بات مزید حیران کن ہے کہ وہ تو عمر کے اس حصّے کو پہنچ چکی ہے جس میں بظاہر اولاد کا پیدا ہونا محال ہوتا ہے۔ یعنی ایسی پیرانہ سالی میں اولاد ہونا عجیب و غریب ہے۔

۲۔ دراصل اس کلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ مجھ جیسے بوڑھے شخص پر اتنا فضل عظیم ہو رہا ہے، ورنہ عادتاً یہ بات ممکن نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس نعمتِ عظمیٰ کو اظہار تشکر کے لئے تعجب کے رنگ میں بیان فرما دیا۔ ورنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شایان شان نہیں کہ وہ اس بات کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی شانِ قدرت سے بعید سمجھ کر تعجب کریں۔

آیت نمبر ۵۵: فرشتوں نے بیٹے کی بشارت کو حقیقی اور قطعی ہونے کی تسلّی دی۔ مزید براں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونے کی تلقین کی۔

علمی بات: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چونکہ تعجب سے کہا کہ اس بڑھاپے میں اب اولاد ہوگی؟ تو فرشتوں نے تسلّی کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں، وہ حق ہے، واقعی ایسا ہی ہوگا، اللہ سبحانہ و تعالیٰ ضرور آپ علیہ السلام کو ایک لڑکا مرحمت فرمائے گا۔ جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ مخلوق کو بغیر ماں باپ کے پیدا کرنے پر قادر ہے، وہ یہ بھی قدرت رکھتا ہے کہ بوڑھے مرد اور بوڑھی بانجھ عورت سے بھی اولاد پیدا کر دے۔

آیت نمبر ۵۶: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پیغمبرانہ شان پر مبنی جواب دیا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رحمت سے تو گمراہ لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں۔

علمی بات: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں کی بات سے معاملہ سمجھ لیا اور کہا میں نے مایوسی کی بناء پر ایسا نہیں کہا، کیونکہ مایوسی تو گمراہی ہے بلکہ اس لئے کہا کہ عادتاً اور عموماً اس عمر میں اولاد نہیں ہوتی۔ میں اپنے رب کی رحمت سے ہرگز ناامید نہیں ہوں۔ اس کی رحمت سے مایوس تو صرف وہ لوگ ہوتے ہیں جو سیدھی راہ سے بھٹک گئے ہوں جنہوں نے حق تعالیٰ کے علم و قدرت کا کمال اور رحمت کی وسعت نہیں جانی۔

آیت نمبر۵۷: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کی خوشخبری سننے کے بعد فرشتوں سے ان کے آنے کی اصل وجہ معلوم کی۔

علمی بات: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سمجھ لیا تھا کہ فرشتے صرف انہیں بیٹے کی خوش خبری دینے کے لئے آسمان سے نہیں اترے، ضرور کوئی اور بات بھی ہے۔ اسی لئے انہوں نے پوچھا کہ تمہاری آمد کا اصل مقصد کیا ہے؟ یعنی کیا محض یہ بشارت سنانے کے لئے ہی بھیجے گئے ہو یا کوئی اور مہم بھی ہے جس پر مامور ہو کر آئے ہو۔ غالباً قرائن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھے کہ فرشتوں کی تشریف آوری کا اصل مقصد کچھ اور ہے۔ ممکن ہے جو خوف انہیں دیکھ کر پیدا ہوا تھا اسی سے خیال گزرا ہو کہ خالص بشارت لانے والوں کو دیکھ کر خوف کیسا۔ ضرور کوئی دوسری خوفناک چیز بھی ان کے ساتھ ہو گی۔ واللہ اعلم۔

آیت نمبر۵۸: فرشتوں نے کہا کہ وہ ایک مجرم قوم (قومِ لوط) کو ہلاک کرنے آئے ہیں۔

علمی بات: فرشتوں نے کہا ہمارا ایک مقصد اور بھی ہے کہ ہم مجرموں کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ مراد لوط علیہ السلام کی قوم ہے۔ ان کی قوم کی سرکشیوں اور حد سے زیادہ نافرمانیوں کا یہ عالم ہے کہ اب ان لوگوں کی ہلاکت کا وقت آچکا ہے۔ ہم اس وقت کا اعلان کرنے کے لئے لوط (علیہ السلام) کے پاس جا رہے ہیں۔

آیت نمبر۵۹: فرشتوں نے مزید بتایا کہ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو عذاب سے بچا لیا جائے گا۔

علمی بات: فرشتوں نے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے اصل حقیقت واضح کی کہ ہمیں دراصل قومِ لوط پر عذاب دینے کے لئے بھیجا گیا ہے تو اس سے قدرتی طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں یہ تشویش پیدا ہو گئی کہ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کا کیا بنے گا؟ تو فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس تشویش کو دور کرنے کے لئے اس کی تصریح کر دی کہ ان کو ہم اس عذاب سے بچائیں گے۔ یعنی صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے نافرمانوں پر ہی عذاب نازل ہو گا۔

آیت نمبر۶۰: فرشتوں نے بتایا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی قوم کے ساتھ ہلاک ہو گی۔

علمی بات: حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی نافرمان تھی اور مجرم قوم کے ساتھ تعلق رکھتی تھی۔ وہ بھی قوم کے جرم میں برابر کی شریک تھی اس لئے اسے بھی اسی عذاب سے دوچار ہونا پڑا جو اس قوم پر نازل ہوا۔

آیت نمبر۶۱: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد فرشتوں کی حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں آمد کا ذکر ہے۔

علمی بات: حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی طرف فرشتوں کی آمد کا مقصد مجرم و نافرمان قوم کو عذاب دینا تھا۔

آیت نمبر۶۲: فرشتے خوبصورت نوجوانوں کی صورت میں آئے تھے جو حضرت لوط علیہ السلام کے لئے انجان تھے۔

علمی بات: آپ علیہ السلام کو بھی ان کی آمد سے خطرہ محسوس ہوا لیکن آپ علیہ السلام کے خطرہ کی نوعیت بالکل الگ تھی۔ آپ علیہ السلام اپنی قوم کا حال بھی جانتے تھے جو اجنبیوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کی کوشش کرتے تھے اور یہ نوجوان لڑکے بہت خوبصورت تھے۔ لہٰذا دل ہی دل میں آپ علیہ السلام پیش آنے والے حالات سے خوف محسوس کر رہے تھے۔

آیت نمبر۶۳: فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو اصل صورتحال سے آگاہ کیا۔ وہ اپنے ساتھ عذابِ الٰہی کا فیصلہ لائے تھے جس کے آنے میں قومِ لوط کو شک تھا۔

علمی بات: حضرت لوط علیہ السلام جب اپنی قوم کو متنبہ کرتے تھے کہ اگر تم لوگ شرک سے اور فعل بد سے باز نہیں آؤ گے تو تم پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا عذاب آئے گا، تو وہ آپ علیہ السلام کا مذاق اڑاتے تھے، کیونکہ انہیں یقین نہیں تھا کہ ان پر واقعی عذاب آجائے گا۔ فرشتوں نے کہا کہ آج ہم وہی عذاب لے کر آگئے ہیں جس کے بارے میں یہ لوگ شک میں تھے۔ فرشتوں نے آپ علیہ السلام کو اصل صورت حال بتا کر آپ علیہ السلام کے خوف کو بھی دور کر دیا۔

آیت نمبر ۶۴: حق سے مراد عذاب کا فیصلہ ہے جس کے ساتھ فرشتے بھیجے گئے تھے۔ فرشتوں نے عذاب کے آنے کی یقین دہانی کرائی۔

علمی بات: حق سے عذاب مراد ہے جس کے لئے وہ بھیجے گئے تھے، اس لئے انہوں نے کہا ہم بالکل سچے ہیں۔ یعنی عذاب کی جو بات ہم کر رہے ہیں وہ بالکل سچی ہے۔ اب اس قوم کی تباہی کا وقت بالکل قریب آ پہنچا ہے۔

آیت نمبر ۶۵: فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو رات کے آخری حصّہ میں اپنے گھر والوں کے ساتھ ہجرت کر جانے کی تاکید کی کہ آپ علیہ السلام رات کے آخری پہر میں اپنے گھر والوں کو (سوائے بیوی کے) لے کر یہاں سے نکل جایئے اور آپ علیہ السلام ان کے پیچھے رہیئے، تاکہ انہیں تیز چلنے پر ابھارتے رہیں اور خیال رکھیں کہ کوئی پیچھے نہ رہ جائے اور نہ کوئی پیچھے مڑ کر دیکھے اور اس علاقے میں چلے جائیں جہاں جانے کا آپ علیہ السلام کو حکم دیا گیا ہے۔

علمی بات: اکثر مفسرین کرام کے نزدیک اس سے مراد شام کا علاقہ ہے۔

آیت نمبر ۶۶: حضرت لوط علیہ السلام کو بذریعہ وحی آگاہ کر دیا گیا کہ صبح ہوتے ہی ان کی قوم کو ہلاک کر دیا جائے گا۔

علمی بات: اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو بذریعہ وحی اس عذاب کی خبر پہلے ہی دے دی تھی کہ صبح کے وقت تمام کفار ہلاک ہو جائیں گے اور ان میں سے کوئی نہیں بچے گا، جیسا کہ دوسری جگہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "بے شک ان کے (عذاب کے) وعدے کا وقت صبح ہے کیا صبح قریب نہیں ہے؟" (سورۂ ھود ۱۱، آیت: ۸۱)

آیت نمبر ۶۷: مہمانوں کی آمد کی خبر پا کر قوم کے لوگ حضرت لوط علیہ السلام کے گھر پہنچ گئے۔ ان کو خوشی یہ تھی کہ وہ اپنے بُرے ارادے کی تکمیل کر سکیں گے۔

علمی بات: جب قومِ لوط کو یہ خبر ملی کہ حضرت لوط علیہ السلام کے گھر مہمان آئے ہوئے ہیں اور بہت ہی حسین و جمیل نوجوان لڑکے ہیں تو وہ خوشی خوشی ایک دوسرے کو ان کی آمد کی اطلاع دینے لگے۔ پھر وہ جمع ہو کر خوشیاں مناتے ہوئے حضرت لوط علیہ السلام کے گھر آئے۔

آیت نمبر ۶۸: حضرت لوط علیہ السلام نے اپنے مہمانوں کے دفاع کی کوشش کی۔ قوم کو مہمانوں کے سامنے انہیں رُسوا نہ کرنے کی تلقین کی۔

علمی بات: حضرت لوط علیہ السلام اس وقت تک فرشتوں کو اپنا مہمان سمجھے ہوئے تھے۔ اس لئے قوم کے بدکرداروں کو دیکھ کر ان سے کہنے لگے کہ یہ لوگ میرے مہمان ہیں، مجھے ان کے سامنے رُسوا نہ کرو کیونکہ مہمان کی رُسوائی میزبان کی رُسوائی ہے۔ اس لئے تم اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے ڈرو اور مجھے رُسوا نہ کرو۔

آیت نمبر ۶۹: حضرت لوط علیہ السلام کا قوم کو بُرے عمل کے ارتکاب کے بارے میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین کا ذکر ہے۔

علمی بات: حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرایا اور بے حیائی کے کام چھوڑنے کی تلقین فرمائی۔ حضرت لوط علیہ السلام نے نہایت موئثر اور دلسوز انداز میں ان لوگوں کو سمجھایا، کہ یہ میرے مہمان ہیں، ان کی عزّت و آبرو کی حفاظت مجھ پر اخلاقی طور پر فرض ہے۔ اگر تم لوگوں نے ان پر کسی طرح کی دست درازی کی تو میں ان کی نگاہوں میں رُسوا ہو جاؤں گا۔

آیت نمبر ۷۰: حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ڈھٹائی اور بد اخلاقی کے مظاہرہ کا ذکر ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت لوط علیہ السلام ہر کسی کی حمایت کرتے ہوئے ان کے معاملے میں دخل اندازی نہ کریں۔

علمی بات: حضرت لوط علیہ السلام کی اس بڑی موئثر اور نہایت پُرسوز اپیل کا ان بے حیا اور نافرمان لوگوں پر کوئی اثر نہ ہوا اور انہوں نے نہایت گستاخانہ انداز میں آپ علیہ السلام سے کہا کہ کیا ہم نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم دُنیا بھر کے اجنبی لوگوں کی مہمان نوازی اور حمایت کرنے سے باز رہو اور ایسے لوگوں کو اپنے گھر میں نہ آنے دو۔ جو ہماری اس قدر صاف اور واضح تنبیہ کے باوجود تم ان خوب صورت مہمانوں کو اپنے گھر میں پناہ دے رہے ہو۔ اس سے ان بدبختوں

کی شقاوتِ قلبی اور ان کی سیاہ بختی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہی حال ہوتا ہے اس بد بخت قوم کا جو اپنے آخری اور ہولناک انجام کے قریب آ پہنچی ہو۔

آیت نمبر ۷۱: بیٹیوں سے مراد قوم کی بیٹیاں ہیں۔ قوم کو نکاح کا جائز راستہ اختیار کرنے اور بُرے عمل سے باز آنے کی نصیحت کی گئی ہے۔

علمی بات: یہاں پر بَنَاتِیۡ (میری بیٹیوں) سے مراد آپ علیہ السلام کی صلبی اور حقیقی بیٹیاں نہیں، بلکہ اپنی قوم کی بیٹیاں ہیں کیونکہ قوم کی بیٹیاں پیغمبر کی روحانی بیٹیاں ہوتی ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو سمجھایا کہ تمہاری خواہش نفسانی کی تسکین کا جائز راستہ یہ ہے کہ یہ میری قوم کی بیٹیاں موجود ہیں ان سے نکاح کر لو۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انہیں تمہارے لئے فطری ساتھی بنایا ہے۔ پس تم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نافرمانی سے بچو اور میرے مہمانوں کے سامنے اپنے بُرے عمل سے مجھے رُسوا نہ کرو۔

نوٹ: حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق مزید معلومات کے لئے رہنمائے اساتذہ حصّہ چہارم ملاحظہ فرمائیں۔

آیت نمبر ۷۲: اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی قسم ذکر فرما کر بتایا کہ بے شک سدوم بستی کے رہنے والے اپنی گمراہیوں میں بھٹک رہے تھے۔ قومِ لوط گمراہی میں ساری حدود توڑ چکی تھی۔ ان لوگوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی معقول بات کی طرف ذرہ برابر بھی توجہ نہ دی اور اپنی ضد پر اڑے رہے۔

علمی بات: اس آیت میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے حبیب مصطفیٰ، رحمتہ للعالمین سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی قسم اُٹھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت بڑے اعزاز سے نوازا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان سے بڑھ کر کوئی معزز و مکرم جان پیدا نہیں فرمائی اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے علاوہ کسی بھی حیات کی قسم نہیں اُٹھائی۔

آیت نمبر ۷۳: قومِ لوط پر عذاب کی آمد کا ذکر ہے۔ صبح سورج کے نکلتے ہی ایک زبردست چیخ نے ان پر دہشت طاری کر دی۔

علمی بات: رات کی تاریکی میں حضرت لوط علیہ السلام اپنے کنبہ کو لے کر بستی سے چلے گئے۔ یہاں صرف ایسے لوگ باقی رہ گئے تھے جو اخلاقی لحاظ سے اتنے گرے ہوئے تھے کہ وہ نبی کے گھر میں بھی دخل اندازی کرنے اور ان کے مہمانوں پر دست درازی کرنے سے بھی نہیں شرماتے تھے اور ایسا فعل جس کے ذکر سے بھی عقلِ سلیم کو نفرت ہے وہ اس کا ارتکاب چوری چھپے نہیں بلکہ ڈنکے کی چوٹ سے کیا کرتے تھے۔ یقیناً وہ بستی اس قابل تھی کہ اس کو اس زبردست عذاب کی چکی میں پیس کر رکھ دیا جاتا۔

آیت نمبر ۷۴: ان کی بستیوں کو زمین سے اُٹھا کر آسمان کی طرف لے جایا گیا۔ وہاں سے ان بستیوں کو اُلٹ کر زمین پر پھینک دیا گیا۔ پھر اُن پر پکی مٹی کے پتھروں کی بارش کر کے قوم کو نیست و نابود کر دیا گیا۔

علمی بات: حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس پورے خطہ ٔزمین کو اٹھا کر بلندی پر لے گئے اور انہیں زمین پر دے مارا۔ پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا مزید غضب یہ ہوا کہ اسی خطہ ٔزمین پر اوپر سے پتھروں کی بارش کی گئی۔ بحیرۂ مردار (Dead Sea) دُنیا کی سب سے بڑی اور گہری نمکین پانی کی جھیل ہے، جس کے مغرب میں اسرائیل اور مشرق میں اُردن واقع ہے۔ یہ زمین پر سطح سمندر سے سب سے نچلا مقام ہے۔ بہت زیادہ شوریدگی کے باعث اس میں کوئی آبی حیوانات اور پودے نہیں پائے جاتے اور اس میں کوئی انسان ڈوب بھی نہیں سکتا۔ اسے بحیرۂ نمک بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس کا پانی نمکین ہے۔

آیت نمبر ۷۵: "مُتَوَسِّمِیۡنَ" سے مراد گہری نظر سے جائزہ لینے اور غور و فکر کرنے والے ہیں۔ قوم لوط کا واقعہ غور و فکر کرنے والوں کے لئے باعث عبرت ہے۔

عملی پہلو: دھیان کرنے اور پتہ لگانے والوں کے لئے " قومِ لوط" کے قصّہ میں عبرت کے بہت نشان موجود ہیں۔ انسان سمجھ سکتا ہے کہ بدی اور سرکشی کا انجام کیسا ہوتا ہے۔ خدا کی قدرتِ عظیمہ کے سامنے ساری طاقتیں ہیچ ہیں۔ اس کی مہلت پر آدمی مغرور نہ ہو اور نہ پیغمبروں کے ساتھ ضد اور عداوت رکھے، ورنہ ایسا ہی حشر ہو گا۔

آیت نمبر ۷۶: قومِ لوط کے تباہ شدہ کھنڈرات عام راستے پر واقع ہیں۔ مراد عرب سے شام و فلسطین تک جانے والا تجارتی راستہ ہے جہاں لوگوں کی آمد و رفت ہے۔

علمی بات: یعنی یہ سدوم بستی جس کی حالت بدل گئی اور جس پر پتھروں کی بارش برسائی گئی حتیٰ کہ وہ بحیرۂ مردار کی صورت اختیار کر گئی، وہ ان مشرکین کے اس راستے پر واقع ہے جسے لوگ آج تک استعمال کر رہے ہیں، جیسا کہ ارشاد فرمایا: "اور بے شک تم ضرور ان (بستیوں) کے پاس سے گزرتے ہو صبح بھی۔ اور رات کو بھی تو کیا تم عقل نہیں رکھتے۔" (سورۃ الصّٰفّٰت ۳۷، آیات: ۱۳۷، ۱۳۸)

آیت نمبر ۷۷: یقیناً اہل ایمان ان واقعات و مقامات سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔

علمی و عملی بات: آج کل آثارِ قدیمہ کے محکمہ نے اس مقام پر کچھ رہائشی عمارتیں، ہوٹل وغیرہ بھی بنا دیئے ہیں اور آخرت سے غافل مادہ پرست طبیعتوں نے آج کل اس کو ایک سیر گاہ بنایا ہوا ہے۔ لوگ تماشے کے طور پر اسے دیکھنے جاتے ہیں قرآنِ حکیم نے اسی غفلت شعاری پر تنبیہ کے لئے آخر میں فرمایا اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یعنی درحقیقت تو یہ واقعات و مقامات ہر چشم بصیرت رکھنے والے کے لئے عبرت آموز ہیں لیکن اس عبرت سے فائدہ اٹھانے والے مؤمنین ہی ہوتے ہیں ورنہ دوسرے لوگ ان مقامات کو ایک تماشائی کی حیثیت سے دیکھ کر روانہ ہو جاتے ہیں۔

نوٹ: قصہ حضرت لوط علیہ السلام کی مزید تفصیلات رہنمائے اساتذہ حصہ چہارم میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

آیت نمبر ۷۸: اَیکہ گھنے درخت کو کہتے ہیں۔" اَصۡحٰبُ الۡاَیۡکَہ "سے مراد قومِ شعیب ہے۔ اس بستی میں گھنے درخت ہونے کی وجہ سے انہیں جنگل والے کہا گیا۔ انہوں نے بھی حق سے اعراض کیا۔

علمی بات: اَصۡحٰبُ الۡاَیۡکَہ سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ہے، یہ لوگ ایک ایسے علاقہ کے رہنے والے تھے جہاں کثرت سے درخت پائے جاتے تھے۔ ان کا ظلم یہ تھا کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ غیروں کو شریک ٹھہراتے تھے، راہ چلتے مسافروں کو لوٹ لیتے تھے اور ناپ تول میں کمی کرتے تھے۔

آیت نمبر ۷۹: قومِ لوط اور قوم شعیب کی تباہ شدہ بستیاں اس راستے پر ہیں جہاں سے لوگوں کا گزر ہوتا ہے۔ کفار مکہ کو ان ویران بستیوں سے عبرت حاصل کرنے کی تنبیہ کی گئی ہے۔

علمی بات: ان دونوں قوموں کو ان کے جرائم کے بدلہ عذاب سے ہلاک کیا گیا۔ قومِ لوط اور اہل مدین کی بستیاں شام کی طرف جانے والی شارع عام پر واقع ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں تو بحیرۂ مردار کے پاس تھیں اور حضرت شعیب علیہ السلام کی بستی مدین بھی اردن میں واقع تھی۔ یہ وہی شاہراہ ہے جس پر قافلے چلتے تھے اور اہل مکہ ان قافلوں میں شامل ہو کر شام جایا کرتے تھے اور راستہ میں یہ بستیاں پڑتی تھیں۔ گویا یہ ان کے لئے جائے عبرت تھی۔

نوٹ: قصہ حضرت شعیب علیہ السلام کی مزید تفصیلات رہنمائے اساتذہ حصہ اول میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

آیت نمبر ۸۰: اصحابُ الحجر سے مراد قوم ثمود ہے جن کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث کئے گئے تھے۔ یہ قومِ حجر کے علاقے میں آباد تھی جو مدینہ منورہ اور شام کے درمیان ایک وادی ہے۔ قومِ ثمود نے بھی اپنے رسولوں کو جھٹلایا۔

علمی بات: تمام رسولوں کی دعوت بھی مشترکہ تھی اور سب کو اللہ ﷻ ہی نے بھیجا تھا تو ایک رسول کا انکار گویا تمام رسولوں کے انکار کے مترادف ہے۔ "مُرْسَلِیْن" جمع کا صیغہ اس لئے آیا ہے کہ جو ایک رسول کی تکذیب کرتا ہے، گویا وہ سارے رسولوں کی تکذیب کرتا ہے۔

آیت نمبر ۸۱: قومِ ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کے لائے ہوئے معجزہ (اُونٹنی) کو ماننے سے انکار کیا۔

علمی بات: اصحابُ الحجر یعنی قومِ ثمود کو جو نشانیاں دی گئیں ان میں وہ اونٹنی بھی ہے جو ان کی فرمائش پر حضرت صالح علیہ السلام نے چٹان سے نکالی اور اسی وقت اس سے ایک بچہ پیدا ہو گیا جو بہت اچھی جسامت والا تھا۔ وہ ایسی خوبصورت اُونٹنی تھی کہ کوئی اُونٹنی اس کی مثل نہ تھی۔ وہ بہت زیادہ دودھ دیتی تھی حتیٰ کہ تمام قومِ ثمود کو اس کا دودھ کافی ہو جاتا تھا۔ اس اُونٹنی کے علاوہ حضرت صالح علیہ السلام کو اور بھی نشانیاں عطا کی گئی تھیں۔ حضرت صالح علیہ السلام کا ایک کنواں تھا وہ اُونٹنی ایک دن میں اس کا سارا پانی پی جاتی تھی۔ تاہم ان لوگوں نے اتنے واضح معجزہ کا بھی انکار کیا اور حضرت صالح علیہ السلام کی دعوتِ توحید قبول نہ کی۔

آیت نمبر ۸۲: قومِ ثمود کے لوگ پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے۔ ان گھروں میں وہ اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے تھے۔

علمی بات: یہ لوگ بڑے طویل القامت، مضبوط جسم اور لمبی عمروں والے تھے۔ سنگ تراش اور انجینئر قسم کے لوگ تھے۔ اس فن میں اتنے ماہر تھے کہ پہاڑوں کو تراش کر ان میں گھر بنالیتے۔ یہ گھر اتنے مضبوط ہوتے کہ ہر طرح کی آفات مثلاً زلزلہ، سیلاب، طوفان اور بادوباراں وغیرہ کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ لہٰذا ہر طرح کے خوف وخطر سے نڈر ہو کر ان میں رہتے۔ البتہ یہ لوگ دُنیاوی زندگی پر مغرور ہو کر تکبر کی نمائش کے لئے پہاڑوں کو تراش کر بڑے عالی شان مکان بناتے گویا کبھی یہاں سے جانا نہیں۔

آیت نمبر ۸۳: قومِ ثمود کی سرکشی اور بغاوت کے نتیجہ میں ان پر صبح ہوتے ہی عذاب بھیج دیا گیا۔

علمی بات: عذاب بھیجنے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنے پیغمبر کی تکذیب، اللہ ﷻ کے احکامات سے سرکشی وبغاوت کر کے اللہ ﷻ کی نشانی اور نبی علیہ السلام کے معجزہ یعنی "اللہ کی اونٹنی" کو بے دردی سے ہلاک کیا جس کے ظاہر ہونے کا انہوں نے خود تقاضا کیا تھا اور ایمان لانے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن ان میں چند ایک کو چھوڑ کر قوم کی اکثریت اس بات سے پھر گئی اور ایمان نہیں لائی۔ اللہ ﷻ نے انہیں تین دن کی مہلت دی اور اس کے بعد انہیں ایک انتہائی شدید اور خطرناک چیخ کے ذریعہ سے ہلاک کر دیا گیا۔ ان کی دولت اور پہاڑوں کو تراش کر بنائے گئے مضبوط مکانات بھی انہیں اللہ ﷻ کے عذاب سے نہ بچا سکے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "بے شک ہم نے ان پر ایک چیخ بھیجی تو وہ باڑ لگانے والے کے روندے ہوئے بھوسے کی طرح ہو گئے۔" (سورۃ القمر ۵۴، آیت: ۳۱)

آیت نمبر ۸۴: عذاب کے آنے پر قومِ ثمود کے مال واسباب اور ان کی تدبیریں کارآمد ثابت نہ ہو سکیں۔

علمی و عملی بات: وہ خوشحال قوم تھی مگر انہوں نے جو مال واسباب جمع کر رکھا تھا وہ انہیں عذابِ الٰہی سے بچانے کے لئے کچھ بھی مفید ثابت نہ ہو سکا۔ پس مادی ترقی کو سب کچھ سمجھ لینا اور اسی پر مست ومگن ہو جانا دراصل بڑی ہولناک تباہی اور خوفناک انجام کا پیش خیمہ ہوتا ہے، جبکہ اصل چیز جس پر حقیقت کا دارومدار ہے وہ ایمان وعقیدہ کی دولت اور عمل وکردار کی وہ پونجی ہے جس پر فرد وملّت سب ہی کی فلاح کا دارومدار ہے جو نورِ وحی وہدایت پر منحصر ہے۔

آیت نمبر ۸۵: اللہ ﷻ نے کائنات اور اس کی ہر چیز کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ یوم حساب آئے لہٰذا قیامت ضرور قائم ہو گی۔ "صَفْحَ الْجَمِیْل" سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی مرضی سے درگزر کرے اور انتقام کا کوئی جذبہ دل میں نہ رکھے۔

علمی بات: ان قوموں پر عذابِ الٰہی نازل کر کے ان کو جڑ سے اکھاڑ دینے کی وجہ یہ تھی کہ ان کا طرزِ زندگی کسی ٹھوس حقیقت پر مبنی نہیں تھا بلکہ اوہام پرستی اور باطل پر تھا جب کہ کائنات کی ہر ایک چیز ٹھوس حقائق پر پیدا کی گئی ہے اور انہی حقائق سے یہ دلیل بھی ملتی ہے کہ یہ کائنات بے مقصد پیدا

نہیں کی گئی۔ اللہ ﷻ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ قیامت ضرور قائم ہو۔ مجرم لوگ تو ہمیشہ آخرت اور اللہ ﷻ کے حضور بازپُرس کے تصور کے منکر رہے ہیں۔ لہٰذا ان کا انجام ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا۔ اب یہ مشرکین مکہ جو اسی ڈگر پر چل رہے ہیں ان کا بھی وہی انجام ہونے والا ہے لہٰذا ان سے الجھنے کی ضرورت نہیں۔ نبی کریم ﷺ کو حکم ہوا کہ ابھی ان سے درگزر سے کام لیجیئے، اللہ ﷻ سب کچھ دیکھ رہا ہے، وہ مناسب وقت پر خود ان کا مؤاخذہ کرلے گا۔

آیت نمبر ۸۶: اللہ ﷻ سب کا خالق اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ لہٰذا بندوں کا معاملہ اسی پر چھوڑ دیا جائے۔

علمی بات: اللہ ﷻ کی ان دو صفتوں کے ذکر سے مقصود قیامت سے متعلق منکرین کے اعتراض کو رد کرنا اور یہ ثابت کرنا ہے کہ قیامت کا وقوع ہرگز ناممکن نہیں۔ یہ کائنات اللہ ﷻ کی اس صفت کا مظہر ہے کہ وہ زبردست تخلیقی قوّت رکھتا ہے اس لئے انسان کو دوبارہ پیدا کرنا اور عالمِ آخرت کو برپا کرنا اس کے لئے ہرگز مشکل نہیں۔ پھر جو خالق ہو وہ اپنی مخلوق سے بے خبر کس طرح ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ بات کہ اللہ ﷻ خالق بھی ہے اور نہایت علم والا بھی ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے اور جب وہ علیم ہے تو اس کے لئے یہ کچھ مشکل نہیں کہ اربوں اور کھربوں افراد کا قیامت کے دن حساب لے۔

آیت نمبر ۸۷: بار بار دُہرائی جانے والی سات آیات سے مراد سورۃ الفاتحہ ہے۔ مشرکین کی مخالفت پر آپ ﷺ کی دلجوئی فرمائی گئی ہے۔ سورۃ الفاتحہ بار بار پڑھنے کے لائق اور باعث تسکین ہے۔ سورۃ الفاتحہ کو عظمت والا قرآن کہا گیا ہے کیونکہ قرآنِ حکیم کے تینوں بنیادی موضوعات توحید، آخرت اور رسالت کا بیان سورۃ الفاتحہ میں بھی ہے۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ میں تمہیں ایک ایسی سورت کی تعلیم دوں کہ جس جیسی (کوئی دوسری) سورت نہ تورات میں نازل ہوئی، نہ زبور میں نازل ہوئی، نہ انجیل میں نازل ہوئی اور نہ ہی قرآن میں؟" حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! جی ہاں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "نماز میں تم کیا پڑھتے ہو؟" سیدنا ابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو سورۃ الفاتحہ پڑھ کر سنائی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قسم اس ذات کی، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اللہ ﷻ نے اس سورت کے مثل نہ تورات میں کوئی سورت اتاری، نہ انجیل میں اتاری اور نہ زبور میں اتاری، نہ فرقان ہی میں اتاری اور بے شک یہ "سبع مثانی" بار بار دُہرائے جانے والی سات آیات ہیں اور یہی "قرآن عظیم" ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔" (جامع ترمذی)

علمی بات: ۱۔ نبی کریم ﷺ کو کفار قریش کی اذیّتوں پر صبر کرنے کی تلقین کرتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ آپ ﷺ کو تو اللہ ﷻ نے بے شمار عظیم نعمتوں سے نواز رکھا ہے۔ جن میں سب سے بڑی نعمت سورۃ الفاتحہ اور پورا قرآنِ حکیم ہے۔ اس لئے آپ ﷺ حق کی پیغام رسانی کے کام میں لگے رہیں، کیونکہ آدمی جب اپنے اوپر اللہ ﷻ کی عظیم نعمتوں کو یاد کرتا ہے تو دعوت کی راہ کی مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔

۲۔ سابقہ اقوام کے عبرت ناک انجام کے بعد رسول اللہ ﷺ کو تسلّی و اطمینان دیتے ہوئے سورت کے اختتام میں گزشتہ تمام مضامین کو سمیٹا جا رہا ہے۔ اے پیغمبر ﷺ! آپ منکرین حق کے حوالہ سے فکر مند نہ ہوں، کیونکہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو سورۃ الفاتحہ اور قرآنِ حکیم کی صورت میں عظیم دولت سے مالا مال کیا ہے جس میں منکرین کا انجام اور اللہ ﷻ کے نیک بندوں کے لئے انعام بیان کیا گیا ہے۔

آیت نمبر ۸۸: یہاں خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہے مگر تسلّی کے لئے اہل ایمان کو ہدایات دی جا رہی ہیں کہ کافروں کو دی ہوئی دُنیاوی نعمتوں کی طرف توجہ نہ دی جائے۔ کفار کے ایمان نہ لانے پر رسول ﷺ کو غمگین نہ ہونے اور اہل ایمان کو شفقت سے توجہ دینے کی تلقین فرمائی گئی ہے کہ کفار قریش اگر ایمان نہیں لاتے تو غم نہ کریں اور جو غریب اور کمزور مسلمان ہیں ان کے ساتھ تواضع اختیار کریں، انہیں اپنے قرب سے نوازیں اور رؤسائے قریش کے کفر و عناد کی پرواہ نہ کریں۔

علمی بات: ۱۔ اہل ایمان کو تلقین کی گئی ہے کہ ان مجرمین کو تھوڑی دیر مزہ اُڑا لینے دیں۔ اللہ ﷻ نے اہل ایمان کو وہ دولتِ قرآن دی ہے جس کے آگے سب دولتیں ہیچ ہیں۔ لہٰذا وہ غم نہ کھائیں کہ یہ کافر مسلمان کیوں نہیں ہوتے، انہیں چاہیئے کہ وہ اپنا فرضِ تبلیغ ادا کرتے رہیں، دین دشمن لوگوں کے پیچھے اپنے کو زیادہ فکر و غم میں مبتلا نہ کریں۔ دراصل ان کی شفقت و ہمدردی کے مستحق اہل ایمان ہیں۔ لہٰذا آپس میں نرم خوئی اور شفقت و تواضع کا برتاؤ رکھیں۔

۲۔ بازوؤں کو جھکا کر رکھنے سے مراد یہ ہے کہ ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیجیے جن لوگوں نے ایمان قبول کر لیا وہ رحمت اور شفقت کے مستحق ہیں، کافروں پر غم کھانے کے بجائے اہل ایمان پر توجہ دی جائے تاکہ وہ اور زیادہ ایمان کے قدر دان ہوں اور مزید بشاشت کے ساتھ نیک اعمال انجام دیں۔

آیت نمبر ۸۹: رسول اللہ ﷺ پر اس کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں کہ آپ ﷺ لوگوں کو واضح طور پر اللہ ﷻ کے عذاب سے ڈرائیں۔

علمی بات: کفار قریش سے کہہ دیجیے کہ میں اللہ ﷻ کی طرف سے لوگوں کو ایسے عذاب سے ڈرانے والا ہوں، جیسا عذاب اللہ ﷻ نے حضرت صالح علیہ السلام کے ان کافروں پر نازل کیا تھا جنھوں نے ان کی مخالفت اور تکذیب کی تھی۔

آیت نمبر ۹۰: تقسیم کرنے والوں سے مراد سابقہ اقوام ہیں جنہوں نے کتابوں کو اس طرح تقسیم کیا کہ اس کی کچھ باتوں کو مانا اور کچھ کا انکار کیا۔ قریش مکہ بھی مراد ہیں۔ جنہوں نے قرآنِ حکیم کو شاعری، کہانی اور جادو وغیرہ کہا۔ (معاذ اللہ)

علمی بات: ۱۔ آیت کا مطلب بعض مفسرین کرام نے یہ بتایا ہے کہ جس طرح ہم نے گزشتہ زمانہ میں ان لوگوں پر عذاب نازل کیا جنھوں نے احکام الٰہیہ کے حصّے کر رکھے تھے یعنی آسمانی کتابوں کے مختلف اجزاء قرار دیئے تھے، اسی طرح سے اس زمانے کے مکذبین پر بھی عذاب نازل ہو سکتا ہے۔ مفسرین کی رائے کے مطابق یہ یہود و نصاریٰ تھے جنھوں نے کتاب اللہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اسے تبدیل کیا، بعض حصوں پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کر دیا۔

۲۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ مکہ مکرمہ میں سولہ مشرکین نے یہ مشورہ کیا کہ حج کے دنوں میں مکہ معظمہ کے راستوں پر بیٹھ جائیں اور مکہ معظمہ کی گھاٹیوں اور راستوں کو تقسیم کر لیں۔ جن کا کام یہ ہوتا کہ مکہ مکرمہ کی طرف ہر آنے والے کو وہ حضور ﷺ کے متعلق بد ظن کرتے اور کہتے کہ خبردار اُس شخص کے فریب میں نہ آنا جس نے ہم میں سے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ کوئی کہتا وہ شخص دیوانہ ہے، کوئی کہتا وہ شخص کاہن ہے، کوئی شاعر اور کوئی جادوگر بتلاتا۔ (العیاذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے ان سب کو غزوۂ بدر میں بڑی رسوا کن موت سے دوچار کیا۔ انھیں "مقتسمین" اس لیے کہا تھا کہ انھوں نے راستے آپس میں بانٹ لیے تھے۔

آیت نمبر ۹۱: سابقہ اقوام نے اللہ ﷻ کی کتاب میں تحریف کر کے اسے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک رائے کے مطابق قرآنِ حکیم کا لفظ گزشتہ کتابوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔

علمی بات: ۱۔ گزشتہ اقوام نے ان کتابوں کو جو ان پر نازل کی گئی تھیں، اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دیا کہ وہ بعض حصّے پر ایمان لائے اور بعض حصّے کا انکار کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "تو کیا تم کتاب کے کچھ حصّہ پر ایمان رکھتے ہو اور کچھ حصّہ سے کفر کرتے ہو تو جو تم میں سے یہ (حرکت) کرے اس کی سزا یہی ہے کہ دنیا کی زندگی میں رسوائی ہو اور روزِ قیامت اُنہیں سخت ترین عذاب میں لوٹایا جائے گا اور اللہ اُن کاموں سے بے خبر نہیں جو تم لوگ کرتے ہو۔" (سورۃ البقرۃ ۲، آیت: ۸۵)

۲۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس (مذکورہ بالا) آیت سے مراد اہل کتاب یہود و نصاریٰ ہیں کہ انہوں نے کتاب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، پھر وہ کتاب کے بعض حصّے پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کر دیا۔ (صحیح بخاری) یہ اشارہ یہود کی طرف ہے جنہوں نے حق کو چھپانے کے لئے اپنی تورات کی ترتیب کو بھی بدل ڈالا اور اس کو مختلف اجزا میں تقسیم کر کے اس کے بعض حصّے کو چھپاتے اور بعض کو ظاہر کرتے۔

۳۔ ان تقسیم کرنے والے اَلْمُقْتَسِمِیْنَ کے لئے جو کتابیں نازل ہوئی تھیں ان کو قرآن سے تعبیر کیا گیا ہے۔ لفظ ''قرآن'' کا لغوی معنی یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو پڑھی جائے وہ قرآن ہے، جبکہ موجودہ اُمّت مسلمہ کی اصطلاح میں لفظ ''قرآن'' اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اس عظیم کتاب کا مخصوص نام ہے جو سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی۔

آیت نمبر ۹۲: اپنی ذاتِ پاک کی قسم اُٹھا کر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مجرمین کے لئے وعید کا اعلان کیا ہے۔ قیامت کے دن اگلوں اور پچھلوں سب سے سختی سے باز پُرس ہو گی۔

علمی بات: اوّلین و آخرین سب سے ان کے اعمال کے بارے میں باز پُرس ہو گی جو لوگ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے نبیوں اور کتابوں کو جھٹلاتے رہے اور جھٹلا رہے ہیں ان سے سوال کیا جائے گا کہ تم نے کیا کیا؟

آیت نمبر ۹۳: مجرمین کے تمام اعمال کے بارے میں پوچھ گچھ ہو گی۔

علمی بات: مجرمین نے کس کی عبادت کی تھی؟ پیغمبروں کے ساتھ کس طرح پیش آئے تھے؟ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کا کلمہ کیوں نہ مانا تھا؟ اس کلمہ کا حق کیوں ادا نہیں کیا تھا؟ یہ اور اسی قسم کے کئی سوالات کیے جائیں گے۔

آیت نمبر ۹۴: رسول ﷺ کو دعوتِ توحید کا واضح طور پر اعلان کر دینے اور مشرکین سے اعراض کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ آغاز وحی کے بعد تین برس انفرادی طور پر دعوت کا عمل جاری رہا۔ پھر اعلانیہ دعوت کا حکم آیا۔

علمی بات: ۱۔ اے میرے رسول ﷺ! جو حکم آپ ﷺ کو دیا جا رہا ہے اس کو برملا لوگوں کے سامنے بیان کیجیے اور کسی کی مخالفت کی پرواہ نہ کیجیے۔ فَاصْدَعْ کا معنی ظاہر کرنا۔ الصدع الشق۔ صَدَعَ کا معنی چیرنا ہے۔ اس سے پہلے حضور ﷺ انفرادی تبلیغ کیا کرتے تھے۔ اس آیت کے نزول کے بعد حضور ﷺ نے بر سرِ عام اسلام کی تبلیغ شروع فرما دی۔

۲۔ اعلانِ نبوّت کے بعد تین برس تک حضور اقدس ﷺ انفرادی طور پر اور نہایت راز داری کے ساتھ تبلیغ اسلام کا فرض ادا فرماتے رہے اس کے بعد اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ پر یہ حکم نازل فرمایا: (اے نبی ﷺ!) اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے۔ (سورۃ الشعراء ۲۶، آیت: ۲۱۴) تو آپ نے خاندان والوں کو کھانے کی دعوت پر بلا کر اُن کو دعوتِ توحید پیش کی۔ پھر اعلان نبوت کے چوتھے سال اعلانیہ تبلیغ کا حکم آیا تو حضور نبی کریم ﷺ نے ایک دن کوہِ صفا کی چوٹی پر چڑھ کر قبیلہ قریش کو پکارا۔ آپ ﷺ اعلانیہ طور پر دین اسلام کی تبلیغ فرمانے لگے اور شرک و بت پرستی کی کھلم کھلا نفی فرمانے لگے اور پھر تمام قریش بلکہ پورا عرب آپ ﷺ کی مخالفت پر کمربستہ ہو گیا اور آپ ﷺ اور مسلمانوں کی ایذا رسانیوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔

آیت نمبر ۹۵: نبی کریم ﷺ کو اور آپ ﷺ کے ذریعہ اہل ایمان کو تسلّی دی گئی ہے۔ مذاق اڑانے سے محفوظ رکھنے کی ذمہ داری خود اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ہے۔

علمی بات: اللہ ﷻ اپنے نبی سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے فرمایا کہ آپ ﷺ اللہ ﷻ کے احکام کو کھل کر بیان کیجئے اور ان لوگوں کی پرواہ نہ کیجئے جو (معاذاللہ) آپ ﷺ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اللہ ﷻ کے سوا آپ ﷺ کسی سے نہ ڈریئے کیونکہ آپ ﷺ کی مدد کے لئے اللہ ﷻ کافی ہے۔

آیت نمبر ۹۶: مشرکین نے اللہ ﷻ کے ساتھ دوسروں کو بھی معبود بنا رکھا ہے۔ عنقریب وہ اپنا انجام دیکھ لیں گے۔

علمی بات: یہ مذاق کرنے والے وہ بد نصیب لوگ تھے جو اللہ ﷻ وحدہ لاشریک لہ کے علاوہ اپنے بتوں کو بھی الٰہ سمجھتے تھے اور ان کی عبادت کیا کرتے تھے۔ اس آیت میں فرمادیا کہ انہیں ان کی گمراہی کی پوری پوری سزا ملے گی۔

آیت نمبر ۹۷: مخالفین کے ایمان نہ لانے پر رسول ﷺ کے قلب مبارک کو تکلیف ہونے پر اللہ ﷻ کی طرف سے تسلّی دینے کا ذکر ہے۔

علمی بات: علی الاعلان دعوت کی وجہ سے مخالفت کا ایک طوفان آپ ﷺ پر اٹھ آیا تھا۔ پہلے مرحلے میں یہ مخالفت اگرچہ زبانی طعن اور بدگوئی تک محدود تھی مگر بہت تکلیف دہ تھی۔ کسی نے مجنون اور کاہن کہہ دیا، کسی نے شاعر کا خطاب دے دیا (معاذاللہ)۔ ان سب باتوں سے آپ ﷺ کو بہت تکلیف ہوتی اور آپ ﷺ کی اسی تکلیف اور دل کی گھٹن کا یہاں تذکرہ کیا جارہا ہے اور تسلّی دی جارہی ہے کہ اے نبی (ﷺ)! ان لوگوں کی بے ہودہ باتوں سے آپ ﷺ کو جو تکلیف ہوتی ہے وہ ہمارے علم میں ہے۔

آیت نمبر ۹۸: دعوتِ دین کی راہ میں آنے والی تکالیف اور مصائب کا علاج یہ ہے کہ اللہ ﷻ کی طرف رجوع کیا جائے، اس کی تسبیح اور تعریف بیان کی جائے اور نمازوں کا اہتمام کیا جائے۔

عملی بات: ۱۔ جب انسان کا دل رنجیدہ اور پریشان ہو یا اس پر گھبراہٹ طاری ہو تو اس کو نماز پڑھنی چاہیئے کیونکہ نماز حمد، تسبیح اور عبادت سب کی جامع ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ پر پریشانی طاری ہوتی تو آپ ﷺ نماز پڑھتے تھے۔ (سنن ابی داؤد)

۲۔ حضور ﷺ جب اپنی قوم کی گمراہی اور اس پر ان کے اصرار کو دیکھتے تو دل درد سے بھر جاتا اور شدید قسم کی گھٹن محسوس ہونے لگتی۔ اللہ ﷻ نے اپنے حبیب کریم ﷺ کو اس رنج و غم اور ملال سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ بتایا کہ اپنے رب قدّوس کی تسبیح اور اس کی حمد میں مشغول ہو جایا کریں، رنج و غم خود بخود دور ہو جائے گا اور دل کی افسردگی اور گھٹن دور ہو جائے گی۔

آیت نمبر ۹۹: زندگی کے آخری سانس تک اللہ ﷻ کی عبادت میں مشغول رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ یقین سے مراد موت ہے۔ (سورۃ المدثر ۷۴، آیت: ۴۷) اس لئے کہ موت سے زیادہ یقینی بات کوئی نہیں۔

علمی بات: اللہ ﷻ کی طرف سے تعلیم ہے کہ عبادت کا یہ سلسلہ پورے ذوق شوق کے ساتھ اس وقت تک جاری رہے، جب تک اس دارِ فنا سے رحلت کا پیغام نہ آجائے۔ جب تک آنکھ جھپک رہی ہے، نبض چل رہی ہے میری یاد ہوتی رہے۔ بندگی کا حق بھی یہی ہے کہ تادمِ آخر دل اپنے معبودِ برحق کے ذکر سے سرشار رہے۔

عملی پہلو: جب خاتم الانبیاء سید المرسلین ﷺ کو آخری دم تک عبادت کرنے کا حکم دیا گیا تو دوسرے کس شمار میں۔ اس سے ان لوگوں کو نصیحت حاصل کرنی چاہیئے جو اپنے آپ کو بڑے بلند مقام و مرتبہ پر فائز سمجھ کر عبادات کے معاملہ میں خود کو بے نیاز جانتے ہیں۔ انہیں غور کرنا چاہیئے کہ وہ کہیں شیطان کے خطرناک وار کا شکار تو نہیں ہو گئے کیونکہ شیطان نے ایسے واروں کے ذریعہ بڑے بڑے نیک و پارسا لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔

مشقوں کے جوابات

سوال ۱: خالی جگہیں پُر کریں:

(۱) آیت:۲ میں ذکر ہے کہ قیامت کے دن کفار حسرت کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔

(۲) آیت:۲۱ میں ذکر ہے کہ اللہ ﷻ کے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں اور وہ اُنہیں معین مقدار میں اُتارتا ہے۔

(۳) آیت:۴۰ میں بتایا گیا ہے کہ شیطان کے حملوں سے اللہ ﷻ کے مخلص بندے محفوظ رہیں گے۔

(۴) آیت:۴۴ کے مطابق جہنّم کے سات دروازے ہیں۔

(۵) آیت:۸۷ میں سات دُہرائی جانے والی آیات اور قرآنِ عظیم سُوْرَةُ الْفَاتِحَه کو قرار دیا گیا ہے۔

سوال ۲: مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجئے:

۱- پہلے رکوع کی روشنی میں جواب دیں کہ قرآنِ حکیم کی حفاظت کے حوالہ سے کیا بات بیان ہوئی ہے؟

اللہ ﷻ نے ہی قرآنِ حکیم کو نازل فرمایا ہے اور اللہ ﷻ ہی قرآنِ حکیم کی حفاظت فرمائے گا۔

۲- دوسرے رکوع میں ستاروں کی تخلیق کی کیا حکمتیں بیان کی گئی ہیں؟

اللہ ﷻ نے ستاروں کو دیکھنے والوں کے لئے سجادیا اور اسے شیطان مَردود سے محفوظ کردیا مگر جو چوری چھپے سننے کی کوشش کرے تو اس کے پیچھے ایک روشن شعلہ لگ جاتا ہے۔

۳- تیسرے رکوع کی روشنی میں بتایئے کہ شیطان نے انسانوں کے خلاف اپنے کن عزائم کا اظہار کیا؟

شیطان نے کہا کہ میں ضرور زمین میں گناہوں کو مزّین کروں گا اور سب لوگوں کو گمراہ کردوں گا سوائے ان لوگوں کے جو تیرے چنے ہوئے بندے ہیں۔

۴- چوتھے رکوع کی روشنی میں بتائیں کہ اہل جنّت کے لئے کن انعامات کا ذکر کیا گیا ہے؟

اہل جنّت بے خوف ہوکر اور سلامتی کے ساتھ جنّت میں داخل ہوں گے اور ان کے سینوں میں کوئی رنج و غم نہ ہوگا اور وہ بھائی بھائی بن کر تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے نہ اُنہیں تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ نکالیں جائیں گے۔

۵- چھٹے رکوع کی روشنی میں بتائیں کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو کن دس اُمور کی تلقین فرمائی۔

۱۔ آپ ﷺ خوبصورتی کے ساتھ درگزر فرمایئے۔ ۲۔ آپ ﷺ ہرگز اپنی نگاہ بھی نہ اُٹھائیں ان چیزوں کی طرف جو اللہ ﷻ نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہیں۔ ۳۔ آپ ﷺ غم نہ کریں۔ ۴۔ آپ ﷺ اپنا شفقت کا بازو ایمان لانے والوں کے لئے جھکائیں۔ ۵۔ آپ ﷺ فرمادیجئے بے شک میں تو واضح طور پر ڈرانے والا ہوں۔ ۶۔ آپ ﷺ کو جس بات کا حکم دیا گیا ہے اسے صاف صاف سنا دیجئے۔ ۷۔ مشرکوں سے منہ پھیر لیجئے۔ ۸۔ آپ ﷺ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے۔ ۹۔ سجدہ کرنے والوں میں شامل رہیئے۔

۱۰۔ اپنے رب کی عبادت کیجئے یہاں تک کہ آپ کے پاس یقینی بات یعنی وقتِ وصال آجائے۔

سُوْرَةُ النَّحل (حصّہ اوّل)

مقاصدِ مطالعہ: اس سورت کے مطالعہ کے بعد طلبہ کو مندرجہ ذیل مضامین سے آگاہی حاصل ہونی چاہیئے:

1. آیات: ۱تا۸ مشرکین کے لئے وعید، انبیاءِ کرام علیہم السلام پر وحی کے نزول کی حکمت کا تذکرہ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تخلیق کے تین شاہکاروں (کائنات، انسان اور چوپائیوں) کا ذکر۔
2. آیات: ۹تا۱۶ توحید و تقویٰ ہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ تک پہنچنے کا سیدھا اور صحیح راستہ، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نعمتوں میں غور فکر کرکے اپنے محسن حقیقی کا احساس دل میں پیدا کرنے کی دعوت کا ذکر، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانیوں اور نظام کائنات کا بیان، انسان کے لئے سمندر کی تسخیر اور پہاڑوں اور ستاروں کی تخلیق کے مقصد کا بیان۔
3. آیات: ۱۷تا۲۳ باطل معبودوں کی بے بسی اور حقیقت کا بیان، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وحدانیت، خالقیت، معبودیت اور اس کے علیم اور لاشریک ہونے کا ذکر۔
4. آیات: ۲۴تا۳۵ آخرت پر یقین رکھنے والوں اور منکرین آخرت کی کیفیت کا ذکر، ان دونوں گروہوں کا قرآنِ حکیم کے بارے میں نظریہ اور ان کے انجام کا بیان، نبوت و آخرت کے منکرین کا انجام، ان کے جملہ اعتراضات اور کٹ حجتیوں کے جوابات، جان کُنی کے وقت مشرکین کی حالت کا ذکر، پرہیز گاروں کے لئے اجر اور کفار کو گھیرنے والے عذاب کی تنبیہ۔
5. آیات: ۳۶تا۴۴ رسولوں علیہم السلام کی ذمہ داری، دعوت اور مقصدِ بعثت کا بیان، مشرکین کے اعتراضات کا جواب، مشرکین کی پختہ قسموں کا ذکر، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شان کن فیکون کا حوالہ، مہاجرین کے لئے بشارت اور مہاجرین کے اوصاف کا بیان، اہل ذکر سے استفادہ کا حکم، منکرین و مشرکین کو وعید سنانے اور انسان کی غفلت پر تنبیہ کرنے کا بیان۔
6. آیات: ۴۵تا ۵۵ دنیا والوں پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے عذاب کی مختلف اقسام کا ذکر، توحید باری تعالیٰ کے دلائل اور شرک کی مذمت، مشرکوں کی بے عقلی اور سنگ دلی کا بیان۔
7. آیات: ۵۶تا۶۰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اذیت دینے والے کفار مکہ کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے عذاب سے ڈراوا، بیٹی کی ولادت پر کفار کے طرزِ عمل کا ذکر، منکرین آخرت کے بُرے انجام کا بیان اور صفاتِ باری تعالیٰ کا تذکرہ۔
8. آیات: ۶۱تا۶۵ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لطف و کرم اور حلم و مہربانی کا بیان، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کی تکذیب پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلانے کے لئے سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات کا تذکرہ، قرآنِ حکیم کے بارے میں کفار کے شبہات کا جواب اور موت کے بعد دوبارہ جی اُٹھنے کا بیان۔

ربط سورت: ۱۔ سورۃ الحجر میں مجرموں اور مذاق اڑانے والوں کی ہلاکت کا ذکر تھا۔ سورۃ النحل میں قریش کی مشرک اور مغرور قیادت کا تذکرہ ہے۔

۲۔ سورۃ الحجر کے آخر میں مشرکین سے شکوہ تھا کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ غیر اللہ کو معبود بناتے ہیں۔ اس سورت کی ابتدا میں شرک کی تردید ہے۔

۳۔ سورۃ الحجر کی ابتدا میں صداقتِ قرآن کا ذکر تھا۔ اس سورت کی ابتدا میں بھی صداقت قرآن ذکر ہے۔

۴۔ سورۃ الحجر کے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصب کا ذکر تھا۔ اس سورت کے آخر میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصب کا ذکر ہے۔

۵۔ سورۃ الحجر کی ابتدا اور اختتام میں آنحضرت ﷺ کی تسلی کا مضمون تھا۔ اس سورت کے آخر میں بھی آپ ﷺ کے لئے تسلی کا مضمون ہے۔

۶۔ سورۃ الحجر کے آخر میں قیامت کا ذکر تھا۔ اس سورت کی ابتدا میں بھی قیامت کا ذکر ہے۔

۷۔ سورۃ الحجر میں مشرکین کو دعوت دی گئی کہ اب بھی وقت ہے مان لو ورنہ پچھتاؤ گے جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا عذاب آگیا تو اس سے ہر گز نہیں بچ سکو گے۔ اب سورۃ النحل میں بیان ہے کہ اگر تم توحیدِ باری تعالیٰ کو نہیں مانتے اور ضد و عناد سے عذاب ہی مانگتے ہو تو پھر عذاب الٰہی آیا ہی سمجھو۔ لہٰذا اس کے لئے جلدی نہ مچاؤ۔

آیت نمبر ا: اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم سے مراد عذاب یا قیامت ہے جسے کفار یا مشرکین طلب کرتے تھے۔ عذاب اور قیامت کا آنا یقینی ہے جس سے جلد ہی انہیں سابقہ پیش آنے والا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات ہر قسم کے شریکوں سے بلند و برتر ہے۔

علمی بات: جب آپ ﷺ کفار سے یہ فرماتے تھے کہ کفر کا نتیجہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے عذاب کی صورت میں ظاہر ہو گا اور مسلمان غالب آئیں گے تو وہ مذاق اڑانے کے انداز میں کہا کرتے تھے کہ اگر عذاب آنا ہے تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے کہیئے کہ اسے ابھی بھیج دے۔ ان کا مقصد در حقیقت یہ تھا کہ انہیں عذاب کے آنے اور مسلمانوں کی فتح کا یقین نہ تھا۔ اس سورت کا آغاز ان کے اس طرز عمل کے مقابلے میں یہ فرما کر کیا گیا ہے کہ کافروں پر آنے والے جس عذاب اور مسلمانوں کے غلبہ کی جس خبر کو تم ناممکن سمجھ رہے ہو وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے اور اتنا یقینی ہے کہ گویا آن ہی پہنچا ہے، لہٰذا اس کے آنے کی جلدی مچا کر اس کا مذاق نہ اڑاؤ، کیونکہ وہ تمہارے سر پر کھڑا ہے۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (دو انگلیاں ملا کر) فرمایا: ” میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں۔“
(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

آیت نمبر ۲: کفار اور مشرکین کا مکہ اور طائف کے سرداروں میں سے کسی کو نبی نہ بنانے کے اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔ نیز انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیجنے کا مقصد بیان کیا گیا ہے اور یہاں روح سے مراد وحی ہے۔

علمی بات: ا۔ کفار کہتے تھے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی وحی کے لئے ہم میں سے کسی بڑے سرمایہ دار کو کیوں منتخب نہیں کیا، محمد (ﷺ) کو کیوں منتخب کیا گیا ہے؟ دوسری طرف یہود کو یہ حسد تھا کہ وحی بنی اسرائیل سے باہر کسی اور پر کیوں اترنے لگی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان سب لوگوں کے اعتراض کو مسترد کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنے فرشتوں کو وحی دے کر اپنے جس بندہ پر چاہے اتار دیتا ہے۔

نبوت وَہبی (عطا کردہ) صفت ہے کسبی (محنت سے حاصل کردہ) نہیں یعنی ریاضت و عبادت کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ یہ منصب اپنی کوشش سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ نبوت صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ عظیم منصب ہے اور اس کا سلسلہ نبی آخر الزمان سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم ہو چکا ہے۔

۲۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت اور نزولِ وحی کا مقصد یہ ہے کہ وحی لانے والے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے مخاطبین کو یہ پیغام پہنچا دیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ساتھ ہی اس بات سے بھی آگاہ کر دیں کہ اگر تم نے توحید کی دعوت کو قبول نہ کیا تو عذاب میں مبتلا ہو گے لہٰذا تم اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے ڈرو۔

۳۔ یہاں روح سے مراد وحی ہے کیونکہ نبوت بھی وحی سے ثابت ہوتی ہے اور تمام اوامر و احکام بھی وحی سے ثابت ہوتے ہیں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رحمت کے حصول کا ذریعہ بھی وحی پر عمل کرنا ہے اور قرآنِ حکیم بھی وحی سے حاصل ہوا، قرآن حکیم کی حسب ذیل آیات میں روح کا اطلاق وحی پر کیا گیا ہے۔

”اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف روح (قرآن) کی وحی فرمائی۔“(سورۃ الشوریٰ ۴۲، آیت: ۵۲)

”وہ اپنے حکم سے روح (وحی) کو نازل فرماتا ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے۔“(سورۃ المؤمن ۴۰، آیت: ۱۵)

آیت نمبر ۳: اللہ ﷻ کی وحدانیت کی دلیل کے طور پر تخلیق کائنات کا بیان ہے۔ کائنات کو برحق پیدا کیا گیا ہے۔ جس طرح کائنات کو پیدا کرنے میں اللہ ﷻ کا کوئی شریک نہیں اسی طرح عبادت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔

علمی بات: زمین و آسمان کا یہ کارخانہ بہت وسیع اور بے شمار پُرزوں سے مرکب ہے۔ ہر پُرزہ چھوٹا ہو یا بڑا اپنی اپنی جگہ پر اس خوبی سے نصب ہے کہ نہ کوئی پیچ ڈھیلا ہوتا ہے نہ کوئی گراری ٹوٹتی ہے اور نہ ہی انجن کی رفتار میں فرق پڑتا ہے۔ ہر چیز اپنا اپنا فریضہ انجام دے رہی ہے۔ جس کے ذمّہ چلنا ہے وہ چل ہی رہی ہے۔ نہ اپنی سمت بدلتی ہے، نہ اپنے مقررہ راستہ سے بال برابر اِدھر اُدھر سرکتی ہے اور نہ ہی اس کی چال اور کارکردگی میں فرق پڑتا ہے۔ جس کے ذمہ دوڑنا ہے وہ دوڑتی ہی چلی جارہی ہے اور جنہیں ٹھہرنے کا حکم ملا ہے وہ دم بخود چپ چاپ کھڑی ہیں۔

علمی و عملی پہلو: آیت سے کئی تعلیمات حاصل ہوئیں، مثلاً یہ کہ ا۔ آسمان و زمین خود ساختہ نہیں، مخلوق ہیں۔ ۲۔ مخلوق اللہ ﷻ کی ہے نہ کہ کسی اور کی۔ ۳۔ ان سب کی خلقت بلا کسی غرض و مقصد کے، سیر و تفریح، کھیل و تماشا کی طرح نہیں، بلکہ گہرے حکیمانہ مقصد ہی سے ہوئی ہے۔

آیت نمبر ۴: انسان کی تخلیق کو بیان فرما کر اسے اپنے وجود کی اندرونی نشانیوں کی طرف متوجہ کیا جارہا ہے۔ انسان اپنی تخلیق سے اللہ ﷻ کی وحدانیت کو سمجھنے کے بجائے اپنے خود ساختہ نظریات کے حق میں بحث کرتا اور توحید کا انکار کرتا ہے۔

علمی بات: اللہ ﷻ نے انسان کو ایک قطرہ بے جان سے پیدا کیا جس میں نہ حس و حرکت تھی، نہ شعور و ارادہ، نہ وہ بات کرنے کے قابل تھا اور نہ کسی معاملہ میں جھگڑ کر اپنا حق منوا سکتا تھا اور نہ دوسروں پر غالب آسکتا تھا۔ پھر اسی قطرہ ناچیز کو اللہ ﷻ نے کیا سے کیا بنا دیا۔ کتنی حسین و جمیل صورت بنائی۔ کیسی اعلیٰ قوتیں اور کمالات اس کو عطا فرمائے۔ جب اس ضعیف انسان کو جو ایک حرف بولنے کے قابل نہ تھا، اللہ ﷻ نے طاقت اور قوت گویائی عطا فرمائی تو خوب لیکچر دینے لگا اور بات بات میں جھگڑے اور حجتیں کرنے لگا، یہاں تک کہ بعض اوقات اپنے خالق کے مقابلے میں بھی خم ٹھونک کر آ کھڑا ہوتا ہے اور اپنی اصل کو بھول جاتا ہے۔

آیت نمبر ۵: اَنعام سے مراد پالتو چوپائے مثلاً اُونٹ اور گائے وغیرہ ہیں۔ دِف سے مراد گرمی حاصل کرنے کی چیز اُون ہے جس کے گرم کپڑے بنائے جاتے ہیں۔ پالتو مویشیوں کے انسان کے لئے دو بڑے فائدے یہ ہیں:

ا۔ ان جانوروں کے اُون سے سردی سے بچاؤ کا سامان مہیا ہوتا ہے۔ ۲۔ ان کو ذبح کر کے انسان اپنی خوراک بناتا ہے۔

اس کے علاوہ ان جانوروں کے اور بھی بہت سے فوائد انسان کو حاصل ہوتے ہیں۔

علمی بات: قرآن حکیم کے سب سے پہلے مخاطب چونکہ عرب تھے اور ان کی معیشت کا دارومدار پالتو چوپاؤں، اونٹ، گائے اور بکریوں پر تھا اس لئے پہلے ان کا ذکر فرمایا۔ کہ اللہ ﷻ نے چوپائے یعنی اونٹ، گائے، بھینس، بھیڑ اور بکری وغیرہ لوگوں کے فائدے کے لئے پیدا کیئے ہیں۔ ان میں سے بعض کے بالوں اور اون سے لوگ اپنی ضرورت کی مختلف چیزیں مثلاً کمبل، چادریں، سردی سے بچاؤ کے لئے مختلف قسم کے لباس، خیمے اور رسیاں وغیرہ تیار کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض کا دودھ پیا جاتا ہے، گوشت کھایا جاتا ہے یا دودھ سے گھی اور مکھن وغیرہ تیار کیا جاتا ہے جیسے گائے، بھینس اور بکری وغیرہ۔ ان کا دودھ بھی پیا جاتا ہے، گوشت بھی کھایا جاتا ہے اور بعض سے کھیتی باڑی اور باربرداری کا کام لیا جاتا ہے جیسے اونٹ اور بیل وغیرہ۔ ان کی کھال سے نہایت عمدہ اور بیش قیمت لباس اور ضرورت کی دیگر چیزیں تیار کی جاتی ہیں۔ غرض یہ کہ انسان ان چوپایوں سے بے شمار منافع حاصل کرتا ہے۔

آیت نمبر۶: مویشی انسان کے لئے زینت کے اظہار کا بھی ذریعہ ہیں جب تک کہ اس زینت وجمال پر فخر و تکبر نہ کیا جائے۔

علمی بات: ا۔ جانوروں کی موجودگی سے آدمی کی دنیاوی زینت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ وہ ان جانوروں کو اپنی ملکیت میں دیکھ کر خوش ہوتا ہے کہ اس کے پاس یہ جائیداد ہے۔ اس کے علاوہ جب وہ صبح سویرے چرنے کے لئے بستیوں سے باہر نکلتے ہیں اور چراگاہ کی طرف جاتے ہیں اور دن بھر چرنے کے بعد شام کے وقت واپس آتے ہیں تو کتنا دلکش منظر ہوتا ہے۔

۲۔ چنانچہ موجودہ دور میں گاڑیاں، راحت وآسائشوں کے ذرائع اور دیگر ایسی اشیاء جو ہماری زندگی کو آرام دہ اور آسان بنا رہی ہوتی ہیں اظہارِ زینت کا باعث ہیں۔ مثلاً آج اگر صبح کسی کے گھر سے اعلیٰ درجہ کی گاڑی نکلے اور شام کو واپس آئے تو لوگوں کی نظر میں اس کی بڑی شان وشوکت ہوتی ہے۔

عملی پہلو: آیت سے زینت کا جواز معلوم ہوتا ہے اگرچہ فخر جتانا اور تکبر کرنا حرام ہیں۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ زینت کا حاصل یہ ہو کہ انسان کے دل میں اللہ ﷻ کی نعمت پر خوشی کے اظہار کی کیفیت ہو۔ اور اس کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی حقیر نہ جانتا ہو بلکہ تمام نعمتوں کا حق تعالیٰ کی طرف سے انعام ہونا اس کے پیشِ نظر ہو۔ جب کہ تکبر وفخر میں اپنے آپ کو اس نعمت کا مستحق سمجھنا اور دوسروں کو حقیر سمجھنا پایا جاتا ہے جو حرام ہے۔

آیت نمبر۷: اُن چوپایوں کا ذکر ہے جن کی تخلیق انسانوں کے بوجھ اور سواری اٹھانے کے لئے ہوئی ہے۔ یہ جانور بھاری سامان دور دراز شہروں تک پہنچاتے ہیں جہاں انسان اپنے آپ کو مشقت میں ڈالے بغیر نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ ﷻ بڑی شفقت فرمانے والا ہے۔ وہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔ اس نے انسانوں کے لئے جانوروں کی خدمات دے کر بہت آسانیاں پیدا فرمادیں۔

علمی بات: میدانی علاقہ ہو یا ریت کے ٹیلے ہوں، پہاڑوں کی بلندیاں ہوں یا وادیوں کا نشیب ہو، راستہ ہموار ہو یا قدم قدم پر گڑھے ہوں، یہ جانور انسانوں کے بھاری بھر کم سامان کو اپنی پشتوں پر لادے ہوئے کس طرح خاموشی سے چلے جا رہے ہیں۔ انسان ذرا غور تو کرے! اگر اسے یہ سامان خود اٹھا کر لے جانا پڑتا تو اسے کس دِقّت کا سامنا ہوتا۔ ایسے جانوروں کا عطا کیا جانا پروردگار کی بے پایاں رحمت کا کتنا بڑا ثبوت ہے۔

آیت نمبر۸: گھوڑے، خچر اور گدھے انسان کے فائدے کے لئے پیدا کیئے گئے ہیں۔ ان کی پیدائش کا اصل مقصد ان پر سواری کرنا ہے تاہم یہ زینت کے اسباب بھی ہیں۔ مزید یہ کہ ان سواریوں کی طرف بھی اشارہ ہے جو نزولِ قرآنِ مجید کے وقت اس کے اولین مخاطبین کے علم میں نہ تھیں۔

علمی بات: آیت کریمہ نے یہ خبر دی ہے کہ اگرچہ فی الحال تم صرف گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کو سواری کے لئے استعمال کرتے ہو، لیکن اللہ ﷻ آئندہ نئی نئی سواریاں پیدا کرے گا مثلاً کاریں، بسیں، ریل گاڑیاں، ہوائی جہاز اور بحری جہاز وغیرہ بلکہ قیامت تک جتنی سواریاں مزید پیدا ہوں گی وہ سب اس آیت کے مفہوم میں داخل ہیں۔ عربی زبان کے قاعدہ کے مطابق اس جملہ کا یہ ترجمہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ایسی چیزیں پیدا کرے گا جن کا لوگوں کو ابھی علم ہی نہیں ہے۔

آیت نمبر۹: سیدھا راستہ توحید کا راستہ ہے اور ٹیڑھے راستہ سے مراد گمراہی کے راستے ہیں۔ دونوں راستوں کی نشاندہی کر کے انسان کو ارادہ اور اختیار کی آزادی دے دی گئی ہے۔ اگر اللہ ﷻ چاہتا تو سب کو زبردستی ہدایت کے راستہ پر ڈال دیتا مگر یہ اس کی حکمت کے مطابق نہ ہوتا۔

علمی بات: ا۔ اللہ ﷻ کا تمام احسانات سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے صراطِ مستقیم یعنی دینِ اسلام کو ان کے لئے بیان کر دیا جس پر چل کر وہ اس کی رضا کو حاصل کر سکتے ہیں اور اس کے عذاب سے بچ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ جتنے بھی مذاہب ہیں، چاہے یہودیت ہو یا نصرانیت، مجوسیت ہو یا ہندوازم، سب کے سب راہِ راست سے ہٹے ہوئے ہیں، ان پر چل کر اللہ ﷻ کی رضا کو حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ آیت میں "وَمِنْهَا جَآئِرٌ" سے یہی باطل مذاہب مراد ہیں۔

۲۔ اللہ ﷻ نے خیر و شر کی دونوں راہوں کو بیان کر دیا اور انسان کو اختیار دے دیا کہ جو راہ راست پر چلے گا، اسے وہ ہدایت دے گا اور جو گمراہ ہونا چاہے گا اسے اس کے حال پر چھوڑ دے گا۔ اس اختیار کے ساتھ انسان کا امتحان اور آزمائش ہے۔

آیت نمبر ۱۰: بارش کے فوائد کا بیان ہے۔ بارش کے پانی سے انسان سیر اب ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ بے شمار نباتات پیدا ہوتی ہیں جو انسان کے ساتھ اس کے مویشیوں کی خوراک بنتی ہیں۔

علمی بات: اللہ ﷻ نے انسان کی نشوونما کے تمام تقاضوں کو بہت عمدگی سے پورا فرمایا۔ سب سے پہلے پانی کا ذکر کیا۔ کیونکہ انسانی، حیوانی اور نباتاتی زندگی کا دارومدار اسی پر ہے۔ اگر پانی ہی نایاب ہو جائے تو زندگی کی ساری رنگینیاں خاک میں مل جائیں۔ ۲۔ شجر سے مراد ہر وہ چیز ہے جو زمین سے اُگتی ہے شجر کے عموم میں پودے، درخت، جھاڑیاں، گھاس سب داخل ہیں۔ یہاں مراد چراگاہیں ہیں۔

آیت نمبر ۱۱: بارش کے پانی سے انسان کے لئے کھیت اور ہر قسم کے پھل اور میوے تیار ہوتے ہیں۔ اللہ ﷻ کی قدرت کی ان نشانیوں میں غور و فکر کرنے والے اللہ ﷻ کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔

علمی بات: اللہ ﷻ ایک ہی پانی سے مختلف قسم کے پھل اور میوے اگاتا رہتا ہے جن کی شکل و صورت، رنگ و بو، مزہ اور تاثیر ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ اس میں غور کرنے والوں کے لئے اللہ ﷻ کی قدرت کاملہ کا بہت بڑا نشان ہے کہ ایک زمین، ایک آفتاب، ایک ہوا، ایک پانی سے کیسے رنگ برنگ کے پھول پھل پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

آیت نمبر ۱۲: دن رات، سورج، چاند اور ستاروں کو انسان کی خدمت پر لگا دیا گیا ہے۔ یہ سب اللہ ﷻ ہی کے اختیار میں ہیں اور اُسی کے حکم کے پابند ہیں۔ ان باتوں میں عقل مندوں کے لئے اللہ ﷻ کی وحدانیت کی بڑی نشانیاں موجود ہیں۔

علمی بات: اللہ ﷻ نے رات کو سکون حاصل کرنے کے لئے اور دن کو جہد و عمل اور طلبِ معاش کے لئے ایک مسلسل و منظم حرکت کا پابند بنا رکھا ہے آفتاب و مہتاب بھی اسی کی مرضی کے تابع ہیں۔ ستارے بھی اس کے حکم و ارادہ کے پابند ہیں رات اور دن، آفتاب و مہتاب اور ستاروں کی تسخیر اللہ ﷻ کی خالقیت اور صرف اسی کے لائق عبادت ہونے کے واضح دلائل ہیں۔ لیکن یہ دلائل ان کے لئے مفید ہیں جو اپنی عقلوں سے کام لیتے ہیں اور ان مخلوقات کے اسرار و حقائق میں غور و فکر کر کے ان کے خالق تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

آیت نمبر ۱۳: اللہ ﷻ نے رنگا رنگ مخلوقات سے کائنات کو حسن بخشا اور انسان کے ذوقِ بصارت کی تسکین فرمائی۔ لوگوں کے لئے ان میں بھی نشانیاں ہیں مگر ان کے لئے جو نصیحت قبول کرتے ہیں۔

علمی بات: جتنی بھی چیزیں زمین میں پائی جاتی ہیں حیوانات، معدنیات، نباتات، جمادات وغیرہ مذکورہ بالا آیت میں اجمالی طور پر ان کا تذکرہ آگیا ہے۔ یہ چیزیں رنگ برنگی ہیں، ان کی مختلف صورتیں ہیں اور طرح طرح کے انواع و اقسام ہیں۔ ان سب میں انسانوں کے لئے بہت سارے منافع ہیں۔ یہ چیزیں غذاؤں میں بھی کام آتی ہیں، مکانات کی تعمیر میں بھی اور امراض کے علاج میں بھی۔ ان چیزوں کا تذکرہ فرما کر ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

آیت نمبر ۱۴: سمندری نعمتوں کے تین فوائد کا بیان ہے۔

۱۔ مچھلی کی شکل میں انسان تازہ گوشت کھاتے ہیں۔ ۲۔ سمندر سے موتی اور جواہرات نکلتے ہیں جن سے انسان خوبصورت زیورات بناتا ہے۔

۳۔ اس میں کشتیاں اور جہاز چلتے ہیں جو انسان کے لئے بڑے پیمانے پر تجارتی سرگرمیوں کا ذریعہ ہیں۔

علمی بات: خشکی کی نعمتوں کے بعد اب سمندر کی نعمتوں کا ذکر کیا جارہا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سمندر کو اس طرح مسخر کیا کہ اس میں غوطہ لگانے کو آسان بنادیا۔ کشتیاں آسانی سے اس پر چلتی اور انسانوں اور ان کی ضروریات زندگی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتی رہتی ہیں۔ سمندروں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس لئے مسخر کیا ہے کہ لوگ مختلف ذرائع استعمال کر کے مچھلیوں کا شکار کریں اور ان کا تازہ گوشت کھائیں۔ سمندروں کو اس لئے بھی مسخر کیا کہ غوطہ لگا کر موتی اور دیگر قیمتی جواہرات نکالیں، جو ان کے لئے زیورات کا کام دیں۔ یہ سب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔ بندوں کو چاہیئے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ان احسانات کو یاد کریں اور اس کے شکر گزار بندے بن کر رہیں۔

آیت نمبر ۱۵: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے زمین کو پیدا کر کے اس میں پہاڑ جما دیئے۔ پھر ان پہاڑوں سے نہروں کو جاری کیا۔ اسی طرح زمین پر راستے بنائے جن کے ذریعے انسان اپنی منزل تک پہنچتا ہے۔

علمی بات: ا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے زمین میں بوجھل پہاڑ رکھ دیئے تاکہ زمین انسانوں کے ساتھ حرکت نہ کرے، اگر زمین مضطرب ہو جائے یعنی ڈولنے لگے تو انسانی زندگی کس قدر تلخ ہو جائے، جب کبھی چند سیکنڈ کے لئے زلزلہ کے جھٹکے آتے ہیں تو انسان کس قدر پریشان ہو جاتا ہے اور پوری زندگی معطل ہو کر رہ جاتی ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسانوں پر یہ احسان فرمایا ہے کہ اس نے زمین میں بڑے بڑے بھاری پہاڑ نصب کر دیئے ہیں تاکہ زمین پر سکون رہے اور لوگوں کی زندگی میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔

۲۔ انہار کا ذکر آبی راستوں کی حیثیت سے کیا گیا ہے کہ دریاؤں اور سمندروں میں کشتیاں اور جہاز چلتے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے راستے بھی پیدا فرمائے ہیں، اس سے مراد زمینی راستے ہیں جن پر چل کر لوگ دور دراز کا سفر اختیار کرتے ہیں اور سامان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے ہیں، یہ راستے ہموار زمین میں بھی ہوتے ہیں اور پہاڑوں میں بھی جن کے ذریعے نقل و حمل ہوتی ہے۔

آیت نمبر ۱۶: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے راستوں پر قدرتی نشانیاں اور علامات پیدا کیں تاکہ مختلف راستوں کی پہچان ہو سکے۔ آسمان پر ستارے بنائے جن کے ذریعہ دوران سفر انسان سمتوں کا تعین کر سکے۔

علمی بات: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے زمین میں راستہ پہچاننے کے لئے بہت سی علامات پہاڑوں، دریاؤں، درختوں، مکانوں وغیرہ کے ذریعہ قائم کر دی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر زمین ایک سپاٹ کُرہ ہوتی تو انسان کسی منزل تک پہنچنے کے لئے کس طرح راستہ میں بھٹکتا رہتا۔ نیز بحر و بر میں رات کی تاریکی میں ستاروں کی مدد سے لوگ صحیح سمت چلتے رہتے ہیں۔ کشتیوں اور جہازوں کی رہنمائی کے لئے اب جن آلات کا استعمال ہوتا ہے ان کی بناوٹ میں ستاروں کی روشنی ہی سے مدد لی جاتی ہے۔

آیت نمبر ۱۷: کائنات کی تمام چیزوں کا خالق اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی ہے۔ مشرکوں کے معبود کچھ بھی پیدا کرنے پر قادر نہیں بلکہ وہ خود پیدا کیئے گئے ہیں۔ اس کے باوجود مشرکوں نے اپنے حقیقی مالک کو چھوڑ کر انہیں معبود بنا رکھا ہے۔

علمی بات: گزشتہ آیات میں توحید کے دلائل اور مخلوقات کی انواع واقسام بیان فرمائی گئیں اور ان کے فوائد بھی بتائے گئے یہ تمام چیزیں اور ان کے علاوہ ہر چیز جو کبھی موجود تھی یا موجود ہے یا موجود ہو گی سب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلوق ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علاوہ جاہلوں نے دوسروں کی عبادت شروع کر دی ان کے وہ معبود بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ مخلوق خالق کے برابر نہیں ہو سکتی۔ پھر یہ کیسی حماقت ہے کہ مخلوق کو خالق کا شریک بنا دیا۔

آیت نمبر ۱۸: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی پیدا کردہ نعمتوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ ان کا شمار ناممکن ہے۔ ان نعمتوں پر شکر ادا کرنے کے بجائے لوگ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا شریک بنا دیتے ہیں۔ اس کے باوجود اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کے جرائم کو درگزر کرتے ہوئے انہیں اپنی رحمت سے تمام نعمتوں سے فیض یاب کیئے جارہا ہے۔

علمی بات: ا۔ مشرکین کو دعوتِ فکر دی جارہی ہے کہ اگر تم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار نہیں کرسکتے، اس نے تمہیں وجود بخشا، اعضاء دیئے، آنکھ، کان اور ناک دیئے، سمجھنے کی قوت دی، اچھے برے کی تمیز عطا فرمائی۔ اس کے علاوہ بے انتہا نعمتیں ہیں، ان نعمتوں کی قدر دانی کا تقاضا یہ ہے کہ مُوَحِّد یعنی ایک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو ماننے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانے اور صرف ایک اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کی عبادت کرنے والے بنو۔

۲۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں آدمی جب انہیں گن نہیں سکتا تو ان کا شکر کیسے ادا کرسکتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ وہ بڑا معاف فرمانے والا ہے۔ اگر بندے سے ادائے شکر میں کوئی کمی کوتاہی ہوتی ہے تو وہ اپنی بخشش اور کرم فرمائی کو روک نہیں دیتا، بلکہ معاف فرمادیتا ہے اور توبہ کی مہلت عطا فرماتا رہتا ہے۔

آیت نمبر ۱۹: نافرمانوں، ناشکروں اور مشرکوں کی تمام ظاہری اور پوشیدہ حرکات سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ واقف ہے۔ لیکن اپنی نعمتوں سے سب کو فائدہ اٹھانے کا موقع دے رہا ہے۔

علمی بات: اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمام ظاہری و باطنی احوال سے خبر دار ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ کون شخص اس کی نعمتوں پر کس حد تک دل سے اور کس حد تک جوارح سے شکر گزار بنتا ہے اور کون ایسا ہے جس کا ظاہر و باطن ادائے حقِ نعمت سے خالی رہتا ہے جس کا جو حال ہوگا اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسی کے موافق معاملہ کرے گا۔

آیت نمبر ۲۰: مشرکین کے جھوٹے معبودوں کی حالت کا بیان ہے کہ وہ خود کوئی چیز پیدا کرنے پر قادر نہیں بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی پیدا کردہ مخلوق ہیں۔ جو ہستی خود اپنی ذات کی مالک نہیں وہ معبود نہیں ہوسکتی۔

علمی بات: کفارِ قریش کے بارے میں کہا جارہا ہے کہ جن بتوں کو یہ لوگ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا پکارتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں وہ تو کچھ بھی پیدا نہیں کرسکتے، بلکہ پوجنے والوں نے ان کے مجسمے اپنے ہاتھوں سے بنائے ہیں، گویا وہ نہایت عاجز اور کمزور ہیں۔ تو پھر وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا معبود کیسے ہوسکتے ہیں؟

آیت نمبر ۲۱: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو چھوڑ کر غیروں کو الٰہ ماننے والوں کی تردید کی گئی ہے۔ وہ ان ہستیوں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں جو نہیں جانتے کہ وہ خود یا ان کے پجاری دوبارہ کب زندہ کرکے اٹھائے جائیں گے؟

علمی بات: ا۔ جو لوگ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا دوسری مخلوق مثلاً بُتوں، جنات و شیاطین یا دیگر مخلوقات میں سے کسی کو خدا اور اپنا معبود سمجھتے ہیں، اُنہیں تو یہ بھی خبر نہیں کہ قیامت کب آئے گی اور اُنہیں یا اُن کے پجاریوں کو حساب و کتاب کے لئے دوبارہ کب زندہ کیا جائے گا؟ جب اُنہیں اتنی خبر نہیں تو وہ کیسے عبادت کے لائق ہوسکتے ہیں؟ ایسی بے جان اور بے خبر ہستیوں کو خدا بنالینا انتہادرجہ کی حماقت اور جہل ہے۔

۲۔ مُردہ سے مُراد وہ بُت ہیں جن کی مشرکین عبادت کرتے تھے۔ فرمایا گیا ہے کہ وہ کسی کو پیدا تو کیا کرتے؟ خود پیدا کیئے گئے ہیں۔ ان میں نہ جان ہے اور نہ ہی انہیں یہ احساس ہے کہ ان کے پجاریوں کو مرنے کے بعد کب زندہ کیا جائے گا؟

آیت نمبر ۲۲: اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی معبودِ حقیقی ہے۔ توحید کے منکرین کو آخرت کے محاسبہ کا یقین نہیں۔ وہ تکبر کی وجہ سے دعوتِ حق کا انکار کررہے ہیں۔

علمی بات: کفارِ مکہ توحید کا انکار اور شرک پر اصرار کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، آخرت کا انکار کرتے ہیں، وہ نہ دائمی عذاب کی وعید سے ڈرتے ہیں اور نہ حصولِ ثواب کی توقع رکھتے ہیں، وہ ہر اس دلیل اور نصیحت کا انکار کرتے ہیں جو ان کے قول کے مخالف ہو اور دوسرے شخص کے قول کو ماننے اور قبول کرنے سے تکبر کرتے ہیں، پس وہ اپنی جہالت اور گمراہی کی وجہ سے اپنے قول پر ڈٹے رہتے ہیں۔

آیت نمبر ۲۳: اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان تکبر کرنے والوں کے باطن اور ظاہر سے پوری طرح آگاہ ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ متکبرین کو پسند نہیں فرماتا۔

علمی بات: منکرین قیامت اور اللہ ﷻ کی وحدانیت کا انکار کرنے والوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اللہ ﷻ ان کے تمام خفیہ اور ظاہری اعمال کو اچھی طرح جانتا ہے اور وہ ان جیسے تکبر کرنے والوں کو بالکل پسند نہیں کرتا۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہو گا۔

آیت نمبر ۲۴: مشرکین مکہ سے قرآنِ حکیم کے متعلق پوچھے جانے پر ان کے جاہلانہ جواب کا ذکر ہے۔

جب کوئی ناواقف شخص تحقیق کے لئے یا واقف شخص امتحان کے لئے ان سے پوچھتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا چیز نازل فرمائی؟ تو مشرکین جواب میں کہتے تھے کہ قرآنِ حکیم میں محض پچھلے زمانے کے قصے اور کہانیاں ہیں۔ (معاذ اللہ) یہ لوگ اس قسم کی باتوں سے لوگوں کو گمراہ کرنا چاہتے تھے۔

آیت نمبر ۲۵: مشرکین مکہ کو ان کے انکار کے نتیجہ میں قیامت کے دن برے انجام کی وعید سنائی گئی ہے۔ اس دن وہ نہ صرف اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھائیں گے بلکہ ان کا بوجھ بھی اُٹھائیں گے جنہیں دنیا میں انہوں نے گمراہ کیا ہو گا۔ گناہوں کے جس بوجھ کو وہ اپنے اوپر لادرہے ہیں وہ بہت بُرا بوجھ ہے۔

علمی بات: جو لوگ دوسروں کو بہکا کر راہِ راست سے روکتے ہیں، انہیں اس بہکانے کی بھی سزا ملے گی اور وہ سزا یہ ہو گی کہ جن لوگوں کو انہوں نے بہکایا تھا ان کے گناہوں کا بوجھ ان بہکانے والوں پر بھی لادا جائے گا۔ نیز بہکائے جانے والے بھی سزا سے نہ بچ سکیں گے۔

آیت نمبر ۲۶: سابقہ اقوام کے کفار نے رسولوں کی مخالفت کی اور وہ دین حق کے خلاف سازشیں کرتے رہے۔ ان پر عذاب اس طرح آیا جہاں سے اس کے آنے کا ان کو گمان بھی نہیں تھا۔ مشرکین مکہ کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ اگر وہ اُنہی کی روش پر چلیں گے تو اِن کا انجام بھی مختلف نہیں ہو گا۔

علمی بات: مشرکین مکہ کے لئے دھمکی ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف سازشیں کیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے خلاف سازشیں کرنے والوں سے اللہ ﷻ نے ہمیشہ ہی ایسا شدید انتقام لیا کہ انہیں جڑ سے ختم کر دیا۔ ان پر اس طرح اچانک عذاب مسلط کر دیا کہ انہیں سوچنے کا بھی موقع نہیں ملا۔

آیت نمبر ۲۷: قیامت کے دن مشرکوں کو ان کے شرک کا جو بدلہ دیا جائے گا وہ انتہائی رسوا کن ہو گا۔ جھوٹے معبودوں کے بارے میں ان کے پاس نہ کوئی دلیل ہو گی نہ وہ کوئی جواب دے سکیں گے۔ اہل علم یعنی انبیا کرام علیہم السلام اور ان کے پیروی کرنے والے اہل ایمان مشرکوں سے مخاطب ہو کر کہیں گے کہ یقیناً قیامت کا دن مشرکوں کے لئے سخت رسوائی اور برائی کا دن ہے۔ یعنی قیامت کے دن اللہ ﷻ ان عہد شکنوں کی رسوائیوں کو نمایاں کرے گا۔

علمی بات: مفسدین و منکرین کے تمام تر فساد اور خرابی کا اصل باعث ان کا کبر و غرور تھا۔ چنانچہ اس کی پاداش میں ان کو قیامت کے روز رسوا کیا جائے گا ان سے کہا جائے گا کہ کہاں ہیں تمہارے وہ خود ساختہ معبودانِ باطلہ جن کو تم لوگوں نے از خود گھڑ رکھا تھا یہ ان سے ان کی تذلیل و تحقیر کے لئے کہا جائے گا۔

آیت نمبر ۲۸: ظالموں کی موت کے وقت کی کیفیت کا بیان ہے۔ دنیا میں وہ کفر و شرک کا ارتکاب کر کے اپنی جانوں پر ظلم کے مرتکب ہوئے۔ موت کے وقت فرشتوں کے سامنے کفر و شرک سے بے زاری اور توحید کا اقرار کرتے ہیں۔ ان کے اعمال اللہ ﷻ کے پاس محفوظ ہیں لہٰذا ان کا اقرار انہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکے گا۔

علمی بات: شرک و معاصی کا ارتکاب کر کے اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ان کافروں کی جان نکالنے کے لئے جب فرشتے آتے ہیں اور وہ لوگ موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں تو اللہ ﷻ کے لئے اپنی اطاعت و بندگی کا اظہار کرنے لگتے اور مجسم عجز و انکسار بن جاتے ہیں۔ مارے دہشت کے شرک کا انکار کر بیٹھتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں کہ ہم نے تو شرک کا ارتکاب کیا ہی نہیں تھا۔ تو فرشتے ان کی بات کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایسا ہرگز نہیں بلکہ تم نے شرک کا ارتکاب کیا تھا اور اللہ ﷻ تمہارے کرتوتوں کو خوب جانتا ہے، اس لئے جھوٹ بولنے اور انکار کرنے سے تم جاں بر نہ ہو سکو گے۔

آیت نمبر ۲۹: منکرین اور متکبرین کو جہنم کے دروازوں سے داخل ہو جانے کا حکم دیا جائے گا۔ جہنم کا ٹھکانا ان کے لئے دائمی ہو گا۔

عملی پہلو: تکبر کرنے والوں کا بڑا ہی برا ٹھکانا ہے۔ اسی تکبر کے باعث وہ حق سے محروم ہوئے، اسی کے نتیجہ میں وہ اس انجام سے دوچار ہوئے اور ایسے کہ اس سے نکلنے اور چھٹکارا پانے کی اب کوئی صورت بھی ان کے لئے ممکن نہ ہوگی۔ تکبر کے نتیجہ میں انسان حق بات کو سننے اور ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا اور آخر کار ہلاکت اور تباہی کے دائمی اور انتہائی ہولناک گڑھے عذابِ دوزخ میں جا گرتا ہے۔

آیت نمبر ۳۰: دین حق سے اعراض کرنے والے متکبرین کے برعکس پرہیزگاروں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ اللہ ﷻ کی نازل کردہ کتاب کے متعلق پوچھے جانے پر پرہیزگاروں کے جواب کا ذکر ہے کہ اللہ ﷻ کا نازل کردہ کلام مکمل طور پر خیر ہی خیر ہے۔ ان کے نیک اعمال کے بدلے انہیں دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بہترین ٹھکانہ کی بشارت دی گئی ہے۔

علمی بات: قرآنِ حکیم سراسر خیر و برکت ہے جو بھی اس پر ایمان لائے گا اور اس پر عمل کرے گا وہ خیر و برکت سے مالا مال ہو جائے گا۔ جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک اعمال کیئے ان کو دونوں جہانوں کی بھلائی حاصل ہوگی۔ یہاں دنیا کی بھلائی سے مراد فتح و نصرت اور غلبہ و خلافت ہے اور آخرت کی بھلائی سے مراد جنت ہے جو سب سے بہترین بھلائی ہے۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "تم میں سے بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے"۔ (صحیح بخاری)

آیت نمبر ۳۱: آخرت کا گھر ہمیشہ رہنے والے باغات ہیں جن میں پرہیزگار داخل ہوں گے۔ ان باغات کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہاں انہیں ہر وہ شے ملے گی جو وہ چاہیں گے۔ تقویٰ اختیار کرنے والوں کو ایسے ہی انعامات سے نوازا جاتا ہے۔

علمی بات: جنت میں انسان جو کچھ چاہے گا وہی اسے ملے گا اور کوئی چیز اس کی مرضی اور پسند کے خلاف نہ ہوگی۔ دنیا میں کسی بڑے سے بڑے امیر یا بادشاہ کو بھی یہ نعمت نہ کبھی میسر آئی ہے اور نہ ممکن ہے۔ مگر جنت کے ہر مکین کو راحت و مسرت کا یہ درجہ حاصل ہوگا کہ اس کی ہر آرزو اور چاہت پوری ہوگی۔ (تفہیم القرآن)

آیت نمبر ۳۲: اہل ایمان کی موت کے وقت کی کیفیت کا بیان ہے۔ وہ موت کے وقت شرک و گناہوں سے پاک صاف ہوتے ہیں اور فرشتے انہیں سلامتی کی دعا دیتے ہیں۔ موت کے وقت نیک اعمال کے بدلہ انہیں جنت میں داخلہ کی بشارت دی جاتی ہے۔

علمی بات: جس کا دل کفر و شرک سے پاک ہو اور دل میں ایمان کی نورانیت ہو اور اس کا ظاہر بھی اعمال صالحہ سے مزین ہو تو ظاہر ہے کہ موت کے وقت بھی اس کی حالت اچھی ہوگی، فرشتے بھی اس سے اچھا معاملہ کرتے ہیں اور اسے اس وقت سلام پیش کرتے ہیں اور جنت کی بھی بشارت دیتے ہیں۔

آیت نمبر ۳۳: کفار و مشرکین کی مذمت کی گئی ہے جو دلائل کے باوجود ایمان نہیں لاتے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کا انکار کرکے گویا اس بات کے منتظر ہیں کہ ان پر موت کے فرشتے یا عذاب الٰہی آجائے۔ اسی طرح کی سرکشی سابقہ نافرمانوں نے اختیار کرکے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور عذاب الٰہی کے مستحق بنے۔

علمی بات: کفار و مشرکین کو بتایا جارہا ہے کہ روشن دلائل نے شک و شبہ کی ساری تاریکیوں کا خاتمہ کر دیا۔ آفتاب ہدایت جگمگا رہا ہے۔ یہ لوگ پھر کیوں ایمان نہیں لا رہے؟ کیا یہ اس بات کے منتظر ہیں کہ موت کا فرشتہ آئے اور ان کی روح نکال کرلے جائے؟ یا عذاب الٰہی اترے اور ان کو تباہ کرکے رکھ دے؟ کتنے نادان ہیں یہ لوگ جو اب بھی ہدایت قبول نہیں کرتے۔

آیت نمبر ۳۴: منکرین کو ان کی شامت اعمال کا نتیجہ ملنے کا بیان ہے۔ وہ جس عذاب کا مذاق اڑاتے تھے اسی عذاب کے مستحق بنے۔

علمی بات: گزشتہ مجرم قوموں کا ذکر ہے کہ جب اُن کے رسول علیہم السلام ان سے کہتے کہ اگر تم ایمان نہیں لاؤ گے تو اللہ ﷻ کا عذاب آجائے گا۔ تو وہ استہزاء کے طور پر کہتے کہ جاؤ اپنے رب سے کہو وہ عذاب بھیج کر ہمیں تباہ کردے۔ چنانچہ اس عذاب نے انہیں گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے، پھر اس سے بچاؤ کا کوئی راستہ ان کے پاس نہیں رہا۔ یہ بات بیان کرکے مشرکینِ مکہ کو عذاب کی وعید سنائی جارہی ہے۔

آیت نمبر ۳۵: شرک اور شرکیہ افعال کے حق میں مشرکوں کی ایک بھونڈی دلیل کا ذکر ہے۔ وہ کہتے کہ اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو ان کے اور ان کے باپ دادا کے شرکیہ افعال پسند نہ ہوتے تو انہیں روک دیتا۔ ان کی اس باطل دلیل کا جواب دیا گیا ہے۔ سابقہ نافرمان اقوام نے بھی ایسا ہی کہا تھا جب کہ انبیاء علیہم السلام کو بھیج کر ان کے لئے کوئی عذر باقی نہیں چھوڑا گیا تھا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے انبیاء علیہم السلام کی ذمہ داری پیغام کو واضح طور پر پہنچا دینا ہے منوانا نہیں۔

علمی بات: مشرکین مکہ اپنے کفر و شرک کے لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تقدیر کو دلیل بناتے اور کہتے تھے کہ اگر ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا غیروں کی عبادت کرتے ہیں اور اپنی طرف سے کچھ جانوروں کو حرام کہتے ہیں اور ہمارے آباء و اجداد بھی ایسا کرتے رہے ہیں تو اس میں ہمارا اور ان کا کوئی قصور نہیں ہے، یہ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مشیت کے مطابق ہے، اگر اس کی مرضی نہ ہوتی، تو ہم ایسا نہ کرتے۔ تو گویا ہمارا اس کی مرضی کے مطابق ایسا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ محمد (ﷺ) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف غلط بات منسوب کر رہے ہیں۔ (معاذ اللہ) اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کی شدت سے تردید کی ہے اور سختی سے شرک سے روکا ہے۔ اس نے ہر زمانے اور ہر قوم کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام بھیجے ہیں، جنہوں نے صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کی طرف بلایا اور غیروں کی عبادت سے روکا۔ پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء سید المرسلین سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کی ایک ہی دعوت تھی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، صرف وہی عبادت کے لائق ہے۔

آیت نمبر ۳۶: ہر امت میں نبی اور رسول علیہم السلام بھیجے گئے جنہوں نے لوگوں کو توحید اختیار کرنے اور طاغوت سے بچنے کی دعوت دی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وحدانیت تسلیم کرنے والوں کو ہدایت نصیب ہوئی۔ ہٹ دھرمی اور کفر و شرک پر اڑے رہنے والے پر گمراہی ثابت ہوئی۔ مشرکین مکہ کو زمین پر چل پھر کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسولوں کو جھٹلانے والوں کے انجام کے مشاہدہ کرنے کی نصیحت کی گئی ہے۔

علمی بات: ۱۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہر قوم کے لئے ایک رسول بھیجا، جس نے انہیں اس بات کی تعلیم دی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کرو اور شیطان اور بتوں کی عبادت سے دور رہو۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسانوں کو خیر و شر اور جنت و جہنم دونوں کے راستے بتا دیئے۔ خیر کی راہ پر چلنے کا حکم دیا اور شر کی راہ سے منع فرمایا، بلکہ اس نے مشرکوں کو دنیا میں ان کے شرک کی سزا دی، تاکہ انہیں معلوم ہو کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کے شرکیہ اعمال سے راضی نہیں ہے۔ خیر و شر کی اس وضاحت و صراحت کے بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی حکمت اور مشیّت کے مطابق جسے چاہا خیر کی توفیق دی اور جسے چاہا گمراہی میں بھٹکتا چھوڑ دیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ منکرین کو کفر ہی کی حالت میں ہلاک کر دیا اور ان کی بستیوں کو اجاڑ دیا مشرکین مکہ کو تنبیہ ہے کہ ذرا دیکھو تو سہی کہ پیغمبروں کو جھٹلانے والوں کا کیسا برا انجام ہوا۔ قوم عاد و ثمود، قوم لوط اور قوم شعیب کی بستیاں دیکھو کہ کیسے کیسے عبرت کے نشانات ہیں۔

۲۔ طاغوت شیطان کو بھی کہتے ہیں اور بتوں کو بھی، لہٰذا اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شیطان کے پیچھے نہ چلو اور یہ بھی کہ بت پرستی سے اجتناب کرو۔

آیت نمبر ۳۷: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے نبی کریم ﷺ کو اس حوالہ سے تسلی عطا فرمائی گئی کہ اگرچہ آپ ﷺ لوگوں کی ہدایت کے بہت زیادہ خواہش مند ہیں لیکن گمراہی اختیار کرنے والوں کو ہدایت سے نہیں نوازا جاتا۔ ایسے لوگ عذاب کے مستحق ہوں گے اور پھر ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

علمی بات: ۱۔ رسول اللہ ﷺ کی بہت چاہت اور کوشش تھی کہ جن لوگوں کے سامنے وہ حق کی دعوت پیش فرما رہے ہیں وہ ایمان قبول کر لیں، لیکن سارے انسانوں کا اسلام قبول کر لینا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے قضا و قدر میں نہیں ہے۔

۲۔ پس آپ ﷺ کو تلقین کی گئی ہے کہ اپنا فریضہ انجام دیتے رہیں جسے ایمان نہیں لانا وہ ایمان نہ لائے گا۔ جو لوگ گمراہی اختیار کریں گے اور اس کی وجہ سے آخرت کے عذاب میں مبتلا ہوں گے ان کے لئے کوئی مددگار اور حمایتی نہ ہوگا۔

آیت نمبر ۳۸: مشرکین کے تعصب کی ایک مثال بیان کی گئی ہے۔ برے انجام سے ڈرانے پر وہ قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ اللہ ﷻ مردوں کو زندہ نہیں کرے گا۔ اللہ ﷻ نے انہیں اس بات کا جواب دیا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیئے جانے کا وعدہ برحق ہے جو پورا ہو کر رہے گا۔ لیکن اکثر لوگ نا سمجھ ہیں جس کی وجہ سے موت کے بعد دوبارہ اٹھنے کا انکار کرتے ہیں۔

علمی بات: مشرکین اور دوسرے کفار قیامت کا انکار کرتے تھے اور انکار بھی سطحی انداز میں نہیں بلکہ انہوں نے اللہ ﷻ کی زور دار قسم اٹھا کر یوں کہا کہ جو لوگ مر جاتے ہیں اللہ ﷻ انہیں دوبارہ زندہ نہیں کرے گا۔ ان کے جواب میں "بلیٰ" فرما کر ان کی اس بات کی نفی کی گئی ہے: بلیٰ کے معنیٰ یہ ہیں "کیوں نہیں"۔ یعنی وہ ضرور زندہ کرے گا۔ تمہارا انکار کرنا اور قسم کھانا یہ سب جھوٹ ہے۔ اللہ ﷻ نے فیصلہ فرمایا ہے کہ وہ بندوں کو ضرور زندہ فرمائے گا، یہ اس کا پختہ وعدہ ہے اس کے خلاف کبھی نہیں ہو سکتا، لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے، البتہ نہ جاننا اور ان کا نہ ماننا اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ ﷻ نے جو وعدہ فرمایا ہے وہ پورا نہ ہو۔

آیت نمبر ۳۹: قیامت کے برپا ہونے کی دو حکمتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ بات ظاہر کر دی جائے گی جس میں لوگ دنیا میں اختلاف کیا کرتے تھے۔ دوسرا یہ کہ کافروں پر واضح ہو جائے گا کہ قیامت کے واقع نہ ہونے کا تصور رکھنے میں وہ جھوٹے تھے۔

علمی بات: جن باتوں میں کفار و مشرکین دنیا میں اختلاف کیا کرتے تھے اللہ ﷻ واضح طور پر ان چیزوں کو ظاہر فرما دے گا۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اللہ ﷻ کی طرف سے یہ بات بتاتے اور اللہ ﷻ کے فیصلے سناتے تھے۔ مگر یہ کافر اُن کو نہیں مانتے تھے۔ نیز اس دن کافروں کو بھی اپنے جھوٹا ہونے کا یقین ہو جائے گا۔

آیت نمبر ۴۰: قیامت کا برپا کرنا اللہ ﷻ کے لئے کوئی مشکل نہیں۔ اللہ ﷻ جب کسی چیز کو ہو جانے کا حکم دیتا ہے تو وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

علمی بات: مشرکین کو اس بات سے تعجب ہوتا تھا کہ مرنے کے بعد لوگ کیسے زندہ کیئے جائیں گے؟ اللہ ﷻ نے ان کا شبہ اور اعتراض دور فرمایا اور اپنی قدرتِ کاملہ بیان فرمائی کہ وہ ہر چیز کے پیدا فرمانے پر قدرت رکھتا ہے، جس نے پہلے سب کو پیدا فرمایا وہ اس بات پر کیسے قادر نہ ہو گا کہ دوبارہ پیدا فرما دے۔ جس کے (کُنْ) (ہو جا) فرمانے سے ہر چیز کا وجود ہو جاتا ہے اس کے بارے میں یہ کہنا کہ دوبارہ کیسے پیدا فرمائے گا؟ جہالت ہے اور سراسر حماقت ہے۔

آیت نمبر ۴۱: ان مہاجرین کی فضیلت کا بیان ہے جو مشرکین مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر حبشہ ہجرت کر گئے تھے۔ ہجرت کا مقصود یہ تھا کہ ایمان کی حفاظت ہو اور دین پر عمل کرنا آسان اور ممکن ہو۔ مہاجرین کے لئے دو وعدے ذکر کیئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ دنیا میں ان کے لئے بہترین ٹھکانا ہو گا۔ دوسرا یہ کہ انہیں آخرت میں بے حساب اجر و ثواب عطا فرمایا جائے گا۔

علمی بات: اللہ ﷻ کی توحید اور قیامت پر ایمان لانے والوں کا توحید اور قیامت کے منکروں کے ساتھ خوشی سے مل جل کر رہنا ممکن ہی نہ تھا، خصوصاً جب اہل ایمان تعداد اور قوت میں کمزور بھی تھے۔ اپنے وطن کو جہاں بیت اللہ بھی ہو، کون خوشی سے چھوڑ سکتا ہے؟ اس لئے انہوں نے وطن چھوڑا تو دو وجوہات سے، ایک تو قوم کے ظلم کی وجہ سے، جیسا کہ فرمایا: (مِنۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا) "اِس کے بعد کہ ان پر ظلم کیئے گئے" اور دوسرا اس لئے کہ اللہ ﷻ کے دین پر عمل کرنا وطن میں ممکن نہ رہا، تو انہوں نے گھر بار، قبیلے، جائیداد غرض ہر چیز کو اللہ ﷻ کی خاطر چھوڑ دیا اور ایسی جگہ چلے گئے جہاں وہ ظلم سے بھی بچ جائیں اور اللہ ﷻ کے دین اور اپنے پیارے نبی ﷺ کی تعلیمات پر آزادی سے عمل کر سکیں۔

آیت نمبر ۴۲: مہاجرین کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ اللہ ﷻ کے وعدے ضرور پورے ہوں گے۔ لہٰذا انہوں نے تکالیف پر صبر کیا اور اللہ ﷻ ہی پر بھروسہ کرتے رہے۔

علمی بات: ان لوگوں کی تحسین ہے جو ہر طرح کی مصیبتوں میں ثابت قدم رہتے، اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے اور اپنا کام پورے دھیان سے کرتے ہیں خواہ حالات کچھ بھی ہوں۔ اس جگہ اس کی تلقین کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ مخالفت جب حد سے بڑھ گئی اور مخالفین کی ایذاؤں اور تکلیفوں کا سلسلہ روز بروز بڑھتا گیا تو مسلمانوں پر زندہ رہنا دشوار ہو گیا تو پیغمبر اسلام نے اجازت دے دی کہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔

آیت نمبر ۴۳: مشرکین مکہ کے اعتراض کا جواب کہ رسول انسان کیوں ہیں کوئی فرشتہ کیوں نہیں؟۔ چنانچہ بتایا جارہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے جتنے بھی انبیاء کرام علیہم السلام آئے وہ سب انسان اور مرد ہی تھے۔ علم والوں سے مراد یہود و نصاریٰ کے علماء ہیں جو سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام اور حالات سے باخبر تھے۔ مشرکین مکہ کو علم والوں سے انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات و واقعات کی تصدیق کرنے کا حکم دیا گیا نیز توجہ دلائی گئی ہے کہ کسی مسئلہ میں رہنمائی کی ضرورت پڑنے پر اہل علم کی طرف رجوع کیا جائے۔

علمی بات: ۱۔ اللہ ﷻ کا یہی دستور ہے کہ جب وہ انسانوں کی طرف کوئی نبی بھیجتا ہے تو انہی میں سے کسی مرد کو اس منصبِ عالی شان سے سرفراز فرمادیتا ہے۔ آپ ﷺ سے پہلے بھی ہمارے انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے اور وہ سب کے سب نوع انسانی کے فرد تھے۔ اس میں مصلحت یہی ہے کہ انسان ہی انسان کو علم اور عمل کے ذریعہ اللہ ﷻ کا وہ پیغام اچھی طرح سمجھا سکتا ہے کوئی دوسری مخلوق یہ کام نہیں کر سکتی۔

۲۔ اَھْلُ الذِّکْر سے مراد اہل کتاب ہیں جو پچھلے انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی تاریخ سے واقف تھے۔ کفار کو دعوت دی گئی ہے کہ اگر تم اس مسئلہ کی مزید تحقیق کرنا چاہو تو کسی صاحب علم سے پوچھ لو۔

علمی و عملی بات: ۳۔ جو لوگ اسلامی احکام نہیں جانتے وہ اہل علم سے پوچھ کر ان پر عمل کریں ایک شخص جس بات کو نہیں جانتا وہ جاننے والوں سے جان لے۔ کسی چیز کے جاننے میں کوئی عیب نہیں ہے۔

آیت نمبر ۴۴: ذکر کے مفہوم میں قرآنِ حکیم کے علاوہ سنتِ رسول ﷺ بھی شامل ہے۔ اللہ ﷻ نے قرآنِ حکیم کے الفاظ کی طرح اس کی وضاحت بھی عطا فرمائی۔ لوگوں کو قرآنِ حکیم پر غور و فکر کرنے کی دعوت دی گئی۔

علمی بات: ۱۔ نبی اکرم ﷺ کی سنت کے اتباع کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ کیونکہ اللہ ﷻ نے قرآن حکیم کا صحیح علم اپنے رسول ﷺ کو عطا فرمایا اور اس کے معنٰی و مطالب کے بیان، اس کے اجمال کی تفصیل اور اوامر و نواہی کی وضاحت کا منصب فقط اپنے محبوب مکرم ﷺ کو تفویض کیا۔ اس لئے قرآنِ حکیم کی جو تفسیر و تشریح حضور اکرم ﷺ نے فرمائی وہی قابلِ اعتماد ہے۔ کسی دوسرے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی عقل و فہم پر بھروسہ کر کے کسی آیت کی ایسی تاویل کرے جو ارشادِ رسالت مآب ﷺ کے خلاف ہو۔

۲۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا کام صرف کتاب امت تک پہنچا دینا نہیں بلکہ اس کی تعلیم اور اس کے احکامات کا انطباق یعنی ان احکامات کی مطابقت و موافقت، اجتماعی زندگی میں کتابِ الٰہی کا نفاذ اور ایک ایک ادارہ کی عملی تشکیل بھی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان تمام ضرورتوں کو پورا کر کے دکھایا۔ آپ ﷺ نے عدالتیں قائم کیں اور انصاف کرنے کا طریقہ سکھایا۔ آپ ﷺ نے حق و باطل کے معرکے سر کیئے اور امت کو جنگ کی تہذیب عطا فرمائی۔ حکومت و اقتدار کو اللہ ﷻ کی امانت ثابت کیا۔ بندگی اور نیابتِ الٰہی کو اکٹھا کر کے دکھایا۔ امراء اور حاکموں کے فرائض کو واضح فرمایا۔ غرض عبادات سے لے کر زندگی کے تمام شعبوں تک آپ ﷺ نے قرآن حکیم کے ایک ایک حکم کو عملی تعبیر عطا فرمائی، معاشرہ پر اس کا انطباق کیا اور

مطابقت پیدا فرمائی۔ یہ وہ چیز ہے جس کو سنتِ رسول ﷺ کہتے ہیں۔ جس طرح قرآنِ حکیم کی آیات اسلامی قانون کی اساس ہیں۔ اسی طرح سنت رسول ﷺ بھی ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کو تشکیل دینے والی ہے۔ دونوں میں سے کسی ایک کو بھی صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔

آیت نمبر ۴۵: دعوت حق کی مخالفت کرنے والوں کو سخت تنبیہ کی گئی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ عذاب کی مختلف اقسام بھیجنے پر قادر ہے جن میں منکرین حق گرفتار ہوسکتے ہیں۔ عذاب کی پہلی صورت یہ بیان کی گئی کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ چاہے تو ان منکرین کو زمین میں دھنسادے۔ عذاب کی دوسری صورت یہ ہے کہ ان پر اس جگہ سے عذاب بھیج دے جہاں سے عذاب آنا ان کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو۔

آیت نمبر ۴۶: منکرین کے لئے عذاب کی تیسری صورت یہ ہے کہ چلتے پھرتے ان کی گرفت ہوجائے یعنی دورانِ سفر انہیں کسی حادثہ کا شکار کردیا جائے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ جس طرح چاہے مجرمین کی گرفت کرنے پر قادر ہے جسے وہ نہیں ٹال سکتے۔

علمی بات: یہ بھی ضروری نہیں کہ پہلے سے کچھ اہتمام کیا جائے یا فوجیں مقابلہ کے لئے روانہ کی جائیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ تو اس پر بھی قادر ہے کہ لوگوں کو چلتے پھرتے کام کاج کرتے یا بستروں پر کروٹیں بدلتے ہوئے ایک دم پکڑلے اور بالکل عاجز و بے بس کردے۔

آیت نمبر ۴۷: منکرین کے لئے عذاب کی چوتھی صورت تخوف بیان کی گئی ہے جس کا مطلب ہے "آہستہ آہستہ گھٹاتے جانا۔" یہ وہ کیفیت ہوتی ہے جس میں لوگوں کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ عذاب میں مبتلا ہوچکے ہیں۔

علمی بات: اللہ سبحانہ و تعالیٰ دفعتاً بلا نازل نہ کرے بلکہ اس کی پہلے علامات و آثار نمایاں کرے اور لوگوں میں ہلاکت سے پہلے خوف اور پریشانی پیدا ہو پھر وہ ہلاک ہوجائیں۔ جیسا کہ شدید قحط اور وبائی امراض یا دشمنوں کے غلبہ میں ایسی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ مگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ رؤف رحیم ہے وہ اپنے بندوں کو مہلت دیتا رہتا ہے تاکہ وہ گناہوں کی زندگی سے پلٹ آئیں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی فرماں برداری اختیار کرکے ہلاکت سے بچ جائیں۔

آیت نمبر ۴۸: اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ کائنات میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی پیدا کردہ تمام چیزیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرتی ہیں۔ ہر چیز کا سایہ جو دائیں بائیں جھکتا ہے وہ صبح و شام اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہے۔

عملی پہلو: زمین و آسمان اور ان کے درمیان موجود ساری چیزیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں بالخصوص مادی اجسام والی چیزوں کے سائے جب دائیں اور بائیں اطراف کو جھکتے ہیں تو یہ سجدہ کے مشابہ ایسا منظر پیش کرتے ہیں جو متکبر انسانوں کے لئے درس عبرت ہے کہ بے جان چیزیں اور ان کے سائے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرتے ہوئے سجدہ ریز ہیں مگر متکبر و سرکش انسان اپنے رب کی نافرمانی میں سرگرداں ہیں۔

آیت نمبر ۴۹: کائنات کی تمام مخلوق اور فرشتے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ وہ تکبر نہیں کرتے بلکہ عاجزی اختیار کرتے ہیں۔

علمی بات: ۱۔ بے شعور اور بے جان سائے ہی اس کے سامنے سجدہ ریز نہیں بلکہ آسمان اور زمین کی ہر چیز بارگاہِ الٰہی میں سربسجود ہے اور ملائکہ کی اطاعت کا تو یہ عالم ہے کہ وہاں تکبر و سرکشی کا شائبہ تک نہیں۔

۲۔ سجدہ کی دو قسمیں ہیں: سجدہ عبادت اور سجدہ بہ معنیٰ اطاعت۔ سجدہ عبادت وہ ہے جیسے مسلمان اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں اور سجدہ بہ معنیٰ اطاعت یہ ہے کہ اس معنیٰ میں کائنات کی ہر چیز اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے اور سب اس کی اطاعت کررہے ہیں اور یوں کائنات کی ہر چیز جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہے۔

آیت نمبر ۵۰: فرشتے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ڈر سے ہر وقت اس کے حکم کی تعمیل میں لگے رہتے ہیں۔ وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم کی سرتابی نہیں کرتے۔

علمی بات: ا۔ فرشتوں کی چار صفات کا ذکر ہوا ہے۔ ایک یہ کہ وہ اللہ ﷻ ہی کو سجدہ کرتے ہیں۔ دوسری یہ کہ وہ بڑائی اور سرکشی نہیں کرتے۔ تیسری یہ کہ

وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اس احساس کے ساتھ کہ وہ ان کے اوپر موجود ہے اور چوتھی یہ کہ وہ اطاعت شعار ہیں اور اس کے ہر حکم کو بجالاتے ہیں اور جب فرشتوں کا اپنا حال یہ ہے تو ان کو اللہ ﷻ کا شریک ٹھہرانے کا کیا مطلب؟ یہ نری جہالت نہیں تو اور کیا ہے؟

۲۔ ا۔ یہ آیتِ سجدہ ہے اور اس طرح کی چودہ آیاتِ سجدہ ہیں جب ان آیات کو انسان پڑھے یا سنے تو اس پر سجدہ کرنا لازمی ہے۔ اسے سجدۂ تلاوت کہتے ہیں۔ ۲۔ سجدۂ تلاوت کے ادا کرنے کی بھی وہی شرطیں ہیں جو سجدہ نماز کی ہیں۔ یعنی باوضو ہو، پاک جگہ ہو وغیرہ۔

۳۔ سجدۂ تلاوت کرنے لگے تو اس میں تکبیر تحریمہ کی طرح ہاتھ اٹھانا نہیں ہے بلکہ اللہُ اَکْبَر کہتا ہوا سجدۂ میں چلا جائے اور ایک سجدہ کرے تکبیر کہتے ہوئے سر اٹھائے اس میں تشہد اور سلام نہیں ہے۔

۴۔ جیسے آیتِ سجدہ پڑھنے والے پر سجدہ واجب ہوتا ہے ایسے ہی سننے والے پر بھی واجب ہو جاتا ہے اگرچہ اس نے ارادہ کر کے نہ سنا ہو، البتہ تلاوت کرنے والے کے لئے بہتر یہ ہے کہ آیت سجدہ حاضرین کے سامنے زور سے نہ پڑھے، ہاں اگر حاضرین سننے ہی کے لئے بیٹھے ہیں تو سجدۂ تلاوت والی آیت زور سے پڑھ دے۔

<u>سجدۂ تلاوت کی دُعا:</u> سجدۂ تلاوت میں اگر سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی تین مرتبہ کہے تو یہ بھی درست ہے اور اگر اس کے ساتھ دُعاءِ ماثور پڑھ لے تو زیادہ بہتر ہے۔ دُعا ماثور یہ ہے: سَجَدَ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ وَ شَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ (سنن ابی داوٗد، جامع ترمذی)

”میرے چہرہ نے اس ذات کے لئے سجدہ کیا جس نے اسے پیدا فرمایا اور اسے اپنی طاقت و قدرت کے ذریعہ آنکھ و کان نکال کر (زینت بخشی)۔“

آیت نمبر ۵۱: دو معبودوں کے عقیدہ کی تردید کی گئی ہے۔ معبود برحق صرف اللہ ﷻ ہے لہٰذا اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے اور اسی سے ڈرا جائے۔

علمی بات: ا۔ اگر آسمان وزمین میں دو معبود ہوتے تو نظامِ عالم میں فساد برپا ہو جاتا۔ نتیجتاً نظام عالم قائم ہی نہ رہ سکتا۔ لہٰذا جب کائنات کا خالق ومالک ایک ہی ہے اور وہی بغیر کسی شریک کے ساری کائنات کا نظام چلا رہا ہے تو عبادت کے لائق بھی صرف وہی اکیلا ہے۔

آیت نمبر ۵۲: کائنات کی ہر چیز کا خالق و مالک اللہ ﷻ ہی ہے۔ اللہ ﷻ ہی کی مسلسل بندگی کرنے اور جھوٹے معبودوں سے نہ ڈرنے کی نصیحت کی گئی ہے۔

علمی بات: آسمان وزمین کی ہر چیز کا مالک تنہا وہی ہے۔ ہر قسم کا نفع ونقصان اسی کے اختیار میں ہے۔ بندوں کو جو کچھ نعمتیں حاصل ہیں وہ سب اسی کی طرف سے ہیں۔ ساری مخلوق اُسی کی محتاج ہے تو کسی کو اس کا مدمقابل ماننا نری جہالت ہے۔

آیت نمبر ۵۳: تمام نعمتیں اللہ ﷻ ہی کی عطا کردہ ہوتی ہیں۔ مشرکین سخت مصیبت میں مبتلا ہونے پر خالصتاً اللہ ﷻ ہی کو پکارتے اور اسی سے فریاد کرتے تھے۔

علمی بات: جب کوئی سخت مصیبت انسان کو چھو جاتی ہے تو سخت سے سخت، ضدّی، متشدد اور اپنی عقیدہ پر اڑنے والا مشرک بھی اس وقت سب سہارے چھوڑ کر اللہ ﷻ کو پکارنے لگتا ہے۔ گویا فطرت انسانی شہادت دیتی ہے کہ مصائب اور سختیوں سے بچانا اللہ ﷻ کے سوا کسی کا کام نہیں ہو سکتا۔ پھر جس کے قبضہ میں ہر ایک نعمت اور ہر قسم کا نفع وضرر ہے، تو دوسرا کون ہے؟ جس سے انسان خوف کھائے اور امیدیں باندھے۔

آیت نمبر ۵۴: تکلیف دور ہو جانے پر مشرکین اللہ ﷻ کے احسانات بھول کر اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ ایک جماعت کا ذکر اس لئے کیا کہ بعض مشرک تکلیف دور ہونے پر شرک پر قائم رہنے کے بجائے توحید اختیار کرتے تھے۔

علمی و عملی بات: جس طرح مصیبت کے وقت اللہ ﷻ سے فریاد کرتے ہیں اسی طرح امن و عافیت میں بھی اس کو یاد رکھنا چاہیئے اور اس کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ مگر لوگوں کا حال یہ ہے کہ مصیبت دور ہوتے ہی اس خالق و مالک حقیقی کو چھوڑ کر باطل معبودوں کی پوجا میں لگ جاتے ہیں۔

آیت نمبر ۵۵: مشرک اللہ ﷻ کے ساتھ شرک کر کے اس کی نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے۔ ایسے لوگوں کو چند روزہ دنیاوی زندگی سے فائدہ اٹھانے کے بعد عذاب کی تنبیہ کی گئی ہے۔

علمی بات: مشرکین کو تنبیہ ہے کہ تمہارے پاس موجود ہر نعمت اللہ ﷻ کی دی ہوئی ہے اس کے باوجود تم اپنے جھوٹے معبودوں کو اللہ ﷻ کی عبادت میں شریک کرتے ہو۔ لیکن جب تم پر مصیبت آجائے تو انہیں بھول کر صرف اللہ ﷻ کی بارگاہ میں فریاد کرتے ہو اور جب وہ تم سے مصیبت دور کر دے تو تم پھر انہیں جھوٹے معبودوں کو اللہ ﷻ کے ساتھ شریک ٹھہرانے لگتے ہو۔ یہ کس قدر گمراہی و ناانصافی ہے۔ تو چند دن مزے اڑالو، جو چاہے عمل کرو اور دنیا کی اس زندگی میں قلیل مدت کے لئے فائدے اٹھالو۔ عنقریب تمہیں اس ناانصافی و ناشکری کا انجام معلوم ہو گا۔

آیت نمبر ۵۶: مشرکین اپنے مالوں میں سے جھوٹے معبودوں کے نام پر مال خرچ کرتے تھے۔ اللہ ﷻ کے ساتھ یہ جنہیں شریک کرتے ہیں ان کی حقیقت کا انہیں کوئی علم نہیں۔ اپنے خود ساختہ عقائد کو اللہ ﷻ کی طرف منسوب کرنے والے مشرکین کو قیامت کے دن باز پرس کرنے کی تنبیہ کی گئی ہے۔

علمی بات: اللہ ﷻ نے مشرکین کو جو رزق دیا تھا، اس میں سے مشرکین نے اپنے بتوں کے لئے بھی حصہ مقرر کر دیا۔ جیسا کہ سورۃ الانعام ۶، آیت: ۱۳۶ میں بیان ہوا ہے ان کے یہ فیصلے برے ہیں کہ انہوں نے اللہ ﷻ کے ساتھ نہ صرف اپنے شریکوں کے لئے بھی حصہ مقرر کر رکھا ہے، بلکہ اسے اللہ ﷻ کے حصہ پر فوقیت بھی دی ہے۔ تو اللہ ﷻ نے اپنی پاک ذات کی قسم اُٹھا کر فرمایا کہ وہ ان سے اس جھوٹے اور الزام تراشی کے بارے میں ضرور باز پرس کرے گا اور انہیں اس کی آتش جہنم میں سخت سزا دی جائے گی۔

آیت نمبر ۵۷: مشرکین کے ظلم اور شرکیہ طرز عمل کا بیان ہے کہ وہ شریک بھی انہیں بناتے ہیں جنہیں اللہ ﷻ کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں جو اللہ ﷻ کی شان میں سخت گستاخی ہے۔ وہ اللہ ﷻ کے لئے بیٹیاں منسوب کرتے ہیں جب کہ خود اپنے لئے بیٹے پسند کرتے ہیں۔ جب کہ اللہ ﷻ کی ذات ان چیزوں سے پاک ہے۔

علمی بات: خزاعہ اور کنانہ کے قبیلوں کا یہ اعتقاد تھا کہ فرشتے (نعوذ باللہ) اللہ ﷻ کی بیٹیاں ہیں۔ اللہ ﷻ نے اس کی تردید کر دی کہ وہ اولاد سے پاک ہے۔ اسے نہ بیٹے کی ضرورت ہے اور نہ بیٹی کی۔ ان کے اس عقیدہ کی قباحت کو ایسے بھی واضح کیا یہ لوگ اپنے لئے ایک بیٹی بھی پسند نہیں کرتے۔ خود تو چاہتے ہیں کہ ان کے بیٹے ہی بیٹے ہوں لیکن اللہ ﷻ کے حصہ میں انہوں نے سب بیٹیاں ہی ڈال دی ہیں (معاذ اللہ)۔ کیا حماقت ہے کتنی کم فہمی ہے!!

آیت نمبر ۵۸: عرب کے بعض قبائل کے لوگوں کا بیٹی کی پیدائش پر طرزِ عمل بیان کیا گیا ہے۔ کسی شخص کو بیٹی کی پیدائش کی اطلاع ملنے پر اس کا چہرہ غم کی وجہ سے سیاہ پڑ جاتا اور وہ دل ہی دل میں کڑھنے لگتا۔

علمی بات: مشرکین عرب کا حال یہ ہے کہ اگر ان میں سے کسی کے گھر لڑکی پیدا ہو جاتی ہے تو مارے شرم و خجالت کے اس کا چہرہ کالا ہو جاتا ہے اور کرب و الم سے اس کی حالت غیر ہو جاتی ہے کہ اب وہ لوگوں کو کیسے منہ دکھائے گا؟ اور دو حالتوں کے درمیان حیران و پریشان ہوتا ہے کہ اسے اپنے پاس رہنے دے اور ذلت و رسوائی برداشت کرے، یا زندہ در گور کر دے۔ اللہ ﷻ نے فرمایا کہ ان کا یہ فیصلہ کتنا برا ہے کہ جس لڑکی کو وہ اپنے

لئے باعث ننگ و عار سمجھتے ہیں، اسے اللہ ﷻ کے لئے ثابت کرتے ہیں اور اپنے لئے اس سے بہتر یعنی لڑکا پسند کرتے ہیں۔ اسلام نے اس ظالمانہ و جاہلانہ انداز فکر کو تبدیل کرتے ہوئے لڑکی کی تعلیم و پرورش کی زبردست فضیلت بیان کی ہے اور یوں بچیوں کو وہ تحفظ فراہم کیا کہ کوئی دوسرا مذہب اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ” جس شخص نے دو لڑکیوں کی پرورش کی حتیٰ کہ وہ دونوں بالغ ہو گئیں، آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو ملا کر فرمایا قیامت کے دن میں اور وہ اس طرح (ساتھ) ہوں گے۔“ (صحیح مسلم)

آیت نمبر ۵۹: مشرکین مکہ میں سے کسی کے ہاں بیٹی کی پیدائش ہوتی تو وہ اسے بری خبر سمجھتا اور شرمندگی کے سبب وہ اپنی قوم سے چھپتا پھرتا تھا۔ وہ یہ سوچنے لگتا کہ بیٹی کو زندہ رکھ کر ذلت برداشت کرے یا اسے زندہ دفن کر دیا جائے۔ جس بیٹی کو وہ اپنے لئے باعث ذلت سمجھتے اس کی نسبت اللہ ﷻ کی جانب کرتے جو بہت ہی برا فیصلہ ہے۔ احادیثِ مبارکہ میں بیٹیوں کی پرورش پر بشارتیں دی گئی ہیں۔ جبکہ آج ہمارے معاشرے میں بیٹیوں کو بوجھ سمجھا جا رہا ہے۔

علمی بات: ۱۔ آج ہمارے معاشرہ میں بھی بیٹی کو بوجھ اور باعث ذلت سمجھا جا رہا ہے حالانکہ بیٹیوں کی پرورش سے تو جنت کی بشارت سنائی گئی ہے۔ ایک اہم بات شادی بیاہ کے فضول اخراجات کی بھرمار اور بے ہودہ رسومات کا پلندہ بھی ہے جس کی وجہ سے بیٹیاں بوجھ سمجھی جاتی ہیں۔ حالانکہ دین اسلام نے کفالت کی ذمہ داری مرد پر رکھی ہے چنانچہ لڑکی کے والدین یا بھائیوں پر اُس کی شادی کے حوالہ سے دین نے کوئی خرچہ یا مالی ذمہ داری نہیں رکھی ہے۔

۲۔ اللہ ﷻ کے نزدیک لڑکے اور لڑکی میں کوئی تمیز نہیں ہے نہ جنس کی بنیاد پر حقارت اور برتری کا تصور اس کے ہاں ہے۔ بلکہ یہاں تو صرف عربوں کی اس ناانصافی اور سراسر غیر معقول رویئے کی وضاحت مقصود ہے۔ اس لئے یہاں یہ نہ سمجھا جائے کہ اللہ ﷻ بھی لڑکوں کے مقابلہ میں لڑکیوں کو حقیر اور کم تر سمجھتا ہے۔

آیت نمبر ۶۰: درحقیقت مشرکین کے بُرے اعمال آخرت کے دن پر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے ہیں۔ اللہ ﷻ کی ہر صفت مخلوق کے مقابلہ میں بہت اعلیٰ و برتر ہے۔ وہ زبردست حکمت والا ہے۔

علمی بات: مشرکین عرب کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ ذلت و حقارت کی تمام صفات سے وہ خود ہی متصف ہیں، وہی اولاد کے محتاج ہیں، وہی لڑکیوں کو ناپسند کرتے اور خجالت کی وجہ سے انہیں زندہ در گور کرتے ہیں۔ ان کے اندر یہ تمام بری صفات انکارِ آخرت کی وجہ سے ہیں۔ اس کے برعکس اللہ ﷻ کے لئے تو تمام اعلیٰ ترین صفات ثابت ہیں۔ وہ تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے۔ وہ سارے جہاں کا پالنے والا اور سب کا مالک ہے، ساری بھلائیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، نہ کوئی اس کا مقابل ہے اور نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور وہ بڑا زبردست اور بڑی حکمتوں والا ہے۔

آیت نمبر ۶۱: مشرکین و کفار کی نافرمانیوں کے مقابلہ میں اللہ ﷻ کے عفو و در گزر کا بیان ہے۔ اگر مجرمین کے گناہوں کا فوری مؤاخذہ کر لیا جائے تو زمین پر کوئی جاندار باقی نہیں بچے گا۔ اللہ ﷻ کی شفقت و حکمت کا نتیجہ ہے کہ مقررہ وقت تک مہلت دی جاتی ہے۔ مقررہ وقت آ جائے تو ایک لمحہ بھی آگے پیچھے نہیں ہوتا۔

علمی بات: لوگ جس طرح اللہ ﷻ کی نافرمانی میں عجلت سے کام لیتے ہیں اگر اللہ ﷻ بھی اتنی ہی جلدی ان کو ان کے گناہوں کی سزا دیتا تو زندگی کا نام و نشان ہی کہیں باقی نہ ہوتا۔ یہ ساری دنیا اجاڑ اور ویران ہوتی لیکن وہ بڑا کریم ہے وہ ہمیشہ عفو و در گزر سے ہی کام لیتا ہے۔ لوگ گناہ کرتے ہیں وہ چشم پوشی فرماتا ہے لوگ غلطیاں کرتے ہیں اور وہ معاف فرماتا ہے اور اس کے عفو و در گزر کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے۔ جب تک وہ مقرر وقت آ جائے اس کے بعد پھر کسی تقدیم و تاخیر کی گنجائش نہیں رہتی۔

آیت نمبر ۶۲: اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ ناانصافی کا معاملہ کرنے والے کفار و مشرکین کی مذمت کی گئی ہے۔ یَکۡرَهُوۡنَ۔۔۔ ناپسند کرنے سے مراد یہ ہے کہ:

ا۔ اپنے لئے بیٹے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لئے بیٹیاں قرار دینا (معاذ اللہ)۔

۲۔ خود کی ملکیت میں کسی کو شریک کرنا پسند نہیں مگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی کائنات میں اس کے شریک ٹھہرانا وغیرہ۔

ان برائیوں کے باوجود مشرکین اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے بھلائی کی توقع کرتے ہیں۔ انہیں جہنم میں سب سے پہلے ڈالے جانے کی وعید سنائی گئی ہے۔

علمی بات: ا۔ مشرکین خود تو گوارا نہیں کرتے کہ کوئی ان کے مال و جائداد میں ان کا شریک بن جائے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لئے غیروں کو شریک بناتے ہیں، اسی طرح جن (لڑکیوں) کی نسبت اپنی طرف کرنا اپنے لئے معیوب سمجھتے ہیں، ان کی نسبت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں۔

۲۔ مشرکین اپنی بہت سی برائیوں اور گستاخیوں کے باوجود بھی زبان سے یہ جھوٹا دعویٰ کرتے کہ ہم تو دنیا میں بھی بھلی چیزوں کے لائق ہیں اور آخرت کا معاملہ اگر سچا ہے تو وہاں بھی ہم خوب چین میں ہوں گے۔ مشرکین کا اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی گستاخیوں کے ساتھ ایسی باطل آرزوئیں رکھنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے لیے کوئی خوبی اور بھلائی نہیں، بلکہ دوزخ کا عذاب تیار ہے جس کی طرف وہ بڑھائے جا رہے ہیں اور جہاں پہنچ کر وہ بالکل بھلا دیے جائیں گے۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کبھی ان پر مہربانی کی نظر نہ ہو گی۔

آیت نمبر ۶۳: سابقہ امتوں میں بھی رسول بھیجے گئے۔ شیطان نے لوگوں کے برے اعمال کو خوبصورت بنا کر پیش کیا جس کے نتیجہ میں لوگوں نے رسولوں کی تکذیب کی۔ مشرکین مکہ کو بھی تنبیہ کی گئی ہے کہ آخرت میں شیطان کے پیروکاروں کو دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

علمی بات: اس آیت میں آپ ﷺ کو تسلی دی گئی کہ آپ ﷺ اپنی قوم کی تکذیب سے غم زدہ نہ ہوں۔ مشرکوں نے پیغمبروں کی تکذیب اس لئے کی تھی کہ شیطان نے انہیں اس بات پر اکسایا اور ان کے اس کرتوت کو اس نے مزین کر کے دکھلایا۔ تو وہ آج اپنے آپ کو ان کا دوست ظاہر کر لے اور انہیں خوب گمراہ کر لے اور مشرکین بھی اس کی پیروی کر لیں، لیکن قیامت کے دن کا دردناک عذاب ان مشرکوں کا انتظار کر رہا ہے جس سے وہ بچ نہ سکیں گے۔

آیت نمبر ۶۴: رسول اللہ ﷺ کی ایک اہم ذمہ داری لوگوں کے سامنے قرآنِ حکیم کی وضاحت کرنا تھا۔ قرآنِ حکیم کی ہدایت اور رحمت سے وہی مستفید ہو گا جو قرآنِ حکیم پر ایمان لائے جیسے اس پر ایمان لانے کا حق ہے۔

علمی بات: قرآنِ حکیم اس لئے نازل فرمایا گیا ہے کہ جن سچے اصولوں میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں اور جھگڑے ڈال رہے ہیں (مثلاً توحید، رسالت، آخرت اور احکام حلال و حرام وغیرہ) نبی کریم ﷺ ان سب کو وضاحت و تحقیق کے ساتھ بیان کر دیں، کوئی اشکال باقی نہ رہے۔ آگے ماننا نہ ماننا خود مخاطبین کا کام ہے البتہ قرآن حکیم کی ہدایت سے فائدہ اُٹھانا اور رحمت الٰہی کی آغوش میں آنا انہی کا حصہ ہے جو اس فیصلہ کو صدقِ دل سے تسلیم کرتے اور اس پر خوشی و رغبت کے ساتھ ایمان لاتے ہیں۔

آیت نمبر ۶۵: اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی قدرت کی مثالوں میں سے پانی کا تذکرہ ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرما کر مردہ زمین کو زندگی عطا فرماتا ہے۔ یہ نشانیاں ان لوگوں کے لئے ہیں جو بات سن کر سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور ہدایت کے طلب گار ہوتے ہیں۔

علمی بات: اللہ ﷻ اپنی عظیم قدرت سے آسمان سے بارش نازل کرتا اور مردہ زمین کو زندگی بخشتا ہے جس کی وجہ سے مختلف قسم کے نباتات اُگتے ہیں۔ یقیناً یہ باتیں دلیل ہیں کہ اللہ ﷻ ایک ہے اور مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے، لیکن ان دلائل سے انہی لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے جو آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور قرآنِ حکیم کی آیات میں غور و فکر کرتے اور ان میں موجود عبرتوں اور نصیحتوں سے مستفید ہوتے ہیں۔

مشقوں کے جوابات

سوال ۱: خالی جگہیں پُر کریں:

(۱) آیت: ۱۴ میں ذکر ہے کہ اللہ ﷻ کے فضل (رزق) میں سے تلاش کرو اور اس کا شکر ادا کرو۔

(۲) آیت: ۲۹ کے مطابق جہنّم تکبر کرنے والوں کے لئے بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

(۳) آیت: ۳۲ میں ذکر ہے کہ موت کے وقت متقین کو فرشتے سلام کرتے ہیں اور اُنہیں جنّت کی خوشخبری دیتے ہیں۔

(۴) آیت: ۳۶ کے مطابق تمام رسولوں نے اللہ ﷻ کی عبادت کرنے اور شیطان کی راہ سے بچنے کی دعوت دی۔

(۵) آیت: ۶۳ کے مطابق شیطان نافرمانوں کو اُن کے اعمال مُزیّن کر کے دکھاتا ہے۔

سوال ۲: مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجیے:

۱- پہلے رکوع میں چوپایوں سے حاصل ہونے والے کن فوائد کا ذکر کیا گیا ہے؟

چوپایوں سے حاصل ہونے والے یہ فوائد مذکور ہیں۔ ان میں سردی سے بچنے کا سامان ہے۔ بعض چوپایوں کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے۔ چوپائے وزن اُٹھا کے ایک شہر سے دوسرے شہر لے جاتے ہیں اور گھوڑے اور گدھے پیدا فرمائے تاکہ ان پر سواری کی جاسکے۔

۲- دوسرے رکوع کی روشنی میں جواب دیجیے کہ اللہ ﷻ کی بے شمار نعمتیں کس طرح اللہ ﷻ کو پہچاننے کا ذریعہ ہیں؟

وہی ہے جس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی نازل فرمایا اُس میں سے کچھ پینے کے لئے ہے اور اسی سے درخت اُگتے ہیں وہ اسی کے ذریعہ تمہارے لئے اُگاتا ہے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل اور اس نے تمہارے لئے کام میں لگا دیا رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو اور اسی کے حکم سے ستارے بھی کام میں لگے ہوئے ہیں اور وہی ہے جس نے سمندر کو کام میں لگا دیا تاکہ تم اِس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور اِس سے تم زیور نکالتے ہو جسے تم پہنتے ہو اور تم کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ اِن سمندروں میں پانی کو پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں اور اس نے زمین میں پہاڑ جما دیئے تاکہ تمہیں لے کر جھک نہ جائے اور نہریں اور راستے (بنا دیئے) تاکہ تم راہ پاسکو۔

۳- تیسرے رکوع کی روشنی میں بتائیں کہ آخرت کا انکار کرنے والوں کا کیا انجام بیان ہوا ہے؟

آخرت کا انکار کرنے والے قیامت کے دن اپنے بوجھ اُٹھائیں گے اور کچھ بوجھ ان لوگوں کے بھی جنہیں وہ علم کے بغیر گمراہ کرتے رہے اور وہ بوجھ بہت بُرا ہے جو وہ اُٹھائیں گے۔

۴- چھٹے رکوع کی روشنی میں بتائیں کہ قرآنِ حکیم کے حوالہ سے نبی کریم ﷺ کی کیا ذمّہ داری بیان کی گئی ہے؟

نبی کریم ﷺ کی طرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآنِ حکیم نازل فرمایا تاکہ آپ ﷺ لوگوں کو واضح کر دیں جو ان لوگوں کی طرف نازل کیا گیا ہے تاکہ وہ غور و فکر کریں۔

۵- ساتویں رکوع میں بیٹیوں کی پیدائش پر مشرکینِ مکہ کا کیا طرزِ عمل بیان کیا گیا ہے؟

بیٹوں کی پیدائش پر مشرکین مکہ کا منہ سیاہ ہو جانا اور غم و غصّہ سے بھر جانا، لوگوں سے چھپتے پھرنا اور سوچنا کہ اس بُرائی یعنی بیٹی کو ذلّت کے ساتھ رکھ لے یا مٹی میں دبا دیں جیسے طرزِ عمل کا بیان ہوا ہے۔

سُوْرَۃُ النَّحْل (حصّہ دوم)

مقاصدِ مطالعہ: اس سورت کے مطالعہ کے بعد طلبہ کو مندرجہ ذیل مضامین سے آگاہی حاصل ہونی چاہیئے:

1. آیات: ۶۶ تا ۶۹ — چوپایوں میں عبرت کے نشان کا بیان، اللہ ﷻ کی نعمتوں میں سے مشروبات کا ذکر، شہد کی مکھی اور انسانی وجود میں قدرتِ الٰہی کی نشانیوں کا ذکر۔
2. آیات: ۷۰ تا ۷۶ — نعمتِ زندگی اور نعمت خاندان پر اللہ ﷻ کا شکر ادا کرنے کا ذکر، کافروں کا باطل معبودوں پر ایمان رکھنے اور اللہ ﷻ کی نعمتوں کا انکار کرنے کا ذکر، شرک سے بچنے کا حکم، نافرمان اور فرماں بردار بندوں کی مثال، آقا اور غلام اور گونگے اور سمجھدار آدمی کی مثالیں۔
3. آیات: ۷۷ تا ۸۱ — اللہ ﷻ کے علمِ غیب اور کمال قدرت کا بیان، روزمرہ زندگی میں آنے والی اللہ ﷻ کی کئی نعمتوں کا تذکرہ اور ان کا ادارک کر کے شکر باری تعالیٰ کا حکم، لوگوں کے لئے جائے سکونت کا بیان۔
4. آیات: ۸۲ تا ۸۹ — کفر و شرک اور ناشکری کا بیان، ہر نبی علیہ السلام کا اپنی امت کا گواہ ہونے کا ذکر، قیامت کے دن مشرکین کے بنائے ہوئے شریکوں کا ان سے اظہارِ لاتعلقی کا بیان، قیامت کے روز امتوں کے خلاف ان کے پیغمبروں علیہم السلام اور ان پیغمبروں کے حق میں سید المرسلین، خاتم النبیین ﷺ کی گواہی دینے اور عظمت قرآن اور مضامین قرآن کا ذکر۔
5. آیات: ۹۰ تا ۹۷ — تمام قرآنی اوامر ونواہی کا خلاصہ، ایفائے عہد کی اہمیت اور عہد شکنی کے نتائج کا ذکر، بدعہدی کی مثال، ایمان اور نیک اعمال کا دنیاوی اور اخروی انجام کا بیان۔
6. آیات: ۹۸ تا ۱۰۹ — تلاوت قرآن کے آداب کا بیان، شیطان کے شر سے محفوظ لوگوں کا ذکر، قرآن حکیم پر مشرکین مکہ کے اعتراضات اور ان کے جوابات، حالت اکراہ میں کلمہ کفر کہنے والے کا حکم اور مرتد کے لئے وعیدیں اور مرتدین کے دنیاوی اور اخروی انجام کا بیان۔
7. آیات: ۱۱۰ تا ۱۱۳ — مہاجرین اور مجاہدین کے لئے مغفرت اور رحمت کی بشارات اور اللہ ﷻ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے والی قوم کی سزا۔
8. آیات: ۱۱۴ تا ۱۱۹ — اکل حلال کا حکم اور یہود پر حرام کی گئی اشیا کا ذکر، اپنی طرف سے چیزوں کو حلال یا حرام کہہ کر اس کی نسبت اللہ ﷻ کی طرف کرنے کی ممانعت کا بیان۔
9. آیات: ۱۲۰ تا ۱۲۸ — حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اوصاف وفضائل کا تذکرہ، ہفتہ کے دن کی تعظیم کا حکم، تبلیغ دین کے آداب اور انتہائی اہم اصول کا بیان اور صبر وتقویٰ کی اہمیت کا ذکر۔

آیت نمبر ۶۶: دودھ کے بننے کے عمل میں اللہ ﷻ کی قدرتوں کا بیان ہے۔ چوپائے سے مراد اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری ہیں۔ عبرت سے مراد مشاہدہ میں آنے والی چیزوں کو دیکھ کر مشاہدہ میں نہ آنے والی چیزوں پر یقین کرنا اور سبق حاصل کرنا۔ اللہ ﷻ چوپایوں کے پیٹ میں گوبر اور خون کے درمیان میں سے دودھ پیدا فرماتا ہے۔ انسان دودھ کی لذت اور غذائیت سے مستفید ہوتا ہے۔ اس میں بھی اس کے لئے عبرت کا سامان ہے۔

علمی بات: یہ اللہ ﷻ کی قدرت کی بڑی نشانی ہے، آیت میں جس ترتیب سے دودھ بننے کا ذکر ہے آج وہ سائنسی تحقیق سے بھی سامنے آچکی ہے۔ جانور جو غذا کھاتے ہیں اس سے ایک طرف تو خون بنتا ہے اور دوسری طرف گوبر بنتا ہے۔ مگر انہی جانوروں کے مادہ میں جہاں خون اور گوبر بننے کے مراحل

طے پاتے ہیں، وہیں اسی غذا سے ایک تیسری چیز بھی پیدا ہوتی ہے جو خاصیت، رنگ، بو اور مقاصد میں ان دونوں سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ پھر خصوصاً مویشیوں میں اس چیز کی پیداوار اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کی ضرورت کو پورا کرنے کے علاوہ انسانوں کے لئے بھی اس چیز کو کثیر مقدار میں فراہم کرتے رہتے ہیں۔ ذہن نشین رہے کہ خون کے بعض اجزاء سے دودھ پیدا ہوتا ہے اور خون ان صاف شفاف اجزاء سے پیدا ہوتا ہے جو پہلے گوبر میں تھے پھر وہ پاک صاف اجزاء دوسری بار خون میں آئے۔ پھر اللہ ﷻ نے ان آلودہ اور ناپاک سے خون کو پاک صاف کر لیا اور اس میں وہ صفات پیدا کر دیں کہ وہ ایسا دودھ بن گیا جو بچہ کے بدن کے موافق تھا۔ عقل سلیم یہ شہادت دیتی ہے کہ دودھ کی خلقت کیسی عظیم مدبر اور زبردست قادر ہستی کی تدبیر ہے اور اس کے حکم کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی۔

عملی پہلو: یہ واقعات اس لئے ہیں کہ وہ لوگوں کو اللہ ﷻ کی یاد دلائیں۔ آدمی اس میں اللہ ﷻ کی قدرت کی جھلکیاں دیکھنے لگے، حتیٰ کہ اس کا یہ احساس اتنا بڑھے کہ وہ پکار اٹھے کہ یاربَّ العالمین! تو جو گوبر اور خون کے درمیان سے دودھ جیسی چیز نکالتا ہے، میرے ناموافق حالات کے اندر سے موافق نتائج ظاہر کر دے۔ تو جو مٹی اور پانی کو پھل میں تبدیل کر دیتا ہے، میری بے قیمت زندگی کو قیمتی بنا دے۔

فرمانِ نبوی ﷺ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے تو یوں دعا کرے۔ "اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْهِ وَاَطْعِمْنَا خَیْرًا مِنْهُ"۔ (اے اللہ ﷻ! ہمیں اس میں برکت دے اور ہمیں اس سے بہتر کھلا) اور جب دودھ پیئے تو یوں کہے۔ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ۔ (اے اللہ! ہمیں اس میں برکت دے اور اس میں سے اور زیادہ دے) عام کھانے کی دعا میں اَطْعِمْنَا خَیْرًا مِّنْهُ فرمایا اور دودھ پینے میں وَزِدْنَا مِنْهُ فرمایا۔ اس کا سبب آنحضرت ﷺ نے خود ہی فرما دیا: "دودھ کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو کھانے اور پینے دونوں کا کام دیتی ہو۔" (سنن ابی داؤد)

آیت نمبر ۶۷: کھجور اور انگور کا ذکر ہے یہی پھل عرب میں زیادہ تر پائے جاتے تھے۔ کھجور اور انگور سے نشہ آور مشروبات بھی بنتے ہیں اور کھانے کی عمدہ چیزیں بھی۔ "سکر" کا ذکر الگ اور رزقاً حسناً کا ذکر الگ کیا گیا ہے۔ اشارہ ہے کہ شراب عمدہ رزق نہیں۔ اس کی ناپسندیدگی کی طرف اشارہ ہے۔ شراب کے قریب نہ جانے والوں کی عقل قائم رہتی ہے اور وہی اللہ ﷻ کی اس نشانی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

علمی و عملی بات: چونکہ اہل عرب صدیوں سے شراب کے عادی تھے، اس لئے اللہ ﷻ نے اس کی حرمت تدریجاً بیان فرمائی۔ شراب کی تدریجی ممانعت اور حرمت کی قرآنی تاریخ کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآنِ حکیم میں شراب اور دیگر نشہ آور اشیاء کے متعلق پہلے سورۃ النحل ۱۶، آیت: ۶۷ میں ارشاد ہوا "اور کھجور اور انگور کے کچھ پھل جن سے تم نشہ آور چیزیں بناتے ہو اور اچھا رزق بھی۔" اس آیت میں ایک لطیف اشارہ دیا کہ (نشہ لانے والی) شراب اچھی چیز نہیں ہے۔ پھر سورۃ البقرۃ ۲، آیت: ۲۱۹ میں قدرے وضاحت سے فرمایا کہ: "وہ آپ (ﷺ) سے سوال کرتے ہیں شراب اور جوّئے کے بارے میں آپ (ﷺ) فرما دیجئے اِن دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں اور اِن دونوں کا گناہ ان کے فائدہ سے کہیں زیادہ ہے۔" اس میں گویا بتایا گیا کہ شراب پینے کے نتیجہ میں انسان سے بہت سی ایسی حرکتیں سرزد ہو جاتی ہیں جو گناہ ہیں اور اگرچہ اس میں کچھ فائدے بھی ہیں، مگر گناہ زیادہ ہیں، اس میں شراب سے پیدا ہو جانے والے گناہوں اور مفاسد کا ذکر کر کے مشورہ دیا گیا ہے کہ یہ چھوڑنے کی چیز ہے۔ پھر سورۃ النساء ۴، آیت: ۴۳ میں یہ حکم آیا کہ "نشے کی حالت میں نماز نہ پڑھو۔" اس آیت میں خاص اوقات نماز کے اندر شراب کو حرام کر دیا گیا باقی اوقات میں اجازت رہی۔ بالآخر سورۃ المائدہ ۵، آیات: ۹۰، ۹۱ میں ارشاد ہوا: "اے ایمان والو! بے شک شراب اور جُوا اور بت اور جوّئے کے تیر (سب) ناپاک شیطانی کام ہیں لہٰذا اِن سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ بے شک شیطان یہی چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان شراب اور جُوئے کے ذریعہ عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے تو کیا تم (ان ناپاک چیزوں سے) باز آنے والے ہو؟" اس آیت

میں شراب کو ناپاک اور شیطانی عمل قرار دے کر اس سے مکمل پرہیز کرنے کا صاف صاف حکم دے دیا گیا۔ ان میں صاف اور قطعی طور پر شراب کو حرام قرار دے دیا۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور جس شخص نے دنیا میں شراب پی اور اس حالت میں مر گیا کہ وہ شراب کا عادی ہو گیا تھا اور اس نے توبہ نہیں کی تھی تو وہ آخرت میں اسے نہیں پیئے گا۔" (صحیح مسلم)

آیت نمبر ۶۸: "نحل" شہد کی مکھی کو کہتے ہیں اور اس سورت کا نام اسی نسبت سے ہے۔ مکھی کی طرف وحی سے مراد وہ فطری اشارہ، تعلیم یا سمجھ بوجھ ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہر جاندار کی "جبلت" میں ڈالی ہے۔ شہد کی مکھی کی فطرت میں یہ بات ڈال دی گئی کہ وہ پہاڑوں، درختوں اور اونچی بیلوں میں اپنا چھتہ تعمیر کریں۔

علمی بات: ا۔ کائنات کی بڑی بڑی چیزیں اپنے جمال و جلال اور اپنی نفع رسانی کی وجہ سے لوگوں کی توجہ کا مرکز بنی رہتی ہیں لیکن عام طور پر چھوٹی چیزوں کو حقیر سمجھ کر لائق التفات خیال نہیں کیا جاتا اور پھر مکھی جیسی چھوٹی سی چیز کے لئے کس کو فرصت ہے کہ اس میں سوچ بچار کرنے بیٹھے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ میری حکمت و قدرت کے جلوے صرف پہاڑوں، سمندروں، مویشیوں اور بلند و بالا درختوں میں ہی نظر نہیں آتے بلکہ ایک چھوٹی سی شہد کی مکھی بھی میری حکمتوں کی تجلی گاہ ہے۔ اس کے مختلف حصوں پر نظر ڈالو۔ کہیں تو نوزائیدہ بچوں کی قیام گاہ ہے، کہیں شہد کا ذخیرہ کیا جا رہا ہے کہیں موم تیار ہو رہا ہے تو کہیں خوراک کا گودام ہے۔ پھر اس حیران کن نظم و نسق کو دیکھو! جس کے ماتحت یہ کثیر التعداد مکھیاں یہاں آباد ہیں کسی متمدن ملک کی بہترین تربیت یافتہ فوج بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ان میں ایک مکھی سب کی سردار ہے۔ دوسری مکھیاں اس کی فرماں بردار ہیں اور اس کے حکم بجالانے میں ذرا برابر کوتاہی نہیں کرتیں۔ بعض خوراک لانے کے لئے متعین ہیں، بعض پہرہ دار ہیں۔ کیا مجال کہ کوئی اجنبی اندر قدم بھی رکھ سکے، جو خوراک لانے پر مقرر ہیں۔ وہ اپنے چھتہ سے دور دراز مقامات پر اُڑ کر جاتی ہیں، وہاں سے مختلف پھولوں، کلیوں، کونپلوں اور پتوں کا رس دن بھر چوستی رہتی ہیں اور پھر طویل مسافت طے کر کے اپنے چھتہ میں واپس آجاتی ہیں نہ وہ راستہ بھولتی ہیں نہ لیٹ ہوتی ہیں اور نہ اپنے فرض کو انجام دینے میں کسی کاہلی کی روادار ہیں۔ پھر جس حکمت و خوبی سے پھلوں کے چوسے ہوئے اس رس سے شہد بنانے کا عمل تکمیل پاتا ہے وہ تو اتنا حیرت انگیز ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ انسان اتنے علمی کمال اور صنعتی ترقی کے باوجود کوئی ایسی مشینری تیار نہیں کر سکا جس کے ذریعہ وہ پھلوں وغیرہ کے رس سے شہد جیسا جوہر کشید کر سکے۔

۲۔ "اَوۡحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحۡلِ" سے مراد مفسرین کرام یہ بیان فرماتے ہیں کہ اس وحی سے مراد رسالت اور نبوت والی وحی نہیں ہے کیونکہ وہ تو انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ مختص ہے۔ البتہ اس وحی سے الہام مراد لیا جا سکتا ہے کیونکہ الہام عام ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام اور غیر انبیاء سب کو ہو سکتا ہے، اس الہام کی نوعیت بالکل وہی ہے جس قسم کا الہام اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف کیا تھا، وہاں بھی یہی الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ایسے چھوٹے جانوروں کو بھی عقل عنایت فرمائی ہے۔ آج جدید تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کا یہ نظریہ بالکل درست ہے کہ عقل و فراست کی نعمت سے صرف انسان ہی بہرہ ور نہیں، بلکہ دوسری مخلوقات حیوانات وغیرہ بھی بہرہ ور ہیں۔ البتہ دونوں کی عقل میں فرق ہے۔

آیت نمبر ۶۹: شہد کی مکھی کو یہ بات سمجھا دی گئی کہ وہ ہر قسم کے پھلوں اور پھولوں سے اپنی خوراک حاصل کرے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کے لئے راستے ہموار فرمادیئے ہیں جس راستہ سے گزر کر جاتی ہے با آسانی اپنے چھتے تک پہنچ جاتی ہے۔ شہد کی مکھی کے پیٹ سے مختلف رنگوں کا مشروب نکلتا ہے۔ شہد کی مکھیوں کے ذریعہ حاصل ہونے والا شہد بیماریوں کے لئے شفا ہے۔ شہد کی مکھی کے چھتوں، شہد بنانے کے عمل اور شہد کی مکھیوں کے نظام میں سبق آموزی ہے۔ ان نشانیوں پر غور و فکر کرنے والے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرتوں کو سمجھ کر اس کی وحدانیت پر ایمان لے آتے ہیں۔

علمی بات: "ذُلُلًا" سے مراد شہد بنانے کے طریقے ہیں یا اس سے مراد "سدھائے ہوئے، آسان اور ہموار راستے " ہی ہیں، یعنی اللہ ﷻ نے شہد کی مکھی کے اندر یہ بات ودیعت کر دی ہے کہ پھلوں کا رس چوسنے کے لئے چاہے وہ کتنی ہی دور چلی جائے، لیکن پھر بآسانی اپنے گھر کو لوٹ آتی ہے اور راستہ نہیں بھولتی۔ ان مکھیوں کے پیٹ سے پینے کی ایک چیز نکلتی ہے جسے شہد کہا جاتا ہے اور غذا کے رنگ اور اس کے مزاج کے اختلاف سے اس کی بعض قسم سفید، بعض زرد اور بعض سرخی مائل ہوتی ہے۔ اللہ ﷻ نے اسے بہت سے امراض کے لئے شافی بنایا ہے۔ شہد کے بہت سی بیماریوں میں شفا بخش ہونے کے بارے میں متعدد احادیثِ مبارکہ میں بھی ذکر ہے۔

فرامینِ نبوی ﷺ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " دو شفاؤں کو اختیار کرو شہد اور قرآن (اوّل میں شفائے جسمانی ہے اور دوسرے میں شفائے اخلاقی وروحانی)۔ " (سنن ابن ماجہ، الحاکم)

علمی بات: کارل وان فریش (Karl von Frisch) وہ شخص تھا کہ جس کو ۱۹۷۳ء میں شہد کی مکھیوں کے متعلق تحقیق کرنے پر نوبل پرائز دیا گیا تھا۔ شہد کی مکھی کو جب کوئی نیا باغ یا پھول ملتا ہے تو واپس جا کر اپنی دوسری مکھیوں کو بھی اس کے متعلق صحیح سمت اور نقشہ سے آگاہ کرتی ہے، جس کو مکھی کا ناچ یا "Bee Dance" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ مکھی کی یہ نقل وحرکت اور اپنی دوسری کارکن مکھیوں کو اطلاعات کی فراہمی کا ثبوت سائنسی طور پر تصویروں اور دوسرے طریقوں کو استعمال کرتے ہوئے دریافت کر لیا گیا ہے۔ قرآنِ حکیم میں شہد کی مکھی کی جنس مونث بیان کی گئی ہے۔ جو شہد کو اکٹھا کرنے کے لئے گھر سے نکلتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں سپاہی یا کارکن مکھی ایک مادہ مکھی ہوتی ہے۔ سائنسی تحقیق سے بھی یہ بات سامنے آئی ہے کہ شہد کا چھتہ بنانے والی مکھیاں مادہ ہوتی ہیں۔

اس آیت میں اللہ ﷻ نے لفظ "کُلِی" ارشاد فرمایا ہے جس کے معنیٰ ہیں "تو کھا" اور یہ لفظ فعل امر واحد مؤنث حاضر کا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ قرآنِ حکیم شہد کو اکٹھا کرنے والی مکھیوں کی جنس مؤنث بیان کرتا ہے اور اس بات کا علم جدید تحقیقات کے بعد ہی انسان کو ہو سکا ہے جو قرآنِ حکیم کے اللہ ﷻ کی جانب سے ہونے کی ایک اور واضح دلیل ہے۔

نوٹ: شہد کی مکھی اور شہد کے حوالہ سے مزید تحقیق اور مطالعہ کے لئے یہ لنک ملاحظہ فرمائیں۔ https://cutt.ly/YyXLHWd

آیت نمبر ۷۰: انسان کو پیدا فرما کر اسے زندگی کے مختلف مراحل سے گزارنے کے بعد موت سے ہمکنار کیا جاتا ہے۔ بعض کو موت سے پہلے ناکارہ عمر تک پہنچایا جاتا ہے۔ "اَرْذَلِ الْعُمُرِ" سے مراد ایسی عمر جس میں ہوش وحواس باقی نہ رہیں۔ علم ہونے کے باوجود انسان تمام معلومات بھول جاتا ہے۔ انسان کے اندر یہ تبدیلیاں اس بات کی دلیل ہیں کہ حقیقی علم وقدرت دراصل اللہ ﷻ ہی کے پاس ہے۔

علمی بات: ۱۔ اللہ ﷻ نے انسان کی تخلیق سے متعلق عجائب کو بیان کیا ہے کہ وہ ابتدائے آفرینش سے آخری عمر تک کئی مراحل سے گزرتا ہے۔ پہلا مرحلہ نشوونما کا ہوتا ہے، دوسرا جوانی کا، تیسرا ادھیڑ عمر کا جس میں آدمی اپنی عمر اور صحت کے اعتبار سے زوال پذیر ہونے لگتا ہے اور چوتھا بڑھاپے کا، جب کمزوری اور ناتوانی اس کا لازمہ بن جاتی ہے اور جوں جوں اس کی عمر زیادہ ہوتی جاتی ہے اس کی تمام جسمانی صلاحیتیں کمزور ہوتی جاتی ہیں اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ بالکل بچے کی مانند ہو جاتا ہے، اس کی عقل بھی کمزور ہوتی جاتی ہے اور دماغی صلاحیتیں اپنا کام کرنا چھوڑ دیتی ہیں۔

۲۔ انسانی زندگی میں مذکورہ قسم کے جو واقعات پیش آتے ہیں ان میں انسان کا اپنا کوئی دخل نہیں۔ وہ ان میں کوئی تبدیلی کرنے پر قادر نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ کسی اور کے کرنے والے کے ذریعہ ہو رہا ہے۔ بچپن سے موت تک انسان کی زندگی یہ گواہی دیتی ہے کہ یہاں سارا علم بھی صرف اللہ ﷻ کے لئے ہے اور ساری قدرت بھی صرف اُسی کے لئے ہے۔ انسان کی مجبوری قادرِ مطلق معبود کی موجودگی کا ثبوت ہے۔

حضرت مصعب ﷺ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ پانچ باتوں کی دعا کا حکم دیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ان چیزوں سے پناہ مانگنے کا حکم دیا کرتے تھے: (جن میں سے ایک یہ تھی) اَعُوْذُبِكَ اَنْ اُرَدَّاِلٰی اَرْذَلِ الْعُمُرِ "(اے اللہ!) میں ناکارہ عمر کی طرف لوٹائے جانے سے تیری پناہ میں آتا ہوں"۔ (صحیح بخاری)

آیت نمبر ۷۱: اللہ ﷻ نے رزق کے معاملہ میں انسانوں کو ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ رزق سے مراد صرف مادی وسائل ہی نہیں بلکہ اس میں علم، ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں بھی شامل ہیں۔ کوئی مال دار شخص اپنے غلاموں اور خدمت گاروں کو اپنے برابر کرنا پسند نہیں کرتا۔ لیکن مشرکین اللہ ﷻ کی مخلوق کو اللہ ﷻ کے برابر اور عبادات میں اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ اس طرح وہ اللہ ﷻ کے انعامات کی ناقدری اور ناشکری کرتے ہیں۔

علمی بات: اللہ ﷻ نے یہ مثال مشرکوں کے لئے بیان فرمائی ہے یعنی جب تم اپنے غلاموں کو اپنے برابر نہیں قرار دیتے تو تم میرے بندوں یا میری مخلوق کو میرے برابر کیسے قرار دیتے ہو کہ ان کو بھی میری طرح عبادت کا مستحق قرار دیتے ہو اور جب تم اپنے غلاموں کو اپنے برابر قرار نہیں دیتے اور ان کو اپنے اموال میں شریک نہیں کرتے تو تم میرے بندوں کو میرے برابر کیوں قرار دیتے ہو اور ان کو میری عبادت میں کیوں شریک قرار دیتے ہو؟

آیت نمبر ۷۲: انسان پر اللہ ﷻ کے احسانات بیان کرکے شرک کی تردید کی گئی ہے۔ انسان کی بقا کے لئے مرد اور عورت کا جوڑا بنایا گیا ہے۔ پھر اللہ ﷻ نے بیٹے اور پوتے بھی عطا فرمائے۔ نشو نما کے لئے پاک اور عمدہ غذا پیدا فرمائی۔ ان احسانات کے باوجود لوگ باطل پر یقین رکھتے ہوئے اللہ ﷻ کی عطا کردہ نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں۔

علمی بات: اللہ ﷻ کی مزید مہربانیوں اور نعمتوں کا تذکرہ ہے۔ جس طرح اس نے تمہیں فضل و کرم سے نوازا، اسی طرح اس نے تمہیں وجود بخشا، لیکن تمہیں تنہائی کی نذر نہیں ہونے دیا بلکہ تمہاری جنس سے تمہیں بیویاں بھی بخشیں۔ بیوی انسان کی رفیقہ حیات ہے، تنہائیوں کی امین ہے، دکھ درد کی ساتھی ہے، شوہر کے لئے بہترین لباس ہے، اللہ ﷻ نے دونوں کو ایک جنس سے پیدا فرما کر ہم آہنگی کے امکانات کو مکمل فرمادیا۔ اللہ ﷻ نے یہ بھی فضل فرمایا کہ اولاد بھی عطا فرمائی۔ پھر بعض دفعہ زندگی میں بیٹوں کو اولاد دے کر پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں سے گھر کا آنگن سجادیا۔ ان میں سے ایک ایک فرد خوشیوں کی علامت بن کے آتا ہے۔ ہر نیا آنے والا نئی خوشی کی نوید ہوتا ہے۔ لیکن یہ اسی صورت میں ہے جب گھر کی ضروریات بھی میسر ہوں۔ اس لئے ارشاد فرمایا کہ پھر تمہیں اللہ ﷻ نے پاکیزہ نعمتوں کا رزق بخشا۔ ان تمام نعمتوں کو اپنی نگاہوں کے سامنے رکھیں یا اپنے تصور میں لائیں پھر فیصلہ کریں کہ پروردگار کے سوا یہ نعمتیں دینے میں کسی اور کا ہاتھ بھی ہے؟ یا اور کوئی اس قابل ہے کہ وہ ان نعمتوں میں سے کچھ بھی عطا کرسکے؟ یقیناً نہیں۔ تو جب ان میں سے کوئی بات ممکن نہیں اور عطا کرنے والی ذات ایک ہی ہے تو پھر کس قدر دکھ کی بات ہے کہ لوگ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ ﷻ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں۔

آیت نمبر ۷۳: کافر و مشرک شخص کی ذہنی پستی کا بیان ہے۔ تمام نشانیوں کو دیکھنے کے باوجود وہ اللہ ﷻ کے سوا دوسروں کی عبادت کرتا ہے۔ باطل معبودوں کی بے بسی کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ وہ ان کو آسمانوں اور زمین میں سے کسی طرح کا رزق دینے کا نہ کوئی اختیار رکھتے ہیں اور نہ ہی استعداد۔

علمی بات: کفار اللہ ﷻ کو چھوڑ کر جن معبودوں کی پوجا کیا کرتے تھے ان کے متعلق بتایا جارہا ہے کہ اس پوجا کی آخر کوئی وجہ بھی تو ہو۔ نہ تو ان معبودوں نے انہیں پیدا کیا ہے کیونکہ یہ تو ان کے اپنے گھڑے ہوئے ہیں اور نہ وہ ان کو رزق دینے پر قادر ہیں۔ کیونکہ زمین و آسمان میں کوئی چیز بھی تو ایسی نہیں جس کے وہ مالک ہوں۔ جب ان کا ہے ہی کچھ نہیں تو وہ بیچارے کسی کو دیں گے کیا؟

آیت نمبر ۷۴: مشرکین اللہ ﷻ کی ذات کو دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کرتے اور مخلوق کی صفات کو اللہ ﷻ پر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہیں ایسے غلط تصورات قائم کرنے اور مثالیں دینے کی ممانعت کی گئی ہے۔ اللہ ﷻ کل علم رکھتا ہے۔ مخلوق کے علم کی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں۔

علمی بات: مشرکین عرب بعض اوقات اپنے شرک کی تائید میں یہ مثال دیتے تھے کہ جس طرح دنیا کا بادشاہ تنہا اپنی حکومت نہیں چلاتا، بلکہ اسے حکومت کے بہت سے کام اپنے مددگاروں کو سونپنے پڑتے ہیں، اسی طرح (معاذ اللہ) اللہ ﷻ نے بھی اپنی خدائی کے بہت سے کام ان دیوتاؤں کو سونپ رکھے ہیں اور ان معاملات میں وہ خود مختار ہو گئے ہیں۔ اس آیت میں ان سے کہا جا رہا ہے کہ اللہ ﷻ کے لئے دنیا کے بادشاہوں کی، بلکہ کسی بھی مخلوق کی مثال دینا انتہائی جہالت کی بات ہے۔ اس کے بعد آیات: ۷۵، ۷۶ میں اللہ ﷻ نے دو مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ جن کا مقصد یہ ہے کہ اگر مخلوقات ہی کی مثال لینی ہے تو ان دو مثالوں سے ظاہر ہے کہ مخلوق، مخلوق میں بھی فرق ہوتا ہے، کوئی مخلوق اعلیٰ درجہ کی ہے، کوئی ادنیٰ درجہ کی، جب مخلوق، مخلوق میں اتنا فرق ہے تو خالق اور مخلوق میں کتنا فرق ہو گا؟ پھر کسی مخلوق کو خالق کے ساتھ عبادت میں کیسے شریک کیا جا سکتا ہے؟

آیت نمبر ۷۵: شرک کی تردید میں ایک غلام اور ایک آزاد شخص کی مثال کا بیان ہے۔ غلام کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ آزاد جسے چاہے خرچ کرتا ہے۔ یہ دونوں شخص برابر نہیں ہو سکتے تو اللہ ﷻ جو خالق ہے وہ اور مخلوق کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟ تمام تعریفوں کا مستحق اللہ ﷻ ہی ہے کیوں کہ تمام نعمتیں اسی کی عطا کی ہوئی ہیں۔ لیکن مشرک اس حقیقت کو سمجھ نہیں پاتے۔

علمی بات: ۱۔ اللہ ﷻ نے دو شخصوں کی مثال بیان فرمائی ہے۔ ایک شخص کسی کا غلام ہے جو اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتا اور دوسرا شخص آزاد ہے جس کو اللہ ﷻ نے مال و دولت سے نوازا ہے اور وہ اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر طور پر خرچ کرتا ہے۔ ظاہر ہے یہ دونوں شخص برابر نہیں ہیں۔

۲۔ کہا جا رہا ہے کہ جب وہ دو آدمی انسان ہوتے ہوئے ایک جیسے نہیں ہو سکتے تو پھر یہ تمہارے بے بس اور بے جان بت جو اس زر خرید مقہور اور مجبور غلام سے بھی ہزار درجہ کمتر ہیں۔ وہ رب العرش العظیم کے ہم پلہ اور ہم پایہ کیسے ہو سکتے ہیں کہ تم ان کو معبود بھی مانو اور ان کی عبادت بھی کرو کچھ تو غور کرو۔

آیت نمبر ۷۶: شرک کی تردید میں ایک اور مثال دی گئی ہے کہ ایک شخص گونگا غلام ہے، کوئی کام صحیح طریقہ سے نہیں کرتا اور وہ اپنے مالک پر بوجھ ہے۔ دوسرا وہ تندرست شخص ہے جو خود بھی عدل اور صحیح راہ پر قائم ہے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتا ہے۔ جیسے یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح مشرک اور مومن بھی برابر نہیں ہو سکتے۔

علمی بات: ایک شخص ہے جو پیدائشی طور پر گونگا بھی ہے اور بہرہ بھی۔ اسے کسی چیز پر کوئی اختیار بھی حاصل نہیں۔ وہ اپنے رفقاء پر صرف بوجھ ہے اور قدم بھی ایسے سبز ہیں کہ جس کام کے لئے بھیجا جاتا ہے وہ نامراد لوٹتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ایک اور شخص ہے جو عدل و انصاف قائم کرنے کے لئے سرگرم عمل رہتا ہے۔ اس کا کوئی قدم راہ ہدایت سے ادھر ادھر نہیں اٹھتا۔ کہا جا رہا ہے کہ اے مشرکو! تم ہی بتاؤ کیا یہ دونوں ایک جیسے ہیں۔ اگر یہ دونوں انسان ہوتے ہوئے ایک جیسے نہیں تو تمہارے بُت جو اس عاجز غلام سے بھی گئے گزرے ہیں وہ اللہ ﷻ کے ہم پلہ کیسے ہو سکتے ہیں کہ تم انہیں الٰہ بھی مانو اور ان کی عبادت بھی کرو جو صرف اللہ ﷻ کا حق ہے۔

آیت نمبر ۷۷: زمین و آسمان کی تمام چھپی ہوئی حقیقتوں سے اللہ ﷻ آگاہ ہے۔ اس کے لئے قیامت برپا کرنا ایسا ہے جیسے آنکھ جھپکنا یا اس سے بھی قریب تر، کیوں کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

علمی بات: آسمانوں اور زمین میں بندوں سے متعلق جتنی بھی باتیں، فیصلے اور احکام پوشیدہ ہیں ان سب کا علم صرف اللہ ﷻ کو ہے۔ اس میں قیامت کا علم بھی شامل ہے اور جب اس کا وقت آجائے گا تو پلک جھپکتے ہی آجائے گی، یا اس سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ واقع ہو جائے گی، اس لئے کہ اللہ ﷻ ہر چیز پر قادر ہے۔

آیت نمبر۷۸: انسان کی پیدائش کے وقت پر اسے کسی چیز کا علم نہیں ہوتا۔ اللہ ﷻ نے کان، آنکھیں اور دل کی صورت میں ذرائع عطا کیئے جن سے وہ علم حاصل کرتا ہے۔ یہ صلاحیتیں اور قوتیں دینے کا مقصد یہ ہے کہ انسان ان اعضاء کو اس طرح استعمال کرے کہ اللہ ﷻ راضی ہو جائے۔

علمی بات: توحید باری تعالیٰ کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ ﷻ آدمی کو جب اس کی ماں کے بطن سے نکالتا ہے تو بندہ کو کسی بات کی خبر نہیں ہوتی۔ اللہ ﷻ اسے کان، آنکھ اور دل دیتا ہے اور بچپن سے لے کر بڑا ہونے تک ان قوتوں کو بڑھاتا رہتا ہے، تاکہ وہ ان نعمتوں کو یاد کر کے اپنے منعمِ حقیقی کا شکر ادا کرے، اس کی وحدانیت کا اعتراف کرے اور خلوصِ دل سے اسی کی عبادت کرے کہ اللہ ﷻ نے اسے یہ نعمتیں اس لئے عطا فرمائی ہیں کہ ان کی مدد سے اس کے سامنے زندگی بھر جھکتا رہے اور اس کے حکموں پر عمل پیرا رہے۔

آیت نمبر۷۹: اللہ ﷻ کی ایک اور عظیم قدرت کا بیان ہے۔ پرندوں میں اڑنے کی ایسی صلاحیت پیدا کر دی کہ وہ بغیر کسی سہارے کے فضا میں اُڑتے ہیں۔ فضا میں انہیں تھامنے والا اللہ ﷻ ہی ہے۔ بلاشبہ اس میں اہل ایمان کے لئے نشانیاں ہیں جو اپنے خالق کی عظمت کا اعتراف اور اسی کی عبادت کرتے ہیں۔

علمی بات: بلندی کی طرف کوئی چیز کتنے ہی زور سے پھینکی جائے، وہ تھوڑی دور اوپر جا کر نیچے گر پڑے گی کوئی چیز فضا میں ٹھہر نہیں سکتی۔ وہ ہوا کی لطافت اور زمین کی کشش ثقل کی وجہ سے زمین پر آ گرتی ہے۔ مگر اللہ ﷻ نے پرندوں کے پروں اور ان کی جسمانی ساخت میں کچھ ایسا توازن قائم کیا ہے کہ نہ زمین کی کشش ثقل انہیں اپنی طرف کھینچتی ہے اور نہ ہوا کی لطافت انہیں نیچے گراتی ہے اور فضا میں بے تکلف تیرتے پھرتے ہیں۔ یہ سب باتیں ان کی فطرت میں رکھ دی گئی ہیں۔ پھر تو ضروری نہیں کہ وہ ہر وقت پروں کو پھیلائے رکھیں۔ وہ انہیں بند بھی کر لیتے ہیں لیکن پھر بھی گرتے نہیں۔ تو اب کون ہے؟ جو ان کو فضا میں تھامے ہوئے ہے۔ انسان نے پرندوں کی اڑان اور ان کی ساخت میں غور و فکر کر کے ہوائی جہاز تو ایجاد کر لیا۔ مگر اس سے بڑھ کر کامیابی یہ ہے انسان ان سب چیزوں کے ذریعہ اس ذات وحدہٗ لاشریک کی معرفت حاصل کرے جس نے ایسے طبعی قوانین بنا دیئے جن کی بنا پر پرندے یا ہوائی جہاز فضا میں اڑتے پھرتے ہیں۔ مخلوق کے ان عجائبات میں غور کر کے خالق کی پہچان حاصل کرے اور اس کی ذات وصفات میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔

آیت نمبر۸۰: اللہ ﷻ کے انسان پر انعامات کا ذکر ہے کہ اس ربِ کریم نے انسان کے لئے گھر کو باعث سکون اور آرام کی جگہ بنایا۔ اسے جانوروں کی کھالوں سے ایسے خیمے بنانے کی صلاحیت عطا کی جو سفر اور حالت قیام میں اس کے کام آتے ہیں۔ مزید یہ کہ اسے جانوروں کی اُون اور بالوں سے مختلف قسم کی گھریلو اشیاء بنانے کی صلاحیت عطا کی۔ ان چیزوں میں مقررہ مدت تک انسان کے لئے فائدہ کا سامان رکھا گیا ہے۔

علمی بات: ۱۔ اللہ ﷻ نے انسانوں کے لئے گھروں کو جائے سکون بنایا۔ رہنے اور آرام حاصل کرنے کے لئے مکانات دے رکھے ہیں، اس میں اینٹ پتھر، مٹی چونے اور لکڑی کے گھر جو بیشتر انسانی آبادی کے مسکن ہیں سب آ گئے جو انسان کے لئے راحت قلب اور سکون خاطر کا کتنا بڑا ذریعہ اور سبب ہیں۔

۲۔ خیموں کی سفری زندگی کا بیان فرمایا کہ اینٹ پتھر کے مکانوں کو کہیں منتقل نہیں کر سکتے اس لئے جانوروں کی کھالوں کے خیمے بنانے سکھا دیئے جو سہولت اور آسانی کے ساتھ منتقل کیئے جا سکتے ہیں۔ سفر وحضر میں انسان جہاں چاہے نصب کر لے اور جب چاہے لپیٹ کر رکھ دے، صحراء میں رہنے والے عرب تو اکثر خیموں ہی میں زندگی بسر کرتے تھے۔

۳۔ چوپایوں سے انسانوں کو بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں: مال برداری کرنا، ہل چلانا، پانی کھینچنا وغیرہ۔ اسی طرح جانوروں کے گوبر سے اوپلے بنائے جاتے ہیں جو ایندھن کے طور پر استعمال ہوتے ہیں، بائیو گیس بنائی جاتی ہے۔ جانوروں کی اُون سے دھاگہ بنتا ہے، کپڑا بنتا

ہے، گرم لباس بنتے ہیں۔ جانوروں کی کھال سے چمڑا حاصل ہوتا ہے جس سے جیکٹ، پرس، بیگ اور جوتے وغیرہ بنتے ہیں۔ جانوروں کی چربی سے تیل، گھی اور صابن بنتا ہے۔ جانوروں کی ہڈیوں سے کیلشیم (Calcium) اور فاسفورس (Phosphorus) وغیرہ حاصل ہوتا ہے۔

آیت نمبر ۸۱: خارجی اثرات سے بچانے والی نعمتوں کا بیان ہے۔ اللہ ﷻ نے انسان کے لئے ٹھنڈی چھاؤں اور پہاڑوں میں گہرے غار بنائے جس میں وہ پناہ لیتا ہے۔ ایسے لباس بنانے کی مہارت سکھائی جو موسم کی شدت اور جنگ کے دوران دشمن کے وار سے اسے بچائے۔ لباس کا بالخصوص گرمی سے بچانے کا ذکر اس لئے فرمایا کیونکہ اہل عرب عموماً سردی کے موسم سے نا آشنا تھے۔ نعمت پوری فرمانے سے مراد انسان کی جملہ ضروریات کی تکمیل ہے۔ لہٰذا انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے حقیقی محسن ہی کا فرماں بردار بن کر رہے۔

علمی بات: ۱۔ چوپاؤں، مکانوں اور خیموں کے بعد گھر سے باہر سردی گرمی اور دشمن سے بچاؤ کرنے والی نعمتوں کا ذکر فرمایا۔ اس آیت میں ان لوگوں کے لئے جن کے پاس مکان یا خیمہ نہیں، یا وہ سفر میں ہیں تو گرمی وغیرہ سے بچاؤ کے لئے مختلف سایوں کا ذکر کیا، مثلاً درختوں کا سایہ، مکانوں، دیواروں اور پہاڑوں کا سایہ، آبادیوں کا سایہ، چھتریوں کا سایہ، غرض یہی سائے گرمی سردی اور بارش سے بچانے کے کام آتے ہیں۔

۲۔ وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا: اس میں پہاڑوں کی قدرتی غاریں، کھود کر بنائے ہوئے مکان اور پہاڑوں میں کھود کر بنائی ہوئی لمبی سُرنگیں، جن میں فوجی سازوسامان، اسلحہ، جہاز اور فوج محفوظ رکھی جاتی ہے، سب شامل ہیں۔

۳۔ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ: اس میں زرہ، خود، بلٹ پروف (گولی سے محفوظ) جیکٹیں، گاڑیاں اور ٹینک وغیرہ سب شامل ہیں۔

۴۔ اللہ ﷻ اسی طرح انسانوں پر اپنی نعمتیں پوری کرتا ہے تاکہ وہ فرماں بردار بنیں اور اس کا حکم مانیں۔ جب ظاہری نعمتوں کا یہ حال ہے تو باطنی نعمتوں اور مہربانیوں کا اندازہ اسی سے لگالیں اور ان بے شمار وان گنت نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ اس اللہ ﷻ کا وہ احسان مانیں اور صدقِ دل سے اسلام قبول کرکے انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کریں۔

آیت نمبر ۸۲: بار بار اللہ ﷻ کی نعمتوں کو یاد دلانے کے باوجود حق سے روگردانی کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اللہ ﷻ کا پیغام پہنچانے کا فریضہ ادا کرتے رہنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

علمی بات: آنحضرت ﷺ کو خطاب کرکے فرمایا کہ باوجود ان نعمتوں کے معلوم ہونے کے یہ ایمان نہ لائیں تو آپ ﷺ پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے آپ ﷺ کے ذمہ تو واضح طور پر اللہ ﷻ کا پیغام پہنچا دینا ہے۔ ماننا نہ ماننا ان کا اختیار ہے۔ یہ لوگ اللہ ﷻ کا کفر کرتے ہیں تو اس کا وبال ان ہی پر پڑے گا۔

آیت نمبر ۸۳: کفار اور مشرکین کا کفر لاعلمی اور جہالت کی بنا پر نہیں ہے بلکہ ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہے۔ اللہ ﷻ کے انعامات کو دیکھنے کے باوجود یہ اللہ ﷻ کی شکر گزاری اور اطاعت نہیں کرتے۔

علمی بات: بے شک بعض بندے شکر گزار بھی ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "اور میرے بندوں میں شکر گزار کم ہی ہوتے ہیں۔" (سورۃ سبا ۳۴، آیت: ۱۳) لیکن اکثروں کا حال یہ ہے کہ اللہ ﷻ کے انعامات کو دیکھتے اور اس کے احسانات کو سمجھتے ہیں، مگر جب شکر گزاری اور اظہار اطاعت کا وقت آتا ہے تو سب بھول جاتے ہیں۔ گویا دل سے سمجھتے ہیں اور عمل سے انکار کرتے ہیں۔

آیت نمبر ۸۴: گواہ سے مراد اللہ ﷻ کے نبی اور گواہی سے مراد تبلیغ ورسالت کی گواہی ہے۔ روزِ قیامت ہر نبی علیہ السلام اپنے امت کے متعلق اللہ ﷻ کے حضور گواہی دیں گے۔ یہ گواہی کافروں پر اتمام حجت کے لئے ہوگی۔ کافروں کو کسی قسم کا عذر پیش کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی نہ ہی انہیں توبہ کا موقع دیا جائے گا۔

علمی بات: قیامت کے دن اللہ ﷻ ہر قوم کے نبی علیہ السلام کو ان کے سامنے لائے گا جو ان کے حق میں یا تو ایمان ویقین کی شہادت دے گا یا ان کے خلاف کفر وعناد کی گواہی دے گا۔ اس دن کافروں کو کوئی معذرت پیش کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی اور نہ انہیں موقع دیا جائے گا کہ وہ اپنے رب کی ناراضگی کو دور کریں۔ اس لئے کہ آخرت دار العمل نہیں ہے۔ نہ ہی وہ دنیا کی طرف بھیجے جائیں گے کہ نیک اعمال کر لیں اور اپنے گناہوں سے توبہ کر لیں۔

آیت نمبر ۸۵: روز قیامت کفار اور مشرکین کو عذاب میں مبتلا کیئے جانے کی وعید سنائی گئی ہے۔ ان کے عذاب میں نہ کوئی وقفہ ہو گا اور نہ ہی کوئی کمی کی جائے گی۔

علمی بات: کفار و مشرکین کو بھی کسی وقت مہلت نہیں دی جائے گی اور نہ انہیں بے عذاب چھوڑا جائے گا۔ دوزخ میں داخل ہو جانے کے بعد وہ لاکھ چلائیں ان کے شور وغل کا کچھ خیال نہ کیا جائے گا اور ان کے ساتھ کسی طرح کی رعایت نہ کی جائے گی۔ جس کے لئے جس نوعیت و کیفیت کے عذاب کا فیصلہ کیا جا چکا ہو گا، اس میں تخفیف نہ کی جائے گی۔

آیت نمبر ۸۶: میدانِ حشر میں مشرک اور ان کے شرکاء کے درمیان مکالمہ کا ذکر ہے۔ مشرکین باطل معبودوں کو دیکھ کر اقرار کریں گے کہ وہ دنیا میں ان ہی کی عبادت کرتے تھے۔ جب کہ شرکاء ان کے مشرکانہ عقائد سے اظہار بیزاری کریں گے اور انہیں جھوٹا قرار دیں گے۔

علمی بات: روزِ محشر مشرکین اپنے آپ کو بری الذمہ اور بے گناہ ثابت کرنے کے لئے سارا الزام اپنے معبودوں پر لگائیں گے کہ اے اللہ العالمین! یہ ہیں وہ جن کو ہم تیرا شریک بناتے تھے، تجھے چھوڑ کر ان کی پوجا کیا کرتے تھے۔ اللہ ﷻ ان بتوں کو قوت گویائی عطا کرے گا اور وہ ان کی تردید کریں گے کہ انہوں نے خود ہی ہمیں گھڑا اور خود ہی ہمیں تیرا شریک بنایا خود ہی ہماری عبادت میں لگ گئے۔ ہم نے انہیں کب کہا تھا کہ وہ تیری عبادت چھوڑ کر ہماری پوجا شروع کر دیں یعنی اللہ ﷻ ان بے زبان اور بے جان بتوں کو قوت گویائی دے گا تا کہ کفار کی رسوائی ظاہر ہو۔

آیت نمبر ۸۷: روزِ قیامت کفار اور مشرکین ہر طرف سے مایوس ہو کر خالص اللہ ﷻ کی طرف رجوع کریں گے۔ اللہ ﷻ ہی کی فرماں برداری اور اسی کی اطاعت کا اظہار کریں گے۔ ان کے تمام خود ساختہ شرکیہ عقائد ختم ہو جائیں گے۔

علمی بات: مشرک اس وقت اللہ ﷻ کی طرف اطاعت و فرماں برداری کا پیغام پیش کریں گے، جو من گھڑت باتیں اور جھوٹے الزام لگاتے تھے وہ سب ان سے گم ہو جائیں گے، وہ ہر طرف سے مایوس ہو کر اللہ ﷻ کے روبرو اطاعت کا اظہار کریں گے۔ دنیا میں جس تکبر کا اظہار کیا کرتے تھے وہ سب باتیں جاتی رہیں گی۔

آیت نمبر ۸۸: دنیا میں خود گمراہ ہونے کے ساتھ دوسروں کی گمراہی کا سبب بننے والوں کا آخرت میں انجام بیان کیا گیا ہے۔ انہیں دوسروں کی نسبت دوہرا عذاب دیا جائے گا کیوں کہ وہ زمین میں فساد پھیلاتے تھے۔

علمی بات: پچھلی آیت میں ان کافروں کی وعید سنائی گئی تھی جنہوں نے خود کفر کیا۔ اس آیت میں ان کافروں کی وعید سنائی گئی ہے جو خود بھی کافر تھے اور دوسرے لوگوں کو بھی اللہ ﷻ کے راستہ سے گمراہ کر کے انہیں کافر بنایا۔ چونکہ ان کا کفر دوگنا تھا اس لئے ان کی سزا بھی دوگنی ہے۔ لہٰذا فرمایا کہ ہم ان کے عذاب پر مزید عذاب بڑھا دیں گے یعنی ان کو اپنے کفر کا بھی عذاب ہو گا اور اپنے ان پیروکاروں کے کفر کا بھی عذاب ہو گا جنہوں نے ان کی پیروی میں کفر کیا۔

آیت نمبر ۸۹: روز قیامت ہر امت کے نبی علیہ السلام کو اس امت پر گواہ بنا کر پیش کیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کی گواہی اپنی امت کے لوگوں کے ساتھ گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کے حوالہ سے بھی ہو گی۔ قرآنِ حکیم میں ہر اس چیز کی وضاحت ہے جو انسان کی ہدایت سے تعلق رکھتی ہے۔ اس ہدایت پر عمل پیرا ہو جانے والے انسان کے لئے قرآنِ حکیم باعث رحمت بن جاتا ہے۔ قرآنِ حکیم فرماں برداروں کو جنت میں دائمی اور لازوال نعمتوں کی بشارت دیتا ہے۔

علمی بات: ا۔ اللہ ﷻ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ روزِ قیامت ہم ہر قوم کے نبی کو بحیثیت شاہد اور گواہ ان کے سامنے پیش کریں گے اور پھر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کے لوگ ان انبیاء کرام علیہم السلام کی بابت گواہی دیں گے کہ یہ سچے ہیں، انہوں نے یقیناً تیرا پیغام پہنچا دیا تھا، تو کافروں کے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہے گا۔

۲۔ اس قرآن حکیم میں ہر ایسی چیز کی وضاحت موجود ہے جس پر ہدایت و گمراہی اور کامیابی و ناکامی کا مدار ہے، جس کا جاننا صراطِ مستقیم کے لیے ضروری ہے، جس سے حق اور باطل کا فرق نمایاں ہوتا ہے۔

آیت نمبر ۹۰: یہ آیت خطبۂ جمعہ میں بھی تلاوت کی جاتی ہے۔ چھ باتوں کا ذکر کر کے پورے انسانی معاشرے کے اصلاح کا نظام عطا کیا گیا۔

تین کام جن کو کرنے کا حکم ہے: ا۔ عدل کا قیام۔۔۔ یہ قانون کی بنیاد ہے۔ ۲۔ احسان۔۔۔ یہ اخلاقی تقاضا ہے۔۔۔ معاشرے کے افراد سے نیکی اور ہمدردی کا برتاؤ اس کا تقاضا ہے۔ ۳۔ رشتہ داروں سے حسن سلوک۔۔۔ ان سے حسن سلوک اُن کا حق اور اپنا فرض سمجھنا۔

تین کام جن سے روکا گیا ہے: ا۔ الفحشاء۔۔۔ ہر وہ قول یا فعل ہے جو برائی کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہو مثلاً زنا، عریانی، بدکاری وغیرہ۔

۲۔ منکر۔۔۔ ہر وہ کام جو معاشرے میں برے سمجھے جاتے ہوں اور جسے شریعتِ اسلامی نے بھی ناجائز قرار دیا ہو۔

۳۔ البغی۔۔۔ جائز حد سے نکل جانا جیسے حدود اللہ ﷻ میں تجاوز کرنا، بندوں کے مال و جان یا آبرو پر ناجائز قبضہ کرنا وغیرہ۔ ان نصیحتوں کا مقصد یہ ہے کہ لوگ ان پر عمل پیرا ہوں۔

علمی بات: ا۔ یہ بہت ہی جامع آیت ہے اور اس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے انداز میں تین چیزوں کا حکم دیا گیا ہے اور تین ہی چیزوں سے منع کیا گیا ہے۔ پہلا حکم عدل کا ہے اور دوسرا احسان کا۔ عدل تو یہ ہے کہ جس کا جس قدر حق ہے عین اسی قدر آپ اسے دے دیں، لیکن احسان ایک ایسا عمل ہے جو عدل سے بہت اعلیٰ و ارفع ہے۔ یعنی احسان یہ ہے کہ آپ کسی کو اس کے حق سے زیادہ دیں اور یہ عمل اللہ ﷻ کو بہت پسند ہے۔ چنانچہ اللہ ﷻ محسنین کو محبوب رکھتا ہے۔ تیسرا حکم قرابت داروں کے حقوق کا خیال رکھنے کے بارے میں ہے یعنی ان سے حسن سلوک سے پیش آنا صلہ رحمی کے تقاضے پورے کرنا اور انفاق مال کے سلسلہ میں ان کو ترجیح دینا۔ یہ تین احکام ان اعمال کے بارے میں ہیں جو ایک اچھے معاشرہ کی بنیاد کا کام دیتے ہیں۔

۲۔ عدل جس چیز کا تقاضا کرتا ہے وہ توازن اور تناسب ہے نہ کہ برابری۔ بعض حیثیتوں سے تو عدل بے شک افراد معاشرہ میں مساوات چاہتا ہے، مثلاً حقوق شہریت میں۔ مگر بعض دوسری حیثیتوں سے مساوات بالکل خلاف عدل ہے۔ پس اللہ ﷻ نے جس چیز کا حکم دیا ہے وہ حقوق میں مساوات نہیں بلکہ توازن و تناسب ہے اور اس حکم کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی، قانونی اور سیاسی و تمدنی حقوق پوری ایمان داری کے ساتھ ادا کیئے جائیں۔

دوسری چیز احسان ہے جس سے مراد نیک برتاؤ، فیاضانہ معاملہ، ہمدردانہ رویہ، رواداری، خوش خلقی، درگزر، باہمی مراعات، ایک دوسرے کا پاس و لحاظ، دوسرے کو اس کے حق سے کچھ زیادہ دینا اور خود اپنے حق سے کچھ کم پر راضی ہو جانا یہ عدل سے زائد ایک چیز ہے جس کی اہمیت اجتماعی زندگی میں عدل سے بھی زیادہ ہے۔ عدل اگر معاشرہ کی اساس ہے تو احسان اس کا جمال اور اس کا کمال ہے۔ تیسری چیز جس کا اس آیت میں حکم دیا گیا ہے، صلہ رحمی ہے جو رشتہ داروں کے معاملہ میں احسان کی ایک خاص صورت متعین کرتی ہے۔ اس کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی اپنے رشتہ داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اور خوشی و غمی میں ان کا شریک حال ہو اور جائز حدود کے اندر ان کا حامی و مددگار بنے۔ بلکہ اس کے معنیٰ یہ بھی ہیں کہ ہر صاحب استطاعت شخص اپنے مال پر صرف اپنی ذات اور اپنے بال بچوں ہی کے حقوق نہ سمجھے بلکہ اپنے رشتہ داروں کے حقوق بھی تسلیم کرے۔

شریعت الٰہی ہر خاندان کے خوشحال افراد کو اس امر کا ذمہ دار قرار دیتی ہے کہ وہ اپنے خاندان کے لوگوں کو بے یارومددگار اور بھوکا پیاسا نہ چھوڑیں۔ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جس معاشرہ کا واحد (unit) اس طرح اپنے اپنے افراد کو سنبھال لے اس میں معاشی حیثیت سے کتنی خوشحالی، معاشرتی حیثیت سے کتنی حلاوت اور اخلاقی حیثیت سے کتنی پاکیزگی وبلندی پیدا ہوجائے گی۔

۳۔ تین بھلائیوں کے مقابلہ میں اللہ ﷻ تین برائیوں سے روکتا ہے جو انفرادی حیثیت سے افراد کو اور اجتماعی حیثیت سے پورے معاشرہ کو خراب کرنے والی ہیں۔ پہلی چیز فَحْشَآءِ ہے جس کا اطلاق تمام بیہودہ اور شرمناک افعال پر ہوتا ہے۔ ہر وہ برائی جو اپنی ذات میں نہایت قبیح ہو، فحش ہے۔ مثلاً بخل، زنا، برہنگی وعریانی، عملِ قوم لوط، محرمات سے نکاح، چوری، شراب نوشی، بھیک مانگنا، مغلظات (گالی گلوچ) جیسے بیہودہ الفاظ بولنا اور بدکلامی کرنا وغیرہ۔ اسی طرح علی الاعلان برے کام کرنا اور برائیوں کو پھیلانا بھی فحش ہے، مثلاً جھوٹا پروپیگنڈا، تہمت تراشی، پوشیدہ جرائم کی تشہیر، بدکاریوں پر ابھارنے والے افسانے، ڈرامے، فلمیں، عریاں تصاویر، عورتوں کا بن سنور کر جسم کی نمائش کرنا، علی الاعلان مردوں اور عورتوں کے درمیان اختلاط ہونا اور اسٹیج پر عورتوں کا ناچنا گانا وغیرہ۔ دوسری چیز اَلْمُنْكَرِ ہے جس سے مراد ہر وہ برائی ہے جسے انسان بالعموم برا جانتے ہیں، ہمیشہ سے برا کہتے رہے ہیں اور عام شرائع الٰہیہ نے جس سے منع کیا ہے۔ تیسری چیز اَلْبَغْيِ ہے جس کے معنٰی ہیں اپنی حد سے تجاوز کرنا اور دوسرے کے حقوق پر دست درازی کرنا، خواہ وہ حقوق خالق کے ہوں یا مخلوق کے۔

آیت نمبر ۹۱: عہد کی پاسداری کا حکم دیا گیا ہے۔ تین طرح کے عہد ہیں جن کی پاسداری کی جائے۔ ا۔ اللہ ﷻ کو رب ماننے اور اس کی بندگی کا عہد۔ اسے عہد الست بھی کہا جاتا ہے۔ جو اللہ رب العزت نے ہر انسانی روح سے لیا تھا۔ ۲۔ وہ عہد جو ایک فرد دوسرے فرد سے اللہ ﷻ کو گواہ بنا کر پختہ کرتا ہے۔ ۳۔ وہ حلفیہ معاہدات جو ایک گروہ یا قوم دوسرے گروہ یا قوم سے کرتی ہے۔

علمی بات: ا۔ قسم اُٹھانا کوئی مذاق نہیں ہے۔ اس لئے اول تو قسمیں کم سے کم اُٹھانی چاہئیں اور اگر کوئی قسم اُٹھالی ہو تو حتی الامکان اسے پورا کرنا ضروری ہے۔ البتہ اگر کسی شخص نے کوئی ناجائز کام کرنے کی قسم اُٹھالی ہو تو اس پر واجب ہے کہ قسم کو توڑے اور کفارہ ادا کرے۔ اسی طرح اگر کسی جائز کام کی قسم اُٹھائی، مگر بعد میں اندازہ ہوا کہ وہ کام مصلحت کے خلاف ہے تو ایسی قسم کو توڑ دینا چاہیئے اور کفارہ ادا کرنا چاہیئے۔

۲۔ قسم کا کفارہ یہ ہے کہ اگر کوئی قسم توڑے تو ایک غلام آزاد کرے یا دس مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر درمیانہ درجہ کا کھانا کھلائے یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنائے۔ ان تینوں میں سے کوئی بھی طریقہ اختیار کرنے کی اجازت ہے اور اگر تینوں میں سے کسی کی بھی طاقت نہ ہو تو مسلسل تین روزے رکھنا کفارہ ہے۔ (اس کا ذکر سورۃ المآئدہ ۵، آیت: ۸۹ میں ہے)

آیت نمبر ۹۲: عہد کو توڑنا ایسا ہے جیسے کوئی عورت سُوت کاتنے کے بعد اسے خود ہی ٹکرے ٹکرے کردے۔ قسموں کو دھوکہ اور فریب دینے کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ عہد کے ذریعہ آزمانے سے مراد یہ کہ مفادات سے بے نیاز ہو کر معاہدہ کی پابندی کی جاتی ہے یا نہیں۔ دنیاوی اغراض و منافع کے لئے عہد توڑنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ قیامت کے دن ان باتوں کی پوری طرح حقیقت واضح ہوجائے گی جس میں لوگ اختلاف کرتے ہیں۔

علمی بات: اسلام سے پہلے عرب کے مشرک قبائل کا یہ دستور تھا کہ وہ ایک قبیلہ سے دوستی کا معاہدہ کرتے اس کے بعد اگر انہیں موقع ملتا، تو کسی دوسرے قبیلہ سے جو قوت اور دولت میں پہلے قبیلہ سے بڑھ کر ہوتا اس کے ساتھ معاہدہ کرتے۔ خواہ یہ ان کا نیا دوست قبیلہ ان کے پہلے قبیلہ جن سے ان کا معاہدہ تھا اس کا دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ ﷻ فرزندانِ اسلام کو اس اخلاقی گراوٹ اور عہد شکنی سے بچتے رہنے کی ہدایت فرمارہا ہے کہ وہ یہ روش ہرگز اختیار نہ کریں۔ انہوں نے جو معاہدے کیئے ہیں۔ انہیں نبھائیں اور جو پیمان باندھے ہیں انہیں پورا کریں۔ اسی خیال سے کہ یہ نیا قبیلہ قوت اور دولت میں پہلے دوست قبیلہ سے زیادہ ہے اس لئے مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ سابقہ معاہدہ کو بلاوجہ توڑ دیا جائے اور نیا معاہدہ اس قبیلہ سے کیا جائے ایسا کرنا ان کے مقام سے بہت کم تر ہے۔

عملی پہلو: وعدوں کو پابندی سے نبھانا ایک بڑی آزمائش ہے۔ ایفائے عہد کا حکم دے کر اللہ ﷻ مسلمانوں کو آزمانا چاہتا ہے اور دیکھنا چاہتا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ اسلام کے تقاضوں کو پورا کرنے میں کس حد تک ہمت اور جرأت کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں۔

آیت نمبر ۹۳: اللہ ﷻ چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک امت بنا دیتا اور کوئی کسی سے اختلاف نہیں کرتا۔ لیکن اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ گمراہی پر اصرار کرنے والوں کے لیے گم راہی کا فیصلہ اور حق کے طلب گاروں کو ہدایت دی جائے۔ روزِ قیامت ہر ایک سے اس کے اعمال کے مطابق پوچھا جائے گا۔

علمی بات: اللہ ﷻ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ جسے حق کی جستجو ہو اور اسے قبول کرنے کی جس میں رغبت ہو اسے ہدایت دے اور جو گمراہ ہونا چاہے اور گمراہی پر اصرار کرے اسے بھٹکتا چھوڑ دے۔ دنیا میں انسان جو کچھ کرتا ہے اس کے بارے میں اس سے قیامت کے دن ضرور پوچھا جائے گا اور اس سوال سے مقصود ڈانٹ ڈپٹ، جھڑکنا اور ملامت کرنا ہو گا نہ کہ استفسار اور دریافت کرنا۔ اس لئے کہ اللہ ﷻ تو سب کچھ جانتا ہے، اس سے کچھ بھی مخفی نہیں ہے۔

آیت نمبر ۹۴: کسی بھی قسم کی خیانت یا عہد شکنی کا ارادہ کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ قسم اُٹھا کر پختہ عہد کرنے کے بعد عہد شکنی کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ:

۱۔ ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ۲۔ لوگ اسلام کی طرف مائل نہیں ہوں گے۔

عہد شکنی کے نتیجہ میں اسلام کے راستہ میں رکاوٹ کا سبب بننے والوں کو دنیا و آخرت میں دردناک عذاب کی تنبیہ کی گئی ہے۔

علمی بات: ۱۔ مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ بد عہدی سے ہر حال میں بچیں ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص اسلام کی صداقت کا قائل ہو جانے کے بعد محض ان کی بد اخلاقی و بد عہدی دیکھ کر اس دین سے برگشتہ ہو جائے اور اس وجہ سے وہ اہلِ ایمان کے گروہ میں شامل ہونے سے رک جائے کہ اس گروہ کے جن لوگوں سے اس کو سابقہ پیش آیا ہو، ان کو اخلاق و کردار، معاملات اور ایفائے عہد میں کفار سے کچھ بھی مختلف نہ پایا ہو اور اگر خدانخواستہ ایسا معاملہ ہوتا ہے تو پھر ایسے مسلمانوں پر اللہ ﷻ کی راہ سے روکنے کا گناہ آپڑے گا جس کی سزا بڑی سخت ہو گی۔

۲۔ آیت میں ایک اور عظیم گناہ اور وبال سے بچانے کی ہدایت ہے وہ یہ کہ قسم اُٹھاتے وقت ہی اسے اس قسم کے خلاف کرنے کا ارادہ ہو صرف مخاطب کو فریب دینے کے لئے قسم اُٹھائی جائے تو یہ عام قسم توڑنے سے زیادہ خطرناک گناہ ہے جس کے نتیجہ میں یہ خطرہ ہے کہ ایمان کی دولت ہی سے محروم ہو جائے۔

آیت نمبر ۹۵: عہد سے مراد عہد الست اور ہر وہ عہد ہے جس میں اللہ ﷻ کو گواہ بنا کر قسم کھائی گئی ہو۔ دنیاوی مفادات ایفائے عہد کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ لہٰذا دنیاوی مفادات کے بجائے آخرت پر نظر رکھی جائے جو بہت ہی بہتر ہے۔

علمی بات: قریش کے لوگ کمزور مسلمانوں کو لالچ دیتے تھے کہ اگر وہ اسلام کو چھوڑ دیں گے تو وہ انہیں مال و متاع سے نوازیں گے، اللہ ﷻ نے ایسے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اللہ ﷻ کے ساتھ کیئے گئے عہد و پیمان اور رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر کی گئی بیعت کے بدلہ تم لوگ دنیا کی متاعِ حقیر کو قبول نہ کرو، اس کے بعد فرمایا کہ نصرت و فتح، مالِ غنیمت اور رزقِ کثیر اور آخرت میں جنت جیسی لازوال نعمت اس عارضی متاع سے زیادہ بہتر ہے جس کی قریش لالچ دیتے ہیں۔

مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ اللہ ﷻ کا یہ وعدہ ہر اس مسلمان کے لئے ہے جو کسی بھی زمانہ میں اپنے ایمان و اسلام پر ثابت قدم رہے گا اور دنیا کی حقیر فائدوں کی خاطر اپنے دین کو داؤ پر نہیں لگائے گا۔

آیت نمبر ۹۶: اس مال اور مفاد کی حقیقت کا بیان جو عہد شکنی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ یہ مال اور فائدہ ختم اور فنا ہو جانے والا ہے۔ جب کہ آخرت کا اجر بہت بہتر، پائدار اور ابدی ہے۔

علمی بات: ا۔ عہد شکنی، رشوت ستانی، چور بازاری اور دیگر ناجائز وسائل سے لوگ کتنا مال کیوں نہ اکٹھا کرلیں، وہ ختم ہونے والا اور فنا ہونے والا ہے۔ گویا ان کے پاس دنیا کی جو بھی نعمت ہے وہ ختم ہوجائے گی اور اللہ ﷻ کی جنت ہمیشہ باقی رہے گی۔ کیونکہ اللہ ﷻ کی رحمت کے خزانے بے پایاں ہیں وہ ختم نہیں ہوتے۔ لہٰذا وہ باقی کے بدلہ فانی کو کیوں پسند کر رہے ہیں۔ انہیں دنیا کے لالچ کے باعث رب کریم کو ناراض کرنے کی غلطی ہرگز نہیں کرنی چاہیئے۔ وہ انہیں اپنے خزانۂ غیب سے ایسی برکتیں مرحمت فرمائے گا جو ان کی ساری ضروریات کی کفیل بن جائیں گی۔

۲۔ جو لوگ مشرکین کی اذیتوں پر صبر کریں گے اور اسلام پر ثابت قدم رہنے کے لئے تکلیفیں جھیلیں گے، اللہ ﷻ انہیں ان کے صبر واستقامت کا کئی گنا اچھا بدلہ عطا فرمائے گا جو کبھی ختم نہ ہوگا۔

آیت نمبر ۹۷: حیات طیّبہ سے مراد دنیا کی پاکیزہ زندگی ہے۔ پاکیزہ زندگی میں حلال روزی، قناعت، سچی عزت، سکون واطمینان اور اللہ ﷻ کی محبت شامل ہے۔ اخلاص سے نیکی کرنے والے مرد وعورت کو دنیا میں پاکیزہ زندگی اور آخرت میں بہترین اجر کی بشارت دی گئی ہے۔

علمی بات: ہر مسلمان (مرد وعورت) کو خوش خبری دی گئی ہے کہ ایمان لانے کے بعد جو کوئی بھی قرآن وسنت کے مطابق عمل کرے گا، تو اللہ ﷻ اسے اس دنیا میں راحت وسعادت اور وسیع رزق حلال عطا کرے گا اور قیامت کے دن اسے اس کے اعمال صالحہ کا کئی گنا بہتر بدلہ عطا فرمائے گا۔

آیت نمبر ۹۸: تلاوت قرآنِ حکیم کا ایک ادب تعوذ ہے۔ یعنی شیطان کے وسوسوں سے حفاظت کے لئے اللہ ﷻ کی پناہ طلب کرلی جائے۔ شیطان سیدھے راستہ پر بیٹھ کر گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

علمی بات: ا۔ قرآنِ حکیم کی تلاوت کے آداب میں سے ایک یہ ہے کہ تلاوت شروع کرنے سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھ لیا جائے۔ شیطان چونکہ غیر محسوس طور پر تلاوت کرنے والے آدمی کی فکر پر اثر انداز ہوسکتا ہے اور تلاوت کے دوران اسے گمراہ کن وسوسوں اور کج فکری میں مبتلا کرسکتا ہے۔ لہٰذا شیطان کی اس وسوسہ اندازی سے اللہ ﷻ کی پناہ طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے جس کے آگے شیطان بالکل بے بس ہے۔ گویا یہ دعا دراصل قرآن حکیم سے صحیح رہنمائی حاصل کرنے کی دعا ہے۔

۲۔ پچھلی آیتوں میں نیک عمل کی فضیلت بیان فرمائی گئی تھی، چونکہ نیکی کے کاموں میں سب سے زیادہ خلل شیطان کے اثر سے پڑتا ہے، اس لئے اس آیت میں اس کا یہ علاج بتایا گیا ہے کہ قرآن حکیم کی تلاوت سے پہلے شیطان مردو سے بچنے کے لئے اللہ ﷻ کی پناہ میں آیا جائے یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھا جائے۔ تلاوت قرآن حکیم کا ذکر خاص طور پر اس لئے فرمایا گیا ہے کہ قرآن حکیم ہی تمام نیک کاموں کی ہدایت دینے والا ہے، لیکن شیطان سے پناہ مانگنا صرف تلاوت ہی کے ساتھ مخصوص نہیں، ہر نیک کام کے وقت پناہ مانگ لی جائے تو ان شاء اللہ شیطانی اثرات سے حفاظت رہے گی۔

آیت نمبر ۹۹: اللہ ﷻ ہی پر بھروسہ رکھنے والے کامل ایمان والوں پر شیطان کا داؤ نہیں چلتا۔

علمی بات: اس آیت میں بالواسطہ طور پر قرآن حکیم پر ایمان لانے والوں کے لئے ضمانت اور ایک تسلی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شیطان کے وساوس اور اس کی چالیں بہت شدید ہیں۔ اس کے مکروفریب، چالوں اور الجھاؤں سے بچنا آسان نہیں لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اللہ ﷻ پر توکل وبھروسہ کرتے ہیں شیطان ان پر غلبہ حاصل نہیں کرسکتا، چنانچہ وقتی طور پر اگر وہ اس کے وسوسہ کا شکار ہوجائیں تو جونہی انہیں احساس ہوتا ہے تو فوراً اللہ ﷻ کی پناہ مانگنا شروع کردیتے ہیں۔

آیت نمبر ۱۰۰: شیطان کا تسلط ان ہی پر ہوتا ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں۔ مراد وہ لوگ جو رحمٰن کی یاد کو فراموش کر دیتے ہیں ایسے لوگ شیطان کی دوستی کے نتیجہ میں شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

علمی و عملی بات: شیطان کا زور انہی لوگوں پر چلتا ہے یہی بات سورۃ الزخرف ۴۳، آیت: ۳۶ میں بیان ہوئی ہے: ”اور جو رحمٰن کے ذکر سے (غافل ہو کر) اندھا بن جائے، ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں تو وہ اس کا ساتھی ہو جاتا ہے۔“ جو شیطان سے دوستی کرتے ہیں۔ جو لوگ کافر و مشرک نہیں لیکن شیطان کی بات مانتے اور اس کی پیروی کرتے ہیں وہ بھی اس کے دوست ہیں۔ جب شیطان کوئی وسوسہ ڈالے تو بندہ کو چاہیئے کہ اس وسوسے کو آگے نہ بڑھنے دے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھ کر اللہ ﷻ کے ذکر میں لگ جائے، اگر شیطان کے وسوسہ کے ساتھ چلتا رہا تو وسوسوں میں اضافہ ہی ہوتا رہے گا اور کبھی بھی جان نہ چھوٹے گی، وضو میں وسوسہ ڈالے گا، ایمان میں شک ڈالے گا، نماز خراب کر دے گا وغیرہ۔

آیت نمبر ۱۰۱: نبوت پر کفار اور مشرکین کے شبہات کی تردید کی گئی ہے۔ اللہ ﷻ کی طرف سے قرآنِ حکیم کے کسی حکم میں تبدیلی کیئے جانے پر مشرکین رسول اللہ ﷺ پر یہ اعتراض کرتے کہ یہ اللہ ﷻ کا کلام نہیں بلکہ اس قرآن کو انہوں نے خود گھڑ لیا ہے (معاذ اللہ)۔ ان کا یہ بہتان درحقیقت جہالت پر مبنی ہے۔ اللہ ﷻ کی ذات حکیم ہے۔ وہ اپنی حکمت کاملہ پر مبنی احکامات عطا فرماتا ہے۔

علمی بات: قرآنِ حکیم کا نزول اللہ ﷻ کی حکمت اور مشیت کے عین مطابق ہوا۔ احکام کی تبدیلی کی اصل وجہ لوگوں کی استعداد، عدم استعداد، تدریج اور بدلتے ہوئے حالات اور واقعات کے تقاضے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی مخصوص حکم کسی ایک دور کے لئے تھا اور پھر بدلے ہوئے حالات میں اس حکم میں تبدیلی کی ضرورت تھی تو یہ سب کچھ اللہ ﷻ کے علم کے مطابق ہوا۔ کسی خاص ضرورت اور حکمت کے تحت ہی کسی حکم میں تبدیلی کی جاتی تھی۔ مگر ایسی تبدیلی کو دیکھتے ہوئے پہلے یوں کہا گیا تھا اب اسے بدل کر یوں کہہ رہے ہیں؟ اگر یہ اللہ ﷻ کا کلام ہوتا تو اس میں اس طرح کی تبدیلی کیسے ممکن تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی اکثریت علم سے عاری ہے۔

آیت نمبر ۱۰۲: روح القدس سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں جن کے ذریعہ قرآنِ حکیم رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک پر نازل فرمایا گیا۔ قرآنِ حکیم سے اہل ایمان میں ثابت قدمی اور ان کے ایمان میں پختگی واقع ہوتی ہے۔ قرآنِ حکیم اہل ایمان کے لئے ہدایت اور بشارت کا ذریعہ ہے۔

علمی بات: اس آیت میں مشرکوں کا قول رد کرتے ہوئے اللہ ﷻ نے فرمایا کہ اے نبی ﷺ! ان کفار سے فرما دیجیئے کہ قرآن حکیم کی ساری آیتیں حضرت روح القدس (جبرائیل علیہ السلام) نے اللہ ﷻ کی طرف سے حق کے ساتھ نازل فرمائی ہیں۔ کسی سابقہ حکم کو بدل کر دوسرا حکم عطا کیا جانا یا سابقہ حکم کا باقی نہ رہنا سب اسی پاک پروردگار عالم کی طرف سے ہیں۔ جو لوگ صاحب ایمان ہیں اللہ ﷻ اور رسول اللہ ﷺ پر ان کا پکا عقیدہ ہے وہ ہر ایک آیت پر ثابت قدم ہیں اور جانتے ہیں کہ قرآن حکیم اللہ ﷻ کا کلام ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ اللہ ﷻ کے سچے پیغمبر ہیں۔ اللہ ﷻ کی طرف سے جیسا پیغام آتا ہے یہ اس کو پہنچا دیتے ہیں۔ اس ثابت قدمی کے سبب یہ صاحب ایمان لوگ روز بروز ہدایت پاتے رہتے ہیں اور آیتوں سے آخرت کے لئے نئی نئی بشارتیں ان کو پہنچتی رہتی ہیں۔

آیت نمبر ۱۰۳: مشرکین مکہ کا ایک اعتراض یہ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ آپ (ﷺ) اس قرآنِ حکیم کو اللہ ﷻ کی جانب سے نہیں بلکہ کسی شخص سے سیکھ کر لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ (معاذ اللہ) ان کے اس بہتان کا جواب دیا گیا ہے کہ جس شخص کی طرف یہ قرآنِ حکیم کو منسوب کرتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے جبکہ قرآنِ حکیم کی زبان صاف عربی ہے۔

علمی بات: ا۔ جس شخص کے بارے میں مشرکین یہ کہتے ہیں کہ وہ آپ (ﷺ) کو قرآن حکیم سکھاتا ہے اس کی تعین میں مفسرین کی آراء مختلف ہیں۔ بعض نے چند مختلف نصرانی عجمی غلاموں کا ذکر کیا ہے جو لوہار تھے اور تلواریں بناتے تھے۔ حضور ﷺ ان کے پاس سے کبھی گزرتے تھے تو یہ لوگ انجیل کی ایک دو باتیں ذکر کیا کرتے تھے۔ کفار ان باتوں کو بنیاد بنا کر اعتراض کرتے تھے۔

بہر حال جس شخص کی طرف یہ منکرین نسبت کرتے ہیں کہ وہ آپ (ﷺ) کو قرآن حکیم سکھاتا ہے، وہ تو عجمی آدمی ہے۔ وہ تو خود عربی زبان میں گفتگو بھی نہیں کر سکتا وہ کسی کو کیا سکھائے گا۔ قرآن حکیم تو نہایت فصیح وبلیغ عربی زبان میں ہے کوئی عجمی اس کی تعلیم کیسے دے سکتا ہے۔ اگر مشرکوں کو ذرا سی بھی عقل ہوتی تو وہ ایسا جھوٹ کبھی نہ بولتے۔ جس پر کوئی بیوقوف آدمی بھی یقین نہ کرے۔

۲۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک عجمی آدمی اعلیٰ عربی زبان میں ایسی حکمت کی باتیں کرے اور آپ ﷺ کو ان کی تعلیم دے۔ مزید بر آں یہ اتنا اعلیٰ کلام ہے جس کی مثال مشرکین کے فصیح وبلیغ افراد بھی پیش نہیں کر سکتے تو یہ شخص خود ہی یہ کلام پیش کیوں نہ کر دیتا بجائے اس کے کہ وہ نبی کریم ﷺ کو سکھاتا اور وہ پیش کرتے اور اس کے مثل لانے کا چیلنج دیتے۔

آیت نمبر ۱۰۴: قرآنِ کریم کو گھڑ لینے کا بہتان وہ لوگ باندھتے ہیں جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے۔ وجہ ضد اور ہٹ دھرمی ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کی دنیا میں رہنمائی نہیں کی جاتی ہے اور قیامت کے دن ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

علمی بات: کھلے دلائل کے باوجود جو شخص یہی بات دل میں ٹھان لے کہ یقین نہیں کروں گا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ بھی اس کو مقصد پر پہنچنے کی راہ نہیں دیتا۔ جتنا سمجھائیے کبھی نہ سمجھے گا۔ بداعتقاد آدمی ہدایت سے محروم رہ کر آخرت میں سخت سزا کا مستحق ہوتا ہے۔

آیت نمبر ۱۰۵: قرآنِ حکیم کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ہونے کے منکر جھوٹے ہیں۔ درحقیقت جھوٹ بولنا خود کفار کی بُری صفت ہے۔

علمی بات: کفار نے حضور اکرم ﷺ پر جھوٹا ہونے کا الزام لگانے کی گستاخی کی تھی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: مَن گھڑت باتیں کرنا اور بہتان باندھنا تو کفار کا شیوہ اور عادت ہے۔ آیت میں مشرکین کا رد ہے، وہ نبی کریم ﷺ کی طرف افترا کی نسبت کرتے تھے کہ ایک عجمی شخص سے کلام سیکھ کر یہ جھوٹ بولتے ہیں کہ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کلام ہے (معاذ اللہ)۔

آیت نمبر ۱۰۶: ایمان لانے کے بعد اگر کسی شخص پر ایسی صورت ہو کہ وہ انتہائی مجبوری کی کیفیت میں ہو۔ جان بچانے کی کوئی راہ نہ رکھتا ہو شدید مجبور ہو کہ جان ہی چلی جائے تو ایسی صورت میں جان بچانے کے لئے صرف زبان سے کلمۂ کفر کہہ دینے کی رخصت اور اجازت ہے۔ تاہم شرط یہ ہے کہ دل ہر حال میں ایمان سے سرشار اور لبریز ہو، یعنی دل ایمان پر مضبوطی سے قائم ہو۔ البتہ محض دنیاوی مفاد کی خاطر اپنے اختیار سے بغیر کسی جبر کے کلمۂ کفر کہنے والا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے عذاب اور اس کے غضب کا مستحق ہے۔

شانِ نزول: یہ آیت حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے حق میں نازل ہوئی۔ ایک دفعہ قریش نے آپ رضی اللہ عنہ کو، آپ کے والد حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اور آپ کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو پکڑا اور اسلام چھوڑنے پر مجبور کیا مگر تینوں نے انکار کر دیا۔ انہوں نے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو دو اونٹوں سے باندھ دیا اور انہیں مخالف سمتوں میں دوڑا کر انتہائی بے دردی اور اذیت کے ساتھ شہید کیا۔ یہ اسلام کی پہلی شہیدہ ہیں، پھر انہوں نے حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کو بھی سخت تکلیفیں پہنچا کر بے دردی سے شہید کر دیا۔ یہ تاریخ اسلامی کے دوسرے شہید ہیں، پھر انہوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو کلماتِ کفر کہنے پر مجبور کیا جو آپ نے بادل نخواستہ زبان سے کہہ دیئے۔ نبی کریم ﷺ سے عرض کیا گیا: یارسول اللہ ﷺ! عمار تو کافر ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہرگز نہیں! "عمار تو سر سے لے کر قدموں تک ایمان سے لبریز ہے، اسلام اس کے خون اور گوشت میں سرایت کیئے ہوئے ہے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ وہاں سے چھٹکارا پا کر روتے ہوئے بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا آپ ﷺ سے عرض کیا۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا: اُس وقت تمہارے دل کی کیفیت کیا تھی؟ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! وہ تو ایمان کے ساتھ مطمئن تھا۔ اس پر نبی کریم ﷺ اس کی آنکھوں سے آنسو پُونچھنے لگے اور فرمایا: "اگر وہ دوبارہ تمہیں مجبور کر کے کفر کہلوانا چاہیں تو تم دوبارہ کہہ دینا۔" (مستدرک حاکم)

علمی بات: ا۔ اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ جس شخص کو کفر پر مجبور کیا جائے حتیٰ کہ اسے جان کا خطرہ لاحق ہو جائے تو وہ اگر زبان سے کفر کی بات کہہ دے جبکہ اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہو گا۔

۲۔ جو لوگ اسلام قبول کرنے کے بعد کسی عارضی تکلیف و مصیبت کی وجہ سے دوبارہ کفر کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ ان کے لئے وعید سنائی جارہی ہے کہ ان پر اللہ ﷻ کا غضب ہو گا اور قیامت کے دن بڑے عذاب میں مبتلا کیئے جائیں گے۔ اس لئے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی۔ البتہ جو لوگ ظلم و ستم سے تنگ آکر جان بچانے کے لئے کفر کا کوئی کلمہ اپنی زبان پر لے آتے ہیں، لیکن دل سے کفر کو قبول نہیں کرتے اور اُن کے دل ایمان پر مضبوطی سے قائم ہوتے ہیں تو اُن کے لئے صرف جان بچانے کی خاطر زبان سے کلمہ کفر کہنے کی گنجائش ہے۔

آیت نمبر۱۰۷: ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرنے کی وجہ دنیا کی محبت میں گرفتار ہو کر اللہ ﷻ اور آخرت کو فراموش کر دینا ہے اور اللہ ﷻ کے یہاں ہٹ دھرم کفار ہدایت کے قابل نہیں۔

علمی بات: عذاب اور غضب الٰہی کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے آخرت کے مقابلہ میں دنیوی زندگی کو عزیز رکھا، دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں ترجیح دی نیز اس وجہ سے کہ اللہ ﷻ ایسے کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ یعنی جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دیں، کفر پر اصرار کریں اور ایمان لانے کے بعد پھر شرح صدر کے ساتھ مرتد ہو جائیں۔

آیت نمبر۱۰۸: ایمان نہ لانے یا ایمان لا کر مرتد ہونے والوں کا دنیا میں انجام بیان کیا گیا ہے۔ ان کے دلوں کانوں اور آنکھوں پر مہر لگا دی جاتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ نہ حق سنتے ہیں، نہ سمجھتے ہیں اور نہ وہ نشانیاں دیکھتے ہیں جو انہیں حق کی جانب لے جانی والی ہیں۔ نفس کی خواہشات پر چلنے والے اللہ ﷻ اور آخرت سے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

علمی بات: ا۔ ان کے دلوں پر مہر لگانے سے مراد یہ ہے کہ اللہ ﷻ اس شخص کو اپنے حال پر چھوڑ دیتا ہے اور جس کو اللہ ﷻ اپنے حال پر چھوڑ دے وہ گمراہی کی تاریکیوں میں چلا جاتا ہے۔ آیت میں مہر لگانے کا سبب ان کے آخرت کے مقابلہ میں حب دنیا کو قرار دیا ہے۔ اس سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ دنیا پرستی سے انسان کے شعور وادراک پر پَردہ پڑ جاتا ہے۔

۲۔ ہٹ دھرموں کے دل و دماغ پر مہر لگ جانے سے ان کے دل و دماغ ماؤف اور ان کے کان و آنکھ وغیرہ بند ہو جاتے ہیں۔ پس نہ یہ حق بات سن سکتے ہیں نہ حق کو دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی حق بات ان کو سمجھ آسکتی ہے۔ ایسے لوگ ایمان کی روشنی دیکھ لینے کے بعد محض دنیوی مفادات کی خاطر جانتے بوجھتے اس سے منہ پھیر لیتے اور آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ اس لئے ایسے لوگ اللہ ﷻ کے قانون اور اس کی سنت کی زد میں آجاتے ہیں۔ ان کے کانوں، آنکھوں اور دلوں، پر ایسے مہر کر دی جاتی ہے کہ پھر یہ لوگ ہدایت کی توفیق سے بالکل محروم ہو جاتے ہیں۔

آیت نمبر۱۰۹: یہ بات یقینی ہے کہ کفار آخرت میں بھی ضرور سزا پائیں گے اور خسارہ میں ہوں گے۔

عملی بات: جو لوگ آخرت کی زندگی اور اس کے تقاضوں سے منہ موڑ کر صرف دنیا کے وقتی فائدوں اور اس کی عارضی لذتوں کو ہی اپنا مقصود بنا لیتے ہیں اور وہ انہی کے لئے جیتے اور انہی کے لئے مرتے ہیں۔ وہی ہیں جن کے لئے آخرت کا وہ ہولناک خسارہ ہے کہ اس جس جیسا دوسرا کوئی خسارہ نہیں ہو سکتا اور جس کے تدارک کی پھر کوئی صورت ممکن نہیں ہو گی۔

آیت نمبر۱۱۰: ان مظلوم اہل ایمان کا ذکر جن پر قریش مکہ نے زندگی تنگ کر رکھی تھی اور جو اسلام پر ڈٹے رہے۔ انہوں نے اللہ ﷻ کے حکم سے ہجرت کی پھر وقت آنے پر کفار سے جہاد بھی کرتے رہے۔ اسی طرح راہِ حق میں آنے والی تکالیف کو صبر کے ساتھ برداشت کیا۔ ان کے لئے رحمتِ الٰہی کا وعدہ ہے۔

علمی بات: ا۔ اس آیت میں فتنہ میں مبتلا ہونے سے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف اشارہ ہے جو مکہ مکرمہ میں کافروں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے۔ پہلے چونکہ کافروں کے برے انجام کا ذکر تھا تو اس آیت میں نیک مسلمانوں کا اجر بھی بیان فرما دیا گیا ہے۔ مکہ مکرمہ میں جن مومنین پر مصائب کے پہاڑ توڑے گئے پھر بھی انہوں نے ہجرت کی اور جہاد بھی کرتے رہے یہاں تک کہ راہ حق میں آنے والی آزمائشوں کے تمام مراحل انہوں نے کمال صبر سے طے کیے، اللہ تعالیٰ انہیں ان کی قربانیوں اور سرفروشیوں کا ضرور اجر دے گا۔ انہیں بخشش عطا فرمائے گا اور ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا۔

۲۔ کفر کے بعد جو بھی شخص ایمان قبول کرے گا، ایمان پر ثابت قدم رہے گا، دارالسلام کو ہجرت کرے گا اور جہاد میں حصہ لے گا تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ ضرور اس کی مغفرت فرما دے گا۔ اسلام کی وجہ سے وہ سب معاصی ختم ہو جاتے ہیں جو زمانہ کفر میں کیئے تھے۔

آیت نمبر ۱۱۱: قیامت کے دن ہر انسان اپنے ہی دفاع کی کوشش کرے گا۔ ہر شخص کو صرف اپنی فکر ہو گی جو اس کو دوسروں سے بے پرواہ کر دے گی۔ تمام لوگوں کو ان کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر ظلم یا زیادتی نہیں کی جائے گی۔

علمی بات: یعنی ایک کی طرف سے دوسرا نہ بول سکے گا۔ ماں، باپ، بہن، بھائی، بیوی، اولاد، احباب و اقارب کوئی جواب نہ دے گا۔ ہر شخص اپنی فکر میں پڑا ہو گا کہ کس طرح اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے عذاب سے خلاصی حاصل کرے۔ طرح طرح کے جھوٹے سچے عذر نجات کے لئے تلاش کیے جائیں گے کہ کسی طرح نجات حاصل کرے۔ کسی کی نیکی کے ثواب میں کمی نہ ہو گی اور کسی کو بدی کی سزا استحقاق سے زائد نہ دی جائے گی۔

آیت نمبر ۱۱۲: بستی سے ایک مراد مکہ مکرمہ ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ ایک عمومی مثال ہے۔ جہاں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے رسولوں علیہم السلام کا انکار و تکذیب ہو گی وہاں ایسے حالات پیدا کیئے جائیں گے۔ بستی کے لوگوں پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے تین خاص انعامات تھے:

ا۔ امن ۲۔ اطمینان ۳۔ کشادہ روزی

انعامات کی ناقدری کی وجہ سے ان کا رزق بھوک میں اور امن و اطمینان خوف میں تبدیل کر دیا گیا۔ لفظ لباس کے استعمال کی وجہ یہ ہے کہ بھوک اور خوف ان پر ایسا مسلط تھا جس طرح لباس بدن کے ساتھ لازم و ملزوم ہوتا ہے۔

عملی بات: مکہ کے کافروں کی مثال دی ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان کو نعمتیں عطا کی تھیں لیکن جب انہوں نے ان نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان پر بھوک اور خوف کا عذاب مسلط کر دیا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اہل مکہ کو بھوک کا لباس پہنا دیا، اس بھوک کی اذیت ان کے اجسام کو پہنچی اور ان کے اجسام کا اس طرح احاطہ کر لیا جس طرح لباس اجسام کا احاطہ کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف دُعاءِ ضَرر کی تھی جس کی وجہ سے ان پر کئی سال قحط طاری رہا، حتیٰ کہ وہ مردار، چمڑہ اور اس کے بال بھی کھا جاتے تھے اور یہ ان کی بداعمالیوں کی سزا تھی۔ یہ بھوک کا لباس ہے اور خوف کا لباس یہ ہے کہ کفار مکہ کو ہر وقت یہ خوف رہتا تھا کہ مسلمان ان پر حملہ کر دیں گے۔

عملی پہلو: تاویل خاص کے اعتبار سے اس مثال میں یقیناً مکہ ہی کی طرف اشارہ ہے مگر اس آیت کی عمومی حیثیت بھی مد نظر رہنی چاہیئے کہ کوئی بستی بھی اس قانونِ خداوندی کی زد میں آسکتی ہے۔ اگر ہم بھی اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیں تو ایسی کئی مثالیں ماضی قریب میں دکھائی دیتی ہیں کہ وہاں کے لوگوں کے لئے امن و امان و وسائلِ رزق کی فراوانی اور خوشحالی کی کیفیت باعثِ کشش تھی، مگر بعد میں دیکھتے ہی دیکھتے وہ خوشحال علاقے وہی نقشہ پیش کرنے لگے جس کی جھلک اس آیت میں دکھائی گئی ہے۔ یعنی کفرانِ نعمت، نافرمانی اور سرکشی کی پاداش میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان لوگوں کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا دیا۔

آیت نمبر ۱۱۳: بستی والوں کی تنبیہ اور اصلاح کے لئے ان ہی میں سے ایک رسول کو بھیجا گیا جنہیں لوگوں نے جھٹلایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے عذاب نے ان ظالموں کو آ پکڑا۔

علمی بات: اہلِ مکہ سے خطاب فرمایا ہے جس کے لئے یہ مثال دی تھی فرمایا: اے اہلِ مکہ! تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آیا ہے جو تمہاری ہی قوم کا ایک عظیم اور کامل فرد ہے جس کے حسب و نسب کو تم پہچانتے ہو اور اس کی گزاری ہوئی زندگی سے تم واقف ہو۔ اس رسول ﷺ نے انہیں بھلائی کا حکم دیا اور برائی سے روکا تو مکہ والوں نے اس کی تکذیب کی اور کہا کہ تم رسول نہیں تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے عذاب نے ان کو گرفت میں لے لیا۔ وہ لوگ بڑے ہی ظالم تھے کہ اپنے لئے ابدی عذاب کا سبب بنے اور دوسروں کو بھی راہِ حق سے روکا۔

آیت نمبر ۱۱۴: کھانے پینے کے بارے میں تین ہدایات:

ا۔ حلال اور طیب کھاؤ۔۔۔ طیب سے مراد شرک اور مال حرام سے پاک ہونا بھی ہے۔ یہی بات سورۃ البقرہ ۲: آیت: ۱۶۸ میں بھی بیان ہوئی ہے۔

۲۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ ۳۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عبادت کرنے کی نیت سے توانائی حاصل کرو۔

ا۔ مشرکین نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی اور اس کے ساتھ شریک بنائے تو اے ایمان والو! اگر تم واقعی صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بندگی کرتے ہو، جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے تو لازم ہے کہ اپنی عقل اور مصلحت کے بل بوتے پر کسی چیز کو حلال یا حرام قرار نہ دو، جیسا کہ مشرکوں نے اپنے پاس سے حلال و حرام کے فیصلے کر رکھے تھے مثلاً بعض جانوروں کو حرام اور مردار اور خون وغیرہ کو حلال کر رکھا تھا جنہیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ پس تم صرف انہی چیزوں کو کھاؤ جنہیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حلال اور طیب قرار دیا ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔

۲۔ یعنی جس کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عبادت کا دعویٰ ہو اسے لائق ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی دی ہوئی حلال و طیب روزی سے فائدہ اُٹھایا کرے اور رب العالمین کا احسان مان کر شکر گزار بندہ بنے۔ حلال کو حرام نہ سمجھے اور نعمتوں سے فائدہ اُٹھاتے وقت حقیقی انعام فرمانے والے کو نہ بھولے۔ بلکہ اس پر اور اس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں پر صدقِ دل سے ایمان لائے اور ان کے احکام و ہدایات کی پیروی کرے۔

آیت نمبر ۱۱۵: چار چیزوں کی حرمت کا بیان ہے۔ یہ ذکر سورۃ البقرۃ آیت: ۱۷۳، سورۃ المائدہ، آیت: ۳ اور سورۃ الانعام آیت: ۱۴۵ میں بھی آیا ہے۔ ا۔ مردار۔ وہ حلال جانور جو ذبح کیئے بغیر طبعی موت مرا ہو۔ ۲۔ بہتا ہوا خون۔ ذبح کرتے وقت جانور کی رگوں سے نکلنے والا خون۔ ۳۔ خنزیر کا گوشت۔ جس کے جسم کا کوئی حصہ حلال نہیں۔ ۴۔ وہ ذبیحہ جس پر ذبح کرتے وقت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کا نام پکارا گیا ہو۔ دو شرائط کے ساتھ مذکورہ اشیاء میں سے کوئی چیز کھا کر جان بچائی جا سکتی ہے جس پر مواخذہ نہیں:

ا۔ کھانے میں نافرمانی نہ کرے بلکہ کھانے والا صحیح معنوں میں مجبور ہو۔ ۲۔ زیادتی نہ کرے، صرف اتنا کھائے جس سے جان بچائی جا سکے۔

علمی بات: یہاں ایک چیز وضاحت طلب ہے وہ یہ کہ ظاہر آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے صرف ان چار چیزوں کو حرام فرمایا ہے، ان کے علاوہ اور کوئی چیز حرام نہیں۔ حالانکہ ان کے علاوہ بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو حرام ہیں مثلاً شراب، درندے وغیرہ۔ اس ضمن میں مفسرین کرام نے بڑی طویل تفصیلات ذکر کی ہیں۔ ان کا حاصل یہ ہے کہ یہ آیت اکثر مفسرین کرام کے نزدیک مکی ہے اور دوسری اشیاء کی حرمت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ تو اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اس وقت تک جو وحی نازل ہوئی۔ اس میں صرف ان چار چیزوں کی حرمت کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے بعد وحی کا سلسلہ جاری رہا اور مختلف اوقات میں حکمِ الٰہی سے اور چیزیں حرام ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ نے کچل کے دانت سے چیر کر کھانے والے ہر شکاری جانور اور پنجوں سے نوچ کر کھانے والے شکاری پرندے کو حرام کر دیا۔ (صحیح مسلم)

آیت نمبر ۱۱۶: حلال اور حرام کا فیصلہ کرنے کا حق صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اذن سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے رسول ﷺ کو ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مرضی کے بغیر کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینا اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے کے مترادف ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والے کی کبھی نجات نہیں ہو گی۔

آیت نمبر ۱۱۷: حلت و حرمت کا خود ساختہ حکم لگانے والوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ دنیا میں تھوڑا بہت فائدہ حاصل کر بھی لیں لیکن آخرت میں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

عملی بات: دنیاوی سازوسامان چند روزہ ہے جو انتہائی قلیل ہے۔ اس کے بعد آخرت کی ابدی حیات ہے۔ بہت ہی برا ہے وہ شخص جس نے متاع قلیل میں کھو کر اتنے بُرے خسارے کا سودا کیا اور آخرت کے تقاضوں کو پس پشت ڈال کر ہمیشہ کے خسارہ کے انتہائی ہولناک گڑھے میں جا گرا۔

آیت نمبر ۱۱۸: کفار و مشرکین کے ایک اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔ ان کا اعتراض تھا کہ جو چیزیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شریعت میں حرام تھی انہیں مسلمانوں نے کیوں حلال کر لیا۔ بتایا گیا ہے کہ یہود پر ان چیزوں کی حرمت ان کی نافرمانیوں اور ان کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حدود کو توڑنے کی وجہ سے ہے۔ ایسا کرنا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ان پر ظلم نہیں تھا بلکہ ان کے اپنے ظلم کی بنا پر تھا۔

علمی بات: اہل ایمان پر انہی چیزوں کو حرام فرمایا گیا جن میں خباثت پائی جاتی تھی اور یہود پر بھی اصل میں یہی چیزیں حرام تھیں جن کا ذکر اسی سورت کی آیت: ۱۱۵ میں فرمایا گیا۔ لیکن انہوں نے جب اپنی بغاوت و سرکشی کی بنا پر کچھ چیزوں کو اپنے اوپر از خود حرام ٹھہرا لیا تو ان کی اس بغاوت و سرکشی کی سزا کے طور پر ان پر ان چیزوں کو حرام ٹھہرا دیا گیا۔ لہٰذا اس طرح انہوں نے اپنی جانوں پر خود ظلم کیا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ایک سنت یہ بھی ہے کہ کوئی قوم اگر کسی معاملہ میں حد سے گزرتی ہے اور سرکش بن جاتی ہے تو سزا کے طور پر اسے حلال چیزوں سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے۔

آیت نمبر ۱۱۹: جہالت اور نادانی کی بنا پر شرک کا ارتکاب کرنے والوں کے لئے خوشخبری سنائی گئی ہے۔ وہ اگر شرک سے توبہ کر لیں اور آئندہ کے لئے اپنی اصلاح کر لیں تو ان کے حال پر رحم کرتے ہوئے انہیں معاف فرما دیا جائے گا۔

علمی بات: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان لوگوں کے حال پر رحم کرتے ہوئے توبہ کا دروازہ کھول دیا کہ جو لوگ اب تک نادانی اور جہالت کی وجہ سے شرک کا ارتکاب کرتے رہے ہیں اور وحی و رسالت اور بعث بعد الموت کا انکار کرتے رہے ہیں، وہ اگر اپنے گناہوں سے توبہ کریں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وحدانیت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور دوبارہ زندہ کیئے جانے پر ایمان لائیں، اپنی نیت اور اپنے اعمال کی اصلاح کریں تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کے حال پر رحم فرمائے گا اور ان کے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔

آیت نمبر ۱۲۰: مشرکین کے دعوے کی سختی سے تردید کی گئی ہے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام باطل کے مقابلہ میں اکیلے ہی ڈٹ گئے تھے۔ وہ اپنی ذات میں ایک امت تھے۔ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مکمل اطاعت کرنے والے اور ہر باطل بات سے بے زار ہو کر صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ وہ مشرکوں میں سے قطعاً نہیں تھے۔ مشرکین مکہ کے اس خیال کی سخت نفی کی گئی ہے۔

علمی بات: حضرت ابرہیم علیہ السلام اپنی ذات میں پوری ایک امت تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک امت کی مجموعی صفات تنہا ان کی ذات میں موجود تھیں اور تن تنہا انہوں نے وہ کام کیا جو پوری ایک امت اور جماعت کرتی ہے۔ نیز "امت" امام کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ جس کے معنیٰ ہیں پیشوا و مقتدا۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک عظیم الشان پیشوا و مقتدا تھے۔ کیونکہ ان کی امامت و پیشوائی پر سب متفق ہیں۔ مسلمان تو ہیں ہی ملت ابراہیمی پر، یہود و نصاریٰ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا مقتدا و پیشوا مانتے ہیں اور مشرکین عرب بھی فخر یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد، ان کی نسل، ان کے وارث اور ان ہی کے پیروکار ہیں۔ لہٰذا آپ کو امام اور پیشوا ماننے والوں پر لازم آتا ہے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صحیح طور پر اور صدق دل سے اتباع اور پیروی کریں۔ تاکہ اس طرح یہ ابراہیمی ہونے کے اپنے دعویٰ میں بھی سچے قرار پائیں اور خود انہی کا بھلا بھی ہو۔

آیت نمبر ۱۲۱: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مزید اوصاف کا بیان ہے کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی فرماں برداری کرتے ہوئے اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے تھے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انہیں دنیا میں اپنے محبوب بندوں میں شامل فرما کر صراط مستقیم کی جانب ہدایت دی تھی۔

علمی بات: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے آپ علیہ السلام کو اس خاص شرف و اعزاز سے نواز دیا تھا جو ان کے لائق تھا۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک

امتیازی شان تھی کہ اللہ ﷻ نے آپ کو اپنا خلیل اور دوست بنالیا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا: اور اللہ نے ابراہیم (علیہ السلام) کو اپنا مخلص دوست بنالیا تھا۔ (سورۃ النساء ۴: آیت ۱۲۵)۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مزید تعریف و توصیف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ وہ اللہ ﷻ کی نعمتوں پر اس کے شکر گزار تھے۔ ان مشرکوں کی طرح نہیں تھے جو اللہ ﷻ کی بخشی ہوئی نعمتوں کو اپنے خود ساختہ اور من گھڑت خداؤں، بناوٹی بتوں کی طرف منسوب کر کے کفران نعمت کا ارتکاب کرتے ہیں۔

آیت نمبر ۱۲۲: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں عزت اور بہت ساری بھلائیاں عطا فرمائی گئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام انبیاء کرام علیہم السلام کے والد اور لوگوں کے پیشوا ہیں۔ آخرت میں بھی وہ نیکوکاروں میں شامل ہوں گے۔

علمی بات: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے دنیا و آخرت میں عظیم الشان انعام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اللہ ﷻ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں بھی نیک نامی، سچی ناموری، نیک اولاد، روزی کی فراخی، امامت و پیشوائی اور نبوت و رسالت جیسے امتیازات سے نواز کر بھلائی عطا فرمائی۔ اسی طرح آخرت میں وہ یقیناً اللہ ﷻ کے قرب خاص میں ہوں گے۔ وہاں آپ جنت میں اپنے اعلیٰ درجات پر فائز ہوں گے۔

آیت نمبر ۱۲۳: رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ تمام اہل ایمان کو ملتِ ابراہیمی کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ملت سے مراد طریقہ، راستہ ہے۔ اصطلاحی طور پر مراد ہے اللہ ﷻ کی طرف سے تجویز کردہ طریقہ، راستہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید خالص کی عملی مثال قائم کی اور ہر باطل بات سے بیزاری کا اعلان کیا۔

علمی بات: ملت کے معنیٰ ایسا طریقہ جسے اللہ ﷻ نے اپنے کسی نبی علیہ السلام کے ذریعہ لوگوں کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔ نبی کریم ﷺ باوجود اس بات کے کہ آپ ﷺ تمام انبیاء کرام علیہم السلام سمیت اولاد آدم کے سردار ہیں، آپ ﷺ کو ملت ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے، جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امتیازی اور خصوصی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اللہ ﷻ کی فرماں برداری اور غیر اللہ سے یکسر لاتعلقی کا اعلیٰ معیار جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قائم کیا تھا اسے اگر آگے بڑھانا تھا تو یقیناً اس کے لئے آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکت اور آپ ﷺ کی عظیم امت کی ضرورت تھی۔ ایسے اصول میں تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعت اور ملت ایک ہی رہی جس میں رسالت کے ساتھ توحید و آخرت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

آیت نمبر ۱۲۴: یہود کے اس دعویٰ کی تردید کہ ہفتہ کے دن کی تعظیم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کا حصہ ہے۔ یہود کی ضد کی وجہ سے ان کے لئے ہفتہ کا دن مقرر کیا گیا تھا۔ ہر امت کو اولاً جمعہ کا ہی دن عطا ہوا تھا۔ (صحیح بخاری)۔ روز قیامت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا پیشوا تسلیم کرنے والوں کے درمیان اختلافات کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

علمی بات: یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین میں جمعہ کے بجائے ہفتہ کا دن عبادت کے لئے مخصوص کیا گیا ہے۔ اس دعویٰ کی بنیاد پر یہودی نبی کریم ﷺ پر الزام لگاتے تھے کہ انہوں نے ہماری مخالفت کی بنیاد پر ہفتہ کا دن چھوڑ کر جمعہ کا دن مقرر کر لیا ہے۔ جس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ ہفتہ کا دن یہودیوں نے اپنی مرضی سے اپنے آپ پر فرض کر لیا ہے۔ اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ ملت ابراہیم میں جمعہ کا دن ہی عبادت کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ اس کی وضاحت سرور دو عالم ﷺ نے اپنے فرمانِ عالی شان سے بھی فرمائی ہے۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "ہم سب امتوں کے بعد دنیا میں آئے، لیکن قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے، فرق صرف یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کو ہم سے پہلے کتاب ملی، پھر یہی جمعہ کا دن ان کے لئے بھی مقرر ہوا تھا، لیکن انہوں نے اس میں اختلاف کیا۔ پھر اللہ ﷻ نے ہم کو یہ دن عنایت فرما دیا، لہٰذا سب لوگ ہمارے پیچھے ہو گئے، یہودیوں کا دن کل (ہفتہ) ہے اور نصاریٰ کا پرسوں (اتوار)۔" (صحیح بخاری)

آیت نمبر ۱۲۵: حق کے داعی کے لئے تین اہم ہدایات کا بیان ہے۔ دعوت دین کے تین طریقے مخاطبین کی قسموں کی بنا پر ہیں:
ا۔ اہل علم اور معاشرے کے ذہین افراد کو حکمت اور دلائل کے ساتھ دعوت پیش کرنا۔ ۲۔ عوام الناس کو پر خلوص انداز سے درد بھرے وعظ کے ساتھ دعوت دینا۔ ۳۔ فتنے اٹھانے اور شکوک و شبہات پیش کرنے والوں سے عمدگی سے بحث کرنا۔
یقیناً گمراہ لوگوں اور ہدایت پر چلنے والوں سے اللہ ﷻ خوب واقف ہے۔
علمی بات: ا۔ ہر دور اور ہر معاشرہ میں لوگوں کی تین سطحیں ہوتی ہیں۔
ا۔ ایک سب سے بلند سطح کے لوگ ہوتے ہیں یعنی ذہین اقلیت (intellectual minority) اسی کو intelligentsia بھی کہتے ہیں۔ یہی brain trust کہلاتا ہے۔ یہ طبقہ اگرچہ قلیل ترین اقلیت میں ہوتا ہے لیکن معاشرہ میں موثر ترین ہوتا ہے۔ یہاں "حکمت" سے مراد دلائل و براہین و دانائی کے ساتھ دعوت دین کو پیش کرنا ہے۔ اگر عوامی سطح پر بات پھیلتی چلی جارہی ہے لیکن معاشرہ کی ذہین اقلیت کو اُس وقت اور اس دَور کی اعلیٰ علمی و فکری سطح پر دعوت پیش نہ کی جاسکے تو معاشرہ بحیثیتِ مجموعی کبھی متاثر نہیں ہو سکتا۔ اجتماعی سطح پر کوئی حقیقی تبدیلی نہیں آئے گی۔
۲۔ دعوت کی دوسری سطح "عوامی" ہے۔ عوام کو دعوت عمدہ وعظ اور دل نشین نصیحت کے ذریعہ دی جائے گی، کیونکہ انہیں کسی دلیل اور حجت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس سطح پر یہ بات نہایت اہم ہے کہ سننے والے یہ محسوس کریں کہ جو وعظ کر رہا ہے وہ مخلص ہے اور ہماری خیر خواہی کے لئے بات کہہ رہا ہے۔ اسے کسی دُنیوی اجر اور صلہ کی ضرورت نہیں ہے۔ جو کچھ یہ کہہ رہا ہے اپنی ذاتی اور نجی زندگی میں اس پر خود بھی عمل پیرا ہے۔ یہ دو چیزیں جمع ہو جائیں، ایک موعظۂ حسنہ اور دوسرے واعظ کا اعلیٰ کردار تو دعوت کی قبولیت کا معاملہ آسان ہو جاتا ہے۔
۳۔ تیسری سطح جو ہر معاشرہ میں موجود ہوتی ہے، وہ ان لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے جو ہٹ دھرم ہوتے ہیں، جو کبھی مان کر نہیں دیتے، جن کے مفادات باطل نظام سے وابستہ ہوتے اگر ان لوگوں کے زہر کا تریاق فراہم نہ کیا جائے تو یہ عوام الناس کو گمراہ کرتے چلے جاتے ہیں۔ مگر اس کے لئے بدکلامی اور بداخلاقی کا رویہ نہیں بلکہ احسن انداز اختیار کرنا ضروری ہے۔ قرآن حکیم جسے مجادلہ کہتا ہے وہ احسن طریق پر محکم دلائل اور برہان کے ساتھ ہونا ضروری ہے۔
علمی بات: ۲۔ ایک داعی اور مبلغ کی ذمہ داری صرف اس قدر ہے کہ وہ حکیمانہ انداز سے، خلق خدا کی ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات سے سرشار ہو کر رضائے الٰہی کے لئے تبلیغ کرے۔ اگر کوئی قبول نہ کرے تو اس کے لئے اسے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ سب کچھ مشیت الٰہی پر موقوف ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے قبول حق کی توفیق عطا فرما دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے محروم و نامراد کر دیتا ہے۔
آیت نمبر ۱۲۶: اہل ایمان کو بدلہ لیتے وقت زیادتی نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ بدلہ لینے میں انصاف کو ملحوظ رکھا جائے لیکن درگزر کرکے صبر کر لینے کا نتیجہ بدلہ لینے سے بہتر ہے۔
شانِ نزول: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اُحد کے موقع پر انصار کے چونسٹھ اور مہاجرین کے چھ آدمی شہید ہوئے تھے۔ ان میں سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے تھے۔ جن کے جسد اطہر کی بے حرمتی کرتے ہوئے کفار نے ان کے کان، ہونٹ، ناک کاٹنے کے ساتھ آنکھیں نکال دیں جس پر انصار نے کہا جب ہمیں کفار پر غلبہ ہوا تو ہم بھی ان کی لاشوں کا مُثلہ کریں گے۔ پھر جب مکہ فتح ہوا تو اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اگر تم بدلہ لینا چاہو تو پھر اتنا ہی بدلہ لے سکتے ہو جتنا تم پر ظلم کیا گیا ہے۔ البتہ صبر کرو گے تو صبر کرنے والوں کے لئے یہ نہایت ہی بہتر بات ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ ہم صبر کریں گے اور انتقام نہیں لیں گے (جامع ترمذی، مسند احمد، مستدرک حاکم)

علمی و عملی بات: اگر کسی مبلغ پر ظلم ہو تو وہ ظلم کا بدلہ لے سکتا ہے لیکن تبلیغ کے میدان میں اگر مبلغ صبر سے کام لے تو یہ بات نہایت ہی مفید ثابت ہوتی ہے۔ جس کی تاریخ اسلام میں ہزاروں مثالیں موجود ہیں۔ طائف میں آپ ﷺ وعظ اور تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ وہاں کے باشندوں نے حضور ﷺ پر کیچڑ پھینکا۔ آوازیں لگائیں، اتنے پتھر مارے کہ حضور سید دو عالم ﷺ لہو سے تر بہ تر اور بے ہوش ہو گئے۔ پھر بھی یہی فرمایا کہ: میں ان لوگوں کی ہلاکت نہیں چاہتا۔ کیوں کہ اگر یہ ایمان نہیں لاتے تو امید ہے کہ ان کی اولاد مسلمان ہو جائے گی۔

آیت نمبر ۱۲۷: رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ مومنوں کو صبر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ صبر وہی کرتے ہیں جنہیں اللہ ﷻ کی طرف سے اس کی توفیق عطا ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو مخالفین کی سازشوں پر اپنے آپ کو غمگین نہ کرنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

علمی بات: عام مسلمانوں کو تو انتقام لینے کی مشروط اجازت دی گئی لیکن اپنے محبوب مکرم ﷺ کو ارشاد فرمایا کہ: اے سراپا جود و کرم! آپ ﷺ اللہ ﷻ کی توفیق سے ہر حالت میں صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہیں۔ آپ ﷺ پر ظلم و ستم کی انتہا ہی کیوں نہ کر دی جائے۔ آپ ﷺ کا شعار عفو در گزر ہی رہے۔ اسلام اور اہل اسلام کے خلاف ان کی سازشوں سے آپ ﷺ دل گیر نہ ہوا کریں۔ اللہ ﷻ خود اسلام کی ترقی کا ضامن ہے۔ وہی کفار کے منصوبوں کو اپنی قدرت کاملہ سے خاک میں ملاتا رہے گا۔

آیت نمبر ۱۲۸: اللہ ﷻ کی مدد ان لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو دو صفات کے حامل ہوں:

ا۔ تقویٰ اختیار کرنے والے۔ ۲۔ عمدگی اور حسن کے ساتھ اعمال صالحہ انجام دینے والے۔

علمی بات: ا۔ جب اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو تقویٰ اور احسان کی صفت سے نواز دیا تو اس کے ساتھ یہ بھی سمجھ لیں کہ اللہ ﷻ کی مدد ہو گی۔ دشمن اپنی چالوں میں کامیاب نہ ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ کافر اپنی چالیں چلتے رہے اور اسلام آگے بڑھتا گیا۔

۲۔ انسان جس قدر اللہ ﷻ کی نافرمانی سے ڈر کر پرہیز گاری اور نیکی اختیار کرے گا، اسی قدر اللہ ﷻ کی امداد و اعانت اس کے ساتھ ہو گی۔ پس ایسے لوگوں کو کفار کے مکر و فریب سے غمگین ہونے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ کفار ایسے متقی لوگوں کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔

مشقوں کے جوابات

سوال ا: خالی جگہیں پُر کریں:

(ا) آیت: ۸۹ میں (ذکر ہے کہ قیامت کے دن ہر اُمّت پر ایک گواہ ان ہی میں سے اٹھایا جائے گا اور رسول اللہ ﷺ کو ان سب پر گواہ بنا کر لایا جائے گا۔

(۲) آیت: ۹۱ میں تلقین کی گئی ہے کہ جب تم قسم کھاؤ تو اُن کو مت توڑو جب کہ تم اللہ ﷻ کو گواہ بنا چکے ہو۔

(۳) آیت: ۹۷ میں بتایا گیا ہے جو اچھا کام کرے مَرد ہو یا عورت جب کہ وہ مومن ہو تو اللہ ﷻ ضرور اسے پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھے گا۔

(۴) آیت: ۱۱۵ میں اللہ ﷻ کی چار حرام کردہ چیزوں کا ذکر ہے۔ تاہم مجبوری میں ان کا استعمال جائز ہو جاتا ہے۔

(۵) آیت: ۱۲۸ میں ذکر ہے کہ اللہ ﷻ کی مدد پرہیز گار اور نیکی کرنے والوں کو حاصل ہوتی ہے۔

سوال ۲: مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجیے:

۱- نویں رکوع کی روشنی میں شہد کی مکھی کے حوالہ سے کم از کم پانچ باتیں تحریر کریں۔

i۔ شہد کی مکھی پہاڑوں پر گھر بناتی ہے۔ ii۔ اس کے علاوہ بیل والے درختوں پر بھی گھر بناتی ہے۔ iii۔ ہر قسم کے پھولوں کا رس چوستی ہے۔ iv۔ ان مکھیوں سے شہد نکلتا ہے وہ مختلف پھولوں کا ہوتا ہے۔ v۔ اس میں لوگوں کے لئے شفاء ہوتی ہے۔

۲- دسویں رکوع میں اللہ ﷻ نے فرماں بردار اور نافرمان بندوں کے لئے کیا مثال بیان کی ہے؟

اللہ ﷻ نے فرماں بردار اور نافرمان بندوں کی یہ مثال بیان فرمائی ہے کہ ایک گونگا ہے وہ کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتا وہ اپنے مالک پر بوجھ ہے۔ مالک اسے جہاں کہیں بھیجے وہ بھلائی لے کر نہیں آتا، جب کہ فرماں بردار عدل کے ساتھ حکم دیتا ہے اور سیدھے راستہ پر ہے۔

۳- گیارہویں رکوع میں بیان کردہ اللہ ﷻ کی نعمتوں میں سے کم از کم پانچ نعمتیں تحریر کریں۔

۱۔ اللہ ﷻ نے انسان کو جسمانی اعضاء جیسے کان آنکھیں دل عطا فرمائے۔ ۲۔ گھروں کو سکون کی جگہ بنایا۔ ۳۔ چوپایوں کی کھالوں سے گھر بنا دیئے یعنی چمڑے کے خیمے۔ ۴۔ اللہ ﷻ نے ہمارے سائے بنائے اور پہاڑوں میں غار تاکہ گرمی سے بچ سکیں۔ ۵۔ جانوروں کے اُون بنائے جس سے لباس بنتے ہیں۔ ۴- تیرہویں رکوع سے وہ آیت تلاش کریں جو جمعۃ المبارک کے خطبہ میں تلاوت کی جاتی ہے اور اس میں دیئے گئے چھ احکامات تحریر کریں۔

آیت: ۹۰ ہے جو جمعۃ المبارک کے خطبہ میں تلاوت کی جاتی ہے اور اس میں دیئے گئے احکامات مندرجہ ذیل ہیں، عدل کرو، احسان کرو، رشتہ داروں کے حقوق ادا کرو، بے حیائی، بُرائی اور زیادتی سے بچو۔

۵- پندرہویں رکوع میں لوگوں کی عبرت کے لئے اللہ ﷻ نے ایک بستی کے ناشکرے لوگوں کی مثال کس طرح بیان کی؟

اللہ ﷻ نے اس بستی کی مثال بیان فرمائی ہے جو پورے امن و اطمینان سے تھی اس کی روزی اس کے پاس بکثرت سے چلی آ رہی تھی۔ پھر اس بستی کے لوگوں نے اللہ ﷻ کی نعمتوں کا کفر کیا تو اللہ ﷻ نے بھوک اور ڈر کا مزہ چکھایا جو ان کے کرتوتوں کا بدلہ تھا۔

سُوۡرَۃُ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ (حصّہ اوّل)

مقاصدِ مطالعہ: اس سورت کے مطالعہ کے بعد طلبہ کو مندرجہ ذیل مضامین سے آگاہی حاصل ہونی چاہیے:

1. آیت: ۱ — سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کے عظیم معجزہ معراج کا تذکرہ، سفر معراج میں اللہ ﷻ کی قدرت کا بیان اور معراج النبی ﷺ کے موقع پر بارگاہِ الٰہی میں نبی کریم ﷺ کی عزت و تکریم کی روشن ترین دلیل۔
2. آیات: ۲ تا ۸ — بنی اسرائیل کا تعارف اور ان کی تاریخ کے چار ادوار کا بیان، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات دینے کا ذکر، بنی اسرائیل کے دوبار تخریب کاری کرنے اور اس کی سزا بھگتنے کا ذکر اور کفار مکہ کو بنی اسرائیل کے انجام سے عبرت حاصل کرنے کی تنبیہ کا بیان۔
3. آیات: ۹ تا ۱۵ — قرآن مجید کی فضیلت اور عظمت کا بیان، قدرتِ الٰہی کی نشانیوں کا ذکر، انسان کے جلد باز ہونے کا بیان، دن رات کے نظام کی حکمت اور تقدیر کی حقیقت کا بیان، نیک و بد عمل انسان کے گلے کا ہار بنا دینے کا ذکر اور انسان کی سعادت و شقاوت اور فلاح و خسران کے اسباب کا تذکرہ۔
4. آیات: ۱۶ تا ۲۲ — بستیوں کی تباہی کے اسباب، طالبین دنیا کا انجام بد اور طالبین آخرت کا انعام، عمل کی مقبولیت کا نیک نیتی اور ایمان کے ساتھ مشروط ہونے کا ذکر، اللہ ﷻ کی دنیاوی عطا و بخشش سب کے لئے عام ہونے کا بیان، دنیا میں لوگوں کے لئے ایک دوسرے پر فضیلت و فوقیت کا بیان اور آخرت کی کامیابی کی اساس عقیدہ توحید پر ہونے کا ذکر۔
5. آیات: ۲۳ تا ۳۱ — اسلام کے اجتماعی زندگی گزارنے کے اعلیٰ اصول و اقدار کا ذکر، والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم، قرابت داروں کے حقوق اور مال خرچ کرنے میں میانہ روی کا حکم فضول خرچی کی مذمت اور چند ممنوعہ امور کا بیان۔
6. آیات: ۳۲ تا ۳۸ — قانونِ قصاص کا تذکرہ، مالِ یتیم کے قریب نہ جانے کا حکم، عہد کی باز پُرسی کا بیان، ناپ تول پورا پورا کرنے کا حکم اور جس چیز کا علم نہ ہو اس میں دخل دینے کی ممانعت کا ذکر۔
7. آیات: ۳۹ تا ۴۴ — مشرکین کی ایک بڑی گستاخی کا ذکر، توحید کی تاکید اور شرک کی تردید، مشرکین کے باطل معبودوں کی حقیقت، مشرکین کی فرمائشیں، منکرین قیامت کے شبہات اور ان کے جوابات، آنحضرت ﷺ کو تسلی دینے کا ذکر اور مشرکین کی ازلی گمراہی کے پردوں اور ان کا حیاتِ اُخروی پر تعجب کرنے کا بیان۔

ربط سورت: ۱۔ سورۃ النحل میں ہجرت کی فضیلت کا ذکر تھا۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ہجرت کے حوالہ سے باقاعدہ دعا کا ذکر ہے۔

۲۔ سورۃ النحل میں ہجرتِ مدینہ سے قبل مشرکین کے ساتھ کشمکش کا بیان تھا۔ سورۃ بنی اسرائیل میں بنی اسرائیل میں سے یہود کا بیان ہے جن سے ہجرتِ مدینہ کے بعد سابقہ پیش آنے والا تھا۔

۳۔ دونوں سورتوں میں معاشرتی ہدایات بھی عطا کی گئی ہیں۔

آیت نمبر ۱: اس آیت میں اللہ ﷻ کی شانِ قدرت اور نبی کریم ﷺ کی عظمت کا بیان ہے۔ اللہ ﷻ نے رات کے ایک قلیل حصہ میں اپنے بندہ سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کے سفر کے ساتھ کائنات کی سیر کرائی۔ یہ واقعہ "معراج النبی ﷺ" کہلاتا ہے۔ یہ سفر رسول اللہ ﷺ کا ایک عظیم معجزہ ہے۔ اس واقعہ میں بنی اسرائیل کو مسجد اقصیٰ کی تولیت سے محروم کرکے یہ اعزاز امتِ محمدیہ ﷺ کو دیئے جانے کا اشارہ

ہے۔مادی و روحانی دونوں اعتبار سے بیت المقدس کی برکتوں سے نوازے جانے کا بیان ہے۔ سفرِ معراج کا اہم مقصد یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ ﷻ سے قربت اور ہم کلامی کا شرف اور اللہ ﷻ کی قدرت کی نشانیاں اور کمالات دکھائے جائیں اور آپ ﷺ کی عظمت و رفعت کا بھی اظہار کیا جائے۔ واقعہ معراج میں آپ ﷺ کے عروج کی طرف بھی اشارہ ہے۔

علمی بات: ا۔ صحیح روایات کے مطابق یہ معجزانہ سفر بیداری کی حالت میں پیش آیا تھا اور اس طرح اللہ ﷻ کی قدرتِ کاملہ کی ایک عظیم نشانی آپ کو دکھائی گئی تھی، یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ یہ واقعہ بیداری کے بجائے خواب میں دکھایا گیا کیونکہ یہ بات صحیح احادیث کے تو خلاف ہے ہی مزید بر آں قرآنِ حکیم کا اسلوب واضح طور پر یہ بتا رہا ہے کہ یہ غیر معمولی واقعہ تھا جسے اللہ ﷻ نے اپنی ایک نشانی قرار دیا ہے۔ اگر یہ صرف ایک خواب کا واقعہ ہوتا تو یہ کوئی غیر معمولی بات نہ ہوتی۔ انسان خواب میں بہت کچھ دیکھتا رہتا ہے، پھر اسے اپنی ایک نشانی قرار دینے کے کوئی معنی نہیں تھے۔

۲۔ اس واقعہ میں رسول اللہ ﷺ کی شانِ عبدیت کو بیان فرمایا ہے۔ عبدیت بہت بڑا مقام ہے۔ اللہ ﷻ کا بندہ ہونا بہت بڑی بات ہے جسے اللہ ﷻ نے اپنا بندہ بنا لیا اور یہ اعلان فرما دیا کہ وہ میرا بندہ ہے اس سے بڑا کوئی شرف نہیں۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ " أَحَبَّ أَسْمَائِكُمْ إِلَى اللهِ عَبْدُ اللهِ وَعَبْدُ الرَّحْمَانِ کہ اللہ ﷻ کو سب سے زیادہ پیارے نام عبد اللہ اور عبد الرحمان ہیں۔ "(صحیح مسلم)

۳۔ دینی برکت یہ ہے کہ وہاں بکثرت انبیاء کرام علیہم السلام مدفون ہیں دنیوی برکت یہ ہے کہ وہاں اشجار، وانہار، و پیداوار کی کثرت ہے اور اس سے خود اس مسجد کا مبارک ہونا بدرجہ اُولیٰ معلوم ہو گیا کیونکہ جب اس کے آس پاس میں بوجہ انبیاء کرام علیہم السلام کے مدفون ہونے کی برکت ہے تو جہاں انبیاء کرام علیہم السلام نے عبادتیں کی ہوں اور وہ انبیاء کرام علیہم السلام کا قبلہ بھی رہا ہو وہ جگہ خود کیسی مبارک ہو گی۔

۴۔ اللہ ﷻ کا اپنے بندہ کو اپنی آیات یعنی عجائبِ قدرت دکھانے سے مراد یہ ہے کہ ایک رات کے قلیل ترین وقت میں مکہ مکرمہ سے بیت المقدس لے جانا، پھر بیت المقدس سے آسمانوں تک لے جانا، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقاتیں کرانا، ان کی امامت کرانا اور راستہ میں دوسرے عجائباتِ قدرت کی سیر کرانا، یہ سب کچھ اللہ ﷻ کی وہ آیات تھیں جن کا مشاہدہ کرانا مقصود تھا۔

نوٹ: واقعہ معراج کی تفصیل مطالعۂ قرآنِ حکیم کی درسی کتاب حصہ پنجم میں "واقعہ معراج النبی ﷺ" ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

آیت نمبر ۲: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا کی گئی جو بنی اسرائیل کے لئے باعث ہدایت تھی۔ تورات کی تعلیمات کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اللہ ﷻ کے سوا کسی کو کارساز نہ بنایا جائے اور اللہ ﷻ کے ساتھ کسی طرح کا بھی شرک نہ کیا جائے۔

عملی بات: رسول اللہ ﷺ کی معراج کے بعد اس کا ذکر فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ بندہ کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی مرتبہ اور کوئی معراج نہیں ہے کہ وہ اپنے تمام مقاصد اور تمام معاملات میں اللہ ﷻ کے سوا کسی اور پر توکل نہ کرے۔ اگر اسے کسی چیز کی طلب ہو تو صرف اللہ ﷻ سے طلب کرے۔ اگر کسی چیز سے پناہ مانگنی ہو تو صرف اللہ ﷻ سے پناہ مانگے۔ اپنی کل اغراض اور مطالب کو اللہ ﷻ کے سپرد کرے اور جب اللہ ﷻ کے سوا اور کسی پر اس کی نظر نہیں ہو گی اور صرف اس کی ذات ہی اس کا مطمع نظر ہو گی تو پھر یہ معنیٰ صادق آئے گا کہ وہ اللہ ﷻ کے سوا کسی کو اپنا وکیل نہیں بناتا۔

آیت نمبر ۳: بنی اسرائیل کے ساتھ دوسروں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اچھی طرح جان لو ناشکری کا نتیجہ بُرا ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل کے آباؤ اجداد حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والے طوفان سے بچ جانے والے لوگ تھے۔ بنی اسرائیل کو حضرت نوح علیہ السلام کی طرح شکر گزاری اختیار کرنے اور آخری رسول سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پر ایمان لے آنے کا حکم دیا گیا ہے۔

علمی بات:- حضرت نوح علیہ السلام بہت شکر گزار بندے تھے۔ وہ مُوَحِّد (اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو ایک ماننے والے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنے والے) تھے اور ان کو جو بھی نعمت ملتی تھی اس کے متعلق ان کو یہ یقین تھا کہ وہ نعمت اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے عنایت فرمائی ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کو بھی ہدایت ہے کہ تم لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ہو، پس تم بھی ان کی پیروی کرو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا کسی کو معبود نہ بناؤ اور اس کے سوا اور کسی پر توکل نہ کرو اور ہر نعمت پر اس کا شکر ادا کرو۔

آیت نمبر ۴: بنی اسرائیل کی سرکشی کے متعلق خبر دیئے جانے کا بیان ہے۔ بنی اسرائیل دو بار سخت سرکشی اختیار کر کے زمین میں فساد پھیلانے کے موجب ہوں گے۔

علمی بات: تورات میں یا کسی دوسری آسمانی کتابوں میں یہ پیشن گوئی کی گئی تھی کہ یہ قوم (بنی اسرائیل) دو مرتبہ ملک میں سخت خرابی پھیلائے گی اور ظلم و تکبر کا شیوہ اختیار کر کے سخت سرکشی کا مظاہرہ کرے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہر مرتبہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے دردناک سزا کا مزہ چکھنا پڑا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کی طرف نازل کردہ کتابوں میں یہ بتلا دیا تھا کہ تم زمین میں دوبارہ فساد کرو گے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حکم عدولی اور انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ دشمنی کرو گے۔ پھر اس کا ردِّ عمل یہ ہو گا کہ میں اپنے زبردست بندے تمہارے اوپر مسلط کروں گا۔ وہ تمہارے گھروں تک پہنچ جائیں گے اور تمہاری آبادی کو تہہ و بالا کر دیں گے۔

آیت نمبر ۵: بنی اسرائیل کی فتنہ انگیزی اور ان پر پہلے عذاب کا بیان ہے۔ سرکشی کے نتیجہ میں ان پر طاقتور اور ظالم بندے مسلط کیئے گئے اور انہیں تباہی سے دوچار کیا گیا۔ مراد بابل کا حکمران بختِ نصر ہے جس کے ذریعہ انہیں سخت عذاب میں مبتلا کیا گیا۔

علمی بات: ا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے یہود پر واضح کیا گیا کہ جب تم لوگ دین سے پھر جاؤ گے، جب تم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کتاب اور اس کے احکام کو ہنسی مذاق بنا لو گے تو تم ضرور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے عذاب کا نشانہ بنو گے۔ چنانچہ ان کے دین سے پھر جانے کے بعد مغربی ایشیا یعنی مشرقِ وسطیٰ کی ایک قدیم سلطنت جس کا نام آشور تھا جسے انگریزی میں Assyria کہتے ہیں، اس کے باسیوں "آشوریوں" اور عراق کے بادشاہ "بختِ نصر" (Nebukadnezar) کے ہاتھوں ان پر عذاب کا کوڑا برسا، جس کے نتیجہ میں دونوں اسرائیلی سلطنتیں ختم ہو گئیں یروشلم مکمل طور پر تباہ ہو گیا، ہیکل سلیمانی (Sulaimani temple) مسمار کر دیا گیا۔ یہود کی بہت بڑی تعداد قتل کی گئی، جب کہ بہت بڑی تعداد کو غلام بنا لیا گیا۔ یہ یہود کی انتہائی توہین و تذلیل کی تصویر ہے۔ اس لئے کہ جب دشمن اتنا زور آور ہو کہ گھروں کے اندر گھس پڑے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے عزت و ناموس ہر چیز کو تاراج کر کے رکھ دیا۔ یہاں صرف اسی پر اکتفا فرمایا ہے اس لئے کہ ذلّت کی تصویر کے لئے یہی کافی تھا لیکن آگے اس بات کا حوالہ بھی آئے گا کہ اس دشمن نے صرف گھروں میں گھسنے ہی پر بس نہیں کی بلکہ بیت المقدس کی حرمت بھی پوری طرح پامال کی۔

۲۔ اس دوران بختِ نصر نے بنی اسرائیل کی بڑی تعداد کو قتل کیا اور بقیہ مَردوں عورتوں اور بچوں کی ایک بڑی تعداد کو جانوروں کی طرح ہانکتا ہوا عراق کے شہر بابل لے گیا جہاں یہ لوگ تقریباً ۱۲۵ سال تک قید کی حالت میں رہے۔ ذلّت و رسوائی کے اعتبار سے یہ ان کی تاریخ کا بدترین دور تھا۔ یہ تھا وہ پہلا فساد جس سے بنی اسرائیل کو متنبہ کیا گیا تھا۔

نوٹ: بنی اسرائیل کی تاریخ اور عروج و زوال کے حوالہ سے مزید تفصیلات مطالعۂ قرآنِ حکیم حصہ پنجم "تاریخ بنی اسرائیل" ملاحظہ فرمائیں۔

آیت نمبر ۶: بنی اسرائیل کو دوبارہ عروج دیئے جانے کا بیان ہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام کے دور کا ذکر ہے۔ اپنی بداعمالیوں پر نادم ہو کر تائب ہونے والے بنی اسرائیل کو دشمنوں پر غلبہ اور مال و اولاد سے نوازا گیا۔ ان کی تعداد میں اضافہ کر کے انہیں طاقتور بنایا گیا۔

علمی بات: بُختِ نصر کی موت کے بعد حالات نے پلٹا کھایا اور بابل کی سلطنت زوال پذیر ہوئی۔ ۵۳۹ق قبل مسیح میں ایران کے بادشاہ سائرس (Cyrus) نے بابل (عراق) فتح کیا۔ سب سے پہلے اس نے یہود کی سلطنت کو بحال کرنے اور یروشلم کے ہیکل کو دوبارہ تعمیر کرنے کا فرمان صادر کیا۔ اور اس کے بعد اس نے بنی اسرائیل کو اپنے وطن واپس جانے اور وہاں دوبارہ آباد ہونے کی عام اجازت دے دی۔ چنانچہ یہودیوں کے قافلے فلسطین جانا شروع ہو گئے اور یہ سلسلہ مُدتوں جاری رہا۔ یہی زمانہ تھا جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کو سو (۱۰۰) سال تک وفات کی کیفیت میں رکھا پھر آپ علیہ السلام کو اس کیفیت سے اُٹھایا جس کا ذکر سورۃ البقرہ کی آیت: ۲۵۹ میں بھی ہے۔

آیت نمبر ۷: بنی اسرائیل کو خطاب کیا گیا ہے کہ اچھے اعمال پر اچھے نتائج ان کے حصہ میں آئیں گے اور بداعمالیوں کے نتائج خود ان ہی کے لئے ہوں گے۔ دوبارسرکشی اختیار کرنے کے نتیجہ میں وعدہ کے مطابق ان پر عذاب بھیجا گیا۔ ان پر ایسے دشمنوں کو مسلط کیا گیا جنھوں نے ان کی قتل و غارت کی۔ ۷۰ عیسوی میں ٹائٹس (Titus) رومی کے ہاتھوں عذاب آیا۔ بنی اسرائیل کے قبلہ "بیت المقدس" کو بھی دشمنوں نے منہدم کر کے اس میں داخل ہو کر اس کی بے حرمتی کی۔

علمی بات: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع سماوی کے چالیس برس بعد 70ء میں ٹائٹس رومی کے ہاتھوں ہیکل سلیمانی مسمار ہوا اور یروشلم میں بڑی کثیر تعداد میں یہودی ایک دن میں قتل کیے گئے۔ گویا دو ہزار برس ہونے کو ہیں کہ ان کا کعبہ گرا پڑا ہے۔ اس کی صرف ایک دیوار دیوارِ گریہ باقی ہے جس پر جا کر یہ رو دھو لیتے ہیں۔

آیت نمبر ۸: دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہود کو سابقہ واقعات سے عبرت حاصل کرنے کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اگر وہ اپنی اصلاح کر لیں تو وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت کے مستحق ہوں گے۔ سرکشی سے باز نہ آنے اور آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے انکار پر ان کا انجام بھی پچھلے لوگوں سے مختلف نہیں ہو گا۔ کفر کی دائمی سزا جہنم کا قید خانہ ہے۔

علمی بات: ۱۔ یہودیوں کی دو ہلاکتیں ہو چکیں۔ اب تیسری مہلت انہیں ملی تھی۔ یعنی دعوتِ حق کے ظہور نے رحمتِ الٰہی کی بخششوں کا دروازہ کھول دیا تھا۔ اگر انکار و سرکشی سے باز آجاتے تو ان کے لئے سعادت و کامرانی تھی۔ لیکن وہ باز نہ آئے تو جس طرح دو مرتبہ نتائج عمل کا قانون اپنی عقوبتیں اور سزائیں دکھلا چکا ہے۔ تیسری مرتبہ بھی ان کو دکھلائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہودیوں نے جس طرح اس مہلت سے فائدہ نہیں اٹھایا تھا جو حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور نے انہیں دی تھی اسی طرح دعوتِ اسلام سے بھی فائدہ نہ اٹھایا اور محرومی و نامرادی کی مہر ہمیشہ کے لئے ان کی قسمت پر لگ گئی۔

۲۔ اس آیت میں "إِنۡ عُدتُّمۡ عُدۡنَا" کے دو لفظوں کے اندر وہ سب کچھ کہہ دیا جو جزائے عمل کے بارے میں کہا جا سکتا ہے عمل اور نتیجہ دو ایسی لازم و ملزوم حقیقتیں ہیں جو کسی حال میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتیں۔ نتیجہ عمل کا سایہ ہے۔ جہاں عمل آیا اس کا سایہ بھی ساتھ آ گیا۔ کسی نے اچھے عمل کی طرف رخ کیا تو اچھے نتائج بھی اس کی طرف آنے لگے۔ اگر کسی نے بُرے عمل کی طرف قدم اٹھایا تو بُرے نتائج کے بھی قدم اُٹھ گئے۔

آیت نمبر ۹: اَقۡوَم کا لغوی معنیٰ ہے سب سے زیادہ درست، بالکل سیدھا اور مستقیم۔ اس کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ وہ راستہ جو منزل مقصود تک پہنچنے میں قریب ہو، آسان اور خطرات سے خالی ہو۔

قرآنِ حکیم کے دو اوصاف کا بیان ہے: ۱۔ تمام معاملات میں سیدھے راستہ کی جانب رہنمائی کرتا ہے۔ ۲۔ قرآنِ حکیم مومنوں کو ان کے نیک اعمال کے انجام کی بشارت دیتا ہے جس کا اصل ظہور آخرت میں ہو گا۔

عملی پہلو: بنی اسرائیل کے عبرت آموز احوال کے بیان کرنے کے بعد اب مسلمانوں کو بتایا جارہا ہے کہ یہ کتابِ ہدایت جو ہم نے انہیں عطا فرمائی ہے۔ یہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں ان ہی اصول و قوانین کی تعلیم دیتی ہے جو ہر لحاظ سے دیگر قواعد و ضوابط سے بہتر، زیادہ مفید اور نفع بخش ہیں۔ اس لئے وہ بے جھجک اپنی انفرادی اور اجتماعی، سیاسی اور معاشی، تمدّنی اور اخلاقی تربیت و ہدایت کے لئے اس سے رہنمائی حاصل کریں۔

عملی پہلو: جو لوگ قرآنِ حکیم کی اس دعوت کو صدقِ دل سے قبول کرتے ہیں اور اس پر راست بازی سے عمل کرتے ہیں تو قرآنِ حکیم ان کو یہ خوشخبری سناتا ہے کہ ان کا کوئی عمل رائیگاں نہیں جائے گا۔ ان کی کوئی محنت بے ثمر نہیں ہوگی بلکہ ان کو اس جدوجہد کا عظیم صلہ دیا جائے گا، جس کی لذتوں سے وہ دونوں جہانوں میں شادکام ہوں گے۔

آیت نمبر ۱۰: اہلِ ایمان کو بشارت کے ساتھ ساتھ قرآنِ حکیم نافرمانوں کو بھی ان کے انجام سے آگاہ کرتا ہے۔ آخرت کے محاسبہ کو تسلیم نہ کرنے والوں کو دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

علمی بات: ایمان سے محروم لوگوں کے لئے بڑے ہی دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی۔ یہ طبعی نتیجہ اور لازمی اثر ہوگا ان کے بُرے اعمال کا۔ یہ ایسے لوگ تھے جو زندگی بھر نورِ حق و ہدایت کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوئے تھے۔

آیت نمبر ۱۱: لوگوں کی ایک عمومی کمزوری کا بیان ہے۔ انسان بعض اوقات جلد بازی میں اچھائی کی جگہ بُرائی کی دعا کر بیٹھتا ہے۔ پھر چاہتا ہے کہ وہ دعا قبول بھی ہو جائے۔ جب کہ اللہ ﷻ کے کاموں میں حکمتیں پوشیدہ ہیں اور اس کا ہر فیصلہ حکمت سے بھرا ہوتا ہے۔

علمی و عملی بات: کافر لوگ جلد بازی میں عذاب کی برائی کو اس طرح مانگ رہے ہیں جیسے وہ کوئی اچھی چیز ہو۔ آنحضرت A سے کہا کرتے تھے کہ اگر ہمیں ہمارے کفر پر عذاب ہونا ہے تو ابھی فوراً کیوں نہیں ہو جاتا؟

عملی پہلو: اللہ ﷻ سے دعا کرتے ہوئے انسان کو کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ جو کچھ وہ اپنے لیے مانگ رہا ہے وہ اس کے لیے مفید ہے یا مضر۔ اس طرح انسان اپنے لیے اکثر وہ کچھ مانگ لیتا ہے جو اس کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے۔ جیسے سورۃ البقرۃ کی آیت: ۲۱۶ میں ہے کہ "ہو سکتا ہے تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہی تمہارے لئے بہتر ہو اور ہو سکتا کہ کسی چیز کو تم پسند کرو اور وہی تمہارے حق میں بُری ہو اور (حقیقتِ حال) اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے"۔ چنانچہ بہتر لائحہ عمل یہ ہے کہ اللہ پر توکل کرتے ہوئے انسان اپنے معاملات اس کے حوالے کر دے کہ اے اللہ! میرے معاملات تیرے سپرد ہیں کیونکہ میرے نفع و نقصان کو تو مجھ سے بہتر جانتا ہے۔

آیت نمبر ۱۲: اللہ ﷻ کی قدرت کی دو نشانیوں رات اور دن کا ذکر ہے اور ان سے حاصل ہونے والے فائدوں کا بیان ہے۔ رات کو تاریک بنایا گیا تاکہ انسان آرام کر سکے۔ دن کو روشن بنایا گیا تاکہ انسان اس کی روشنی میں اپنی روزی تلاش کر سکے۔ دن اور رات کی تبدیلی سے انسان مہینوں اور سالوں کی تعداد معلوم کرتا ہے۔ ہدایت کے حصول کی بنیادی باتوں کی تفصیل بیان کر دی گئی تاکہ انسان صحیح راہ پا سکے۔

علمی بات: ۱۔ رات اور دن کا آگے پیچھے آنا کم اور زیادہ ہونا یہ سب اللہ ﷻ کی قدرتِ کاملہ کے جاننے کے لئے بہت بڑی نشانیاں ہیں۔ انسان عقل سے کام لے، غور و فکر کرے تو ان دونوں کے ذریعہ اللہ ﷻ کی معرفت حاصل کر سکتا ہے۔ رات اور دن کا وجود میں آنا، کم و بیش ہونا، کسی علاقہ میں کسی زمانہ میں رات کا زیادہ ہونا اور کسی علاقہ میں کسی زمانہ میں دن کا زیادہ ہونا سب اللہ ﷻ کے مقرر کردہ نظام کے تحت ہے کسی کو اس میں ذرا برابر بھی دخل نہیں ہے۔ سب اہلِ عقل اس بات کو جانتے اور مانتے ہیں۔

۲۔ قرآنِ حکیم میں ہر شے کے بیان کے ذکر سے مقصود یہ ہے کہ قرآنِ حکیم نے ہدایت کے تمام وسائل سے بحث کی ہے اور وہ تمام چیزیں بیان کر دی ہیں، جن کی ہمیں بطورِ ذرائع رہنمائی کی حاجت ہے۔ یعنی ہر چیز جس کی طرف ہم دین و دنیا کی فلاح حاصل کرنے کے لئے محتاج ہیں اس کو نہایت شرح و بسط سے اس کتاب میں بیان کر دیا گیا ہے۔ شرط یہ ہے کہ ہم قرآنی علوم کے بحر میں غوطہ زن ہونے کے لئے اپنے آپ کو تیار کریں۔ اہل علم کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط کریں اور ان علوم کو حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہیں جو قرآنی معارف و اسرار تک پہنچنے کے لئے ضروری ہو۔

آیت نمبر ۱۳: انسان کے لئے تیار کیئے جانے والے اعمال نامے اور قیامت کے دن ان کے ظہور کا تذکرہ ہے۔ طائر کا لغوی معنٰی پرندہ کے ہیں۔ عرب پرندوں کے ذریعہ اپنا اچھا یا بُرا وقت معلوم کرتے تھے۔ بتایا گیا ہے کہ انسان کی فلاح یا ناکامی شگون سے منسلک نہیں بلکہ اس کے اعمال سے منسلک ہے۔ مکافاتِ عمل لازمی ہے۔ اعمال کے نتائج انسان سے ایسے جڑے ہوئے ہیں جیسے گلے کا ہار۔ انسان کے اچھے یا بُرے اعمال ایک کتاب کی صورت میں محفوظ ہیں جسے وہ روزِ قیامت اپنے سامنے دیکھ سکے گا۔

علمی بات: ۱۔ اہل عرب جب کسی کام کے لئے جانا چاہتے تھے تو درخت کی ٹہنی ہلا دیتے تھے۔ ٹہنی پر بیٹھا پرندہ داہنی طرف کو اُڑ جاتا تھا تو سمجھتے تھے کہ کام ہو جائے گا اسے فال نیک کہتے تھے۔ اگر پرندہ بائیں طرف کو اُڑ جاتا تو کہتے تھے کہ کام نہیں ہو گا اس کو بدفالی کہتے تھے اور اس کی وجہ سے سفر میں جانے سے رک جاتے تھے۔ اپنے کام کے لئے جانے نہ جانے کا مدار انہوں نے پرندہ کے اڑنے کو بنا رکھا تھا اور گویا پرندہ اڑنا ہی باعثِ عمل تھا اس لئے انسان کے اعمال کو آیتِ بالا میں طائر سے تعبیر فرمایا۔

۲۔ وہم پرست لوگوں میں آج تک یہ وہم چلے آ رہے ہیں کہ کسی کام کو نکلے، راستہ میں بلی وغیرہ کوئی جانور خود سامنے سے گزرا تو یقین کر لیا کہ یہ کام نہیں ہو گا اور راستہ ہی سے واپس لوٹ آئے، صبح ہی صبح کسی پرندے کی آواز کانوں میں پڑ گئی تو سارا دن طرح طرح کے اندیشوں کی نظر ہو جاتا ہے۔ زیرِ نظر آیت میں یہی پہلو واضح فرما دیا کہ انسان کی کامیابی اور ناکامی کا انحصار طوطے، کوّے، بلی اور چوہے پر نہیں بلکہ اس کا ان اعمال پر ہے جن کو وہ اپنے اختیار سے بجا لاتا ہے وہی اسے سرفراز کرتے ہیں اور وہی اس کی ذلّت کا سبب بنتے ہیں۔

۳۔ کسی چیز کو گلے میں لٹکانا ایک محاورہ بھی ہے۔ جس کا معنٰی ہے کہ ایسی چیز جس سے انسان کسی صورت میں بھی چھٹکارا نہ پا سکے۔ ممکن ہے کہ عملاً اور حقیقتاً بھی ایسا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کراماً کاتبین کی دستاویزات کے ساتھ اس بات کا بھی التزام رکھا ہو کہ انسان کی گردن کے پاس جسم کا ایسا حصہ ہو جہاں انسان کے اچھے بُرے اعمال خود بخود مرتب ہوتے جا رہے ہوں۔

۴۔ ایسا ہی محسوس ہوتا ہے کہ انسانی جسم کے اندر ہی کوئی ایسا سسٹم لگا دیا گیا ہے جس میں اس کے تمام اعمال و افعال ریکارڈ ہو رہے ہیں اور قیامت کے دن ایک chip کی شکل میں اسے اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ اس chip کے اندر اس کی زندگی کی ساری فلم موجود ہو گی۔ ایک ایک حرکت جو اس نے کی ہو گی، ایک ایک لفظ جو اس نے منہ سے نکالا ہو گا، ایک ایک خیال جو اس کے ذہن میں پیدا ہوا ہو گا اور ایک ایک نیت جو اس کے دل میں پروان چڑھی ہو گی، سب ڈیٹا اور ریکارڈ پوری تفصیل کے ساتھ اس میں محفوظ ہو گا۔ روزِ قیامت اس chip کو کھول کر کھلی کتاب کی طرح اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب

آیت نمبر ۱۴: روزِ قیامت انسان کو اپنے نامۂ اعمال پڑھنے کے لئے کہا جائے گا۔ اسے خود ہی اپنے اعمال کا حساب لگانے اور خود ہی گواہ بننے کا حکم ہو گا۔ انسان خود اپنے اوپر گواہ بھی ہے اور خود سے واقف بھی۔

علمی و عملی بات: روزِ قیامت ہر شخص کے سامنے اس کا اعمال نامہ کھول کر رکھا دیا جائے گا جسے وہ خود پڑھ سکے گا، نامۂ اعمال اس کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا کہ خود پڑھ کر فیصلہ کر لے، جو کام عمر بھر میں کیئے تھے کوئی رہا تو نہیں یا زیادہ تو نہیں لکھا گیا۔ ہر آدمی اس وقت یقین کرے گا کہ ذرّہ ذرّہ عمل بِلا کم و کاست اس میں موجود ہے۔ یعنی اس وقت وہ یہ اعتراف کیئے بغیر نہیں رہے گا کہ اس میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے وہ اس کے اعمال کا بالکل صحیح حساب ہے۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر ایک عقل مند آدمی اپنا احتساب دنیا ہی میں کرتا ہے تا کہ قیامت کے دن اسے پچھتانا نہ پڑے۔

آیت نمبر ۱۵: ہدایت یا گمراہی اختیار کرنا خود انسان کے فائدے یا نقصان کے لئے ہے۔ روزِ قیامت ہر شخص کو اپنے اعمال کا بوجھ خود ہی اٹھانا ہو گا۔ قوموں کی ہلاکت سے پہلے رسولوں کو بھیج کر حجت تمام کر دی جاتی ہے۔

علمی و عملی بات: ہر انسان اپنی ایک مستقل اخلاقی ذمہ داری رکھتا ہے اور اپنی شخصی حیثیت میں اللہ ﷻ کے سامنے جواب دہ ہے۔ اس ذاتی ذمہ داری میں کوئی دوسرا شخص اس کے ساتھ شریک نہیں ہے۔ دنیا میں خواہ کتنے ہی آدمی، کتنی ہی قومیں اور کتنی ہی نسلیں اور پُشتیں ایک کام یا ایک طریق عمل میں شریک ہوں، بہر حال اللہ ﷻ کی آخری عدالت میں اس مشترک عمل کا تجزیہ کر کے ایک ایک انسان کی ذاتی ذمہ داری الگ متعین اور مقرر کر لی جائے گی اور اس کو جو کچھ بھی جزا یا سزا ملے گی، اس عمل کی ملے گی جس کا وہ خود اپنی انفرادی حیثیت میں ذمہ دار ثابت ہو گا۔ اس انصاف کے میزان میں نہ یہ ممکن ہو گا کہ دوسروں کے کیئے کا وبال اس پر ڈال دیا جائے اور نہ یہ ممکن ہو گا کہ اس کے کرتوتوں کا بار گناہ کسی اور پر پڑ جائے۔

علمی بات: یہ اللہ ﷻ کی سنت رہی ہے کہ کسی بھی قوم پر ایسا عذاب جو اُنہیں ملیامیٹ کر دے اور جڑ سے اُکھاڑ پھینکے اُس وقت تک نہیں بھیجا گیا جب تک کہ اس قوم کی ہدایت کے لئے اور حق و باطل کا فرق واضح کر دینے کے لئے کوئی نبی یا رسول مبعوث نہیں کر دیا گیا۔ البتہ چھوٹے چھوٹے عذاب اس قانون سے مشروط نہیں۔ قرآنِ حکیم میں قومِ نوح قومِ ہود قومِ صالح وغیرہ کی مثالیں بار بار بیان کی گئی ہیں جن سے اس اصول کی واضح نشان دہی ہوتی ہے کہ کسی قوم کو عذاب کے ذریعہ اس وقت تک مکمل طور پر تباہ و برباد نہیں کیا جاتا جب تک اللہ ﷻ کا مبعوث کردہ رسول اس قوم کے لئے حق کا حق ہونا بالکل واضح نہ کر دے اور اس سلسلہ میں اس قوم پر اتمامِ حجت نہ ہو جائے۔ یہی مضمون (سورۃ النسآء ۴: آیت: ۱۶۵) میں اس طرح بیان ہوا ہے: "تمام رسول (جنت کی) بشارت دینے والے اور (جہنم کا) ڈرسنانے والے (بنا کر بھیجے گئے) تھے تا کہ لوگوں کے پاس اللہ ﷻ کے ہاں کوئی حجت نہ رہے رسولوں کے آنے کے بعد اور اللہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے۔"

آیت نمبر ۱۶: جس بستی کی ہلاکت مقدر ہو چکی ہو اس کا خوشحال متکبر طبقہ اللہ ﷻ کے احکام کی نافرمانی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ خوشحال طبقہ کے ذکر کا مقصد یہ ہے کہ دین کی مخالفت میں عموماً یہ ہی لوگ پیش پیش ہوتے ہیں پھر دوسرے لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں۔ اس طرح نافرمانی عام ہو جاتی ہے اور پھر وہ قوم مستحق عذاب قرار پاتی ہے۔

علمی بات: ۱۔ "امر" صرف حکم دینے ہی کے معنیٰ میں نہیں آتا بلکہ بسا اوقات کسی کو ڈھیلا چھوڑ دینے اور مہلت دینے کے مفہوم میں بھی آتا ہے۔ اس طرح اللہ ﷻ سرکش لوگوں پر اپنی حجت تمام کر چکنے کے بعد ان کو ڈھیلا چھوڑ دیتا ہے۔ کہ وہ اپنی سرکشی کا پیمانہ اچھی طرح بھر لیں۔ پھر جب وہ اس میں خوب کھل کر اللہ ﷻ کی نافرمانیاں اور بدمستیاں کرتے ہیں۔ پھر ان پر حجت تمام ہو جاتی ہے اور ان کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے۔ تب پھر اللہ ﷻ ان کو پکڑتا ہے اور اس بستی کو تہ و بالا کر کے رکھ دیتا ہے۔

۲۔ یہاں کسی بستی پر عذاب کے نازل ہونے کا ایک اصول بتایا جا رہا ہے کہ کسی بھی معاشرہ میں اس کا سبب وہاں کے دولت مند اور خوشحال لوگ بنتے ہیں۔ یہ لوگ علی الاعلان اللہ ﷻ کے احکام کی نافرمانیاں کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ان کی دیدہ دلیری کے سبب ان کی رسی مزید دراز کی جاتی ہے یہاں

تک کہ وہ اپنی عیاشیوں اور من مانیوں میں تمام حدیں پھلانگ کر پوری طرح عذاب کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ عوام انہیں ان کے کرتوتوں سے باز رکھنے کے لئے کوئی کردار ادا نہیں کرتے بلکہ ایک وقت آتا ہے جب وہ بھی ان کے ساتھ جرائم میں شریک ہو جاتے ہیں اور یوں ایسا معاشرہ اللہ ﷻ کے عذاب کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔ ایسے میں صرف وہی لوگ عذاب سے بچ پاتے ہیں جو نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے رہے ہوں۔

آیت نمبر ۱۷: حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور اس کے بعد دوسری نافرمان قوموں کو ان کے گناہوں کے باعث ہلاک کیا گیا۔ مشرکین مکہ کو تنبیہ کی گئی کہ اللہ ﷻ ان کے گناہوں سے باخبر ہے۔

علمی بات: ۱۔ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طریقہ کا ذکر کیا ہے کہ رسولوں کو بھیجنے کے باوجود جب کوئی قوم نافرمانی اور سرکشی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو ہلاک کر دیتے ہیں، یہی طریقہ ہماری سنتِ جاریہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے پچھلی قوموں مثلاً عاد اور ثمود وغیرہ کے ساتھ بھی یہی طریقہ اختیار کیا تھا۔

۲۔ اللہ ﷻ تمام باتوں کا جاننے والا اور تمام چیزوں کا دیکھنے والا ہے، مخلوق کے احوال میں سے کوئی حال اس پر مخفی نہیں ہے، اس میں نیک بندوں کے لئے عظیم بشارت ہے کہ وہ ان کو ان کی نیکیوں کا اجر عطا فرمائے گا اور کافروں، نافرمانوں کے لئے سخت وعید ہے کہ انہیں ان کے کرتوتوں کی سزا ملے گی۔

آیت نمبر ۱۸: "عاجلہ" سے مراد جلد مل جانے والی چیز یعنی دنیا ہے۔ دنیا کے طلب گاروں میں سے اللہ ﷻ جس کے لئے چاہتا ہے اور جتنا چاہتا ہے دنیا ہی میں دے دیتا ہے۔ لیکن آخرت میں دنیا طلبی کی وجہ سے ایسے لوگوں کے لئے جہنم کا عذاب اور ذلّت و رسوائی ہے۔

علمی بات: ۱۔ یہ ضروری نہیں کہ طالب دنیا کی ہر خواہش پوری کی جائے اور اسے دیا ہی جائے اور جو بھی وہ مانگے اسے وہی دے دیا جائے، ایسا نہیں ہے بلکہ ان میں سے جسے چاہتا ہے اُسے دیتا ہے اور جو چاہتا ہے دیتا ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ محروم کر دیتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ بہت چاہتا ہے اور تھوڑا دیتا ہے، کبھی ایسا کہ عیش چاہتا ہے اس سے تکلیف دیتا ہے، ان حالتوں میں کافر دنیا و آخرت دونوں کے نقصان میں رہا اور اگر دنیا میں اس کو اس کی پوری مراد دے دی گئی تو آخرت کی بدنصیبی و شقاوت بھی ہے۔ بخلافِ مومن کے جو آخرت کا طلب گار ہے اگر وہ دنیا میں فقر سے زندگی بسر کر گیا تو آخرت کی دائمی نعمت اس کے لئے ہے اور اگر دنیا میں بھی فضلِ الٰہی سے اس کو عیش ملا تو دونوں جہان میں کامیاب، غرض مومن ہر حال میں کامیاب ہے۔

۲۔ موجودہ دنیا میں آدمی دو راستوں کے درمیان ہے۔ ایک کا فائدہ نقد ملتا ہے اور دوسرے کا فائدہ ادھار۔ جو شخص پہلے راستہ پر چلے اس نے عاجلہ کو پسند کیا اور جو شخص دوسرے راستہ کو اختیار کرے اس نے آخرت کو پسند کیا۔ گویا ایک خواہش پرستی کا طریقہ ہے اور دوسرا خدا پرستی کا طریقہ۔ پہلا یہ ہے کہ سامنے کی چیزوں کو اہمیت دینا۔ دوسرا یہ ہے کہ غیب کی حقیقتوں کو اہمیت دینا۔ ایک مصلحت پرستی کا انداز اور دوسرا اصول پرستی کا انداز۔ ایک بے صبری کے تحت کر گزرنا اور دوسرا صبر کے ساتھ وہ کرنا جو کرنا چاہیئے۔ پہلے طریقہ میں وقتی فائدہ ہے اور اس کے بعد ہمیشہ کی محرومی۔ دوسرے طریقہ میں وقتی نقصان ہے اور اس کے بعد ہمیشہ کی عزت اور کامیابی۔

آیت نمبر ۱۹: اللہ ﷻ کے ہاں قدر دانی کے لئے تین چیزوں کا بیان فرمایا گیا ہے: ۱۔ ارادہ آخرت، اخلاص اور اللہ ﷻ کی رضا۔

۲۔ ایسی کوشش جو اس کے لائق ہو یعنی سنت کے مطابق ہو۔ ۳۔ ایمان۔ اس کے بغیر کوئی عمل بھی قابل قبول نہیں۔

علمی بات: یہ آیت اس بات کی صراحت کرتی ہے کہ اللہ ﷻ کے نزدیک ان ہی لوگوں کی کوششیں قدر کی مستحق اور مقبول ہوں گی جنہوں نے آخرت کو مقصود یعنی کامیابی کے لئے نصب العین قرار دے کر اس طرح کوشش کی جس طرح کی کوشش کی جانی چاہیئے یعنی ویسی کوشش جو آخرت پر یقین رکھنے والا شخص اس کے حصول کے لئے کر سکتا ہے۔ اس کی یہ طلب صرف زبانی دعویٰ تک محدود نہ ہو بلکہ آخرت کے حصول کے لئے ایسی حقیقی کوشش بھی کرے جیسا کہ کوشش کرنے کا حق ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اہل ایمان میں سے ہو کیونکہ ایمان کے بغیر اللہ کے ہاں بڑی سے بڑی نیکی بھی قابل قبول نہیں ہے۔ نیز قبولیت عمل کے لئے ایمان کے ساتھ اخلاص اور عمل کا سنتِ نبوی ﷺ کے مطابق ہونا ضروری ہے۔

آیت نمبر ۲۰: دنیا کا رزق بلا تفریق سب کو دیا جاتا ہے۔ دنیا امتحان گاہ ہے۔ دنیا میں اللہ ﷻ کی نعمتیں کسی کے لئے بھی روکی نہیں جاتیں۔ آخرت میں نعمتیں صاحب ایمان و عمل لوگوں کے لئے ہوں گی۔

علمی بات: جہاں تک دنیاوی زندگی کا تعلق ہے تو اللہ ﷻ کی رحمت و مہربانی اس کے تمام بندوں کو شامل ہے، چاہے وہ مومن ہو یا کافر۔ وہ دونوں قسم کے لوگوں کو زندگی کے آخری لمحہ تک روزی پہنچاتا ہے، البتہ موت کے بعد دونوں کے احوال مختلف ہو جائیں گے۔ جس کا مقصدِ حیات ہی صرف دنیوی غرض و غایت ہو گا، اسے جہنم کی طرف ہانک کر لے جایا جائے گا اور جو آخرت کا طلب گار ہو گا اسے جنت میں جگہ ملے گی۔ دنیا میں کسی کافر کا کفر اور کسی نافرمان کی نافرمانی اللہ ﷻ کی روزی سے محرومی کا سبب نہیں بنتی۔

آیت نمبر ۲۱: دنیا کی نعمتوں کے معاملہ میں لوگوں کی ایک دوسرے پر برتری کا ذکر ہے۔ یہ فضیلت و برتری اللہ ﷻ کی حکمت و مصلحت کے مطابق ہے۔ دنیا دار الامتحان ہے۔ اصل فضیلت اور درجات تو آخرت کے ہیں کیونکہ وہی اصل زندگی اور دار الجزاء ہے۔

علمی بات: ا۔ اللہ ﷻ دنیا کی نعمتوں کی تقسیم میں اپنی حکمت کی بنیاد پر ایک کو دوسرے پر فوقیت دیتا ہے۔ کسی کو زیادہ دیتا ہے تو کسی کو کم۔ کوئی قوی ہوتا ہے تو کوئی کمزور، کوئی صحت مند ہوتا ہے تو کوئی بیمار، لیکن آخرت تو درجات کے لحاظ سے بھی برتر ہے اور فضیلت کے لحاظ سے بھی۔ وہاں درجات کا تفاوت دنیا کے درجات کے تفاوت سے کہیں زیادہ ہو گا۔

۲۔ دنیا میں کوئی آدمی آگے نظر آتا ہے اور کوئی پیچھے۔ کسی کے پاس زیادہ ہے اور کسی کے پاس کم۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ ﷻ کی دنیا میں مواقع کی کوئی حد نہیں۔ دنیا میں جو شخص جتنا زیادہ عمل کرتا ہے وہ اتنا زیادہ اس کا پھل پاتا ہے۔ اسی طرح آخرت کے لئے جو شخص جتنا زیادہ عمل کا ثبوت دے گا وہ اتنا ہی زیادہ انعام وہاں پائے گا۔ مزید یہ کہ آخرت میں ملنے والی چیز ابدی ہو گی جب کہ دنیا میں ملنے والی چیز صرف وقتی ہوتی ہے۔

آیت نمبر ۲۲: آخرت کے درجات کا انحصار توحید خالص پر ہے۔ لہٰذا اللہ ﷻ کے سوا کسی دوسرے کو معبود نہ ٹھہرایا جائے۔ ایسا کرنے والے ذلیل و رسوا ہی ہوں گے۔

علمی بات: اللہ ﷻ نے توحید پر قائم رہنے کا حکم دیا اور شرک سے دور رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اس لئے کہ جو شخص عبادت میں اللہ ﷻ کے ساتھ غیروں کو شریک کرتا ہے وہ اس کا بدترین بندہ ہوتا ہے اور وہ اسے ان ہی جھوٹے معبودوں کے سپرد کر کے اس کی نصرت و تائید سے اپنا ہاتھ کھینچ لیتا ہے۔ "مذموم" وہ شخص ہے جس کی مذمت کی جائے اور "مخذول" وہ شخص ہے جس کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا جائے اور حمایت، مدد اور نصرت سے محروم کر دیا جائے۔ ایسا شخص دنیا میں ذلیل و خوار ہوتا ہے اور آخرت میں جنت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

آیت نمبر ۲۳: اسلام کی معاشرتی ہدایت اور اجتماعی زندگی گزارنے کے اصولوں کا بیان ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ان آیات (۲۳ تا ۴۰) میں تورات کے دس بڑے احکامات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ ﷻ نے اپنی عبادت کے بعد والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنے کا حکم دیا۔ بڑھاپے کی حالت میں بطورِ خاص والدین کے سامنے اُف تک کہنے اور ان کو ڈانٹنے ڈپٹنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ والدین کے ساتھ ادب و احترام کے ساتھ نرم لہجہ میں بات کرنا چاہیئے۔

احادیثِ مبارکہ کے مطابق: ا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم A نے فرمایا: "رب کی رضا والد کی رضا میں ہے اور رب کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے"۔ (جامع ترمذی)

۲۔ حضرت معاویہ بن جاہمہ سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جاہمہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور عرض کیا: اللہ کے رسول! میں جہاد کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں، اور آپ کے پاس آپ سے مشورہ لینے کے لیے حاضر ہوا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان سے) پوچھا: کیا تمہاری ماں موجود ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" : اُن کی خدمت میں لگے رہو، کیونکہ جنت ان کے دونوں قدموں کے پاس ہے"۔ (سنن نسائی)

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی: لوگوں میں سے حسنِ معاشرت (خدمت اور حسن سلوک) کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں۔ اس نے کہا: پھر کون؟ فرمایا: پھر تمہاری ماں۔ اس نے پوچھا: اس کے بعد کون؟ فرمایا: پھر تمہاری ماں۔ اس نے پوچھا: پھر کون؟ فرمایا: پھر تمہارا والد"۔ (صحیح مسلم)

۴۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: اللہ کے رسول! والدین کا حق ان کی اولاد پر کیا ہے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ دونوں تمہاری جنت بھی ہیں اور جہنم بھی"۔ (ابن ماجہ)

علمی بات: ۱۔ اللہ تعالیٰ نے اوّل تو یہ حکم فرمایا کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو، انبیاء کرام علیہم السلام کی تمام شرائع کا سب سے بڑا یہی حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ کو عقیدہ سے ایک ماننا اور صرف اسی کی عبادت کرنا اور کسی بھی چیز کو اس کی ذات وصفات اور تعظیم وعبادت میں شریک نہ کرنا۔ خداوند قدوس کا سب سے بڑا حکم ہے۔

۲۔ آیت میں دوسرا حکم والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک کا ہے۔ اللہ تعالیٰ خالق ہے، اسی نے سب کو وجود بخشا ہے اس کی عبادت اور شکر گزاری بہر حال فرض اور لازم ہے۔ اس نے چونکہ انسانوں کو وجود بخشنے کا ذریعہ ان کے ماں باپ کو بنایا اور ماں باپ اولاد کی پرورش میں بہت دکھ تکلیف اٹھاتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے حکم کے ساتھ ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے کا بھی حکم فرمایا جو قرآنِ حکیم میں جگہ جگہ مذکور ہے۔ لفظ "حُسنِ سلوک" میں سب باتیں آجاتی ہیں جس کو سورۃ البقرہ ۲، آیت: ۸۳ میں اور سورۃ الانعام ۶، آیت: ۱۵۱ اور یہاں سورۃ الاسراء ۱۷، آیت: ۲۳ میں وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا سے تعبیر فرمایا ہے۔

۳۔ اچھے سلوک سے مراد یہ ہے کہ: ۱۔ والدین کی دل سے عزت کی جائے، ۲۔ ان سے محبت کی جائے، ۳۔ شریعت کے دائرہ میں رہ کر ان کی فرماں برداری کی جائے، ۴۔ بیماری میں ان کی خدمت کے ساتھ ساتھ مناسب علاج و معالجہ کا بندوبست کیا جائے، ۵۔ ان کی ضروریات پوری کی جائیں، ۶۔ ان کی وصیت پوری کی جائے، ۷۔ ان کے وعدے پورے کیئے جائیں، ۸۔ جن لوگوں سے ان کے تعلقات اور رشتے ہیں انہیں نبھایا جائے، ۹۔ ان کے دوستوں کا بھی احترام کیا جائے ان کے ساتھ بھی اچھائی کی جائے۔

۴۔ حضرت ابو اُسید ساعدی بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک انصاری آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کرنے لگا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے والدین کی وفات کے بعد کیا کوئی ایسی چیز باقی ہے کہ اس کے ذریعہ میں ان کے ساتھ نیکی کر سکوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں! چار چیزیں ہیں: ۱۔ ان کے لئے دعائے رحمت و بخشش طلب کرنا۔ ۲۔ ان کے وعدوں کو نبھانا۔ ۳۔ ان کے دوستوں کی عزت کرنا۔ ۴۔ اور ان لوگوں سے صلہ رحمی کرنا جو اُن کی طرف سے رشتہ دار بنتے ہوں، یہ وہ نیک اُمور ہیں کہ جو ان کی وفات کے بعد بھی تجھ پر باقی ہیں۔" (مسند احمد)

۵۔ آیت میں بڑھاپے تک پہنچ جانے کا حوالہ محض اس لئے دیا گیا ہے کہ یہی وقت ہوتا ہے جس میں ان لوگوں کو ماں باپ بوجھ محسوس ہوتے ہیں جو ان کی ان قربانیوں اور جاں فشانیوں کو بھول جاتے ہیں جو انہوں نے ان کے لئے بچپن میں کی ہوتی ہیں۔ لیکن ہر شخص اس بات کو یاد نہیں رکھتا۔ یہ اس بات کی یاد دہانی ہے۔ ورنہ اصل حقیقت یہ ہے کہ والدین ہر دور میں محبت اور احسان کے حق دار ہیں۔

۶۔ماں باپ دونوں یا ان دونوں میں سے کوئی ایک بوڑھا ہو جائے تو ان کو اُف بھی نہ کہو۔ مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی ایسا کلمہ ان کی شان میں زبان سے نہ نکالا جائے جس سے ان کی تعظیم میں فرق آتا ہو یا جس کلمہ سے ان کے دل کو رنج پہنچتا ہو۔

لفظ اُف بطور مثال کے فرمایا ہے، اردو کے محاورہ کے مطابق اس کا ترجمہ یوں بھی کیا جاتا ہے کہ ان کو "ہوں" بھی مت کہو۔ دوسری زبان میں ان کے مطابق ترجمہ ہوگا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: "اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے علم میں کلمہ اُف سے نیچے بھی کوئی درجہ ماں باپ کے تکلیف دینے کا ہوتا تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس کو بھی ضرور حرام قرار دے دیتا۔"

۷۔اُف کہنے کی ممانعت کے بعد یہ بھی فرمایا کہ ان کو مت جھڑکو، جھڑکنا اُف کہنے سے بھی زیادہ بُرا ہے، جب اُف کہنا منع ہے تو جھڑکنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ پھر بھی واضح فرمانے کے لئے خاص طور پر جھڑکنے کی صاف اور واضح لفظوں میں ممانعت فرمادی۔

ماں باپ سے خوب ادب سے بات کرنے اور اچھی باتیں کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لب و لہجہ میں نرمی اور الفاظ میں توقیر و تکریم کا خیال رکھنا یہ سب (قَوْلًا كَرِيمًا) میں داخل ہے۔

آیت نمبر ۲۴: والدین کے ادب و احترام کے ساتھ ان کے سامنے عاجزی اور انکساری اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اتنا سب کچھ کرنے کے بعد بھی ان کا حق ادا کرنا ممکن نہیں۔ والدین کے حوالہ سے دعا سکھائی گئی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے ان پر رحم فرمانے اور ان کی خطاؤں کو معاف فرمانے کی التجا کرنے کا بیان ہے۔ والدین کی زندگی میں بھی یہ دُعا بہت قیمتی ہے اور ان کے انتقال کے بعد بھی۔

علمی بات: "ذُل" کے معنی اطاعت و فرماں برداری کے ہیں۔ جس طرح والدین نے اولاد کو بچپن میں اس طرح اپنے بازوؤں کے نیچے چھپائے رکھا جس طرح پرندہ اپنے بچے کو اپنے پروں کے نیچے چھپائے رکھتا ہے۔ اس کا حق یہ ہے کہ ان کے بڑھاپے میں اولاد بھی انہیں اپنی اطاعت و محبت کے بازوؤں کے نیچے چھپائے رکھے۔ اس اطاعت و فرماں برداری کے ساتھ "مِنَ الرَّحْمَةِ" کے لفظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ اطاعت و فرماں برداری تمام تر محبت، شفقت اور رحمت پر مبنی ہو، اس میں کسی اور منفی جذبہ کو دخل نہ ہو اس لئے کہ ان کی شفقت و محبت کا حق اگر کچھ ادا ہو سکتا ہے تو محبت کے جذبہ ہی سے ہو سکتا ہے۔ بغیر اس جذبہ کے کوئی شخص والدین کا حق ان کے بڑھاپے میں ادا نہیں کر سکتا۔

آیت نمبر ۲۵: کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ والدین کی خواہش پوری کرنا یا ان کا حکم ماننا ممکن نہ ہو۔ نیک نیتی سے والدین کے ساتھ معاملہ کرنے والوں سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ خوب واقف ہے۔ والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک کا معاملہ مجبوراً یا دکھاوے کا نہ ہو بلکہ دل سے ان کے لئے رحمت و عزت کے معاملہ پر ہو ۔اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بخشش اور نعمت نیکی کے حامل لوگوں کے لئے ہے۔

علمی بات: ا۔ بعض اوقات کسی مصلحت یا مجبوری کی وجہ سے اولاد کے لئے والدین کی خواہش پوری کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ اسی طرح بعض اوقات والدین کی خواہش خلافِ شریعت ہوتی ہے جسے پورا نہیں کیا جا سکتا۔ اِس صورت میں اگر والدین کے سامنے عاجزی کے ساتھ اپنی مجبوری کا اظہار کر دیا جائے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف اپنی بے بسی کے ساتھ رجوع کیا جائے تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ جو انسان کی ہر مجبوری کو خوب جانتا ہے، ضرور نیک نیت اولاد کو معاف فرمادے گا۔

۲۔ بڑھاپے میں والدین کی خدمت و محبت اس طرح کرنا جس طرح قرآنِ حکیم نے ہدایت فرمائی ہے کوئی آسان بات نہیں ہے۔ اس میں صرف ظاہری اطاعت ہی مطلوب نہیں ہے بلکہ پاکیزہ قلبی، جذبۂ محبت اور دلی لگاؤ بھی مطلوب ہے۔ اس مشکل کی وجہ سے قرآنِ حکیم نے یہ وضاحت بھی فرمادی کہ اصل مطلوب دلی محبت اور کامل سعادت مندی ہے۔ اگر یہ چیز موجود ہے تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ دلوں کے حال سے خوب واقف ہے۔ اس کیفیت کے ہوتے ہوئے اگر کوئی چھوٹی موٹی اتفاقیہ کوتاہی صادر ہو جائے تو اس کی تلافی توبہ اور رجوع الی اللہ سے ہو سکتی ہے۔ جو لوگ اپنی اس طرح کی

کوتاہیوں پر برابر اللہ ﷻ سے معافی مانگتے رہیں گے تو اللہ ﷻ ان کو معاف فرمادے گا۔ ان شاء اللہ۔

آیت نمبر ۲۶: غریب رشتہ داروں، مساکین اور ضرورت مند مسافروں کی مالی امداد کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ایسا کرنا ان پر احسان نہیں ہے بلکہ اللہ ﷻ کے عطا کردہ مال میں سے ان کے حق کی ادائیگی ہے۔ فضول خرچی کی ممانعت کی گئی ہے۔ تبذیر سے مراد ایسے کاموں پر خرچ کرنا جن کی ضرورت نہ ہو یا ناجائز امور پر خرچ کرنا، چاہے تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔

علمی بات: قرابت والے سے مراد قریبی رشتے دار ہیں، ماں کی طرف سے ہوں یا باپ کی طرف سے، محرم ہوں یا غیر محرم۔ ان کو پہلے اس لئے رکھا کہ ان کو دینے میں دو اجر ہیں، ایک صلہ رحمی کا اور دوسرا صدقہ دینے کا۔ ان کا حق یہ ہے کہ ہر صورت ان سے میل جول اور تعلق قائم رکھا جائے، انہیں دین کی دعوت دینے کا عمل جاری رکھا جائے، ان کی خوشی اور غم میں شرکت کی جائے۔ جب بھی انہیں مدد کی ضرورت ہو حتی الامکان مال و جان سے ان کی مدد کی جائے۔

قرآنِ حکیم نے یہاں "تَبْذِیر" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جس کا لغوی معنٰی ہے "بیج کی طرح بکھیرنا"۔ عام طور سے تبذیر اور اسراف دونوں کا ترجمہ فضول خرچی سے کیا جاتا ہے۔ لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ اگر جائز کام میں خرچ کیا جائے۔ لیکن ضرورت یا اعتدال سے زیادہ خرچ کیا جائے تو وہ اسراف ہے اور اگر مال کو ناجائز اور گناہ کے کام میں خرچ کیا جائے تو وہ تبذیر ہے۔ اس سے حق داروں کے حقوق ضائع ہوتے ہیں اور حرام کا ارتکاب بھی ہو جاتا ہے۔

آیت نمبر ۲۷: ناحق کاموں پر خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان نے اپنے رب کی ناشکری کی تھی۔ فضول خرچی کرنے والے بھی اللہ ﷻ کی عطا کردہ نعمت مال کو غلط راستہ میں خرچ کر کے اللہ ﷻ کی ناشکری کرتے ہیں۔

عملی بات: ۱۔ مال کے فضول خرچ سے مالی طور پر کمزور لوگ احساس کمتری کا شکار ہو کر فساد کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ فساد کے کاموں سے بگاڑ اور جرائم کا راستہ کھلتا ہے جو شیطان کا ایک منصوبہ ہے جس سے وہ اہل ایمان میں بغض اور عداوت ڈالتا ہے۔

۲۔ بے جا خرچ کرنے والوں کو شیطانوں کے بھائی، یعنی شیطانوں کے ساتھی قرار دیا گیا ہے وجہ یہ بیان فرمائی کہ شیطان ہمیشہ اللہ ﷻ کی عطا کردہ نعمتوں اور صلاحیتوں کی ناشکری کرتے ہوئے انہیں غلط جگہ میں خرچ کرتا ہے، اسی طرح جو شخص مالک کے دیئے ہوئے مال کو مالک کی نافرمانی میں خرچ کرتا ہے اس کا بھی یہی حال ہے۔

آیت نمبر ۲۸: اگر کسی وقت حاجت مندوں کو ان کی ضرورت کے مطابق دینے کا انتظام نہ ہو تو انہیں مایوس نہ کیا جائے۔ انہیں نرمی اور ہمدردی کے ساتھ آئندہ سہولت کی امید دلائی جائے۔ اگر کسی وجہ سے حاجت مند سے اعراض کرنا ہو تو سختی نہ کی جائے۔

شان نزول: بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ آیتِ کریمہ ان مساکین کے بارے میں نازل ہوئی جو نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کرتے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ ﷺ کے پاس ان کو فوری دینے کے لئے کچھ موجود نہ ہوتا تو آپ ﷺ ان سے اعراض فرمالیتے اور خاموشی اختیار فرماتے۔

علمی و عملی بات: آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ذریعہ امت کو بھی یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اگر کوئی سوال کرے اور اس کو دینے کے لئے کچھ نہ ہو، تلاش رحمت خدا (رزق) میں مصروف ہوں تو نفی میں جواب دیتے ہوئے اخلاقی قدروں کا پاس کرنا ضروری ہے۔ اگر سائل کو دینے کے لئے کچھ نہ ہو تو نرم کلامی کے ساتھ اس کو جواب دیں۔ کیونکہ مادی قدروں سے انسانی قدریں کہیں زیادہ اہم ہیں: "اچھی بات کہنا اور درگزر کرنا ایسے صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد (سائل کو) ایذاء پہنچے اور اللہ بے نیاز بڑا حلم والا ہے۔" (سورۃ البقرۃ: ۲، آیت: ۲۶۳) مطلب یہ ہے کہ کسی حق دار کی مدد سے مجبوراً اعراض

کرنا پڑے اور توقع ہو کہ مستقبل میں حالات بہتر ہو جائیں گے تو اس کی دل داری کی جائے اور آئندہ کے لئے اچھے وعدہ کے ساتھ رخصت کر دیا جائے۔

آیت نمبر۲۹: مال و دولت خرچ کرنے کے عمومی آداب بیان کیئے گئے ہیں۔ بخل سے کام نہ لیا جائے کہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضرورت پر بھی خرچ نہ کرے اور لوگ ملامت کرنے لگیں۔ "محصور" اس جانور کو کہتے ہیں جو چل چل کر تھک چکا ہو اور مزید چلنے سے عاجز ہو۔ خرچ کرنے میں اتنی زیادتی بھی نہ کرلے کہ کچھ بھی باقی نہ رہے اور انسان تھکا ماندہ عاجز بن کر رہ جائے۔

علمی و عملی بات: ہاتھ باندھنا بخل اور اسے کھلا چھوڑنا فضول خرچی کی طرف اشارہ ہے۔ یہ آیت سابقہ آیات میں موجود احکام کا خلاصہ اور نتیجہ ہے کہ انفاق کے بارے میں نہ تو بخل کرنا چاہیئے، نہ ہی اسراف و تبذیر۔ دونوں صورتوں میں انسان ملامت کا نشانہ بنتا ہے۔

آیت نمبر۳۰: اہل ایمان کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر ان کے پاس وسائل اور رزق کی فراہمی نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ ﷻ کے یہاں ان کا مقام نہیں ہے۔ کسی کے حالات کو بدل دینا ذمہ داری نہیں بلکہ مقدور بھر حاجت مند کی مدد کرنی چاہیئے۔

رزق کی کمی و بیشی کا تعلق اللہ ﷻ کی حکمت و مصلحت سے ہے۔ اللہ ﷻ ہر ایک کے حالات اور طرزِ عمل سے خوب واقف ہے۔

علمی بات: ۱۔ اللہ ﷻ جس کے لئے چاہتا ہے وسائل رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے وسائل رزق تنگ کر دیتا ہے۔ لہٰذا رزق کی کمی یا بیشی اللہ ﷻ کی مرضی پر منحصر ہے جس کی اصل حکمت تو صرف وہی بہتر جانتا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جس کے پاس زیادہ رزق ہے اس سے اللہ ﷻ راضی ہے اور جس کے پاس کم رزق ہے اس سے اللہ ﷻ ناراض ہے بلکہ اللہ ﷻ تو اس سے راضی ہوتا ہے جو اس کی اطاعت کرے خواہ وہ امیر ہو یا غریب۔

۲۔ رزق کی کشادگی اور ایک اندازہ سے محدود رکھنا بندوں کی استعداد اور اللہ ﷻ کی حکمت کے مطابق ہے۔ کسی کے رزق میں بعنوان رحمت، کشادگی یا تنگی فرماتا ہے۔ کسی کے رزق میں بعنوان عذاب وسزا کشادگی فرما کر اسے دنیا میں ہی سب کچھ دے دیتا ہے اور آخرت میں اسے ہر چیز سے محروم کر دیتا ہے۔

آیت نمبر۳۱: زمانہ جاہلیت کی ایک ظالمانہ عادت، اولاد کو قتل کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ غربت کے ڈر سے اولاد کو قتل کرنا دراصل اللہ ﷻ کو رازق نہ ماننے کی دلیل ہے۔ جس طرح لوگوں کو رزق دیا جاتا ہے اسی طرح ان کے اولاد کا رزق بھی اللہ ﷻ کے ذمہ کرم پر ہے۔ درحقیقت اولاد کو قتل کرنا بہت ہی بڑا جرم ہے۔ مسئلہ رزق کی کمی کا نہیں۔ بلکہ ظالمانہ نظام اور غیر منصفانہ تقسیم دولت اور وسائل کا ہوتا ہے۔

علمی بات: زمانہ جاہلیت میں بعض مشرکین رزق میں کمی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے اور بعض عار کی وجہ سے اپنی بیٹیوں کو قتل کر دیتے تھے۔ اللہ ﷻ نے اس کو حرام فرمایا۔ اہل عرب کے امراء اپنی چھوٹی بچیوں کو اس لئے زمین میں زندہ گاڑ دیتے تھے کہ کوئی ان کا داماد نہ بنے اور ان کی شان و شوکت میں کوئی فرق نہ آئے۔ البتہ چونکہ عرب کے اکثر لوگ غریب اور خانہ بدوش تھے، ان کا خیال تھا کہ جب ہم اپنا پیٹ بھرنے کے لئے مشکلات کا شکار ہیں تو اولاد کی خوراک کا انتظام کہاں سے کریں گے، اس لئے معاشی بدحالی کے باعث اکثر لوگ اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے۔ اس آیت میں انہیں بتایا جارہا ہے کہ قتل ناحق بہت بڑا گناہ ہے اور تم مفلسی کے ڈر سے اولاد کو قتل نہ کرو کیونکہ ساری مخلوق کا حقیقی رازق اللہ ﷻ ہے اور وہ جس طرح تمہیں رزق دیتا ہے اسی طرح وہ تمہاری اولاد کو بھی رزق دے گا۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: سب سے بڑا کون سا گناہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

(سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ) اللہ ﷻ کے مثل دوسروں کو قرار دو، باوجود اس کہ اللہ ﷻ ہی نے تجھے پیدا کیا ہے، میں نے عرض کیا: یہ بے شک بڑا گناہ ہے اس کے بعد کون سا گناہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی اولاد کو خود قتل کرنا اس اندیشہ سے کہ وہ تیرے ساتھ کھانے میں شریک ہو جائے گی۔ (متفق علیہ)

آیت نمبر ۳۲: صرف زنا ہی نہیں بلکہ وہ تمام ذرائع جو زنا کی طرف لے جائیں ان کی بھی ممانعت کی گئی ہے۔ ایسے اسباب ہی فراہم نہ کیئے جائیں جو زنا کا باعث بنیں۔ زنا کھلی بے حیائی ہے۔ فطرت انسانی اصلاً اسے گوارا ہی نہیں کرتی۔ زنا انتہائی بُرا راستہ ہے۔ جس سے خاندانی نظام اور معاشرہ برباد ہو جاتا ہے۔

علمی بات: ا۔ زنا ایک ایسا عمل ہے جس میں مرد اور عورت کا بغیر نکاح صحبت و مباشرت کا معاملہ ہوتا ہے۔ کسی عورت کا مرد کے ساتھ یا کسی مرد کا عورت کے ساتھ ایک دوسرے کی اجازت سے جنسی تعلق قائم کرنے کو "زنا بالرضا" کہتے ہیں۔ جبکہ کسی ایک کا دوسرے کے ساتھ زبردستی جنسی تعلق قائم کرنے کو زنا بالجبر کہا جاتا ہے۔ دینِ اسلام کی تعلیمات کے مطابق دونوں صورت میں یہ زنا ہی ہے جو حرام ہے۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کا ایک خواب مروی ہے (حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا خواب ہمیشہ سچا ہوتا ہے) جس میں بہت سی چیزوں کا تذکرہ ہے ان میں ایک بات یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کا گزر ایک ایسے سوراخ پر ہوا جو تنور کی طرح تھا۔ اس میں جب جھانک کر دیکھا تو اس میں ننگے مرد اور ننگی عورتیں نظر آئیں ان کے نیچے سے آگ کی لپٹ آتی تھی جب وہ لپٹ اوپر آتی تھی تو وہ چیختے چلاتے اور فریاد کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے دریافت فرمایا (جن میں ایک جبرائیل علیہ السلام اور ایک میکائیل علیہ السلام تھے) یہ کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ زناکار مرد اور زناکار عورتیں ہیں۔ (صحیح بخاری)

۲۔ آیت میں یہ حکم نہیں دیا گیا کہ " زنا نہ کرو" بلکہ فرمایا گیا "زنا کے قریب بھی مت جاؤ"۔ گویا زنا کے اُن تمام راستوں کو بند کرنے کا حکم ہے جو زنا کی طرف لے جاتے ہیں۔ جیسے مکانات کی خاص طرز تعمیر کہ زنانہ حصّہ الگ اور مردانہ حصّہ الگ ہو۔ ایسی محافل اور تقریبات کی حوصلہ شکنی جس میں مخلوط اجتماع کا امکان ہو۔ گھر سے باہر باپردہ ہو کر نکلنے کے ساتھ خاتون نامحرم شخص سے بے جا نرمی یعنی لچک سے بات نہ کرے بلکہ گفتگو میں قدرے سخت، باوقار، سنجیدگی اور متانت کا لہجہ ہو۔ گھر کے اندر بھی مرد و خواتین نگاہوں کو نیچا رکھیں اور بلا اجازت گھر میں داخل نہ ہوں۔ جنسی جذبہ میں ہیجان پیدا کرنے والے تمام امور جیسے شراب نوشی، رقص و موسیقی، فحش لٹریچر، عریاں تصاویر، بیہودہ فلمیں ڈراموں وغیرہ پر مکمل پابندی ہو۔ اس کے علاوہ نکاح کو آسان کرنا چاہیئے اور اسے بے جا رسومات سے پاک کرنا چاہیئے جو حیا کی حفاظت اور زنا کے سدباب کا موئثر ذریعہ ہے۔ یہ ساری اسلامی معاشرت کی نمایاں و امتیازی خصوصیات اور تعلیمات ہیں جن سے اس برائی کا قلعہ قمع ہو جاتا ہے۔

۳۔ زنا نسب کے خلط ملط ہونے اور بالآخر نسل انسانی کی تباہی کا سبب بن سکتا ہے۔ زنا وہ بدترین فعل ہے جو فطرتِ سلیم، عقل اور شریعت یعنی ہر اعتبار سے گناہ عظیم ہے اور معاشرہ پر اس کے نہایت خطرناک اور بُرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مسلمان مردوں اور عورتوں کی عزت محفوظ نہیں رہتی۔ ان کا نسب اور ان کی نسل خطرہ میں پڑ جاتی ہے اور پاک وصاف معاشرہ اخلاقی انارکی کا شکار ہو جاتا ہے، جو اس فعل بد کا مرتکب ہوتا ہے اللہ ﷻ کے فرمان کے مطابق آخرت میں اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ زنا بے حیائی کا بدترین راستہ ہے۔ اس راستہ پر چل کر آدمی کا مال، عزت، یہاں تک کہ قتل وغارت کے واقعات بھی رونما ہوتے ہیں۔ یہ ایسا بُرا راستہ ہے کہ آدمی کے کردار پر ہمیشہ کے لئیے بدنما دھبہ لگ جاتا ہے۔ زنا ہر قسم کی زیادتی اور بے حیائی کو فروغ دیتا ہے۔ ان بُرائیوں کی وجہ سے حکم دیا ہے کہ زنا کے قریب نہ بھٹکنا کیونکہ یہ سراسر بے حیائی اور بُرائی کا راستہ ہے۔

آیت نمبر ۳۳: کسی بھی جان کو ناحق قتل نہ کیا جائے سوائے حق کے۔ حق سے مراد وہ چند صورتیں ہیں جس میں انسانی جان کے قتل کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً قاتل کا قصاص میں قتل، مرتد کا قتل، شادی شدہ زانی کی رجم کی سزا وغیرہ۔ قتل کیئے جانے والے کے ورثا کو قصاص کا حق دیا گیا ہے۔ کسی بھی طریقہ سے اس حق یا اختیار کا ناجائز استعمال کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ مثلاً تڑپا کر یا جلا کر مارنا وغیرہ۔ مقتول کے ورثا کی مدد کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ قصاص میں قتل کی سزا نافذ کرنا حکومت کا منصب ہے۔ عوام میں سے کسی شخص کو قتل کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

علمی بات: ۱۔ حرمتِ عزت کے بعد اب حرمتِ جان کا ذکر ہے۔ انسانیت مل جل کر رہنے اور ایک دوسرے کی جان، مال اور عزت کی حفاظت کرنے کا نام ہے۔ انسان پر اپنی اور کسی دوسرے کی جان لینا حرام ہے۔ خودکشی کی ممانعت بھی اِسی آیت سے ثابت ہے۔ جس معاشرہ میں انسانی جان محفوظ نہ ہو وہ معاشرہ "انسانی معاشرہ" کہلانے کا حق دار نہیں۔ قتلِ ناحق تمدّن کی جڑ پر تیشہ چلانے کے مترادف ہے۔ اِسی لئے سورۃ المائدۃ ۵، آیت: ۳۲ میں فرمایا: " جس نے کسی جان کو بغیر کسی جان (کے بدلہ) یا زمین میں بغیر فساد مچانے کے قتل کیا تو گویا اُس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی ایک جان کو بچایا تو گویا اُس نے تمام انسانوں کو بچالیا۔

۲۔ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو ناحق جان بوجھ کر یا غلطی سے قتل کر دے تو شریعت نے اس حوالے سے قصاص، دیت (خون بہا) اور کفارہ کے تفصیلی احکامات دیئے ہیں۔ نیز دیت (خون بہا) کی اصل مقدار فقہائے کرام کے نزدیک 100 اونٹ یا اس کی رقم کے برابر ہے۔ اگر مقتول کا ولی چاہے تو دیت کے بغیر معاف کر دے۔ "سلطٰنا" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ﷻ کی طرف سے مسلم حکمران پر لازم ہے کہ وہ اسے ان تینوں باتوں کا اختیار دے، پھر اگر وہ قصاص لینا چاہے تو اسے قصاص دلوائے، اگر قاتل یا اس کے ساتھی مزاحمت کریں تو شریعت کی بغاوت پر ان سے جنگ کرے۔ یہ قصاص معاشرہ میں سے قتل ناحق کو ختم کرنے کا واحد طریقہ ہے۔ آج معاشروں میں بدامنی اور بے شمار قتل قصاص نہ ہونے ہی کی وجہ سے ہیں۔

۳۔ قصاص لیتے وقت قتل میں زیادتی یہ ہے کہ قاتل کے بجائے کسی اور کو قتل کر دے، یا قاتل کے ساتھ انہیں بھی قتل کرے جو قتل میں شریک نہیں ہیں، یا قتل سے پہلے مُثلہ کرے، یعنی اس کے اعضا کاٹے یا مختلف طریقوں سے تکلیف دے دے کر مار دے۔ اس میں صرف یہ استثنا ہے کہ قاتل نے جس طریقہ سے قتل کیا ہے اس طریقہ سے اسے قتل کر سکتا ہے۔ مسلم حکومت اور تمام مسلمان اس کی مدد کریں گے، ان سب پر اس کی مدد لازم ہے، بلکہ اللہ ﷻ بھی دنیا اور آخرت میں اس کی نصرت فرمائے گا۔

آیت نمبر ۳۴: یتیم کے مال میں بے جا تصرف کرنا حرام ہے۔ یتیم کے مال کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔ یتیم کے شعور کی عمر کو پہنچنے تک اس کے مال کو اس طریقہ سے استعمال کیا جائے جس میں اس کا فائدہ ہو۔ عہد سے وہ میثاق مراد ہے جو اللہ ﷻ اور بندے کے درمیان ہے اور وہ عہد بھی جو انسان آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہیں۔ عہد کو پورا کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ عہد کو توڑنے کی صورت میں باز پرس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

علمی بات: ۱۔ یتیم کے رشتہ داروں اور خاص طور پر اس کے سرپرستوں کو خطاب ہو رہا ہے کہ اگر یتیم کو اپنے مرحوم باپ سے میراث میں کوئی مال ملا ہو تو اسے امانت سمجھو اور اس میں وہی تصرف تمہارے لیے جائز ہے جو یتیم کے حق میں فائدہ مند ہو، کوئی ایسا کام جائز نہیں جس میں اس کو نقصان پہنچ جائے۔ اور یتیم جب بالغ ہو جائے اور اسے اتنی سمجھ آجائے کہ وہ اپنے نفع نقصان کو خود سمجھنے لگے تو اس وقت اس کا مال اسی کے حوالے کر دینا واجب ہے۔

۲۔ وعدہ کر کے اس کو توڑنا اسلام کی نظر میں بڑا معیوب ہے حضور ﷺ نے وعدہ شکنی کو منافقت کی تین علامتوں میں سے ایک علامت قرار دیا ہے اس لئے یہاں ایفائے عہد کی تاکید کی جارہی ہے اور بتایا جارہا ہے کہ یہ معمولی بات نہیں بلکہ اگر تم نے اس میں سستی کی تو تم سے باقاعدہ باز پرس ہوگی۔ خواہ اللہ ﷻ سے عہد کیا ہو یا پھر رسول اللہ ﷺ سے یا استاد سے یا کسی قرابت دار عزیز سے یا اجنبی سے اس میں ہر جائز عہد داخل ہے۔

آیت نمبر۳۵: ناپ تول میں کسی قسم کی کمی کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ کسی چیز کی لین دین بذریعہ وزن ہو تو صحیح ترازو کے ساتھ پورا وزن کیا جائے ۔ناپ تول پورا دینے سے دنیا میں انجام کے اعتبار سے اور آخرت میں اجر و ثواب کے لحاظ سے بہتر ہے۔

علمی و عملی بات: قرآنِ حکیم کی یہ ایک اہم معاشرتی ہدایت ہے کہ ناپ اور تول میں کمی نہ کی جائے۔ سورۃ المطففین کی ابتدائی آیات میں ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے شدید وعید بیان ہوئی ہے اور اِس جرم کو آخرت پر یقین نہ ہونے کی علامت قرار دیا گیا ہے۔

۲۔اِس آیت میں ہدایت تو اشیاء کے ناپ تول کے حوالہ سے ہے لیکن وسیع ہدایت یہ ہے کہ انسان جس پیمانے کو اپنے لئے پسند کرے وہی پیمانہ دوسرے کے لئے بھی استعمال کرے۔ انسان کو لینے اور دینے کے باٹ یکساں رکھنے چاہئیں۔

۳۔ناپ تول صحیح اور برابر کرنے کے متعلق دو باتیں بیان کی گئی ہیں۔ایک اس کا خیر (بہتر) ہونا۔اس کا حاصل یہ ہے کہ ایسا کرنا اپنی ذات میں اچھا اور بہتر ہے شریعت کے علاوہ عقلی اور طبعی طور پر بھی کوئی شریف انسان ناپ تول کی کمی کو اچھا نہیں سمجھ سکتا۔ دوسری بات یہ فرمائی کہ انجام اس کا بہتر ہے۔ انجام میں آخرت کا انجام اور حصول ثواب و جنت تو داخل ہے ہی، اس کے ساتھ دنیا کے انجام کی بہتری کی طرف بھی اشارہ ہے کہ کسی تجارت کو اس وقت تک فروغ نہیں ہو سکتا جب تک بازار میں اس کی ساکھ اور اعتبار قائم نہ ہو اور وہ اس تجارتی دیانت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ دغابازی زیادہ وقت تک نہیں چل سکتی پھر لوگ خبر دار ہو کر اس سے معاملہ نہیں کرتے۔ اور پورا حق دینے والا سب کو بھلا لگتا ہے۔ اللہ ﷻ اس کی تجارت کو خوب ترقی عطا فرماتا ہے۔

آیت نمبر۳۶: کسی ایسی بات کو قبول کرنے کی ممانعت جس کے لئے کوئی علمی دلیل نہ ہو۔ فکر اور عمل کے لئے علمی دلیل اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ توہمات، بے جا رسومات اور تصورات کی نفی کی گئی ہے۔ آنکھ، کان اور دل کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا کیوں کہ یہ تینوں اعضاء علم کے ذرائع ہیں۔ ان اعضاء کے استعمال کے حوالہ سے بھی روزِ قیامت باز پرس ہو گی۔

علمی بات: اسلامی فلاحی معاشرہ کے قیام کے سلسلے میں ایک اور اصول یہ بتایا گیا کہ جس چیز کا تمہیں علم نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑو، مطلب یہ ہے کہ بلا تحقیق کسی چیز کو نہ دل میں جگہ دو، نہ زبان سے نکالو اور نہ اس پر عمل کرو۔ حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ: "کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو بلا تحقیق آگے پہنچا دے۔" (صحیح مسلم) مثلاً یہ ہے کہ کوئی شخص بغیر تحقیق کیئے گواہی دے دے، کسی پر تہمت لگا دے، بغیر تحقیق کسی سے نفرت و عداوت رکھے یا ایذا پہنچائے، رسوماتِ باطلہ کی اندھی پیروی کرے۔

علمی و عملی بات: ۱۔اِس آیت میں ہدایت دی گئی ہے کہ انسان کا نظریہ اور عمل محض گمان یا اندھی پیروی کی بنیاد پر نہیں بلکہ علم اور ٹھوس دلائل کی بنیاد پر ہونا چاہیئے۔ اِس ہدایت کے ذریعہ اسلام نے انسان کو ایک طرف ایسے تمام اوہام کے خوف سے نجات دلا دی جن کی بنیاد محض گمان یا تخمینوں پر تھی جیسے ستارہ شناسی، دست شناسی یا اِسی طرح کی دیگر پُر اسرار علوم۔ در حقیقت اِس آیت میں علم کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ انسان کو پیروی علمی حقائق ہی کی کرنی چاہیئے اور اُن تمام نظریات یا خدشات کو اہمیت نہیں دینی چاہیئے جو وہم، گمان یا تخمینوں کی بنیاد پر ہیں۔ یہی وہ نقطۂ نظر ہے جس سے سائنس کے سفر کا آغاز ہوا۔ سائنس کی بنیاد اُس علم پر ہے جو ہمیں مشاہدات اور تجربہ سے حاصل ہوتا ہے لیکن قرآنِ حکیم کی رُو سے علم کی اقسام دو ہیں: ۱۔ علم ہدایت یا علم وحی ۲۔ علمِ جدید۔

ہمارے لئے اِن دونوں علوم کا سیکھنا ضروری ہے۔ علم ہدایت تو علم کی وہ روح ہے جس کے بغیر علم جدید نہ صحیح رُخ پر آگے بڑھ سکتا ہے، نہ دنیا میں مفید ہو سکتا ہے اور نہ آخرت کے اعتبار سے رحمت بن سکتا ہے۔ اِسی طرح علمِ جدید کے ذریعہ ہمیں علمِ ہدایت یعنی قرآنِ حکیم کی زیادہ سے زیادہ معرفت

حاصل ہوتی ہے، عظمتِ قرآن کا نقش ہمارے دلوں پر قائم ہوتا ہے، دورِ حاضر کے تقاضوں کا ساتھ دیا جاسکتا ہے اور عصرِ حاضر کے مسائل کو سمجھ کر علمِ ہدایت کی روشنی میں اُن کا حل پیش کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ کان سنتے ہیں، آنکھ دیکھتی ہے جب کہ دل غور وفکر کرتا ہے۔ محبت ونفرت دل میں ہی پیدا ہوتی ہے۔ عزم وارادہ اسی سے وابستہ ہے۔ توحید اور ایمان کا مرکز بھی یہی ہے۔ کفر، نفاق، بداخلاقی، حسد اور کینہ بھی یہیں جنم لیتے ہیں اور بغض وعداوت کا منبع بھی دل ہی ہے، اگر اعتقاد کے معاملہ میں دل کو غلط طور پر استعمال کرے گا تو اللہ ﷻ کا ارشاد ہے۔ بے شک اللہ کے نزدیک سب جانداروں میں سے بدتر وہ بہرے گونگے (لوگ) ہیں جو سمجھتے نہیں ہیں۔" (سورۃ الانفال ۸، آیت: ۲۲)، یہ ساری باتیں اللہ ﷻ نے اسی آیت کے تحت بیان فرمائی ہیں۔

آیت نمبر ۳۷: زمین پر ایسی چال چلنے کی ممانعت ہے جس سے تکبر اور فخر وغرور ظاہر ہو۔ ایسی چال چلنے والا نہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے نہ ہی پہاڑوں کی بلندی تک پہنچ سکتا ہے۔

علمی بات: اللہ ﷻ نے یہ اصول بیان فرمایا کہ زمین میں اِتراتے ہوئے مت چلو، غرور اور اکڑ نہ دکھاؤ، کیونکہ تم غرور وتکبر کرکے زمین کو نہیں پھاڑ سکتے اور نخوت کی بنا پر کتنا بھی سر اونچا کرلو، تمہارا قد زیادہ سے زیادہ کتنا لمبا ہوجائے گا جو پہاڑوں کی بلندی سر کرلے۔ یقیناً تم پہاڑوں کی بلندی تک نہیں پہنچ سکتے، لہٰذا تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اللہ ﷻ کی زمین پر اکڑ کر اور گردن اونچی کرکے چلو، عاجزی اختیار کرنے والا شخص اللہ ﷻ اور لوگوں کے نزدیک بھی قابل عزت ہوتا ہے۔

حضور ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ " جس انسان میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوسکے گا"۔ (صحیح مسلم) تکبر ہمیشہ حق کے مقابلہ میں ہوتا ہے حضور ﷺ نے فرمایا: "تکبر یہ ہے کہ حق بات کو ٹھکرادیا جائے اور دوسروں کو حقیر سمجھا جائے۔" (صحیح مسلم)

سچی بات کو بلا سوچے سمجھے ٹھکرادینا اور اپنے سے کم تر آدمیوں کی بات کو کوئی حیثیت نہ دینا تکبر کی علامت ہے۔ حق یہ ہے کہ سچی بات خواہ کسی اعلیٰ کی طرف سے ہو یا ادنیٰ کی طرف سے اسے تسلیم کرنا چاہیئے، جو شخص تکبر کی وجہ سے حق بات کو ٹھکراتا ہے اور کسی کو حقیر سمجھتا ہے وہ اللہ ﷻ کے غضب کو دعوت دیتا ہے۔

آیت نمبر ۳۸: سابقہ ہدایات اور احکامات کے سلسلہ میں جن بُری باتوں سے روکا گیا ان کا ارتکاب اللہ ﷻ کو سخت ناپسند ہے۔ اسی طرح سے جن باتوں کا حکم دیا گیا ان پر عمل نہ کرنا بھی اللہ ﷻ کو پسند نہیں۔

عملی بات: ۱۔ قتل اولاد، قتل ناحق اسراف فی القتل، زنا، بدعہدی، ناپ تول میں کمی، یتیم کا مال کھانا، بلاتحقیق کسی چیز پر اعتقاد رکھنا، زبان سے کہنا یا اس پر عمل کرنا اور تکبر کرنا، یہ سب وہ باتیں ہیں جن کے متعلق اللہ ﷻ نے فرمایا ہے کہ اللہ ﷻ کو ناپسند یں لہٰذا ان سے بچنا چاہیے۔

۲۔ مذکورہ احکام میں جو حرام افعال اور ممنوع اعمال ہیں ان کا بُرا اور ناپسند ہونا تو ظاہر ہے مگر ان میں کچھ احکام اوامر بھی ہیں جیسے والدین اور اقرباء کے حقوق ادا کرنا اور وفائے عہد وغیرہ۔ ان میں بھی چونکہ مقصود ان کی ضد سے بچنا ہے کہ والدین کی ایذا سے، رشتہ داروں کی قطع رحمی سے اور عہد توڑنے سے پرہیز کرنا ہے۔ یہ چیزیں سب حرام وناپسند ہیں اس لئے مجموعہ کو مکروہ (ناپسندیدہ) فرمایا گیا ہے۔

آیت نمبر ۳۹: اللہ ﷻ کی طرف سے یہ تمام احکامات حکمت پر مشتمل ہیں جو وحی کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کو بتلائے گئے۔ لفظِ حکمت، سنت کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ یہاں احکامات کی حکمتوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اللہ ﷻ ہی کی ذات حکیم بھی ہے اس کے احکامات بھی حکمت سے بھرے ہیں۔ اس کے سوا کسی کو معبود بنا کر شرک نہ کیا جائے۔ شرک کرنے والوں کو ملامت کیئے ہوئے اور دھتکارے ہوئے جہنم میں ڈالے جانے کی وعید سنائی گئی ہے۔

علمی بات: گزشتہ چند آیات میں جو پُر مغز اور بیش بہا نصیحتیں کی گئیں، یہ وہ علم و حکمت اور تہذیبِ اخلاق کی باتیں ہیں جنہیں عقل سلیم قبول کرتی ہے۔ جو وحی کے ضمن میں نبی اُمی ﷺ کی طرف بلاواسطہ اور اُمّتِ مسلمہ کی طرف بواسطہ حضور ﷺ کو بھیجی گئیں۔ اسی طرح اس بات کی اہمیت بھی واضح کی گئی کہ مذکورہ بالا نصائح کا بیان توحید سے شروع کیا گیا تھا۔ ان باتوں کے اختتام پر بھی توحید کی طرف توجہ دلا دی گئی تا کہ قاری قرآنِ حکیم سمجھ سکے کہ تمام حسنات کا آغاز و انجام خالص توحید باری تعالیٰ سے ہونا چاہیئے۔

آیت نمبر ۴۰: مشرکین کے باطل عقیدے کی تردید کی گئی ہے۔ وہ اپنے لئے بیٹیوں کو پسند نہیں کرتے مگر فرشتوں کو اللہ ﷻ کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں (معاذ اللہ)۔ اللہ ﷻ کے لئے اولاد تجویز کرنا اللہ ﷻ کی شان میں بہت بڑی گستاخی ہے۔

علمی بات: عرب کے کئی مشرک قبائل فرشتوں کو اللہ ﷻ کی بیٹیاں مانا کرتے تھے۔ ان کی حماقت کا پردہ چاک کیا جا رہا ہے۔ ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ تم خود اپنے لئے تو لڑکے پسند کرتے ہو اور اگر کسی کے گھر بیٹی پیدا ہوتی ہے تو اس کے ہاں صف ماتم بچھ جاتی ہے۔ تمہیں شرم نہیں آتی کہ جس چیز کو تم اپنے لئے ناپسند کرتے ہو اسے اللہ ﷻ کے لئے ثابت کرتے ہو۔

آیت نمبر ۴۱: قرآنِ حکیم میں بہترین دلائل، وعظ و نصیحت اور واقعات بیان کیئے گئے ہیں تا کہ لوگ اللہ ﷻ کی وحدانیت تسلیم کر لیں۔ لیکن کفار اور مشرکین قرآنِ حکیم سے نصیحت حاصل کرنے کے بجائے حق سے دور بھاگ رہے ہیں۔

علمی بات: اسلامی معاشرہ کی فلاح کے لئے زریں اصولوں کے اوّل و آخر میں اللہ ﷻ نے مسئلہ توحید بیان فرمایا، اب اس آیت میں بھی قرآنِ حکیم کی صداقت اور مسئلہ توحید ہی کا ذکر اور شرک کا رد ہے، اللہ ﷻ نے اس قرآنِ حکیم میں مختلف طریقوں اور پیرایوں میں مضامین کو بار بار بیان کیا ہے۔ تا کہ اس کی وحدانیت، ایمانیات، رسالت، برزخ، آخرت وغیرہ اور دوسری زندگی سے تعلق رکھنے والی ساری باتیں آسانی سے سمجھ میں آسکیں۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ لوگ ان مثالوں سے نصیحت پکڑیں اور کفر و شرک کو ترک کر کے اللہ ﷻ کی وحدانیت کو تسلیم کر لیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس تمام تر تشریح کے باوجود متعصب، ضدی اور عنادی لوگوں کی نفرت میں اضافہ ہی ہوتا ہے اور وہ قرآنِ حکیم سے کچھ نصیحت حاصل نہیں کر پاتے۔

آیت نمبر ۴۲: ان خاص قسم کے مشرکوں سے خطاب ہے کہ جنہوں نے بے شمار معبود بنا رکھے تھے اور انہیں بااختیار سمجھتے تھے۔ ان کے مطابق اگر (معاذ اللہ) کوئی اور معبود ہوتا تو وہ لازماً اللہ ﷻ کو اختیار سے محروم کرنے کی کوشش کرتا۔ مگر ایسا کبھی نہیں ہوا اور نہ ہی اللہ ﷻ کے سوا کوئی دوسرا معبود ہے جو کائنات میں کسی قسم کا اختیار رکھتا ہو۔

علمی بات: اگر اللہ ﷻ کے سوا اور متعدد معبود ہوتے تو وہ ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے جیسے کہ دنیا کے حکمرانوں میں ہوتا ہے اور جو جس علاقہ پر غلبہ حاصل کرتا وہاں اپنا نظام جاری کر دیتا، دنیا بنانے والے اور دنیا چلانے والے بھی متعدد ہوتے تو اس کائنات کا فطری اور طبعی نظام ایک نہج اور ایک طرز پر نہ ہوتا، سورج کبھی ایک مخصوص جانب سے طلوع اور ایک مخصوص جانب میں غروب نہ ہوتا، بیر کے درخت میں ہمیشہ بیر نہ لگتا، کشش ثقل کی وجہ سے ہمیشہ چیزیں نیچے کی طرف نہ آتیں، انسان سے ہمیشہ انسان پیدا نہیں ہوتا، ان فطری چیزوں کے نظام بدلتے رہتے اور جب تمام چیزیں اور نظام ایک طرز اور ایک نہج پر چل رہے ہوں تو معلوم ہوا کہ اس نظام کو بنانے والا اور اس نظام کو چلانے والا بھی واحد ہی ہے متعدد نہیں ہیں۔

آیت نمبر ۴۳: اللہ ﷻ کی ذات مشرکین کے بے ہودہ خیالات اور شرکیہ باتوں سے بہت بلند و بالا ہے۔

علمی بات: اللہ ﷻ کی شانِ ربوبیت، اُلوہیت اور حاکمیتِ اعلیٰ میں کوئی دیوی دیوتا شریک نہیں ہے۔ اللہ ﷻ کی ذات ہر قسم کے شرک سے بلند و برتر ہے۔

آیت نمبر ۴۴: کائنات کی ہر چیز اللہ ﷻ کی فرماں بردار ہے اور اپنے اپنے انداز میں اس کی تسبیح و تحمید میں مصروف ہے۔ ان کی تسبیح کو انسان نہیں سمجھ سکتا۔ البتہ اللہ ﷻ کی معرفت کی نشانیاں ذرہ ذرہ میں موجود ہیں۔ اللہ ﷻ حلیم ہے اور بخشنے والا ہے۔ نافرمانوں کو مہلت دیتا ہے اور ان کی فوری گرفت نہیں کرتا۔

علمی بات: ۱۔ دنیا کی ساری چیزیں زبان حال سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہیں، کیونکہ ان میں سے اگر ہر چیز کی تخلیق پر غور کیا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے، نیز ہر چیز اسی کے تابع فرمان ہے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ساری چیزیں حقیقی معنی میں تسبیح کرتی ہوں، اور ہم اسے نہ سمجھتے ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز یہاں تک کہ پتھروں میں بھی ایک طرح کی حس پیدا فرمائی ہے۔ آج کی سائنس نے بھی یہ تسلیم کرلیا ہے کہ پتھروں میں بھی ایک طرح کی حس پائی جاتی ہے۔

۲۔ تسبیح کی ایک صورت یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز اپنے وجود سے اپنے خالق کی خلاقی اور اپنے صانع کی صناعی کا اعلان کر رہی ہے۔ جیسے ایک تصویر اپنے مصور کے معیارِ فن کا اظہار کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو زبان عطا کر رکھی ہے اور وہ اپنی زبانِ خاص سے اللہ کی تسبیح میں مصروف ہے۔

مشقوں کے جوابات

سوال ۱: خالی جگہیں پُر کریں:

(۱) آیت ۱۴ میں نامۂ اعمال کا ذکر ہے کہ قیامت کے دن انسان کا حساب لینے کے لئے انسان خود کافی ہوگا۔

(۲) آیت: ۱۶ کی روشنی میں کسی قوم کی ہلاکت کا سبب اس قوم کے خوشحال طبقہ کی نافرمانیاں بنتی ہیں۔

(۳) آیت: ۲۳ میں اللہ ﷻ نے ہمیں والدین کے بارے میں اُف تک کہنے سے منع فرمایا ہے۔

(۴) آیت: ۲۷ میں مال کو بے جا خرچ کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے۔

(۵) آیت: ۳۳ کی روشنی میں قاتل کو معاف کر دینے یا قصاص لینے یا خون بہا قبول کر لینے کا حق اللہ ﷻ نے مقتول کے ورثاء کو دیا ہے۔

سوال ۲: مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجئے:

۱۔ پہلی آیت کی روشنی میں مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجئے۔

	سوالات	جوابات
۱	اس آیت میں کس واقعہ کا ذکر ہے؟	واقعۂ معراج کا۔
۲	اللہ ﷻ نے اپنے کس خاص و مقرب بندے کو سیر کرائی؟	سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو۔
۳	سیر کس وقت کرائی گئی؟	ایک رات کے تھوڑے سے حصّہ میں۔
۴	سیر کا آغاز کہاں سے ہوا؟	مسجد حرام سے۔
۵	سیر کا اختتام کہاں ہوا؟	سدرۃ المنتہیٰ پر۔
۶	اس سیر کی حکمت کیا تھی؟	تاکہ اللہ ﷻ اُنہیں اپنی نشانیوں میں سے دکھائے۔

۲- بنی اسرائیل کے عُروج وزوال کے مطالعہ کے بعد ان کی تاریخ مختصراً اس طرح لکھیں جیسا کہ نمونے کے لئے پہلا عروج لکھا گیا ہے۔

بنی اسرائیل کا عروج وزوال	مختصر تاریخ
بنی اسرائیل کا پہلا عُروج	حضرت یوشع بن نون علیہ السلام، حضرت طالوت، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام کی بنی اسرائیل پر بادشاہی۔
بنی اسرائیل کا پہلا زوال	۷۰۰ قبل مسیح میں آشوریوں کے ہاتھوں اسرائیل کی تباہی، ۵۸۷ قبل مسیح میں بخت نصر کے ہاتھوں یروشلم کی تباہی
بنی اسرائیل کا دوسرا عُروج	حضرت عزیر علیہ السلام کی کوششوں کی بدولت بنی اسرائیل کی آزاد ریاست کا قیام۔
بنی اسرائیل کا دوسرا زوال	۷۰ء میں رومی جنرل ٹائٹس کے ہاتھوں یروشلم کی مکمل تباہی۔

۳- دوسرے رکوع میں طالبِ دنیا اور طالبِ آخرت کا کیا انجام بیان کیا گیا ہے؟

جو شخص آخرت کو نہیں مانتا یا آخرت تک صبر کرنے کے لئے تیار نہیں اور اپنی کوششوں کا مقصود دنیا کی کامیابیوں کو ہی بناتا ہے اسے جو کچھ ملے گا بس دنیا میں مل جائے گا اور آخرت میں اسے کوئی خوشحالی نصیب نہ ہوگی اور اس طرزِ عمل سے وہ اُلٹا جہنّم کا مستحق ہوگا اور جس کا ارادہ آخرت کا ہو اور اس کے لئے کوشش کرے تو اس کے عمل کی قدر کی جائے گی اور اس نے جتنی بھی کوشش کی ہوگی اس کا پھل وہ پائے گا۔

۴- تیسرے اور چوتھے رکوع میں اسلام کی معاشرتی تعلیمات کو بیان کیا گیا ہے۔ دیئے گئے چارٹ میں متعلقہ عنوان کے سامنے آیت نمبر کا حوالہ تحریر کریں۔

نمبر شمار	اسلام کی معاشرتی تعلیمات	آیت نمبر
۱	شرک سے اجتناب کرنا	۲۲
۲	والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا	۲۳
۳	اہل حق کے حقوق ادا کرنا	۲۶
۴	مال بے جا خرچ نہ کرنا	۲۷
۵	ضرورت مندوں سے معذرت کرتے ہوئے اچھا طریقہ اختیار کرنا	۲۸
۶	مال خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرنا	۲۹
۷	اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرنا	۳۱
۸	زنا کے قریب بھی نہ جانا	۳۲
۹	کسی جان کو ناحق قتل نہ کرنا	۳۳
۱۰	یتیم کے مال کی حفاظت کرنا	۳۴
۱۱	وعدہ پورا کرنا	۳۴

۱۲	پورا ناپنا		۳۵
۱۳	پورا تولنا		۳۵
۱۴	ظن و گمان کی پیروی نہ کرنا		۳۶
۱۵	تکبر نہ کرنا		۳۷

۵- پانچویں رکوع کے مطابق ذیل میں دیئے گئے منکرین آخرت کے تین سوالات کے اللہ ﷾ نے کیا جوابات دیئے؟

نمبر شمار	منکرین آخرت کے سوالات	اللہ ﷾ کا جواب
۱	کیا ہم مرنے کے بعد جب ہڈی ہڈی اور چورہ چورہ ہو جائیں گے تو کیا دوبارہ اُٹھائے جائیں گے؟	تم پتھر بن جاؤ یا لوہا یا کوئی اور ایسی خلقت جو تمہارے دلوں میں بہت سخت معلوم ہو۔
۲	ہمیں کون دوبارہ اُٹھائے گا؟	وہی اللہ ﷾ جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا۔
۳	ہمیں کب دوبارہ اُٹھایا جائے گا؟	کیا عجب کہ وہ (ساعت) قریب ہی آن لگی ہے۔

سُوْرَةُ بَنِیٓ اِسْرَآءِیْل (حصّہ دوم)

مقاصدِ مطالعہ: اس سورت کے مطالعہ کے بعد طلبہ کو مندرجہ ذیل مضامین سے آگاہی حاصل ہونی چاہیئے:

1. آیات: ۴۵ تا ۷۰ — مخالفین سے بھی اچھے طریقہ سے بات کرنے کا حکم، مشرکین مکہ اور آدم علیہ السلام و ابلیس کا واقعہ، شیطان کے وار اور عزائم کا ذکر اور بنی آدم کی دیگر تمام مخلوق پر فضیلت۔
2. آیات: ۷۱ تا ۷۷ — قیامت کے روز لوگوں کو ان کے اعمال نامے دیئے جانے کا ذکر، مشرکین مکہ کی حماقت اور کفار کی عداوت کا بیان۔
3. آیات: ۷۸ تا ۸۷ — نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پنج وقت نماز، تہجد اور ہجرت کا حکم، فتح مکہ کی بشارت، قرآن کے شفا ہونے کا تذکرہ اور روح کی حقیقت کا بیان۔
4. آیات: ۸۸ تا ۹۶ — فضیلت و اعجازِ قرآن کا بیان، مشرکین کی طرف سے قرآن، رسالت اور آخرت کے حوالہ سے شبہات و اعتراضات اور ان کے مدلل جوابات اور بشریت انبیاء علیہم السلام کا فلسفہ۔
5. آیات: ۹۷ تا ۱۰۳ — کافروں کو عذابِ الٰہی کی وعید اور ان کے انجام کا تذکرہ، حیات بعد الممات کے دلائل، فرعون کی ہٹ دھرمی اور بُرے انجام کا بیان اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزات کا تذکرہ۔
6. آیات: ۱۰۴ تا ۱۰۹ — قیامت سے پہلے پوری ہونے والی قرآن کریم کی پیشن گوئی کا ذکر، حقانیتِ قرآن و رسالت کا بیان اور اہل کتاب پر قرآن مجید کی تاثیر کا تذکرہ۔
7. آیات: ۱۱۰ تا ۱۱۱ — دھیمے انداز سے قرأت کا حکم، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ کا بیان اور توحید باری تعالیٰ کے دو خزانوں کا ذکر۔

آیت نمبر ۴۵: منکرین آخرت اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے قرآنِ حکیم سے کوئی ہدایت حاصل نہیں کر پاتے۔ ان کے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک پردہ حائل کر دیا جاتا ہے جو آنکھوں سے اوجھل ہوتا ہے۔

علمی بات: ۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآنِ حکیم کی تلاوت فرماتے تو کفار و مشرکین اس سے کچھ بھی فائدہ حاصل نہیں کرتے تھے کیونکہ ان کے کفر و نافرمانی اور قرآن حکیم سے تغافل کی وجہ سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے درمیان ایک پردہ حائل کر دیتا تھا، جس کی وجہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ نہیں پاتے تھے۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل پردوں میں ہیں اس بات سے جس کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بلاتے ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے اور ہمارے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک پردہ ہے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم (اپنا) کام کرتے رہیئے بے شک ہم (اپنا) کام کرنے والے ہیں۔“ (سورۃ حٰمٓ السجدۃ ۴۱، آیت:۵)

۲۔ جو لوگ اپنی اصلاح اور آخرت کی فکر سے غافل ہو کر بس دنیا کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور حق کے مقابلے میں ضد اور عناد کی روش اختیار کر لیتے ہیں، وہ حق کو سوچنے سمجھنے سے محروم ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ اَن دیکھا پردہ اور غفلت کا غلاف ہے جو ان کے اور پیغمبر کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور ان کے دلوں پر مسلط ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے ان کے کانوں میں ایسی گرانی پیدا ہوتی ہے کہ وہ حق بات سننے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتے ہیں۔

آیت نمبر ۴۶: کفار اور مشرکین کے دل قرآنِ حکیم سمجھنے سے قاصر اور ان کے کان قرآنِ مجید سن کر ہدایت قبول کرنے سے عاجز ہیں۔ وہ تعصب کی بنا پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ذکر بطور معبود واحد برداشت نہیں کرتے اور اعراض کرتے ہوئے راہِ فرار اختیار کرتے ہیں۔

علمی بات: ۱۔ مشرکین اگرچہ قرآنِ حکیم کو سنتے تھے مگر اس سے فائدہ یعنی ہدایت نہ لیتے تھے۔ وہ جب سنتے تو مبہوت ہو جاتے، لیکن واپس ہو کر پھر خفیہ مشورے کرتے۔ سازشیں کرتے اور پختہ عہد کرتے کہ اب کے بعد پھر سرے سے سنیں گے ہی نہیں تاکہ ان کے دلوں پر قرآنی اثرات نہ پڑ جائیں۔ ان کا دماغ متاثر نہ ہو جائے۔ کیونکہ قرآنِ حکیم کی تعلیمات جس نظریہ حیات اور جس عقیدہ توحید پر مبنی تھیں اس کے نتیجہ میں قائم ہونے والا نظام اور معاشرہ ان کی خود ساختہ برتری اور امتیازات کو ختم کر دیتا تھا اور یہ بات ان کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ ان کا ضمیر اور ان کی فطرت ان کو اس بات پر مجبور کر رہی تھی کہ وہ بات سنیں، متاثر ہوں، لیکن غرور کی وجہ سے وہ تسلیم کرنے اور یقین کرنے سے باز رہتے تھے۔

۲۔ کافروں کی ایک بدترین خصلت یہ بھی تھی کہ وہ اللہ ﷻ کے ساتھ اپنے بتوں کا ذکر بھی سننا چاہتے تھے، اس لئے جس مجلس میں صرف اللہ ﷻ کا نام لیا جاتا، اسے پسند نہیں کرتے تھے اور وہاں سے چل دیتے تھے۔

آیت نمبر ۴۷: مشرکین مکہ کا قرآنِ حکیم کے حوالہ سے طرزِ عمل بیان کیا گیا ہے۔ وہ محض اعتراض کرنے اور قرآنِ حکیم کی تردید کے ارادہ سے اِسے سنتے ہیں۔ دینِ حق اور رسول اکرم ﷺ کے خلاف ان کی آپس کی سرگوشیوں اور چالوں سے اللہ ﷻ خوب واقف ہے۔

علمی بات: اللہ ﷻ فرمارہا ہے کہ میں بہت خوب جانتا ہوں کہ یہ لوگ جو کان لگا کر توجہ سے آپ ﷺ کی بات سنتے ہیں اس سے ان کا مقصد آپ ﷺ کے بیانات سے استفادہ کرنا نہیں ہوتا بلکہ نکتہ چینی کرنا اور تمسخر اڑانا ہوتا ہے۔ چنانچہ جب یہ ظالم آپ ﷺ کے بارے میں آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں تو ان باتوں کا ہمیں پورا علم ہے۔ کبھی دیوانہ کہتے ہیں اور کبھی شاعر اور کبھی جادوگر اور کبھی جادو زدہ کہتے ہیں۔ اللہ ﷻ ان لوگوں کی الزام تراشیوں اور گستاخیوں سے خوب واقف ہے۔ یہ ظالم آپ ﷺ کے خلاف اس لئے بدگمانیاں پھیلانا اور لوگوں کو قرآنِ پاک، اسلام اور آپ ﷺ سے نفرت دلانا چاہتے ہیں۔ کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ نبی کریم ﷺ باطل پرستوں کی خواہشات کی پرواہ نہیں کرتے اور ہر حال میں کلمۂ حق کہتے ہیں۔ ان کے کلام و بیان میں غیر معمولی تاثیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ جب کچھ نہیں کر سکتے تھے تو آپ ﷺ کو دیوانہ اور جادوگر کہہ دیتے ہیں۔ (معاذ اللہ)

آیت نمبر ۴۸: مشرکین کی مذمت بیان کی گئی ہے جو (معاذ اللہ) رسول اللہ ﷺ کے لئے بُری مثالیں بیان کرتے تھے۔ ایسا کر کے وہ گمراہی میں پڑ گئے ہیں اور ہدایت کے مستحق نہیں رہے۔

علمی بات: مشرکین کبھی کہتے کہ آپ جادوگر ہیں، کبھی کہتے کسی دوسرے نے آپ پر جادو کر دیا ہے، کبھی کہتے کہ آپ شاعر ہیں، کبھی کاہن اور کبھی مجنون (دیوانہ) کہتے۔ (معاذ اللہ) ان کی متضاد باتیں خود اس بات کی دلیل ہیں کہ انہیں حقیقت کا کچھ پتہ نہیں، اس حال میں کیسے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ انہیں ہدایت کا صحیح راستہ مل سکے۔ ایک مراد یہ بھی ہے کہ مشرکین ان باتوں سے دوسروں کو ہدایت سے روکنے کے لئے کوئی راستہ نہیں پاتے۔

آیت نمبر ۴۹: موت کے بعد دوبارہ زندہ کیئے جانے کی طرف توجہ دلانے پر مشرکین کا طرزِ عمل بیان کیا گیا ہے۔ وہ کہتے کہ مرنے کے بعد ان کی ہڈیاں مٹی میں مل جائیں گی تو انہیں دوبارہ کیسے اٹھایا جائے گا؟

علمی بات: کفار آپ ﷺ سے بڑی حیرت سے سوال کرتے کہ آپ جو انسانوں کی دوبارہ زندگی کی بات کرتے ہیں یہ کیسے ممکن ہے؟ جب ہماری ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جائیں گی اور گوشت گل سڑ جائے گا تو اس کے بعد ہمیں پھر سے نئی زندگی کیسے مل سکتی ہے؟ گویا ان کی سوچ کے مطابق ایسا ہونا بالکل محال اور ناممکن ہے۔

آیت نمبر ۵۰: مشرکین کے سوال پر اللہ ﷻ کی طرف سے جواب دیا گیا ہے۔ یہ لوگ پتھر یا لوہے جیسی سخت چیز بھی بن جائیں تب بھی اللہ ﷻ انہیں دوبارہ زندہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔

علمی بات: جہاں تک ہڈیوں اور مٹی کا تعلق ہے ان کے ساتھ تو پھر بھی زندگی کی کچھ رمق باقی رہنے کی اُمیدیں وابستہ ہیں اور پتھر اور لوہا تو زندگی سے بہت دور ہیں۔ ان کفار کو بطورِ ڈانٹ ڈپٹ کے کہا گیا کہ وہ چاہیں پتھر ہو جائیں یا پھر لوہا یعنی جتنی بھی سخت ترین چیز بن جائیں جو ان کے خیال میں آثارِ حیات کو قبول کرنے سے بہت ہی دور ہوں، جس میں زندگی کا پیدا ہونا وہ ناممکن سمجھتے ہوں جس میں زندگی کی روح نہ پھونکی جا سکتی ہو تو پھر بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، اس نے جس طرح پہلی مرتبہ انہیں مٹی یا نطفہ سے وجود بخشا اسی طرح وہ انہیں دوبارہ بھی زندہ کر سکتا ہے۔ وہ جب چاہے گا انہیں زندہ فرما دے گا۔

آیت نمبر ۵۱: مشرکین کا اگلا اعتراض یہ تھا کہ وہ کون سی ہستی ہے جو انہیں دوبارہ پیدا کرے گی؟ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ جس اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے پہلی بار پیدا کیا وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔ مشرکین بطورِ استہزاء سر ہلا کر کہتے ایسا کب ہو گا؟ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ قیامت قریب ہی ہے۔ جس چیز کا واقع ہونا یقینی ہو وہ قریبی ہوتی ہے۔ اب قیامت قریب ہے۔

علمی بات: اگرچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لئے کسی بھی نئی چیز کو وجود میں لانے اور کسی شے کے خاتمہ کے لئے مشکل یا آسان ہونے کا تصور ہی نہیں کیونکہ وہ جو چاہتا ہے کلمہ کُن سے فرما دیتا ہے۔ یہ بس انسانوں کو سمجھانے کے لئے ہے۔ اس آیت میں اشارہ اس طرف ہے کہ انسانی سوچ کے مطابق عموماً کسی چیز کو پہلی بار عدم سے وجود میں لانا زیادہ مشکل ہوتا ہے اس کے برخلاف ایک مرتبہ پیدا کرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا اتنا مشکل نہیں ہوتا۔ جس اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے پہلی بار پیدا کرنے کا زیادہ مشکل کام اپنی قدرت سے انجام دیا ہے، اس کے بارے میں یہ ماننے میں کیا دشواری ہے کہ وہ دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے۔

آیت نمبر ۵۲: روزِ محشر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بلانے کا مطلب ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم سے لوگوں کو قبروں سے زندہ کر کے بارگاہِ الٰہی میں پیش کیا جائے گا۔ تمام لوگ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کی اطاعت کرتے ہوئے اس کے سامنے حاضر ہوں گے۔ تاہم مجرمین و کفار کا روزِ قیامت حمد و ثنا کرنا ان کو نفع نہ دے گا۔

علمی بات: جس روز اللہ سبحانہ وتعالیٰ سب کو محشر کی طرف بلائے گا تو سب مردے زندہ ہو کر میدانِ حشر میں جمع ہو جائیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زندہ ہونے کے بعد سب کو میدانِ حشر میں جمع کرنے کے لئے آواز دی جائے۔ آیت کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت محشر میں مومنوں کے ساتھ ساتھ کفار بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے اٹھیں گے۔ مفسرین کرام نے فرمایا کہ کفار کو اس وقت کا حمد و ثنا کرنا ان کو کوئی نفع نہیں دے گا، کیونکہ یہ لوگ جب مرنے کے بعد زندگی دیکھیں گے تو غیر اختیاری طور پر ان کی زبان سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد و ثنا کے الفاظ نکلیں گے وہ کوئی ایسا عمل نہیں ہو گا جس پر جزا مرتب ہو۔

آیت نمبر ۵۳: اہلِ ایمان کو مخالفینِ حق کے ساتھ بدکلامی کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ دعوتِ دین کا ایک اہم اصول بیان کیا گیا ہے۔ بدکلامی سے باہم پھوٹ پڑتی ہے اور شیطان کا مقصد پورا ہوتا ہے۔ دعوتِ دین کے سلسلہ میں لہجہ میں نرمی اختیار کیئے رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔

علمی بات: مسلمانوں کو کافروں کے ساتھ سخت کلامی سے منع کیا گیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بے ضرورت سختی نہ کی جائے اور ضرورت ہو تو قتل تک کرنے کی اجازت ہے۔ قتل و قتال کے ذریعہ کفر کی شوکت اور اسلام کی مخالفت کو دبایا جا سکتا ہے اس لئے اس کی اجازت ہے گالی گلوچ اور سخت کلامی سے نہ کوئی قلعہ فتح ہوتا ہے نہ کسی کو ہدایت ہوتی ہے اس لئے اس سے منع کیا گیا ہے۔ مشرکین مختلف باتوں اور افعال سے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو طرح طرح کی تکالیف دیا کرتے تھے۔ کفار کی طرف سے اذیت اور اہانت پر مومنین نے سخت رویہ رکھنے کا ارادہ کیا۔ اس بارے میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت بھی کی تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کی طرف پیغام بھیجا کہ ان پر اعلان کریں کہ وہ بہترین کلام کو منتخب کریں۔

۲۔ مفسرین کی ایک رائے یہ بھی ہے کہ اس آیت میں مسلمانوں کو آپس میں خطاب کرنے کے متعلق بھی ہدایت ہے کہ باہم اختلاف کے وقت سخت کلامی نہ کیا کریں کہ اس کے ذریعہ شیطان ان کے آپس میں جنگ و فساد پیدا کرا دیتا ہے۔

آیت نمبر ۵۴: مشرکین سے خطاب کیا گیا ہے۔ ہر ایک کی حقیقتِ حال اور اس کا انجام صرف اللہ ﷻ کو معلوم ہے۔ رحم کے معنیٰ ہیں قبولِ اسلام کی توفیق اور عذاب سے مراد یہ ہے کہ شرک پر ہی موت ہو جس پر وہ عذاب کے مستحق ہوں گے۔ اللہ ﷻ چاہے تو انہیں ایمان سے نواز دے یا محروم رکھے۔ مشرکین کی
گمراہی کا سبب وہ خود ہیں۔ نبی کریم ﷺ پر ان لوگوں کو ہدایت پر لے آنے کی ذمہ داری نہیں ہے۔

آیتنمبر ۵۵: کائنات کی تمام مخلوقات سے اللہ ﷻ خوب واقف ہے۔ اللہ ﷻ نے بعض انبیاء کرام علیہم السلام کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کو عطا کیئے جانے والی زبور کا خصوصی طور پر ذکر ہے۔

علمی بات: ا۔ اللہ ﷻ نے بعض نبیوں کو بعض نبیوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی، حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عنایت کی اور سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو قرآنِ حکیم عطا فرمایا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضوراکرم ﷺ تمام انبیاء و رسل علیہم السلام سے افضل ہیں۔

۲۔ خصوصیت کے ساتھ حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔

ا۔ مشرکین مکہ اہل کتاب خصوصاً یہودیوں کو بہت مانتے تھے۔ اس آیت میں یہود کا رد ہے کیونکہ یہود کہتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور تورات کے بعد کوئی کتاب نہیں آئے گی۔ حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام آئے اور تورات کے بعد زبور آئی، لہٰذا ان کو چاہیئے کہ وہ سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور نزولِ قرآن کا انکار نہ کریں۔

۲۔ کفار نبی کریم ﷺ پر اعتراض کرتے تھے کہ آپ ﷺ دنیاوی امور، کھانے پینے اور بال بچوں کے معاملات میں بھی مشغول رہتے ہیں تو آپ ﷺ نبی کیسے ہو سکتے ہیں بتایا گیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام بھی تو نبی تھے حالانکہ وہ بادشاہ تھے اور بادشاہ سے زیادہ دنیاوی امور میں کون مشغول ہو گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی امور میں مشغول ہونا نبوت کے منافی نہیں ہے۔

آیت نمبر ۵۶: مشرکین کے جھوٹے معبودوں کی بے بسی کا بیان ہے۔ وہ نہ ان مشرکین کی تکلیف دور کر سکتے ہیں نہ ہی اُسے راحت میں تبدیل کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔

علمی بات: جب قریش کو قحط میں مبتلا کر دیا گیا تو انہوں نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر فریاد کی اور اپنی خستہ حالی کا تذکرہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ ﷻ نے اپنے محبوب ﷺ کو حکم دیا کہ ان سے دریافت کریں کہ جن معبودوں کی وہ پرستش اور عبادت کرتے ہیں۔ ان سے جا کر فریاد کیوں نہیں کرتے پھر خود ہی بتا دیا کہ وہ بیچارے خود بے بس ہیں۔ اس مشکل وقت میں وہ تمہاری کوئی امداد نہیں کر سکتے۔ اے مشرکین! تم خود سوچو کہ جو ہستی مشکل میں کام نہ آئے اور مصیبت کو دور نہ کرے اس کو معبود بنانے اور اس کی پوجا کرنے سے کیا حاصل ہو گا؟

آیت نمبر ۵۷: اس آیت میں ان ہستیوں کا بیان ہے جن کو مشرک تکالیف اور مصائب میں پکارتے ہیں۔ مراد فرشتے، جنات، صالحین وغیرہ ہیں۔ یہ ہستیاں تو خود اللہ ﷻ کی فرماں بردار بندے بن کر اس کا قرب حاصل کرنے کی طلب میں لگی ہوئی ہیں۔ یہ ہستیاں خود اللہ ﷻ کی رحمت کی اُمید اور عذاب کا خوف رکھتی ہیں۔ یقیناً اللہ ﷻ کا عذاب ڈرنے کے لائق ہے۔

شانِ نزول: حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ لوگ جنوں کی پوجا کیا کرتے تھے وہ جن مشرف با اسلام ہو گئے مگر یہ بدبخت پجاری ان ہی کی عبادت کرتے رہے اور عرب اس کا شعور نہیں رکھتے تھے۔ اس پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (صحیح بخاری، سنن نسائی، بیہقی، طبرانی، ابن ابی حاتم، حاکم)

علمی بات: مفسرین کی رائے کے مطابق جن لوگوں کی وہ عبادت کرتے ہیں اس کے مصداق میں تین قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ جن ہیں جو بعد میں اسلام لے آئے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ملائکہ ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام ہیں۔

آیت میں یَدْعُوْنَ، یَعْبُدُوْنَ کے معنیٰ میں ہے، یعنی وہ ان کو معبود سمجھ کر عبادت کرتے ہیں۔

جو جنات مسلمان ہو چکے تھے، اسی طرح فرشتے اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے بندے ہیں اور اس کے محتاج ہیں۔ وہ سب اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور اس کی رحمت کی اُمید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، ہر چند کہ ملائکہ اور انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہیں وہ کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں کرتے اور نہ ان کو دنیا اور آخرت میں کسی قسم کے عذاب کا خطرہ ہے، لیکن وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی جلال ذات سے خوف زدہ رہتے ہیں اور ان میں سے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے جتنے زیادہ قریب ہے وہ اتنا ہی اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔

آیت نمبر ۵۸: قیامت سے پہلے کفار کی بستیوں کو طبعی طور پر یا سخت عذاب کے ذریعہ ہلاک کر دیا جائے گا۔ بستی سے مراد اس کے رہنے والے اور سخت عذاب کی وجہ ان کا کفر و شرک ہو گا۔ کتاب سے مراد لوحِ محفوظ ہے جس میں ان کی ہلاکت کا فیصلہ لکھا ہوا ہے۔

علمی بات: قیامت سے پہلے بہت سی بستیاں ہلاک ہوں گی۔ یعنی ان بستیوں کے رہنے والے اپنی اپنی موت مر جائیں گے اور بہت سی بستیاں اسی طرح ہلاک ہوں گی کہ ان کو سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے گا چاہے قتل و خون سے ہلاک ہوں اور خواہ مختلف قسم کی مصیبتوں اور بلاؤں میں مبتلا ہو کر۔ قیامت کے دن صور پھونکے جانے سے جو ہلاک ہوں گی وہ بھی اسی ذیل میں آ گئیں۔ موت تو سب کو آنی ہی ہے البتہ اہل کفر و اہل معصیت کو بعض مرتبہ عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اگر کافروں پر ابھی جلدی سے کوئی عذاب نہیں آ رہا ہے تو وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہمیشہ کے لئے عذاب سے بچ گئے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یا تو ان پر کوئی سخت عذاب دنیا ہی میں آ جائے گا، ورنہ قیامت سے پہلے پہلے سبھی کو ہلاک ہونا ہے اور پھر آخرت میں ان کافروں کو دائمی عذاب ہو کر رہے گا۔

آیت نمبر ۵۹: ان مشرکین کا رد ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طرح طرح کی نشانیاں اور معجزات طلب کرتے تھے۔ پچھلی قوموں نے بھی فرمائشی معجزے مانگے جو انہیں دکھائے گئے۔ مگر وہ ایمان نہ لائے تو ہلاک کر دیئے گئے۔ بطورِ مثال قومِ ثمود کا تذکرہ کیا گیا ہے جنہیں واضح نشانی اونٹنی کی شکل میں دی گئی۔ لیکن قوم نے ایمان لانے کے بجائے اونٹنی ہی کو ہلاک کر ڈالا۔ پھر وہ بھی عذاب کے مستحق ہوئے۔ ان معجزات کو دکھانے کا مقصد قوموں کو خوف دلانا ہوتا ہے کہ حق قبول نہ کریں گے تو عذاب آئے گا۔

شانِ نزول: اہل مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے صفا کے پہاڑ کو سونا بنا دیں اور مکہ مکرمہ کی سرزمین سے پہاڑوں کو ہٹا دیں تاکہ وہ اس میں کھیتی باڑی کر سکیں۔ حضرت جبریل امین علیہ السلام کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا: "اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مہلت دینا چاہتے ہیں تو ہم ان کو مہلت دے دیتے ہیں اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں تو ہم ان کی فرمائش پوری کر دیں لیکن اگر یہ پھر بھی ایمان نہ لائیں تو ان کو ہلاک کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ پہلی قوموں کے منکرین کو ہلاک کر دیا گیا تھا۔" اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان کو مہلت دے دے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔" (مسند احمد)

علمی بات: صفا پہاڑ کو سونا بنانا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل نہیں تھا لیکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے نہیں بنایا کیونکہ پہلی قوموں کو جب ان کے مطلوبہ معجزات دکھائے

گئے اور وہ پھر بھی ایمان نہ لائے تو وہ ہلاک کر دیئے گئے جیسا کہ قومِ ثمود کی مثال سامنے ہے۔ اس طرح کفار مکہ بھی صفا کے پہاڑ کو سونا دیکھ کر بھی ایمان لانے والے نہیں تھے تو ان کو ہلاک کر دیا جاتا، مگر اللہ ﷻ کو علم تھا کہ ان میں سے کچھ لوگ ایمان لے آئیں گے یا ان کی اولاد ایمان لے آئے گی اس لئے اللہ ﷻ نے ان کے فرمائشی معجزات کا مطالبہ پورا نہیں کیا۔ اس کا مقصد یہ بھی تھا کہ توبہ کا دروازہ کھلا رہے تا کہ جو ایمان لانا چاہیں وہ ایمان لے آئیں۔ فرمائشی معجزات ظاہر نہیں کیئے جاتے تا کہ تکذیب کے جرم میں جلدی ہلاک نہ ہو جائیں۔

آیت نمبر ۶۰: مشرکین مکہ رسول اللہ ﷺ کو جھٹلانے میں لگے ہیں جب کہ یہ لوگ خود اللہ ﷻ کے غلبے اور تصرف میں ہیں۔ رؤیا سے مراد واقعہ معراج اور اس سے متعلق تمام مشاہدات ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو کرائے گئے۔ مشرکین مکہ نے اس واقعہ کو تسلیم نہیں کیا جس کی وجہ سے یہ واقعہ ان کے لئے آزمائش کا سبب بن گیا۔ ان کے لئے زقوم کے درخت کو بھی ذریعہ آزمائش بنا دیا گیا۔ (سورۃ الصافات ۳۷، آیت: ۶۲) نشانیوں سے کفار کی سرکشی میں مزید اضافہ ہی ہوتا ہے۔ وجہ ہٹ دھرمی اور طلب ہدایت کا نہ ہونا ہے۔

علمی بات: مشرکین کی ہٹ دھرمی کی دو مثالیں دی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو معراج کے موقع پر جو مشاہدات کرائے وہ آپ ﷺ کے پیغمبر ہونے کی کھلی دلیل تھی، کافروں نے آپ ﷺ سے بیت المقدس کے بارے میں مختلف سوالات کیئے اور آپ ﷺ نے سب کے ٹھیک ٹھیک جوابات دے دیئے، جس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ واقعی آپ ﷺ نے راتوں رات یہ سفر کیا ہے۔ لیکن اتنی کھلی ہوئی بات سامنے آجانے کے بعد بھی یہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی پر ڈٹے رہے۔ دوسری مثال یہ ہے کہ قرآنِ حکیم نے فرمایا تھا کہ زَقُّوم کا درخت دوزخیوں کی غذا ہو گی اور یہ بھی فرمایا تھا کہ یہ درخت جہنم ہی میں پیدا ہوتا ہے۔ اس پر کافروں نے ایمان لانے کے بجائے مذاق اڑانا شروع کیا کہ بھلا آگ میں درخت کیسے پیدا ہو سکتا ہے اور یہ نہ سوچا کہ جس ذات نے آگ پیدا کی ہے، اگر وہ اسی آگ میں کوئی درخت بھی پیدا کر دے جس کی خاصیت عام درختوں سے مختلف ہو تو بھلا اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ اس طرح یہ کافر ہدایت حاصل کرنے کے بجائے اور گمراہی میں پڑ گئے ہیں۔

آیت نمبر ۶۱: حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا واقعہ چوتھی مرتبہ بیان ہو رہا ہے۔ اللہ ﷻ کے حکم پر سوائے ابلیس کے تمام فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ ابلیس کے سجدہ نہ کرنے کی وجہ تکبر تھا۔ وہ کہنے لگا کہ آدم کو مٹی سے بنایا گیا ہے۔

علمی بات: شیطان نے اللہ ﷻ کے حکم ہی کو غلط بتا دیا اور اعتراض کر بیٹھا، کہنے لگا کہ مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے پیدا کیا۔ میں اس سے افضل ہوں تو نے اسے مجھ پر فضیلت دیدی اسے مسجود بنا دیا اور مجھے حکم دے دیا کہ میں اسے سجدہ کروں افضل اپنے کمتر کو سجدہ کیوں کرے تیرا یہ حکم دینا ہی حکمت کے خلاف ہے۔ ابلیس کی حکم عدولی، بے ادبی اور بدتمیزی کی وجہ سے اسے ملعون قرار دیا اور عالمِ بالا سے ذلّت کے ساتھ نکال دیا گیا۔

نوٹ: حضرت آدم علیہ السلام کے قصّہ کی مزید تفصیلات مطالعۂ قرآنِ حکیم حصہ اوّل اور اس کے رہنمائے اساتذہ میں ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہیں۔

آیت نمبر ۶۲: ابلیس نے قیامت کے دن تک مہلت دیئے جانے کی درخواست کی۔ اس نے دعویٰ کیا کہ سوائے چند کے حضرت آدم علیہ السلام کی تمام اولاد پر غلبہ حاصل کر کے جس طرح چاہے گا گمراہ کر دے گا۔

علمی بات: ا۔ جب ٹڈی کسی کھیت کو کھا کر چٹ کر جائے تو عرب کہتے ہیں "اِحتَنَكَ الْجَرَادُ الزَّرْعَ" ٹڈی نے ساری کھیتی کھا لی۔ یہاں بھی یہ لفظ اسی مفہوم کو ادا کرنے کے لئے استعمال ہوا ہے۔ شیطان کہہ رہا ہے کہ اے اللہ! اگر تو نے مجھے مہلت دی تو میں ان سب کو راہِ راست سے اکھاڑ کر پھینک دوں گا اور ان کے ایمان کا صفایا کر دوں گا اور ان میں سے چند افراد کے بغیر کوئی ثابت قدم نہ رہے گا۔

۲۔قَلِیۡلاً سے مراد ہیں "وہ لوگ جن کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے۔"(انبیاء کرام علیہم السلام اور بقیہ مخلص بندے) انہی کے متعلق اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا تھا:"بے شک جو میرے بندے ہیں اُن پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا۔"(سورۃ الحجر ۱۵، آیت:۴۲) شیطان کے ذہن میں چیلنج دیتے وقت یہ حقیقت نہ تھی کہ انسان کے اندر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جس طرح گمراہی کی استعداد رکھی ہے، اس کے ساتھ ساتھ ہدایت اور قبولیت خیر کی استعداد بھی رکھی ہے۔ جب انسان ایسے حالات میں ہو کہ اس کا تعلق باللہ قائم ہو تو وہ بلند ہو گا اور اعلیٰ مدارج کی طرف اٹھنے والا ہو گا اور ایسے حالات میں وہ شر اور گمراہی سے بچ جائے گا۔

آیت نمبر ۶۳: ابلیس کو مہلت دے دی گئی۔ ساتھ ہی تنبیہ کر دی گئی کہ اس کی پیروی کرنے والوں اور خود اس کا ٹھکانا جہنم ہو گا جو ان کے کرتوتوں کا پورا پورا بدلہ ہو گا۔

فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"جس طرح کسی مضبوط قلعہ میں چلے جانے سے کوئی لشکر دشمن کے حملہ سے محفوظ ہو جاتا ہے اسی طرح یادِ الٰہی میں مصروف رہنے والے نیک لوگ شیطان کے پھندے سے بچے رہتے ہیں۔"(جامع ترمذی، سنن نسائی)

کیونکہ ذکرِ الٰہی سے شیطان دور بھاگتا ہے۔ یعنی یادِ الٰہی میں مصروف رہنے والے بندے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے نزدیک اور شیطان سے دور رہتے ہیں۔

آیت نمبر ۶۴: شیطان کی طرف سے انسان کو بہکانے کی کوششوں اور طریقوں کا بیان ہے جو یہ ہیں:

۱۔ ہر وہ پکار جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نافرمانی پر اکساتی ہو مثلاً گالی گلوچ، موسیقی، لڑائی جھگڑا، بدکاری، بُرے کام کی دعوت اور ترغیب وغیرہ شامل ہے جو انسان کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے غافل کر دے۔ ۲۔ سوار اور پیادے وہ لشکر ہیں جو شیطان کے پیروکار ہیں اور شیطان ہی کی طرح انسانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ۳۔ مال میں شرکت سے مراد حرام ذریعہ سے کمانا اور مال حرام راستہ میں خرچ کرنا ہے۔ مثلاً سود، رشوت، چوری، ڈاکے اور دھوکے وغیرہ سے مال کمایا جائے اور اسے بدکاری و بے حیائی اور نافرمانی کے کاموں میں خرچ کیا جائے۔ ۴۔ اولاد میں شرکت سے مراد زناکاری، اولاد کی غیر اسلامی تربیت، ان کی پرورش کے لئے حرام ذرائع آمدنی اختیار کرنا وغیرہ۔ مزید یہ کہ شیطان لوگوں کو دینِ حنیف کی تعلیمات کے خلاف اولاد کی پرورش کرانے میں کامیاب ہو جائے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نافرمانی کے مواقع میسر کر دے، اولاد میں شیطان کی شرکت اولاد حرام ہونے سے بھی ہوتی ہے اور اس سے بھی کہ اولاد کے نام مشرکانہ رکھے یا ان کی حفاظت کے لئے مشرکانہ رسوم ادا کرے۔ ۵۔ جھوٹے وعدے اور غلط کام کو اس طرح مزیّن کر کے دکھانا کہ وہ اچھا لگے۔ یعنی انہیں جھوٹے وعدے دلانا سُودی کاروبار سے یہ نفع ہو گا، کافر و مشرک کا داخلہ دوزخ میں ہمیشہ کے لئے نہ ہو گا، دنیا کی زندگی بہت بڑی ہے، ابھی بہت وقت ہے عیش کر لو، اس میں لگے رہو، بڑھاپے میں اعمال صالحہ کر لینا، توبہ کر لینا وغیرہ۔

علمی و عملی بات: ضروری نہیں کہ شیطان سب سے ایک ہی قسم کے وعدے کرتا ہو۔ کافروں کے بہکانے اور کفر پر جمائے رکھنے کے لئے اُس کے طریقے اور ہیں اور اہل ایمان کو ایمان سے ہٹانے اور فرائض و واجبات سے غافل رکھنے اور اعمالِ صالحہ سے دور رکھنے کے طریقے دوسرے ہیں۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ شیطان کے سب وعدے جھوٹ پر مبنی ہیں۔ آج ہم اس کے جھوٹے وعدوں اور وسوسوں میں آکر اس کی پیروی کرنے لگتے ہیں جب کہ قیامت کے دن وہ خود ان وعدوں کے جھوٹا ہونے کا اقرار کرے گا۔ جیسا کہ سورۃ ابراہیم ۱۴، آیت:۲۲ میں آیا ہے کہ "اور جب (تمام معاملات کا) فیصلہ کر دیا جائے گا تو شیطان کہے گا بے شک اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا (وہ) سچا وعدہ (تھا) اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا تو میں نے تم سے وعدہ خلافی کی اور میرا تم پر کچھ زور نہ تھا مگر یہ کہ میں نے تمہیں دعوت دی تو تم نے میری بات مان لی لہٰذا اب تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو (آج) نہ میں تمہاری فریاد رَسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رَسی کر سکتے ہو بے شک میں انکار کرتا ہوں جو تم نے مجھے اس سے پہلے شریک ٹھہرایا تھا بے شک ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے۔"

علمی بات: اللہ ﷾ نے جو ابلیس سے یہ فرمایا کہ جا تُو ایسا ایسا کر لینا یہ ان چیزوں کی اجازت کے طور پر نہیں ہے بلکہ یہ انتہائی ڈانٹ ڈپٹ اور سرزنش کے طور پر ہے جیسا کہ عام طور پر ایسے مواقع پر یہ انداز ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ تُو جو کہتا ہے کہ میں اس نئی مخلوق کی ذرّیت پر قابو پالوں گا تو جو مرضی چاہے کر لے لیکن یاد رکھ کہ تُو بالآخر ان سب سرکشیوں، نافرمانیوں، بُرائیوں اور کفر کا مزہ چکھ لے گا۔

آیت نمبر۶۵: اللہ ﷾ کا بندوں کی نسبت اپنی طرف کرنا شرف اور اعزاز کا اظہار ہے۔ اللہ ﷾ کے وہ بندے جو اللہ ﷾ کی اطاعت اور اسی پر توکل کرتے ہیں۔ ان پر شیطان غلبہ حاصل نہیں کر سکے گا۔ اللہ ﷾ ایسے فرماں برداروں کا کارساز اور دوست بن جاتا ہے۔

علمی و عملی بات: یہ بھی ابلیس کو خطاب ہے مطلب یہ ہے کہ تو بنی آدم کو بہکانے، ورغلانے اور راہِ حق سے ہٹانے کی وہ سب تدبیریں کر لے جو تو کر سکتا ہے۔-جو لوگ اللہ ﷾ پر بھروسہ کرتے ہیں، اخلاص کے ساتھ اعمال کرتے رہتے ہیں، اللہ ﷾ انہیں شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ رکھتا ہے اور وہ ان کے لئے کافی ہے۔

آیت نمبر۶۶: بحری نقل و حمل اللہ ﷾ کی قدرت کی ایک بہت بڑی نشانی ہے۔ اللہ ﷾ نے سمندر میں کشتیاں چلائیں تاکہ انسان اپنے لئے رزقِ حلال تلاش کر سکے۔ رزق کے لئے لفظ "فضل" کا استعمال کر کے یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ سب کچھ اللہ ﷾ کی عطا ہے نہ کہ انسان کا کمال۔ بلاشبہ اللہ ﷾ انسان پر بہت مہربان ہے کہ رزق کے راستے اور اسباب عطا فرماتا ہے۔

علمی بات: کشتیوں کے حوالہ سے یہ ذکر فرمایا گیا کہ تمہارا رب سمندر میں کشتیوں کو چلاتا ہے یعنی ایسی ہوائیں چلاتا ہے جو کشتیوں کو لے کر چلتی ہیں۔ اگر ہَوا نہ ہو تو تم خود بھی کشتیوں کو اپنی ان تدبیروں سے جو اللہ ﷾ نے الہام فرمائی ہیں ان کے ذریعہ چلا لیتے ہو۔ کشتیوں کے ذریعہ سمندروں میں سفر کر کے اور سمندروں کو عبور کر کے اللہ ﷾ کا فضل تلاش کرتے ہو اور سمندر کے اندر بھی ایسی چیزیں ہیں جو بنی آدم کے کام آتی ہیں۔

آیت نمبر۶۷: مشرکین سمندر میں کسی مصیبت میں گرفتار ہوتے تو ان باطل معبودوں کو بھول جاتے جنہیں عام حالات میں وہ پکارتے ہیں۔ اس مصیبت میں فطرت کے تقاضے کے مطابق وہ صرف اللہ ﷾ ہی کو پکارتے ہیں۔ توحید کے دلائل فطرتِ انسانی میں ودیعت شدہ ہیں۔ البتہ جب اللہ ﷾ انہیں بحفاظت خشکی میں لے آتا تو دوبارہ شرک کرنے لگتے ہیں۔ انسان بڑا ہی ناشکرا ہے جو اپنے محسن حقیقی کی قدر نہیں کرتا اور غیروں کو راضی کرنے میں لگ جاتا ہے۔

علمی بات: ناشکرے انسانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ جب سمندری سفر میں تمہیں غرق ہونے کا شدید خطرہ لاحق ہوتا ہے تو اس وقت تم نہ کسی بت سے فریاد کرتے ہو نہ سورج اور چاند سے بلکہ اس حال میں تم صرف اللہ ﷾ سے فریاد کرتے ہو اور جب اس حالت میں اللہ ﷾ تمہیں سمندر میں غرق ہونے سے بچا لیتا ہے اور تم خشکی پر سلامتی سے پہنچ جاتے ہو تو پھر تم اخلاص کے ساتھ اللہ ﷾ پر ایمان لانے سے اعراض کرتے ہو۔ انسان بہت ناشکرا ہے۔ اس کی روش یہ ہو جاتی ہے کہ نعمتوں کو بھول جاتا اور انکار کر دیتا ہے۔

آیت نمبر۶۸: مشرک اس بات سے بے فکر ہیں کہ اللہ ﷾ کسی بھی وقت کسی بھی قسم کی سزا دینے پر قادر ہے۔ وہ چاہے تو خشکی ہی پر زمین شق کر کے انہیں اس میں دھنسا دے یا پتھروں کی بارش برسا کر انہیں ہلاک کر دے۔ بہر صورت یہ لوگ اللہ ﷾ کے مقابلہ میں کوئی مددگار نہیں پائیں گے جو انہیں مصیبت سے نجات دلا سکے۔

آیت نمبر۶۹: یہاں کفر کا لفظ شکر کے مقابلہ میں آیا ہے۔ مراد نعمتوں کی ناشکری ہے۔ مشرکین کی ناشکری پر اللہ ﷻ انہیں دوبارہ سمندر میں لے جا کر تیز آندھی کے ذریعہ انہیں غرق کر دینے پر بھی قادر ہے۔ ایسا کرنے پر اللہ ﷻ سے باز پُرس کرنے والا کوئی نہیں ہو گا۔ محاسبہ کرنے والی ذات تو خود اللہ ﷻ ہی کی ہے۔

علمی بات: "تَبِيعًا" سے مراد یہ ہے کہ جیسے دنیا میں اگر کسی کو قتل کیا جائے تو مقتول کے وارث و اقارب قاتل کا پیچھا کرتے ہیں۔ کبھی قصاص لیتے ہیں اور کبھی (خون بہا) لیتے ہیں لیکن اللہ ﷻ جسے سزا دے گا تو اللہ ﷻ سے کوئی سوال تک نہیں کر سکتا۔ رہا اس کا پکڑنا تو وہ نہ کسی پر ظلم کرتا ہے، نہ زیادتی۔ اس لئے کسی کے پوچھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

آیت نمبر۷۰: انسان کے شرف و بزرگی اور اعزاز و تکریم کا بیان ہے۔ اللہ ﷻ نے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کو عزت بخشی اور اس کے لئے خشکی اور سمندر میں سواریاں مہیا کیں۔ روزی کے طور پر ایسی پاکیزہ اور عمدہ چیزیں عطا فرمائیں جو کسی دوسرے جاندار کو میسر نہیں۔ مخلوق کی اکثریت پر اسے فضیلت عطا فرمائی۔

علمی بات: اللہ ﷻ نے انسان کو دیگر مخلوقات پر متعدد وجوہ سے فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اس فضیلت کی تمام وجوہ کا ادراک تو بہت مشکل ہے۔ تاہم مفسرین کرام نے انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کی بعض اہم وجوہ ذکر فرمائی ہیں جو درج ذیل ہے:

۱۔ قوتِ گویائی، معاش وغیرہ کی تدابیر کی صلاحیت عطا فرمائی۔ ۲۔ اللہ ﷻ کا اپنی روح میں سے پھونکنا۔ ۳۔ نائب اور خلیفہ بنانا۔ ۴۔ نوع انسان کے پہلے فرد کو فرشتوں سے زیادہ علم عطا فرمانا اور فرشتوں کو سجدہ کرانا۔ ۵۔ تمام مخلوق کو لفظ کُن سے پیدا کرنا اور انسان کو اپنے دستِ قدرت سے بنانا۔ ۶۔ تمام مخلوق میں سب سے اچھی ہیئت اور شکل و صورت پر پیدا کرنا۔ ۷۔ ادراک اور اظہار کی قوت عطا کرنا۔ ۸۔ لکھنے اور پڑھنے کی صلاحیت عطا کرنا۔ ۹۔ زمین و آسمان کے وسائل کو انسان کی خدمت کے لئے مسخر کر دینا۔ ۱۰۔ وحی کا نازل ہونا اور نبوت کا عطا کیا جانا۔

آیت نمبر۷۱: روزِ قیامت کی کیفیت کا بیان ہے۔ امام سے مراد نامۂ اعمال یا ہر امت کے نبی یا ہر دور کے پیشوا ہیں جن کی قیادت میں لوگوں کو طلب کیا جائے گا۔ اللہ ﷻ کے فرماں برداروں کو ان کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا جس سے وہ خوش ہو کر اسے پڑھیں گے۔

علمی بات: ۱۔ جن لوگوں کو ان کے اعمال نامے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے وہ اپنے اعمال ناموں کو پڑھیں گے اور ان کی بالکل حق تلفی نہیں کی جائے گی۔ فتیل (بٹا ہوا) وہ باریک دھاگہ جو کھجور کی گٹھلی کے شگاف میں ہوتا ہے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ ذرّہ برابر بھی ان کے ثواب میں کمی نہیں کی جائے گی۔
۲۔ اس آیت میں صرف ان لوگوں کا ذکر کیا گیا جن کے دائیں ہاتھوں میں اعمال نامے دیئے جائیں گے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کے بائیں ہاتھ میں یا پشت کے پیچھے سے اعمال نامے دیئے جائیں گے ان کی حالت کچھ اور ہو گی وہ جب اپنے اعمال نامے پڑھیں گے تو شرمندگی اور حیرت ان پر چھا جائے گی، کافروں کا تذکرہ اس آیت میں نہیں ہے نہ ان کے اعمال نامے دینے کا بیان ہے کیونکہ اگلی آیت خود کافروں کی حالت کا اظہار کر رہی ہے۔

آیت نمبر۷۲: اَعْمٰی سے مراد دل کا اندھا ہے۔ جس نے دنیا میں حق کو سمجھنے، دیکھنے اور قبول کرنے کی کوشش بھی نہ کی وہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا۔ اسے نہ جنت کی راہ نظر آئے گی، نہ اسے اللہ ﷻ کا فضل حاصل ہو گا۔

علمی بات: انسان نے اگر دنیا میں ہدایت کے راستہ کو دیکھنے کی کوشش ہی نہ کی اور اندھا بنا رہا تو وہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا اور جنت کی راہ نظر ہی نہ آئے گی۔ دنیا میں اس کا اندھا پن اختیاری تھا اور اس کی اصلاح ممکن تھی۔ لیکن آخرت میں اس کا اندھا پن اضطراری ہو گا جو دنیا کے اندھے پن کے

نتیجہ میں واقع ہو گا اور چونکہ اس کی اصلاح کی اب کوئی صورت ممکن نہ ہو گی نہ کسی دوسرے کا اسے راستہ دکھانا کام آسکے گا۔ لہٰذا ایسا شخص جنت سے دور ہی کہیں بھٹکتا رہے گا اور اسے صرف اپنے سامنے جہنم کے مختلف طرح کے عذاب ہی نظر آئیں گے۔

آیت نمبر ۷۳: مشرکین مکہ رسول اللہ ﷺ کو دعوتِ توحید سے روکنے، مصالحت پر آمادہ کرنے اور سودے بازی کی پیشکش کرتے۔ حتیٰ کہ قرآنِ حکیم میں تبدیلی کے لئے دباؤ ڈالنے کی کوشش کرتے۔ مگر یہ سب کچھ ممکن ہی نہ تھا۔ بالفرض محال ایسا ہوتا تو وہ رسول کریم ﷺ کو اپنا دوست بنا لیتے۔

علمی بات: ان آیات میں تدبّر کرنے سے نبوت کی ذمہ داریوں کی نزاکت کا احساس ہوتا ہے۔ یعنی کلامِ الٰہی میں کسی وجہ سے ذرّہ برابر کمی بیشی نا قابل برداشت ہے۔ کفار مکہ نے بارہا کوشش کی۔ انہوں نے مال و جائیداد کا ڈھیر لگا دینے، سرداری پیش کرنے اور خوبصورت عورت کا رشتہ دینے کی بارہا پیش کشیں کیں لیکن حبیبِ کبریا ﷺ نے یہ فرما کر ان کی پیشکشوں کو کم تر سمجھ کر ٹھکرا دیا کہ اگر تم سورج میرے دائیں ہاتھ پر رکھ دو اور چاند میرے دائیں ہاتھ پر تب بھی میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کلام میں بال برابر ردوبدل کرنے کے لئے تیار نہیں۔ مجھے جس مقصد کے لئے مبعوث فرمایا گیا ہے اس کی تبلیغ میں سرگرم عمل رہوں گا۔ یہاں تک کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں یا میری زندگی ختم ہو جائے۔

آیت نمبر ۷۴: یہ آیت انبیاء کرام علیہم السلام کی اعلیٰ ترین پاکیزہ طبعیت اور ان کی حفاظت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت فرمائی اور آپ ﷺ مشرکین کے سازشوں کے مقابلہ میں ثابت قدم رہے۔

علمی بات: ۱۔ یہ ان حالات کی طرف اشارہ ہے جو پچھلے دس بارہ سال سے نبی کریم ﷺ کو مکہ مکرمہ میں پیش آرہے تھے۔ کفار مکہ اس بات کے درپے تھے کہ جس طرح بھی ہو آپ ﷺ کو توحید کی اس دعوت سے ہٹا دیں جسے آپ ﷺ پیش کر رہے تھے اور کسی نہ کسی طرح آپ ﷺ کو مجبور کر دیں کہ آپ ﷺ ان کے شرک اور رسوم جاہلیت سے کچھ نہ کچھ مصالحت کر لیں۔ اس غرض کے لئے انہوں نے ہر کوشش کی۔ اور وہ سب کچھ کر ڈالا جو کسی انسان کے عزم کو شکست دینے کے لئے کیا جا سکتا تھا۔ مگر وہ حضور اکرم ﷺ کے پایہ استقلال میں زرہ برابر بھی لغزش نہ لا سکے۔

۲۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے قدموں کو مضبوطی سے راہِ راست پر مستحکم فرما دیا ہے۔ اس لئے کفار کی طرف ادنیٰ سا میلان بھی نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ حضور سرور عالم ﷺ ان کی طرف زیادہ مائل ہوں۔ یعنی نفس کی طہارت کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ثابت قدم رکھنے کی سعادت نے حضور اکرم ﷺ کو اس مقامِ عالی اور شانِ رفیع پر فائز فرما دیا ہے۔

آیت نمبر ۷۵: انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں۔ ان کی حفاظت اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی رحمت سے فرماتا ہے۔ امّت کے لئے ہدایت ہے کہ مخالفین حق سے کوئی مصالحت نہ کریں نہ باطل پر سمجھوتہ کریں۔ بالفرض والمحال کفار کی طرف مائل ہونے کا معاملہ ہو جاتا تو دنیا و آخرت میں دُہرا عذاب دیا جاتا۔ مقرب بندوں کی معمولی خطا بھی بہت بڑی سمجھی جاتی ہے۔

علمی بات: ۱۔ اس سے حضور اکرم ﷺ کی عظمت اور اعلیٰ شان کا پتہ چلتا ہے کیونکہ جتنا کوئی زیادہ عزیز ہوتا ہے اتنا ہی اُس کی معمولی لغزش بھی نا قابل برداشت ہوتی ہے۔ عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ تو معصوم تھے۔ یہ تنبیہ حضور ﷺ کی امّت کو کی جا رہی ہے کہ وہ کسی صورت میں دین حق اور احکام شریعت کو چھوڑ کر کفار کی خوشنودی حاصل کرنے کی طرف مائل نہ ہوں۔

۲۔ ہر وہ شخص جو دعوتِ حق کا فریضہ ادا کر رہا ہو اسے ہر لحہ ان آیات کو اپنے پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ مبادا اس سے کوئی ایسی فرو گزاشت ہو جائے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ناراضگی کا باعث بن جائے ہمارا علم نا تمام ہے۔ ہماری عقل خام ہے، ہم شیطان کے وسوسہ اندازیوں کا صحیح طور پر مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہمارے لئے بچنے کا راستہ صرف یہی ہے کہ صدقِ دل سے اور عجز و نیاز سے اپنی بے بسی کا پورا اعتراف کرتے ہوئے ہر قدم پر بارگاہِ الٰہی میں یہی التجا کریں۔

فرمانِ نبوی ﷺ: نبی اکرم ﷺ کو جب کوئی کام سخت تکلیف و پریشانی میں ڈال دیتا تو آپ ﷺ یہ دعا پڑھتے: یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِیْثُ
"اے زندہ اور ہمیشہ رہنے والے! تیری رحمت کے وسیلہ سے تیری مدد چاہتا ہوں۔" (جامع ترمذی)

۳۔ اگرچہ یہ خطاب بظاہر نبی اکرم ﷺ سے ہے مگر سختی کا رُخ ان لوگوں کی طرف ہے جنہوں نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے آپ ﷺ کے مقابلہ میں ایسے حالات پیدا کر رکھے تھے۔ ان الفاظ میں ان لوگوں کو سنایا جارہا ہے کہ اے اہلِ باطل! تم جو چاہو کرلو ہمارے نبی ﷺ تمہارے اس دباؤ میں آکر تمہارے مطالبات ماننے والے نہیں ہیں۔

آیت نمبر۷۶: کفارِ مکہ کی رسول اللہ ﷺ کے خلاف جلاوطن کرنے کی سازش کا ذکر ہے۔ کفار کو سزا پہلے ہی سنا دی گئی کہ اگر انہوں نے آپ ﷺ کو ہجرت پر مجبور کیا تو وہ خود بھی مکہ مکرمہ میں بہت کم مدت ٹھہر سکیں گے۔

علمی بات: یہ اہل مکہ تھے جنہوں نے نبی مکرم ﷺ کو مکہ مکرمہ سے نکالنے کا ارادہ کیا اور اگر وہ ایسا کرتے تو پھر ان کو مہلت نہ دی جاتی، یعنی وہ بھی مکہ مکرمہ میں نہ رہ سکتے، لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کو نکالنے سے روک دیا، حتیٰ کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خود آپ ﷺ کو مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمانے کا حکم دیا۔

پھر نبی ﷺ کے مکہ مکرمہ سے جانے کے بعد یہ بہت کم عرصہ مکہ مکرمہ میں رہ سکے، حتیٰ کہ جنگ بدر میں کافی مشرکین مارے گئے اور کافی قید ہوگئے، پھر آٹھ سال بعد حضور ﷺ نے مکہ مکرمہ کو فتح کرلیا۔ مکہ مکرمہ کی پوری وادی مسلمانوں کے زیر نگیں آگئی۔ مشرکین کو قیامت تک کے لئے مکہ مکرمہ سے نکال دیا گیا اور یوں قرآنِ حکیم کی یہ پیشن گوئی نہایت آب و تاب سے پوری ہوگئی۔

آیت نمبر۷۷: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے قانون کو بیان کرکے رسول اللہ ﷺ کے لئے تسلی کا سامان کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے پہلے بھیجے گئے رسولوں کی قوموں نے جب بھی ان کو ہجرت پر مجبور کیا تو وہ نافرمان لوگ عذاب سے محفوظ نہ رہے۔ مشرکین مکہ کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوگا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے قانون میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

علمی بات: پیغمبروں کی قوموں نے جب ان کو اپنے یہاں سے نکالا تو اس کے بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے عذاب نے بالآخر ان کو آپکڑا اور وہ لوگ اپنے ہولناک انجام کو پہنچ کر رہے۔ لہٰذا ان رسولوں کی ہجرت کے بعد جو حشر ان کی قوموں کا ہوا وہی ان کفارِ مکہ کا ہوگا کہ اللہ کا قانون اور ہماری سنت سب کے لئے یکساں اور برابر ہے۔ اس میں کسی کے لئے کوئی رعایت نہیں۔

آیت نمبر۷۸: حق کے راستہ میں ثابت قدمی کے لئے نماز قائم کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

علمی بات: ا۔ نماز سے مدد حاصل کرنے کی تلقین سورۃ البقرۃ ۲، آیت: ۱۵۳ پنج وقتہ نمازوں کے اوقات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ تفصیلات احادیثِ مبارکہ میں آئی ہیں۔ سورج ڈھلنے کے بعد ظہر اور عصر کی نماز اور رات کی تاریکی سے مراد مغرب اور عشا کی نمازیں ہیں۔ فجر کے وقت قرآنِ حکیم پڑھنے سے مراد فجر کی نماز ہے۔ نماز فجر کے ساتھ بالخصوص قرآنِ حکیم کے ذکر کی وجہ یہ ہے کہ اس نماز میں قرآنِ حکیم کی طویل تلاوت ہوتی ہے۔ فجر کا وقت مبارک ہے۔ دن اور رات کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے اور ان کی بھرپور حاضری ہوتی ہے۔

۲۔ فجر کی نماز کو قرآنِ حکیم سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ اس میں قرآنِ حکیم کی قرآت لمبی ہوتی ہے۔ رات کے وقت جو فرشتے انسان کی حفاظت کرنے اور اس کے عمال لکھنے پر مقرر ہوتے ہیں وہ فجر کی نماز کے بعد واپس جاتے ہیں اور دن کے فرشتے فجر کی نماز سے پہلے آجاتے ہیں۔ اس طرح فجر کی نماز میں رات اور دن کے فرشتوں کا اجتماع ہوجاتا ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس رات اور دن کے فرشتے باری باری آتے ہیں فجر اور عصر کی نماز میں جمع ہوجاتے ہیں جب رات کے فرشتے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے پاس جاتے ہیں تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان سے پوچھتا ہے حالانکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ خوب

جانتا ہے، تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ فرشتے کہتے ہیں: جب ہم ان کے پاس گئے تھے اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس سے آئے ہیں تو بھی انہیں نماز پڑھتے ہوئے چھوڑ آئے ہیں۔(صحیح بخاری)

آیت نمبر۷۹: تہجد کی نماز کی خصوصی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ تہجد وہ نماز ہے جو رات کے ایک حصہ میں ادا کی جائے۔ افضل نیند سے بیدار ہو کر ادا کرنا ہے۔ مزید افضل رات کے آخری حصہ میں ادا کرنا ہے۔ ضبط نفس، تربیت اور اللہ ﷻ سے تعلق کی مضبوطی کا بہترین ذریعہ نمازِ تہجد ہے۔ تہجد کی نماز کو نفل یعنی فرض سے زائد عبادت قرار دیا گیا۔ امّت کے لئے گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے۔ رسالت مآب ﷺ کے لئے درجات کی بلندی کا باعث ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو مقامِ محمود پر فائز کیئے جانے کی بشارت دی گئی ہے۔ مقامِ محمود، مقامِ شفاعت کُبریٰ ہے جو صرف رسول اللہ ﷺ کو میدانِ حشر میں عطا ہو گا۔

فرامینِ نبوی ﷺ: ۱۔ حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:" کہ تم رات کے قیام کرنے کو لازم پکڑ لو۔ کیونکہ تم سے پہلے جو صالحین گزرے ہیں یہ ان کی عبادت رہی ہے اور یہ تمہارے رب کی نزدیکی کا سبب ہے اور تمہارے گناہوں کا کفارہ ہے اور گناہوں سے روکنے والی ہے۔" (جامع ترمذی)

۲۔ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:" کہ بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جس وقت پچھلی رات کا درمیانہ حصہ ہو۔ پس اگر تجھ سے یہ ہو سکے کہ اس وقت میں اللہ ﷻ کا ذکر کرنے والوں میں سے ہو جائے تو اس پر عمل کرلینا۔" (جامع ترمذی)

اس آیت میں آپ ﷺ کے لئے خاص طور پر تسلی ہے کہ چند روزہ دنیا میں وہ بھی چند دن آپ ﷺ کے دشمن جو آپ ﷺ کو تکلیف دے رہے ہیں یہ اس بلند مرتبہ کے سامنے بے حقیقت ہے جو مرتبہ آپ ﷺ کو قیامت کے دن عطا کیا جائے گا یعنی مقامِ محمود پر پہنچایا جائے گا۔ اس مقام پر تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور تمام اوّلین و آخرین آپ ﷺ کی تعریف کریں گے۔ مقامِ محمود سے مراد ایسا مرتبہ ہے کہ سب لوگ آپ ﷺ کی حمد و ثنا کرنے لگیں اور اس کی کئی توجیہات ہیں مثلاً: ایک یہ کہ ایسا مقام قدر و منزلت اور حمد و ستائش آپ ﷺ کو اللہ ﷻ نے اس دنیا میں بھی آپ ﷺ کی آخری زندگی میں عطا فرما دیا تھا، دوسری یہ کہ جنت میں ایک بلند مقام ہے جس کا نام ہی مقامِ محمود ہے وہ آپ ﷺ کو عطا کیا جائے گا اور تیسری یہ کہ قیامت کے دن کی ہولناکیوں کو دیکھ کر سب لوگ گھبراہٹ میں ہوں گے وہ چاہیں گے کہ اللہ ﷻ کے حضور ان کی کوئی سفارش کرے وہ حضرت آدم علیہ السلام اور پھر ان کے بعد باری باری سب انبیاء کرام علیہم السلام سے سفارش کی التجا کریں گے مگر ہر نبی علیہ السلام اپنا الگ عذر بیان کر کے معذرت کر دے گا۔ بالآخر سب لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں گے تو آپ ﷺ لوگوں کی یہ التجا قبول کر کے اللہ ﷻ کے حضور ان کی سفارش کریں گے۔ اس توجیہہ کے لحاظ سے مقامِ محمود سے مراد مقامِ شفاعت ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے خود بھی یہی وضاحت فرمائی ہے۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کسی نے آپ ﷺ سے مقامِ محمود کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:" کہ اس سے مراد مقامِ شفاعت ہے۔" (جامع ترمذی) اس وقت سب لوگوں کی زبان پر آپ ﷺ کی حمد و ستائش جاری ہو جائے گی۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: قیامت کے دن امتیں گروہ در گروہ چلیں گی۔ ہر امت اپنے نبی کے پیچھے ہو گی اور وہ لوگ (انبیاء علیہم السلام سے) کہیں گے: کہ اے فلاں! ہماری شفاعت کرو۔ اے فلاں! ہماری شفاعت کرو (مگر وہ سب ہی انکار کر دیں گے) یہاں تک کہ شفاعت کے لئے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے تو یہی وہ دن ہے جب اللہ ﷻ آپ ﷺ کو مقامِ محمود عطا فرمائے گا۔ (صحیح بخاری)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے اذان سننے کے بعد یہ دعا کی: "اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّآمَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَآئِمَةِ آتِ مُحَمَّدَانِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَا اِلَّذِىْ وَعَدْتَّهٗ" اے اللہ! اس کامل دعوت اور قائم ہونے والی نماز کے مالک! حضرت محمد (ﷺ) کو مقام وسیلہ اور فضیلت عطا فرما! اور ان کو مقامِ محمود پر فائز فرما! جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے تو قیامت کے دن اس کے حق میں میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔ (صحیح بخاری)

آیت نمبر ۸۰: ہجرت کی طرف اشارہ جو اس آیت کے نزول کے کچھ ہی عرصہ میں واقع ہونے والی تھی۔ ہجرت کرتے وقت رسول اللہ ﷺ کو اس دعا کی تلقین فرمائی گئی۔ جہاں بھی جانا ہو حق اور صداقت کے خاطر ہو اور جہاں سے بھی نکلنا ہو حق اور صداقت کے لئے ہو۔ ایسے اقتدار اور حکومت کی دعا جس میں دین کے غلبہ کے لئے عملی کام آسان ہو جائے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو۔

علمی بات: اس آیت میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اسی دنیا میں اوّل آپ ﷺ کو کفار کی ایذاؤں سے نجات دینے کی تدبیر بصورتِ ہجرت مدینہ ارشاد فرمائی اور اس کے بعد فتح مکہ کی بشارت اگلی آیت میں عطا ہوئی۔

شانِ نزول: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ مکہ معظمہ میں تھے پھر آپ ﷺ کو ہجرتِ مدینہ کا حکم دیا گیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ داخل ہونے کی جگہ سے مراد مدینہ منورہ اور خارج ہونے کی جگہ سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یا اللہ! مدینہ منورہ میں میرا داخلہ خیر و خوبی کے ساتھ ہو جائے وہاں کوئی خلاف طبع اور ناگوار صورت پیش نہ آئے اور مکہ مکرمہ سے میرا نکلنا خیر و خوبی کے ساتھ ہو جائے۔

عملی پہلو: بعض علماء کرام نے فرمایا کہ یہ دعا ہر مسلمان کو اپنے تمام مقاصد کے شروع میں یاد رکھنا چاہیئے اور ہر مقصد کے لئے یہ دعا مفید ہے اسی دعا کا تکملہ بعد کا جملہ ہے واجْعَلْ لِّىْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کو یہ معلوم تھا کہ منصبِ رسالت کے فرائض کی ادائیگی اور دشمنوں کے نرغے میں کام کرنے کے لئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے غلبہ اور نصرت کی ادائیگی کی دعا فرمائی جو قبول ہوئی اور اس کے آثار سب کے سامنے آ گئے۔

آیت نمبر ۸۱: ہجرت کے ساتھ فتح مکہ اور غلبہ دین کی بشارت دی گئی۔ باطل کے نیست و نابود ہونے کا اعلان کیا گیا۔ مشرکین نے ہجرت پر مجبور کر دیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ہجرت ہی حق کے غلبہ کی تمہید بن گئی۔ مصائب سے گزر کر ہی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مدد آتی ہے۔

۱۔ یہ آیت ہجرت کے بعد فتح مکہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول کریم ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت بیت اللہ کے گرد تین سو ساٹھ (۳۶۰) بتوں کے مجسمے کھڑے ہوئے تھے۔ بعض علماء کرام نے اس خاص تعداد کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ مشرکین مکہ سال بھر کے دنوں میں ہر دن کا بت الگ رکھتے تھے اس دن میں اس کی پرستش کرتے تھے۔

۲۔ آپ ﷺ جب وہاں پہنچے تو یہ آیت آپ ﷺ کی زبان مبارک پر تھی " وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اور اپنی چھڑی ایک ایک بت کے سینے میں مارتے جاتے تھے۔" (صحیح بخاری، صحیح مسلم) تفاسیر میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کسی بت کے سینہ میں اس کو مارتے تو وہ الٹا گر جاتا تھا یہاں تک کہ یہ سب بت گر گئے اور پھر آپ ﷺ نے ان کے توڑنے کا حکم دے دیا۔

آیت نمبر ۸۲: قرآنِ حکیم روحانی بیماریوں کے لئے شفا ہے۔ ان لوگوں کے لئے جو اس پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ لوگ ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ بھی انجام دیتے ہیں تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رحمت ان کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ قرآنِ حکیم کی ناقدری اور اس کی مخالفت کرنے والوں کے لئے قرآنِ پاک دنیا و آخرت میں ابدی خسارے کا باعث ہے۔

علمی بات: ا۔ قرآنِ حکیم کا قلوب کے لئے شفا ہونا شرک وکفر، بُرے اخلاق اور باطنی امراض سے نجات کا ذریعہ ہونا تو کھلا ہوا معاملہ ہے۔ تمام امّت اس پر متفق ہے۔ بعض علماء کرام کے نزدیک قرآنِ حکیم جس طرح باطنی امراض کی شفا ہے اسی طرح ظاہری امراض کی بھی شفا ہے۔ آیاتِ قرآن حکیم پڑھ کر مریض پر دم کرنا ظاہری امراض کے لئے بھی باعثِ شفا ہوتا ہے۔ تمام کتب احادیث میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث موجود ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سفر میں تھی کسی گاؤں کے سردار کو بچھونے کاٹ لیا تھا لوگوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ آپ کچھ اس کا علاج کرسکتے ہیں انہوں نے سات مرتبہ سورۃ الفاتحہ پڑھ کر اس پر دم کیا مریض ٹھیک ہوگیا پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا تذکرہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس عمل کو جائز قرار دیا۔ اسی طرح دوسری متعدد روایات سے خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معوذتین (سورۃ الفلق و سورۃ الناس) پڑھ کر دم کرنا ثابت ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہم سے معوذتین اور دوسری آیات قرآنِ حکیم کے ذریعہ مریضوں کا علاج کرنا ثابت ہے۔ البتہ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ علاج کے لئے دوا کرنا بھی سنت ہے اور اس کا ضرور اہتمام کرنا چاہیئے۔ نیز قرآنی آیات کی تلاوت اور مسنون دعاؤں اور اذکار کا اہتمام کرنا بھی سنت ہے جس پر ہمیں مستقل مزاجی اور پابندی سے کاربند رہنا چاہیئے۔

۲۔ "وَلَا يَزِيدُ الظّٰلِمِينَ اِلَّا خَسَارًا" کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ قرآنِ حکیم کو جب اعتقاد و احترام کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کا شفا ہونا جس طرح ظاہر اور ثابت ہے اسی طرح قرآنِ مجید کا انکار یا بے ادبی خسارہ اور آفات کا ذریعہ بھی ہے۔

آیت نمبر ۸۳: انسان کی اس کیفیت کا ذکر ہے جس میں وہ عام طور پر خوشحالی اور تکلیف کے وقت مبتلا ہو جاتا ہے۔ وہ خوشحالی میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو بھول جاتا ہے اور تکلیف پہنچنے پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو جاتا ہے۔ وہ کسی بھی حالت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے تعلق قائم نہیں کرتا۔

علمی بات: ا۔ "اَلْاِنْسَانِ" سے مراد یہاں کافر یا فاسق انسان ہے، حقیقی مومن ایسا نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مومن کا معاملہ بڑا عجیب (عمدہ) ہے، کیونکہ اس کا ہر معاملہ ہی خیر ہے اور یہ چیز مومن کے سوا کسی کو حاصل نہیں، اگر اسے کوئی خوشی پہنچے تو وہ شکر کرتا ہے تو وہ اس کے لئے خیر ہے اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچے تو صبر کرتا ہے، پس وہ بھی اس کے لئے خیر ہے۔" (صحیح مسلم) مزید معلوم ہوا کہ کوئی شخص اگر احسان کے باوجود بے وفائی اور ناشکری کرے تو محسن کو احسان چھوڑنا نہیں چاہیئے۔ تمام کفار و فساق کی ناشکری کے باوجود اللہ سبحانہ وتعالیٰ دنیا میں ان پر بھی بے شمار انعامات جاری رکھے ہوئے ہے۔

۲۔ یہ مضمون اس لئے بھی بیان فرمایا کہ قرآنِ حکیم جو سب سے بڑی نعمت الٰہی ہے، بہت لوگ اس کی قدر نہیں پہچانتے بلکہ اس کے ماننے سے اعراض و پہلو تہی کرتے ہیں۔ پھر جب اس کفرانِ نعمت اور اعراض و انکار کا بُرا نتیجہ سامنے آئے گا اس وقت قطعاً مایوسی ہوگی۔ کسی طرف اُمید کی جھلک نظر نہ پڑے گی۔

عملی پہلو: ہمیں قرآنِ حکیم سے اپنے تعلق کو مسلسل مضبوط کرنے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے ہمیں قرآنِ حکیم کے مندرجہ ذیل حقوق ادا کرنے چاہئیں۔ ا۔ قرآنِ حکیم پر ایمان لانا۔ ۲۔ اس کی تلاوت کرنا۔ ۳۔ اسے سمجھنے کی کوشش کرنا۔ ۴۔ اس پر عمل کرنا۔ ۵۔ اسے دوسروں تک پہنچانا۔

آیت نمبر ۸۴: "شاکلہ" کے معنی طبیعت، طور طریقہ، ڈھنگ وغیرہ کے ہیں۔ مومن اور کافر اپنے اپنے طریقے پر عمل کرتے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو خوب علم ہے کہ کون ہدایت کے راستے پر ہے اور کون گمراہی میں مبتلا ہے۔

علمی و عملی بات: یعنی ہر شخص اپنی طبیعت اور مزاج کے مطابق عمل کرتا ہے، پس جن لوگوں کی روحیں نیک اور پاک ہیں ان پر جب قرآنِ حکیم پڑھا جاتا ہے تو ان میں قرآنِ حکیم کے تقاضوں پر عمل کا اظہار ہوتا ہے اور جن کی روحیں بُری اور ناپاک ہوتی ہیں ان پر جب قرآنِ پاک پڑھا جاتا ہے تو

ان میں گمراہی ور سرکشی کا اظہار ہوتا ہے، جیسے بارش اگر زرخیز زمین پر ہو تو اس میں سبزہ اور ہریالی اور زیادہ ہوتی ہے اور بنجر، کھاری اور سیم زدہ زمین پر ہو تو اس کی خرابی اور زیادہ ہو جاتی ہے۔

عملی بات: دنیا میں ہر شخص اپنی نیت، اپنی طبیعت اور اپنے طریقے سے مذہب پر چلتا اور اسی میں مگن رہتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم محیط سے کسی شخص کا کوئی عمل باہر نہیں ہے۔ وہ ہر ایک کے طریقِ عمل اور حرکات و سکنات کو برابر دیکھ رہا ہے اور بخوبی جانتا ہے کہ کون کتنا سیدھا رہا ہے اور کس میں کس قدر ٹیڑھا پن ہے۔ پھر ہر ایک کے ساتھ اسی کے موافق برتاؤ کرے گا۔

آیت نمبر ۸۵: یہود کے کہنے پر مشرکین مکہ کا رسول اللہ ﷺ سے روح کے متعلق سوال اور اس پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا جواب یہ دیا گیا کہ روح اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم سے ایک حقیقت ہے۔ چونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں انسان کو دیا ہوا علم کوئی حیثیت نہیں رکھتا اس لئے لوگ اس کی حقیقت کو سمجھ نہیں سکتے۔

علمی بات: ا۔ کفار کی طرف سے روح کے متعلق ایک سوال اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے اس کا جواب مذکور ہے۔ کفار نے سوال کیا تھا کہ روح کیا چیز ہے؟ وہ انسان کے بدن میں کس طرح آتی جاتی ہے؟ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا: اے نبی ﷺ! آپ ﷺ لوگوں کو بتا دیجئے کہ وہ اعضائے جسم اور عام مخلوقات کی طرح مادہ سے پیدا نہیں ہوئی بلکہ وہ مادہ کے بغیر بلا واسطہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم کن سے پیدا ہوئی ہے۔ وہ بھی ایک قسم کی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مخلوق ہے جس پر دوسری مخلوق کی طرح اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو مکمل اختیار و قدرت حاصل ہے۔ اس جواب سے یہ واضح ہو گیا کہ روح کو عام مادی اشیاء پر قیاس نہیں کیا جا سکتا بلکہ وہ مادہ کے بغیر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم سے پیدا ہوئی ہے۔ انسان کے لئے روح کے بارے میں اتنا جان لینا ہی کافی ہے اس سے زیادہ علم نہ ہونے سے نہ تو اس کا کوئی دینی کام رکتا ہے اور نہ دنیوی، اس لئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے روح کے بارے میں اس قدر وضاحت فرمائی جس قدر انسان کے لئے ضروری ہے یعنی اس کی ضرورت اور فہم کے مطابق دے دیا، حقیقت روح کو بیان نہیں فرمایا۔

مفسرین کی ایک رائے یہ بھی ہے کہ کلام کے سیاق و سباق اور عبارت کے ربط سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہاں روح سے مراد "وحی" یا وحی لانے والا فرشتہ ہی ہو سکتا ہے یعنی روح سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ مشرکین کا سوال دراصل یہ تھا کہ قرآنِ حکیم وہ کہاں سے لاتے ہیں؟ روح الامین یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام کیسے نازل ہوتے ہیں؟ اور کس طرح نبی ﷺ کے قلب پر وحی کا القاء ہوتا ہے؟۔ اس پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے رسول ﷺ! تم سے یہ لوگ روح، یعنی ماخذ قرآن، یا ذریعہ حصولِ قرآن کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ انہیں بتا دیں کہ یہ روح میرے رب کے حکم سے آتی ہے، مگر تم لوگوں نے علم سے اتنا کمزور حصّہ پایا ہے کہ تم انسانی ساخت کے کلام اور وحی ربانی کے ذریعہ سے نازل ہونے والے کلام کا فرق نہیں سمجھتے اور اس کلام پر یہ شبہ کرتے ہو کہ اسے کوئی انسان گھڑ رہا ہے۔ (معاذ اللہ)

2۔ یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وحی کو لانے والا وہ فرشتہ ہے جسے روح کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ تمہیں اس روح کی حقیقت سمجھائی جائے تو یہ بات تمہارے لئے مشکل ہے۔ اس لئے کہ وحی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے پیغمبر علیہ السلام کے دل پر کیسے اترتی ہے؟ اور اس کی کیفیت کیا ہوتی ہے؟ کیفیتیں کبھی کسی کو سمجھائی نہیں جا سکتیں۔ وہ وہی جانتا ہے جس پر وہ کیفیت وارد ہوتی ہے۔ وحی کی حقیقت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے نبیوں کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

قرآنِ حکیم نے خود روح کے بارے میں مختلف مواقع پر جو باتیں فرمائی ہیں ان میں یہ مفہوم بہت نمایاں ہے۔ عِبَادِہٖ "وہ اپنے حکم سے روح (یعنی وحی) کو نازل فرماتا ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے۔" (سورۃ المؤمن ۴۰، آیت: ۱۵)

آیت نمبر ۸۶: اصلاً کفار کی طرف خطاب کا رخ ہے جو قرآنِ حکیم کو رسول اللہ ﷺ یا کسی اور کی طرف گھڑنے کو منسوب کرتے تھے۔ (معاذ اللہ) ان لوگوں کو بتایا گیا ہے کہ قرآنِ حکیم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا کلام ہے۔ وہ اگر چاہے تو اسے سلب کر لے پھر کوئی دوبارہ وحی کو لوٹانے پر قادر نہیں۔

علمی بات: کفار و مشرکین سے یہ فرمایا گیا ہے کہ قرآنِ حکیم کو گھڑ لینے کا الزام آنحضرت ﷺ پر رکھتے ہیں (معاذاللہ) حالانکہ ان کا حال یہ ہے کہ اس وحی کے نازل ہونے میں ان کا کوئی تعلق نہیں۔ انہیں کبھی اس کا خیال بھی نہیں آیا تھا کہ ان پر وحی آئے گی اور کوئی کتاب نازل ہو گی۔ ان کی مرضی اور خواہش کے بغیر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کا انتخاب فرمایا اور اس عظیم کام کے لئے ان کو چُن لیا۔ اب جبکہ وہ اس کام کی انجام دہی میں شب و روز لگے ہوئے ہیں تو تب بھی اس وحی کے اُترنے میں ان کا کوئی دخل نہیں۔ بالفرض اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ وحی کا آنا بند کر دے اور جو کچھ نازل ہو چکا ہے اسے واپس لے جائے تو وہ اسے روک نہیں سکتے۔ اور کوئی ایسی قوت نہیں جو اس سلسلہ میں ان کی مدد کر سکے۔

آیت نمبر ۸۷: یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت کا مظہر ہے کہ اس نے نبی کریم ﷺ کے سینہ مبارک میں قرآنِ حکیم کو محفوظ فرما دیا۔ بلاشبہ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے قرآنِ حکیم جیسی نعمتِ عظمیٰ عطا فرمائی۔ اس کے علاوہ بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ ﷺ پر بہت سارے انعامات فرمائے ہیں مثلاً، رحمت للعالمین، ختم نبوت، تکمیل دین، بلند ذکر، کوثر، مقامِ محمود، وغیرہ۔

علمی بات: ۱۔ پچھلی آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: کہ اس نے اپنے پیارے نبی خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر جو وحی بھیجی ہے اپنی قدرت اور اختیار سے بھیجی ہے۔ آپ ﷺ کے پاس اس کا باقی رکھنا بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت سے ہے۔ اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ چاہے تو اسے سلب کر لے یعنی آپ ﷺ کو بھلا دے۔ ہاں اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی رحمت سے پھر واپس فرما دے یا سرے سے واپس ہی نہ لے تو یہ اس کا فضل وانعام ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت اور فضلِ کبیر کا ذکر ہے۔

2۔ قرآنِ حکیم کا نزول اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی سب سے بڑی رحمت ہے جس کے لئے آنحضرت ﷺ کے قلب مبارک کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے آپ ﷺ کی ذات پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا انتہائی فضل و کرم ہے۔ اس نے آپ ﷺ کو وہ بلند مقامات عطا فرمائے ہیں جن کا تصور کرنے سے بھی ہم عاجز ہیں۔ بے شک اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ ﷺ کو سید الخلائق بنایا، آپ ﷺ پر تکمیل دین کا اعلان فرمایا۔ کتاب کا معجزہ بھی عطا فرمایا جو کلام اللہ بھی ہے اور کتاب اللہ بھی اور اسے تا قیامت محفوظ فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کو خاتم الانبیاء بنایا، رہتی دنیا تک آپ ﷺ کی شریعت باقی رکھی ہے، بے شمار علوم عطا فرمائے اور بہت بڑی امت عطا فرمائی اور آپ ﷺ کے لئے مقامِ محمود کا وعدہ بھی فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کی اتنی زیادہ فضیلتیں ہیں جو مخلوق کے شمار سے باہر ہیں۔

آیت نمبر ۸۸: کفار کے اس دعویٰ کی تردید کی گئی ہے کہ وہ قرآنِ حکیم جیسا کلام پیش کر سکتے ہیں۔ تمام انسان اور جنات بھی باہم مل کر قرآنِ حکیم جیسا کلام پیش نہیں کر سکتے۔ پورا قرآنِ حکیم تو کیا اس کی ایک سورت جیسی سورت بھی پیش نہیں کر سکتے۔

علمی بات: ۱۔ اس آیت میں قرآنِ حکیم کا اعجاز بیان فرمایا گیا ہے کہ سارے انسان اور سارے جنات آپس میں مل کر ایک دوسرے کے مددگار بن کر اگر یہ کوشش کریں کہ قرآنِ حکیم جیسا کوئی کلام بنا کر لے آئیں تو ہرگز نہیں لا سکیں گے، قرآنِ حکیم ایک ایسا معجزہ ہے کہ اس کی فصاحت وبلاغت کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا قرآنِ حکیم نے عرب کے ان تمام لوگوں کو جنہیں اپنی فصاحت وبلاغت پر بہت ناز تھا یہ چیلنج دیا کہ اس جیسی ایک سورت بنا کر لے آؤ مگر آج تک وہ عاجز ہیں اور ہمیشہ عاجز رہیں گے۔

۲۔ یہ چیلنج قرآنِ حکیم میں دیگر مقامات پر بھی آیا ہے۔ مثلاً سورۃ البقرۃ ۲، آیات: ۲۳، ۲۴، سورۃ یونس ۱۰، آیت: ۳۸ اور سورۃ ھود ۱۱، آیت: ۱۳، سورۃ الطور ۵۲، آیات: ۳۳ تا ۳۴۔

آیت نمبر۸۹: قرآنِ حکیم کی حقانیت اور صداقت کا بیان ہے۔ قرآنِ حکیم میں لوگوں کی رہنمائی کے لئے مختلف انداز میں دلائل بیان فرما کر حق کو واضح کر دیا گیا ہے۔ ہدایت کے لیے ہر ضروری بات کی وضاحت کر دی گئی جسے لوگ بآسانی سمجھ سکتے ہیں۔ پھر بھی اکثر لوگ حق کی مخالفت کر رہے ہیں اور اس کی ناشکری میں لگے ہوئے ہیں۔

علمی بات: ۱۔ جامعیتِ قرآنِ حکیم کا ذکر ہے کہ اللہ ﷾ نے قرآنِ حکیم میں ہر چیز کو مختلف طریقوں اور پیرایوں سے واضح کیا ہے تاکہ لوگ سمجھیں۔ اس میں عبرتیں بھی ہیں مواعظ بھی ہیں۔ احکام بھی ہیں۔ وعدے بھی ہیں وعیدیں بھی ہیں۔ قصص بھی ہیں۔ ترغیب و ترہیب بھی ہے اور اوامر و نواہی بھی ہیں، معاشرت کا طریقہ بھی بتایا ہے اور اخلاق و آداب کا بیان بھی ہے بعد الموت کی خبریں بھی ہیں، حشر نشر کی تفصیلات بھی ہیں اور مضامین کو بار بار دہرایا گیا ہے۔ تاکہ لوگ اس میں غور و فکر کر کے نصیحت حاصل کریں۔

۲۔ اللہ ﷾ نے قرآنِ حکیم میں بار بار توحید پر دلائل قائم کیئے، اور شرک کا رد کیا، نبوت پر، قیامت پر اور مر کر دوبارہ زندہ کیئے جانے پر دلائل قائم کیئے۔ اس سلسلہ میں منکرین نبوت اور قیامت کے جو شبہات تھے ان کا ردِ بلیغ کیا، لیکن کفار نے ان دلائل سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ بدستور اپنے انکار اور عناد پر قائم رہے اور اسی طرح شرک اور بت پرستی کرتے رہے اور رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے رہے۔

آیت نمبر۹۰: کفار اور مشرکین کے ان مطالبات کا بیان جو وہ نبوت کی دلیل کے لئے معجزات کے طور پر مانگ رہے تھے۔ پہلا مطالبہ یہ تھا کہ اگر یہ اللہ ﷾ کی طرف سے رسول ہیں تو ان کے لئے پانی کے چشمے جاری کر دیں تاکہ ان کے لئے پانی کی قلت دور ہو جائے۔

علمی بات: مشرکین مکہ نے بغض اور عناد کی وجہ سے آنحضرت ﷺ سے چند فرمائشی معجزات کا مطالبہ کیا تھا۔ اللہ ﷾ نے آیات 90 تا93 میں ان کو ان مشرکین کے اصل الفاظ میں نقل کر کے اس کا جواب آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے دِلوایا ہے۔

آیت نمبر۹۱: مشرکین کا دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ آنحضرت (ﷺ) مکہ مکرمہ کی پتھریلی زمین میں انگور اور کھجور کا ایسا باغ اُگا دیں جس کے درمیان نہریں جاری ہوں۔

آیت نمبر۹۲: مشرکین کا تیسرا مطالبہ یہ تھا کہ اگر رسول ﷺ عذاب کے دعوے میں سچے ہیں تو عذاب کی صورت میں ان لوگوں پر آسمان کو ٹکرے کر کے گرا دیا جائے۔ مشرکین کا چوتھا مطالبہ یہ تھا کہ رسول ﷺ اللہ ﷾ اور فرشتوں کو ان کے بالکل سامنے لے آئیں جو گواہی دیں کہ آپ واقعی اللہ ﷾ کے رسول ہیں۔

آیت نمبر۹۳: پانچواں مطالبہ یہ تھا کہ آنحضرت (ﷺ) اپنے لئے سونے کا گھر بنا دیں۔ چھٹا مطالبہ یہ تھا کہ آنحضرت (ﷺ) ان کے سامنے آسمان پر جائیں اور کوئی ایسی کتاب لے کر اُتریں جس میں سے ہر شخص پڑھ سکے۔

علمی بات: ۱۔ مخالفین کا مطالبہ یہ تھا کہ اگر آپ پیغمبر ہو تو زمین کی طرف اشارہ کرو تاکہ اس سے ایک چشمہ پھوٹے، یا فوراً ایک لہلہاتا باغ پیدا ہو جائے اور اس میں نہریں جاری ہو جائیں۔ آسمان کی طرف اشارہ کرو تاکہ آپ کے جھٹلانے والوں پر آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر جائے۔ ایک پھونک مارو اور آنکھوں کے سامنے سونے کا ایک محل بن کر تیار ہو جائے۔ ایک آواز دو اور ہمارے سامنے خدا اور اس کے فرشتے فوراً آ کھڑے ہوں اور وہ شہادت دیں کہ ہم ہی نے محمد (ﷺ) کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ ہماری آنکھوں کے سامنے آسمان پر چڑھ کر جاؤ اور اللہ سے ایک خط ہمارے نام لکھوالاؤ جسے ہم ہاتھ سے چھوئیں اور آنکھوں سے پڑھیں۔ ان لمبے چوڑے مطالبوں کا بس یہ جواب دے کر چھوڑ دیا گیا کہ "ان سے کہو، پاک ہے میرا پروردگار! اس طرح کے سب اُمور کا تعلق تو اللہ ﷾ کی قدرت و اختیار سے ہے اور میں نے خدائی کا ایسا کوئی دعویٰ کیا ہی کب ہے اور میں اس طرح کے ہر دعوے اور

اس کے ہر شائبے سے بَری ہوں۔ میں تو تم لوگوں سے صرف یہ کہتا ہوں کہ اس مالک الملک نے مجھے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے اور اس نے اپنی رحمت سے میرے ذریعہ تمہارے لئے حق اور ہدایت کا پیغام بھیجا ہے تا کہ اس کو اپنا کر تم لوگ دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز ہو سکو اور اپنے بُرے انجام اور ہولناک تباہی سے بچ سکو اور بس۔ اس سے آگے نہ میرا کوئی دعویٰ ہے نہ مطالبہ۔ اب اگر تم لوگ اس پیغام کو اپناؤ گے تو تمہارا اپنا بھلا۔ نہیں تو تمہارا ہی نقصان۔ تو پھر اس طرح کے مطالبات اور ایسی فرمائشوں کا مجھ سے کیا تعلق ہو سکتا ہے جو اللہ ﷻ کے اختیارات سے متعلق ہوں؟

۲۔ یہ ساری فرمائشیں اور مطالبات سننے کے بعد نبی آخر الزمان ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ ان کو اس طرح جواب سنا دیں کہ آپ ﷺ کہیے میرا رب پاک ہے میں تو صرف ایک بشر ہوں جس کو رسول بنایا گیا ہے۔ رسول کا کام صرف اللہ ﷻ کا پیغام پہنچانا ہے اور وہ میں نے پہنچا دیا اور پہنچا رہا ہوں۔ لوگوں کے مطالبات پر معجزات ظاہر کر کے دکھانا یہ رسالت کا حصہ نہیں ہے۔ البتہ اگر اللہ ﷻ چاہے تو صدقِ رسالت کے لئے کوئی معجزہ دکھا دیا جاتا ہے لیکن لوگوں کی خواہشات پر اگر معجزے دکھانے شروع کر دیئے جائیں تو یہ سلسلہ کہیں بھی جا کر نہیں رک سکے گا۔ ہر آدمی اپنی خواہش کے مطابق نیا معجزہ دیکھنے کا آرزو مند ہو گا اور رسول پھر اسی کام پر لگا رہے گا تبلیغ و دعوت کا اصل کام رک جائے گا اس لئے معجزات کا صدور صرف اللہ ﷻ کی مشیت سے ہی ممکن ہے۔

آیت نمبر ۹۴: رسول اللہ ﷺ کا انسان ہونا کفار اور مشرکین کے لئے باعث تعجب تھا۔ یہ ہی بات ان کے ایمان لانے میں مانع رہی۔

علمی بات: ا۔ اَلْهُدٰی، یعنی اللہ ﷻ کی واضح ہدایت اپنے تمام دلائل و براہین کے ساتھ۔ مطلب یہ ہے کہ جہاں تک اللہ ﷻ کی ہدایت کا تعلق ہے وہ تو نہایت واضح شکل میں اپنے ناقابل تردید دلائل کے ساتھ ان کے سامنے آچکی ہے۔ اب اگر یہ کسی چیز کو اپنے ایمان نہ لانے کے بہانے کے طور پر پیش کر رہے ہیں تو وہ صرف یہ چیز ہے کہ کیا ایک بشر کو اللہ ﷻ نے رسول بنا کر بھیجا ہے! یعنی جہاں تک دلائل کا تعلق ہے اس سے انکار کی کوئی گنجائش تو باقی نہیں رہی ہے۔ لیکن ان کا غرور اور تکبر اس بات سے مانع ہے کہ وہ ایک بشر کو اپنا رسول مان لیں۔

۲۔ اگر روئے زمین پر رہنے والے فرشتے ہوتے تو اللہ ﷻ ان کی طرف فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتا، کیونکہ ہر چیز اپنی جنس کی طرف مائل ہوتی ہے اور جب روئے زمین پر رہنے والے انسان اور بشر ہیں تو پھر ان کی طرف انسان کو ہی رسول بنا کر بھیجنا مناسب تھا۔

نوٹ: اگرچہ سب اللہ ﷻ کے بندے ہیں مگر یہ بات تقریباً سب ہی انبیاء کرام علیہم السلام کے تذکروں میں دہرائی گئی ہے کہ وہ ہمارے خاص بندوں میں سے تھے، تا کہ یہ بات راسخ اور پختہ ہو جائے کہ انبیاء کرام علیہم السلام انسانوں میں سے ہی خاص بندے ہوتے ہیں جن کو اللہ ﷻ اپنی نبوت و رسالت کے لئے چنتا اور منتخب فرماتا ہے۔ وحی اور نبوت کی وجہ سے ان کو ایک ایسا خاص شرف اور امتیاز عطا ہوتا ہے جو کسی دوسرے عام بشر کو نصیب نہیں ہو سکتا۔

آیت نمبر ۹۵: رسول اللہ ﷺ کے انسان ہونے پر کفار اور مشرکین کے اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔ اگر زمین پر فرشتے آباد ہوتے تو ان کے لئے کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجا جاتا۔ زمین میں انسان آباد ہیں تو ان کی ہدایت کے لئے انسان کو ہی رسول بنایا گیا۔ رسول صرف اللہ ﷻ کے پیغام کو پہنچاتے ہی نہیں بلکہ اللہ ﷻ کے احکام کے مطابق عمل کر کے لوگوں کو عملی نمونہ بن کر دکھاتے ہیں۔ البتہ تمام انبیاء و رسل علیہم السلام اللہ ﷻ کے چنے ہوئے خاص بندے ہوتے ہیں اور بہت بلند مقام کے حامل ہوتے ہیں۔

علمی بات: ا۔ اللہ ﷻ کا رسول دنیا میں صرف زندگی گزارنے کے لئے نہیں آتا بلکہ وہ انسانوں کی اصلاح کے لئے آتا ہے۔ ایک ایک شخص کے دل میں اللہ ﷻ کی محبت اور اس کی بندگی کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ پھر اسے اس کے مقصد زندگی سے آگاہ کرتا ہے۔ پھر انسانوں کو اجتماعی زندگی گزارنے کے لئے اللہ ﷻ کی طرف سے شریعت پہنچاتا ہے اور ان کی عملی زندگی پر اس کا انطباق کر کے دکھاتا ہے۔ تصور کیجیے کہ اگر بشر کے بجائے کسی فرشتہ کو اس

کام کے لئے بھیجا جاتا تو وہ اسے کیسے سر انجام دے سکتا تھا اور اس پر ایمان لانے والے اس سے کیا استفادہ کر سکتے تھے۔ نہ وہ نظر آتا کہ اس کی پیروی کر سکیں، نہ اسے بھوک لگتی، نہ اسے کسی تکلیف کا احساس ہوتا، نہ اس کے اندر انسانی احساسات ہوتے، نہ اس کی بیوی ہوتی، نہ بچے ہوتے، نہ اسے کھانے پینے کی ضرورت لاحق ہوتی، نہ اسے انسانی معاملات سے واسطہ پڑتا، تو وہ اُسوۂ حسنہ جس کی رہنمائی اور پیروی میں امّت کا کردار تشکیل پاتا ہے، وہ کہاں سے وجود میں آتا۔ اس لئے عقل اور حکمت کی بات اس کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ معلّم، مربی اور پیغمبر مخلوق کی اسی صنف میں سے ہونا چاہیئے جس صنف کی رہنمائی کے لئے اسے بھیجا جا رہا ہو۔

۲۔ نبی کریم ﷺ چونکہ انسانوں کی رہنمائی کے لئے دنیا میں تشریف لائے تو اس لئے آپ ﷺ کو بشر پیدا کیا گیا۔ آپ ﷺ اپنی ذات اور ذاتی ضروریات میں یقیناً باقی انسانوں کی طرح ایک انسان اور ایک بشر ہیں اور یہی ہمارا ایمان ہونا چاہیئے لیکن اپنے فضائل و کمالات اور مراتب کے اعتبار سے آپ ﷺ خیر البشر ہیں جس کا ہمسر نہ کوئی انسان ہے اور نہ کوئی فرشتہ۔

آیت نمبر۹۶: ہٹ دھرمی پر اصرار کرنے والوں کو تنبیہ کی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا پیغام پہنچا کر اپنی ذمہ داری پوری فرما دی۔ اگر مشرکین آپ ﷺ کی رسالت کی گواہی دینے کو تیار نہیں تو اس کے لئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی گواہی کافی ہے جو بندوں کے حال سے خوب باخبر ہے۔ ہر ایک کا اس کے عمل کے مطابق محاسبہ ہو گا۔

علمی بات: آنحضرت ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ ﷺ اہل مکہ سے کہہ دیجیئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لئے کافی ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ تمہارے ایمان نہ لانے کا سبب محض تمہاری ضد اور انانیت ہے۔ وہ بندوں کے ظاہر و باطن سے واقف ہے۔ فیصلہ آخر کار اسی کو کرنا ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ ان لوگوں کو نہ تو آپ ﷺ کے کردار پر اعتراض تھا اور نہ ان کو آپ ﷺ کی دعوتِ حق میں شبہ تھا۔ انہیں صرف آپ ﷺ کے بشر ہونے پر اعتراض تھا۔ جس کا مکمل جواب گزشتہ آیتِ کریمہ میں دے دیا گیا۔ لیکن اگر اس کے باوجود بھی وہ اپنی بات پر اڑے ہوئے ہیں تو پھر یہ معاملہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سپرد ہے۔ وہی ان کا فیصلہ فرمائے گا۔

آیت نمبر۹۷: سیدھی راہ ان ہی کو نصیب ہوتی ہے جو ہدایت کے طلب گار ہوتے ہیں۔ دنیا میں حق کے معاملہ میں اندھے، گونگے اور بہرے بننے والوں کا قیامت کے دن حال بیان کیا گیا ہے۔ انہیں چہرہ کے بل اندھا، گونگا اور بہرا اُٹھایا جائے گا۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہو گا جس کا عذاب کبھی ہلکا نہیں ہو گا۔

ہدایت کے لئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی سنت: نبی کریم ﷺ کو اطمینان دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ آپ ﷺ کی تبلیغی مساعی میں کوئی کمی نہیں۔ لیکن ہدایت وہی پاتا ہے جسے اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہدایت دے اور جسے اللہ سبحانہ و تعالیٰ گمراہ کر دے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سوا اس کی کوئی مدد کرنے والا نہیں۔ البتہ ساتھ ہی ساتھ یہ بات واضح فرما دی کہ ہدایت و ضلالت کا ایک قانون ہے۔ جب کسی قوم میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا رسول مبعوث ہوتا ہے اور وہ اپنی قوم میں شب و روز تبلیغ و دعوت کے لئے جان لگاتا ہے اور لوگوں کو ہر پہلو سے سمجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن قوم پیغمبر کی دعوت پر غور کرنے کے بجائے اس کے انکار پر تل جاتی ہے۔ مزاحمت کا ہر طریقہ اختیار کرتی ہے، تو پروردگار ایک مدت تک ایسے لوگوں کو مہلت دیتا چلا جاتا ہے۔ لیکن پھر ایک وقت آتا ہے جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا قانون حرکت میں آتا ہے اور ان کی محرومی کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ ان کے دلوں پر مہر لگا دی جاتی ہے اور گمراہی کی چھاپ ایسی گہری کر دی جاتی ہے جس سے نکلنا ان کے بس میں نہیں رہتا۔ چنانچہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کے غلط استعمال کی وجہ سے ان کی بینائی، ان کی شنوائی اور ان کی گویائی سلب کر لی جاتی ہے۔ آخر ان کا ٹھکانا جہنم ہو گا۔

آیت نمبر۹۸: آیات سے مراد معجزات، نشانی، احکام اور دلائل ہیں۔ قیامت کے دن گمراہوں کو سزا دینے کی وجہ بیان کی گئی ہے۔ انہوں نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نازل کردہ آیات کی تصدیق نہ کی اور نہ ہی ان پر غوروفکر کیا۔ انہوں نے دوبارہ زندہ ہونے کو تسلیم نہیں کیا حالانکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لئے ایسا کرنا کوئی مشکل نہیں۔

علمی بات: مشرکینِ مکہ کے بگڑے ہوئے رویئے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے دین سے مخالفت وعناد کے حوالہ سے ان کی صرف ایک بات کا ذکر کیا جارہا ہے کہ ان کا حال یہ ہے کہ متعدد مواقع پر قیامت کو دلائل سے ثابت کیئے جانے کے باوجود جب بھی انہیں موقع ملتا ہے وہ بڑی بلند آہنگی سے یہ کہتے ہیں کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جب ہم مرنے کے بعد بوسیدہ ہڈیوں اور ریزہ ریزہ جسم کی صورت میں مٹی میں مل جائیں گے تو ہمیں اس وقت از سرِنو زندہ کرکے اٹھایا جائے گا۔ یہ ایک ایسی ناقابل یقین بات ہے کہ جسے ماننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اے کاش! انہیں احساس ہوتا کہ یہی ناقابلِ یقین بات واقعی بننے والی ہے۔ سب لوگ زندہ کرکے اٹھائے جائیں گے اور انکار کرنے والے اپنے بدترین انجام کو پہنچیں گے۔

آیت نمبر۹۹: مشرکین کے دوبارہ زندہ ہونے کے بارے میں شبہ پر جواب دیا گیا ہے۔ جس ذات نے پوری کائنات پیدا فرمائی وہ ان کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ اجل سے مراد موت یا قیامت ہے۔ دوبارہ اٹھائے جانے کا ایک وقت مقرر ہے لیکن ظالم کفر ہی پر جمے ہوئے ہیں۔

علمی بات: ۱۔ کیا آخرت کے منکر اس بات پر غور نہیں کرتے کہ جس اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے زمین و آسمانوں کو پیدا فرمایا ہے۔ وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ ان جیسے اور لوگ پیدا فرمادے۔ اس نے لوگوں کو دوبارہ پیدا کرنے کے لئے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ جس کے آنے میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود ظالم اس دن کا انکار کرتے ہیں۔

۲۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے یہاں کام الٹ پلٹ نہیں ہوتے، اس کے یہاں ہر کام کا ایک فیصلہ ہوتا ہے اور ہر فیصلہ کے پیچھے ایک حکمت ہوتی ہے۔ قیامت کے لئے بھی اس نے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے، جب وہ وقت آجائے گا اس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہوگی۔ لیکن ان ظالموں کا کیا کیا جائے یہ قیامت کے وقوع پر ایک سے ایک دلیل سن چکے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کے انکار اور کفر میں کوئی کمی نہیں آئی۔ انہیں ہر چیز سے انکار ہے لیکن اپنے جامد رویہ سے نہ انکار ہے اور نہ اس پر غور کرنے کے لئے تیار ہیں۔

آیت نمبر۱۰۰: مشرکین کی مذمت کی گئی ہے۔ بالفرض اگر یہ مشرکین وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو خرچ ہوجانے کے خوف سے وہ اسے روکے رکھتے۔ حالانکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے خزانے ختم ہونے والے نہیں۔ نبوت ورسالت بھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رحمت کا ایک خزانہ ہے۔ وہی جانتا ہے کہ رسالت کا مستحق کون ہے۔ لیکن سرکش انسان بڑا تنگ دل ہوتا ہے۔ بخل سے کام لیتا ہے اور لوگوں کو دینے کا حوصلہ نہیں رکھتا۔

کفارِ مکہ کی تنگ نظری اور انسان کی فطرت: قریشی سردار جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر کمربستہ ہوگئے تھے تو اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا سمجھتے تھے اور نہ یہ تھی کہ انہیں دعوتِ دین کے دلائل کی سمجھ نہیں آتی تھی بلکہ اس کی اصلی وجہ یہ تھی کہ اگر وہ اسلام قبول کرلیتے تو ان کی سرداریاں جاتی نظر آرہی تھیں اور انہیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہوکر رہنا پڑتا تھا۔ نیز اگر اسلام پھیل جاتا تو انہیں کعبہ کی تولیت کی وجہ سے عرب بھر میں جو عزت اور وقار حاصل تھا وہ بھی ان سے چھنتا نظر آرہا تھا۔ لہٰذا ان کی انتہائی کوشش یہ ہوتی تھی کہ اسلام کا خاتمہ ہی کردیا جائے۔ حقیقتاً انسان ایسا ہی بخیل واقع ہوا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ کوئی دوسرا اس کے مقابلہ پر سر نہ نکالے۔

آیت نمبر۱۰۱: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان نو(۹) معجزات کا ذکر جس کا مشاہدہ فرعون اور اس کی قوم نے کیا۔ یہ معجزات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے واضح دلائل تھے لیکن فرعون ایمان نہیں لایا بلکہ اس نے معجزات کو جادو قرار دیا(معاذ اللہ)۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر کفارِ مکہ کو ان کے مطلوبہ معجزات دکھا بھی دیئے جائیں تو یہ آلِ فرعون کی طرح ایمان نہیں لائیں گے۔

علمی بات: ا۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ نونشانیوں سے وہ معجزات مراد ہیں جو قرآنِ حکیم میں دیگر مقامات پر مثلاً (سورۃ الاعراف ۷، آیات:۱۰۷، اور ۱۰۸، ۱۳۰ تا ۱۳۳) میں ذکر ہوئے ہیں، جو یہ ہیں: ا۔ عصا کا سانپ بن جانا۔ ۲۔ ہاتھ کا چمکتا ہوا ہو جانا۔ ۳۔ کئی قسم کے عذاب آل فرعون پر نشانی کے طور پر بھیجے جیسے پھلوں کا نقصان ۴۔ قحط سالی۔ ۵۔ طوفان۔ ۶۔ ٹڈیاں۔ ۷۔ جوئیں۔ ۸۔ مینڈک۔ ۹۔ خون۔ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور بھی ہیں اس لئے بعض حضرات نے ان کو بھی ان ہی کے ذیل میں ذکر فرمایا ہے۔ یہ ایسے واضح معجزات تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر بھی واضح دلائل تھے اور فرعون اور آل فرعون کے قلبی اطمینان کے لئے بھی کافی تھے۔ لیکن وہ پھر بھی ایمان نہ لائے۔ اس کی وجہ بھی وہی ہے جو پچھلی آیت کی تشریح میں مذکور ہے۔ قریش کا بھی یہی حال تھا۔ کچھ معجزات تو وہ دیکھ چکے تھے مگر ایمان نہ لائے تھے۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر ان کے مطلوبہ معجزات دکھلا بھی دیئے جائیں تو یہ بھی فرعونیوں کی طرح ایمان لانے کی طرف کبھی نہ آئیں گے۔

۲۔ فرعون کی نظر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سحر زدگی یا دیوانگی یہ تھی کہ آپ علیہ السلام نے اس سے برملا بنی اسرائیل کی آزادی اور انہیں اپنے ہمراہ بھیجنے کا مطالبہ کر دیا۔ کیونکہ وہ خود کو ایسا شہنشاہ سمجھتا تھا جو اپنی تمام رعایا کے سیاہ و سفید کا مالک بنا بیٹھا تھا اور ازراہِ تکبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دعویٰ نبوت اور اس مطالبہ کو دیوانگی پر محمول کرتا تھا(معاذ اللہ)۔ بعض مفسرین نے یہاں مسحور سے مراد ساحر لیا ہے جیسا کہ فرعون اپنی رعایا کو یہی یقین دلانا چاہتا تھا۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسرائیل سے پوچھیں تو اس سے ایک مراد ہے کہ علماء یہود اور ان کے عوام پر ظاہر کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے وہ صداقت پر مبنی ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسرائیل سے سوال کیجیے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں، اعمال صالحہ کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعاون کریں۔

آیت نمبر۱۰۲: معجزات جادو قرار دئے جانے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کو دیئے گئے جواب کا ذکر ہے۔ رب کائنات کی بصیرت افروز نشانیوں کو جھٹلا کر وہ فرعون اپنی ہلاکت اور بربادی کو یقینی بنا چکا تھا۔

علمی بات: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا، تجھے معلوم ہے کہ یہ نشانیاں اس اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نازل کی ہیں جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور دل سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ہدایت طلب کرنے والوں کے لئے ان میں بڑی عبرتیں ہیں، لیکن تو اپنے کبر و عناد کی وجہ سے ان کا انکار کر رہا ہے اور انہیں جادو کا اثر بتا رہا ہے۔ اے فرعون! تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت سے دور کر دیا گیا ہے اور بالآخر تو ہلاک کر دیا جائے گا۔

آیت نمبر۱۰۳: معجزات کا کوئی معقول جواب نہ ملنے پر فرعون نے چاہا کہ بنی اسرائیل کو تباہ کر دے یا ملک سے نکال دے۔ لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی مدد فرمائی اور فرعون کو اس کے لشکر سمیت سمندر میں غرق کر دیا گیا۔

قریش کے لئے آئینہ: فرعون اور آل فرعون کی تمام تر سختیوں اور اذیتوں کے باوجود جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ و دعوت کا سلسلہ نہ رکا اور آپ علیہ السلام مسلسل اپنے مشن میں آگے بڑھتے رہے تو فرعون نے ارادہ کیا کہ انہیں سرزمینِ مصر سے نکال دے اور ایسی صورتِ حال پیدا کر دے کہ

ان کے پاؤں اُکھڑ جائیں اور وہ کسی طرح مصر میں رہنے کے قابل نہ رہیں اور ہجرت پر مجبور ہو جائیں، تو اللہ ﷻ نے اس کی اس جسارت کی پاداش میں اسے اور اس کے ساتھیوں کو اکٹھے سمندر میں غرق کر دیا۔

آیت نمبر ۱۰۴: زمین سے مراد شام و فلسطین کی سرزمین ہے کیونکہ مصر چھوڑنے کے بعد بنی اسرائیل وادی تیہ (Tiah valley) سے ہو کر اپنے آبائی وطن پہنچ گئے تھے۔ فرعون کی ہلاکت کے بعد بنی اسرائیل کو زمین میں ایمان اور عمل صالح کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ آخرت کے دو معانی ہیں: ایک معنیٰ یہ ہے کہ قیامت کے قریب انہیں سمیٹ کر ایک جگہ جمع کر دیا جائے گا تاکہ ان کا فیصلہ کر دیا جائے۔ دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ روزِ قیامت حتمی فیصلہ اور انجام کے لئے جمع کیا جائے گا۔

علمی بات: ۱۔ ان الفاظ میں یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ جب آخرت کا وقت قریب آئے گا تو بنی اسرائیل کو ہر کہیں سے اکٹھا کر کے ایک جگہ جمع کر لیا جائے گا۔ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کر کے بہت بڑے جرم کے مرتکب ہو چکے تھے۔ اس کے بعد نبی آخر الزماں ﷺ کی رسالت کو جھٹلا کر انہوں نے اپنے اس جرم کی مزید توثیق بھی کر دی۔ چنانچہ اب اللہ ﷻ کے نزدیک اس قوم کی حیثیت اس قیدی کی سی ہے جس کو اس کے جرم کی سزا سنائی جا چکی ہو مگر اس سزا کی تعمیل (execution) ابھی باقی ہو۔ اس سورت کے نزول کے وقت بنی اسرائیل کے دور انتشار (Diaspora) یعنی فلسطین سے بے دخل ہوئے ساڑھے پانچ سو (۵۵۰) سال ہو چکے تھے۔ اُنیسویں صدی عیسوی تک بھی ان کی کیفیت یہ تھی کہ یہ لوگ پوری دنیا میں بکھرے ہوئے تھے۔ چونکہ کسی اجتماعی سزا یا عذاب کے لئے ان کا ایک جگہ اکٹھے ہونا ضروری تھا، اس لئے قدرت کی طرف سے اسرائیل کی ریاست کا قیام عمل میں لایا گیا اور زیرِ نظر آیت کے الفاظ کے عین مطابق دنیا کے کونے کونے سے تمام یہودیوں کو اکٹھا کر کے یہاں آباد کیا گیا۔ اب اپنے زعم میں تو ان لوگوں نے عظیم تر اسرائیل (Greater Israel) کا منصوبہ اور نقشہ تیار کر رکھا ہے اور عین ممکن ہے ان کا یہ منصوبہ پورا بھی ہو جائے مگر بالآخر یہ عظیم تر اسرائیل ان کے لئے عظیم تر قبرستان ثابت ہو گا (ان شاء اللہ) آخری زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے اور آپ علیہ السلام ہی کے ہاتھوں اس قوم کی ہلاکت ہو گی۔ رہ گئی یہ بات کہ وہ کب؟ کس شکل میں؟ کس طرح؟ اور کن کے ہاتھوں ہو گا؟ تو ان سب امور کا علم اللہ ﷻ ہی کو ہے۔ البتہ اتنی بات بطور اصول کے یاد رکھنے کی ہے کہ قوموں کے فیصلے دنوں اور مہینوں میں نہیں، صدیوں سالوں میں بدلا کرتے ہیں۔

۲۔ اللہ نے ظالم کی جڑ کاٹ دی اور تم کو غلامی سے نجات دی۔ اب مصر و شام میں جہاں چاہو آزادی سے رہو۔ جب قیامت آئے گی پھر ایک مرتبہ تم سب کو اور تمہارے تباہ شدہ دشمنوں کو اکٹھا کر کے نیک بختی و بد بختی اور کامیابی و ناکامی کا دائمی فیصلہ کر دیا جائے گا۔

۳۔ قیامت کے قریب یہودیوں کا ایک بڑا لیڈر کانا دجال ظاہر ہو جائے گا جو اس دنیا کا سب سے بڑا اور آخری فتنہ ہو گا اور اہل ایمان کے لئے سخت ترین امتحان و شدید مصائب کا باعث ہو گا۔ دجال ستر ہزار یہودیوں کے ساتھ نکلے گا اور یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان ایک بہت بڑی اور فیصلہ کن جنگ ہو گی۔ خروج دجال کے بعد اللہ ﷻ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دنیا میں نبی کریم ﷺ کے امتی کی حیثیت سے نازل فرمائے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی انصاف کرنے والے حاکم ہوں گے، صلیب توڑ ڈالیں گے حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کر دیں گے۔ دنیا میں یہودیوں کو کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ یہاں تک کہ درخت اور پتھر تک پکاریں گے کہ اے مسلمانو! ہمارے پیچھے یہودی چھپا ہے۔ اسے قتل کر دو۔ دنیا میں کوئی یہودی نہیں بچے گا۔ تمام اہل کتاب یہود و نصاریٰ یا تو اسلام قبول کر لیں گے یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مسلمانوں کے ہاتھوں مارے جائیں گے۔ اس طرح اللہ ﷻ کی سنت پوری ہو گی کہ نافرمان قوموں پر اللہ ﷻ کا عذاب آ کر رہتا ہے۔

نوٹ: بنی اسرائیل کے بارے میں مزید تفصیلات مطالعہ ٔقرآنِ حکیم حصہ پنجم میں سورۃ بنی اسرائیل کے ضمن میں "تاریخ بنی اسرائیل" کے عنوان سے دی گئی ہیں۔ اس کا مطالعہ مفید رہے گا۔ ان شاء اللہ۔

آیت نمبر ۱۰۵: مشرکین مکہ کے اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ جو قرآنِ حکیم کو اللہ ﷻ کی طرف سے نازل کردہ ہونے پر شک کرتے تھے۔ قرآنِ حکیم کو نازل فرمانے والی ذات برحق ہے اور اس طرح یہ کلام بھی برحق ہے۔

علمی بات: قرانِ حکیم کے نزول کے بعد اس میں نہ کوئی کمی بیشی ہوئی نہ اس میں باطل کی آمیزش ہوئی۔ قرآنِ حکیم جو عقائد، احکام، واقعات اور پیشن گوئیاں لے کر نازل ہوا وہ سب برحق اور درست ہیں۔ اس کے بھیجنے میں اور اُتارنے میں باطل کی کوئی آمیزش ہوئی ہے اور نہ یہاں اُترنے میں کہیں باطل کو قلم کاریعنی ردبدل کا موقع ملا ہے۔ وہ اپنی بے شمار خصوصیات کے باعث اپنی مثال آپ ہے۔ دشمن اس کی نظیر لانے سے اور باطل کسی بھی سطح پر اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہے۔ ان خصوصیات کے باوجود اگر قریش اس کو قبول کرنے کے بجائے قدم قدم پر رکاوٹیں کھڑی کرتے اور عجیب وغریب مطالبات کرتے ہیں، تو آپ ﷺ کو ایسے لوگوں کے بارے میں ہرگز فکرمند نہیں ہونا چاہیئے۔ آپ ﷺ ان لوگوں کے ایمان نہ لانے کے ذمہ دار نہیں، آپ ﷺ کو اللہ ﷻ نے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ ایمان لانے والوں کو بشارت سے نوازیں اور انکار کرنے والوں کو ان کے بُرے انجام سے خبردار کر دیں۔

آیت نمبر ۱۰۶: مشرکین مکہ کے ایک اور اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ اگر قرآنِ حکیم اللہ ﷻ کا کلام ہے تو ایک ہی بار کیوں نازل نہیں ہو جاتا۔

علمی بات: ۱۔ قرآنِ حکیم کے تدریجاً نازل کرنے کی حکمت یہ ہے کہ لوگوں کو پڑھنے، یاد کرنے اور عمل کرنے میں آسانی ہو مزید بر آں نازل شدہ حصہ کے معنی پر سہولت کے ساتھ غور کر سکیں نیز مصائب کو برداشت کرنے کی قوت حاصل ہو سکے اور اپنی زندگیوں کو قرآنِ حکیم کی ہدایات کی روشنی میں درست کیا جا سکے۔

۲۔ تبلیغ ودعوت کے نتیجہ میں جیسی جیسی ضرورتیں پیش آتی جائیں اس کے مطابق قرآنِ حکیم کی صورت میں ہدایات ملتی رہیں۔ جیسے جیسے مخالفت آگے بڑھے اور اذیتیں ناقابلِ برداشت ہونے لگیں تو حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ ﷻ کے تسلی آمیز پیغامات لے کر اتریں اور اپنی ذات میں بھی آنحضرت ﷺ کے لئے تسکین کا باعث بنیں جو مختلف سوالات مخالفین کی طرف سے کیئے جائیں تو وقت پر اس کا جواب نازل ہونے پر مخالفین کو مطمئن کیا جا سکے۔ مزید یہ بات کہ تعلیم وتربیت کی ضرورتوں میں سے ایک ضرورت یہ بھی تھی کہ آپ ﷺ تھوڑا تھوڑا ٹھہر ٹھہر کر لوگوں کو پڑھ کر سنائیں تاکہ وہ اسے ساتھ ساتھ یاد کرتے چلے جائیں، اس سے ان کے عمل میں پختگی آئے، ایمان میں تازگی پیدا ہو اور دل میں خشیتِ الٰہی اترتی چلی جائے۔

آیت نمبر ۱۰۷: مشرکین مکہ جو قرآنِ حکیم کو اللہ ﷻ کا کلام تسلیم نہیں کرتے انہیں تنبیہ کی گئی ہے۔ جب کہ سابقہ امتوں کے اہل علم جو وحی اور رسالت کی حقیقت سے واقف ہیں وہ قرآنِ حکیم پر ایمان لے آئے ہیں۔ قرآنِ حکیم سنتے وقت ان پر رِقت طاری ہو جاتی ہے اور قرآنِ حکیم کی صداقت کا یقین کرتے ہوئے وہ سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔

علمی بات: اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا: کہ آپ ﷺ لوگوں میں کھلے الفاظ میں اعلان فرمائیں کہ لوگو! تمہارے پاس حق پہنچ چکا ہے جس کے حق ہونے میں کسی طرح بھی کوئی شبہ نہیں۔ لہٰذا اب تمہاری مرضی ہے کہ اس پر ایمان لاؤ یا اس کا انکار کرو۔ لیکن اہل کتاب میں سے جن لوگوں کو قرآنِ حکیم نازل ہونے سے پہلے اللہ ﷻ نے علم عطا فرمایا ہے۔ وہ تورات، انجیل اور زبور کے حوالہ سے جانتے ہیں کہ اللہ ﷻ کی طرف سے جو آخری نبی مبعوث ہو گا

اس پر قرآنِ حکیم نازل کیا جائے گا۔ جس کے وجود اور نزول میں رتی برابر شک کی گنجائش نہیں وہ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ جب ان کے سامنے قرآنِ حکیم پڑھا جاتا ہے تو وہ پیشانی کے بل سجدے میں گر کر اس حقیقت کا اقرار کرتے ہیں کہ ہمارا رب ہر عیب اور کمزوری سے پاک ہے۔

آیت نمبر ۱۰۸: مخلص اہل کتاب سمجھ جاتے ہیں کہ قرآنِ پاک ہی برحق کلام ہے جس کے بھیجے جانے کا وعدہ تورات اور انجیل میں فرمایا گیا تھا۔ وہ اللہ ﷻ کی پاکیزگی بیان کرتے ہوئے اپنے رب کے وعدوں کا یقین کرتے ہیں کہ یقیناً ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو چکا۔

علمی بات: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں تورات اور انجیل کا علم دیا گیا تھا۔ چونکہ ان کتابوں میں نبی آخر الزماں ﷺ کی تشریف آوری کی خبر دی گئی تھی، اس لئے ان کے مخلص لوگ قرآنِ حکیم کو سن کر یہ کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے آخر زمانہ میں جس کتاب کے نازل کرنے اور جس پیغمبر کو بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا وہ پورا ہو گیا۔

آیت نمبر ۱۰۹: مخلص اہل کتاب اللہ ﷻ کی عظمت اور جلال کے پیش نظر روتے ہیں۔ قرآنِ حکیم ان کے ایمان میں اضافہ اور اللہ ﷻ کے حضور عاجزی کا سبب بن جاتا ہے۔ ان کی حق گوئی اور عاجزی کی وجہ سے اللہ ﷻ ان کے خشوع و خضوع اور ایمان میں اضافہ کرتا ہے۔

فرامین نبوی ﷺ: اللہ ﷻ کے خوف سے رونا اہل ایمان کی خاص صفات میں سے ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کہ جس کسی بھی مومن بندہ کی آنکھوں سے آنسو نکل جائیں اگرچہ مکھی کے سر کے برابر ہوں اور یہ آنسوؤں کا نکلنا اللہ ﷻ کے خوف سے ہو پھر یہ آنسو اس کے چہرہ پر گر جائیں تو اللہ ﷻ اس کو آگ پر حرام فرما دے گا۔" (سنن ابن ماجہ)

عملی پہلو: آج سب سے بڑی مصیبت جو مسلمانوں پر پڑی ہے اس کا سبب یہی ہے کہ ان میں اللہ ﷻ کے خوف سے رونے والے بہت کم رہ گئے ہیں۔ اہل علم فرماتے ہیں کہ جس شخص کو صرف ایسا علم ملا ہو جو اس کو رلاتا نہیں تو سمجھ لو کہ اس کو علم نافع نہیں ملا۔

علمی بات: یہ آیتِ سجدہ ہے اس پر سجدہ کرنا لازمی ہے۔

آیت نمبر ۱۱۰: مشرکین اللہ ﷻ کے صفاتی نام رحمان سے مانوس نہیں تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی زبان سے رحمان کا نام سننے پر اسے (معاذ اللہ) کوئی اور معبود سمجھتے تھے۔ اللہ ﷻ اور رحمان دو الگ الگ معبود نہیں بلکہ ایک ہی ذات کے دو نام ہیں۔ اللہ ﷻ کے ناموں کے حُسنیٰ ہونے کے معنیٰ یہ ہیں کہ ان میں حمد و ثنا اور تسبیح کے معنیٰ ہوتے ہیں۔ اللہ ﷻ کی یاد اور اس کے پکارنے کے ضمن میں اس کے اسمائے حسنیٰ کا ذکر کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اہل ایمان بلند آواز سے قرآنِ حکیم کی تلاوت کرتے تو مشرک ناشائستہ الفاظ استعمال کرتے تھے۔ اس پر آیت کا نزول ہوا۔ نماز میں تلاوت نہ اتنی بلند ہو کہ باہر کھڑے مشرکین تک آواز پہنچ رہی ہو اور نہ اتنی آہستہ ہو کہ اہل ایمان (نمازی) نہ سن سکے بلکہ درمیانی آواز میں تلاوت کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

علمی بات: ۱۔ اللہ ﷻ کا ذاتی نام تو صرف اللہ ﷻ ہے باقی اس کے صفاتی نام ہیں، رحمٰن، رحیم، قادر، خالق، رازق وغیرہ یہ اللہ ﷻ کے بہترین صفاتی نام ہیں۔ کفار مکہ اللہ ﷻ کے نام سے واقف تھے لیکن جب "رحمٰن" کا صفاتی نام بتایا گیا تو انہوں نے سوال کیا کہ یہ رحمٰن کون ہے؟ کیا ہے؟ اللہ ﷻ نے ان کے اس سوال ہی کے جواب میں فرمایا: کہ اللہ اور رحمٰن دونوں اللہ ﷻ ہی کے نام ہیں۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " کہ اللہ ﷻ کے ننانوے (۹۹) ایک کم سو نام ہیں جو شخص ان کو یاد کرے گا وہ جنت میں داخل ہو گا۔" (صحیح بخاری)

۲۔ مکہ مکرمہ میں رسول کریم ﷺ نماز میں بلند آواز سے تلاوتِ قرآنِ پاک فرماتے تو مشرکین تمسخر و استہزاء کرتے اور قرآنِ حکیم، حضرت جبرائیل امین علیہ السلام اور خود اللہ ﷻ کی شان میں گستاخانہ باتیں کہتے تھے۔ اس کے جواب میں اسی آیت کا آخری حصہ نازل ہوا جس میں بلند اور دھیمی

آواز میں میانہ روی اختیار کرنے کی تلقین فرمائی کہ ضرورت تو اس درمیانی آواز سے پوری ہو جاتی ہے اور زیادہ بلند آواز سے جو مشرکین کو موقع ایذا رسانی کا ملتا تھا اس سے نجات مل جائے۔

آیت نمبر ۱۱۱: مشرکین کے اس باطل عقیدہ کی تردید کہ دنیاوی بادشاہوں کی طرح اللہ ﷾ بھی کو مختلف مددگاروں کی ضرورت ہے (معاذ اللہ)۔

اس آیت میں پانچ انداز سے توحید باری تعالیٰ کا عظیم بیان ہے۔ اللہ ﷾ کی حمد و ثنا کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کو اولاد کی کوئی ضرورت نہیں۔ بادشاہی میں اُس کا کوئی شریک نہیں۔ کائنات کا نظام چلانے میں اُس کا کوئی مددگار نہیں۔ اُسی کی عظمت و کبریائی کو نافذ کیا جائے جیسا کہ نافذ کرنے کا حق ہے۔

شانِ نزول: یہود و نصاریٰ اللہ ﷾ کے لئے اولاد تجویز کرتے تھے اور مشرکینِ عرب اللہ ﷾ کے لئے یوں شریک تجویز کرتے تھے کہ حج میں جو تلبیہ پڑھا جاتا ہے اس میں لاشریک لک کے ساتھ اِلَّا شَرِيْكًا هُوَلَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ بھی جوڑ دیتے تھے اور صائبین اور مجوسی یوں کہتے تھے کہ اگر اللہ ﷾ کی مدد کرنے والے نہ ہوتے تو وہ عاجز ہو کر رہ جاتا ان سب کی تردید میں اللہ ﷾ نے آیتِ بالا وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا آخر تک نازل فرمائی۔ (صحیح بخاری)

علمی بات: ۱۔ اس آیت میں یہ بتادیا کہ اللہ ﷾ نے کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا، نہ اس کی اولاد ہے، نہ اولاد ہو سکتی ہے کیونکہ اولاد ہونا اس بے عیب کے لئے عیب ہے۔ اور نہ ملک میں اس کا کوئی شریک ہے۔ سارا ملک اسی کا ہے۔ وہ ملک الملوک ہے اس کی سلطنت میں اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ اسے کسی شریک کی ضرورت ہے اور نہ کسی مددگار کی۔ جسے امور مملکت پر پوری قدرت نہیں ہوتی اسے مددگار کی ضرورت پڑتی ہے۔ اللہ ﷾ قادر مطلق ہے، قوی و عزیز ہے، وہ کسی چیز سے عاجز نہیں۔ لہٰذا اسے کسی مددگار کی ضرورت نہیں، نہ کوئی اس کا مددگار ہے اور نہ ہوگا اور نہ ہو سکتا ہے۔ سورۃ سباء میں فرمایا: آپ (ﷺ) فرما دیجئے ان کو پکارو جن کو تم اللہ کے سوا (معبود) سمجھ رہے ہو وہ نہ آسمانوں میں ذرہ برابر (کسی چیز) کے مالک ہیں اور نہ زمینوں میں اور نہ ہی ان دونوں میں ان کا کوئی حصہ ہے اور نہ ان میں سے کوئی اس (اللہ) کا مددگار ہے۔ (سورۃ سبا ۳۴، آیت: ۲۲)

۲۔ سورۃ بنی اسرائیل کی ابتدا تسبیح باری تعالیٰ سے ہوئی۔ تسبیح سے مراد اللہ ﷾ کا تمام عیوب اور نقائص سے پاک ہونا ہے۔ پھر اس سورۃ کا اختتام بھی اس بیان پر ہوا کہ اللہ ﷾ اولاد، شرکاء اور حمایتیوں کی کسی طرح کی بھی مدد کا محتاج نہیں۔ یہ فصاحت و بلاغت کے انتہائی کمال کی دلیل ہوتی ہے کہ مضمون کو جس عنوان سے شروع کیا جائے۔ درمیان میں اس کی تمام تفصیلات بیان کرنے کے بعد اس کا اختتام بھی اسی بیان پر کیا جائے جس سے اس کی ابتدا کی گئی تھی۔

۳۔ مشرکین کے اس بنیادی عقیدہ کی تردید کی گئی ہے کہ جس طرح ایک بادشاہ کو اپنا انتظام سلطنت چلانے کے لئے امیروں، وزیروں اور کئی طرح کے مددگاروں کی احتیاج ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح اللہ ﷾ کو اتنی بڑی سلطنت کا کاروبار چلانے کے لئے کارکنوں کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اللہ ﷾ نے اس بے ہودہ عقیدہ کا رد کرتے ہوئے فرمایا: کہ نہ اسے اس وقت کسی شریک کی احتیاج ہے اور نہ آئندہ ہوگی کہ وہ کسی کو بیٹا بنالے جو ناتوانی میں اس کا معاون ثابت ہو۔ اسے تخلیق کائنات کے وقت بھی کسی کو مددگار بنانے کی ضرورت پیش نہیں آئی، نہ ہی اس کائنات کا انتظام چلانے کے لئے ضرورت ہے اور نہ ہی ایسی ضرورت آئندہ کبھی پیش آسکتی ہے۔ اس کے پاس ہر چیز کے لاتعداد اور غیر محدود خزانے ہیں۔ گویا اس آیت میں تمام مشرکین کا رد موجود ہے اور جس معبود میں ذکر کی گئی یہ صفات پائی جائیں وہی معبود حقیقی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ہر طرح کی تعریف اللہ ﷾ ہی کی ذات کو لائق ہے، وہی اس کا مستحق ہے، اسی کی تعریف اور اسی کی بڑائی بیان کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۴۔ اس آیت میں پانچ مختلف انداز میں اللہ ﷾ کی عظمت اور توحید کا بیان ہے۔ اس ضمن میں پہلی بات یہ ہے کہ حضور ﷺ کی زبان مبارک سے یہ اعلان کرایا کہ تمام تعریفیں اور ہر قسم کا شکر اللہ ﷾ ہی کے لئے ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس نے اپنی کوئی اولاد نہیں بنائی، جسے سورۃ الاخلاص میں لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ تیسری بات اقتدار و اختیار سے متعلق ہے کہ اللہ ﷾ تنہا ہر چیز کا اصل مالک و مختار ہے اور وہی مالک الملک

ہے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ اے مشرکو! اللہ ﷻ کی دوستی کو اپنی دوستیوں پر قیاس مت کرو۔ تم تو دوستیاں اس لئے پالتے ہو کہ تم اپنے دوستوں کے محتاج ہوتے ہو۔ مگر اللہ ﷻ کی دوستی کسی ضرورت کی بنیاد پر نہیں ہوتی اور نہ ہی اللہ ﷻ کا کوئی دوست اس سے اپنی کوئی بات زبردستی منوا سکتا ہے۔
پانچویں اور آخری بات بہت اہم اور توجہ طلب ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کی خوب تکبیر کرو۔ صرف زبان سے "اللہ اکبر" کہہ دینے سے اللہ ﷻ کی تکبیر کا حق پورا نہیں ہو جاتا۔ اس کے لئے عملی طور پر بھی بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ زبان سے اللہ اکبر کہنا تو تکبیر کا پہلا درجہ ہے کہ کسی نے زبان سے اقرار کر لیا کہ اللہ ﷻ سب سے بڑا ہے۔ اس کے بعد اہم اور کٹھن مرحلہ اپنے تمام انفرادی اور اجتماعی معاملات میں اللہ ﷻ کو عملی طور پر بڑا تسلیم کرنے کا ہے۔ یہ مرحلہ تب طے ہو گا جب ہمارے گھر میں بھی اللہ ﷻ کو بڑا تسلیم کیا جائے گا اور گھر کے تمام معاملات میں اسی کی بات مانی جائے گی۔
جب ہماری اجتماعی معاملاتِ زندگی میں بھی اس کی بڑائی کو تسلیم کیا جائے گا اور کوئی قانون اس کی شریعت کے خلاف نہ بن سکے غرض جب تک ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں اور ہر کہیں اس کا حکم آخری حکم کے طور پر تسلیم نہیں کیا جائے گا اللہ ﷻ کی تکبیر کا حق ادا نہیں ہو گا۔

مشقوں کے جوابات

سوال ۱: خالی جگہیں پُر کریں:

(۱) آیت: ۶۰ کے مطابق اللہ ﷻ نے معراج اور لعنت کیئے گئے درخت کو لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ بنا دیا۔

(۲) آیت: ۸۰ میں سچائی کے ساتھ داخل ہونے سچائی کے ساتھ نکلنے اور غلبہ اور مدد کی دُعا کا بیان ہے۔

(۳) آیت: ۸۲ میں ذکر ہے کہ قرآنِ حکیم میں جو کچھ نازل کیا گیا ہے وہ اہلِ ایمان کے لئے شِفا اور رحمت ہے۔

(۴) آیت: ۸۵ میں یہود کے سوال "روح کیا ہے؟" کا جواب دیا گیا ہے کہ روح رب کے حکم سے ہے۔

(۵) آیت: ۹۷ کے مطابق جسے اللہ ﷻ ہدایت عطا فرمائے وہی ہدایت پانے والا ہے۔

سوال ۲: مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجئے:

۱- ساتویں رکوع کی روشنی میں انسانوں پر ہونے والے شیطان کے حملوں کے بارے میں لکھیں۔

شیطان کو ایسے تشبیہ دی گئی ہے جیسے کوئی کسی بستی پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لائے اور ان کو اشارہ کر کے کہے کہ اِدھر لوٹو، اُدھر چھاپہ مارو۔ پیاروں سے مراد سب جن اور انسان ہیں جو مختلف شکلوں میں ابلیس کے مشن کی خدمت کر رہے ہیں۔ شیطان اُمیدیں دلاتا اور سبز باغ دکھاتا ہے۔

۲- ساتویں رکوع میں بنی آدم کی کیا فضیلت بیان کی گئی ہے؟

اللہ ﷻ نے بنی آدم کو بڑی عزت دی اُنہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور پاکیزہ چیزوں کی روزیاں دیں اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت عطا فرمائی۔

۳- نویں رکوع کے آغاز میں نماز اور مقامِ محمود کے بارے میں کیا بیان کیا گیا ہے؟

سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک (ظہر عصر مغرب وعشا کی) نماز قائم کیجیے، بے شک فجر کے وقت قرآن (نماز پڑھنے) میں (فرشتوں کی) حاضری ہوتی ہے۔ اور رات کے کچھ حصّے میں تہجد پڑھا کیجیے جو آپ ﷺ کے لئے زائد (عبادت) ہے اُمید ہے کہ آپ ﷺ کا رب آپ ﷺ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا۔

۴- بارھویں رکوع کی روشنی میں قرآنِ حکیم کے بارے میں تین باتیں تحریر کریں۔

i۔ قرآنِ حکیم کو حق کے ساتھ اُتارا۔ ii۔ قرآنِ حکیم کو تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارا گیا۔

iii۔ جنہیں علم دیا گیا ہے ان کے پاس جب قرآنِ حکیم کی تلاوت کی جاتی ہے وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔

۵- بارھویں رکوع کے آخر میں اللہ ﷻ کی عظمت اور شان کے حوالہ سے کون سی پانچ باتیں بیان کی گئی ہیں؟

آپ ﷺ فرما دیجیے کہ تم اللہ کہہ کر پُکارو یا رحمٰن کہہ کر پُکارو جس نام سے بھی پُکارو پس اس کے سب نام اچھے ہیں اور فرما دیجیے تمام تعریفیں اللہ ﷻ کے لئے ہیں جس نے نہ کسی کو بیٹا بنایا اور نہ ہی بادشاہی میں کوئی اس کا شریک ہے اور نہ کسی کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی دوست ہے اور اس کی خوب بڑائی بیان کیجیے۔

سُوْرَۃُ الْکَھْف (حصّہ اول)

مقاصدِ مطالعہ: اس سورت کے مطالعہ کے بعد طلبہ کو مندرجہ ذیل مضامین سے آگاہی حاصل ہونی چاہیئے:

1. آیات: ۱ تا ۳ — اللہ ﷻ کی حمد وثنا کا بیان، قرآن حکیم کی فضیلت، صداقت اور اوصاف کا بیان، نزولِ قرآن مجید کی حکمت کا ذکر اور مومنین کے لئے ابدی انعام واکرام کی بشارت کا تذکرہ۔
2. آیات: ۴ تا ۸ — عیسائیت کے غلط عقائد کا رد، نبی کریم ﷺ کی امت سے محبت کا بیان اور دنیا کی حقیقت کا ذکر۔
3. آیات: ۹ تا ۲۲ — اسباب کی قلت کے باوجود اللہ ﷻ پر بھروسہ کرنے والے اصحاب کہف کا مفصل واقعہ اور غار کی کیفیت کا ذکر۔
4. آیات: ۲۳ تا ۲۸ — انشاء اللہ کہنے کی اہمیت کا بیان، آپ ﷺ کو تلاوتِ قرآن کا حکم اور مشکل حالات میں داعی کے لئے ہدایات کا بیان۔
5. آیات: ۲۹ تا ۳۱ — کافروں اور ظالموں کی سخت سرزنش اور ان کے لئے جہنم کے سخت عذاب کی وعید اور مومنین صالحین کے لئے جنت کی ابدی اور اعلیٰ ترین نعمتوں کی بشارت کا تذکرہ۔
6. آیات: ۳۲ تا ۴۴ — دنیاوی اسباب سے مالا مال مادہ پرست، متکبر اور کافر شخص کے باغ کا قصہ۔
7. آیات: ۴۵ تا ۴۶ — حیات دنیا کی بے ثباتی اور مال واولاد کی حقیقت کا بیان۔
8. آیات: ۴۷ تا ۴۹ — قیامت کے دن کے احوال کا ذکر، میدان حشر اور بروز محشر حساب وکتاب کی کیفیت کا بیان۔
9. آیات: ۵۰ تا ۵۳ — شیطان کی پیروی اور شرک کے انجام کا ذکر، مقام ہلاکت کی تفصیلات اور غرور کے انجام بیان۔
10. آیات: ۵۴ تا ۵۹ — جامعیتِ قرآن مجید کا ذکر، آنحضرت ﷺ کے فریضہ بشارت ونذارت کا تذکرہ، انسان کی ہٹ دھرمی، کافروں کے افعال، سب سے بڑے ظالم کی پہچان ونشاندہی، اللہ ﷻ کی بخشش ورحمت کا بیان اور ظالموں کے بُرے انجام سے عبرت حاصل کرنے کا ذکر۔

ربطِ سورت: سورۃ الکھف سے پہلے سورۃ بنی اسرائیل ہے۔ دونوں سورتوں میں ربط اور مناسبت یہ ہے کہ:

۱۔ سورۃ الکھف اور سورۃ بنی اسرائیل کے مضامین میں خاصی یکسانیت ہے۔ ۲۔ سورۂ بنی اسرائیل کا آغاز اللہ ﷻ کی تسبیح اور سورۃ الکھف کا آغاز اللہ ﷻ کی حمد سے ہوتا ہے۔ ۳۔ سورۂ بنی اسرائیل کی تکمیل اللہ ﷻ کی بڑائی کے بیان پر ہوتی ہے اور سورۃ الکھف کی ابتدا حمدِ باری تعالیٰ سے ہوتی ہے۔ گویا جس نکتہ پر سورۃ بنی اسرائیل کا اختتام ہوا تھا اُسی نکتہ سے سورۃ الکھف کا آغاز ہوا ہے۔ ۴۔ سورۃ بنی اسرائیل کے آغاز میں نبی کریم ﷺ کے واقعہ ٔمعراج یعنی آسمانوں کی سیر اور باری تعالیٰ سے ملاقات کا بیان ہے اور سورۃ الکھف میں آسمانوں کے رب کی طرف سے صاحبِ قرآن سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نزول قرآنِ حکیم کا بیان ہے۔ ۵۔ دونوں سورتوں کی آخری دو اہم آیات کا آغاز لفظ "قُلْ" سے ہو رہا ہے۔ مزید یہ کہ دونوں سورتوں کے آخری دو آیات کے مضامین میں کافی مماثلت ہے۔ ۶۔ دونوں سورتوں میں حضرت آدم علیہ السلام کا قصّہ بیان کیا گیا ہے اور شیطان سے خبردار کیا گیا ہے۔ ۷۔ سورۃ بنی اسرائیل میں نبی کریم ﷺ کی ہجرت کا ذکر ہے۔ سورۃ الکھف میں اصحاب کہف کی ہجرت کا بیان ہے۔ ۸۔ سورۃ بنی اسرائیل میں اسلامی معاشرہ اور عادلانہ ریاست کی اساس کا ذکر ہے۔ سورۃ الکھف میں ایک عادل بادشاہ ذوالقرنین کا تذکرہ ہے۔

فضائل اور خواص: ۱۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: کہ "جس (مسلمان) نے سورۃ الکھف کی پہلی دس آیات حفظ کر لیں اسے دجال کے فتنہ سے محفوظ کر لیا گیا۔" (صحیح مسلم)

۲۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے ہی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں کہ "جس شخص نے سورۃ الکھف کی آخری دس آیات یاد کر لیں وہ فتنۂ دجال سے محفوظ رہے گا۔" (صحیح مسلم)

۳۔ حضرت معاذ بن انس جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جس نے سورۃ الکھف کی ابتدائی یا آخری آیات کی تلاوت کی تو اس کے قدم سے سر تک نور ہوگا اور جس نے اس ساری سورت کی تلاوت کی، اس کے لئے زمین سے آسمان تک نور ہوگا۔" (مسند احمد)

۴۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "جس شخص نے جمعہ کے روز سورۃ الکھف پوری پڑھ لی تو دوسرے جمعہ تک اس کے لئے نور ہو جائے گا۔" (مستدرک حاکم، بیہقی)

مذکور قصص کا مختصر جائزہ و تفصیلات: کتب حدیث میں ہے کہ کفارِ مکہ نے اہل کتاب کے کہنے پر نبی اکرم ﷺ کے لئے تین سوالات بطور خاص امتحان چنے جن کا تعلق سرزمین حجاز سے نہ تھا۔ کفار مکہ اور یہودی یہ سمجھ رہے تھے کہ نبی کریم ﷺ ان سوالوں کا جواب نہ دے سکیں گے لہٰذا ہمیں ان کو جھٹلانے اور مذاق اڑانے کا موقع مل جائے گا (معاذ اللہ)۔ ان میں سے پہلا سوال یہ تھا کہ اصحاب کہف کون تھے؟ دوسرا سوال حضرت خضر علیہ السلام سے متعلق تھا۔ تیسرا سوال ذوالقرنین بادشاہ کے بارے میں تھا۔

اللہ ﷻ نے تمام سوالوں کے بھرپور جوابات عطا فرمائے۔ کفار مکہ کے سوالات اور مکہ مکرمہ کے سنگین حالات میں سورۃ الکھف نازل کی گئی تاکہ کفار کے منہ بند ہو جائیں اور اہل ایمان کو تسلّی اور تشفی مل جائے۔

علمی بات: چار اہم واقعات میں مادہ پرستی کے فتنہ کا رد اور اہم ہدایات عطا ہوئی ہیں۔

۱۔ واقعۂ اصحاب کہف: اس واقعہ کے ضمن میں درج ذیل اہم باتیں سمجھائی گئی ہیں: i۔ وہ عقیدۂ توحید کے قائل تھے۔ اہل خاندان نے ان کے ساتھ تحقیر آمیز رویہ اختیار کیا جیسا کہ اہل مکہ نے عقیدۂ توحید کے ماننے والوں کے ساتھ روا رکھا ہوا ہے۔ ii۔ مسلمانوں کو استقامت کا مظاہرہ کرنے

والے اہل ایمان کی عظمت کردار سے باخبر کیا گیا کہ اصحاب کہف گنتی کے چند نوجوان تھے مگر انہوں نے نفس کے پجاریوں کے سامنے سر جھکانے کے بجائے اللہ ﷻ کے بھروسہ پر ہجرت کی راہ اختیار کی۔ iii۔ اصحاب کہف کے واقعہ سے موت کے بعد کی زندگی پر استدلال کیا گیا کہ جس طرح مدت دراز کے بعد ان غار کے مکینوں کو موت کی نیند سے جگایا گیا اسی طرح وہ قادر مطلق تمام لوگوں کو موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔ iv۔ اللہ ﷻ کی عبادت کے لئے بہت قیمتی رہنمائی عطا کی گئی ہے، خاص کر ایسے دور میں جب اہل توحید کمزور اور اجنبی ہوں، مشکل حالات میں اللہ ﷻ کی توحید پر قائم رہنا، (باطل قوتوں کا انکار کرنا) اور بس ایک اللہ ﷻ کا ہی ہو کر رہنا۔

۲۔ دولت کے نشہ میں بدمست ایک منکر اور مسکین مومن کا واقعہ: اس واقعہ کا ذکر کر کے دولت کی ناپائیداری کو واضح اور ہر دور میں دولت کے نشہ میں چور منکرین کو حقیقت سے باخبر کیا گیا ہے۔

۳۔ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا واقعہ: اس واقعہ کے ذکر میں مومنین کے لئے تسلّی اور اللہ ﷻ کی مشیت وقدرت کی جانب اشارہ ہے کیونکہ انسان دنیا میں رونما ہونے والے اکثر واقعات کے انجام سے بے خبری کے باعث حیران ہوتا ہے۔ حالانکہ ان سب کے پس پردہ مصلحت ومشیت ایزدی کارفرما ہوتی ہے۔

۴۔ بادشاہ ذوالقرنین کا واقعہ: ذوالقرنین بادشاہ کی عظمت وجلالت اور وسیع تر ذرائع واسباب کے مالک ہونے اور ان سب کے باوجود خالق حقیقی کے سامنے سربسجود رہنے کا ذکر ہے۔ اہل مکہ کو توجہ دلائی گئی ہے کہ تم معمولی سی تجارت اور معمولی جاگیر کی ملکیت پر اتراتے پھرتے اور تکبر کرتے ہو۔

سورۃ الکہف میں چار کرداروں کے حوالہ سے چار اہم فتنوں کی نشان دہی: ۱۔ دین وایمان کے سلسلہ میں فتنہ: جس کے مقابلہ کے لئے اصحاب کہف اپنا سب کچھ چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے۔ **۲۔ مال کا فتنہ:** یعنی مال پر غرور اور مال کی طاقت پر بھروسہ جس کا باغ والا مالدار شخص شکار ہو گیا تھا۔ **۳۔ علم کا فتنہ:** جس سے حفاظت کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کے ضمن میں بتایا گیا ہے کہ بہت سی باتیں بڑے بڑے اصحابِ علم کے بھی دائرہ علم سے باہر ہیں۔ **۴۔ اقتدار وصلاحیت کا فتنہ:** جس پر قابو کی خوبصورت مثال ذوالقرنین کے کردار میں ملتی ہے جنہوں نے ایک بڑے کارنامہ کو انجام دینے کے بعد بھی انکساری کا رویہ اختیار کیا۔

ان واقعات سے دین وایمان کی حفاظت کے لئے استقامت کا درس حاصل ہوتا ہے اور مال ودولت، علم وفضل اور بادشاہت واقتدار کے حاصل ہونے پر تواضع وانکساری، اللہ ﷻ کا شکر، اُسی پر بھروسہ اور نعمتوں کے اچھے مقاصد کے لئے استعمال ہونے کا سبق ملتا ہے۔

آیت نمبر ۱: تمام تعریفوں اور شکر کا مستحق اللہ ﷻ ہے جس نے اپنے مکرم اور مقرب بندہ آنحضرت ﷺ پر قرآنِ حکیم نازل فرمایا۔ "عوج" کے معنیٰ کسی قسم کی کجی یا ایک طرف جھکاؤ کے ہیں۔ اللہ ﷻ کی طرف سے اتارا جانے والا قرآنِ حکیم ہر قسم کی کجی اور افراط وتفریط سے پاک کلام ہے۔

علمی بات: ۱۔ اس آیت کا موضوع اللہ ﷻ کی کتاب کا نزول ہے۔ اللہ ﷻ وہ باکمال ہستی ہے جس نے اپنے بندوں پر لاتعداد احسانات اور انعامات فرمائے ہیں اور مسلسل فرما رہا ہے۔ ان احسانات میں سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے انسان کو ہدایت کا راستہ سکھایا اور اَلْھُدیٰ یعنی قرآنِ حکیم نازل فرمایا۔

۲۔ اللہ ﷻ نے نبی اکرم ﷺ کی شانِ عبدیت کو نمایاں کیا ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ ﷻ نے اپنی شانِ ربوبیت کو اور رسول اللہ ﷺ کی شانِ عبدیت کو بار بار بیان فرمایا ہے۔ مثلاً سورۃ الفاتحہ ۱، آیت: ۱ میں "رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ"، جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل ۱۷، آیت: ۱ میں فرمایا: "سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا" "پاک ہے وہ جو ایک رات کے تھوڑے سے حصّہ میں اپنے (خاص) بندے کو

مسجد الحرام سے اس مسجد اقصیٰ تک لے گیا" ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ ﷻ ہم سب کا رب ہے اور اسے شانِ عبدیت پسند ہے۔ مقامِ عبدیت کے مثل کوئی مقام نہیں اور رسول اللہ ﷺ عبدیت کاملہ کے بلند مقام پر فائز ہیں۔

۳۔ کجی (ٹیڑھ) نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآنِ حکیم میں کوئی بات بھی ایسی نہیں جو عقل و فطرت اور عدل و صداقت سے ہٹی ہوئی ہو۔ یہ فضول فلسفیانہ بحثوں، تضاد بیانی اور بے کار باتوں سے بالکل پاک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلیم الطبع اور خیر پسند لوگوں کے دلوں میں قرآنِ مجید با آسانی اتر جاتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے کہ "(یہ) وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ پرہیز گاروں کے لئے ہدایت ہے۔" (سورۃ البقرہ ۲، آیت: ۲)

آیت نمبر ۲: "قیم" سے مراد "بالکل سیدھا" ہونا ہے یا اس سے مراد بندوں کی دینی اور دُنیاوی مصالح کی حفاظت کرنے والا ہے۔ قرآنِ حکیم سیدھا، سچا اور اختلاف سے پاک کلام ہے جو سابقہ آسمانی کتب کی تصدیق کرتا ہے۔ قرآنِ حکیم نافرمانوں کو عذاب کے بارے میں خبر دار کرتا ہے۔ جبکہ ایمان لانے والے نیکوکاروں کو جنت کی بشارت دیتا ہے۔

علمی بات: نیکیوں سے مراد وہ اعمال ہیں جو اللہ ﷻ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے ہوئے اللہ ﷻ کی رضا اور اخروی نجات کے لئے سر انجام دیئے جائیں۔ ایسے اعمال کرنے والوں کے لئے اللہ ﷻ کے ہاں ان کا بہترین اجر محفوظ ہے۔

آیت نمبر ۳: قرآنِ حکیم پر ایمان لاکر نیک اعمال انجام دینے والے مومنوں کو قرآنِ حکیم جنت کی دائمی زندگی کی بشارت دیتا ہے۔

علمی و عملی بات: جو لوگ نیک اعمال کریں گے۔ اللہ ﷻ اُنہیں اپنے فضل سے جنت میں داخل فرمائے گا۔ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ دنیا کی نعمتیں چاہے جتنی زیادہ بھی ہوں اور دنیا کا گھر کتنا ہی حسین کیوں نہ ہو ایک دن بالآخر انسان کو اس سے نکلنا ہے اور موت آنی ہے۔ نہ دنیا کی کوئی چیز ہمیشہ کے لئے ہے اور نہ ہی انسان ہمیشہ کے لئے ہے۔ اس کے برعکس جنت کی نعمتیں بھی دائمی ہیں اور اس میں رہنا بھی ہمیشہ کے لئے ہو گا۔ لہٰذا ہمیں آخرت کے لئے محنت کرنی چاہیئے۔

آیت نمبر ۴: قرآنِ حکیم خصوصی طور پر ان کو عذاب سے ڈراتا ہے جو اللہ ﷻ کے لئے اولاد کو منسوب کر کے اس کی شان میں گستاخی اور شرک کرتے ہیں۔

علمی بات: ۱۔ یہ تنبیہ خاص طور پر ان لوگوں کے لئے ہے جو اللہ ﷻ کے لئے اولاد ہونے کے قائل ہیں۔ اشارہ خصوصیت کے ساتھ نصاریٰ کی طرف ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ ﷻ کا بیٹا قرار دیتے ہیں اور یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ ﷻ کا بیٹا بنایا تھا (معاذاللہ)۔ ویسے یہ تنبیہ عام طور پر ان سب کے لئے ہے جو کسی نہ کسی شکل میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ ﷻ اولاد رکھتا ہے (معاذاللہ) مثال کے طور پر مشرکین مکہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔

۲۔ دورِ حاضر کی دجالیت کی اصل جڑ موجودہ مسیحیت ہے جس کی بنیاد تثلیث پر رکھی گئی ہے اور اب اسے مسیحیت کے بجائے Paulism کہنا زیادہ درست ہے۔ اس میں سب سے پہلے حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ ﷻ کا بیٹا قرار دیا گیا۔ پھر اس میں کفارہ کا عقیدہ شامل کیا گیا کہ جو کوئی بھی حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لائے گا اسے تمام گناہوں سے پیشگی معافی مل جائے گی۔ اس کے بعد شریعت کو ساقط کر کے اس سلسلہ میں تمام اختیارات پوپ کو دے دیئے گئے کہ وہ جس چیز کو چاہے حلال قرار دے اور جس کو چاہے حرام۔ ان تحریفات کی وجہ سے یورپ میں عام لوگوں کو لفظ "مذہب" سے ہی شدید نفرت ہوگئی۔ پھر جب ہسپانیہ میں مسلمانوں کے زیرِ اثر جدید علوم کو فروغ ملا تو فرانس، اٹلی اور جرمنی وغیرہ کے بے شمار نوجوانوں نے اسپین کے شہروں قرطبہ، غرناطہ اور طلیطلہ کی یونیورسٹیوں میں داخلہ لیا۔ یہ نوجوان حصول تعلیم کے بعد جب اپنے اپنے ممالک میں واپس گئے تو یورپ میں

ان کی نئی فکر کی وجہ سے اصلاح مذہب (Reformation) اور احیائے علوم (Renaissance) کی تحریکات شروع ہوئیں۔ ان کی وجہ سے یورپ کے عام لوگ جدید علوم کی طرف راغب تو ہوئے مگر معاشرہ میں پہلے سے موجود مذہب مخالف جذبات کی وجہ سے مذہب دشمنی خود بخود اس تحریک میں شامل ہو گئی۔ نتیجتاً جدید علوم کے ساتھ مذہب سے بیزاری روحانیت سے لاتعلقی آخرت سے انکار اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے تصور سے بیگانگی جیسے خیالات بھی یورپی معاشرہ میں مستقلاً جڑ پکڑ گئے، یہ سب کچھ عیسائیت میں کی جانے والی مذکورہ تحریفات کا ردِ عمل تھا۔ آیت زیر نظر میں ان ہی لوگوں کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے یہ عقیدہ ایجاد کیا تھا کہ مسیح (نعوذ باللہ) اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا بیٹا ہے۔

آیت نمبر ۵: اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لئے اولاد قرار دینے کے بارے میں ان کے پاس نہ کوئی دلیل ہے اور نہ ہی ان کے باپ دادا کے پاس تھی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اولاد قرار دینا بہت بڑی سنگین بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے۔ در حقیقت ان کا یہ دعویٰ جھوٹ پر مبنی ہے اور انتہائی بھونڈا عقیدہ ہے۔

علمی بات: جو لوگ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لئے بیٹا یا اولاد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں ان کے پاس اس دعویٰ کے پیچھے کوئی علمی دلیل نہیں ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے بارے میں انسان کو علم یا تو اس شعور کی بنا پر ہوتا ہے جو انسان کی فطرت کے اندر موجود ہوتا ہے۔ یا ان نشانیوں کے ذریعہ ہوتا ہے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کائنات میں رکھی ہیں یا پھر وحی کے ذریعہ جو وہ انبیاء علیہم السلام پر بھیجتا ہے اور جس کی نمایاں ترین شکل کتاب الٰہی ہے۔ اس کے علاوہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے بارے میں جاننے کا ذریعہ انسان کے پاس کوئی نہیں۔ ان تینوں ذرائع میں سے کوئی ذریعہ بھی ایسا نہیں ہے جس سے اس بات کی تائید ہوتی ہو کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اولاد رکھتا ہے بلکہ ہر ذریعہ اس کی نفی کرتا ہے۔ پھر کس بنیاد پر لوگ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لئے اولاد یا بیٹا ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں؟ لہٰذا شرک کی جو بھی دلیل مشرکین دیتے ہیں یہ سب کے سب جھوٹ اور باطل ہیں۔

آیت نمبر ۶: مشرکین کے قرآنِ حکیم پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رنجیدہ نہ ہونے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کی ہدایت کی فکر میں اپنے آپ کو پریشان نہ کرنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

علمی بات: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے لئے بڑے خیر خواہ تھے اور ان کے ایمان نہ لانے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ صدمہ تھا۔ تنبیہ اور نصیحت کے بعد بھی لوگ اپنے آپ کو نذرِ آتش کرنا چاہتے ہوں تو ان پر افسوس کرنے سے کیا حاصل۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلّی دی گئی ہے کہ ان لوگوں کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا فرض ادا کر چکے ہیں۔ اگر یہ نہیں مانتے تو ان کے ایمان نہ لانے کے غم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ گھلیں۔

عملی پہلو: سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں رہنمائی ملتی ہے کہ ہمیں لوگوں کو ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبہ کے ساتھ دین کی دعوت دینی چاہیئے۔ اپنی، اپنے گھر والوں اور دوسرے لوگوں کی آخرت کی فکر کرنا ہمارا فرض بھی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم سنت بھی۔

آیت نمبر ۷: زمین پر جو کچھ ہے اسے باعث رونق اور زینت بنایا گیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں کو آزمایا جائے کہ کون دنیا کی زینت میں کھو کر اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے غافل ہو جاتا ہے اور کون اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بندگی کو ترجیح دیتا ہے۔ اس آیت میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے دنیا کو خوش نما اور پُر فریب بنانے کی وجہ انسان کا امتحان بتایا ہے۔

علمی و عملی بات: دجل کے معنٰی دھوکہ کے ہیں اور دنیا دھوکہ کا سامان ہے۔ اس آیت میں دجالی فتنہ یعنی دنیا کی کشش اور پُر فریبی کا ذکر کیا گیا ہے۔ انسان کا امتحان اس بات میں ہے کہ وہ دنیا کی رنگینی سے متاثر ہو کر اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے یا دنیا کی اصلیت کو سمجھ کر اپنے اصل خالق و مالک کو پہچانتا ہے۔ اس آزمائش میں انسان کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ دنیا پرستی کرے یا اپنے رب کی عبادت کرے۔ دنیا بے حد پُر کشش مگر دھوکہ ہے۔ دنیا کا انجام یہ ہے کہ یہ عنقریب فنا ہونے والی ہے۔

آیت نمبر ۸: دنیا کی ہر چیز کے عارضی ہونے اور بالآخر اپنی تمام رونقوں سمیت فنا ہو جانے کا بیان ہے۔ زمین کو ایک ہموار میدان میں تبدیل کر دیا جائے گا جو میدانِ حشر ہو گا۔ اس کے بعد نیک و بد کو ان کے اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا۔

علمی و عملی بات: جتنی چیزوں سے یہ زمین سجی ہوئی اور بارونق نظر آتی ہے ایک دن وہ سب فنا ہو جائیں گی، نہ کوئی عمارت باقی رہے گی، نہ پہاڑ اور درخت، بلکہ وہ چٹیل اور سپاٹ میدان میں تبدیل ہو جائے گی، اس وقت یہ حقیقت واضح ہو گی کہ دنیا کی ظاہری خوبصورتی بڑی ناپائیدار تھی۔ یہ مال و اولاد، یہ غلام اور مویشی، یہ جاہ و جلال کے سب وسائل ناپید ہو جائیں گے۔

علمی بات: حقیقت یہ ہے کہ یہ سامان عیش نہیں بلکہ وسائل امتحان ہیں جن کے درمیان اُنہیں کو رکھ کر یہ دیکھا جا رہا ہے کہ ان میں سے کون اپنی اصل کو فراموش کر کے دنیا کی ان دل فریبیوں میں گم ہو جاتا ہے، اور کون اپنے اصل مقام (بندگی رب) کو یاد رکھ کر صحیح رویہ پر قائم رہتا ہے۔ جس روز یہ امتحان ختم ہو جائے گا اسی روز یہ بساط عیش الٹ دی جائے گی اور یہ زمین ایک چٹیل میدان کے سوا کچھ نہ رہے گی۔ اس وقت اگر کوئی چیز کارآمد ہو گی تو انسان کے اچھے اعمال ہوں گے جو اس کے ساتھ جائیں گے۔

آیت نمبر ۹: اصحاب کہف کون تھے؟ کیا تھے؟ ان کی تعداد کتنی تھی؟ اور کن حالات میں یہ واقعات پیش آئے؟ اس کی تفصیل کے بجائے مختصر اور مؤثر انداز میں اصحاب کہف کے جذبۂ ایمانی اور ایثار و قربانی کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ چند ایسے مخلص نوجوان تھے جنہوں نے شہری زندگی، گھر کے راحت و آرام اور خود اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر پہاڑوں کے غاروں کو اپنا مسکن بنا لیا تھا تاکہ ان کے ایمان کی حفاظت ہو سکے اور اللہ ﷻ کی رضا و خوشنودی حاصل ہو سکے۔ مزید تفصیل اگلی آیات میں ذکر کی گئی ہے۔

علمی بات: ۱۔ کہف اس وسیع غار کو کہتے ہیں جو پہاڑ میں موجود ہوتا ہے۔ رقیم سے مراد پتھر کا وہ کتبہ ہے جس پر اصحاب کہف کے نام لکھے تھے یا اس بستی کا نام ہے جہاں سے اصحاب کہف نے ہجرت کی۔ مادہ پرستی کے رد پر پہلا واقعہ اصحاب کہف کا قصّہ بیان کیا گیا۔

۲۔ مشرکین مکہ نے یہود کی شرارت پر جو تین سوالات نبی اکرم ﷺ سے پوچھے تھے ان میں سے اصحابِ کہف کے متعلق فرمایا جا رہا ہے کہ تمہیں یہ واقعہ عجیب لگتا ہے حالانکہ اللہ ﷻ کی بے شمار نشانیاں موجود ہیں تو بس اسی عجیب نشانی کے بارے میں پوچھا گیا۔

۳۔ ایک جدید تحقیق کی رو سے یہ غار (اُردن کے دارالحکومت) سے آٹھ کلو میٹر کے فاصلے پر الرجیب میں واقع ہے اور یہ الرجیب ہی الرقیم کی بدلی ہوئی شکل ہے۔ حکومتِ اُردن کے دائرہ آثار عامہ نے کھدائی وغیرہ کا جو کام کیا اس کے بعد حقائق بالکل ابھر کر سامنے آ گئے ہیں۔

نوٹ: اصحاب کہف کے واقعہ کی مزید تفصیلات مطالعہ قرآنِ حکیم حصّہ پنجم کی درسی کتاب میں "قصّہ اصحابِ کہف" ملاحظہ فرمائیں۔

۴۔ غار والوں کا قصّہ چونکہ بعث بعد الموت پر ایک واضح دلیل اور خرق عادت امر تھا۔ لہٰذا اس قصّہ کا آغاز ہی اس جملہ سے کیا گیا کہ کیا تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ یہ قصّہ اللہ ﷻ کی حیران کن نشانیوں میں سے ایک بڑی اہم نشانی تھی۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ ﷻ کی دوسری نشانیاں اس واقعہ سے بہت زیادہ حیران کن ہیں جو کائنات میں ہر سو بکھری ہوئی ہیں اور خود تمہاری اپنی جانوں کے اندر بھی موجود ہیں۔ بالفاظ دیگر اللہ ﷻ جو کچھ پہلے تخلیق کر چکا ہے اس کے مقابلہ میں بعث بعد الموت اس کے لئے بہت آسان اور معمولی سی بات ہے۔

آیت نمبر ۱۰: اصحابِ کہف توحید پرست نوجوان تھے جنہوں نے حق کی خاطر ایک غار میں پناہ لی۔ ان کے دور کا بادشاہ اور لوگ مشرک تھے۔ پناہ لیتے وقت انہوں نے اللہ ﷻ سے ثابت قدمی، رحمت نازل فرمانے اور صحیح رہنمائی فرمانے کی دعا کی۔

علمی بات: یہ نوجوان توحید پرست تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار تھے جبکہ ان کے معاشرہ میں ہر طرف شرک اور بت پرستی کا دور دورہ تھا اس وقت کا رومی بادشاہ خود بت پرست اور مشرک تھا عیسائیوں پر ظلم و ستم ڈھانے کے معاملہ میں اس کا عہد بہت بدنام ہے۔ ان نوجوانوں نے جب دیکھا کہ توحید پرستوں پر کس طرح سختیاں کر کے اُنہیں شرک و بت پرستی پر مجبور کیا جارہا ہے تو انہوں نے اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے مناسب یہی سمجھا کہ لوگوں کی نظروں سے روپوش ہو جائیں۔

عملی پہلو: ایک ظالم بستی میں سے چند نوجوانوں کا پوری قوتِ ایمانی کے ساتھ اٹھ کھڑے ہونا ان کی حمیت حق اور بلند حوصلہ کی علامت ہے اور یہ بات نوجوانوں میں زیادہ پائی جاتی ہے۔ لہٰذا نوجوانی میں دین کے لئے جدوجہد کرنا زیادہ پسندیدہ ہے۔ اصحابِ کہف کی دعا کا بالخصوص تذکرہ کر کے رہنمائی دی گئی ہے کہ ہر معاملہ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا ضرور کرنی چاہیئے۔ کیونکہ وہی حقیقتاً اور مستقلاً ہمارا مددگار ہے۔ بلاشبہ وہی ہر معاملہ میں ہدایت ورہنمائی عطا فرماتا ہے۔

آیت نمبر ۱۱: اصحاب کہف کی دعا کی قبولیت کے طور پر ان پر لمبی مدت کے لئے نیند طاری کر دی گئی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اُنہیں لمبی مدت تک سُلا کر وقت کے ظالم بت پرست بادشاہ سے نجات عطا فرمائی۔

علمی بات: اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اصحابِ کہف کی دعا قبول فرمائی اور اُنہیں اپنے دامن رحمت میں لے کر صدیوں تک ان پر نیند طاری کر دی۔ اور جب وہ جاگے تو ظالم بادشاہ ٹراجان کو مَرے ہوئے زمانہ بیت چکا تھا۔ جو اُس وقت توحید پرستوں کا سخت ترین دشمن تھا۔ اب ایک نیک بادشاہ تھیوڈوسیس (Theodosius) ثانی کا دورِ حکومت تھا۔ اس کے دور میں پوری رومی سلطنت نے عیسائیت کا مذہب قبول کر لیا تھا۔ لہٰذا اب توحید پرستوں پر کوئی ایسی سختی نہ رہی تھی جو پہلے والے مشرک بادشاہ کے زمانہ میں تھی۔

عملی پہلو: نیند اور نیند کے بعد دوبارہ اُٹھنا یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رحمت سے ہے اور یہ مرنے کے بعد دوبارہ جی اُٹھنے کی ایک بڑی نشانی ہے۔ اس لئے صبح بیدار ہونے کے بعد مسنون دعا پڑھنی چاہیئے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ "تمام تعریف اس اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لئے ہے جس نے ہم کو (نیند کی صورت میں) موت طاری کرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا اور اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے۔" (سنن ابن ماجہ) یہ دعا ایک یاد دہانی بھی ہے کہ ایک دن ہم نے مرنا ہے اور مرنے کے بعد پھر جی اُٹھنا ہے۔

آیت نمبر ۱۲: طویل مدت تک سُلانے کے بعد جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے چاہا اصحاب کہف کو نیند سے بیدار کر دیا۔

دو گروہوں سے مراد یا تو اصحاب کہف میں سے ہی دو گروہ ہیں۔ یا ایک گروہ سے مراد اصحاب کہف اور دوسرے سے مراد شہر والے ہیں جن کے زمانہ میں اصحاب کہف جگائے گئے۔

علمی بات: ۱۔ اصحاب کہف کے مابین یا اصحاب کہف اور اہل شہر کے درمیان اس بات پر اختلاف واقع ہو گیا تھا کہ اصحاب کہف کتنی مدت سوئے ہیں۔ ان کے پاس مدت معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ اصحابِ کہف کو اپنی مدت کا اندازہ نہیں ہو سکا جبکہ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ ہم کچھ دیر کے لئے سوئے ہوں گے۔ دوسری طرف اس وقت کے لوگوں نے ان کے بیدار ہونے کے بعد ان کے ساتھی کے پاس موجود سکہ دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ وہ نوجوان ہیں جو تقریباً تین سو (۳۰۰) سال پہلے لاپتہ ہو گئے تھے۔ اس طرح یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کے لئے نشانی ہو گئی۔

۲۔ اس آزمائش کا پہلا مقصد یہ تھا کہ جب وہ ان کی زندگی و مدت کی صحیح گنتی سے عاجز ہوں گے تو اقرار کرنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ اس کے متعلق یقینی علم صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو ہے۔ جب اس طرح کا اعتراف کریں گے، تو اُنہیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی قدرت کاملہ، اس کی وسعت علمی کا یقین ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ

مرنے کے بعد اٹھنے کے عقیدہ کو مان لیں گے۔ اس سے دوسرا مقصد یہ تھا کہ اصحاب کہف کے واقعہ سے اہل ایمان کو معلوم ہو گا کہ اللہ ﷻ ایمان والوں پر لطف و کرم فرماتا ہے۔ اس سے تیسرا مقصد اور فائدہ یہ بھی تھا کہ حیات بعد الموت اور روزِ قیامت دوبارہ جی اُٹھنے پر حجت اور دلیل قائم ہو گی۔

عملی پہلو: اللہ ﷻ نے اس قصّہ کے ذریعہ مادہ پرستی کا رَد کیا ہے کہ وہ اسباب کا محتاج نہیں وہ خود اسباب پیدا فرمانے والا ہے۔ وہ جیسے چاہے کسی کو زندہ رکھ سکتا ہے۔ جس طرح اس نے اصحابِ کہف کو برسوں کے بعد دوبارہ حیات بخشی اسی طرح وہ ہم سب کو روزِ قیامت زندہ فرما کر حساب و کتاب کرے گا۔ اس لئے ہمیں ہمیشہ رہنے والی زندگی کی تیاری کی فکر کرنی چاہیئے۔

آیت نمبر ۱۳: اصحاب کہف کا واقعہ جس طرح وقوع پذیر ہوا تھا بالکل اسی طرح عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے لئے بیان فرمایا جارہا ہے۔ وہ چند نوجوان تھے جو اللہ ﷻ پر ایمان لے آئے تھے۔ شرک کو ترک کر کے توحید اختیار کرنے پر اللہ ﷻ نے اُنہیں ایمان پر ثابت قدم رکھا اور ان کی رہنمائی میں مزید اضافہ فرمادیا۔

علمی بات: ۱۔ اس واقعہ کو ٹھیک ٹھیک سنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس واقعہ کے سلسلہ میں جو جھوٹے اندازے لگائے جارہے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں قرآنِ حکیم کا بیان خالصتاً حقیقت پر مبنی ہے۔ اس واقعہ ٔ قرآنی کا ایک ایک لفظ سچائی کا آئینہ دار ہے نیز اپنے پہلو میں مقصدیت لیئے ہوئے ہے۔

۲۔ رشد و ہدایت میں زیادہ کرنے سے مراد اپنے ایمان پر ڈٹ جانا ہے جیسا کہ اگلی آیت میں ان کے اعلان سے معلوم ہو رہا ہے۔ اُنہیں زبان سے کفر و شرک کا کلمہ کہنا اس قدر دشوار تھا کہ انہوں نے ایسی بات کہنے پر اپنا گھر بار اور کاروبار چھوڑنے کو ترجیح دی اور معاشرہ سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔

عملی پہلو: ہدایت میں اضافہ اور ترقی بھی ہوتی ہے، رشد و ہدایت میں ترقی اور اضافہ اللہ ﷻ کی خاص نظر کرم اور توفیق سے ہوتا ہے۔ ہر معاملہ میں حتیٰ کہ آخری سانس بلکہ جنت میں داخلہ تک ہدایت کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں سورۃ الفاتحہ ہر نماز میں تلاوت کرنے کی تاکید اور نماز بھی تا دمِ آخر پڑھنے کا حکم ہے۔ سورۃ الفاتحہ میں عمدہ طریقہ سے حصولِ ہدایت کی دعا سکھائی گئی ہے۔

آیت نمبر ۱۴: اصحاب کہف کو صبر و استقلال عطا فرما کر ان کے دلوں کو حق گوئی کے لئے مضبوط کر دیا گیا۔ ان کے توحید اختیار کرنے پر مشرک بادشاہ نے اُنہیں دربار میں طلب کیا، جہاں انہوں نے توحید کا برملا اعلان کر دیا۔ توحید پر استقامت اور شرک کی نفی پر ثابت قدمی کا ذکر ہے۔ انہوں نے کہا کہ اللہ ﷻ کے سوا کسی دوسرے کو معبود مان لینا اللہ ﷻ پر بہت بڑا بہتان ہو گا۔

عملی پہلو: اصحاب کہف کے واقعہ سے بھی یہ سبق ملتا ہے کہ فتنوں کا مقابلہ اپنے دین و ایمان پر استقامت کے ساتھ جم کر ہی کیا جاسکتا ہے۔ اگر کفار کا غلبہ بے پناہ ہو اور ایک مومن کو ظالم معاشرہ میں سانس لینے تک کی مہلت نہ دی جارہی ہو تب بھی اس کو باطل کے آگے سر نہ جھکانا چاہیئے بلکہ اللہ ﷻ کے بھروسہ پر دین کے لئے ہجرت کر جانا چاہیئے۔ اس واقعہ کے ذریعہ ہمیں رہنمائی دی گئی کہ ہم استقامت کے ساتھ اسلام پر جمے رہیں اور اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات اور فتنوں کے مقابلہ میں صبر کریں اور دوسروں کو صبر کی تلقین کریں۔

عملی پہلو: توحید کا اعلانِ عام کرنا اور توحید کی دعوت دینا یہ انبیاء کرام علیہم السلام اور نیک لوگوں کی صفت رہی ہے۔ توحید کا اعلان اور اس پر استقامت کا مظاہرہ کرنا یہ ہم سب پر لازم ہے۔ ایسا کرنے والوں کی اللہ ﷻ نصرت فرماتا ہے۔

آیت نمبر ۱۵: قوم کے لوگوں کا اللہ ﷻ کے ساتھ شرک کرنے پر اصحاب کہف کا اظہار افسوس کرنے کا ذکر ہے۔ انہوں نے کہا کہ قوم اگر اپنے دعویٰ میں سچی ہے تو اس کے لئے واضح دلیل پیش کرے۔ درحقیقت اللہ ﷻ کے ساتھ شریک بنانا اللہ ﷻ پر بہتان ہے اور جو اللہ ﷻ پر بہتان باندھتا ہے اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہے۔

علمی بات: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اصحاب کہف کی قوم مشرک تھی۔ شرک اور بت پرستی کسی دلیل پر نہیں ہوتی۔ نہ عقلی دلیل (جسے عقل تسلیم کرے) نہ نقلی دلیل (جو کسی آسمانی کتاب میں موجود ہو)۔ اگر اس کی کوئی دلیل ہے تو پھر بتوں کے پرستار اسے پیش کیوں نہیں کرتے اور ایسی بے دلیل بات وہ دوسروں سے کیوں منوانا چاہتے ہیں۔ یہ عقیدہ کہ اللہ ﷻ نے اپنی خدائی میں دوسروں کو شریک ٹھہرایا ہے یا خدائی کے اختیارات ان میں تقسیم کر دیئے ہیں یا ان کو لائق پرستش قرار دیا ہے سراسر جھوٹ اور اللہ ﷻ پر بہتان ہے کیونکہ اللہ ﷻ نے کبھی ایسی کوئی بات نہیں کہی پھر جو جھوٹ اللہ ﷻ پر بولا جائے وہ کتنی سنگین نوعیت کا ہو گا اور اس کا مرتکب کتنا بڑا مجرم ہو گا۔

آیت نمبر ۱۶: مشرک بادشاہ کے سامنے حاضری کے بعد کچھ مہلت میسر آنے پر صاحب ایمان نوجوانوں کی باہمی مشاورت کا بیان ہے۔ کسی غار میں پناہ لینے، اللہ ﷻ کے فیصلہ اور اس کی رحمت کا انتظار کرنے پر وہ متفق ہوگئے۔ چنانچہ وہ ایک غار میں جا چھپے اور اللہ ﷻ نے اُنہیں اپنی رحمت میں لے کر برسوں تک کے لئے اُن پر نیند طاری کر دی۔

علمی بات: غار میں پناہ لینے کا فیصلہ انہوں نے حالات کی سنگینی کے پیش نظر کیا تھا جبکہ ان کی قوم بت پرست تھی اور عقیدہ و مذہب کی آزادی کو تسلیم نہیں کرتی تھی اور حکومت ایسی ظالم تھی کہ ایک اللہ ﷻ کو ماننے اور بت پرستی سے انکار کرنے والے کو موت کے گھاٹ اتارتی تھی۔ ان حالات میں اصحاب کہف نے مشورہ کے بعد اپنے ایمان کو بچانے کے لئے غار میں پناہ لینے کا فیصلہ کر لیا۔ اصحاب کہف نے اللہ ﷻ کی مدد پر بھروسہ کرتے ہوئے پورے یقین کے ساتھ یہ بات کہی کہ جب ہم نے خدائے واحد ہی کو معبود مانا ہے اور شرک اور مشرکین سے علیحدگی اختیار کرلی ہے تو اللہ ﷻ ہمیں اپنی رحمت سے ضرور نوازے گا اور جس کام کو لے کر ہم اٹھے ہیں اس میں وہ ہماری ضرور مدد کرے گا۔ چنانچہ اس کے بعد وہ ایک غار میں جا چھپے، جب ان کے غائب ہونے کی خبر مشہور ہوئی تو اُنہیں تلاش کیا گیا، لیکن وہ لوگ ناکام رہے۔

عملی پہلو: اس سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ اصل چیز اپنے ایمان اور دین کا تحفظ ہے اور اگر حالات اتنے سنگین ہوں کہ یہ متاع عزیز ہی خطرہ میں پڑ جائے تو ایک مومن کو اس کے تحفظ کے لئے لوگوں سے کنارہ کشی بھی اختیار کرنی پڑے تو کرنی چاہیئے۔

آیت نمبر ۱۷: اصحاب کہف پر اللہ ﷻ کی خصوصی رحمت کا بیان ہے۔ وہ جس غار میں سو رہے تھے اس میں صبح و شام دھوپ ان کے قریب سے گزرتی مگر ان کے جسموں پر نہیں پڑتی تھی۔ ان کے جسم غار کے کشادہ حصّہ میں تھے اور بالکل محفوظ تھے۔ ان نوجوانوں کی غار کی طرف رہنمائی کرنا، پھر دشمن اور موسم سے حفاظت کرنا بلاشبہ اللہ ﷻ کی قدرت کاملہ کی عظیم نشانی ہے۔ ہدایت مانگنے والے کو ہدایت دی جاتی ہے اور جو گمراہی اختیار کرے اس کے لئے کوئی مددگار اور راہ بتلانے والا نہیں ہوتا۔

علمی بات: ا۔ دھوپ صبح و شام اس غار میں داخل ہوتی تھی، لیکن ان کے جسموں پر نہیں پڑتی تھی۔ ان کے اجسام غار کے کشادہ حصّہ میں آفتاب کی شعاعوں سے مامون و محفوظ تھے۔ الغرض اللہ ﷻ نے اُنہیں اس غار میں پناہ دے کر ان کو دشمنوں سے بھی بچا لیا اور ان کے جسموں کو سردی اور گرمی سے متأثر ہونے سے بھی محفوظ رکھا۔ یقیناً ان صالحین کا یہ حال اللہ ﷻ کی ایک عظیم نشانی ہے۔

۲۔ بعض حضرات نے تو باقاعدہ اس غار کا حدودِ اربعہ اور نقشہ بنانے کی کوشش کی ہے تاکہ سائنسی انداز میں واضح کیا جائے کہ اس میں سورج کی دھوپ کیوں نہیں آتی تھی۔ لیکن اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ دھوپ نہ آنے کے دو ہی سبب ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ غار کا محل وقوع ایسا ہو اور اس کا دہانہ شمال کی طرف ہو تو سورج طلوع اور غروب کے وقت یقیناً اس سے ہٹتا ہوا گزرے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا محل وقوع کیسا بھی ہو، سورج کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اس بات کا حکم دے دیا گیا ہو کہ اسے ان صالح بندوں کو روشنی اور حرارت تو مہیا کرنی ہے لیکن اپنی تمازت سے اُنہیں محفوظ رکھنا ہے۔ یہی در حقیقت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وہ قدرت ہے جس نے غار کی اس کیفیت کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی بنا دیا۔

آیت نمبر ۱۸: اصحاب کہف کی غار میں کیفیت کا بیان ہے۔ دیکھنے والے اُنہیں جاگتا ہوا خیال کرتے حالانکہ وہ گہری نیند میں تھے۔ یہ ان کی حفاظت کے لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے انتظام تھا تاکہ کوئی ان کے قریب نہ جا سکے۔ سونے کی حالت میں ان کے جسم دائیں بائیں کروٹ بھی بدلتے تھے اور ان کا کتا اپنے بازو پھیلائے غار کی چوکھٹ پر بیٹھا تھا۔ اصحاب کہف کی ایسی کیفیت تھی کہ دیکھنے والوں پر ان کا رعب طاری ہو جاتا۔

علمی بات: سوتے میں ان کی آنکھیں کھلی رہتی تھیں اور اس قدر طویل نیند کا اثر ان کے جسموں پر ظاہر نہیں ہوا۔ وہ اس طرح سو رہے تھے اور ساتھ ہی کروٹیں بدلتے جاتے تھے کہ اگر اتفاق سے کوئی شخص اُنہیں دیکھ لیتا تو یہی خیال کرتا کہ یہ بس لیٹے ہوئے اور جاگ رہے ہیں۔ ان کا کتا بھی غار کے دہانے پر ہاتھ پھیلائے بیٹھا تھا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان لوگوں میں شان ہیبت و جلال اور اس مکان میں اس قدر دہشت رکھی تھی کہ اگر اس تاریک غار میں کوئی شخص جھانک کر دیکھ لیتا تو یہ منظر ایسا دہشت ناک تھا کہ دیکھنے والا الٹے پاؤں بھاگ جاتا۔ وہ اندیشہ محسوس کرتا کہ معلوم نہیں یہ کون لوگ ہیں جو اس تاریک غار میں چھپ گئے ہیں اور ان کے ارادے کیا ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ دہشت ناک صورت اس لئے پیدا کر دی تھی کہ کوئی شخص ان کے قریب آنے کی جرأت نہ کرے اور وہ بالکل محفوظ رہیں۔ ان کی حفاظت کا یہ غیر معمولی سامان تھا جو ربِ ذوالجلال کی طرف سے کیا گیا۔

آیت نمبر ۱۹: جس طرح اصحاب کہف کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے سلا دیا تھا اسی طرح طویل نیند کے بعد اُنہیں جگا دیا۔ بیدار ہونے کے بعد ان کے درمیان غار میں رہنے کی مدت کے متعلق باہم اختلاف رائے ہوا۔ انہوں نے خیال کیا کہ شاید وہ ایک دن یا اس سے بھی دن کا کم حصّہ سوئے رہے۔ بحث کو طول دینے کے بجائے انہوں نے یہ معاملہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سپرد کر دیا کیونکہ وہی صحیح مدت کو جاننے والا ہے۔ بھوک محسوس ہونے پر انہوں نے کچھ رقم دے کر اپنے ایک ساتھی کو شہر بھیجنے کے لئے منتخب کیا۔ کھانے کے لئے انہوں نے سب سے زیادہ پاکیزہ کھانا لانے کی تلقین کی۔ اپنے ساتھی کو اس اندیشہ کے پیش نظر کہ ان کی روپوشی کے متعلق اہل شہر کو علم نہ ہو جائے، محتاط رویہ اختیار کرنے کی تاکید کی۔

علمی بات: اصحاب کہف کا طویل مدت تک سوئے رہنا ایک ایسا واقعہ تھا جس کا احساس خود اس طرح سوئے رہنے والوں کو بھی نہ ہو سکا۔ گویا یہ برزخ کی زندگی کی دلیل بھی ہے۔ جہاں انسان طویل عرصہ تک پڑا رہے گا لیکن قیامت کے دن جب اسے اٹھایا جائے گا تو ایسا محسوس ہوگا کہ اس نے چند گھنٹے ہی عالم برزخ میں گزارے ہیں۔ وقت کی طوالت کا احساس نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ جس شخص کی موت واقع ہوگئی اس کی گویا قیامت قائم ہوگئی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اصحاب کہف کے واقعہ سے اسی حقیقت کو ظاہر کر دیا ہے۔

علمی و عملی بات: کھانا لانے والے کو یہ ہدایت کرنا کہ تحقیق کر کے پاکیزہ کھانا لے آئے اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ سمجھ رہے تھے کہ شہر کا ماحول وہی مشرکانہ ہے جس کو چھوڑ کر وہ آئے تھے اور ایک مشرکانہ معاشرہ میں حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں ہوتی۔ اس لئے انہوں نے پاکیزہ یعنی حلال کھانے کی تاکید کی۔ اس سے ان کی پاکیزگیٔ نفس کا اندازہ ہوتا ہے۔ پاکیزگی کے وسیع مفہوم میں ہر قسم کی ظاہری اور باطنی پاکیزگی شامل ہے اور یہ

دراصل راہ حق کے تمام مومنین کے لئے نصیحت ہے کہ وہ نہ صرف روحانی غذا کے بارے میں فکر کریں بلکہ اپنی جسمانی غذا کی پاکیزگی کا بھی خیال رکھیں کہ وہ ہر قسم کی آلودگی سے پاک ہو یہاں تک کہ زندگی کے مشکل ترین لمحات میں بھی اس بات کو فراموش نہ کریں۔

عملی پہلو: اصحابِ کہف نے کھانا لانے والے کو تاکید کی کہ وہ نرمی اور باریک بینی کی کوشش کرے، کوئی زیادتی بھی کر لے تو در گزر کرے، کیونکہ سختی سے کام بگڑ جاتے ہیں۔ حُسنِ تدبیر اور باریک بینی اختیار نہ کرنے سے راز کھل جاتے ہیں اور مطلوبہ معلومات بھی حاصل نہیں ہوتیں۔ مطلب یہ تھا کہ ان کا نمائندہ ایسی تدبیر کے ساتھ اشیاء خریدے کہ کسی کو شبہ نہ پڑے اور لوگ اسے اجنبی مسافر ہی سمجھیں۔

آیت نمبر ۲۰: اہل شہر اگر ان کے متعلق جان گئے تو وہ اُنہیں سنگسار کر دیں گے یا اُنہیں زبر دستی اپنا آبائی مذہب قبول کرنے پر مجبور کریں گے۔

علمی بات: اس سے واضح ہوتا ہے کہ جس قوم کو وہ چھوڑ آئے تھے وہ کیسی ظالم تھی۔ ان کے نزدیک ان کے مشرکانہ مذہب کو ترک کر دینے کی سزا موت تھی نیز یہ کہ وہ اپنے مذہب میں واپس لانے کے لئے جبر کرتے تھے یعنی مرتد کر کے چھوڑتے تھے۔ اصحاب کہف کو یقین تھا کہ اگر ملتِ کفر میں شامل ہوگئے تو پھر فلاح دنیا و آخرت سے محرومی ہی رہے گی۔ پھر کسی طرح بھی ان سے نجات حاصل کرنا ممکن نہ ہو گا۔

آیت نمبر ۲۱: اصحاب کہف کے راز سے اہل شہر کے باخبر ہو جانے کی حکمت کا بیان ہے۔ حکمت یہ تھی کہ موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر لوگوں کو ایمان و یقین ہو جائے۔ اصحاب کہف کی وفات کے بعد یادگار کے طور پر غار کے قریب عمارت بنائے جانے کے ضمن میں مختلف آراء تھیں۔ اس ضمن میں ان میں سے اختیار پانے والوں نے یادگار کے طور پر مسجد بنانے کا فیصلہ کیا۔

علمی بات: ۱۔ اس واقعہ سے واضح فرمادیا گیا کہ جس طرح ہم نے اصحاب کہف کو خاص طور پر اور عجیب و غریب طریقہ سے سلایا اور جگایا اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان کے حال پر مطلع کیا یعنی ان لوگوں کو جو کہ بعث بعد الموت کے بارے میں اختلاف میں پڑے ہوئے تھے، سو ان لوگوں کو ان حضرات کے حال پر مطلع کر دیا تاکہ ان کی آنکھیں کھل جائیں اور یہ یقین کر لیں کہ جس قادرِ مطلق نے ان لوگوں کو اس قدر طویل مدت سلانے کے باوجود صحیح و سالم اٹھا دیا۔ اس قادر مطلق کے لئے کیا بعید ہے کہ تمام مُردوں کو قیامت کے دن زندہ کر کے کھڑا کر دے۔

۲۔ جب ان میں ایک صاحب کھانا لینے کے لئے شہر پہنچے، اور دکان دار کو وہ سکہ پیش کیا جو تین سو (۳۰۰) سال پرانا تھا اور اس پر پرانے بادشاہ کی علامتیں تھیں۔ دکان دار بڑا حیران ہوا، اور ان کو لے کر اس وقت کے بادشاہ کے پاس پہنچا۔ یہ بادشاہ نیک تھا، بعض روایات میں ہے کہ یہ بادشاہ قیامت اور آخرت پر ایمان رکھتا تھا، لیکن کچھ لوگ آخرت کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار کر رہے تھے، بادشاہ نے یہ دعا کی تھی کہ اللہ ﷻ ان کو کوئی ایسا واقعہ دکھا دے جس سے آخرت پر ان کا ایمان مضبوط ہو جائے۔ اللہ ﷻ نے اسی وقت ان نوجوانوں کو جگا کر اپنی قدرت کا یہ کرشمہ دکھا دیا۔ چونکہ بادشاہ نے یہ قصّہ سن رکھا تھا کہ کچھ نوجوان پہلے زمانہ کے مشرک اور ظالم بادشاہ دقیانوس (Decius) یا ٹراجان (Trajan) کے ظلم سے تنگ آکر کہیں غائب ہوگئے تھے۔ اس نے معاملہ کی مزید تحقیق کی تو پتہ چل گیا کہ یہ وہی نوجوان ہیں۔ اس پر بادشاہ نے ان کا خوب اکرام کیا، لیکن یہ حضرات دوبارہ اسی غار میں چلے گئے اور وہیں پر اللہ ﷻ نے اُنہیں وفات دے دی۔

۳۔ اصحاب کہف نے بیدار ہونے کے بعد طبعی وفات پائی۔ ان کے انتقال کے بعد لوگوں میں باہمی اختلاف ہوا۔ بعض لوگوں کی رائے یہ تھی کہ غار کے دروازے پر دیوار چن دی جائے تاکہ اندر کوئی نہ جا سکے۔ بعض کا خیال تھا کہ کوئی یادگاری عمارت بنا دی جائے۔ بعض افراد کی رائے یہ تھی کہ ان کے پڑوس میں ایک مسجد تعمیر کر دی جائے تاکہ آنے والے اس میں عبادت کر سکیں اور اس طرح اصحاب کہف کی یاد تازہ ہوتی رہے۔

آیت نمبر ۲۲: اصحاب کہف کی تعداد میں لوگوں کے تین اقوال نقل کیئے گئے ہیں۔ ا۔ اصحاب کہف تین تھے چوتھا ان کا کتا تھا۔ ۲۔ وہ پانچ تھے، چھٹا ان کا کتا تھا۔ ۳۔ وہ سات تھے آٹھواں ان کا کتا تھا۔ اختلاف کرنے والوں کے پاس صحیح تعداد کی کوئی دلیل نہیں۔ ان کی اصل تعداد کا علم اللہ ﷻ کو ہے یا وہ چند لوگ جن کو اللہ ﷻ نے علم دیا ہے۔ اصحاب کہف کی تعداد کے متعلق اختلاف کرنے والوں سے سوال اور بحث کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

علمی بات: اس آیت نے یہ مستقل سبق دے دیا ہے کہ جس معاملہ پر انسان کا کوئی عملی مسئلہ موقوف نہ ہو، اس کے بارے میں خواہ مخواہ بحثیں نہیں کرنی چاہئیں۔ اصحاب کہف کے واقعہ میں اصل سبق لینے کی بات یہ ہے کہ انہوں نے کس طرح ناموافق حالات میں حق پر ثابت قدم رہنے کا مظاہرہ کیا اور پھر اللہ ﷻ نے کس طرح ان کی مدد فرمائی۔ رہا یہ کہ ان کی صحیح تعداد کیا تھی؟ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس پر بحث کا بازار گرم کیا جائے۔ لہٰذا اس میں الجھنے کے بجائے یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اگر کوئی اس معاملہ میں بحث کرنا بھی چاہے تو اسے سرسری گفتگو کر کے ٹال دو اور اپنا وقت ضائع نہ کرو۔

عملی پہلو: قرآنِ کریم میں علم و تحقیق سے منع نہیں کیا گیا بلکہ ان بے کار بحثوں اور گفتگو سے منع کیا گیا ہے جن کا حاصل سوائے فضول بحثوں اور بے معنیٰ گفتگو کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اصولی بات یہ ہے کہ جو قوم اور اس کے افراد فضول اور بے کار کی بحثوں میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں ان کو کسی حُسنِ عمل کی توفیق نہیں ملتی۔

آیت نمبر ۲۳: یہود کے کہنے پر قریش کے سرداروں نے رسول اللہ ﷺ سے اصحاب کہف کے متعلق سوال کیا۔ جس بنا پر آپ ﷺ نے آئندہ کل بتانے کا وعدہ فرمایا۔ وحی کے ذریعہ ان شاء اللہ کہنے کی تلقین فرمائی گئی۔ آئندہ کسی کام کا ارادہ یا وعدہ کرنے کا ارادہ کرنا ہو تو ان شاء اللہ کا کلمہ کہا جائے۔ کسی کو نہیں معلوم ہوتا کہ وہ فلاں وقت فلاں کام کر سکے گا یا نہیں۔ اللہ ﷻ کے اِذن کے بغیر کچھ ممکن نہیں۔

علمی بات: یہودیوں نے نبی کریم ﷺ سے تین باتیں پوچھی تھیں: روح کی حقیقت کیا ہے اور اصحاب کہف اور ذوالقرنین کون تھے؟ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہی سوال اس سورت کے نزول کا سبب بنے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”میں تمہیں کل جواب دوں گا، لیکن اس کے بعد کچھ دن تک جبرائیل وحی لے کر نہیں آئے۔ پھر جب آئے تو اللہ ﷻ نے ان شاء اللہ کہنے کا یہ حکم دیا۔“ اس میں ہمارے لئے رہنمائی ہے کہ جب بھی مستقبل قریب یا بعید میں کوئی کام کرنے کا عزم کریں تو ان شاء اللہ ضرور کہا کریں۔ کیونکہ انسان کو تو پتہ نہیں کہ جس بات کا عزم کر رہا ہے، اس کی توفیق بھی اسے اللہ ﷻ کی مشیت سے ملتی ہے یا نہیں۔

آیت نمبر ۲۴: بھول جانے کی صورت میں جس وقت بھی یاد آئے ان شاء اللہ کہہ دیا جائے یا پھر اللہ ﷻ کی تسبیح یا تحمید یا استغفار کیا جائے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اللہ ﷻ اپنے فضل سے بہتر بات یا راستہ کی توفیق عطا فرمائے گا۔

علمی بات: اگر کوئی شخص کلام یا وعدہ کرتے وقت ان شاء اللہ کہنا بھول جائے، تو جس وقت یاد آجائے ان شاء اللہ کہہ لیا کرے، تاکہ جو بھول ہو گئی تھی اس کی تلافی ہو جائے۔ یا پھر رب کو یاد کرنے کا مطلب، اس کی تسبیح و تحمید اور اس سے استغفار ہے۔ یعنی میں جس کا عزم ظاہر کر رہا ہوں، ممکن ہے اللہ ﷻ اس سے زیادہ بہتر اور مفید کام کی طرف میری رہنمائی فرما دے۔

عملی پہلو: مستقبل کے متعلق ہر کام کرنے کے ارادہ کے ساتھ کلمہ ان شاء اللہ کہنے کی تلقین و تاکید کی گئی ہے۔ یہ کلمہ ایک طرف عاجزی و انکساری پیدا کرتا ہے اور انسان کے دل میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ انسان کی عقل، ذہانت اور علم کے باوجود انسان جب تک کوئی کام مکمل نہیں کر سکتا جب تک اللہ ﷻ کی اجازت نہ ہو۔ اس طرح اللہ ﷻ پر ایمان و بھروسہ مزید بڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ انسان کی چاہت کے مطابق اگر کوئی فیصلہ نہ ہو تو انسان کو کوئی افسوس یا رنج نہیں ہوتا کیونکہ یہ فیصلہ اللہ ﷻ کی طرف سے ہوا ہے۔

آیت نمبر ۲۵: اصحاب کہف کے غار میں ٹھہرنے کی مدت کا بیان ہے۔ وہ شمسی حساب سے تین سو(۳۰۰) اور قمری حساب سے تین سو نو(۳۰۹) سال سوئے رہے۔ ایک رائے کے مطابق یہ مدت لوگوں کا قول ہے۔

علمی بات: اس آیت میں مذکور مدت اس لحاظ سے تو ٹھیک ہے کہ تین سو(۳۰۰) شمسی سالوں کے قمری سال تین سو نو(۳۰۹) ہی بنتے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ آیا یہ مدت کی تعیین اللہ ﷻ کا کلام ہے یا لوگوں کے اقوال ہیں جو یہاں اللہ ﷻ نے حکایتاً نقل فرمائے ہیں تو مفسرین کرام کی ایک رائے کے مطابق جواب یہ ہے کہ یہ لوگوں کے اقوال ہیں اگر یہ اللہ ﷻ کا قول ہوتا تو اللہ ﷻ اس سے اگلی آیت میں یوں نہ فرماتا کہ "اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنی مدت وہ (غار میں) ٹھہرے رہے۔"

آیت نمبر ۲۶: اصحاب کہف کی غار میں مدتِ قیام کا صحیح علم اللہ ﷻ ہی کو ہے جو کائنات کی پوشیدہ باتوں کو سننے اور دیکھنے والا ہے۔ اللہ ﷻ کے سوا لوگوں کا کوئی مددگار نہیں اور نہ ہی وہ اپنے فیصلہ یا حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے۔

علمی بات: ۱۔ اللہ ﷻ کے سوا ان کا کوئی ولی اور کارساز نہیں ہے، اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اصحاب کہف کا اللہ ﷻ کے سوا کوئی ولی نہیں تھا جو اتنی طویل مدت تک نیند میں ان کی حفاظت کرتا اور ان کے جسموں کو سڑنے اور گلنے سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس آیت کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ محض اندازوں سے اصحاب کہف کی مدت قیام بتا رہے ہیں، ان کو اپنے اجسام کی حفاظت کا علم ہے نہ اصحاب کہف کے اجسام کی حفاظت کی تدبیر کا علم ہے اور جب ان کو یہ علم نہیں ہے تو ان کی مدت قیام کا علم کیسے ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

۲۔ اس قصّہ کے آغاز میں اللہ ﷻ یہ واضح فرما چکا ہے کہ وہ غار میں سالہا سال تک رہے یعنی وہ ایک طویل مدت تک غار میں سوتے پڑے رہے اور اتنی بات سبق آموزی کے لئے کافی ہے۔

۳۔ اللہ ﷻ ہی مددگار اور کارساز ہے۔ وہ اپنے فیصلوں میں کسی کی شراکت گوارا نہیں کرتا نہ اس کی کوئی مزاحمت کر سکتا ہے اور نہ اس کی حکمرانی میں کوئی حصّہ دار بن سکتا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کسی غیر کو دخل اندازی کا کوئی حق نہیں ہے۔

آیت نمبر ۲۷: دورِ مشکلات میں اُمّت کے لئے رہنمائی کا ذکر ہے۔ مشکلات میں بھی سکون کا ذریعہ قرآنِ حکیم ہے لہٰذا قرآنِ حکیم پڑھتے رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ قرآنِ حکیم کی حیثیت اس قدر قطعی اور یقینی ہے کہ اس کے کلمات کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ قرآنِ حکیم پر عمل کرنے کے بجائے اس کے خلاف چلنے والے مجرم ہیں اور مجرم کو اللہ ﷻ کے سوا کوئی پناہ گاہ نہیں مل سکتی۔

علمی بات: یقیناً دینِ اسلام پر چلنا بہت کٹھن اور مشکل ہے اور اس راستہ کے مسافروں نے سختیوں کو بہر حال برداشت کرنا ہے۔ یہ اللہ ﷻ کا قانون ہے جو کسی کے لئے تبدیل نہیں کیا جاتا۔ اس مہم میں واحد سہارا اللہ ﷻ کی مدد اور نصرت ہے۔ چنانچہ اگر کہیں پناہ ملے گی تو اللہ ﷻ ہی کے دامن میں ملے گی اس در کے علاوہ کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ اور اُس کی پناہ میں آنے کے لیے اہم ترین ذریعہ قرآنِ حکیم ہے حق و باطل کی کشمکش میں جب بھی کوئی مشکل وقت آیا تو رسول اللہ ﷺ کو خصوصی طور پر قرآنِ مجید کو تھامے رکھنے کی ہدایت کی گئی اور آپ ﷺ کی وساطت سے تمام مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ قرآنِ حکیم کی تلاوت کو اپنا معمول بنائیں قرآنِ حکیم کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط بنانے کے لئے زیادہ سے زیادہ وقت اس کے ساتھ صرف کریں۔ اسی طرح وہ مشکلات کو برداشت کرنے اور اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔

آیت نمبر ۲۸: سردارانِ قریش کا مطالبہ تھا کہ غریب اہل ایمان کو اپنی مجلس سے دور رکھیں تو بات سنیں گے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس حوالہ سے تلقین فرما کر اہل ایمان کی دلجوئی کی گئی۔ ان حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دو صفات کا ذکر فرمایا گیا کہ وہ صبح و شام اللہ ﷻ کو پکارتے ہیں اور اسی کی رضا کے

طلب گار ہیں۔ اُمّت کو یہ تعلیم دی گئی کہ دعوت دیتے ہوئے امیر و غریب میں کسی قسم کا کوئی امتیاز نہ ہو۔ مشرک سرداروں کو اگر اہمیت دی جاتی تو لوگ آپ ﷺ کو دنیادار خیال کرتے۔ (معاذاللہ) دولت مند کافر لوگ اسلام کی رونق کا ذریعہ نہیں بلکہ اسلام کی اصل رونق تو مخلص اہل ایمان ہیں۔ ایسے لوگوں کو اہمیت دینے کی ممانعت جن کے دل اللہ ﷻ کی یاد سے غافل ہیں اور نفسانی خواہشات کے تابع ہیں۔

علمی بات: بعض کفار کا مطالبہ یہ بھی تھا کہ جو غریب اور کم حیثیت لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہتے ہیں، اگر آپ (ﷺ) اُنہیں اپنے پاس سے ہٹادیں تو ہم آپ (ﷺ) کی بات سننے کو تیار ہوں گے، موجودہ حالت میں ہم ان غریبوں کے ساتھ بیٹھ کر آپ (ﷺ) کی کوئی بات نہیں سن سکتے۔ یہ آیت اس مطالبہ کو رد کرکے آنحضرت ﷺ کو تلقین کر رہی ہے کہ آپ ﷺ اس مطالبہ کو نہ مانیں اور اپنے غریب صحابہ ؓ کی رفاقت نہ چھوڑیں اور اس ضمن میں ان غریب صحابہ کرام ؓ کی فضیلت اور ان کے مقابلہ میں ان مال دار کافروں کی بُرائی بیان کی گئی ہے۔ جو لوگ اسلام قبول کر چکے ہوں ان کی رعایت اور دلداری ان لوگوں سے مقدم ہے جو ابھی تک منکرین اسلام ہیں۔ یہی مضمون سورۃ انعام ۶، آیت: ۵۲ میں بھی آیا ہے۔

آیت نمبر ۲۹: دین حق کو بیان کرتے رہنے کی تلقین کی گئی ہے جس کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں۔ جو چاہے اس پر ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کردے۔ انکار کرنے والوں کے لئے دوزخ کی آگ ہے جو اُنہیں گھیر لے گی۔ سُرَادِق کا معنٰی ہے ہر وہ چیز جو کسی شے کا احاطہ کیئے ہو خواہ چار دیواری ہو یاشامیانہ یا خیمہ وغیرہ۔ یہاں اس سے مراد جہنم کی چار دیواری ہے۔

حضرت ابو سعید خدری ؓ نے رسول کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ ”اس سے مراد آگ کی چار دیواریں ہیں۔ ہر ایک اتنی موٹی ہوگی کہ اسے طے کرنے کے لئے چالیس سال درکار ہوں گے۔“ (جامع ترمذی، مسند احمد) ان سے جہنم کا احاطہ کیا جائے گا تاکہ آگ کی حرارت میں مزید اضافہ ہو۔ مُہل پگھلے ہوئے تانبے کو کہا جاتا ہے۔ اہل جہنم پانی کی فریاد کریں گے تو اُنہیں کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا جو پگھلے ہوئے تانبے کی مانند ہوگا جو ان کی مونہوں کو جھلسادے گا۔ وہ بہت ہی بُرا پانی ہوگا اور ان کا بہت بُرا ٹھکانا ہوگا۔

۱۔ نبی کریم A نے کفارِ مکہ کو واضح طور پر فرمایا کہ تمہارے رب کی طرف سے میرے پاس جو حق (دینِ اسلام) آیا ہے، وہ میں نے تم سب کے سامنے پیش کردیا ہے۔ اب تمہارے سامنے صرف دو ہی راستے ہیں یا تو اس حق کو ایسے قبول کرو جیسے مطلوب ہے، یا بالکل چھوڑ دو۔ اس کے علاوہ مال کے ذریعہ درمیانی راستہ نکالنے کی سودے بازی کرنا ممکن ہی نہیں۔

۲۔ اللہ ﷻ نے جو یہ فرمایا ہے کہ: جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ اس سے ایک یہ معنٰی معلوم ہوتا ہے کہ ایمان لانے یا نہ لانے میں انسان کا اپنا نفع اور نقصان ہے، کسی کے ایمان لانے سے اللہ ﷻ کو کوئی فائدہ ہوگا نہ اس کے ایمان نہ لانے سے اس کو کوئی نقصان ہوگا۔ جیسا کہ قرآنِ مجید میں ہے: ”اگر تم بھلائی کروگے تو اپنے (ہی فائدے کے) لئے بھلائی کروگے اور اگر تم بُرائی کروگے تو اپنے (ہی نقصان کے) لئے۔“ (سورۂ بنی اسرائیل ۱۷، آیت: ۷)

آیت نمبر ۳۰: اہل جہنم کی سختیوں اور ہولناکیوں کے مقابلہ میں دین حق کو قبول کرنے اور نیک اعمال انجام دینے والوں کا ذکر ہے۔ ان کا کوئی عمل ضائع نہیں کیا جائے گا اور ان کے اعمال کا اُنہیں بہترین بدلہ دیا جائے گا۔

علمی بات: دنیا میں ہر چیز کی پہچان اس کی ضد سے ہوتی ہے اگر ضد نہ رہے تو کسی چیز کا کوئی وجود باقی نہ رہے، دوزخ کی سختیوں کا ذکر کیا گیا تو جب تک اس کے ساتھ اس کی ضد جنت اور اس کی نعمتوں کا بیان نہ ہو اس پہلی بات کی تکمیل ممکن نہیں۔ یہی معاملہ ہر جگہ پر ہے، قرآنِ کریم جب ایک کا ذکر کرتا ہے تو ساتھ ہی دوسرے کا ذکر بھی کردیتا ہے۔ گزشتہ آیت میں ان لوگوں کا بیان تھا جو حق اور سچ کو ماننے کے لئے تیار نہیں اور پھر ان کی سزا کا بھی ذکر کردیا۔

اس آیت میں ان لوگوں کا بیان ہے جنھوں نے حق کو حق مانا اور تسلیم کیا اس لئے جھوٹ کے نگہبانوں اور محافظوں نے ان کی سخت مخالفت کی جس کے نتیجہ میں ان کو بہت سختیاں برداشت کرنا پڑیں لیکن انہوں نے ان سختیوں کو بخوشی برداشت کیا پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کو یہ سختیاں برداشت کرنے کے نتیجہ سے واقف نہ کیا جائے، یہاں بتایا گیا کہ ان کے صالح اعمال کے نتیجہ کو بھی ضائع نہیں کیا جائے گا بلکہ پورا پورا ان کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اگلی آیت میں اس کی مزید وضاحت فرمادی کہ وہ کیا ہو گا۔

آیت نمبر ۳۱: نیک اعمال کے بدلے اہل ایمان کے لئے جنت کے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی۔ زیب وزینت کے لئے سونے کے کنگن اور ریشمی لباس عطا ہوں گے۔ وہ تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے جو ان کا بہترین بدلہ اور انجام ہو گا۔

علمی بات: سونے کے کنگنوں کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ قدیم زمانہ میں یہ دستور رہا ہے کہ بادشاہ سونے کے کنگن پہنا کرتے تھے گویا اہل جنت وہاں شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ سے رہیں گے۔ پہننے کے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ ریشمی کپڑے ہوں گے اور بیٹھنے کے لئے اونچی اونچی مسندیں۔ واضح رہے کہ اس دنیا میں شریعت اسلامی کے مطابق سونے اور ریشمی کپڑوں کا استعمال مردوں کے لئے جائز نہیں لیکن جنت میں جائز ہو گا بلکہ ایسے ہی جیسے اس دنیا میں شراب سب مردوں عورتوں پر حرام ہے مگر جنت کی خالص اور پاک شراب اہل جنت کے لئے بیش بہا نعمت ہو گی۔

آیت نمبر ۳۲: مادہ پرستی کے رد پر دوسرا واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ سردارانِ قریش کی تنبیہ کے لئے دو افراد کی مثال بیان فرما کر نبی کریم ﷺ کو تلقین فرمائی گئی ہے کہ لوگوں کے سامنے دو افراد کا واقعہ بیان کریں۔ جن میں ایک کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انگوروں کے دو باغ عنایت فرمائے اور ان کی حفاظت کھجور کے درختوں کے ساتھ کی اور ان کے درمیان فصل پیدا کی۔ باغوں کو سیراب کرنے کے لئے ان کے درمیان نہریں جاری کیں۔ یہ باغ بھرپور انداز سے پھل دیتے تھے ان کی پیداوار میں کسی قسم کی کمی واقع نہ ہوتی۔

علمی بات: کفار کو مسلمان فقراء کے مقابلہ میں اپنے اموال وانصار پر فخر تھا۔ اس بنا پر وہ مسلمانوں کو حقیر سمجھتے اور ایک مجلس میں ان کے ساتھ بیٹھنا پسند نہ کرتے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ قصہ بیان فرما کر سمجھایا کہ مال واسباب فخر کے لائق نہیں ہیں کیونکہ ایک لمحہ میں فقیر غنی ہو سکتا ہے اور غنی فقیر۔ دنیا میں اگر کوئی بات لائق سعادت سمجھنے کی ہے تو وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت ہے اور یہ ان درویشوں کو حاصل ہے۔ مال و دولت کی زیادتی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر کوئی شخص اترائے۔ اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ رشتہ مضبوط نہ ہو تو بڑے بڑے مال دار لوگ انجام کار ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ معاملہ صحیح ہو تو غریب لوگ مرتبہ میں ان سے کہیں آگے نکل جاتے ہیں۔

آیت نمبر ۳۳: زمین زرخیز تھی لہٰذا پھل دار درخت خوب پھل دیتے اور پیداوار میں کوئی کمی نہیں ہوتی تھی۔ باغات کے درمیان نہر جاری تھی جس سے باغ سیراب ہوتے تھے۔

علمی بات: باغات کی خوبی بیان کی گئی ہے کہ یہ نہیں کہ ایک باغ پھلا دوسرا نہ پھلا۔ یا ایک درخت میں پھل زیادہ آیا دوسرے میں کم۔ اسی طرح باغوں کے درمیان نہر کا پانی قرینہ سے پھر رہا تھا کہ منظر فرحت بخش رہے اور بارش نہ ہو تب بھی باغ وغیرہ خشکی سے خراب نہ ہونے پائے۔ ان خصوصیات کا نتیجہ یہ تھا کہ یہ دونوں باغ خوب پھل لائے۔ کھجوروں نے اپنا پھل دینے میں اور انگوروں نے اپنی بہار دکھانے میں اور باقی باغ کے مختلف قطعات میں پھیلے ہوئے غلے کی فصلوں نے لہلہانے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی۔

آیت نمبر ۳۴: مال دار شخص کا اپنے ساتھی کو طعن کرنے کا بیان ہے۔ اس نے اپنے ساتھی کو کم تر جانا اور کہا کہ وہ مال واولاد اور خادموں کی تعداد میں اس سے زیادہ حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عطا کردہ چیزوں کو اس نے اپنا ذاتی کمال سمجھا اور غرور وتکبر میں مبتلا ہوا۔

علمی بات: اس متکبر کافر شخص نے مومن شخص سے کہا کہ مال و دولت اور جتھا میرے پاس تجھ سے کہیں زائد ہے۔ اگر میں مشرکانہ اطوار اختیار کرنے میں باطل پر ہوتا تو اس قدر آسائش اور فراخی کیوں ملتی۔ اس کے مشرک ہونے کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ آفت آنے کے بعد پچھتا کر کہتا تھا یٰلَیۡتَنِیۡ لَمۡ اُشۡرِكۡ بِرَبِّیۡۤ اَحَدًا "اے کاش! میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا۔" (سورۃ الکھف، آیت: ۴۲) معلوم ہوتا ہے کہ اس کا غریب ساتھی جو پکا موحّد یعنی توحید باری تعالیٰ پر یقین رکھنے والا تھا اسے شرک کے باطل ہونے کا اظہار اور شرک سے تائب ہونے کی نصیحت کر رہا ہوگا۔ جس کے جواب میں اس نے یہ کہا کہ میں تجھ سے مال میں، جتھے میں، ہر چیز میں زیادہ ہوں کس طرح یقین کر لوں کہ میں باطل پر ہوں اور تجھ جیسا مفلس قلاش حق پر ہو۔

آیت نمبر ۳۵: باغ کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے وہ باغ میں داخل ہوا اور کہا کہ اس کے باغات کو کبھی زوال نہیں آسکتا۔ اس نے ایسا کہہ کر اپنے نفس کے حق میں ظلم کیا۔

علمی بات: وہ دنیا پرست اور شرک میں مبتلا تھا۔ کبر و غرور کا نشہ دماغ میں بھرا ہوا تھا، دوسروں کو حقیر جانتا تھا اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی قدرت و جبروت پر نظر نہ تھی۔ نہ یہ سمجھتا تھا کہ آگے کیا انجام ہونے والا ہے۔ بس یہی باغ اس کی جنت تھی جسے وہ ابدی سمجھتا تھا۔

آیت نمبر ۳۶: دُنیاوی عیش و آرام میں مست ہو کر وہ مال دار شخص اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی گرفت اور قیامت کا انکار کرنے لگا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ بالفرض قیامت برپا ہو بھی گئی تو وہ جس طرح یہاں خوشحال ہے آخرت میں بھی اس کا اچھا انجام ہوگا۔ مادہ پرست لوگوں کا غلط نظریہ ہے کہ اگر دنیا میں وہ خوشحال ہیں تو یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی خوشنودی کی دلیل ہے۔

علمی بات: مال دار شخص انتہائی متکبرانہ انداز میں کہنے لگا کہ مرنے کے بعد ہڈیوں کے ریزوں کو دوبارہ زندگی ملے گی؟ اور ہم رب کے سامنے پیش کیئے جائیں گے۔ لیکن اگر بالفرض ایسا ہوا بھی تو یقیناً مجھے یہاں سے بہتر سامان وہاں ملنا چاہیئے۔ اگر ہماری حرکات اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو ناپسند ہوتیں تو دنیا میں اتنی کشائش کیوں دیتا۔ گویا یہاں کی فراخی علامت ہے کہ وہاں بھی ہم عیش اڑائیں گے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ایسا ہرگز نہیں۔ اس قسم کے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ دنیا کا جو مال و اسباب ہمیں ملا ہے۔ یہ ہماری ذاتی محنت کا نتیجہ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ہم سے راضی ہونے کی دلیل ہے۔ اس خوش فہمی کی وجہ سے فخر و غرور میں آکر کہتے ہیں کہ ہم دنیا میں دوسروں سے بہتر ہیں۔ اگر ہم اپنے رب کے حضور لوٹائے گئے تو آخرت میں بھی دوسروں سے بہتر ہوں گے۔ دنیا کے اقتدار اور اسباب کی مستی میں وہ بھول جاتے ہیں جو مال اُنہیں دیا گیا ہے یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے۔

آیت نمبر ۳۷: مال دار شخص کے ساتھی نے اُسے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف متوجہ کیا۔ اس نے کہا کہ توحید اور قیامت کا انکار کر کے وہ اپنے خالق و مالک کے ساتھ کفر کا ارتکاب کر رہا ہے۔ اس نے کہا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی ہے جس نے اولاً تجھے مٹی سے بنایا، پھر نطفہ سے پیدا کر کے مکمل انسان بنایا۔ معلوم ہوا کہ مال دار شخص کفر و شرک میں مبتلا تھا اور اس کا ساتھی مومن تھا۔

علمی بات: کافر نے قیامت کا انکار کیا تھا۔ بندۂ مومن نے اس کا رد کرتے ہوئے کہا: کیا تم اس ذات کا انکار کر رہے ہو جس نے تم کو مٹی سے بنایا، جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ انسان کو ایک بار عدم سے وجود میں لا چکا ہے تو اس کے لئے دوبارہ تم کو معدوم کرنا پھر عدم سے وجود میں لانا کیا مشکل ہے؟ اس نے تم کو مٹی سے بنایا، پھر نطفہ سے، پھر تم کو معتدل ہئیت میں بنایا۔ اس میں انسان کی پہلی بار تخلیق کی طرف اشارہ ہے۔ کافر کا رد کرنے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے تم کو اس طرح پیدا کیا ہے تو اس نے تم کو بے مقصد پیدا نہیں کیا ہے بلکہ اس نے تم کو عبادت کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ اس کے بعد کہا

پھر تم کو معتدل ہیئت پر مرد بنایا۔ یعنی تم کو عقل عطا فرمائی جس سے بھلے اور برے کی پہچان ہوتی ہے۔ کیا تمہاری عقل اس کو جائز کہتی ہے کہ جس ذات نے تم کو اتنی نعمتیں عطا فرمائیں، تم اس کا کفر کرو۔

آیت نمبر ۳۸: مومن شخص نے عقیدۂ توحید پر کاربند ہونے کا اظہار کیا۔ اس نے کہا کہ وہ اللہ ﷾ ہی کو اپنا حقیقی رب مانتا ہے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

علمی بات: مومن نے کہا اللہ ﷾ ہی میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناؤں گا فقر اور غنا صرف اُسی کی طرف سے ہے۔ جب اللہ ﷾ کوئی نعمت عطا فرماتا ہے تو میں اس پر فخر اور تکبر نہیں کرتا بلکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ سب اللہ ﷾ کی عطا سے ہے۔ اس لئے اس پر اس کی حمد وثنا کرتا ہوں۔ اسی طرح جب وہ مجھے کسی مصیبت میں مبتلا کرتا ہے تو میں اس پر صبر کرتا ہوں۔

آیت نمبر ۳۹: مشرک شخص اللہ ﷾ کی نعمتوں کا اعتراف کرنے کے بجائے اِترانے لگا جس پر بندۂ مومن نے اس کی ملامت کی اور کہا کہ چاہیئے تھا کہ تُو باغ میں داخل ہوتے وقت غرور کرنے کے بجائے یہ کہتا مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ "(وہی ہوتا ہے) جو اللہ ﷾ چاہتا ہے اور اللہ ﷾ کی مدد کے بغیر (کسی میں) کوئی قوت نہیں۔" تو یہ تمہارے لئے بہتر ہوتا۔

علمی بات: مومن نے کافر کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تمہیں اللہ ﷾ پر توکل کرنا چاہیئے اور اُسی کو نفع و نقصان کا مالک سمجھنا چاہیئے۔ یعنی یہ باغ جو تم کو ملا ہے، یہ اللہ ﷾ نے چاہا تو تم کو مل گیا اگر وہ نہ چاہتا تو تم کو یہ باغ نہ ملتا۔ اسی طرح تمہارے پاس جو مال ہے وہ اللہ ﷾ کی قدرت سے ہے۔ اس میں تمہاری طاقت اور قدرت کا کوئی دخل نہیں ہے اور اگر اللہ ﷾ چاہتا تو تمہارے مال سے برکت اٹھالیتا پھر تمہارے پاس وہ مال جمع نہ ہوتا۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ ایسے تمام موقعوں پر ان نعمتوں کو اللہ ﷾ کی عطا کی طرف منسوب کرے اور اللہ ﷾ کی حمد وثنا کرے نہ کہ غرور اور گھمنڈ میں رہے۔

آیت نمبر ۴۰: مومن ساتھی کی کافر کو مزید نصیحت کا ذکر ہے۔ اُس نے کہا ممکن ہے کہ غربت کا طعنہ دینے والے کے لئے اللہ ﷾ حالات کو برعکس کردے اور اپنے بارے میں کہا کہ اسے بہتر باغ عطا فرمادے، اس نے مزید خبردار کیا کہ اللہ ﷾ اس بات پر بھی قادر ہے کہ باغ پر کوئی آسمانی آفت نازل کرکے اسے چٹیل میدان میں تبدیل کردے۔ "حُسْبَان" حسبانۃ کی جمع ہے اس کا معنٰی ہے "بجلی کی کڑک یا محاسبہ والی چیز۔" مراد ہے عذاب یا آفات۔ اس آیت میں حسبانا کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک آگ۔ دوسری عذاب مراد ہے یعنی حساب کے مطابق سزا۔

علمی بات: مومن شخص نے کافر سے کہا کہ میں اپنے فقر و فاقہ کے باوجود اپنے رب کریم کی جود وسخا سے مایوس نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ دنیا و آخرت کی نعمتوں سے مجھے ایسی نعمتیں بخشے گا جن کا تم تصور ہی نہیں کرسکتے اور یہ شاداب باغات اور لہلہاتی ہوئی فصلیں جن کی وجہ سے تم تکبر کررہے ہو فانی ہیں۔ غضب الٰہی کی ایک بجلی ان کا نام ونشان تک مٹادے گی۔ ایسی فانی اور ناپائیدار چیز پر مغرور ہو کر اپنے رب قدیر سے روگردانی کرنا عقل مندی کی بات نہیں۔

آیت نمبر ۴۱ اللہ ﷾ چاہے تو باغ کے درمیان بہنے والی نہر کو گہرا کردے یا پھر نہر کا پانی اتنی گہرائی میں کردے کہ پانی کا حصول ہی ناممکن ہو جائے۔ اور پھر تم اس باغ اور اس کی پیداوار کو دوبارہ حاصل کرنا چاہو تو حاصل نہ کرسکو۔

علمی و عملی بات: اس بندۂ مومن نے اس منکر شخص کو اندیشۂ عذاب کی یاددہانی کراتے ہوئے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ ﷾ تیرے اس باغ کو کسی بھی طرح ختم کردے ہو سکتا ہے کہ اس کے حکم سے اس کا زیر زمین پانی غیر معمولی گہرائی میں چلا جائے۔ اس کے نتیجہ میں تمہارا بنایا ہوا نظام آبپاشی ختم ہو کر رہ جائے اور اس طرح پانی کے بغیر یہ باغ خود بخود ہی اُجڑ جائے۔ یعنی حقیقی مسبب الاسباب تو اللہ ﷾ ہی ہے۔ اسی نے مختلف اسباب مہیا کر رکھے ہیں

جس سے یہ کاروبار دنیا چل رہا ہے۔ وہ جب چاہے کسی سبب کو سلب کرلے یا اس کی ہیئت کو بدل دے اور اس کی وجہ سے یہ سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے۔

دنیا کے تمام مغروروں اور متکبرین کا یہی ذہن ہوتا ہے کہ ان کو جو چین اور عیش حاصل ہوتا ہے وہ اس میں اس طرح کھو جاتے ہیں کہ ان کے اوپر یہ تصور بڑا دشوار گزرتا ہے کہ اس میں کہیں سے کوئی معمولی سی بھی رکاوٹ، مشکل پیدا ہو سکتی ہے۔

علمی بات: اس کافر کی اولاد کی نسبت کوئی بات نہیں کہی اس کی ایک وجہ شاید یہ ہو سکتی ہے کہ اولاد کی راحت بھی مال کے ساتھ ہے۔ جب مال نہیں ہوتا، تو اولاد الٹا وبالِ جان ہو جاتی ہے اور کھیت کا بھی ذکر نہیں کیونکہ اس کا مدار پانی پر ہے جب وہی نہ رہے گا تو کھیت بھی اجڑ جائے گا۔

آیت نمبر ۴۲: مشرک شخص کو اس کی ناشکری اور اسباب پرستی کی سزا ملی اور اس کا باغ تباہ کر دیا گیا۔ باغ پر لگایا گیا اس کا تمام سرمایہ برباد ہو گیا جس پر وہ افسوس کرنے لگا۔ انگوروں کی بیلیں اپنے چھتوں کے بل زمین پر آگریں۔ ظاہری اسباب اور مادی وسائل پر توکل کرنے کے شرک کا اعتراف اس نے خود کیا۔ وہ حسرت سے کہنے لگا کہ کاش وہ اپنے حقیقی رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا۔

علمی بات: ا۔ مومن نے کافر کے متعلق جو کہا تھا اللہ ﷻ نے اس کو پورا کر دیا۔ اللہ ﷻ نے اس کے تمام کے تمام پھلوں کو تباہ کر دیا اور وہ ندامت اور حسرت سے اپنے ہاتھ ملتا رہ گیا اور اس کے باغ میں انگوروں کی بیلیں جن چھپروں پر قائم تھیں، وہ سب چھپر گر گئے اور پھر اس نے کہا کاش! میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا ہوتا۔ معلوم ہوا کہ مسبب الاسباب اللہ ﷻ کے بجائے اپنی صلاحیت و قابلیت، علم و ہنر اور اسباب و ذرائع پر توکل کرنا بھی شرک کی ایک قسم ہے جسے مادہ پرستی کا شرک کہا جاتا ہے۔ آج کی مادہ پرستانہ ذہنیت کا مکمل نقشہ اس رکوع میں پیش کر دیا گیا ہے۔ یہ شرک کی جدید قسم ہے جس کو پہچاننے اور جس سے محتاط رہنے کی آج ہمیں اشد ضرورت ہے۔

۲۔ اس شخص کو اللہ ﷻ کی طرف سے جو نعمتیں دی گئی تھیں وہ سب اس سے سلب کر لی گئیں۔ باغ بھی اجڑ گیا اور اولاد بھی چھن گئی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دوسرا شخص اللہ ﷻ کا خاص مقرب بندہ تھا۔ مال دار شخص نے اسے اس کی ناداری کا طعنہ دیا تھا: کہ مال و دولت میں بھی مجھے تم پر فوقیت حاصل ہے اور نفری میں بھی میں تم سے بڑھ کر ہوں۔ اس طعنہ سے اللہ ﷻ کے اس نیک بندے کا دل دکھا ہوگا جس کی سزا اسے فوری طور پر ملی اور اللہ ﷻ نے اس سے سب کچھ چھین لیا۔ اس سلسلے میں ایک حدیث قدسی ہے: "جو شخص میرے کسی ولی کے ساتھ دشمنی کرے تو میری طرف سے اس کے خلاف اعلان جنگ ہے۔" (صحیح بخاری)

آیت نمبر ۴۳: جس اولاد اور جماعت پر وہ اِتراتا تھا وہ اس کے کوئی کام نہ آئی۔ نہ ہی وہ خود اللہ ﷻ کے عذاب سے بچنے کا کوئی انتظام کر سکا۔

علمی بات: جب اللہ ﷻ کا عذاب آیا تو جس خاندانی جمعیت پر اسے ناز تھا اور جن معبودوں کو وہ اللہ ﷻ کے سوا کارساز اور متصرف سمجھتا تھا ان میں سے اس آڑے وقت میں کوئی بھی اس کے کام نہ آیا اور نہ اپنے ہی قوت بازو سے اللہ ﷻ کے عذاب سے اپنے باغوں کو بچا سکا۔ جن جن چیزوں پر اس نے زندگی میں انحصار کیا تھا ان میں سے ایک بھی ایسی نہ تھی جو اس کے کچھ کام آتی۔

عملی پہلو: اس قصّہ میں بہت بڑی عبرت ہے کوئی شخص اپنے مال پر گھمنڈ نہ کرے بلکہ اللہ ﷻ کا مومن بندہ بنے اور جن مومن بندوں کے پاس مال نہیں ہے اُنہیں حقیر نہ جانے اللہ ﷻ کی ناشکری نہ کرے، ناشکری کی وجہ سے نعمتیں چھین لی جاتی ہیں پھر ایسے وقت میں کوئی مددگار نہیں ہوتا۔

آیت نمبر ۴۴: اس مثال کے ذریعہ قریش مکہ کو تنبیہ ہے۔ ان پر واضح کر دیا گیا کہ درحقیقت سارا اختیار اللہ ﷻ برحق ہی کا ہے۔ وہی ہے جو نیک اعمال کا بہتر بدلہ عطا فرمانے والا ہے۔

علمی بات: اللہ﷾ نے دو آدمیوں کا یہ قصّہ ذکر فرمایا، اس سے معلوم ہو گیا کہ اللہ﷾ کی نصرت اور اچھا انجام مومن کے لئے ہوتا ہے اور تمام مومنوں کے ساتھ اللہ﷾ اس طرح کا معاملہ کرتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ولایت اور تصرف حقیقت میں اللہ﷾ کے پاس ہے جس سے وہ اپنے نیک بندوں کی مدد فرماتا ہے۔ وہ اُنہیں ان کے دشمنوں پر غلبہ عطا فرماتا ہے اور ان کے مقابلے میں نصرت عطا فرماتا ہے۔

آیت نمبر ۴۵ : دُنیاوی زندگی کی ناپائیداری کو کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہے جس کی خاطر اکثر لوگ کفر و شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ خشک اور مردہ زمین پر بارش برسنے سے وہ سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے اور کھیتی پانی سے مل کر خوب لہلہا اُٹھتی ہے۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ کھیتی سوکھ کر چورا چورا ہو جاتی ہے جسے ہوا اڑائے پھرتی ہے۔ اسی طرح انسانی زندگی پر بھی مختلف مراحل آتے ہیں۔ لہٰذا ثابت کر دیا گیا کہ دُنیاوی زندگی پر یا دولت پر غرور میں مبتلا نہ ہو جائے۔ تمام اختیارات اللہ﷾ ہی کی قدرت میں ہیں۔

علمی بات: اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ ان متکبرین کے سامنے دنیا کی حقارت، اس کی بے مائیگی اور بے ثباتی کی ایک اور مثال بیان کی جائے جو فقراء مومنین کی مجلس میں بیٹھنا اپنے لئے باعث توہین اور باعث عار سمجھتے تھے۔

دنیا کو پانی کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجوہات: اللہ﷾ نے دنیا کو پانی کے ساتھ تشبیہ دی ہے پانی میں اور دنیا میں چند وجوہ سے مناسبت ہے جو حسب ذیل ہیں: ۱۔ پانی ایک کیفیت اور ایک حالت پر بر قرار نہیں رہتا، اسی طرح دنیا بھی ایک کیفیت اور ایک حالت پر بر قرار نہیں رہتی۔ ۲۔ کوئی شخص اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ پانی میں داخل ہو اور بھیگنے سے بچ جائے اسی طرح کوئی شخص اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ دنیا میں داخل ہو اور اس کے فتنوں، اس کی آفتوں اور آزمائشوں وغیرہ سے محفوظ رہ سکے۔ ۳۔ جب پانی کو بقدرِ ضرورت باغات اور کھیتوں میں ڈالا جائے تو وہ ان کے لئے نفع بخش ہے اور ان کی روئیدگی کو بڑھانے والا ہے اور جب ان میں ضرورت سے زیادہ پانی کو ڈالا جائے گا تو وہ ان کو تباہ و برباد کر دے گا جیسے کہ دریاؤں کے سیلاب میں اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح جب دنیا کے مال و متاع کو بہ قدر ضرورت لیا جائے گا تو وہ انسان کے لئے مفید اور نفع بخش ہے اور جب انسان دنیا کو اپنی ضروریات سے زیادہ لے گا تو وہ اس کے لئے فتنہ اور فساد کا سبب بن جائے گی۔

آیت نمبر ۴۶: مال و اولاد تو صرف دُنیاوی زندگی کی رونق ہیں۔ ان نعمتوں سے انسان صرف دنیا میں فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ باقی رہنے والی چیز صرف نیک اعمال ہیں جن کا ثواب اللہ﷾ کے پاس ہے اور اُسی سے خیر کی توقع وابستہ کی جائے۔ "باقیات صالحات" میں ہر وہ عمل یا قول شامل ہے جو اللہ﷾ کی محبت اور اطاعت کی طرف لے جانے والا ہو۔

علمی بات: ۱۔ مال اور بیٹے بہت جلد زائل ہونے والے ہیں اور جو چیز جلد فنا ہونے والی ہو اس پر فخر نہیں کرنا چاہیئے۔ قریش کے متکبرین اپنے مال و دولت اور طاقت ورحمایتیوں کی وجہ سے فقراء مسلمانوں کو حقیر جانتے تھے اور ان کے پاس بیٹھنے کو باعث عار گردانتے تھے۔ اللہ﷾ ان پر رد فرماتا ہے کہ جن چیزوں پر تم گھمنڈ کر رہے ہو یہ تو خس و خاشاک کی طرح ہوا میں اڑ جانے والی ہیں، یہ بے ثبات اور ناپائیدار ہیں۔ اس لئے مال اور بیٹوں پر نہ اِتراؤ اور ان کی وجہ سے کسی کو حقیر نہ جانو۔

۲۔ دنیا کے مال و اسباب سے اُمیدیں نہ لگائی جائیں کہ وہ تو دھوکہ دے جاتے ہیں، لیکن وہ نیک اعمال جو اللہ﷾ کی خوشنودی کے لئے کیئے جائیں خواہ نیک اعمال انسان نے اپنے جیتے جی خود کیئے ہوں یا کسی نیک عمل کا سلسلہ اپنے مرنے کے بعد دنیا میں چھوڑا ہو۔ مثلاً: علم سکھایا جائے جو جاری رہے یا کوئی صدقہ جاریہ والا کام مثلاً مسجد، کنواں، کھیت وقف کر دیا جائے یا اولاد کی تربیت کر کے اسے نیک چھوڑا جائے، اسی قسم کے کام ہیں جن پر اللہ﷾ کے ہاں بہترین بدلہ مل سکتا ہے اور انسان عمدہ توقعات قائم کر سکتا ہے۔ دنیا کی فانی و زائل خوشحالی پر لمبی چوڑی امیدیں باندھنا عقلمندی نہیں۔

فرمان نبوی ﷺ: ا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا" جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کا نیک عمل بند ہو جاتا ہے ہاں جو شخص علم دین کا چرچہ یا مسجد سرائے یا اسی طرح کی اور کوئی ثواب کے جاری رہنے کی چیز چھوڑ کر مرے گا تو اس کا نیک عمل مرنے کے بعد بھی جاری رہے گا۔" (صحیح مسلم، سنن ابن ماجہ، بیہقی)

آیت نمبر ۴۷: خطاب ان لوگوں سے ہے جو غرور و تکبر کی بنا پر قیامت کا انکار کرتے ہیں۔ روز قیامت پہاڑ اپنی جگہ سے اکھڑ کر فضا میں اُڑیں گے اور زمین کو چٹیل میدان میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ تمام لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا اور کوئی اس حشر سے نہ بچے گا۔

علمی بات: ا۔ اس سے پچھلی آیتوں میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بتایا تھا کہ دنیا بہت خسیس اور رذیل ہے اور آخرت بہت عمدہ اور اشرف ہے اور چونکہ آخرت قیامت کے بعد آئے گی، اس لئے اب قیامت کے احوال بیان فرما رہا ہے۔ قرآنِ کریم کی آیات کو سامنے رکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ قیامت کے موقع پر پہاڑوں کو پہلے اپنی جگہ سے ہٹا کر چلایا جائے گا پھر ان کو کوٹ پیس کر غبار کی طرح ہوا میں اڑا دیا جائے گا۔

۲۔ بارزۃ سے مراد یہ ہے کہ زمین کے بطن میں جو کچھ ہے اس کو ظاہر کر دیا جائے گا۔ سو قبروں میں جو مُردے دفن ہیں اور جو خزانے موجود ہیں، ان کو نکال کر باہر کر دیا جائے گا۔

آیت نمبر ۴۸: روز قیامت تمام لوگ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سامنے صفیں باندھے پیش کیئے جائیں گے۔ جس طرح لوگ بے بس اور خالی ہاتھ دنیا میں آئے تھے اسی طرح میدانِ محشر میں جمع ہوں گے۔

علمی بات: کَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ میں یہ بتایا گیا ہے کہ جس طرح آسانی سے ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اسی طرح اب تمہاری تخلیق فرما دی تم دوبارہ پیدا ہونے کو ناممکن سمجھتے تھے حالانکہ جس نے پہلی بار پیدا کیا وہ دوسری بار بآسانی پیدا فرما سکتا ہے۔ کفار و مشرکین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے نائبین کی تعلیم اور تبلیغ سے جب کبھی کچھ دھیان وقوع قیامت کی طرف چلا جاتا تھا تو وہ اسے بھی یوں کہہ کر دفع کر دیتے تھے کہ نہ دوبارہ اٹھنا ہے اور نہ حساب کتاب کا موقع آنا ہے۔

آیت نمبر ۴۹: روز قیامت ہر شخص کا اعمال نامہ اس کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ مجرمین اس دن اپنی بد اعمالیوں کو دیکھ کر خوفزدہ ہو جائیں گے۔ وہ حیرت اور رنج سے کہیں گے کہ یہ کیسا عجیب اعمال نامہ ہے جس میں ہر چھوٹا اور بڑا عمل لکھا ہوا ہے۔ انہوں نے جو بھی اعمال کیئے ہوں گے وہ سب اپنے سامنے لکھا ہوا موجود پائیں گے اور کسی کی حق تلفی نہیں ہو گی۔

علمی بات: اپنے اپنے اعمال نامے دیکھیں گے ان میں ہر چھوٹا بڑا عمل لکھا ہو گا نافرمان اسے دیکھ کر ڈریں گے اور یوں کہیں گے کہ کاش یہ اعمال نامہ ہمارے سامنے نہ آتا جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:"تو جس کو اس کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ (خوش ہو کر) کہے گا لو میرا اعمال نامہ پڑھو۔" (سورۃ الحاقہ ۶۹، آیت:۱۹)

2۔ ان اعمال ناموں میں سب کچھ ہو گا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے کسی پر کوئی ظلم نہ ہو گا۔ جو گناہ نہ کیا ہو گا وہ لکھ دیا گیا ہو ایسا نہ ہو گا اور جو نیکی کسی نے کی ہو چھوٹی یا بڑی وہ اعمال نامہ میں موجود ہو گی۔ نہ کوئی گناہ لکھنے سے رہا ہو گا اور نہ کوئی نیکی چھوٹی ہوئی ہو گی۔ (جو گناہ توبہ، استغفار یا نیکیوں کی وجہ سے کفارہ ہونے کے باعث درج نہ ہوں گے ان کے بارے میں اشکال نہیں ہوتا کیونکہ وہ گناہ کے ذیل میں آتے ہی نہیں۔)

آیت نمبر ۵۰: اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم پر تمام فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا بیان ہے۔ ابلیس جنات میں سے تھا اور اسے نیکی اور بدی دونوں کا اختیار تھا۔ اپنے اس اختیار کو غلط طور پر استعمال کرتے ہوئے اس نے تکبر کا مظاہرہ کیا اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا حکم تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس طرح وہ

اللہ ﷻ کی اطاعت سے نکل گیا اور اُس نے انسان سے ہمیشہ کے لئے دشمنی مول لی۔ ظالم سے مراد شیطان کے فرماں بردار اور اس کی پیروی کرنے والے ہیں۔ اللہ ﷻ کی اطاعت اور اس کی دوستی کو چھوڑ کر شیطان کی پیروی اور اس کی دوستی اختیار کرنے والے ظالم شدید سزا پائیں گے۔

علمی بات: ا۔ سابقہ آیات کے ذکر سے یہ مقصود تھا کہ ان لوگوں کا رد کیا جائے جو اپنے مال و دولت اور اپنے مددگاروں اور ساتھیوں پر فخر کرتے تھے اور مسلمان فقراء کو حقیر جانتے تھے۔ اس آیت سے بھی بعینہٖ اس معنٰی کا ذکر کرنا مقصود ہے کیونکہ ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام پر تکبر کیا تھا اس نے اپنی تخلیق آگ سے ہونے پر تکبر کیا تھا۔ اسی طرح کا معاملہ متکبر مشرکوں نے مسلمان فقراء کے ساتھ کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ ہم ان فقراء کے ساتھ کیوں بیٹھیں جبکہ ہم مال و دولت اور جاہ و حشم کے اعتبار سے ان سے افضل ہیں۔ اس وجہ سے اللہ ﷻ نے سابقہ آیات کے بعد حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا قصّہ بیان فرمایا۔

۲۔ ابلیس فرشتوں میں سے نہ تھا بلکہ جنات میں سے تھا، اس لئے اطاعت سے باہر ہو جانا اس کے لئے ممکن ہوا۔ فرشتوں کے متعلق قرآنِ مجید تصریح کرتا ہے کہ وہ فطرۃً مطیع فرمان ہیں: "اللہ جو حکم بھی ان کو دے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جو ان کو حکم دیا جاتا ہے۔" (سورۃ التحریم ۶۶، آیت: ۶)

اس حقیقت کو یہاں کھولا گیا ہے کہ ابلیس جنوں میں سے تھا اس لئے اس نے خود اپنے اختیار سے فسق کی راہ انتخاب کی۔ یہ وضاحت ان تمام غلط فہمیوں کو رفع کر دیتی ہے جو عموماً لوگوں میں پائی جاتی ہیں کہ ابلیس فرشتوں میں سے تھا۔

۳۔ شیطانوں کی بھی اس طرح اولاد ہوتی ہے جس طرح بنی آدم کی اولاد ہوتی ہے۔ ابلیس اَبُوالجِن (جنّوں کا والد) ہے۔ جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام اَبُوالاِنس (انسانوں کے والد) ہیں۔ شیطان کی ذریت، اس کے ماتحت مددگار اور اس کا لشکر ہونا قطعی دلائل سے ثابت ہے۔

آیت نمبر ۵۱: اللہ ﷻ کا اپنی وحدانیت کی دلیل کے طور پر کائنات کی تخلیق کا بیان ہے۔ کائنات کی تخلیق اور اس کے چلانے میں ابلیس یا دیگر خود ساختہ معبودوں کا کوئی حصّہ نہیں۔ اللہ ﷻ نے جب اُنہیں پیدا کیا تو اس وقت بھی ان خود ساختہ معبودوں سے کوئی مشورہ نہیں لیا تھا۔ اللہ ﷻ کو مددگاروں کی کوئی ضرورت نہیں البتہ اس کے دوست ضرور ہیں مگر وہ گمراہ لوگوں کو دوست نہیں بناتا۔

علمی بات: ابلیس اور اس کی ذُرِّیّت کی اتباع کرنے والوں اور شرک کرنے والوں کی جہالت اور ضلالت پر تنبیہ فرمائی گئی ہے۔ اللہ ﷻ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے جب آسمان و زمین کو پیدا کیا اور جب ان لوگوں کو پیدا کیا تو ان کو اپنی مدد یا مشورے کے لئے نہیں بلایا تھا۔ جب آسمان و زمین کی تخلیق اور خود ان کی تخلیق میں میرا کوئی شریک نہیں تو پھر ابلیس اور اس کی ذُرِّیّت سے دوستی کیوں کرتے ہیں؟ اور ان کے ورغلانے سے غیر اللہ کو اللہ ﷻ کا شریک کیوں ٹھہراتے ہیں؟ یہ تو سراسر حماقت اور ضلالت ہے۔

آیت نمبر ۵۲: روزِ قیامت مشرکین اور ان کے شرکاء کی بے بسی کا بیان ہے۔ مشرکین کو کہا جائے گا کہ وہ اُنہیں پکاریں جنہیں وہ اپنے خیال میں اللہ ﷻ کا شریک ٹھہرایا کرتے تھے۔ مشرکین عذاب الٰہی سے بچنے کے لئے شرکاء کو پکاریں گے لیکن وہ اُنہیں ان کی پکار کا جواب نہیں دیں گے۔ ان کے درمیان آڑ یا سخت عداوت ڈال دی جائے گی۔ اس آڑ سے ایک مراد جہنم کی سخت وادی بھی ہے۔

علمی بات: مَوْبِقًا کے بارے میں مفسرین کرام کی مختلف آراء ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "موبق دوزخ کی ایک وادی کا نام ہے۔"

آیت نمبر ۵۳: دوزخ کی آگ کو دیکھ کر مشرکین کو یقین ہو جائے گا کہ وہ اس آگ میں گرنے والے ہیں۔ دوزخ سے نجات ملنا ان کے لئے ممکن نہیں ہو گا۔

علمی بات: کافر جو مال و دولت کے گھمنڈ کی وجہ سے موجودہ دنیا میں اپنے آپ کو مامون و محفوظ سمجھتے ہیں قیامت میں ان کا انجام یہ ہونے والا ہے کہ وہ اپنے آپ کو جہنم کے دروازے پر کھڑا ہوا پائیں اور اس سے بھاگنے کی کوئی تدبیر نہ کر سکیں۔

آیت نمبر ۵۴: انسانوں کی ہدایت کے لئے قرآنِ حکیم میں گزشتہ قوموں کے واقعات، محاسبۂ اعمال اور توحید کے دلائل مختلف انداز میں بیان کیئے گئے ہیں۔ لیکن انسان بڑا ہی جھگڑالو ہے جو نصیحت حاصل کرنے کے بجائے باطل باتوں کے ذریعہ حق کا انکار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

علمی بات: موجودہ دنیا میں امتحان کی آزادی ہے۔ اس بنا پر یہاں سرکش انسان حق کا اعتراف نہ کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی عذر پا لیتا ہے۔ ہر بات کو رد کرنے کے لئے اس کو کچھ نہ کچھ الفاظ مل جاتے ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ ایک کھلی ہوئی دلیل کو بے معنیٰ بحثوں سے کاٹنے کی کوشش کرتا ہے۔ کبھی وہ ایسا کرتا ہے کہ جو دلیل دی گئی ہے اس کو نظر انداز کر کے ایک اور چیز کا تقاضا کرتا ہے جو کسی وجہ سے ابھی پیش نہیں کی گئی۔

آیت نمبر ۵۵: لوگوں سے تقاضا تو یہی تھا کہ وہ قرآنِ حکیم سے ہدایت حاصل کرتے، اللہ ﷻ پر ایمان لاتے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے مگر سرکش کفار نے قبول حق سے اعراض کیا۔

ایمان لانے اور گناہوں کی معافی نہ مانگنے کی وجوہات کا بیان: ۱۔ ان کا معاملہ سابقہ قوموں کی طرح ہو گا، گویا وہ ایمان لانے کے لئے عذاب کے منتظر ہیں۔
۲۔ یا پھر عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر وہ ایمان لائیں گے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس کے بعد ایمان لانے کا موقع کہاں ملے گا۔

علمی بات: جہاں تک دلیل وحجت کا تعلق ہے، قرآنِ حکیم نے حق واضح کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے۔ دل اور دماغ کو اپیل کرنے کے جتنے مؤثر طریقے اختیار کرنے ممکن تھے، وہ سب بہترین انداز میں یہاں اختیار کیئے جا چکے ہیں۔ اب وہ کیا چیز ہے جو اُنہیں قبول حق میں مانع ہو رہی ہے؟ صرف یہ کہ اُنہیں عذاب کا انتظار ہے۔ گویا وہ سزا کے بغیر سیدھے نہیں ہونا چاہتے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ ﷻ کی حجت ان پر قائم ہو گئی ہے اس کے بعد بھی اگر وہ ایمان نہیں لاتے تو عذاب ہی ان کی آنکھیں کھول سکتا ہے مگر اس وقت اس کا کچھ فائدہ نہ ہو گا۔

آیت نمبر ۵۶: اللہ ﷻ نے اپنی رحمت اور شفقت کا اظہار فرماتے ہوئے لوگوں کی ہدایت کے لئے رسول بھیجے۔ رسولوں کی ذمہ داری فرماں برداروں کو بشارت دینا اور نافرمانوں کو ان کے بُرے انجام سے ڈرانا ہے۔ کفار رسولوں کو جھٹلاتے ہیں، ان کے معجزات کا رد کرتے ہیں اور باطل طریقہ اختیار کر کے حق کو باطل ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اللہ ﷻ کی آیات کا اور اس کے عذاب کا جس سے اُنہیں ڈرایا جاتا ہے مذاق اڑاتے ہیں۔

علمی بات ۱۔ رسولوں کا عذاب کے آنے یا نہ آنے سے کوئی تعلق نہیں ان کا کام تو صرف بشارت اور انذار ہے۔ اللہ ﷻ رسولوں کو ان کی اُمّتوں کی طرف بھیجتا ہے تا کہ وہ ایمان والوں اور اطاعت گزاروں کو ثواب اور جنت کے درجات کی خوش خبری دیں جبکہ کافروں کو جہنم کے شدید عذاب سے ڈرائیں۔
۲۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ باطل پرست اللہ ﷻ کے عذاب سے ڈرتے اور حق کا راستہ اختیار کرتے، لیکن اس کے برعکس وہ الٹا حق کو مٹانے کے لئے باطل دلائل کے سہارے جھگڑا کرتے ہیں، معجزات دیکھتے جاتے ہیں اور پھر معجزوں کی فرمائش چلتی جاتی ہے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ جھوٹے جھگڑوں سے حق کو ڈگمگا دیں اور حق کی آواز کو پست کر دیں، حق کو باطل سے مٹا دیں، قدرت کی دلیلوں اور عذاب کے مضامین کی ہنسی اڑاتے رہیں۔ (معاذ اللہ)

آیت نمبر ۵۷: آیات میں احکام، دلائل، معجزات اور نشانیاں شامل ہیں۔ اللہ ﷻ کی آیات پیش کرنے پر ان سے اعراض کرنے والا سب سے بڑا ظالم ہے۔ وہ اپنے کرتوتوں کو اور کل کی پیشی کو بھول جاتا ہے۔ حق کی مخالفت کے نتیجہ میں ایسے لوگوں سے حق کو سننے اور سمجھنے کی توفیق سلب کر دی جاتی ہے۔ پھر ہدایت قبول کرنا ان کے لئے ناممکن ہو جاتا ہے۔

علمی بات: ۱۔ جن لوگوں کو اللہ ﷻ کی آیات کے ذریعہ نصیحت کی گئی پھر انہوں نے اس سے روگردانی کی، نیز وہ اپنے اعمالِ بد اور ان کے انجامِ بد کو بھی بھول گئے، یہ لوگ بہت بڑے ظالم ہیں۔ ان کے مظالم کی سزا کے طور پر ان کے دلوں پر ایسے پردے ڈال دیئے گئے اور ان کے کانوں میں ایسی گرانی پیدا کر دی گئی، جس سے قرآنِ پاک کا سمجھنا، سننا اور اس سے نصیحت قبول کرنا ان کے لئے ناممکن ہو گیا، لہٰذا اب ان کو کیسی ہی دعوت دی جائے یہ کبھی بھی ہدایت کا راستہ اپنانے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔

۲۔ جب اللہ ﷻ کی طرف سے ہدایت کے اسباب فراہم کرنے کے بعد ایک شخص گمراہی پر قائم رہتا ہے تو اللہ ﷻ اسے اپنے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ ظاہر ہے اللہ ﷻ کے بعد کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔ نتیجتاً وہ گمراہی کی اتھاہ گہرائیوں میں گر جاتا ہے۔

آیت نمبر ۵۸: منکرین کے بُرے اعمال ایسے ہیں کہ ان پر فوراً عذاب آجائے۔ لیکن اللہ ﷻ بہت بخشنے والا اور رحمت والا ہے۔ لوگوں کو سنبھلنے کے لئے مہلت دی جاتی ہے تاکہ وہ توبہ کر کے اس کی رحمت کے مستحق بن جائیں۔ یہ مہلت ایک مقررہ وقت تک کے لئے ہے۔ عذاب آنے کی صورت میں اُنہیں کہیں پناہ نہیں مل سکے گی۔

علمی بات: اللہ ﷻ کے عذاب کا قانون ایسا نہیں کہ ادھر کسی نے کوئی جرم کیا تو ادھر فوراً اسے سزا دے دی جائے بلکہ اس معاملہ میں اللہ ﷻ کا قانون ہے کہ وہ اسے مہلت دیتا ہے اگر اس دوران بھی مجرم اپنے جرم سے باز آجائے تو پھر سزا ٹل جاتی ہے کیونکہ اللہ ﷻ بخشنے والا بھی ہے اور مہربان بھی اور اگر باز نہ آئے تو عذاب اللہ ﷻ کے مقرر کردہ قانون کے مطابق اپنے مقررہ وقت پر آئے گا خواہ لوگ اس کے لئے جلدی مچائیں یا نہ مچائیں اور جب وہ وقت آجائے گا تو پھر نہ وہ مؤخر ہوگا اور نہ ہی مجرم اس سے کہیں بچ کے جا سکیں گے۔

آیت نمبر ۵۹: تباہ شدہ بستیوں سے مراد سابقہ قوموں کی وہ بستیاں ہیں جن پر اہلِ مکہ کا گزر ہوتا اور وہ ان کی تباہی کے آثار خود دیکھ سکتے تھے۔ سابقہ قوموں کی نافرمانی پر اُنہیں فوراً ہلاک نہیں کیا گیا بلکہ ان کی ہلاکت کے لئے ایک معین وقت مقرر تھا۔ کفارِ مکہ کو تنبیہ کی گئی ہے کہ باز نہ آنے کی صورت میں ان کا حشر بھی اس سے مختلف نہیں ہوگا جو سابقہ نافرمان قوموں کا ہوا۔

علمی بات: بستیوں سے مراد قومِ عاد، قومِ ثمود اور حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوموں کی بستیاں ہیں۔ جو اہلِ حجاز کے قریب اور ان کے راستوں میں واقع تھیں۔ ان قوموں کی تباہی کا ذکر کر کے اہلِ مکہ اور دیگر نافرمان قوموں کو یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ تم نبی کریم ﷺ کی تکذیب کر کے یہ مت سمجھنا کہ تم پر جو ابھی تک عذاب نہیں آیا اور تم کو جو مسلسل مہلت دی جا رہی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے بلکہ یہ تو اللہ ﷻ کا دستور ہے کہ جب تک اللہ ﷻ کسی قوم پر اپنی حجت پوری نہیں کر لیتا اس وقت تک وہ اس قوم پر عذاب نہیں بھیجتا۔ پس اسی طرح جب تمہیں دی ہوئی ایمان لانے کی مہلت ختم ہو جائے گی تو تمہارا انجام بھی پچھلی قوموں سے مختلف نہیں ہوگا۔

مشقوں کے جوابات

سوال ۱: خالی جگہیں پُر کریں:

(۱) آیت: ۷ میں ذکر ہے کہ اللہ ﷻ نے زمین کو زینت بنایا تاکہ لوگوں کی آزمائش ہو۔

(۲) آیت: ۲۹ میں ذکر ہے کہ ظالمین جب جہنّم میں پانی کی فریاد کریں گے تو اُنہیں پگھلے ہوئے تانبے کی طرح کھولتا پانی پینے کے لئے دیا جائے گا۔

(۳) آیت: ۳۹ کی روشنی میں جب ہم اپنے گھر، اولاد یا کاروبار کو پھلتا پھولتا دیکھ کر خوش ہوں تو ہمیں مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہنا چاہیئے۔

(۴) آیت: ۴۶ میں اللہ ﷻ کے ہاں ثواب پانے اور اُمید لگانے کے اعتبار سے نیکیوں کو بہتر قرار دیا گیا ہے۔

(۵) آیت:۵۷ میں اللہ ﷻ کی آیات سے منہ موڑنے والوں کو ظالم قرار دیا گیا ہے۔

سوال ۲: مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجئے:

۱- دوسرے اور تیسرے رکوع کی آیات کے مطابق اصحابِ کہف کے بارے میں مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجئے۔

نمبر شمار	سوالات	جوابات
۱	اصحابِ کہف کا کیا عقیدہ تھا؟	اصحابِ کہف کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ ﷻ کے سوا کوئی معبود نہیں۔
۲	ان کی قوم کا کیا عقیدہ تھا؟	ان کی قوم نے اللہ ﷻ کے سوا اور معبود بنا رکھے تھے۔
۳	اصحابِ کہف نے غار میں پناہ کیوں لی؟	کیوں کہ ان کی قوم نے اُنہیں قتل کی دھمکی دی۔
۴	غار میں داخل ہوتے وقت اصحابِ کہف نے کیا دُعا کی؟	اے ہمارے رب! ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما اور ہمارے لئے ہمارے معاملہ میں رہنمائی مہیا فرما۔
۵	بیدار ہونے پر اصحابِ کہف نے اپنے سونے کی مدت کا کیا اندازہ لگایا؟	انہوں نے اندازہ لگایا کہ وہ ایک دن یا دن کا کچھ حصّہ سوئے ہوں گے۔
۶	بیدار ہونے پر اصحابِ کہف نے اپنے ایک ساتھی کو کس لئے بازار بھیجا؟	اصحابِ کہف نے اپنے ایک ساتھی کو بازار سے کچھ پاکیزہ کھانا لانے کے لئے بھیجا۔
۷	ساتھی کو بازار بھیجتے ہوئے اصحابِ کہف نے اسے کیا تلقین کی؟	اسے تلقین کی کہ نرمی سے بات کرنا اور کسی کو ہماری خبر نہ ہونے دینا۔
۸	اصحابِ کہف کے بیدار ہونے کے زمانہ میں لوگ کس حقیقت کے بارے میں اختلاف کر رہے تھے؟	اس زمانہ کے لوگ اس اندیشہ میں مبتلا تھے کہ قیامت قائم ہوگی یا نہیں؟ اور قیامت کے دن صرف روحوں کو اُٹھایا جائے گا یا جسموں کو بھی۔
۹	اصحابِ کہف کے انتقال کے بعد لوگوں نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟	بادشاہ نے غار ہی میں ان کی قبریں بنوائیں اور غار کے دہانہ کو پتھروں سے بند کر دیا۔
۱۰	اصحابِ کہف کی تعداد کیا تھی؟	اصحابِ کہف کی اصل تعداد اللہ ﷻ ہی بہتر جانتا ہے۔
۱۱	اصحابِ کہف کتنا عرصہ غار میں سوتے رہے؟	تقریباً ۳۰۰ سال شمسی اور ۳۰۹ سال قمری۔

۲- تیسرے رکوع کی روشنی میں جواب دیجئے کہ اللہ ﷻ نے اصحابِ کہف کی حفاظت کا کیا اہتمام فرمایا تھا؟

اللہ ﷻ نے ان کی حفاظت کا ایسا انتظام فرمایا کہ ان نوجوانوں کو اطمینان کی نیند سُلا دیا اور وہ ایک طویل مدت تک سوتے رہے۔ ان کا کتا غار کے دہانے پر پاؤں پھیلا کر سو گیا۔

۳- چوتھے رکوع میں قرآنِ حکیم اور اہل ایمان سے تعلق کے حوالہ سے کیا ہدایات دی گئی ہیں؟

جو آپ ﷺ کی طرف آپ ﷺ کے رب کی کتاب میں سے وحی فرمائی گئی ہے اس کی تلاوت کیجیے۔ اس کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں ہے اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھیں جو اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں اس کی رضا چاہتے ہیں اور آپ ﷺ کی نگاہیں ان سے نہ ہٹیں۔

۴- پانچویں رکوع کی آیات کے مطابق باغ والے کے بارے میں مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجیے۔

	سوالات	جوابات
۱	باغ والے کے پاس انگور کے کتنے باغ تھے؟	انگور کے دو باغ تھے۔
۲	باغوں کے چاروں طرف کس چیز کی باڑ لگی ہوئی تھی؟	اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان دونوں باغوں کا کھجور کے درختوں سے احاطہ کر رکھا تھا۔
۳	انگوروں کے علاوہ باغ میں اور کیا تھا؟	اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان کے درمیان کھیتی اُگا دی تھی۔
۴	ہر موسم میں باغ میں کیسا پھل آتا تھا؟	دونوں باغ خوب پھل دیتے تھے اور اس پیداوار میں کچھ کمی نہ کرتے تھے۔
۵	باغ میں آب پاشی کا کیا نظام تھا؟	اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان دونوں کے درمیان ایک نہر جاری کر دی تھی۔
۶	باغ والے نے اپنے دوست کے سامنے اپنی بڑائی کا کیسے اظہار کیا؟	وہ اپنے ساتھی سے باتیں کرتے ہوئے کہنے لگا میں تم سے زیادہ مال دار ہوں اور نفری یعنی تعداد کے لحاظ سے بھی زیادہ باعزت ہوں۔
۷	باغ والے نے اپنے باغ کے بارے میں کس رائے کا اظہار کیا؟	اس نے کہا کہ میں خیال نہیں کرتا کہ یہ باغ کبھی تباہ ہو جائے گا۔
۸	باغ والے نے آخرت کے بارے میں کس رائے کا اظہار کیا؟	میں یہ خیال نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہو گی اور اگر میں اپنے رب کی طرف واپس کیا گیا تو میں ضرور اس سے بہتر واپسی کی جگہ پاؤں گا۔
۹	دوست نے باغ والے کو کیا سمجھایا؟	اس کے ساتھی نے اس سے باتیں کرتے ہوئے کہا: کیا تم اس ذات کا انکار کرتے ہو جس نے تمہیں مٹی سے پیدا فرمایا پھر ایک قطرہ سے تمہیں صحیح سلامت انسان بنا دیا۔
۱۰	باغ والے کا کیا انجام ہوا؟	اور اس کے پھل عذاب میں گھیر لیئے گئے تو وہ اپنے ہاتھ ملتا رہ گیا اُس پر جو اُس نے اِس باغ میں خرچ کیا تھا اور وہ باغ اپنی چھتوں پر گرا پڑا تھا اور وہ کہنے لگا اے کاش! میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا۔

۵۔ چھٹے رکوع کے آخر میں آخرت کے کیا حالات بیان کیئے گئے ہیں؟

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور آپ زمین کو صاف میدان دیکھیں گے اور ہم سب (انسانوں) کو جمع فرمائیں گے تو ہم ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔ اور وہ آپ کے رب کے سامنے صفیں باندھے ہوئے پیش کیئے جائیں گے (کہا جائے گا) یقیناً تم ہمارے پاس (اسی طرح) آئے ہو جیسے ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا فرمایا تھا بلکہ تم نے تو یہ خیال کیا کہ ہم ہر گز تمہارے لئے وعدے کا کوئی وقت مقرر نہیں کریں

گے۔ اور (اعمال کی) کتاب سامنے رکھ دی جائے گی تو آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ جو کچھ اس میں لکھا ہو گا اس سے ڈر رہے ہوں گے اور وہ کہیں گے ہائے ہماری خرابی یہ کیسی کتاب ہے (اس نے) نہ چھوٹی بات چھوڑی ہے اور نہ بڑی مگر (اس نے) اس کا شُمار کر لیا ہے اور انہوں نے جو بھی عمل کیا ہو گا وہ اسے موجود پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔

سُوۡرَةُ الۡکَھۡف (حصّہ دوم)

مقاصدِ مطالعہ: اس سورت کے مطالعہ کے بعد طلبہ کو مندرجہ ذیل مضامین سے آگاہی حاصل ہونی چاہیئے:

1. آیات: ۶۰ تا ۸۲ — ظاہر پرستی کی شدید نفی کرتے ہوئے حضرت موسیٰ و حضرت خضر علیہما السلام کے تین واقعات اور ان تینوں واقعات کی حقیقت کا بیان۔
2. آیات: ۸۳ تا ۹۸ — اقتدار اور اسباب کی فروانی کے باوجود اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے غافل نہ رہنے والے بادشاہ ذوالقرنین کا قصہ اور یاجوج و ماجوج کا واقعہ۔
3. آیات: ۹۹ تا ۱۰۶ — آخرت کے حالات وواقعات کا تذکرہ، سب سے زیادہ خسارے والے لوگوں کے حال کا بیان، آخرت میں کفار کے اعمال برباد اور ضائع ہونے کا اعلان۔
4. آیات: ۱۰۷ تا ۱۱۰ — نیک لوگوں کے لئے انعاماتِ الٰہیہ کا ذکر، توحید باری تعالیٰ کے خزانوں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے بیشمار کلمات کا بیان، پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام بشریت کا بیان، آخرت کے طلب گاروں کے لئے ہدایات۔

آیت نمبر ۶۰: مادہ پرستی کے رد کے حوالہ سے تیسرا اور ایک اہم واقعہ بیان کیا جارہا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنی اس کائنات کو اپنی مرضی سے چلا رہا ہے۔ ہر کام کی مصلحت کیا ہے؟ ضروری نہیں کہ ہر شخص اس کو سمجھ سکے۔ اسی لئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے تاکہ ہر شخص کو یقین ہو جائے کہ یہاں ہر بات کے پیچھے ایک مصلحت کام کر رہی ہے۔

علمی بات: 1۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ایک خاص بندہ حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کے لئے سفر میں روانہ ہونے کا بیان ہے۔ علماء محققین کی رائے یہ ہے کہ وہ نبی تھے۔ اس خاص بندہ یعنی حضرت خضر علیہ السلام کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اشیاء کی حقیقت کا علم عطا فرمایا تھا جس کا کچھ حصّہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سکھلانا مقصود تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھ ایک نوجوان شاگرد یوشع بن نون کو لیا اور سفر کے لئے روانہ ہوگئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس عزم کا اظہار کیا کہ منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے وہ اپنا سفر جاری رکھیں گے چاہے کئی سال گزر جائیں۔

2۔ بخاری شریف کی ایک طویل روایت میں اس واقعہ کی تفصیل نقل کی گئی ہے جس کا مختصر مفہوم یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک دفعہ کھڑے وعظ فرما رہے تھے تو کسی شخص نے یہ پوچھ لیا کہ اے موسیٰ! اس وقت سب سے بڑا عالم کون ہے؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ "میں"، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں آئی کیونکہ انہوں علم کی نسبت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف نہیں کی، تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ ہاں!" مجمع البحرین "پر میرا ایک بندہ (حضرت خضر علیہ السلام) ہے، جس کا علم تم سے زیادہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دریافت کیا کہ اُن سے ملنے کی کیا صورت ہے؟ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا تم ایک مچھلی لو اور تھیلی میں رکھو، جس مقام پر تم اس مچھلی کو گم کر دو، تو میرا بندہ وہیں ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھی یوشع بن نون کے ساتھ چلے یہاں تک دونوں ایک بڑے پتھر کے پاس پہنچے اور اس پر اپنا سر رکھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نیند آگئی۔ اس دوران مچھلی نے حرکت کی پھر تھیلی سے باہر نکلی اور دریا کے اندر چلی گئی۔ نیند سے بیدار ہونے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ہمارا کھانا (مچھلی) لاؤ، ہم نے اس سفر میں بڑی تکلیف اٹھائی ہے۔ اس وقت ان کے ساتھی نے کہا جب ہم پتھر کے پاس تھے تو میں مچھلی کو بھول گیا اور مجھے شیطان ہی نے اُس کو یاد رکھنے سے غافل رکھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اسی مقام کی ہمیں تلاش تھی۔ تب وہ اپنے قدموں کے نشانات کی طرف واپس آئے تو وہاں انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پایا۔ پھر ان کا وہی قصّہ ہے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآنِ حکیم میں بیان فرمایا ہے۔

۲۔ مجمع البحرین کا معنیٰ "دو سمندروں کے اکٹھے ہونے کی جگہ "یا دو دریاؤں کے اکٹھے ہونے کی جگہ، قطعی طور پر قرآنِ کریم میں تعین نہیں کیا گیا، کیونکہ ایسے مواقع تو بہت آتے ہیں جہاں دو دریا اکٹھے ہوتے ہیں اکثر مفسرین کرام کے نزدیک وہ جگہ ہے جہاں خلیج عقبہ (Gulf of Aqaba or Litat) اور خلیج سوئز (Gulf of Suez) دونوں آکر ملتے ہیں اور بحر احمر (Red Sea) میں ضم ہو جاتے ہیں۔ مزید براں ایک علامت متعین کر دی گئی کہ اپنے ساتھ ایک مچھلی رکھ لیجئے، جہاں وہ مچھلی زندہ ہو کر کے گم ہو جائے سمجھ لینا کہ اسی علاقہ میں میرا مقصود ہے۔ بہر حال اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تھی۔

۳۔ ان واقعات سے یہ بتانا مقصود ہے کہ لوگ ظاہر بین نگاہ سے جو کچھ دیکھ رہے ہوں وہ دراصل حقیقت نہیں اور جو حقیقت ہے وہ ان کی نگاہوں سے مخفی ہے۔ اس قصّہ میں پروردگار نے اپنی مشیت کے گوشے سے پردہ اٹھا کر یہ دکھایا ہے کہ لوگ جو کچھ ظاہر میں دیکھتے ہیں ضروری نہیں کہ حقیقت بھی وہی ہو، ان واقعات کے آئینہ میں دیکھیں کہ بظاہر واقعہ کیا پیش آیا ہے اور بعد میں اس کی تعبیر کیسی سامنے آئی ہے۔ اس سے یہ حقیقت سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ انسان جو کچھ بظاہر دیکھتا ہے ضروری نہیں کہ انجام کے اعتبار سے بھی وہی ہو۔

آیت نمبر ۶۱: دوران سفر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے شاگرد اس مقام تک پہنچے جہاں دو دریا آپس میں مل رہے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم سے اپنے ساتھ ایک مچھلی رکھ لی تھی۔ مچھلی اس مقام پر زندہ ہو کر دریا میں چلی گئی اور سُرنگ کی طرح راستہ چھوڑ گئی۔ شاگرد نے اس منظر کو دیکھ لیا مگر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس واقعہ کی اطلاع دینا بھول گئے اور دونوں اس جگہ سے آگے روانہ ہو گئے۔

علمی بات: چلتے چلتے حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک جگہ پر پہنچے، وہاں چٹان تھی اور وہ اس کے سائے میں کچھ دیر آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے اور ان کے شاگرد یوشع بن نون جاگ رہے تھے۔ ان کے سامنے وہ مچھلی توشہ دان میں سے زندہ ہو کے پھڑکی اور نکل کے دریا میں داخل ہو گئی۔ جہاں سے وہ داخل ہوئی، وہاں راستہ اسی طرح بنا رہ گیا۔ یوشع بن نون تو چونکہ آئے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھتے تھے، ان کو یہ دیکھ کے حیرانی تو ہوئی کہ مچھلی زندہ ہو کے کیسے دریا میں داخل ہو گئی لیکن خیالات میں کچھ ایسے کھوئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بیدار ہوئے تو ان کو یہ ذکر کرنا یاد نہ رہا کہ مچھلی گم ہو گئی ہے۔

آیت نمبر ۶۲: سفر میں تھکاوٹ اور بھوک محسوس ہونے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے کھانا طلب کیا۔

علمی بات: ا۔ یعنی جب دور نکل گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھوک محسوس ہوئی اور مشقت و تھکن بھی زیادہ معلوم ہوئی تب خادم سے ناشتہ طلب کیا۔ خلاصہ یہ کہ مجمع البحرین (دو دریاؤں کے میلاپ اور اکھٹا ہونے کی جگہ) پر سونے کے بعد اٹھے تو بھوک نہ تھی جو کھانا مانگتے مچھلی کا کوئی ذکر نہیں آیا خادم کو بھی مچھلی کا واقعہ یاد نہیں آیا۔ نیز مقام مطلوب تک پہنچنے میں کوئی مشقت محسوس نہ ہوئی، مگر جب اس سے آگے چلے گئے تو پھر تھکاوٹ محسوس ہوئی۔ اس کی ایک حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ بھوک محسوس ہونے پر مچھلی یاد آجائے اور اپنے مقصد اور مقام مطلوب کی طرف لوٹ آئیں۔

۲۔ معلوم ہوا سفر کے لئے کھانا ساتھ لے جانا انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے اور توکل کے منافی نہیں۔ نیز بھوک، پیاس، تھکاوٹ، بھول، غرض انسان کو پیش آنے والی چیزیں بتقاضائے بشر انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی پیش آتی ہیں۔

آیت نمبر ۶۳: شاگرد نے مچھلی کے بھول جانے پر معذرت پیش کی۔ انہوں نے بھول جانے کی نسبت شیطان کی طرف کی۔ ہر بُری بات کی نسبت شیطان کی طرف کی جاتی ہے کیوں کہ اس کی ذات بُرائیوں کا مرکز ہے۔

علمی بات: ۱۔ بھول جانے کو شیطان کی طرف منسوب فرمایا ہے اس لئے کہ کسی نیکی کے کام سے غافل کرنا شیطان ہی کا کام ہے۔ نسیان کی نسبت شیطان کی طرف اس لئے کہ گئی ہے کہ شیطان کسی بھی اچھے کام میں مُمِدّ و معاون نہیں ہوا کرتا۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر جتنی بھی اس کارِ خیر میں زیادہ سے زیادہ تاخیر ہو وہی اس کا مقصود ہوتا ہے۔

۲۔ خادم نے عرض کیا آپ علیہ السلام نے ملاحظہ بھی فرمایا کہ جب ہم اس پتھر کے پاس ٹھہرے تھے تو میں وہاں مچھلی رکھ کر بھول گیا اور مجھ کو یہ بات کہ میں آپ علیہ السلام سے اس کا ذکر کرتا اور اس کے واقعہ کو بیان کرتا سوائے شیطان کے اور کسی نے نہیں بھلایا اور اس مچھلی نے زندہ ہو کر عجیب طریقہ سے اپنا راستہ دریا میں کر لیا اور دریا میں داخل ہو گئی۔ خادم کے تعجب کی وجہ یہ ہوئی کہ اوّل تو مچھلی کا زندہ ہو جانا پھر تھیلے میں سے نکل کر دریا میں گھس جانا پھر دریا میں گھسنا بھی اس انداز سے کہ سرنگ سی بناتے ہوئے دریا میں چلا جانا اور بطورِ خرقِ عادت دریا میں نشان کا بن جانا۔

آیت نمبر ۶۴: جس مقام پر مچھلی زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی تھی وہی مطلوبہ مقام تھا جہاں ان کی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے خاص بندہ سے ملاقات ہونی تھی۔ لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھی کے ہمراہ قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے واپس اس جگہ روانہ ہوئے۔

علمی بات: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے بندے! جہاں مچھلی زندہ ہو کر غائب ہوئی تھی، وہی تو ہمارا مطلوبہ مقام تھا، جس کی تلاش میں ہم سفر کر رہے ہیں ہمیں تو اُسی جگہ جانا مقصود تھا۔ اس سے خود بخود یہ اشارہ نکلتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ سفر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم سے تھا اور ان کو منزلِ مقصود کی علامت یہی بتائی گئی تھی کہ جہاں ان کے ناشتہ کی مچھلی غائب ہو جائے وہی مقام اس بندہ کی ملاقات کا ہے جس سے ملنے کے لئے وہ بھیجے گئے تھے۔

آیت نمبر ۶۵: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ایک خاص بندہ حضرت خضر علیہ السلام سے ہوئی۔ حضرت خضر علیہ السلام اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ایک نہایت برگزیدہ اور مقبول بندے اور خاص نیک بندوں میں سے ہیں۔ رحمت سے مراد وہ خصوصی انعامات ہیں جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اُنہیں عطا فرمائے تھے۔ اُنہیں اشیاء کی حقیقت کے علم سے بھی نوازا نیز اُنہیں تکوینی امور کے علم میں سے عطا کیا گیا۔

علمی بات: ۱۔ صحیح بخاری کی حدیث کے مطابق یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس چٹان کے پاس واپس پہنچے تو وہاں وہ چادر اوڑھے ہوئے لیٹے نظر آئے۔ صحیح بخاری کی حدیث کا مفہوم ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ بھی کہا تھا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مجھے ایک ایسا علم دیا ہے جو آپ (علیہ السلام) کے پاس نہیں (یعنی تکوینیات کا علم) اور آپ (علیہ السلام) کو ایسا علم دیا ہے جو میرے پاس نہیں (یعنی شریعت کا علم)۔

نوٹ: تکوینی علم کی تفصیلی وضاحت اس واقعہ کے آخر میں آیت نمبر: ۸۲ کے ذیل میں دی گئی ہے۔

۲۔ اس جگہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس خاص بندہ (جن سے مراد حضرت خضر علیہ السلام ہیں) کے دو وصف بیان کیئے ہیں اول "اٰتَیۡنٰہُ رَحۡمَۃً مِّنۡ عِنۡدِنَا"۔ "ہم نے ان کو اپنی خاص رحمت اور خاص عنایت سے سرفراز کیا تھا،" دوسرا وصف فرمایا "وَعَلَّمۡنٰہُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا"۔ "اور ہم نے ان کو اپنے پاس سے ایک خاص علم عطا کیا تھا" یعنی ہم نے ان کو اپنے پاس سے ایک باطنی علم سکھایا تھا، وہ علم ہمارے ساتھ خاص ہے جو ہمارے بغیر سکھائے اور بتائے کوئی اس علم کو نہیں جان سکتا، اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو اسرارِ غیبی، باطنی حکمتوں اور مصلحتوں کا علم عطا فرمایا تھا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو احکام شریعت و ہدایت کا علم عطا فرمایا تھا۔

۳۔ جمہور علماء کے نزدیک ان کا نبی ہونا خود قرآنِ کریم میں ذکر کیئے ہوئے واقعات سے ثابت ہے کیونکہ حضرت خضر علیہ السلام سے اس سفر میں جتنے واقعات ثابت ہیں ان میں بعض تو قطعی طور پر خلاف شرع ہیں اور حکم شریعت سے استثنیٰ (یعنی اس حکم کے مطابق عمل نہ کرنا) صرف وحی الٰہی کے ہی ہو سکتا ہے جو نبی اور پیغمبر علیہ السلام ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

آیت نمبر ۶۶: اپنی آمد کا مقصد بتاتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کو اپنے ساتھ رکھنے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے عطا کردہ علم میں سے سکھانے کی درخواست کی۔

علمی و عملی بات: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے باوجود اولوالعزم پیغمبر علیہ السلام ہونے کے حضرت خضر علیہ السلام سے تکریم کے ساتھ درخواست کی کہ میں آپ (علیہ السلام) سے آپ (علیہ السلام) کا علم سیکھنے کے لئے ساتھ چلنا چاہتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ تحصیل علم کا ادب یہی ہے کہ شاگرد اپنے استاذ کی تکریم اور پیروی کرے اگرچہ شاگرد اپنے استاذ سے کسی اعتبار سے افضل و اعلیٰ بھی ہو۔

آیت نمبر ۶۷: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر حضرت خضر علیہ السلام نے جواب دیا کہ وہ جو غیر معمولی کام انجام دیں گے ان کے ظاہری پہلو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام صبر نہیں کر سکیں گے۔

علمی بات: حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مجھ کو تکوینی امور اور حکمتوں کا وہ علم عطا کیا ہے جو آپ علیہ السلام کو نہیں دیا گیا اور اس نے آپ علیہ السلام کو تشریعی علوم کا جو علم عطا فرمایا ہے وہ مجھ کو عطا نہیں ہوا۔ حضرت خضر علیہ السلام چونکہ اپنے علم و کمال کی وجہ سے یہ جانتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام کا کام شریعتِ خداوندی کی پابندی کرانا نیز ظاہر شریعت اور احکام خداوندی کے خلاف کرنے والوں کو روکنا ہے۔ اگر کوئی ذرا سی بات ظاہری احکام شریعت کے خلاف دیکھیں گے تو برداشت نہ کر سکیں گے اور حقیقت حال معلوم ہونے سے پہلے رنجیدہ اور غمگین ہوں گے۔ اس لئے پہلے ہی اشارۃً آگاہ کر دیا کہ بعض امور فطرت اور مزاج کے خلاف پیش آئیں گے اور فرمایا کہ ساتھ رہنے اور علم حاصل کرنے میں تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن آپ میرے ان افعال کو دیکھ کر جو مخفی حکمتوں پر مبنی ہوں گے اپنے قواعد اور احکام ظاہری کے خلاف سمجھ کر نبوت کی شان کے مطابق صبر نہ کر سکیں گے۔

آیت نمبر ۶۸: حضرت خضر علیہ السلام نے یہ بھی ذکر کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جس بات کی حقیقت کا علم ہی نہیں اس پر وہ صبر نہ کر سکیں گے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے یہ بات اس لئے کہی کہ وہ کام بظاہر شرعی امور کے خلاف ہوں گے جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام شرعی امور پر مامور ہیں۔

علمی بات: حضرت خضر علیہ السلام کو معلوم تھا کہ ان اعمال پر حضرت موسیٰ علیہ السلام صبر نہیں کریں گے جن پر اُن کا علم محیط نہیں۔ اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب شریعت ہیں اور احکام شرعیہ اعمال ظاہری پر وارد ہوتے ہیں۔ اس لئے تکوینی علوم کے جو راز اُن پر منکشف کیئے گئے ہیں ایک صاحب شریعت رسول اس پر سکوت اختیار نہیں کر سکتا۔ اس لئے پہلے ہی اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ ایسے امور واقع ہوں گے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ضرور اعتراض کریں گے اس طرح حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے خود ہی معذرت کر لی۔

آیت نمبر ۶۹: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کو یہ جواب دیا کہ اگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے چاہا تو وہ صبر کا دامن نہیں چھوڑیں گے اور حضرت خضر علیہ السلام کی نافرمانی نہیں کریں گے۔

علمی بات: ۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کا تصور بھی نہ ہو سکتا تھا کہ ایسے مقرب و مقبول بندہ سے کوئی ایسا کام سرزد ہو جائے جو علانیہ ان کی شریعت بلکہ عام شرائع و اخلاق کے بھی خلاف ہو۔ اسی لئے انہوں نے مطیع رہنے کی حامی بھر لی۔ گویا دراصل ان کا وعدہ یہ تھا کہ امور جائز میں خضر علیہ السلام کا ساتھ دیتا رہوں گا اس پر بھی اتنی احتیاط رکھی کہ لفظ ان شاء اللہ کہہ لیا جس سے اقرار عہد و پیمان پیدا نہیں ہونے پایا۔ ورنہ ایک قطعی وعدہ کی خلاف ورزی کرنا اولوالعزم پیغمبر کی شان کے لائق نہ ہوتا۔

۲۔ ایک طالب علم کے لئے پہلی چیز یہ ہے کہ استاد کے احکام کی اطاعت کرے، اس پر اعتراض و مخالفت سے بچے اور اپنی طرف سے انتہائی فروتنی اور عاجزی اختیار کرے۔

آیت نمبر ۷۰: یقین دہانی کے بعد حضرت خضر علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ساتھ رکھنے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے عطا کردہ علم میں سے سکھانے پر آمادہ ہوگئے۔ ساتھ ہی یہ شرط پیش کی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی چیز کے متعلق سوال نہ کریں جب تک وہ خود اس کام کی حقیقت سے آگاہ نہ کردیں۔

علمی بات: ۱۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اس سفر میں میرے بعض قول و فعل اگر آپ (علیہ السلام) کو ناگوار اور عجیب معلوم ہوں اور ان کی حقیقت آپ (علیہ السلام) نہ سمجھ سکیں تو آپ علیہ السلام اس کے متعلق کچھ دریافت نہ کریں اور نہ کوئی اعتراض کریں جب تک کہ میں خود ہی اس کی تشریح نہ کردوں اور سبب و حکمت نہ بتلادوں۔

۲۔ آداب میں سے یہ بھی ہے کہ شاگرد استاد کے افعال پر زبان اعتراض نہ کھولے اور منتظر رہے کہ وہ خود ہی معاملات کی اس کی حکمت ظاہر فرمادے۔

آیت نمبر ۷۱: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم سیکھنے کی درخواست پر حضرت خضر علیہ السلام کی اپنے ساتھ لے جانے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ دونوں ایک کشتی میں سوار ہوئے اور حضرت خضر علیہ السلام نے اس کشتی میں سوراخ کردیا۔ اس منظر کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام صبر نہ کرسکے اور اس فعل کو نہایت ہولناک قرار دیا۔ ان کا اعتراض اس بنا پر تھا کہ کشتی میں سوار لوگ ڈوب جائیں گے۔

علمی بات: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ کاروائی دیکھی تو وہ رہ نہ سکے۔ ان میں وہ جوش بھڑک اٹھا جو ان کے اندر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے غیرت دینی اور حمیت الٰہی کی وجہ سے رکھا گیا تھا اور اس کیفیت میں وہ حضرت خضر علیہ السلام سے اپنی طے شدہ بات بالکل بھول گئے۔

علمی و عملی بات: اچھی کشتی کو عیب دار بنانا اور چھوٹے بچے کو ہلاک کرنا بظاہر ایسے کام ہیں جو صحیح نہیں۔ مگر اگلی آیات میں ذکر ہے کہ اس میں نہایت گہری مصلحت چھپی ہوئی تھی۔ نیز یہ بظاہر غلط کام حقیقت کے اعتبار سے بالکل صحیح اور مفید تھا۔

آیت نمبر ۷۲: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعتراض کرنے پر حضرت خضر علیہ السلام نے اُنہیں اپنے ساتھ رہنے کی شرط یاد دلائی۔

علمی بات: حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی شرط یاد دلائی کہ میں نے تو آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ آپ میرے کسی عمل پر اعتراض نہیں کریں گے اس لئے کہ آپ علیہ السلام کو اس کا سبب معلوم نہیں ہے۔

آیت نمبر ۷۳: طے کردہ شرط بھول جانے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے مواخذہ نہ کرنے اور درگزر کرنے کی درخواست کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ان پر سختی نہ کریں اور اپنے ساتھ رکھیں تاکہ علم خاص میں سے سیکھ سکیں۔

علمی بات: ۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے عمل کو دیکھ کر جو ظاہراً معصیت تھا اس سے قدرتی طور پر اتنا متاثر ہوئے کہ حضرت خضر علیہ السلام کی ہدایت کا بھی پاس و لحاظ نہ رہا۔ ذہن سے ان کی ہدایت نکل گئی اور آپ علیہ السلام ٹوک بیٹھے۔ یہاں بھول، بقول بعض مفسرین کرام ترک کے معنوں میں ہے کہ میں نے جو معاملہ آپ کے ساتھ کیا تھا اس پر عمل کرنا ترک ہوا۔ اس پر معذرت چاہتا ہوں۔

۲۔ معلّم سے نامناسب عمل سرزد ہوتے دیکھ کر ردِ عمل کا ظاہر ہونا فطری اور اس پر برہم ہونا قدرتی بات تھی۔ ایک طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام اور معلّم میں طے شدہ معاملہ ہے دوسری طرف اس خلاف ورزی پر ردِ عمل قدرتی و فطری ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طے شدہ معاملہ پر غالب آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: کہ میری بھول پر مجھ سے مواخذہ نہ کیجئے اور میرے اس کام میں مجھ پر سختی اور دشواری نہ ڈالیئے۔

آیت نمبر ۷۴: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر حضرت خضر علیہ السلام نے ان کو ساتھ رکھا۔ چنانچہ کشتی کا سفر طے کرنے کے بعد دونوں خشکی کے راستہ پر چل پڑے۔ اُنہیں راستہ میں ایک لڑکا ملا جسے حضرت خضر علیہ السلام نے قتل کرڈالا۔ ایک بے گناہ کو قتل کرنا تو کشتی کو عیب دار بنانے سے زیادہ سخت تھا۔ لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پر اعتراض کیا۔

علمی بات: حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کشتی سے اترنے کے بعد پیدل چلتے ہوئے ایک بستی کے قریب پہنچے وہاں ایک جگہ چند لڑکے کھیل رہے تھے حضرت خضر علیہ السلام نے ان میں سے ایک نو عمر نابالغ لڑکے کو جو ان کے علم کے مطابق کافر تھا پکڑ کر قتل کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس واقعہ کو دیکھ کو جو بظاہر کشتی کے واقعہ سے بھی سخت ظلم تھا کیسے خاموش رہ سکتے تھے۔ کیوں کہ یہ بظاہر شریعت کے حکم کے خلاف تھا۔ فوراً حضرت خضر علیہ السلام سے کہنے لگے کہ آپ نے یہ کیا ظلم کیا، بلا قصور ایک ایسی جان کا خون کر دیا جس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ یہ تو آپ علیہ السلام نے بڑا غیر مناسب کام کیا۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "وہ لڑکا جس کو خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا وہ طبعاً کافر پیدا کیا گیا تھا اگر وہ زندہ رہتا تو اپنے والدین کو زبردستی کفر اور سرکشی پر مجبور کرتا۔" (صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

آیت نمبر ۷۵: طے کردہ شرط کی دوسری بار خلاف ورزی کرنے پر حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرط کی یاد دہانی کرائی کہ ایسے حالات و واقعات دیکھنے میں آئیں گے جن پر وہ خاموشی کے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے۔ آخر وہی ہوا۔

علمی بات: ۱۔ احکام شریعت کی خلاف ورزی پر تحمل جب عام صالحین سے نہیں ہو سکتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام تو ظاہر ہے کہ پیغمبر برحق تھے۔ آپ علیہ السلام کا کام ہی ہر قسم کی بدی کو روکنا اور نیکی کو پھیلانا تھا۔ آپ علیہ السلام بھلا کیسے خاموش رہ سکتے تھے۔

۲۔ خیال رہے کہ خوف کفر پر قتل کر دینا اب کسی کے لئے جائز نہیں خواہ کوئی ولی ہو یا عالم۔ یہ حضرت خضر علیہ السلام کی خصوصیات میں سے تھا۔

آیت نمبر ۷۶: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کو جواب دیا کہ اس بار بھی ان سے درگزر کر لیں اور آئندہ پھر اعتراض کرنے پر اُنہیں اپنے ساتھ نہ رکھیں کیونکہ اس وقت حضرت خضر علیہ السلام کے پاس معقول عذر ہو گا کہ وہ اُنہیں اپنے ساتھ نہ رکھیں۔

فرمانِ نبوی ﷺ: خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، میری آرزو تھی کہ کاش! حضرت موسیٰ علیہ السلام صبر کرتے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے مزید واقعات سناتا۔" (صحیح بخاری)

آیت نمبر ۷۷: حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام سفر کرتے ہوئے ایک بستی میں جا پہنچے۔ بستی والوں سے کھانا طلب کرنے پر بستی والوں نے انکار کر دیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے بستی میں ایک دیوار دیکھی جو گرنے کی قریب تھی تو حضرت خضر علیہ السلام نے اس کی تعمیر کر کے اسے درست کر دیا۔ بستی والوں پر حضرت خضر علیہ السلام کے اس بلا معاوضہ احسان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام خاموش نہ رہ سکے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت خضر علیہ السلام اس محنت کا معاوضہ بستی والوں سے وصول کر سکتے تھے۔

علمی بات: جمہور مفسرین کرام کے نزدیک یہ کام حضرت خضر علیہ السلام سے خرق عادت اور معجزانہ طور پر صادر ہوا۔ بعض مفسرین کرام کی رائے یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے اس کو گرا کر دوبارہ بنایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دونوں قول مروی ہیں۔ بہر کیف لفظوں میں دونوں کا احتمال موجود ہے اور دونوں میں دو عظیم درس موجود ہیں: ۱۔ پہلی صورت میں یہ ایک معجزانہ عمل ہو گا جو خرق عادت آپ علیہ السلام کے ہاتھ پر ظاہر فرمایا گیا۔ ۲۔ دوسری صورت میں یہ مکارمِ اخلاق اور خدمت خلق کا ایک اعلیٰ نمونہ اور نمایاں عملی مظہر ہو گا اور وہ بھی ان لوگوں کے ساتھ جنھوں نے ان کی مہمانی کرنے اور ان کو کھانا کھلانے سے بھی انکار کر دیا تھا۔

آیت نمبر ۷۸: طے شدہ معاملہ کی تیسری مرتبہ خلاف ورزی ہونے پر حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ساتھ رکھنے سے معذرت کر لی۔ جدائی سے پہلے حضرت خضر علیہ السلام نے تینوں واقعات کی حقیقت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آگاہ کیا۔

آیت نمبر۷۹: کشتی کا معاملہ یہ تھا کہ کشتی چند مسکین لوگوں کی معاش کا سہارا تھی۔ اس علاقہ میں ایک ظالم بادشاہ تھا جو ہر اس کشتی کو اپنے قبضہ میں لے لیتا جو صحیح سالم ہوتی تھی۔ اگر کشتی ان مساکین سے چھین لی جاتی تو ان کا روزگار ہی بند ہو جاتا۔ لہٰذا کشتی کو عیب دار بنا دیا گیا تاکہ وہ غصب ہونے سے بچ جائے۔

علمی بات: حضرت خضر علیہ السلام کا مقصود یہ تھا کہ اس کشتی کا تختہ اکھاڑنے سے میری غرض یہ نہیں تھی کہ اس میں بیٹھنے والے سواروں کو میں غرق کردوں بلکہ اس سے میرا یہ مقصد تھا کہ جس راستہ پر یہ جا رہے ہیں اس میں آگے چل کر ایک ظالم بادشاہ آتا ہے جو ہر اس کشتی کو چھین لیتا ہے جو بے عیب ہو۔ اس لئے میں نے اس کشتی کو عیب دار بنا دیا تاکہ یہ کشتی اس ظالم بادشاہ کے چھیننے سے محفوظ رہے۔ معلوم ہوا کہ زیادہ نقصان سے بچنے کے لئے کم نقصان کو برداشت کر لینا بہتر ہے۔

آیت نمبر۸۰: لڑکے کے معاملہ کی حقیقت یہ ہے کہ لڑکے کے والدین مومن تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام کو علم عطا کیا گیا تھا کہ لڑکا بڑا ہو کر گمراہی کا راستہ اختیار کرے گا۔ بظاہر لڑکے کا قتل ناحق تھا لیکن وہ اپنے ساتھ اپنے نیک والدین کو بھی گمراہ کرنے کا باعث بن جاتا ہے۔

آیت نمبر۸۱: لڑکے کے قتل کا معاملہ بڑا سنگین تھا۔ نسبت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف کر کے بات بیان ہوئی ہے۔ اس لڑکے کے نعم البدل کے طور پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس کے والدین کو دوسری اولاد عطا کرے جو عمل و اخلاق میں پاکیزہ ہو اور والدین کی فرماں برداری میں اس سے بہتر ہو۔

علمی بات: ۱۔ اس قتل کو عام احکام پر قیاس نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ ایک استثنائی صورت تھی جو حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ مخصوص تھی جس کو صاحب شریعت موسیٰ علیہ السلام پر بھی واضح کر دیا گیا۔ حضرت خضر علیہ السلام کو ایک کافر لڑکے کے قتل کرنے کا حکم ان کے نبی یا خاص برگزیدہ بندہ ہونے کی حیثیت میں مخصوص طور پر دیا گیا تھا۔ اس لئے نہ اس پر کوئی اعتراض وارد ہوتا ہے اور نہ دوسروں کے لئے یہ وجہِ جواز بن سکتا ہے۔

۲۔ لڑکے کے والدین چونکہ صالح تھے اس لئے ان کے رب نے چاہا کہ اس لڑکے کی جگہ اُنہیں ایک ایسا فرزند عطا فرمائے جو پاکیزہ نفسی و پرہیزگاری میں اس سے بہتر اور مروّت و دردمندی میں اس سے بڑھ کر ہو۔ چنانچہ وقتی طور پر تو لڑکے کے فوت ہونے سے والدین پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہو گا لیکن حقیقت میں یہ سب کچھ ان کی بہتری کے لئے ہی کیا گیا تھا۔

۳۔ یہ واقعہ بتاتا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے بندوں کی مدد کہاں کہاں سے فرماتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ ایسے معاملہ میں بھی ان کی مدد کرتا ہے جس کا اُنہیں علم تک نہیں ہوتا کہ وہ اس کے لئے اپنے رب سے درخواست کر سکیں۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ ہمیشہ صبر و شکر کا رویہ اختیار کرے۔ وہ ہر حال میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے خیر کی اُمید رکھے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کلی علم رکھتا ہے، اس لئے وہ کسی بندے کی بھلائی کو اس سے زیادہ جانتا ہے جتنا انسان جزئی علم کی بنا پر نہیں جان سکتا۔

آیت نمبر۸۲: دیوار کو بنا دینے کی حکمت یہ تھی کہ دیوار کے نیچے دو یتیم بچوں کی وراثت ایک خزانہ کی صورت میں دفن تھی جن کا باپ ایک نیک آدمی تھا۔ دیوار گر جاتی تو وہ خزانہ بستی والوں کے ہاتھ آ جاتا۔ یتیم بچوں کے ساتھ یہ خیر خواہی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مہربانی تھی تاکہ بڑے ہو کر اُنہیں ان کا حق مل جائے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے یہ تمام کام اپنی رائے اور مرضی سے نہیں کیئے بلکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم سے انجام دیئے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رحمت کے مظاہر ہیں۔ یہ ہے ان واقعات کی حقیقت جن پر صبر نہ کرنے کی وجہ سے حضرت خضر علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ نہ رکھ سکتے تھے۔

علمی بات: ۱۔ بستی والوں کے ناروا سلوک کے باوجود دیوار بلا معاوضہ کھڑا کرنے کی خدمت حضرت خضر علیہ السلام نے اس لئے انجام دی کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اُنہیں یہ خبر دے دی تھی کہ اس دیوار کے نیچے یتیموں کا مال دفن ہے۔ اگر دیوار گر جاتی تو کوئی شخص بھی مال نکال کر ہڑپ کر سکتا تھا جبکہ بستی کے لوگ بداخلاق تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے بستی والوں کے سلوک کو جو ان کے ساتھ کیا گیا تھا خاطر میں نہ لاتے ہوئے دیوار کی مرمت کر دی۔ یہ بڑے خیر کا کام تھا جو حضرت خضر علیہ السلام نے انجام دیا۔

۲۔ والدین کی صلاحیت اور نیکی اولاد کے لئے فائدہ مند ہوتی ہے اور والد کی نیکی کا صلہ اولاد کو اُن کی زندگی میں ملتا رہتا ہے۔

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس سفر کی داستان کو بیان کرنے سے مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ تکوینی طور پر ایسے واقعات پیش آتے ہیں جن کے حقیقی مصالح پر پردہ پڑا رہتا ہے۔ ظاہر بین نگاہیں ان کو دیکھ نہیں پاتیں لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت و ربوبیت پس پردہ کام کر رہی ہوتی ہے۔ لہٰذا کفر و اسلام کی کشمکش میں اہل ایمان کو اگر ناساز حالات سے گزرنا پڑ رہا ہو تو اس سے رنجیدہ نہیں ہونا چاہیئے۔ عجب نہیں کہ اس سے بہت بڑا خیر ابھر آئے اور اس کی رحمتوں کا جو بادلوں میں چھپی ہوئی ہیں ان پر نزول ہو۔ اس لئے اہل ایمان کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے صبر سے کام لیں۔

دوسرا سبق جو اس قصّہ سے دینا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ یہ دنیا حادثات اور واقعات کی دنیا ہے اور اس کے پیچھے جو عظیم مصالح ہیں ان پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ ضروری ہے کہ ایک دن ایسا آئے جب حقیقت کو بے نقاب کیا جائے تاکہ لوگوں پر ظاہر ہو جائے کہ دنیا اندھیر نگری نہیں تھی بلکہ ایک علیم و حکیم ہستی کا منصوبہ تھا جس کی پشت پر عظیم مصلحتیں کار فرما تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت کا دن اسی لئے مقرر کیا ہے تاکہ دنیا کے اسرار پر سے پردہ اٹھ جائے اور دنیا کے بارے میں صحیح اور غلط نقطہ نظر رکھنے والوں کو اپنے اپنے عمل کا بدلہ ملے۔

آیت نمبر ۸۳: قریش مکہ نے یہود کے کہنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سوالات پوچھے۔ ایک سوال ذوالقرنین بادشاہ کے بارے میں تھا کہ ذوالقرنین کون تھے؟ جس کا جواب دیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ وہ ایک نیک انسان تھے جو لوگوں کی خدمت کرنے کو سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے اور اتنے بڑے بادشاہ ہونے کے باوجود ان میں غرور تکبر نہ تھا۔

علمی بات: ا۔ مشرکین نے حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سوالات کیئے تھے۔ ان میں سے ایک سوال یہ تھا کہ اس شخص کا حال بتائیں جس نے مشرق سے مغرب تک پوری دنیا کا سفر کیا تھا، یہاں سے اس سوال کا جواب دیا جارہا ہے۔ قرآنِ کریم نے بتایا ہے کہ اس شخص کا نام ذوالقرنین تھا، ذوالقرنین کے لفظی معنیٰ ہیں دو سینگوں والا۔ یہ کسی نامعلوم وجہ سے ایک بادشاہ کا لقب تھا، قرآنِ کریم نے اس بادشاہ کی تفصیلات نہیں بتائیں کہ وہ کون تھا؟ اور کس زمانہ میں تھا؟ البتہ ہمارے زمانہ کے بیشتر محققین کا رجحان یہ ہے کہ وہ ایران کا بادشاہ سائرس "ذوالقرنین" تھا۔ (اس کا دورِ حکومت ۵۵۹ قبلِ مسیح تا ۵۲۹ قبلِ مسیح ہے۔ اِسے یونانیوں نے سائرس (Cyrus)، عبرانیوں نے غورش اور عربوں نے کیخسرو کہا ہے۔)

۲۔ ذوالقرنین کی فتوحات کے سلسلہ میں تین مہمات کا ذکر تاریخ میں بھی ملتا ہے۔ ان مہمات میں ایران سے مغرب میں بحیرہ روم (Mediterranian) تک پورے علاقہ کی تسخیر، مشرق میں بلوچستان اور مکران تک لشکر کشی اور شمال میں بحیرہ خزر (Caspian Sea) اور بحیرۂ اسود (Black Sea) کے درمیانی پہاڑی علاقہ کی فتوحات شامل ہیں۔

۳۔ یہود کے اس سوال سے یہ بات آپ ہی واضح ہے کہ ان کے نزدیک ذوالقرنین کی شخصیت معروف تھی اور اس کا یہ لقب پہلے سے چلا آرہا تھا اس لئے قرآنِ حکیم نے اس عالمگیر فاتح کی عظیم الشان فتوحات کا ذکر کرتے ہوئے اس کی سیرت کے ان پہلوؤں کو نمایاں کیا جن سے اس کی خداخوفی، عدل پسندی اور اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہی کے شدید احساس کا اظہار ہوتا ہے۔ اس لقب سے اس کے مشہور ہونے کی وجہ غالباً یہ تھی کہ اس کی سلطنت مغرب اور مشرق میں دور دور تک وسیع ہو گئی تھی اور غالباً یہ پہلا حکمران ہے جس کی حکومت انسانی آبادی کے بہت بڑے حصے پر قائم ہو گئی تھی۔

آیت نمبر ۸۴: ذوالقرنین کو اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم سلطنت سے نوازا تھا۔ اس کے علاوہ علم، طاقت اور ایسے تمام وسائل مہیا کیئے تھے جن سے کام لے کر انہوں نے بہت بڑی فتوحات حاصل کیں۔

علمی بات: لفظ "سبب" عربی لغت میں ہر اس چیز کے لئے بولا جاتا ہے جس سے اپنے مقصد حاصل کرنے میں مدد لی جاتی ہے جس میں مادی آلات ووسائل بھی شامل ہیں اور علم وبصیرت وتجربہ وغیرہ بھی۔ مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ سے مراد وہ تمام امور ہیں جن کی ضرورت نظامِ سلطنت کے لئے ایک بادشاہ اور حکمران کو پیش آتی ہے مراد یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے حضرت ذوالقرنین کو عدل وانصاف قائم کرنے اور امن عالم کے قیام اور فتوحات ممالک کے لئے جس جس سامان کی ضرورت اس زمانہ میں تھی وہ سب کے سب ان کو عطا کر دیئے گئے تھے۔

آیت نمبر ۸۵: ذوالقرنین نے نیکی اور عدل کے نظام کی توسیع کے لئے اطراف کے ممالک کی طرف مہم جوئی کا منصوبہ بنایا۔ ان کا پہلا سفر مغرب کی طرف تھا۔

علمی بات: "اتباع" کے معنٰی پیچھے لگنے، درپے ہونے، تعاقب کرنے کے ہیں۔ "اَتۡبَعَ سَبَبًا" کے معنٰی ہوں گے اس نے وسائل وذرائع کا جائزہ لیا، اس کا اہتمام کیا۔ پھر یہیں سے ذرا وسیع معنٰی میں یہ کسی مہم کی تیاری کے لئے استعمال ہوا۔

آیت نمبر ۸۶: ذوالقرنین بادشاہ کا زمین کی مغربی سمت کی انتہا تک پہنچنے کا بیان ہے۔ عین سے مراد چشمہ یا سمندر ہے۔ وہاں پہنچ کر غروب آفتاب کے وقت اُنہیں محسوس ہوا جیسے سورج سیاہی مائل گدلے پانی میں ڈوب رہا ہے۔ ذوالقرنین نے وہاں ایک ایسی قوم پر غلبہ پایا جو کافر تھی۔ اُنہیں اختیار دیا گیا کہ وہ چاہیں تو قوم کے ساتھ سخت رویہ اختیار کریں یا دعوت وتبلیغ سے اُنہیں اسلام لانے پر آمادہ کریں۔

علمی بات: ۱۔ ذوالقرنین نے سب سے پہلے مغرب کا رخ کیا اور مختلف ممالک فتح کرتا ہوا وہ ایشیائے کوچک (Asia Minor) کے مغربی ساحل تک پہنچ گیا جہاں زمین اور آبادی ختم ہو گئی اور تاحد نگاہ پانی ہی پانی تھا جو چھوٹی چھوٹی خلیجوں کی وجہ سے سیاہ کیچڑ کے چشمے کی طرح نظر آتا تھا اور اس کی لہروں میں سورج ڈوب رہا تھا۔ اگرچہ سورج تو زمین اور سمندر سے بہت بڑا ہے اور وہ اپنے مدار میں متحرک رہتا ہے اور کہیں ڈوبتا نہیں مگر سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر غروب آفتاب کا نظارا کرنے والے کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا سورج پانی میں ڈوب رہا ہے۔

۲۔ مغرب میں سمندر کے قریب وہ قوم آبادی تھی جس نے ذوالقرنین کے ملک پر حملہ کیا تھا اور اس کا تاج وتخت چھیننے کی کوشش کی تھی۔ اب وہ قوم ذوالقرنین کے قبضہ میں آ گئی تو اللہ ﷻ نے ذوالقرنین کے دل میں اس طرح بات ڈال دی جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں ڈالی تھی۔ کہ وہ موسیٰ (علیہ السلام) کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دیں۔ اسی طرح اللہ ﷻ نے ذوالقرنین کے دل میں بھی یہ بات ڈال دی کہ چاہے تو اس قوم سے بدلہ لے کیونکہ اس نے ذوالقرنین کے ملک پر حملہ کیا تھا اور چاہے تو اسے معاف کر دے۔

آیت نمبر ۸۷: ذوالقرنین نے دوسری راہ اختیار کی اور قوم کو وعظ ونصیحت کے ذریعہ اسلام کی دعوت اور تعلیم دی۔ انہوں نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ قوم میں سے جو کفر اور بدامنی کر کے اپنے اور دوسروں پر ظلم کرے گا اسے دنیا میں سزا دی جائے گی۔ پھر قیامت کے دن اپنے رب کے حضور پیش ہونے پر بھی سخت ترین عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

علمی بات: ۱۔ ذوالقرنین نے دوسری راہ اختیار کی کہ اس قوم کو پوری طرح سمجھایا جائے اور اُنہیں اسلام کی دعوت دی جائے اور یہ فیصلہ کیا کہ اس کے نتیجہ میں جو لوگ اکڑ جائیں گے اور ظالموں کی روش اختیار کریں گے ہم صرف اُنہیں ہی سزا دیں گے اور اُنہیں سے سختی کا برتاؤ کریں گے پھر موت کے بعد جب ایسا آدمی اللہ ﷻ کی بارگاہ میں پیش ہوگا تو وہ اسے سخت عذاب بھی دے گا۔

۲۔ ذوالقرنین نے جس وقت اقتدار سنبھالا اس وقت اس کے اطراف میں ظالمانہ حکومتیں قائم تھیں چنانچہ بابل (عراق) کی حکومت ظلم وجور کا بدترین نمونہ تھی جس نے بنی اسرائیل کو قید وبند کی زندگی گزارنے کے لئے مجبور کیا تھا۔ ان ظالم حکمرانوں کے ظلم سے نجات دلانے کا کام اللہ ﷻ نے جس کے ہاتھ سے لیا وہ ذوالقرنین تھا۔ اس نے انسانیت کو ظلم وفساد سے نجات دلانے کے لئے یہ اقدامات کیئے تھے۔

آیت نمبر ۸۸: ذوالقرنین کے خطاب کا مزید بیان ہے۔ دعوتِ حق کو قبول کرکے ایمان اور نیک اعمال انجام دینے والے اللہ ﷻ کے یہاں بہتر اجر کے مستحق ہوں گے۔ دنیا میں بھی ان کے ساتھ نرمی اور خیر خواہی کا سلوک کیا جائے گا۔

علمی بات: اس سے واضح ہوا کہ ذوالقرنین کے پیش نظر صرف یہی مقصد نہیں تھا کہ مظلوم قوموں کو ظالم حکمرانوں کے پنجہ سے چھڑائیں بلکہ یہ اعلیٰ مقصد بھی پیش نظر تھا کہ لوگوں کو توحید کی راہ دکھادی جائے اور آخرت کی جوابدہی کا شعور پیدا کرکے ایک صالح زندگی گزارنے کے لئے آمادہ کیا جائے۔ ذوالقرنین کے ان اقدامات سے جن کا ذکر قرآنِ حکیم نے کیا ہے ایک بہت بڑی اصولی بات یہ بھی واضح ہوتی ہے کہ اس پاکیزہ مقصد کے پیش نظر جنگی اقدامات کرنا جائز ہے۔ فی الحقیقت جو بادشاہ عادل ہو اس کی یہی راہ ہوتی ہے۔ بُروں کو سزا دے اور نیکوں سے نرمی کرے۔ ذوالقرنین نے یہی طریقہ اختیار کیا۔

آیت نمبر ۸۹: مغرب میں فتح حاصل کرنے کے بعد ذوالقرنین نے مشرق کی طرف دوسرا سفر اختیار کیا۔

علمی بات: مغرب کے سفر کے بعد ذوالقرنین نے مشرق کے ممالک کا رخ کیا اور مشرقی جانب کی راہ پر چل دیئے۔

آیت نمبر ۹۰: علاقے فتح کرتے ہوئے ذوالقرنین اس جگہ پہنچ گئے جہاں مشرق کی جانب کافی آبادی تھی۔ وہاں ایک ایسی قوم کو پایا جو دھوپ سے بچاؤ کی کوئی تدبیر نہیں جانتی تھی۔

علمی بات: یہ ذوالقرنین کے دوسرے سفر کا ذکر ہے۔ اس سفر میں وہ دنیا کی انتہائی مشرقی آبادی تک جا پہنچے تھے۔ ذوالقرنین اپنی مشرقی مہم میں بلخ تک پہنچے جو افغانستان میں ہے اور دوسری طرف مکران تک جو بلوچستان میں ہے اس کے آگے پہاڑی سلسلہ تھا۔ یہاں کچھ غیر متمدن لوگ رہتے تھے، ان میں مکان بنانے اور چھتیں ڈالنے کا دستور نہیں تھا، سب کھلے میدان میں رہتے تھے، اس لئے دھوپ سے بچاؤ کے لئے کوئی اوٹ نہیں تھی، بلکہ سورج کی کرنیں ان پر براہ راست پڑتی تھیں۔ یعنی اس سرزمین پر نہ قدرتی کچھ پہاڑ درخت ایسے تھے کہ ان کی آڑ سے وہ لوگ دھوپ سے بچ سکیں۔ وہ صحرا میں خانہ بدوشی کی زندگی گزار رہے تھے اور وحشی پن کے سبب سے نہ اتنی عقل ان لوگوں میں تھی کہ مکانات اور عمارتیں بنانا تو درکنار خیمے تک بنانا نہ جانتے تھے۔

آیت نمبر ۹۱: کذالك (اسی طرح) کے دو مفہوم ہیں: ۱۔ ذوالقرنین نے جو طرزِ عمل مغرب والوں کے ساتھ کیا تھا وہی مشرق والوں کے ساتھ کیا کہ دعوتِ حق پر ایمان لانے والوں کے لئے آسانی اور انکار کرنے والوں کو سزا کی تنبیہ دی۔ ۲۔ اللہ ﷻ ذوالقرنین کی صلاحیتوں، اسباب، وسائل اور جن حالات سے اُنہیں سابقہ پیش آیا ان سے خوب باخبر ہے۔

علمی بات: ذوالقرنین بادشاہ کے بارے میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے واقعہ اسی طرح ہے۔ اللہ ﷻ نے ذوالقرنین کو ایسے وسائل عطا فرمائے جن کی وجہ سے اس نے وقت کی معلوم دنیا کے مغرب سے لیکر مشرق تک غلبہ حاصل کرلیا۔ نیز اللہ ﷻ کے علم میں ہے کہ اس کے پاس کس قدر سپاہ تھی اور اس کے پاس کیا کیا سامان تھا۔

آیت نمبر ۹۲: مغرب و مشرق کی فتح کرنے کے بعد اب ذوالقرنین نے شمال کی طرف سفر کرنا شروع کیا۔

علمی بات: ذوالقرنین بادشاہ کی تیسری مہم اس علاقہ تک تھی جہاں یاجوج ماجوج کے حملے ہوا کرتے تھے۔ یہ یقیناً اُن کی شمالی مہم تھی جس میں وہ بحر خزر (Caspian Sea) کو داہنی طرف چھوڑتا ہوا کاکیشیا (قفقاز) کے سلسلہ کوہ تک پہنچ گیا تھا اور وہاں انہیں ایک درہ ملا تھا جو دو پہاڑی دیواروں کے درمیان تھا۔ اسی راہ سے یاجوج ماجوج آکر اس طرف کے علاقہ میں تباہی مچایا کرتے تھے اور یہیں انہوں نے دیوار تعمیر کی۔

آیت نمبر ۹۳: وہ ایسے مقام پر پہنچے جہاں دو پہاڑ ایک دوسرے کے مقابل تھے اور ان کے درمیان گھاٹی تھی۔ وہاں اُنہیں ایک ایسی قوم پر فتح حاصل ہوئی جو لوگوں سے دوری کی وجہ سے اپنی زبان کے علاوہ کوئی اور زبان نہیں جانتی تھی۔

علمی بات: ا۔ یہ ذوالقرنین بادشاہ کی تیسری مہم ہے۔ قرآنِ کریم نے اس مہم کی سمت متعین نہیں فرمائی، لیکن بیشتر مفسرین کرام کا خیال یہ ہے کہ یہ سفر شمال میں دنیا کی انتہائی آبادی کی طرف ہوا تھا، یہاں کے لوگوں کی زبان بالکل مختلف تھی اور شاید حلیہ بھی ایسا ہو کہ ان میں سمجھ کے آثار نظر نہ آتے ہوں اور آگے ان سے جو گفتگو ہوئی ہے وہ یا تو کسی ترجمان کے ذریعہ ہوئی ہوگی یا اشاروں سے۔

۲۔ نقشہ میں یہ مقام دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام مغربی ایشیا نیچے ہے اوپر شمال میں بحر خزر ہے۔ اس سے بائیں جانب شمال مغرب میں بحر اسود ہے۔ درمیان میں بحر خزر کے مغربی ساحل سے بحر اسود کے مشرقی ساحل تک کا کیشیا کا سلسلہ کوہ چلا گیا ہے۔ ان دو سمندروں اور درمیان کے سلسلہ کوہ نے مل کر سینکڑوں میلوں تک ایک قدرتی روک پیدا کر دی ہے، اب اس روک میں اگر کوئی شگاف رہ گیا تھا جہاں سے شمالی اقوام کے قدم اس روک کو پھلانگ سکتے تھے تو وہ صرف یہی دو پہاڑوں کے درمیان کی راہ تھی ذوالقرنین نے اسے بھی بند کر دیا اور اس طرح شمال اور مغربی ایشیا کا یہ درمیانی پھاٹک پوری طرح بند ہو گیا۔

آیت نمبر ۹۴: یہ قوم یاجوج ماجوج کی لوٹ مار اور قتل و غارت سے عاجز آچکی تھی جو گھاٹی سے گزر کر آتی تھی۔ ذوالقرنین کے حُسنِ سلوک، قوت اور عقل و ہنر سے متاثر ہو کر قوم نے یاجوج ماجوج سے حفاظت کے لئے دیوار بنانے کی درخواست کی۔ اس سلسلہ میں آنے والی لاگت ادا کرنے کی پیش کش بھی کی۔

علمی بات: ا۔ ذوالقرنین کا اقتدار دیکھتے ہوئے قوم نے یاجوج ماجوج سے حفاظت کے لئے اور اپنی مصیبت سے چھٹکارا کے لئے (اشارہ وغیرہ کے ذریعہ) عرض کیا کہ اے ذوالقرنین! یاجوج ماجوج زمین میں فساد مچاتے ہیں۔ گھاٹی کے اس طرف رہتے ہیں یہ لوگ ہم پر حملہ آور ہو کر قتل و غارت گری کرتے ہیں اور ہم ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے۔ تو کیا آپ ایسا کر سکتے ہیں کہ ہم آپ کے لئے کچھ مال جمع کر دیں اور اس شرط پر آپ کو دے دیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان روکنے والی ایک آڑ بنا دیں۔ تاکہ وہ ہماری طرف نہ آسکیں۔

۲۔ یاجوج ماجوج نہایت فسادی قوم ہے اور نسل انسانی میں سے ہے ان کی تعداد دوسری نسل انسانی کے مقابلہ میں زیادہ ہوگی۔ قیامت سے قبل ان کا ظہور بھی ہوگا اور یہ زمین پر خوب تباہی بھی مچائیں گے پھر ایک وبا سے ہلاک ہوں گے۔

۳۔ یاجوج و ماجوج (Gog & Magog) سے مراد وہ قومیں ہیں جو کوہ قاف (Caucasus) کے شمال میں آباد تھیں اور روس سے منگولیا تک پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ وحشی قومیں تھیں اور قریبی ممالک پر حملہ آور ہو کر لوٹ مار کرتی تھیں۔ قرآنِ حکیم نے ان کا ذکر اس طور سے کیا ہے کہ وہ زمین میں فساد مچاتے تھے۔ قدیم روایات کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کے بعد نسل انسانی آپ علیہ السلام کے تین بیٹوں سام حام اور یافث سے چلی تھی۔ ان میں سے سامی نسل تو بہت معروف ہے۔ قومِ عاد، قومِ ثمود اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سب سامی نسل میں سے تھے۔ حضرت یافث کی اولاد کے لوگ وسطی ایشیا کے پہاڑی سلسلہ کو عبور کر کے شمال کی طرف چلے گئے۔ وہاں سے ان کی نسل بڑھتے بڑھتے شمالی ایشیا اور یورپ کے علاقوں میں پھیل گئی۔ چنانچہ مشرق میں چین اور ہند چینی کی Yellow races مغرب میں روس اور سکنڈے نیوین ممالک کی اقوام مغربی یورپ کے Anglo Saxons مشرقی یورپ میں خصوصی طور پر شمالی علاقوں اور صحرائے گوبی کے علاقوں کی تمام آبادی حضرت یافث کی نسل سے تعلق رکھتی ہے۔ تورات میں حضرت یافث کے بہت سے بیٹوں کے نام ملتے ہیں۔ ان میں Mosc , Tobal Gog & Magog وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ بہرحال یورپ کی اینگلو سیکسن اقوام اور تمام

Nordic Races یاجوج ماجوج ہی کی نسل سے ہیں۔ بنیادی طور پر یہ غیر متمدن اور وحشی لوگ تھے جن کا پیشہ لوٹ مار اور قتل وغارت گری تھا۔ وہ اپنے ملحقہ علاقوں پر حملہ آور ہوتے قتل وغارت کا بازار گرم کرتے اور لوٹ مار کر کے واپس چلے جاتے۔

۴۔ ہمارا اس پر ایمان ہے کہ یاجوج ماجوج پیدا ہو چکے ہیں اور قربِ قیامت میں ان کا ظہور ہوگا۔ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں ان کے مصداق کا تعین نہیں کیا اور نہ ان کی واضح اور حتمی صفات بیان کی ہیں۔ ان کی صفات اور مصداق کے متعلق جو کچھ بھی کہا گیا وہ سب ظن و تخمین اور اندازوں پر مبنی ہے، اس کی نظیر یہ ہے کہ ہمارا اس پر ایمان ہے کہ جنت اور دوزخ موجود ہیں لیکن ہم قطعی طور پر ان کی کیفیات کو بیان نہیں کر سکتے۔

یاجوج ماجوج کے متعلق فرامینِ نبوی ﷺ: ۱۔ حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم باتیں کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "کہ تم کیا باتیں کر رہے ہو؟" ہم نے عرض کیا کہ قیامت کا ذکر کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ دس نشانیاں اس سے پہلے نہیں دیکھ لوگے۔ پھر ذکر فرمایا دھوئیں، دجال، زمین کے جانور، سورج کے مغرب سے نکلنے، حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کے اترنے، یاجوج ماجوج کے نکلنے، تین جگہ خسف یعنی زمین کے دھنسنے کا۔ ایک مشرق میں، دوسرے مغرب میں، تیسرے جزیرہ عرب میں۔ ان سب نشانیوں کے بعد ایک آگ پیدا ہوگی جو یمن سے نکلے گی اور لوگوں کو ہانکتی ہوئی ان کے (میدان) محشر کی طرف لے جائے گی۔" (صحیح مسلم)

۲۔ حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ سبحانہ وتعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجے گا کہ میں نے اپنے ایسے بندے نکالے ہیں کہ ان سے لڑنے کی کسی میں طاقت نہیں، لہٰذا آپ میرے مسلمان بندوں کو "کوہِ طور" پر جمع کریں۔ اس کے بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ یاجوج ماجوج کو نکالے گا، تو وہ ہر اونچائی سے نکل بھاگیں گے۔ ان کا پہلا حصّہ جب بحیرہ طبریہ (Sea of Galilee، جو اسرائیل میں میٹھے پانی کی سب سے بڑی جھیل ہے) پر پہنچے گا تو جتنا پانی اس میں ہوگا وہ تمام کا تمام پی جائیں گے، پھر ان کے بعد والے آئیں گے تو کہیں گے، کبھی اس میں پانی موجود تھا۔ پھر آگے چلیں گے، یہاں تک کہ اس پہاڑ پر پہنچیں گے جہاں درختوں کی کثرت ہے اور کہیں گے: ہم نے زمین والوں کو قتل کر دیا، آؤ اب آسمان والوں کو بھی قتل کر دیں۔ چنانچہ وہ اپنے تیر آسمانوں کی طرف پھینکیں گے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کے تیر خون آلود واپس پلٹائے گا۔ اس دوران میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نبی حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے اصحاب محصور رہیں گے،، یہاں تک کہ ان کے نزدیک آج کی سو اشرفیوں سے بڑھ کر بیل کا سر افضل (مہنگا) ہوگا۔ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نبی حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے ساتھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا کریں گے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان (یعنی یاجوج ماجوج) کی گردنوں پر کیڑے پیدا کر کے اُنہیں ایک لمحہ میں ایک نفس کی موت کی طرح ہلاک کر دے گا۔ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نبی حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے ساتھی زمین پر اتریں گے، مگر زمین میں ہر جگہ سڑاند اور بدبو پھیلی ہوگی، چنانچہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے ساتھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا کریں گے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ بڑے اونٹوں کی گردن کے برابر پرندے بھیجے گا جو اُنہیں وہاں سے لے جا کر دور پھینکیں گے، وہاں کہ جہاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حکم ہوگا۔ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ بارش برسائے گا جو ہر مٹی اور خیمے والے گھر میں پہنچے گی اور اس کے ذریعہ سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ زمین کو اس طرح پاک صاف کر دے گا جس طرح زمین کوئی حوض یا باغ ہو۔ پھر زمین کو حکم ہوگا کہ اپنے پھل اگا اور برکتیں نکال، تو اس وقت ایک انار پوری جماعت کھا سکے گی اور اس کے چھلکے سے لوگ سایہ حاصل کریں گے اور ایک دودھ دینے والی اونٹنی کا دودھ کئی جماعتوں کے لئے کافی ہوگا۔ ایک دودھ دینے والی گائے کا دودھ ایک قبیلے کو کفایت کرے گا اور ایک دودھ دینے والی بکری کا دودھ ایک خاندان کو کافی ہوگا۔ لوگ اسی حال میں ہوں گے کہ اچانک اللہ سبحانہ وتعالیٰ ایک ہوا بھیجے گا جو ان کی بغلوں کے نیچے سے اثر کرتی ہوئی گزرے گی اور ہر مومن و مسلم کو فوت کر دے گی، پھر صرف بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح باہم جھگڑیں گے اور ان ہی پر قیامت قائم ہوگی۔" (صحیح مسلم)

آیت نمبر۹۵: اس قوم کی درخواست کو منظور کرتے ہوئے ذوالقرنین بادشاہ نے ان سے مالی امداد لینے سے انکار کر دیا۔ کہا کہ جو مال و دولت اور سلطنت اللہ ﷻ نے عطا کی ہے وہ اس معاوضہ سے بہت ہی بہتر ہے۔ البتہ قوم، افرادی قوت اور تعمیراتی سامان مہیا کر دے تو وہ ایک مضبوط دیوار بنا دیں گے جس کو وہ مفسد قوم عبور نہیں کر سکے گی۔

علمی بات: ا۔ ذوالقرنین بادشاہ نے ان لوگوں کی درخواست سنی اور اسی وقت دیوار کی منظوری دے دی اور ان کو کہا کہ میرے پاس اللہ ﷻ کا دیا ہوا مال بحمد اللہ تعالیٰ بہت ہے۔ تم میرے ساتھ مالی تعاون نہ کرو، نہ مجھے تمہارے اس تعاون کی ضرورت ہے۔ ہاں! تم مالی تعاون کے بجائے اپنی افرادی طاقت و قوت کا تعاون مجھے دو۔ اس لئے کہ میرے یہ سپاہی اتنا کام سرانجام نہیں دے سکتے اور افرادی قوت کی اس سلسلہ میں زیادہ ضرورت ہے میں تمہارے درمیان اور اس قوم یاجوج ماجوج کے درمیان دیوار کھڑی کروں گا اور ان شاء اللہ وہ اس دیوار کے مکمل ہو جانے کے بعد تم پر حملہ آور نہیں ہو سکیں گے، اس سے ذوالقرنین کی سیر چشمی، فراخ دلی اور سخاوت نفس کے ساتھ ساتھ رعایا کو دشمن سے محفوظ رکھنے کے لئے مضبوط ترین دفاع کا بندوبست کرنا واضح ہوتا ہے۔

۲۔ کسی اچھی حکومت کے مناسب حال نہیں کہ وہ لوگوں سے بلاوجہ ٹیکس وصول کر کے اپنی عیاشی کے کاموں میں خرچ کرے، بلکہ اچھی حکومت وہ ہے جو ذوالقرنین کی طرح لوگوں کی بے لوث خدمت کرے۔

آیت نمبر۹۶: ذوالقرنین بادشاہ نے دیوار بنانے کے لئے لوہے کی چادریں مہیا کرنے کا حکم دیا۔ لوہے کی چادروں سے دیوار اٹھا کر اسے دونوں پہاڑوں کی چوٹیوں کے برابر بلند کر دیا گیا۔ پھر لوہے کی چادروں کو خوب گرم کر کے پگھلا ہوا تانبا ان پر بہا دیا گیا جس سے دیوار مضبوط ہو گئی۔ اس طرح بھرپور فن تعمیر، بہترین ٹیکنالوجی اور زبردست وسائل کا استعمال ہوا جس سے آہنی دیوار تعمیر ہوئی۔

علمی بات: ا۔ پہلے لوہے کے بڑے بڑے تختوں کی اوپر نیچے تہیں جمائی گئیں جب ان کی بلندی دونوں طرف کی گھاٹیوں تک پہنچ گئی تو لوگوں کو حکم دیا کہ خوب آگ دھونکو اور اس کے لئے لکڑی اور کوئلہ کو استعمال میں لایا گیا۔ جب لوہا آگ کی طرح سرخ ہو گیا تو پگھلا ہوا تانبا اوپر ڈالا گیا جو لوہے کی چادروں کی درزوں میں جم کر پیوست ہو گیا اور یہ سب کچھ مل کر پہاڑ سا بن گیا بظاہر ایسی دیوار کی تعمیر ایک حیران کن اور بالخصوص اس دور میں ایک خرقِ عادت واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر ہم اہرامِ مصر اور ان کے دورِ تعمیر کی طرف نظر کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں ایسے ایسے آلات تعمیر پائے جاتے تھے جن کا آج تصور بھی نہیں ہو سکتا۔

۲۔ اس دیوار کے آثار بحیرۂ کیسپین کے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ داریال اور دربند کے درمیان اب بھی موجود ہیں۔ یہ دیوار پچاس میل لمبی انتیس فٹ اونچی اور دس فٹ چوڑی تھی۔ آج سے سینکڑوں سال پہلے لوہے اور تانبے کی اتنی بڑی کہ مصر کے اسوان ڈیم سے بھی بڑی دیوار تعمیر کرنا یقیناً ایک بہت بڑا کارنامہ تھا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ بنیادیں وغیرہ تو پتھر سے بھری گئی ہوں گی اور اوپر سے اس درہ کو لوہے کی چادروں کے دروازہ سے بند کیا گیا ہو گا۔ صدیوں بعد سیاحوں کے مشاہدہ میں ایک آہنی دیوار مقام دربند میں نظر آئی اور اس کا نام سد سکندری ہی مشہور تھا اور وہ پھاٹک بابُ الحدید (لوہے کا دروازہ) ہی کہلاتا تھا۔ دربند وسطِ ایشیا کے مشرقی حصّہ میں ضلع حصار میں واقع ہے۔ یہ بخارا سے کوئی ۱۵۰ میل جنوب و مشرق میں۔ ۳۸ درجہ عرض البلد شمالی اور ۶۷ درجہ طول البلد مشرقی پر واقع ہے۔ اس کا ذکر مشہور یورپین سیاح مارکوپولو نے اپنے سفرنامہ میں بھی کیا ہے۔

آیت نمبر۹۷: وہ مضبوط دیوار بن گئی۔ یاجوج ماجوج اس دیوار کو نہ پھلانگ سکتے تھے اور نہ ہی اس دیوار میں سوراخ کرنے کی طاقت رکھتے تھے۔

علمی بات: ذوالقرنین نے ان کی خواہش کے مطابق ایسی مضبوط اور بلند دیوار تعمیر کر دی جس کو عبور کرنا یاجوج و ماجوج کے لئے مشکل ہو گیا۔ انہوں نے اس کو پھاندنے یا اس کو گرانے کے جتنے جتن کیئے اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔

آیت نمبر۹۸: اس حیرت انگیز فعل کو انجام دینے کے بعد ذوالقرنین نے اسے اللہ ﷾ کی طرف منسوب کیا۔ متاثر قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یہ اللہ ﷾ کی رحمت ہے کہ اس نے مفسدوں کا راستہ بند کرنے کی توفیق بخشی۔ اگرچہ یہ مضبوط دیوار بنادی گئی ہے لیکن اللہ ﷾ کے وعدہ کا وقت آنے پر اسے گرا کر زمین کے برابر کر دیا جائے گا۔ وعدے کے وقت سے مراد دیوار کی تباہی کا وقت ہے یا قربِ قیامت کا وقت۔

علمی و عملی بات: ذوالقرنین نے دیوار بنا کر اسے اپنا کارنامہ قرار دینے کے بجائے اپنے رب کی رحمت قرار دیا، جس کی بدولت وہ لوگ یاجوج ماجوج کے حملوں سے محفوظ ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی اس کی مضبوطی کے باوجود اسے لازوال قرار دینے کے بجائے فرمایا: کہ جب میرے رب کا وعدہ آئے گا تو وہ اسے زمین کے برابر کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ ہمیشہ سے سچا ہے۔ کفار مکہ کے سوال کا جواب ہی نہیں دیا گیا بلکہ ان پر واضح کر دیا گیا کہ ذوالقرنین ایک طاقت ور بادشاہ ہونے کے باوجود توحید اور آخرت کا قائل تھا۔ ذوالقرنین کی اس بات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ساری دنیا کی بادشاہت ملنے کے باوجود آخرت کی فکر ہر وقت رہنی چاہیئے، کیونکہ دنیا فانی ہے اور آخرت ہمیشہ رہنے والی ہے۔

آیت نمبر۹۹: اس آیت کے دو مفہوم ہیں: ا۔ جب دیوار ٹوٹ جائے گی تو یاجوج وماجوج بے شمار تعداد میں نکلیں گے۔ ۲۔ روز قیامت صور پھونکے جانے پر لوگ قبروں سے اٹھ کر سمندر کی لہروں کی طرح ایک دوسرے میں گھس جائیں گے۔ پھر تمام لوگوں کو میدانِ حشر میں جمع کیا جائے گا۔

علمی بات: اس سے مراد یاجوج ماجوج کا وہ ریلا بھی ہو سکتا ہے جو قیامت کے قریب نکلے گا اور مطلب یہ ہے کہ جب وہ قیامت کے قریب نکلیں گے تو ایک غیر منظم بھیڑ کی شکل میں نکلیں گے اور موجوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ قیامت کے وقت عام لوگوں کی بدحواسی کا بیان ہو کہ قیامت کے ہولناک مناظر دیکھ کر لوگ بدحواسی میں ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں گے۔

آیت نمبر۱۰۰: روز قیامت جہنم کو کفار کے سامنے لایا جائے گا۔

علمی بات: آج لوگوں کو عقل کی آنکھ سے جہنم دکھائی جارہی ہے تو وہ ان کو نظر نہیں آتی۔ قیامت میں لوگوں کو پیشانی کی آنکھ سے جہنم دکھائی جائے گی۔ اس وقت ہر آدمی دیکھ لے گا۔ مگر یہ دیکھنا کسی کے کچھ کام نہ آئے گا۔ کیونکہ نصیحت کے ذریعہ جس نے اپنی آنکھ کا پردہ ہٹایا وہی پردہ ہٹانے والا ہے۔ ورنہ قیامت کے دن پردہ ہٹایا جانا تو صرف اس لئے ہو گا کہ سرکشی کرنے والوں کو ان کے آخری انجام تک پہنچا دیا جائے۔

آیت نمبر۱۰۱: جہنم کا عذاب ان لوگوں کے لئے سامنے لایا جائے گا جن کی آنکھوں پر دنیا میں غفلت کے پردے پڑے ہوں گے اور جنھوں نے حق کے لئے کانوں کو بہرا بنا رکھا تھا۔ جس مقصد کے لئے اُنہیں آنکھ اور کان عطا کیئے گئے تھے ان سے انہوں نے وہ کام نہیں لیا۔

علمی بات: یہ وہ کفار ہوں گے جن کی آنکھوں پر دنیا میں پردہ پڑ گیا تھا اور جن کی قوت سماعت یکسر جاتی رہی تھی، اس لئے نہ ان دلائل وبراہین سے اُنہیں کوئی فائدہ پہنچا جو اللہ ﷾ کی وحدانیت پر دلالت کرتی تھیں نہ اُنہیں قرآنِ کریم کی تلاوت اور اس کی آیات میں غور وفکر کی توفیق ہوئی۔ ان کی قوت سماعت ایسی معدوم ہو گئی تھی کہ حق وہدایت کی بات سننے سے بالکل ہی محروم ہو گئے تھے۔

آیت نمبر۱۰۲: کفار اللہ ﷾ کے بجائے اللہ ﷾ کی مخلوق کو اپنا معبود اور کارساز بناتے ہیں۔ پھر گمان کرتے ہیں کہ اس طرح وہ اللہ ﷾ کی گرفت سے بچا لیئے جائیں گے جو کہ ناممکن ہے۔ ان کی مہمان نوازی کے لئے جہنم کی آگ تیار ہے۔ (معاذ اللہ)

علمی بات: کافروں کے بارے میں فرمایا کہ اُنہیں پہلے سے بتا دیا گیا ہے کہ کفر کا انجام بُرا ہے، ان کے لئے دوزخ ہے پھر بھی کفر پر جمے ہوئے ہیں اور شرک اختیار کیئے ہوئے ہیں۔ اللہ ﷾ کے بندوں کو اپنا معبود اور کارساز بنا رکھا ہے اور اس کو اپنے لئے بہتر سمجھتے ہیں۔ کفر اور شرک کو بہتر سمجھنا حماقت اور جہالت ہے۔ کافروں کے لئے جہنم کو تیار کیا گیا ہے۔ اسی سے ان کی مہمانی ہو گی۔

علمی بات: عبادی سے مراد اس جگہ فرشتے اور وہ انبیاء کرام علیہم السلام ہیں جن کی دنیا میں لوگوں نے پرستش کی اور ان کو اللہ ﷻ کا شریک ٹھہرایا جیسے حضرت عزیر اور مسیح علیہما السلام اور فرشتوں کی عبادت کرنے والے بعض عرب تھے۔ نیز جن مفسرین کرام نے اس جگہ عبادی سے مراد شیاطین لئے تو الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا سے وہ کفار مراد ہوں گے جو جنات وشیاطین کی پرستش کرتے ہیں

آیت نمبر ۱۰۳: سوالیہ انداز میں قیامت کے دن اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ خسارہ پانے والے لوگوں کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

علمی و عملی بات: اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ خسارہ اور نقصان میں وہ لوگ ہیں جو دن رات دنیا کے حصول کے لئے مارے مارے پھرتے ہیں۔ ان کی زندگی کا بس ایک ہی مقصد ہے کہ زیادہ سے زیادہ دولت جمع کی جائے۔ مکانات ومحلات تعمیر کیئے جائیں۔ دنیا میں مناصب عالیہ پر فائز ہوں۔ اُنہیں کبھی اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کا خیال ہی نہیں آیا۔ اُنہیں اپنی موت کو یاد کرنے کی کبھی فرصت ہی نہیں ملی۔ ان کی توانائی کا ایک ایک قطرہ متاع دنیا کے حصول میں ضائع ہو کر رہ گیا ہے۔ اُخروی سعادت کے حصول کے لئے ان میں اب ذرا ہمت نہیں۔

آیت نمبر ۱۰۴: یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی ساری محنتیں صرف دنیا پانے کے لئے ہیں اور جنہیں آخرت سے کوئی غرض نہیں ہے۔ اس کے باوجود وہ اپنی دُنیاوی کامیابیوں پر ناز کرتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ وہ اچھے اعمال انجام دے رہے ہیں۔ جو شخص بھی آخرت کے مقابلہ میں صرف طالب دنیا ہے وہ اس آیت کا مصداق ہے۔

آیت نمبر ۱۰۵: خسارہ پانے والوں نے اللہ ﷻ کی آیات اور اس کے سامنے حاضر ہونے کا انکار کیا۔ دنیاداری کرتے ہوئے جو ظاہری نیکیاں کرتے رہے وہ قبول نہ ہوں گی۔ روز قیامت ان کے ایمان اور اخلاص سے پہلو تہی اعمال اس قابل نہ ہوں گے کہ ان کا وزن کیا جائے۔

علمی بات: ا۔ جن لوگوں کی سوچ وفکر اور ساری محنت دنیا کمانے میں صرف ہوتی ہے اور آخرت کے لئے کوئی نہ کوئی منصوبہ بندی ہوتی ہے اور نہ کوئی محنت، بس برائے نام مسلمانی کا دم بھر لیا اور کبھی دل چاہا تو نماز پڑھ لی، روزہ رکھ لیا۔ ایسے لوگوں کو اُن کی محنت کا صلہ اللہ ﷻ کی مشیت کے مطابق دنیا میں دیا جاتا ہے اور آخرت میں اُن کے لئے سوائے جہنم کے اور کوئی بدلہ نہ ہو گا۔ (بیان القرآن)

۲۔ کسی بھی نیک عمل کے قبول ہونے کے لئے صرف اخلاصِ نیت کافی نہیں ہے، بلکہ اُس عمل کو صحیح راستے پر چل کر کرنا بھی ضروری ہے۔ بہت سے کافر اخلاص کے ساتھ کسی عمل کو اپنی طرف سے گھڑ کر اچھا سمجھ کر کرتے ہیں۔ لیکن وہ عمل پیغمبروں کی تعلیمات کے مطابق نہیں ہوتا، اس لیئے اُن کی ساری محنت ضائع ہو جاتی ہے۔ (تفسیر آسان قرآن)

عملی پہلو: ایسے لوگ جو بے شک اقرار کرتے ہوں کہ وہ اللہ ﷻ کو اور اُس کی آیات کو مانتے ہیں لیکن اگر حقیقتاً وہ آخرت کو بھلا کر دن رات دنیا سمیٹنے ہی میں مصروف ہیں تو اپنے عمل سے گویا وہ اللہ ﷻ کی آیات اور آخرت میں اس سے ہونے والی ملاقات کا انکار کر رہے ہیں۔ دنیا کے طلب گاروں کا عمل اللہ ﷻ کی اس بات کی تصدیق کرنے کے بجائے اس کو جھٹلاتا ہے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ ﷻ کی آیات کو اور اس کے سامنے روز محشر کی حاضری کو عملی طور پر جھٹلا دیا ہے۔

علمی و عملی بات: قیامت کے دن ایسے لوگوں کے اعمال کا وزن نہیں کیا جائے گا۔ اگر انہوں نے اپنے دل کی تسلّی اور ضمیر کی خوشی کے لئے بھلائی کے کچھ کام کیئے بھی ہوں گے تو ایسی نیکیاں جو ایمان اور یقین سے خالی ہوں گی ان کی اللہ ﷻ کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں ہو گی۔ چنانچہ ان کی ایسی تمام نیکیاں ضائع کر دی جائیں گی اور میزان میں ان کا وزن کرنے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ اس بھیانک انجام کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ دنیا کی آرائش و زیبائش میں گم ہو کر انسان کو نہ اللہ ﷻ کا خیال رہتا ہے اور نہ آخرت کی فکر دامن گیر ہوتی ہے۔

آیت نمبر ۱۰۶: دنیا کو ہی مقصود بنانے والوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔ انہوں نے اللہ ﷻ کے احکامات اور انبیاء کرام علیہم السلام کی باتوں کو نہ مانا اور ان کی تعلیمات کو انتہائی غیر سنجیدگی سے لیا۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر الہامی تعلیمات کا مذاق اڑانے لگے۔ (معاذاللہ)

علمی بات: اس آیت میں بتایا گیا کہ ایسا کیوں ہو گا؟ فرمایا اس لئے کہ وہ دنیا کی زندگی پر مغرور تھے اور ان کے غرور کی حد یہ ہے کہ انہوں نے اپنے عمل سے بھی اور نظریہ سے بھی اللہ ﷻ کی آیات میں اور اس کے رسولوں کا مذاق اڑایا (معاذاللہ)۔ ظاہر ہے کہ کسی کے حکم اور اس کی مرضی کے خلاف اس کو دکھا کر عمل کیا جائے تو اس سے زیادہ بڑا مذاق اور کیا ہو سکتا ہے۔

علمی و عملی بات: اللہ ﷻ کی آیات اور رسولوں کے فرمودات کے مطابق تو اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے اور دنیوی زندگی کی کچھ اہمیت نہیں مگر دنیا کے طلب گاروں نے سمجھ رکھا تھا کہ اصل کامیابی اسی دنیوی زندگی کی ہی کامیابی ہے۔ چنانچہ اسی کامیابی کے حصول کے لئے انہوں نے محنت اور کوشش کی اور اسی زندگی کو سنوارنے کے لئے وہ خود کو ہلکان کرتے رہے۔ آخرت کو اہم نہ سمجھا اور نہ ہی اس کے لئے انہوں نے کوئی سنجیدہ محنت کی۔ اب ان کا انجام جہنم ہی ہے۔

آیت نمبر ۱۰۷: ایمان لا کر نیک اعمال انجام دینے والوں کی ضیافت کے لئے جنت الفردوس ہے۔ فردوس جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ جو اللہ ﷻ کے عرش کے بالکل نیچے ہے اور جہاں سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم) رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "کہ جب اللہ ﷻ سے مانگو تو جنت الفردوس مانگو۔" (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

۱۔ کافروں کا انجام بیان کیئے جانے کے بعد اب ان لوگوں کا حال بیان کیا جا رہا ہے جو اس دنیا میں اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آئیں گے، نبی کریم ﷺ پر نازل کردہ کتاب کی تصدیق کریں گے اور زندگی میں نیک اعمال کرتے رہیں گے کہ اللہ ﷻ نے ان کی میزبانی کے لئے فردوس بریں کو تیار کر رکھا ہے۔

۲۔ "فردوس" جنت کے لئے معروف ترین لفظ ہے جو قریب قریب تمام انسانی زبانوں میں مشترک طور پر پایا جاتا ہے۔ قرآنِ حکیم کے نزول سے سے پہلے عرب کے کلام جاہلیت میں بھی لفظ فردوس مستعمل تھا۔ اور قرآنِ حکیم میں اس کا اطلاق متعدد باغوں کے مجموعے پر کیا گیا ہے۔ اس سے جو تصور ذہن میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ فردوس ایک بڑی جگہ ہے جس میں بکثرت باغ اور چمن اور گلشن پائے جاتے ہیں۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کہ جب تم اللہ ﷻ سے جنت کا سوال کرو تو جنت الفردوس مانگا کرو کیونکہ یہ جنت کی وسط اور اعلیٰ مقام ہے۔" (صحیح بخاری)

آیت نمبر ۱۰۸: اہل جنت، جنت کی نعمتوں سے کبھی نہ اکتائیں گے۔ نہ ہی وہ اس کے علاوہ کسی اور جگہ منتقل ہونے کی خواہش ظاہر کریں گے۔

علمی بات: ۱۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور پھر ہمیشہ رہنے کے باعث وہ کبھی نہیں اکتائیں گے۔ ان کو سیر و تفریح کی کھلی اجازت ہو گی۔ ان کے درجات مزید بڑھا دیئے جائیں گے۔ ان کے لئے ہر طرح کی نعمتیں تیار ہیں جن کو اگر کوئی گننا چاہے تو نہیں گن سکتا۔ جس چیز کی ان کو اس وقت خواہش ہو گی وہ اسی وقت پوری کر دی جائے گی اور وہ اس سے نکلنا کبھی بھی گوارا نہیں کریں گے۔

۲۔ قرآن و سنت کی تصریحات سے جنت کا جو تصور قائم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کی وسعت آسمانوں اور زمینوں کی وسعت کی طرح ہے اور ان میں درجوں کی بلندی ایسی ہے جیسے تارے جو نہایت بلندی پر نظر آتے ہیں۔ گویا جنت بجائے خود ایک وسیع عالم ہے اور اہل ایمان کی کوئی آرزو اور طلب ایسی نہ ہو گی جو وہاں پوری نہ ہو۔ اس لئے وہاں سے کہیں اور جانے یا منتقل ہونے کی وہ کبھی خواہش نہ کریں گے۔ یعنی ہمیشہ رہنے سے اکتائیں گے

نہیں۔ ہر دم تازہ نعمتیں ملیں گی۔ کبھی خواہش نہ کریں گے کہ ہم کو یہاں سے منتقل کر دیا جائے۔

آیت نمبر ۱۰۹: کلمات سے مراد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا علم، اس کی قدرت کے کمالات اور عجائبات ہیں۔ اگر زمین پر موجود تمام سمندر کا پانی سیاہی بن جائے اور اتنے ہی سمندر اور اضافہ کیئے جائیں تو بھی ناکافی ہیں۔ اس سیاہی کے ذریعہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کلمات تحریر کیئے جائیں تو سیاہی ختم ہو جائے گی لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کلمات کی تحریر مکمل نہ ہو سکے گی۔

علمی بات: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کمالات اور عجائبات لامتناہی اور بے حد و حساب ہیں سمندر یا سمندروں کا پانی خواہ کتنا ہی کثیر مقدار میں ہو بہر حال اس کی ایک حد ہے اور ایک محدود چیز کا لا محدود چیز سے کیا مقابلہ ہو سکتا ہے۔ لہٰذا سمندروں کی سیاہی تو ختم ہو سکتی ہے لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہو سکتے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کلمات کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علوم و حکم کے کلمات لکھے جائیں اور سمندر کا پانی بطور روشنائی استعمال کیا جائے، تو کلماتِ الٰہی ختم نہ ہوں گے اور سمندر کا پانی ختم ہو جائے گا اور اگر اسی سمندر جیسا دوسرا سمندر بھی بطور روشنائی استعمال کیا جائے، تو وہ بھی ختم ہو جائے گا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔

آیت نمبر ۱۱۰: رسول اللہ ﷺ کی زبانی رسول کی بشریت کا اعلان کرایا گیا۔ ہر رسول نے دعوت توحید پیش کرنے کے ساتھ اپنے بندہ ہونے کا بھی ذکر فرمایا۔ اس کا مقصد توحید باری تعالیٰ کی وضاحت اور کسی قسم کی غلط فہمی پیدا ہونے کے امکان کو ختم کرنا ہے۔ البتہ رسول اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے چنے ہوئے بہترین بندے تھے۔ ان رسولوں پر وحی آتی رہی اور آخری پیغامِ الٰہی خیر البشر ﷺ کو عطا فرمایا گیا۔ حکم دیا گیا معبود حقیقی، اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کی عبادت کی جائے۔ جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ملاقات کا شوق رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ نیک اعمال انجام دے اور خالصتاً اسی کی عبادت کرے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔ مادہ پرستی بھی شرک ہے اور ریاکاری بھی۔ ہر قسم کے شرک سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔

علمی بات: ۱۔ یہ آیت دلیل ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نزدیک عمل مقبول ہونے کی دو شرطیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ شریعت محمدیہ ﷺ کے مطابق ہو اور دوسری یہ کہ اس سے مقصود صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی خوشنودی ہو، شہرت، نام و نمود، ریاکاری یا کوئی اور دُنیاوی غرض مقصود نہ ہو۔

۲۔ کفار بشریت کو نبوت کے منافی سمجھتے تھے وہ کہتے تھے کہ نبی کے لئے فرشتہ ہونا ضروری ہے۔ حالانکہ انسانوں کے لئے انسان کو رسول بنا کر بھیجنا ان کے لئے زیادہ مفید ہے اور اس سے استفادہ کے لئے زیادہ سہل اور آسان ہے کیونکہ اگر فرشتہ، جن یا کسی اور جنس سے ان کے لئے رسول بھیجا جاتا تو وہ اس کو دیکھ سکتے نہ اس کی بات سن سکتے تھے۔ اور نہ اس کے اعمال کی اتباع اور اقتدار کر سکتے، یہ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے انسانوں کے لئے ان کی جنس سے انسان کو رسول بنا کر بھیجا۔

فرامین نبوی ﷺ: ۱۔ حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم پر جس چیز کا سب سے زیادہ مجھے خوف ہے وہ شرک اصغر ہے۔" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! شرک اصغر کیا ہے؟ فرمایا: "ریاکاری۔" (مسند احمد)

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے میں شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں جو شخص کسی (نیک) عمل میں میرے ساتھ کسی کو ساجھے دار بناتا ہے (یعنی نیک عمل سے کسی اور کی بھی خوشنودی چاہتا ہے) میں اس کو اس کے شرک کے ساتھ چھوڑ دیتا ہوں"۔ دوسری روایت میں ہے، "میں اس سے بیزار ہوں اس کا عمل اسی کے لئے ہو گا جس کے لئے اس نے کیا ہو گا۔" (صحیح مسلم)

۳۔ حضرت ابو سعید بن ابی فضالہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے ناقابل شک دن میں جب لوگوں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ جمع کرے گا تو (اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے) ایک منادی ندا دے گا جس نے اپنے کیئے ہوئے نیک عمل میں کسی کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا شریک بنایا ہو وہ اپنا ثواب اسی کے پاس جا کر طلب کرے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہے۔" (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، بیہقی)

مشقوں کے جوابات

سوال ۱: خالی جگہیں پُر کریں:

(۱) آیت: ۶۳ کے مطابق مچھلی کے زندہ ہو کر سرنگ کی طرح راستہ بنا کر سمندر میں چلے جانے کا ذکر ہے۔

(۲) آیت: ۷۰ کے مطابق حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس شرط پر ساتھ چلنے کے لئے کہا کہ وہ ان سے سوال نہیں کریں گے۔

(۳) آیت: ۹۸ میں ذکر ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے۔

(۴) آیت: ۱۰۵ کے مطابق اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی آیات اور ملاقات کا انکار کرنے والوں کے لئے کوئی وزن قائم نہیں ہوگا۔

(۵) آیت: ۱۱۰ میں ذکر ہے کہ جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے ملاقات کی اُمید رکھتا ہو اسے چاہیئے کہ وہ نیک عمل کرے اور شرک نہ کرے۔

سوال ۲: مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجیئے:

۱۔ نویں رکوع کی روشنی میں جواب دیجیئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کے لئے کون سا مقام طے تھا اور اس مقام پر پہنچنے کی کیا نشانی تھی؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نوجوان ساتھی سے کہا تھا کہ میں اپنا سفر جاری رکھوں گا یہاں تک کہ دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پر پہنچ جاؤں اور انہوں نے ساتھی کو اس مقام کی نشانی یہ بتائی کہ مچھلی ٹوکری سے نکل کر پانی میں جائے گی۔

۲۔ دسویں رکوع کی آیات کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ کے اعتبار سے مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجیئے۔

نمبر شمار	سوالات	جوابات
۱	حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟	حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی میں سوراخ کر دیا۔
۲	حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر کیا اعتراض کیا؟	حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کیا آپ نے اس لئے کشتی میں سوراخ کیا ہے کہ سب کشتی والوں کو غرق کر دیں؟ یقیناً یہ تو آپ نے بہت خطرناک کام کیا۔
۳	حضرت خضر علیہ السلام نے اس کی کیا حکمت بیان فرمائی؟	جہاں تک کشتی کا معاملہ ہے تو وہ چند مسکینوں کی تھی جو دریا میں مزدوری کرتے تھے میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں اور ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر بے عیب کشتی کو زبردستی چھین لیا کرتا تھا۔
۴	حضرت خضر علیہ السلام نے لڑکے کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟	حضرت خضر علیہ السلام نے اس لڑکے کو قتل کر دیا۔
۵	حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر کیا اعتراض کیا؟	آپ نے ایک بے گناہ کو قتل کر دیا بغیر کسی جان کے بدلہ کے یقیناً آپ نے بہت بُرا کام کیا۔
۶	حضرت خضر علیہ السلام نے اس کی کیا حکمت بیان فرمائی؟	اور وہ جو لڑکا تھا تو اس کے ماں باپ دونوں مومن تھے ہمیں اندیشہ ہوا کہ یہ بڑا ہو کر ان کو بھی سرکشی اور کفر میں مبتلا کر دے گا۔
۷	حضرت خضر علیہ السلام نے بستی والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟	جب وہ دونوں ایک بستی والوں کے پاس آئے اور ان سے کھانا طلب کیا تو انہوں نے ان کی مہمان نوازی سے انکار کر دیا پھر دونوں نے وہاں ایک دیوار پائی جو گرنے ہی والی تھی تو حضرت خضر علیہ السلام نے اسے سیدھا کر دیا۔

۸	حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر کیا اعتراض کیا؟	موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اگر آپ چاہتے تو اس کام پر کچھ اُجرت لے لیتے۔
۹	حضرت خضر علیہ السلام نے اس کی کیا حکمت بیان فرمائی؟	وہ دیوار اس شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ دفن تھا ان کے والد ایک نیک آدمی تھے تو آپ کے رب نے ارادہ فرمایا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور اپنا خزانہ نکال لیں۔

۳۔ گیارہویں رکوع کی آیات کے مطابق ذوالقرنین کی مہمات کے اِعتبار سے مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجیے۔

نمبر شمار	سوالات	جوابات
۱	ذوالقرنین نے پہلا سفر کس سمت میں کیا؟	مغربی سمت میں۔
۲	وہاں ذوالقرنین کی ملاقات کیسے لوگوں سے ہوئی؟	وہاں انہوں نے ایک قوم کو پایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (اے ذوالقرنین! تمہیں اِختیار ہے) چاہو تو ان کو سزا دو اور چاہو تو ان کے ساتھ اچھا سُلوک کرو۔
۳	ذوالقرنین نے ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟	ان سے بہت نرمی سے پیش آیا۔
۴	ذوالقرنین نے دوسرا سفر کس سمت میں کیا؟	مشرقی سمت میں۔
۵	وہاں ذوالقرنین کی ملاقات کیسے لوگوں سے ہوئی؟	وہاں ایسی خانہ بدوش قومیں تھیں جن کے نہ قلعے تھے نہ مکانات اور نہ ہی ان کے پاس سورج کی تپش سے بچنے کا کوئی معقول انتظام تھا۔
۶	ذوالقرنین کی تیسرے سفر میں ملاقات کیسے لوگوں سے ہوئی؟	اس نے ایک قوم کو پایا جو ان کی کوئی بات نہیں سمجھ سکتے تھے۔
۷	ان لوگوں نے ذوالقرنین سے کیا درخواست کی؟	انہوں نے کہا: اے ذوالقرنین! بے شک یاجوج اور ماجوج زمین میں بہت فساد مچاتے ہیں۔
۸	ان لوگوں نے ذوالقرنین کو کیا معاوضہ دینے کی پیشکش کی؟	ان لوگوں نے کہا: کیا ہم آپ کے لئے خرچ کا انتظام کر دیں اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار بنا دیں؟
۹	ذوالقرنین نے اپنے کام کو کس کی رحمت قرار دیا؟	ذوالقرنین نے کہا: یہ میرے رب کی رحمت ہے۔

۴۔ بارہویں رکوع کی روشنی میں جواب دیں کہ سب سے زیادہ خسارہ اٹھانے والے کون لوگ ہیں؟

یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوششیں دنیا کی زندگی میں ضائع ہو گئیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رَب کی آیات کا اور اس کی ملاقات کا انکار کیا پس ان کے اعمال برباد ہو گئے۔

۵۔ بارہویں رکوع کے آخر میں وُسعتِ علمِ باری تعالیٰ کی کیا شان بیان کی گئی ہے؟

اگر رب کی باتوں کے لکھنے کے لئے سمندر سیاہی بن جائے تو سمندر کا پانی ضرور ختم ہو جائے گا اس سے پہلے کہ رب کی باتیں ختم ہوں اگرچہ اس کی مدد کے لئے ویسا ہی سمندر اور آجائے۔

سورۃ المؤمنون

مقاصدِ مطالعہ: اس سورت کے مطالعہ کے بعد طلبہ کو مندرجہ ذیل مضامین سے آگاہی حاصل ہونی چاہیئے:

1. آیات: ۱ تا ۱۶ — مومنوں کے بنیادی اوصاف اور انہیں آخرت میں کامیابی کی بشارت کا ذکر، تخلیق انسان کے مختلف مراحل و مراتب کا بیان، انسان کی بقاء کے اسباب اور بعث بعد الموت کا تذکرہ۔
2. آیات: ۱۷ تا ۲۲ — زمین و آسمان، حیوانات و نباتات اور دوسری مختلف اشیاء کی خلقت کا بیان، اللہ ﷻ کی قدرتِ کاملہ اور اس کے انعامات کا ذکر۔
3. آیات: ۲۳ تا ۵۰ — مشرکین کی طرف سے پہنچنے والی اذیتوں پر اپنے حبیب ﷺ کی تسلی کے لئے حضرت نوح علیہ السلام، قوم عاد، موسیٰ و ہارون اور عیسیٰ ابن مریم علیہم السلام کے واقعات کا تذکرہ۔
4. آیات: ۵۱ تا ۷۷ — اکل حلال اور عمل صالح کی تاکید، مومنوں کی باطنی صفات کا بیان، انفس و آفاق کی آیات سے توحید و قیامت کی حقانیت پر استدلال، قرآن حکیم سے غفلت اور اعراض کی وجوہات اور اس کا انجام اور مکذبین کے بعض شکوک و شبہات اور ان کے جوابات۔
5. آیات: ۷۸ تا ۹۲ — ایمان بالآخرت پر عقلی دلیل، منکرین آخرت کا اعتراض اور اس کا جواب اور کفار و مشرکین کے بعض ناجائز مطالبات اور اللہ ﷻ کا جواب۔
6. آیات: ۹۳ تا ۹۸ — چند اہم دعائیں اور تبلیغ دین کا طریقہ کار، برائی کے مقابلہ میں اچھائی و درگزر کرنے کی پاکیزہ تعلیم و تلقین کا بیان۔
7. آیات: ۹۹ تا ۱۰۸ — قیامت صُغریٰ، قیامت کُبریٰ اور برزخی و اخروی احوال کا بیان، قیامت کے دن لوگوں کی سعادت مند اور بدبخت گروہوں میں تقسیم، حساب کے وقت کی شدتوں اور ہولناکیوں کا بیان، کفار کے اعترافِ گناہ کا ذکر اور کفار کی عذاب جہنم سے نجات پانے کی تمام امیدیں ٹوٹ جانے کا بیان۔
8. آیات: ۱۰۹ تا ۱۱۸ — اہل ایمان کی دعائیں، ان کی نجات اور ان پر اللہ ﷻ کی رحمت و مغفرت کا ذکر، دنیا کی زندگی کی حقیقت کا بیان، کافروں کے باطل گمان اور مشرک کے انجام کا ذکر اور آنحضرت ﷺ کو دعا کی تلقین کا حکم۔

ربطِ سورت: سورۃ المؤمنون سے پہلے سورۃ الحج ہے۔ دونوں سورتوں میں ربط اور مناسبت یہ ہے کہ:

۱۔ سورۃ الحج کے آخر میں اعمالِ خیر کے کرنے کا حکم مذکور تھا جس میں فلاح کا وعدہ فرمایا گیا تھا۔ سورۃ المؤمنون کا آغاز فلاح پانے والوں کی صفات کے بیان سے ہوا ہے اور اس حوالہ سے یہ بتایا گیا ہے کہ فلاح کا دارومدار ایمان اور ایمان کے تقاضوں پر عمل کرنے پر ہے۔ ۲۔ سورۃ الحج کے آغاز میں آخرت کا خوف یاد دلایا گیا: "يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ" (اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی (ہولناک) چیز ہے۔) جبکہ سورۃ المؤمنون کے آغاز میں قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (یقیناً ایمان والے کامیاب ہوگئے) فرما کر اہل ایمان کو کامیابی کی نوید سنائی گئی ہے۔ ۳۔ سورۃ الحج اور سورۃ المؤمنون اپنے مضمون کے لحاظ سے ایک جیسی ہیں۔ دونوں کا موضوع انذار و بشارت ہے جو پچھلی سورتوں سے چلا آرہا ہے۔ سورۃ الحج میں قریش مکہ کو بالخصوص حرم کی تولیت کے حوالہ سے آخری انذار و تنبیہ اور سورۃ المومنون میں ان کے لئے اسی انذار و تنبیہ کے نتائج کی وضاحت ہے جس میں ایمان والوں کی کامیابی کا مضمون بہت نمایاں ہے۔

فضیلت: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا ام المؤمنین !رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق کیا تھا؟ انہوں نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق قرآن تھا۔ کیا تم سورۃ المؤمنون پڑھتے ہو؟ پھر فرمایا: پڑھو" !یقیناً مومن فلاح پا گئے۔ "یزید کہتے ہیں میں نے پڑھا" :یقیناً مومن فلاح پا گئے "(سے لے کر) "اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے ہیں "تک۔ انہوں نے فرمایا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق تھے۔

آیت نمبر ا: اس آیت میں کامیابی کے لئے "فلاح" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ فلاح کے لغوی معنیٰ پھاڑنے کے ہیں۔ فلاح عربی میں کسان کو بھی کہتے ہیں۔ وہ اپنے ہل کی نوک سے زمین کو پھاڑتا ہے۔ اصلاحی مفہوم کامیابی کا حصول ہے۔ یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ دُنیا کے ظاہری پردہ کو چاک کر کے آخرت کے لئے تیاری کرنا اور کامیابی حاصل کرنا۔ مومنوں کو آخرت کی کامیابی کی نوید سنائی گئی ہے۔

علمی بات: ا۔ عربی میں کسان کو "فلاح" اسی لئے کہا جاتا ہے۔ عربی کی ایک کہاوت ہے: "اِنَّ الحَدِیْدَ بِالْحَدِیْدِ یُفْلَحُ" یعنی لوہا لوہے کو کاٹتا ہے۔ انسانی وجود کے اندر موجود مادیت کے پردے کو چاک کر کے اپنی روح کو بے نقاب کرنا اور اس کی نشوونما کرنا فلاح ہے۔ چنانچہ کامیاب مومنین اپنی روحوں پر پڑے ہوئے مادیت کے پردوں کو چاک کر کے اصل خزانہ یعنی روح کو بے نقاب کرتے ہیں اور اس کی نشوونما کرتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں ان کی شخصیت سنورتی ہے اور اچھے اوصاف سے متصف ہوتی ہے اور وہ دُنیا و آخرت میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

۲۔ ایمان والوں کے لئے حقیقی کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں کامیابی کے لئے مومن ہونا ضروری ہے۔ اس سورت کی پہلی گیارہ آیات میں کامیاب مومنین کے چند اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ جن لوگوں میں یہ اَوصاف پائے جاتے ہیں اُنہیں دُنیا و آخرت کی حقیقی کامیابی حاصل ہو گی۔ اسی مناسبت سے اس کا نام "سورۃ المؤمنون" رکھا گیا ہے۔

آیت نمبر ۲: کامیاب مومنین کے اَوصاف بیان ہو رہے ہیں۔ ان کی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ نماز میں "خشوع یعنی عاجزی" اختیار کرتے ہیں۔ نماز اور ایمان لازم وملزوم ہیں۔ خشوع کے معنیٰ جھکنے اور عاجزی کے ہیں۔ ایسی عاجزی جو دل میں ڈر طاری ہونے کی وجہ سے ہو۔

علمی بات: ا۔ نماز کی حالت میں دل اور اعضاء کا پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا بھی مطلوب ہے اور پوری زندگی کا اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری میں جھکنا اور ہر حکم الٰہی پر مکمل رضامندی کے ساتھ سر تسلیم خم کرنے کا حکم ہے۔ وہ نمازی کامیاب ہوں گے جو اپنی نماز میں خضوع و خشوع اختیار کرتے ہیں۔

۲۔ خشوع کا تعلق دل سے بھی ہے اور جسم کی ظاہری حالت سے بھی۔ دل کا خشوع یہ ہے کہ آدمی کسی کی ہیبت اور عظمت و جلالت سے مرعوب ہو۔ جسم کا خشوع یہ ہے کہ جب وہ اس کے سامنے جائے تو سر جھکائے، اعضاء ڈھیلے پڑ جائیں، نگاہ پست ہو جائے، آواز دب جائے۔ نماز میں خشوع سے مراد دل اور جسم کی یہی کیفیت ہے اور یہی نماز کی اصل روح ہے۔

فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "جس مسلمان شخص پر فرض نماز کا وقت آئے، پھر وہ اس کے لئے اچھی طرح وضو کرے، اچھی طرح خشوع سے اسے ادا کرے اور اَحسن انداز سے رکوع کرے، تو وہ نماز اس کے پچھلے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے، جب تک کہ وہ کسی گناہِ کبیرہ کا ارتکاب نہ کرے اور یہ بات ہمیشہ کے لئے ہے۔" (صحیح مسلم)

عملی پہلو: حقیقی کامیابی کے لئے نماز میں خشوع پیدا کرنا اور اس کے آداب کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ لہٰذا نماز کی حالت میں اپنی ساری توجہ نماز پر مرکوز کی جائے۔ انسان نماز میں جو کچھ زبان سے پڑھ رہا ہو، اس کی طرف دھیان رکھے، اگر غیر اختیاری طور پر کوئی خیال آجائے تو وہ معاف ہے، لیکن جونہی یاد آئے، دوبارہ نماز کے الفاظ کی طرف متوجہ ہو جانا چاہیئے۔ نماز میں اِدھر اُدھر نہ دیکھے، بالوں اور کپڑوں کو سنوارنے میں نہ لگا رہے، اپنی اُنگلیاں نہ چٹخائے، اپنے کپڑوں کو نہ سمیٹتا رہے۔

آیت نمبر۳: کامیاب مومنین کی دوسری صفت لغو یعنی بے کار باتوں سے دور رہنا ہے۔ لغو سے مراد ہر ایسی بات یا کام ہے جو بے ہودہ اور فضول ہو۔ اہل ایمان لغویات سے اِعراض کرتے ہیں۔ وہ زندگی کو ایک امانت سمجھتے ہیں اور آخرت کی جواب دہی کا احساس رکھتے ہیں۔

علمی بات: لغو سے مراد ہر وہ قول اور فعل ہے جو بے فائدہ اور فضول ہو۔ وہ تمام باتیں یا کام جن کا کوئی فائدہ نہ ہو، جن سے کوئی مفید نتیجہ بر آمد نہ ہو، جن کی کوئی حقیقی ضرورت نہ ہو، جن سے کوئی اچھا مقصد حاصل نہ ہو، وہ سب "لغویات" ہیں۔ اہل ایمان زندگی کے ایک ایک لمحہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور ایسا کام کرتے ہیں جس میں دُنیا و آخرت کا کوئی فائدہ ہو، اسے اپنی شخصیت کی تعمیر اور آخرت کے اجر و ثواب کے حصول کے لئے صرف کرتے ہیں۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کسی آدمی کے اسلام کے اچھا ہونے کی یہ علامت ہے کہ وہ بے مقصد چیزیں چھوڑ دے۔" (جامع ترمذی)

آیت نمبر۴: کامیاب مومنین کی تیسری صفت تزکیۂ نفس ہے۔ زکوٰۃ کے لغوی معنیٰ پاک کرنے کے ہیں۔ یہاں اس سے مراد تزکیۂ نفس ہے۔ تزکیہ کے عمل میں پاکیزگی اور نشوونما دونوں شامل ہیں۔

علمی بات: ا۔ زکوٰۃ کا لفظی معنیٰ "کسی چیز کو پاک کرنا" ہے۔ اس آیت میں زکوٰۃ سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں علماء کی دو آراء ہیں۔ پہلی رائے یہ ہے کہ زکوٰۃ سے مراد اس کا اصطلاحی معنیٰ ہے۔ اس کے مطابق آیت کا یہ مطلب ہے کہ وہ مومن جو غنی ہیں، وہ اللہ ﷻ کے دیئے ہوئے رزق میں سے اس کے حکم کے مطابق زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ دوسری رائے یہ ہے کہ یہاں "زکوٰۃ" کا لفظ اپنے لغوی معنیٰ میں آیا ہے اور اس سے مراد تزکیۂ نفس ہے۔ اس لئے کہ یہ ابتدائی مکی دور کی سورت ہے اور اس وقت زکوٰۃ ادا کرنے کا ابھی کوئی حکم نہیں تھا۔ اسی لئے بہت سے مفسرین کرام نے دوسرے معنیٰ کو ترجیح دی ہے۔

۲۔ تزکیۂ نفس کے لئے پودے کی آبیاری کی مثال بیان کی گئی ہے کہ جس طرح پودے کی نشو نما کے لئے پانی، مٹی وغیرہ ضروری ہے، کانٹے اور جھاڑیاں نقصان دہ ہیں اسی طرح تزکیہ کے عمل کے لئے گناہوں سے بچنا اور نیکیوں میں آگے بڑھنا شامل ہے۔ زکوٰۃ بھی مال کی محبت کم کرتی ہے چنانچہ وہ تزکیۂ نفس کا ایک بہت اہم ذریعہ ہے۔ ایسے شخص کو کامیابی کی ضمانت دی گئی ہے جو اپنا تزکیہ کر لیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "یقیناً وہ کامیاب ہو گیا جس نے پاکیزگی اختیار کی۔" (سورۃ الاعلیٰ ۸۷، آیت: ۱۴)

۳۔ اپنے نفس کو گناہوں اور بُرائیوں سے پاک کرتے ہیں۔ اپنے دل کو ہر طرح کے بُرے خیالات سے پاک صاف رکھتے ہیں۔ کفر و شرک، غرور و تکبر، ریاکاری، بغض و حسد، کینہ پروری، لالچ، کنجوسی، غیبت، چغل خوری اور دوسروں پر الزام تراشی جیسے گناہوں سے اپنے آپ کو دور رکھتے اور نیک اعمال پر مداومت رکھتے ہیں۔

آیت نمبر۵: کامیاب مومنین کی چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس کے دو پہلو ہیں اور دونوں ہی مطلوب ہیں۔ ایک یہ کہ مومنین اپنے مقاماتِ ستر کو ڈھانپ کر رکھتے ہیں، دوسروں کے سامنے نہیں کھولتے اور نہ ہی عریاں لباس پہنتے ہیں کہ ستر کا مقام ظاہر ہو۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ مومنین اپنی عفت و عصمت کی پوری پوری حفاظت کرتے ہیں۔ بے حیائی اور زنا سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں۔

علمی بات: اہل ایمان اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کے لئے ایسے تمام اسباب اختیار کرتے ہیں جو زنا سے بچنے کے لئے مؤثر ذریعہ ہیں۔ جیسے نگاہیں نیچی رکھنا، مخلوط محافل میں نہ جانا، گھر سے باہر باپردہ ہو کر نکلنا اور جنسی جذبہ میں ہیجان پیدا کرنے والے تمام امور مثلاً شراب نوشی، موسیقی، فحش فلمیں، عریاں تصاویر وغیرہ سے بچنا۔ یہ وہ اسباب ہیں جن سے زنا جیسی برائی کا قلعہ قمع کیا جاسکتا ہے۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھے جو شخص اپنے دونوں جبڑوں کے درمیان کی چیز (زبان) اور اپنی دونوں ٹانگوں کے درمیان کی چیز (شرمگاہ) کی حفاظت کی ضمانت دے، میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔" (صحیح بخاری)

آیت نمبر ۶: مومن اپنی جنسی خواہش اپنی بیویوں یا اپنی ماتحت کنیزوں سے پوری کرتے ہیں۔ کنیزوں اور غلاموں کا معاملہ حالات جنگ میں قید میں آنے والوں کے حوالہ سے ایک وقتی معاملہ ہے۔ نکاح ہی عمومی طور پر حیا کی حفاظت کا فطری راستہ ہے۔ مومن اللہ ﷾ کی حدود کو پامال کرنے کی ہرگز کوشش نہیں کرتے۔

علمی بات: ۱۔ اللہ ﷾ نے فطری خواہشات بیویوں اور کنیزوں سے پورا کرنے کو جائز فرمایا ہے۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے اللہ ﷾ نے نکاح کے ذریعہ جائز راستہ عطا فرمایا ہے۔ اس لئے اسی کو اختیار کرنا چاہیئے۔ جو شخص محتاجی اور غربت کی وجہ سے آزاد مسلمان عورت سے شادی (نکاح) نہیں کر سکتا، اسے مسلمان کنیز سے شادی کرنے کی اجازت ہے۔ اس نکاح کے لئے کنیز کے مالک سے اجازت لینا اور دستور کے مطابق اس کا حق مہر ادا کرنا ضروری ہے۔

۲۔ یاد رہے کنیزوں اور غلاموں کا تصور اسلام کے ابتدائی دور میں تھا۔ البتہ آج عملاً اس کا وجود نہیں ہے اس لئے آج نہ تو کسی آزاد مَرد اور عورت کو بیچا جا سکتا ہے اور نہ ہی غلام یا کنیز بنایا جا سکتا ہے اور ایسا کرنا حرام ہے۔

۳۔ چونکہ اسلام دین فطرت ہے، اس لئے اسلام میں انسان کے فطری اور جبلی تقاضوں کا خیال رکھا گیا ہے۔ اسلام نے نفسانی خواہشات کو کلیتاً ممنوع قرار نہیں دیا، بلکہ جائز طریقہ سے پورا کرنے کی اجازت دی ہے۔ لہٰذا اسلام یہ پسند نہیں کرتا کہ مسلمان، جوگیوں، راہبوں کی طرح شادیوں ہی سے کنارہ کش ہو جائیں۔ البتہ ایسا بھی نہیں ہے کہ بے لگام ہو کر لوگوں کی آبروئیں برباد کرتے رہیں۔ بلکہ اسلام نے نکاح کو جائز قرار دیا ہے اور اس کی ترغیب بھی دی ہے۔

آیت نمبر ۷: اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے حرام راستہ اختیار کرنے والوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ گناہ اور زیادتی کے مرتکب قرار پائیں گے۔

علمی بات: فطری خواہش کی تکمیل میں جو کوئی حلال اور جائز طریقہ سے ہٹ کر کوئی اور راستہ اختیار کرے گا، وہ گناہ اور زیادتی کا مرتکب قرار پائے گا۔ یعنی بیویاں اور کنیزیں شریعت نے حلال کی ہیں۔ ان حلال طریقوں کے علاوہ کوئی شخص فطری خواہش پوری کرنے کا کوئی اور طریقہ اختیار کرے گا، وہ حدِّ شرع سے باہر نکل جانے والا اور سزا کا مستحق ہو گا۔ لہٰذا نکاح کے رشتہ کے علاوہ مَرد اور عورت کا کسی اور طریقہ سے فطری خواہش پوری کرنا جائز نہیں۔

عملی پہلو: اللہ ﷾ کی مقرر کردہ حدوں سے تجاوز کرنا ہلاکت کی راہ کو اپنانا ہے۔ انسان کی بہتری، سعادت اور دُنیا و آخرت کی کامیابی اسی میں ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کی مقرر کردہ حدود کی پابندی کرے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنی خواہشات پوری کرنے کے لئے کوئی ناجائز طریقہ اختیار نہ کریں اور اُنہیں اللہ ﷾ کی مقرر کردہ حدود و قیود کے اندر ہی قابو کر کے رکھیں۔ یہ بات اکثر و بیشتر مشاہدہ میں آتی رہتی ہے کہ جس قوم میں زنا اور بدکاری عام ہو جاتی ہے وہ معاشرہ برباد ہو کر رہتا ہے۔

آیت نمبر ۸: کامیاب مومنین کی پانچویں صفت یہ ہے کہ وہ امانتوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ جب ان کے پاس کوئی امانت رکھوائی جائے تو وہ اس میں کسی طرح کی خیانت نہیں کرتے۔ امانت کا وسیع تصور یہ ہے کہ ہر وہ امانت جو اللہ ﷾ کی طرف سے یا معاشرہ کی طرف سے یا کسی فرد کی طرف سے کسی شخص کے سپرد کی گئی ہو۔ خواہ امانت منصب سے تعلق رکھتی ہوں یا اَقوال اور اَموال سے۔ مومنین کی چھٹی صفت یہ ہے کہ وہ اپنے وعدوں کی پاسداری کرتے ہیں۔ وہ اپنے عہد و پیمان کے پابند ہوتے ہیں اور کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتے۔ عہد میں اللہ ﷾ سے کیئے ہوئے عہد اور بندوں سے کیئے ہوئے عہد دونوں شامل ہیں۔ مومنین اپنی امانتوں اور وعدوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

فرامین نبوی ﷺ: ۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس میں امانت داری نہیں اس میں ایمان نہیں اور جس شخص میں معاہدہ کی پابندی نہیں اس میں دین نہیں۔" (مسند احمد)

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔" (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

علمی بات: ۱۔ امانت وہ شے یا مال بھی ہے جو کسی نے کسی کے پاس رکھوایا ہو لیکن وسیع معنیٰ میں کسی مجلس کی خصوصی کاروائی، کسی کا راز، کوئی اختیار یا منصب، کسی طلب کرنے والے کے لئے مشورہ، کسی کے حق میں رائے وغیرہ سب امانت کے ذیل میں آتا ہے۔ پھر اِس دُنیا میں انسان کو ملنے والی ہر نعمت اور صلاحیت بھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی امانت ہے۔

۲۔ تمام معاملاتِ انسانی تحریری یا غیر تحریری معاہدوں پر مشتمل ہوتے ہیں اور اس آیت اور ارشاداتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں ہم پر اِن کا احترام لازم ہے۔ معاہدوں کی تین اقسام ہیں:

ا۔ اپنے آپ سے: مثلاً نیکی کا ارادہ، گناہوں پر توبہ، کوئی قسم یا کوئی نذر ماننا۔

۲۔ بندوں سے: حقوق العباد کی ادائیگی جیسے والدین، اولاد، شوہر و بیوی، اساتذہ اور پڑوسیوں وغیرہ کے حقوق۔ ملازمت، کاروبار یا دیگر پیشہ ورانہ معاہدات۔

۳۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے: اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو رب ماننا اور اُس کی بندگی کرنا جسے عہد الست بھی کہا جاتا ہے۔

۳۔ جس معاشرہ میں ایفائے عہد رواج پا جائے وہاں انتہائی اطمینان و سکون کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور بہت سے غیر ترقیاتی اخراجات ختم ہو جاتے ہیں جو کہ کام چوری، ملاوٹ، دھوکہ دہی وغیرہ کی روک تھام کے لئے نگرانی کے طور پر کیئے جاتے ہیں۔ (سورہ بنی اسرائیل میں نہیں آیا)

آیت نمبر ۹: کامیاب مومنین کی ساتویں صفت یہ ہے کہ وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ مومنوں کی صفات کے بیان کی ابتدا نماز میں خشوع سے اور اختتام نماز کی حفاظت سے کی گئی ہے۔ حفاظت سے مراد نمازوں کو مقررہ وقت پر ہمیشہ ادا کرنا، تسلی سے ادا کرنا، نماز کے تمام ارکان بجالانا اور وضو صحیح طرح کرنا وغیرہ ہے۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کون سا عمل اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "نماز وقت پر ادا کرنا۔" میں نے عرض کیا: پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنا۔" میں نے عرض کیا: پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنا۔" (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

علمی بات: ان آیات میں اہل ایمان کے اوصاف کا ذکر نماز ہی سے شروع ہوا تھا اور نماز ہی پر ختم ہوا ہے۔ پہلی صفت یہ بتائی گئی تھی کہ مومنین اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں۔ جبکہ آخری صفت یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اس سے اسلام میں نماز کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ نماز ہی در حقیقت ان تمام مکارمِ اخلاق کی محافظ ہے جو اسلام میں مطلوب ہیں۔ نماز ہی مومن کی شخصیت کی عمارت کا سنگِ بنیاد بھی ہے اور اُس کی بلند ترین منزل۔

آیت نمبر ۱۰: گزشتہ آیات میں بیان کی گئی صفات کے حاملین وارث یعنی حق دار ہوں گے۔ لفظ وارث میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی شانِ کریمی کا ذکر ہے۔

علمی بات: کامیاب مومنین کی یہ سات صفات بیان ہوئی ہیں: ۱۔ نماز میں خشوع۔ ۲۔ لغو سے اِعراض۔ ۳۔ تزکیۂ نفس۔ ۴۔ عصمت وعفت کی حفاظت۔ ۵۔ امانت داری۔ ۶۔ وعدہ کی پاسداری۔ ۷۔ نماز کی حفاظت۔ ان سات اعلیٰ صفات سے موصوف ہونے والے مومنین جنت الفردوس کے وارث ہوں گے۔

آیت نمبر ۱۱: مومنین جنت الفردوس میں ہمیشہ رہیں گے۔ جنت الفردوس، جنت کا سب سے بلند درجہ ہے۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جنت میں سو درجے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان آسمان اور زمین جتنا فاصلہ ہے۔ فردوس جنت کا سب سے بلند درجہ ہے اور اس سے جنت کی چاروں نہریں جاری ہوتی ہیں اور اس کے اوپر عرش ہے۔ لہٰذا جب تم اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو۔" (جامع ترمذی)

عملی پہلو: جنت الفردوس سب سے اعلیٰ جنت ہے اور اس کا حصول سب سے بڑی کامیابی ہے۔ ہر مومن اس کے حصول کے لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دُعا کرے اور اسے پانے کے لئے عملی طور پر اقدامات بھی کرے جس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی شخصیت میں گزشتہ آیات میں بیان کردہ اوصاف پیدا کرے۔

آیت نمبر ۱۲: انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ گارے کے جوہر سے مراد گیلی مٹی کے خاص اجزاء ہیں۔ انسان کو مٹی سے پیدا کرنے کے دو مفہوم ہیں ایک یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا گیا۔ دوسرا یہ کہ نطفہ بذاتِ خود انسان کے جسم میں ایسی غذاؤں سے بنتا ہے جو زمین یعنی مٹی سے حاصل ہوتی ہیں۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ایک مٹھی مٹی سے پیدا کیا، جسے اس نے تمام زمین سے جمع فرمایا تھا۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد اس مٹی کے لحاظ سے (مختلف رنگوں، کیفیتوں اور مزاجوں کی) ہے، کوئی سفید، کوئی سرخ، کوئی کالا اور کوئی ان کے درمیان، کوئی نرم خو ہیں اور کوئی سخت (غصہ والا)۔ کوئی بُری طبیعت والا ہے تو کوئی اچھی طبیعت والا۔" (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

علمی بات: انسان کی مٹی سے تخلیق ہونے کی دو توجیہات یعنی دو معانی ہیں۔ ایک توجیہہ یہ ہے کہ تمام انسانوں کے والد حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیئے گئے تھے، پھر تمام انسان ان کی اولاد ہیں، اس لئے بالواسطہ تمام انسانوں کی اصل مٹی ہے۔ دوسری توجیہہ یہ ہے کہ انسان کے جسم میں بننے والا نطفہ دراصل مٹی سے کشید کیا ہوا جوہر ہے۔ اس لئے کہ انسان کی خوراک تو مٹی ہی سے حاصل ہوتی ہے اور اس خوراک میں مٹی کے جوہر کشید ہو کر انسانی جسم میں جاتے ہیں اور اس سے نطفہ بنتا ہے جس سے بالآخر بچہ کی تخلیق ہوتی ہے۔

آیت نمبر ۱۳: مٹی سے ابتدائی تخلیق کا ذکر کرنے کے بعد انسان کے فطری ذریعۂ تخلیق کا ذکر ہے۔ نطفہ کے بننے کے بعد اسے ماں کے رحم میں مقررہ جگہ پر رکھا گیا ہے۔ رحم محفوظ ٹھکانا ہے۔

علمی بات: ۱۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا۔ لیکن اس کے بعد انسان کی نسل کا سلسلہ نطفہ کے ذریعہ چلایا جو پانی کی ایک بوند ہے۔ پھر اس نطفہ کو رحم مادر (Uterus) جیسی محفوظ جگہ میں ٹھہرانے کا سامان کیا۔

۲۔ مٹی سے پانی کا قطرہ بنانا، جس میں مٹی کا نام ونشان نہیں اور اسے ماں کے رحم کے نہایت محفوظ ٹھکانا میں رکھ کر پانی کے قطرہ کو آٹھ نو (۹/۸) ماہ میں مکمل انسان بنا دینا، سب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت کا کمال ہے۔

آیت نمبر ۱۴: شکم مادر میں انسانی تخلیق کے مختلف مراحل بیان ہوئے ہیں۔ نطفہ جمے ہوئے خون کی شکل اختیار کر لیتا ہے، پھر اس سے گوشت کی بوٹی بنتی ہے اور بوٹی کو ہڈیوں کی صورت دی جاتی ہے۔ پھر ہڈیوں پر گوشت کی تہہ جما دی جاتی ہے اور دیگر اعضاء بنائے جاتے ہیں۔ پھر اس میں روح ڈال کر

اسے ایک حسین مخلوق بنا دیا جاتا ہے جسے انسان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بڑی بابرکت ہے اللہ ﷻ کی ذات، جو ماں کے بطن میں ایک خوبصورت انسان کی تخلیق کرتا ہے۔ اللہ ﷻ ہی سب سے بہتر تخلیق کرنے والا ہے۔

علمی بات: ۱۔ انسان کی تخلیق کے جو مراحل قرآنِ مجید نے بیان کیئے ہیں، جدید سائنس میں علم الجنین (embryology) کی تحقیق کسی حد تک انسان کو معلوم ہو سکی ہیں۔ یہ قرآنِ کریم کا اعجاز ہے کہ اس نے صدیوں پہلے جو کچھ کہا تھا، حیرت انگیز طور پر جدید سائنس کی تحقیقات اب ان باتوں کو سمجھ پا رہی ہیں۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے ہر ایک کی تخلیق یوں ہوتی ہے کہ وہ اپنی ماں کے بطن میں چالیس یوم تک نطفہ کی صورت میں رہتا ہے، اس کے بعد اتنے ہی روز تک علقہ کی صورت میں اور اس کے بعد اتنے ہی روز تک گوشت کی بوٹی کی صورت میں رہتا ہے۔ بعد ازاں اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے، پس وہ اس میں روح پھونک دیتا ہے۔" (صحیح مسلم، صحیح بخاری)

۲۔ فرشتہ عالمِ ارواح سے روح کو لا کر مادی جسم کے ساتھ ملا دیتا ہے اور یوں ایک نئی مخلوق وجود میں آجاتی ہے۔ یعنی اب تک وہ ایک حیوانی جسم تھا، لیکن اس روح کے پھونکے جانے کے بعد وہ انسان بن جاتا ہے۔

آیت نمبر ۱۵: انسان دُنیا میں اپنی حیات کا پہلا مرحلہ گزار کر فنا ہو جاتا ہے۔

علمی بات: تخلیق کے مختلف مراحل سے گزر کر انسان کو زندگی عطا ہوئی ہے۔ لیکن یہ دُنیاوی زندگی ہمیشہ کے لئے نہیں ہے، بلکہ اس کے بعد سب کو موت آئے گی جو یقینی امر ہے۔ جس طرح انسان کی پیدائش اس کی مرضی کے بغیر ہوئی، اسی طرح اس کی موت بھی اس کی مرضی کے بغیر ہو گی۔ کوئی چاہے یا نہ چاہے اس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔

آیت نمبر ۱۶: روزِ قیامت انسان کو زندہ کر کے حیات کے دوسرے مرحلہ سے گزارا جائے گا۔

علمی بات: موت کے بعد انسان کی زندگی ختم نہیں ہو گی، بلکہ اسے قیامت کے دن دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ اس کا حساب و کتاب ہو گا اور اس کی زندگی بھر کے اعمال کا بھرپور صلہ و بدلہ ملے گا۔ پس جو قادرِ مطلق انسان کو عدم محض سے اس طرح وجود میں لایا ہے، اس کے لئے اسے دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں ہے۔ لہٰذا یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ سب انسانوں کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا۔ ہمیں چاہیئے کہ آخرت کی ابدی اور حقیقی زندگی کی تیاری کی فکر کریں۔

آیت نمبر ۱۷: لفظ "طرائق" طریقہ کی جمع ہے۔ جس کا معنٰی راستوں کے بھی ہیں اور طبقوں کے بھی۔ یہاں آسمان کے سات طبقات مراد ہیں۔ مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد اس کی مستقل نگہداشت بھی ہو رہی ہے جس کی وجہ سے کائنات کا نظام چل رہا ہے۔

علمی بات: اللہ ﷻ نے انسانوں کے اوپر آسمان پر سات راستے بنائے ہیں۔ یہ سات راستے سیاروں کی گردش کے راستے یا مدار بھی ہو سکتے ہیں، یا پھر فرشتوں کے آنے جانے کے راستے بھی ہو سکتے ہیں۔ مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد اللہ ﷻ اس سے غافل نہیں ہو گیا، بلکہ اس کی مستقل نگہداشت فرما رہا ہے جس کی وجہ سے کائنات کا نظام چل رہا ہے۔ کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز کے لئے تمام ایسے وسائل اور اسباب اللہ ﷻ نے مہیا کر دیئے ہیں، جو اس کی بقا اور نشوونما کے لئے ضروری ہیں اور جو اسے اس کے مقررہ وقت تک زندہ سلامت رکھنے کے ضامن ہیں۔ بہر حال اس کائنات کی ہر چیز اللہ ﷻ کے علم اور نظر میں ہے اور کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے۔

آیت نمبر ۱۸: مخلوق کی ضروریات کے مطابق آسمان سے پانی برسایا جاتا ہے۔ پھر پانی کو چشموں، نہروں، دریاؤں اور کنوؤں کی شکل میں زمین میں ٹھہرا دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ ﷻ زمین سے پانی کا وجود ختم کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔

علمی بات: اللہ ﷻ کی قدرت اور اس کا انعام ہے کہ وہ مخلوق کی ضرورت کے مطابق آسمان سے پانی برساتا ہے۔ پھر اس پانی کو چشموں، نہروں، دریاؤں اور کنوؤں کی شکل میں زمین میں ٹھہرا دیتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں مخلوق کے لئے بقدرِ ضرورت پانی محفوظ ہو جاتا ہے۔ جو اللہ ﷻ اس پانی کو نازل کرنے اور محفوظ کرنے پر قدرت رکھتا ہے، وہی اللہ ﷻ زمین سے پانی کو ختم کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیئے کہ ان نعمتوں پر اللہ ﷻ کا شکر ادا کرے۔

آیت نمبر ۱۹: آسمان سے نازل کردہ پانی کے ذریعہ اللہ ﷻ کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کرتا ہے۔ ان باغات کے پھل مختلف ذائقہ و رنگ والے ہوتے ہیں جو انسان کے کھانے کے کام آتے ہیں اور اس کی روزی کمانے کا بھی ذریعہ ہیں۔ قدرتِ الٰہی کے نظاروں کا بیان ہے۔ زمین اور پانی ایک مگر پھلوں کے ذائقے اور رنگ مختلف اور بہت سے ہیں۔

عملی پہلو: اللہ ﷻ نے انسان کے لئے مختلف انواع و اقسام کے پھل اور میوہ جات اُگائے ہیں۔ انسان ان نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے اور اپنی معاش بھی حاصل کرتا ہے۔ پس انسان کو چاہیئے کہ وہ ان نعمتوں پر اللہ ﷻ کا شکر ادا کرے اور اس کی اطاعت و فرماں برداری اختیار کرے۔

آیت نمبر ۲۰: اللہ ﷻ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت زیتون کا درخت بھی ہے۔ سینا اس مقام کا نام ہے جہاں کوہِ طور واقع ہے۔ زیتون کے درخت کی خصوصیت ہے کہ اس میں سے تیل نکلتا ہے اور کھانے والے اسے بطور سالن بھی استعمال کرتے ہیں۔

علمی بات: ۱۔ شام و فلسطین اس درخت کا اصلی وطن ہے۔ طورِ سینا کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ یہ اس علاقہ کا مشہور مقام ہے۔ اس درخت کی عمر، اس کا قد و قامت اور پھیلاؤ بہت زیادہ ہوتا ہے۔

۲۔ زیتون کو سورۃ النور میں شجرہ مبارکہ (برکت والا درخت) قرار دیا گیا ہے اور سورۃ التین میں اللہ ﷻ نے اس کی قسم کھائی ہے۔ اس کے بڑے فوائد ہیں۔ زیتون کا پھل قدرے بدمزہ ہوتا ہے جس سے تیل نکالا جاتا ہے۔ اس کا مزاج گرم تر ہے۔ زیتون کا تیل نسیان اور جوڑوں کے درد میں مفید ہے، اعصاب کو مضبوط کرتا ہے، کولیسٹرول (Cholesterol) کو حل کرتا ہے۔ فالج زدہ عضو پر زیتون کے تیل کی مالش کی جاتی ہے۔ بہت سے لوگ زیتون کا تیل کھانے کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور اپنے سالن وغیرہ کی تیاری میں بھی اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "زیتون کو سالن بناؤ اور بطورِ تیل استعمال کرو، کیونکہ یہ مبارک درخت سے نکلتا ہے۔" (سنن ابن ماجہ، جامع ترمذی)

آیت نمبر ۲۱: چوپایوں میں اللہ ﷻ کی قدرت کی نشانیاں موجود ہیں۔ انسان ان میں سے بعض چوپایوں کا دودھ پیتا ہے اور بعض کا گوشت بطورِ خوراک استعمال کرتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی ان چوپایوں کے کئی دیگر فوائد انسان کو حاصل ہوتے ہیں۔ انسان اللہ ﷻ کی عطا کردہ نعمتوں کا احساس اور اُس کا شکر ادا کرے۔

عملی پہلو: چوپائے اللہ ﷻ کی بہت بڑی نعمت ہیں اور ان میں انسان کے لئے بڑی عبرت آموز باتیں ہیں۔ انسان ان کی خلقت، ان کی زندگی اور ان سے حاصل ہونے والے منافع پر غور و فکر کرکے اللہ ﷻ پر ایمان لے آتا ہے۔ اللہ ﷻ چوپایوں کے شکم کی آلائشوں کے درمیان دودھ جیسی خالص چیز تیار کرکے انسان کو پلاتا ہے۔ انسان ان جانوروں کا گوشت بھی کھاتا ہے۔ یہ تمام نعمتیں انسانوں سے تقاضا کرتی ہیں کہ وہ اللہ ﷻ کا شکر ادا کریں۔

آیت نمبر ۲۲: جانوروں اور کشتیوں کے ایک اور عظیم فائدے کا ذکر ہے۔ انسان ان پر سوار ہوتا ہے اور اپنی ضروریات پوری کرتا ہے۔

علمی بات: چوپایوں کا ایک اور فائدہ یہ بھی ہے کہ انسان کی سواری اور بار بَرداری کے کام آتے ہیں۔ انسان ان پر اپنا سامان لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتا ہے۔ یہ خشکی کی سواریاں ہیں اور دریاؤں اور سمندروں میں سفر کرنے کے لئے کشتیاں اور بحری جہاز استعمال ہوتے ہیں۔ ان سواریوں کے ذریعہ انسان دور و نزدیک کی مختلف مسافتیں طے کرتے ہیں اور طرح طرح کے فائدے اٹھاتے ہیں۔ یہ سب اللہ ﷻ کی نعمتیں جو اس نے انسان کے لئے مسخر فرمائی ہیں۔

آیت نمبر ۲۳: رسول اللہ ﷺ کی تسلی کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات کا تذکرہ ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی۔ انہوں نے قوم کو صرف ایک اللہ ﷻ کی عبادت کرنے اور تمام خود ساختہ معبودوں کی عبادت سے باز آنے کی نصیحت کی۔ انہوں نے اپنی قوم کو کفر و شرک کی پاداش میں تباہ و برباد کر دیئے جانے سے بھی ڈرایا۔

علمی بات: انسان کا مقصدِ تخلیق اللہ ﷻ کی عبادت کرنا ہے۔ اس لئے جتنے انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے گئے، انہوں نے بھی اپنی قوم کو پہلا سبق یہی دیا کہ صرف اللہ ﷻ کی ہی عبادت کرو۔ انبیاء کرام علیہم السلام میں سے حضرت نوح علیہ السلام نے سب سے زیادہ طویل عرصہ (۹۵۰ برس) تک دوسرے مسائل کے ساتھ ساتھ پہلا اور بنیادی مسئلہ یہ سمجھایا کہ صرف ایک اللہ ﷻ کی عبادت کی جائے اور اس کے علاوہ کسی کی عبادت کرنا جائز نہیں ہے۔

آیت نمبر ۲۴: جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت دی تو قوم کے کافر سرداروں نے آپ علیہ السلام کی رسالت کا انکار کر دیا۔ وہ بولے کہ حضرت نوح علیہ السلام ان ہی کی طرح کے انسان ہیں، اس لئے وہ رسول نہیں ہو سکتے۔ انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام پر الزام تراشی کی کہ آپ (علیہ السلام) نبوت و رسالت کا دعویٰ کر کے ان پر فضیلت اور برتری حاصل کرنا چاہتے ہیں (معاذ اللہ)۔ کافر سرداروں نے مزید یہ بھی کہا کہ اگر اللہ ﷻ نے کسی کو رسول بنا کر بھیجنا ہوتا، تو وہ کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیج دیتا۔ اس پر انہوں نے یہ دلیل پیش کی کہ ہم نے اپنے باپ دادا سے یہ بات نہیں سنی کہ انسان اللہ ﷻ کا رسول ہوتا ہے۔

علمی بات: جب کوئی مخلص شخص اصلاحِ احوال اور فلاحِ دارین کی آواز بلند کرتا ہے، تو اربابِ اقتدار اور مخالفین حق اس پر فوراً یہ الزام لگا دیتے ہیں کہ یہ شخص اقتدار کا بھوکا ہے۔ یہی الزام قومِ نوح کے سرداروں نے حضرت نوح علیہ السلام پر لگایا کہ نوح (علیہ السلام) تم پر فضیلت و برتری حاصل کرنا چاہتا ہے۔ یہی الزام فرعون اور اس کے درباریوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام پر لگایا کہ تم دونوں ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ سرزمین مصر پر تمہارا اقتدار ہو جائے۔

آیت نمبر ۲۵: کافر سرداروں نے اپنی قوم کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے کہا کہ حضرت نوح (علیہ السلام) دیوانے ہو گئے ہیں، جس کے باعث یہ عقل میں نہ آنے والی باتیں کرتے ہیں (معاذ اللہ)۔ ان کی نظروں میں حضرت نوح علیہ السلام کی دیوانگی یہ تھی کہ آپ علیہ السلام ساری قوم کے نظریہ کے خلاف خالص توحید کی دعوت دے رہے ہیں۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ حضرت نوح (علیہ السلام) کی دعوت کی طرف توجہ نہ دی جائے، کچھ عرصہ کے بعد یہ اپنی ناکامی پر خود ہی دعوت ترک کر دیں گے۔ (معاذ اللہ)

علمی بات: عام طور پر قوم کے گمراہ سردار اور اصحابِ اقتدار، صالحین کی مخالفت میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ کیونکہ اصلاح کی براہِ راست زَد ان کے اقتدار اور ان کے مفاد پر پڑتی ہے۔ اس لئے وہ عوام کے دلوں میں طرح طرح کے شبہات ڈال کر اُنہیں اہل حق سے منحرف اور ان کے خلاف کرنے کی سر توڑ کوشش کرتے ہیں۔

آیت نمبر ۲۶: حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو (۹۵۰) سال تک تبلیغ کرتے رہے اور اپنی قوم کو سمجھاتے رہے۔ لیکن قوم نے آپ علیہ السلام کی تکذیب کی اور ماننے سے انکار کر دیا۔ آخر کار حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا مانگی کہ اے میرے رب! میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا ہے، اب تو ان کے مقابلہ میں میری مدد فرما۔

عملی پہلو: حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی سرکش قوم کے مقابلہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے مدد کے لئے دعا مانگی اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ اگر کسی انسان کی زندگی میں کوئی ایسا مرحلہ آجائے کہ وہ حق پر ہے اور اس کے مخالفین باطل پر ہیں اور اس کی مخالفت کر رہے ہیں۔ تو ایسے موڑ پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی سے مدد کے لئے دعا مانگنی چاہیئے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ ضرور دعا قبول اور مدد و نصرت فرمائے گا۔

آیت نمبر ۲۷: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور آپ علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ میری نگرانی اور ہدایت کے مطابق ایک کشتی تیار کریں۔

علمی بات: ۱۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو یہ بھی ہدایت دی کہ جب کافروں پر عذاب کا وقت آئے اور پانی کا طوفان شروع ہو جائے، تو کشتی میں حیوانات کا ایک ایک جوڑا اور اپنے اہل و عیال کو سوار کر لیں۔ لیکن ان کو سوار نہ کریں جن پر عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے، جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی اور بیٹا اور ظالموں یعنی کافروں میں سے کسی پر رحم کھانے اور سفارش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ ان کے غرق ہونے کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہے۔

۲۔ تنور سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں علماء کرام کی دو آراء ہیں۔ پہلی رائے یہ ہے کہ تنور چولہے کو کہتے ہیں جو روٹی پکانے کے لئے بنایا جاتا ہے۔ اس رائے کے مطابق، طوفانِ نوح اس طرح شروع ہوا تھا کہ ایک چولہے سے پانی اُبلنے لگا، اوپر سے بارش شروع ہو گئی اور رفتہ رفتہ وہ ایک ہولناک طوفان میں بدل گیا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ تنور سے مراد پوری زمین ہے۔ اس کے مطابق طوفانِ نوح اس طرح آیا کہ ساری زمین ہی چشمے میں تبدیل ہو گئی اور زمین سے پانی چشموں کی طرح اُبل پڑا۔

عملی پہلو: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم دیا تا کہ جب طوفان آئے تو ایمان والے اس عذاب سے محفوظ رہیں۔ کسی مصیبت اور مشکل سے بچنے کے لئے انتظام، منصوبہ بندی اور اسباب اختیار کرنا، حضرت نوح علیہ السلام کی سنت ہے۔ ہمیں بھی چاہیئے کہ ہم حالات کے مطابق منصوبہ بندی کریں اور اسباب اختیار کریں، کیونکہ اسباب ختیار کرنا انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔ البتہ اسباب اختیار کر کے نگاہ مسبب الاسباب پر رکھی جائے۔

آیت نمبر ۲۸: حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم کے مطابق کشتی تیار کر لی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو ہدایت دی کہ جب تم اور تمہارے مومن ساتھی کشتی میں سوار ہو جاؤ، تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد و ثنا کرو اور اس کا شکر ادا کرو کہ اس نے ظالموں کو غرق کر کے ان سے تمہیں نجات عطا فرمائی ہے۔ چنانچہ جب عذاب آیا، تو حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی میں سوار ہو کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور اس کا شکر ادا کیا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار سب مومنین کو نجات عطا فرمائی اور اُنہیں طوفان سے محفوظ رکھا۔

علمی بات: ظالم لوگ حضرت نوح علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے ساتھیوں کا مذاق اڑاتے اور اُنہیں بے شمار اذیتیں پہنچاتے تھے۔ اس کے علاوہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کا ان میں رہنا، ان کے کفر و شرک اور بُرے کاموں کو دیکھنا بجائے خود شدید تکلیف دہ تھا۔ اب ان سے نجات ملی، دشمن غرق ہوئے، الگ رہنے کی جگہ ملنے جا رہی ہے، اپنا ماحول اور اپنی مجلس بنے گی، تو اس پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا حکم ہوا۔

آیت نمبر ۲۹: حضرت نوح علیہ السلام کو آئندہ کے لئے بھی دعا کرتے رہنے کی تاکید فرمائی گئی۔ کشتی کو بابرکت جگہ پر اُتارنے اور اترنے کے بعد وافر رزق مہیا فرمانے کی دعا کی تلقین فرمائی گئی۔

علمی بات: ۱۔ اس دعا کا مطلب یہ ہے کہ پروردگار! ہم تیری مہربانی اور تیرے حکم سے اس کشتی میں سوار ہوئے ہیں۔ ہمیں مستقبل کا کچھ علم نہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ اب یہ کشتی ہمیں لے کر کہاں کہاں جائے گی اور کہاں پر جا کر رکے گی۔ یہ معاملہ اب تیرے سپرد ہے۔ ہماری التجا ہے کہ اس کشتی سے ہمارے اُترنے کو بابرکت بنادے اور ہمیں کسی بابرکت جگہ پر اتار دے۔

۲۔ اُتارنے سے مراد میزبانی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا مطلب یہ تھا کہ اے اللہ! یہ زمین تیری ہے اور ہم جو اس کشتی سے اُتریں گے تو ہم مہمان ہوں گے اور تُو ہمارا میزبان ہو گا۔ تُو ہماری مہمانی اچھی طرح کرنا، یعنی فراوانی سے کھانے پینے کو دینا۔ یوں تو اور لوگ بھی میزبانی کرتے ہیں، مگر تُو سب سے بہترین حق میزبانی ادا کرنے والا یعنی روزی دینے والا ہے۔

آیت نمبر ۳۰: حضرت نوح علیہ السلام کے اس واقعہ میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے کئی نشانیاں اور سبق آموز باتیں موجود ہیں۔ جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ کوئی رسول بھیجتا ہے، تو اس وقت قوم کا امتحان شروع ہو جاتا ہے۔ رسول علیہ السلام اور اس کے پیروکاروں کا بھی کہ وہ کس حد تک صبر و ثبات سے کام لیتے ہیں اور جھٹلانے والوں کا بھی کہ وہ کس حد تک سرکشی اختیار کرتے ہیں۔ پھر جو اس امتحان میں کامیاب ہوں، اُنہیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ انعامات سے نوازتا اور ان کی مدد فرماتا ہے اور معاندین کو قرار واقعی سزا بھی دیتا ہے۔ اس سب میں ایک مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ آنے والی اقوام میں سے کون ان نشانیوں سے عبرت و نصیحت حاصل کرتا ہے اور کون نہیں؟

آیت نمبر ۳۱: حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار اہلِ ایمان کی نسل بڑھی اور اس پر صدیاں گزر گئیں، تو دوبارہ وہ اسی گمراہی میں مبتلا ہو گئے جس میں ان کے پچھلے لوگ مبتلا ہوئے تھے۔ یہ لوگ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے غافل ہو کر خود ساختہ معبودوں میں مشغول ہو گئے۔ لہذا اس قوم کی طرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ایک اور رسول علیہ السلام آئے اور انہوں نے اُن لوگوں کو حق سے آگاہ کیا۔

علمی بات: اکثر مفسرین کرام کے نزدیک قومِ نوح کے بعد جس قوم کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور ان میں رسول بھیجا، وہ قومِ عاد ہے۔ کیونکہ اکثر مقامات پر قومِ نوح کے جانشین کے طور پر عاد ہی کا ذکر کیا گیا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ قومِ ثمود ہے، کیونکہ آگے چل کر ان کی ہلاکت کے ذکر میں کہا گیا کہ زبردست چیخ نے ان کو پکڑ لیا اور یہ عذاب قومِ ثمود پر آیا تھا۔

آیت نمبر ۳۲: اس نافرمان قوم کی ہدایت کے لئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان ہی میں سے ایک شخص کو رسول علیہ السلام بنا کر بھیجا۔ رسول علیہ السلام نے اُنہیں توحید کی دعوت دی کہ صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عبادت کرو، کیونکہ اس کے علاوہ کوئی اور معبود نہیں ہے۔ مزید برآں رسول علیہ السلام نے قوم کو شرک کا ارتکاب کرنے پر بُرے انجام اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی گرفت سے بھی ڈرایا۔

علمی بات: قومِ نوح کی ہلاکت کے بعد اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد کو خیر و برکت سے نوازا اور وہ ساری دُنیا میں پھیل گئے۔ پھر ان میں سے ایک قوم گمراہ ہو گئی جس طرح ان سے قبل قومِ نوح گمراہ ہوئی تھی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان ہی میں سے ایک رسول علیہ السلام بھیجا جنہوں نے اسی پیغام کو دُہرایا اور وہی نغمہ توحید سنایا، جس کو اس سے قبل حضرت نوح علیہ السلام بارہا سنا چکے تھے۔

آیت نمبر ۳۳: جب اس نافرمان قوم کو رسول علیہ السلام نے توحید کی دعوت دی، تو ان کے سرداروں نے اس کی مخالفت کی۔ یہ سردار دُنیاوی زندگی کے اعتبار سے بڑے خوشحال تھے، لیکن کافر تھے اور آخرت کے منکر تھے۔ انہوں نے رسول علیہ السلام پر اعتراض کیا اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ شخص محض تمہاری ہی طرح ایک بشر ہے اور تمہاری ہی طرح کھاتا اور پیتا ہے، تو پھر یہ رسول کیسے ہو سکتا ہے؟ (معاذ اللہ)

علمی بات: ساری کافر قوموں نے ایک ہی جیسا سوال اٹھایا کہ بشر کبھی رسول نہیں ہو سکتا۔ سب سے پہلا اعتراض ان کا یہی تھا کہ تم آخر ہو کیا؟ ایک بشر ہی تو ہو، پھر ہم بھی بشر اور تم بھی بشر۔ اس لئے ہم تمہاری رسالت کو کیونکر قبول کرلیں؟ حالانکہ زمین پر بسنے والے انسانوں کے لئے نمونہ کمال ایک انسان ہی ہو سکتا ہے۔ البتہ یہ بات خاص طور پر پیشِ نظر رہے کہ تمام انبیاء ورسل علیہم السلام اللہ ﷻ کے منتخب شدہ، بندے تمام مخلوق میں افضل ترین انسان تھے۔

آیت نمبر ۳۴: قوم کے سرداروں نے عوام سے کہا کہ اگر تم نے اپنے ہی جیسے انسان کو رسول تسلیم کر لیا، تو تم خسارہ میں رہو گے۔ وہ اس طرح سے کہ انسان کو رسول ماننے کے بعد اس کی فضیلت وبرتری بھی تسلیم کرلو گے اور اس کی اطاعت بھی کرو گے اور یہی خسارہ ہے کہ تم اپنے ہی جیسے ایک انسان کی فضیلت تسلیم کرلو اور اس کی اطاعت کرو۔ (معاذ اللہ)

علمی بات: ان سرداروں کی عجیب تھی منطق کہ اگر تم لوگ ہماری اطاعت کرو تو درست اور بجا، لیکن اس شخص کا کہنا مانو جو نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو ناقابل قبول! اس لئے کہ ہم پیدائشی سردار ہیں، تمہارے حکمران ہیں، ہمارا حکم تو تمہیں ماننا ہی ماننا ہے۔ مگر اس شخص کی اطاعت اس لئے نہیں ہو سکتی کہ یہ تمہاری طرح کا انسان ہے۔ یہ دلیل دیتے ہوئے وہ بھول گئے کہ وہ خود کوئی فرشتے نہیں بلکہ اپنے عوام جیسے ہی انسان ہیں اور انسان ہوتے ہوئے ہی وہ اپنے جیسے انسانوں سے اطاعت اور فرماں برداری کی توقع رکھتے ہیں۔ یہ دراصل ان کا رسول علیہ السلام کے خلاف ایک پروپیگنڈا تھا اور ان کی اس بات میں کوئی حقیقت نہ تھی۔

آیت نمبر ۳۵: سرداروں نے رسول علیہ السلام پر ایک اور اعتراض کیا کہ وہ تمہارے مرنے اور مٹی ہو جانے کے بعد، تمہیں دوبارہ زندہ ہونے کا یقین دلاتا ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جب ہم مر کر مٹی میں مل جائیں گے اور ہماری ہڈیاں بھی گل سڑ جائیں گی، تو ہم کو از سر نو دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ یعنی یہ ناممکن ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔

علمی بات: قیامت کا انکار کرنے والے ہمیشہ سے یہ دلیل دیتے آئے ہیں کہ جب انسان کا جسم گل سڑ جائے گا تو پھر اسے کس طرح زندہ کیا جا سکتا ہے؟ دراصل انسان پر جب دُنیا کی محبت غالب آ جاتی ہے، تو اس کا موت کے تصور سے ہی دل کانپتا ہے۔ اگر دل ایمان کی دولت سے خالی ہو، تو قیامت کا انکار کرتا ہے۔ پھر اس کا یہ خیال عقیدہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے، جس بنا پر وہ کہتا ہے کہ ہزاروں سال گزر چکے آج تک قیامت نہیں آئی اور نہ کسی نے دوبارہ زندہ ہو کر آخرت کے بارے میں کچھ بتلایا ہے۔

آیت نمبر ۳۶: سرداروں نے کہا کہ مر جانے اور مٹی ہو جانے کے بعد دوبارہ زندگی کا وعدہ بہت ہی بعید اور دور از قیاس چیز ہے۔ لہٰذا انہوں نے بڑی شدت سے موت کے بعد کی زندگی کا انکار کیا اور کہا کہ یہ ہرگز ممکن نہیں ہے۔

علمی بات: ماضی کے کفار اور موجودہ دور کے بھی کچھ لوگ انسان کے دوبارہ اٹھائے جانے کو عقل و فہم میں نہ آنے والی بات خیال کرتے ہیں حالانکہ بہت سی باتیں جو پہلے عقل و فہم سے ماورا تھیں، اب قابل فہم بنتی جا رہی ہیں۔ مگر آخرت کی زندگی کے منکرین کی ذہنیت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔

آیت نمبر ۳۷: کافر سرداروں کے بقول حقیقت تو یہ ہے کہ بس دُنیا کی زندگی ہے اور اس کے سوا کوئی اور زندگی نہیں ہے۔ اس دُنیاوی زندگی میں کچھ لوگ مرتے جاتے ہیں اور کچھ لوگ پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ دُنیا کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا ہے۔ کسی کو ہرگز دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا نہیں جائے گا۔

علمی بات: کافر سرداروں کا انسانی زندگی کے متعلق یہ تصور سراسر غلط تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ دُنیا دار العمل ہے، دار الجزا نہیں۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی بدکار ہوتے ہوئے عزت و آرام کی زندگی بسر کرتا ہے اور دوسرا آدمی نیک، مخلص اور لوگوں کا خیر خواہ ہونے کے باوجود عمر بھر طرح طرح کی مصیبتوں اور آزمائشوں میں مبتلا رہتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس فانی زندگی کے بعد ایک باقی زندگی بھی ہو، جہاں عدل و انصاف کے

سارے تقاضے پورے کیئے جائیں۔ نیک اور مخلص لوگوں کو ان کی مخلصانہ جدوجہد کا پورا پورا صلہ دیا جائے اور بدکاروں کو ان کے کرتوتوں کی پوری سزا ملے۔ وہ زندگی یقینی طور پر آخرت کی زندگی ہے۔

آیت نمبر ۳۸: سرداروں نے اپنی قوم سے مزید کہا کہ اس رسول نے اپنی نبوت و رسالت کے بارے میں جھوٹ گھڑ کر اللہ ﷻ سے منسوب کر دیا ہے۔ (معاذ اللہ) یعنی رسول کا یہ کہنا کہ میں اللہ ﷻ کا رسول ہوں، قیامت قائم ہوگی اور ہر کسی نے مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنا ہے اور اپنے کیئے کا حساب دینا ہے وغیرہ، سب جھوٹ ہے (معاذ اللہ)۔

علمی بات: سرداروں کے یہ الفاظ صاف بتاتے ہیں کہ یہ قوم اللہ ﷻ کی ہستی کی قائل تھی۔ وہ اللہ ﷻ کے منکر نہ تھے، بلکہ ان کی اصل گمراہی شرک ہی تھی۔ انہوں نے اللہ ﷻ کے ساتھ کئی دوسرے معبود بنا لیئے تھے۔ یہی شرک سب سے بڑا گناہ ہے جس کے وہ مرتکب ہو رہے تھے۔

آیت نمبر ۳۹: طویل عرصہ بیت گیا لیکن لوگوں نے رسول علیہ السلام کی دعوت قبول نہ کی۔ بالآخر رسول علیہ السلام نے اللہ ﷻ سے دعا کی اور نافرمانوں کے خلاف مدد کی التجا کی۔ دعا کی کہ اے میرے رب! ان لوگوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے اور اب یہ میری کوئی بات ماننے کو تیار نہیں، اس لئے اب ان کے مقابلہ میں میری مدد فرما اور ان پر وہ عذاب بھیج دے جس کا تو نے وعدہ فرما رکھا ہے۔

علمی بات: رسول علیہ السلام اس قوم کو مسلسل اللہ ﷻ کی توحید اور اصلاح کی دعوت دیتے رہے، لیکن جب اس قوم کی بدکاریاں حد سے تجاوز کر گئیں اور اللہ ﷻ کے پیغمبر کو ان کی ہدایت کی کوئی امید نہ رہی، تب پیغمبر علیہ السلام نے اللہ ﷻ کی بارگاہ میں دعا کی اور قوم کے خلاف اللہ ﷻ سے مدد مانگی۔

آیت نمبر ۴۰: اللہ ﷻ نے رسول علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور اپنے رسول کو بتایا کہ عنقریب اس کافر قوم پر عذاب آنے والا ہے۔ تب یہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی پر پچھتائیں گے، مگر اس آخری وقت کا پچھتاوہ بے سود ہوگا۔

عملی پہلو: جب نافرمان لوگوں پر اللہ ﷻ کا عذاب آتا ہے، تو وہ اپنے کیئے ہوئے اعمال پر نادم ہوتے ہیں، لیکن اس وقت کی ندامت کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے اعمال درست کریں اور اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اختیار کریں۔ گناہوں سے توبہ کریں اور نیک اعمال کریں، تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم گناہوں پر ہوں۔ اللہ ﷻ کی طرف سے پکڑ ہو جائے یا موت آجائے اور پھر پچھتانا پڑے۔

آیت نمبر ۴۱: آخر کار وعدہ کے مطابق یہ نافرمان قوم اللہ ﷻ کے عذاب کی گرفت میں آگئی۔ ایک ہولناک آواز نے اُنہیں آ پکڑا، جس سے پوری قوم ہلاک ہوگئی۔ عذاب سے اُنہیں بے کار ردی بنا دیا گیا، جس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ بلاشبہ ایسے ظالموں پر اللہ ﷻ کی لعنت اور پھٹکار ہے اور ان کے لئے تباہی اور بربادی ہی ہے۔

علمی بات: اس قوم پر کس چیز کا عذاب آیا اور اس چیخ سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں مفسرین کرام کی مختلف آراء ہیں۔ دراصل اس آیت میں عذاب کے لئے "صَیْحَۃ" کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا ترجمہ "سخت چیخ" ہے۔ اس کے مطابق اس سے مراد "سخت چیخ کا عذاب" ہے اور یہ چیخ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی تھی، جس سے ساری قوم ہلاک ہوگئی۔ اکثر مفسرین کی رائے یہی ہے۔

آیت نمبر ۴۲: اس نافرمان قوم کی ہلاکت کے بعد اللہ ﷻ نے بہت سی قوموں کو پیدا فرمایا۔

علمی بات: ہر قوم کی ہدایت کے لئے اللہ ﷻ نے انبیاء و رسل علیہم السلام بھیجے۔ ان رسولوں نے اپنی اپنی قوم کو دعوت دی۔ مگر قوموں نے بالعموم انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کو جھٹلایا۔ جس کے نتیجہ میں ان پر اللہ ﷻ کا عذاب نازل ہوا اور وہ ہلاک ہو گئے۔ وہ لوگ تو ختم ہو گئے، لیکن عبرت کے لئے ان کی داستانیں باقی رہ گئیں۔

آیت نمبر ۴۳: جتنی بھی نافرمان قومیں گزری ہیں، ان میں سے کوئی قوم اپنے مقررہ وقت سے نہ پہلے ہلاک ہوئی اور نہ بعد میں بلکہ ہر قوم کو اس کے معین وقت پر اس کی سرکشی کی سزا ملی۔ اللہ تعالیٰ نے جس قوم کے لئے عذاب کا جو وقت مقرر کر رکھا ہے، وہ عذاب عین اسی وقت نازل ہوتا ہے۔ لمحہ بھر بھی آگے پیچھے نہیں ہوتا۔

آیت نمبر ۴۴: پچھلی آیات میں مذکور قوموں کے فنا ہونے کے بعد، اللہ تعالیٰ نے بعض دوسری قوموں کو پیدا فرمایا۔ اُنہیں گمراہی سے بچانے اور راہِ راست پر ثابت قدم رکھنے کے لئے، اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف لگاتار رسول بھیجے۔ لیکن ان قوموں نے بھی پہلی قوموں کی طرح رسولوں کی تکذیب کی۔ جب کسی قوم کے پاس اس کے رسول آئے، تو وہ اس رسول کی تکذیب کرتے رہے اور اس کو جھٹلاتے رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ بھی ایک قوم کے بعد دوسری قوم کو ہلاک کرتا رہا۔ یہاں تک کہ یہ ساری قومیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ایسی تباہ ہوئیں کہ سوائے داستانوں کے ان کا کوئی نام ونشان باقی نہ رہا۔ بہر حال یہ قومیں اللہ تعالیٰ کے پیغام کو نہ ماننے کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوگئیں۔

عملی پہلو: اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے اپنے انبیاء ورسل علیہم السلام بھیجے۔ جن لوگوں نے رسولوں کی تکذیب کی، اللہ تعالیٰ نے اُنہیں ہلاک کر دیا۔ اب قیامت تک کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر خلوص دل سے ایمان لائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و پیروی کریں، تاکہ ہم کامیاب ہو سکیں۔ اب اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا انکار کرے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع سے روگردانی کرے گا، تو وہ ناکام ہو گا اور جہنم کا مستحق ہو گا۔

آیت نمبر ۴۵: مذکورہ بالا تمام انبیاء ورسل علیہم السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔ ان دونوں رسولوں کو اللہ تعالیٰ نے نشانیوں اور روشن دلیل کے ساتھ بھیجا۔ نشانیوں سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے معجزات ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو معجزات دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا تاکہ ان کے سامنے حق واضح کیا جائے اور ان کے پاس کسی طرح کا عذر اور کوئی حیل وحجت باقی نہ رہ جائے۔

علمی بات: نشانیوں اور روشن دلیل کے بارے میں مفسرین کرام کی مختلف آراء ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ نشانیوں سے معجزات مراد ہیں اور روشن دلیل سے سب سے بڑا معجزہ مراد ہے اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے بہت سے معجزات کا ظہور ہوا۔ مثلاً وہ عصا اژدھا بن گیا اور فرعون کے جادوگروں کے اژدھوں کو نگل گیا اور جب اس کو سمندر پر مارا تو راستہ بن گیا اور جب اس کو پتھر پر مارا تو بارہ (۱۲) چشمے پھوٹ نکلے اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت کرتا تھا، ان تمام فضائل کی وجہ سے عصا کا الگ ذکر فرمایا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ نشانیوں سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا سمیت نو معجزات ہیں۔ روشن دلیل سے مراد ان معجزات کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر دلالت ہے۔

جن نو معجزوں کا ظہور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ہوا تھا ان کا ذکر (سورۃ الاعراف ۷، آیات: ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۳۰، ۱۳۳) (سورۃ بنی اسرائیل ۱۷، آیت: ۱۰۱) وغیرہ میں آیا ہے اور وہ یہ ہیں: ۱۔ عصا، ۲۔ ید بیضا، ۳۔ قحط سالی، ۴۔ پیداوار میں کمی، ۵۔ طوفان، ۶۔ ٹڈیاں، ۷۔ جوئیں، ۸۔ مینڈک، ۹۔ خون۔

آیت نمبر ۴۶: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو معجزات اور واضح دلیل کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا۔ لیکن فرعون اور اس کی قوم نے تکبر اور سرکشی کا مظاہرہ کیا اور دونوں رسولوں کو جھٹلا دیا۔ دراصل وہ بڑے ہی سرکش لوگ تھے۔ مال ودولت اور حکومت واقتدار کی کرسی سے ان کی سرکشی میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ اپنی سرکشی کی بنا پر دوسروں پر ظلم وزیادتی کا ارتکاب کرنا ان کا عام وطیرہ تھا۔ اسی لئے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا انکار کر دیا۔

آیت نمبر ۴۷: فرعون اور اس کے سرداروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا انکار کر دیا اور اس کی دو وجوہات بتائیں۔ ایک یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام ہمارے جیسے انسان ہیں، ان میں کوئی ایسی خوبی نہیں ہے جس بنا پر ہم ان دونوں پر ایمان لے آئیں۔ یہ وہی اعتراض تھا جو ان سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کی قومیں اپنے رسولوں کے بارے میں کر چکی تھیں۔ فرعون اور اس کے سرداروں نے انکار کی دوسری وجہ یہ بتائی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا تعلق ہماری محکوم قوم بنی اسرائیل سے ہے، لہٰذا ہم اپنی غلام قوم کے دو لوگوں پر ایمان لا کر اپنے لئے رُسوائی قبول نہیں کر سکتے۔ (معاذ اللہ)

علمی بات: آیت میں اصل لفظ "عٰبِدُوْنَ" ذکر ہوا ہے جس کا یہ معنیٰ بنتا ہے کہ ان کی قوم ہماری عبادت کرتی ہے۔ لیکن اس کا ترجمہ غلامی سے کیا گیا ہے کہ ان کی قوم ہماری غلام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادت کا لفظ وسیع مفہوم کا حامل ہے جس میں بندگی اور اطاعت کے معانی شامل ہیں۔ چونکہ بنی اسرائیل فرعون کی بندگی یعنی پوجا اور پرستش نہیں کرتے تھے، بلکہ اس کی اطاعت اور غلامی کرتے تھے۔ اس لئے اسی اطاعت اور غلامی کو "عبادت" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بندوں سے عبادت کرنے کا جو مطالبہ کیا ہے اس میں عبادت کا وسیع مفہوم شامل ہے کہ ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے سب سے بڑھ کر محبت کریں، اُس کی بندگی کریں اور تمام اُمورِ زندگی میں اس کی اطاعت بھی کریں۔

آیت نمبر ۴۸: فرعون اور اس کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو ماننے سے انکار کر دیا اور ان کی تکذیب کی۔ نتیجہ کے طور پر فرعون اور اس کی قوم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے عذاب میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو گئے۔

علمی بات: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قانون ہے کہ اُس نے لوگوں کی ہدایت کے لئے اپنے رسول علیہم السلام بھیجے۔ لیکن جب کسی قوم نے اپنے رسول علیہ السلام کی تکذیب کی تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس قوم کو ایک خاص وقت تک مہلت دی۔ لیکن جب وہ کسی طرح بھی ہدایت کے راستہ پر نہیں آئی اور ان پر اتمامِ حجت ہو گیا، تو پھر اُنہیں زندہ نہیں چھوڑا گیا۔ چنانچہ اسی قانون کے تحت فرعون، اس کی فوج اور اس کے بڑے بڑے درباری سمندر میں غرق کر دیئے گئے۔

آیت نمبر ۴۹: فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب (تورات) عطا کی گئی۔ تورات کا مقصد یہ بیان ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل اس کے ذریعہ رہنمائی حاصل کرے۔

علمی بات: ۱۔ فرعون اور آلِ فرعون کے غرق ہونے کے بعد اور بنی اسرائیل کے فرعون کی غلامی سے نجات پانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک بنی اسرائیل فرعون کی غلامی میں تھے، احکامِ شرعیہ پر عمل کرنے سے عاجز تھے۔ اس لئے اُنہیں تورات کی صورت میں تفصیلی احکام اس وقت دیئے جب وہ فرعون کی گرفت سے نکل گئے۔ اب تورات نازل کرنے کا یہ مقصد بھی تھا کہ بنی اسرائیل کی اچھی طرح تربیت کی جائے، تاکہ وہ دوسری قوموں کے لئے بھی نمونہ بنیں۔

۲۔ یہی بات سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآنِ کریم کے علاوہ بھی وحی نازل ہوتی تھی۔ فرعون اور آلِ فرعون کے غرق ہونے کے بعد تورات عطا کی گئی گویا پیغمبر علیہ السلام پر کتاب کے علاوہ بھی وحی نازل ہوتی تھی۔

آیت نمبر ۵۰: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کو اپنی قدرتِ کاملہ کی نشانی بنایا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معجزانہ طور پر بغیر والد حضرت مریم علیہا السلام سے پیدا فرمایا۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ان دونوں پر یہ بھی انعام ہوا کہ ان کو ایک بلند اور اونچی زمین پر ٹھکانہ عطا فرمایا، جو سر سبز و شاداب اور ٹھہرنے کے قابل تھی، جہاں چشمے کا پانی بھی بہتا تھا جس سے ان کی ضروریات پوری ہو سکیں۔

علمی بات: اللہ ﷻ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کو ایک بلند اور اونچی زمین پر ٹھکانہ دیا، جو سرسبز و شاداب اور ٹھہرنے کے قابل تھی، جہاں چشمہ کا پانی بھی جاری تھا۔ اس سے مراد وہ بلند جگہ ہے جہاں لوگوں کی نگاہوں سے محفوظ رہ کر حضرت مریم علیہا السلام نے پناہ لی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔

آیت نمبر ۵۱: یہاں اگرچہ خطاب تمام رسولوں سے ہے تاہم اس کا حکم عام ہے۔ طیب سے مراد وہ چیزیں جن کا کھانا شریعت نے حلال قرار دیا ہو اور اُنہیں حلال ذرائع سے ہی حاصل بھی کیا گیا ہو۔ پاکیزہ چیزیں کھانے اور نیک اعمال انجام دینے کا حکم ہے۔ رزق حلال کی برکت یہ ہے کہ نیک اعمال کی توفیق ملتی ہے۔ حلال میں حرام کی آمیزش کرنے والوں سے بھی اللہ ﷻ خوب واقف ہے۔ تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہوں کہ کون میرے اس حکم پر عمل کرتا ہے اور کون عمل نہیں کرتا۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے لوگو! اللہ ﷻ پاک ہے اور پاکیزہ چیز کو ہی پسند فرماتا ہے۔ بے شک اللہ ﷻ نے مومنین کو اسی بات کا حکم دیا ہے جس کا حکم اس نے اپنے رسولوں کو دیا تھا۔" پھر (اس کے بعد) آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "اے رسولو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو بے شک میں اسے خوب جانتا ہوں جو کچھ تم لوگ کرتے ہو۔" (سورۃ المؤمنون ۲۳، آیت: ۵۱) اور (پھر) آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں۔" (سورۃ البقرۃ ۲، آیت: ۱۷۲) (پھر) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ایک آدمی دور دراز کا سفر کرتا ہے، اس کے بال پراگندہ اور غبار آلود ہیں، وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتا ہے۔ (اور کہتا ہے) اے میرے رب! اے میرے رب! حالانکہ اس کا کھانا حرام (مال کا) ہے اور اس کا پینا حرام (مال کا) ہے، اس کا لباس حرام (مال کا) ہے اور اس کی پرورش ہی حرام سے ہوئی ہے۔ تو ایسے آدمی کی دعا کیسے قبول ہو گی؟" (جامع ترمذی)

عملی پہلو: اس آیت کا منشا یہ ہے کہ تمام لوگ پاکیزہ اور حلال چیزیں کھائیں۔ کوئی ایسی چیز نہ کھائیں جو حرام اور ناپاک ہو۔ لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ ہم حلال روزی کمائیں اور حلال ہی کھائیں۔ کوئی ایسا ذریعہ آمدنی اختیار نہ کریں جو حرام ہو۔ کوئی ایسی چیز نہ کھائیں جسے شریعت نے حرام قرار دیا ہو۔ کوئی ایسا مشروب پینے کے لئے استعمال نہ کریں جو حرام ہو۔ اس بات کو بھی یقینی بنائیں کہ اپنے اہل و عیال کو صرف اور صرف حلال رزق ہی کھلائیں۔

آیت نمبر ۵۲: "تمہاری امت" سے مراد انبیاء و رسل علیہم السلام کی جماعت اور ان پر ایمان لانے والے ہیں۔ اصل میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے ماننے والے سب ایک ہی دین پر تھے۔ ان سب کی دعوت ایک ہی تھی اور یہ سب مجموعی طور پر ایک ہی اُمّت ہیں۔ ہر چیز کا خالق و مالک اللہ ﷻ ہے اور وہی عبادت کا مستحق ہے۔ اسی کے حضور اعمال پیش ہونے پر باز پرس ہو گی، لہٰذا صرف اسی سے ڈرتے ہوئے نافرمانی سے بچا جائے۔

علمی و عملی بات: مذہب تمام انبیاء کرام علیہم السلام ایک ہی دین کی دعوت لے کر آئے تھے۔ بعد میں لوگوں نے اپنی طرف سے الگ الگ مذہب بنا لیئے۔ جب قوموں نے بگاڑ پیدا کیا، تو اللہ ﷻ نے اس بگاڑ کی اصلاح کے لئے دوسرے نبی علیہ السلام اور رسول علیہ السلام بھیجے۔ ان نبیوں اور رسولوں علیہم السلام نے لوگوں کی اصلاح کی اور اصل دین کی ہی دعوت دی۔ اسی اصل دین کے داعی اکمل اور خاتم النبیین بن کر ہمارے پیارے نبی سیّدنا حضرت محمد مصطفی ﷺ تشریف لائے ہیں۔ اس لئے اب تمام لوگوں کا یہ فرض ہے کہ وہ آپ ﷺ کی دعوت کو صدق دل سے قبول کریں۔ اپنے رب کی معرفت حاصل کریں اور اُس کی نافرمانی سے بچتے رہیں۔

آیت نمبر ۵۳: رسولوں کی تعلیمات پر عمل کرنے کے بجائے لوگ شدید اختلافات میں پڑ گئے۔ حتیٰ کہ عقائد اور اصولی باتوں میں بھی فرق کرنے لگ گئے۔ ہر گروہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہے اور اسی پر خوش ہے۔

علمی نکتہ: تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا دین ایک ہی تھا اور ان سب کی دعوت بھی ایک تھی۔ لیکن بعد میں لوگوں نے اصل دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور اس کے کئی مذہب بنا لیئے۔ پھر ان مذاہب کے اپنے اپنے نام رکھ لیئے۔ کوئی یہودی بن گیا، کوئی عیسائی، کوئی مجوسی اور کوئی کچھ اور بن گیا۔ اس کے نتیجہ میں ہر گروہ نئے خود ساختہ مذہب پر خوش اور اسی میں مست ہے۔ وہ اس بارے میں غور و فکر سے کام لینے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتا کہ حقیقت کیا ہے؟ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ دین حق تو ایک ہی دین تھا اور ایک ہی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام نے اسی دین کی دعوت دی تھی اور وہ دین اسلام ہے۔ لیکن مختلف لوگوں اور ان کے نام نہاد مذہبی پیشواؤں نے اپنی خواہشات اور اغراض و مقاصد کی بنا پر اس میں تفرقہ ڈالا اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے کئی مذاہب بنا لیئے۔

آیت نمبر ۵۴: متعصب اور ہٹ دھرم کفار کو ایک مقررہ وقت تک ان کی غفلتوں میں چھوڑ دینے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

علمی بات: جن لوگوں نے اصل دین سے ہٹ کر نئے مذاہب بنا لیئے ہیں اور اس پر ہی راضی ہیں، وہ گمراہ ہو چکے ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو تلقین فرمائی ہے کہ آپ ﷺ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس کے باوجود اگر یہ لوگ تعصب کا شکار ہیں اور آپ ﷺ پر ایمان نہیں لاتے، تو آپ ﷺ غم زدہ نہ ہوں۔ ان کو ان کی غفلت میں ہی رہنے دیں، جب ان پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا عذاب آئے گا یا اُنہیں موت آئے گی، تو اُنہیں حق و باطل بالکل واضح نظر آ جائے گا۔

آیت نمبر ۵۵: کفار اور گمراہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اُنہیں مال و دولت، اولاد اور دیگر نعمتیں جو عطا کی گئی ہیں، وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رضامندی کی علامت ہیں۔ ان کا یہ خیال غلط ہے۔ درحقیقت اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اُنہیں ایک مقررہ مدت تک مہلت دی ہوئی ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اُنہیں جو اسباب خیر دیئے ہوئے ہیں، اس میں ان کی آزمائش ہے۔ اسی آزمائش کی بنیاد پر آخرت میں ان کا ایک فیصلہ ہو گا۔

آیت نمبر ۵۶: کفار کا یہ گمان غلط ہے کہ ان کو جو دُنیا میں کچھ فوائد دے رہا ہے تو یہ ان کے حق میں بہتر اور ان کے خوش نصیب ہونے کی علامت ہے۔ درحقیقت ان کفار کو شعور نہیں ہے کہ اس کے ذریعہ ان کی آزمائش ہو رہی ہے اور اُنہیں ایک مقررہ مدت تک مہلت دی جا رہی ہے۔

علمی بات: دُنیا دراصل دارالجزا نہیں بلکہ دارالامتحان ہے۔ اس لئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ ساری چیزیں آزمائش اور امتحان کے لئے دی ہیں۔ اس حقیقت کو نظر انداز کر کے یہ سمجھ لینا کہ یہاں کا عیش و آرام اس کے پانے والے کے برحق، صالح اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے محبوب ہونے کا ثبوت ہے اور تکلیف و آرام میں زندگی بسر کرنے والا غیر صالح اور مغضوب بارگاہِ الٰہی ہے تو یہ ایک بڑی غلط فہمی بلکہ حماقت ہے۔

آیت نمبر ۵۷: کفار کے تذکرہ کے بعد اب اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے مخلص بندوں کی چند صفات بیان ہو رہی ہیں۔ پہلی صفت یہ ہے کہ ان پر ہر وقت اپنے رب کا خوف طاری رہتا ہے۔ وہ ہمیشہ محتاط رہتے ہیں کہ کہیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب نہ کر بیٹھیں جس پر ان کی گرفت ہو جائے۔

علمی بات: اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے مخلص بندے اپنے رب کے ڈر سے ہمیشہ اس کی اطاعت کرتے ہیں اور کبھی بھی نافرمانی نہیں کرتے۔ جس شخص کے دل میں اپنے رب کا خوف کامل درجہ کا ہو گا، وہ دُنیا میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ناراض ہونے سے اور آخرت میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے عذاب سے بے حد خوف زدہ ہو گا۔ جس شخص کا یہ حال ہو گا وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نافرمانی سے بہت دور رہے گا اور ہمیشہ اس کی فرماں برداری میں رہے گا۔

آیت نمبر ۵۸: اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے مخلص بندوں کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی آیات پر ایمان لاتے ہیں اور ان پر دل سے یقین رکھتے ہیں۔

علمی بات: یہاں پر "آیات" سے دو طرح کی آیات مراد ہیں۔ آیات کا ایک معنٰی "نشانیاں" ہے۔ اس معنٰی کے لحاظ سے آیت کا یہ مفہوم ہے کہ اس کائنات میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے وجود، اس کی ذات اور صفات پر نشانیاں بکھری ہوئی ہیں۔ اہل ایمان ان نشانیوں میں غور و فکر کر کے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات اور صفات

پر ایمان لاتے ہیں۔ آیات کا دوسرا معنیٰ "قرآنِ مجید کی آیات" ہیں۔ اہل ایمان آیات قرآنی پر ایمان لاتے اور ان کی تصدیق کرتے ہیں اور ان کے ہر حکم کی تعمیل کو زندگی کا اثاثہ گردانتے ہیں۔

آیت نمبر ۵۹: اللہ ﷻ کے مخلص بندوں کی تیسری صفت یہ ہے کہ وہ اللہ ﷻ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے۔ وہ اللہ ﷻ کے لئے اپنی بندگی، اطاعت اور عبودیت کو بالکل خالص کرلیتے ہیں۔ وہ شرک کی ہر بڑی چھوٹی قسم سے بچتے ہیں خواہ وہ شرک جلی (ظاہر) ہو یا خفی (پوشیدہ)، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ شرک سب سے بڑا اور نہایت ہولناک گناہ ہے۔

آیت نمبر ۶۰: اللہ ﷻ کے مخلص بندوں کی چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ ﷻ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور دیگر نیک کاموں میں بھی اپنی صلاحیتیں صَرف کرتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ ﷻ سے ڈرتے بھی رہتے ہیں کہ نہ جانے یہ نیکیاں قبول ہوں یا نہ ہوں؟ وہ اللہ ﷻ کی راہ میں حتی المقدار صدقہ وخیرات اور دوسرے نیک اعمال کرتے ہیں، لیکن وہ اپنی نیکیوں پر تکبر نہیں کرتے، بلکہ اُنہیں یہ خدشہ لاحق رہتا ہے کہ کہیں کسی کوتاہی، غلطی یا خلوص کی کمی کے باعث، ان کا یہ عمل اللہ ﷻ کے ہاں رد نہ کردیا جائے۔

علمی بات: عربی زبان میں "ایتاء" یعنی "دینے" کا لفظ صرف مال یا کوئی مادی چیز دینے ہی کے معنیٰ میں استعمال نہیں ہوتا، بلکہ معنوی چیزیں دینے کے معنیٰ میں بھی بولا جاتا ہے۔ اس دینے کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ وہ راہِ خدا میں مال دیتے ہیں، بلکہ اس کا مطلب اللہ ﷻ کے حضور اطاعت و بندگی پیش کرنے پر بھی حاوی ہے۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت (سورۃ المؤمنون ۲۳، آیت: ۶۰) کے متعلق پوچھا: "کیا یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں؟ (اس وجہ سے ان کے دل کانپتے رہتے ہیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں، اے صدیق کی بیٹی! بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور صدقہ کرتے ہیں اور اس کے باوجود ڈرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی نیکیاں قبول نہ ہوں۔" پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ "یہ لوگ نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں اور وہ ان (نیکیوں) کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں۔" (جامع ترمذی)

آیت نمبر ۶۱: اللہ ﷻ کے مخلص بندے بھلائی کے ہر کام میں پیش قدمی کرنے میں جلدی کرتے ہیں۔ زندگی میں ان کی بھاگ دوڑ نیکیوں اور بھلائیوں کے لئے ہوتی ہے اور اس میدان میں ہمیشہ وہ دوسروں سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ جیسے عام لوگ دُنیا کے منافع کے پیچھے دوڑتے اور دوسروں سے آگے بڑھنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ یہ لوگ نیک اعمال میں ایسا ہی کرتے ہیں اسی لئے وہ نیک کاموں میں دوسروں سے آگے بڑھ جانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

آیت نمبر ۶۲: اللہ ﷻ نے شریعت میں ایسے کوئی احکام نازل نہیں کیئے جو انسانی طاقت سے باہر ہوں۔ اسلام کے تمام احکام انسان کی وسعت اور استطاعت کے مطابق ہیں۔ کیونکہ اللہ ﷻ کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا کہ جسے برداشت کرنے اور جس کے مطابق عمل کرنے کی اس میں استطاعت نہ ہو۔ انسان کے اعمال ایک ایسی کتاب میں لکھے جارہے ہیں جو کسی بھی نیکی یا بدی کو ضائع نہیں ہونے دیتے۔ کتاب سے مراد ہر شخص کا اعمال نامہ اور اس کی زندگی بھر کے اعمال وافعال کی تفصیلات پر مشتمل ریکارڈ ہے۔ لہٰذا ہر انسان کے اعمال کا ریکارڈ تیار کیا جارہا ہے، اس لئے روزِ قیامت کسی کے ساتھ زیادتی یا حق تلفی نہیں ہوگی۔

علمی بات: اسلام دین فطرت ہے۔ اللہ ﷻ نے شریعت کے احکام میں انسان کی فطرت اور اس کی استطاعت کا پورا پورا خیال رکھا ہے۔ کیونکہ اللہ ﷻ ہمارا خالق ہے وہ خوب جانتا ہے کہ ہماری استطاعت کس قدر ہے اور کیا باتیں ہمارے نفع اور کون سی باتیں ہمارے نقصان کی ہیں۔ شریعت کا کوئی ایسا حکم نہیں ہے جو انسان کی طاقت سے باہر ہو۔ مثلاً نماز پڑھنا انسانی استطاعت میں ہے۔ اگر بیمار آدمی نماز میں کھڑا نہ ہو سکے تو اسے بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ روزہ رکھنا انسانی استطاعت میں ہے۔ روزہ میں بیمار اور مسافر کے لئے رخصت ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے اور بعد میں قضا کرلے۔

فرمانِ نبوی ﷺ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بے شک دین آسان ہے اور دین میں جو کوئی سختی اختیار کرے گا تو دین اس پر غالب آجائے گا (اور اس کی سختی نہ چل سکے گی)۔ اس لئے اپنے عمل میں پختگی اختیار کرو اور (جہاں تک ممکن ہو) میانہ روی کی چال چلو اور خوش ہو جاؤ (کہ اس طرزِ عمل سے تم کو دارین کے فوائد حاصل ہوں گے) اور صبح کی عبادت، شام کی عبادت اور آخر رات کی عبادت سے مدد حاصل کرو۔" (صحیح بخاری)

آیت نمبر ۶۳: کفار کی یہ حالت ہے کہ ان کے دل آخرت کی طرف سے جہالت اور غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کو خیال واحساس تک نہیں کہ جو کچھ یہ کہہ اور کر رہے ہیں وہ کہیں درج ہو رہا ہے۔ یہ پورا ریکارڈ کل قیامت کے روز ان کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ ان کی دلچسپی کے کام کچھ اور ہی ہیں جن میں یہ دن رات محو اور منہمک رہتے ہیں۔ جن کا تعلق ان کی خواہشات کی تکمیل، دُنیاوی مفادات کی تحصیل اور مادی فوائد و منافع سے ہوتا ہے اور بس۔

علمی بات: پچھلی آیات میں مومنوں کی صفات کے بیان کے بعد روئے سخن کفار کی طرف پھیر دیا گیا ہے کہ مذکورہ بالا آیات میں بھلائی کی طرف سبقت کرنے والے مومنوں کی جو صفات بیان کی گئی ہیں ان سے یہ کفار کوسوں دور ہیں اور ان کے دلوں پر غفلت طاری ہے۔

عملی پہلو: ہر شخص کو اپنی مصروفیات کا جائزہ لینا چاہیئے کہ اس کی شبانہ روز تگ و دو اور بھاگ دوڑ کا کتنا حصہ دین کے لئے ہے اور کتنا حصہ دُنیا کے لئے؟ اگر کسی شخص کی تمام تر کوشش دُنیا کے لئے ہے اور اس نے منصوبہ بندی بھی صرف اسی کے لئے کر رکھی ہے، تو سوچنا چاہیئے کہ آخرت کی تیاری کرنے کے لئے فرصت کے لمحات اسے کب اور کیسے میسر آئیں گے؟

آیت نمبر ۶۴: خوشحال کفار کا یہ حال ہے کہ وہ عیش میں پڑے ہوئے دُنیا کے مزے لوٹ رہے ہیں اور اللہ ﷻ سے غافل ہیں۔ لیکن جب ان خوشحال اور عیاش کفار پر اللہ ﷻ کا عذاب نازل ہوگا، تو وہ چیخ وپکار اور فریاد کرنے لگیں گے۔ لیکن ان کی کوئی فریاد اور چیخ وپکار نہ سنی جائے گی اور وہ عذاب کا مزہ چکھیں گے۔ چونکہ مال دار اور بااثر لوگ حق کی مخالفت میں پیش پیش ہوتے ہیں اس لئے ان کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

عملی پہلو: دُنیا کا مال اور عیش عارضی اور آزمائش کے لئے ہے۔ اس کا ہمیں اللہ ﷻ کو حساب دینا ہے۔ اس لئے ہمیں چاہیئے کہ ہم مال و دولت کو اللہ ﷻ کے احکام کے دائرہ میں رہتے ہوئے حاصل کریں اور عیش و عشرت میں پڑ کر اللہ ﷻ سے غافل نہ ہو جائیں۔ ورنہ کل کو پچھتانا پڑے گا۔

آیت نمبر ۶۵: جب ان آسودہ حال کفار پر اللہ ﷻ کا عذاب آئے گا تو یہ فریاد اور چیخ وپکار کریں گے۔ تب اُنہیں کہا جائے گا کہ آج تمہاری اس چیخ وپکار اور آہ و فریاد کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، تمہاری فریاد سن کر آج کوئی تمہاری مدد کو نہیں آئے گا اور اللہ ﷻ کی طرف سے بھی تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ یعنی عذاب آجانے کے وقت ان کا فریاد کرنا کچھ مفید نہ ہوگا۔ اس وقت اللہ ﷻ کی گرفت سے اُنہیں کوئی نہیں چھڑا سکے گا اور نہ ہی ان کی کوئی مدد کی جائے گی۔

آیت نمبر ۶۶: عذاب کے وقت کفار کی فریاد اور چیخ وپکار پر اُنہیں مخاطب کر کے بتایا جائے گا کہ اب کیوں شور مچاتے ہو، وہ وقت یاد کرو جب تمہیں اللہ ﷻ کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی تھیں، تو تم الٹے پاؤں بھاگتے تھے اور سننا بھی گوارا نہ کرتے تھے۔ تمہیں یاد ہے اس وقت تمہارا کیا رویہ ہوا کرتا تھا۔

تم ایسی محفلوں میں شرکت کرنا ہی اپنی شان کے خلاف اور عزت کے منافی سمجھتے تھے اور دور سے ہی واپس لوٹ جایا کرتے تھے۔ حق کی دعوت دیئے جانے کے باوجود تم اسے سننا گوارا نہیں کرتے تھے۔

آیت نمبر ۶۷: عذاب میں مبتلا کفار جب چیخ وپکار کریں گے تو اُنہیں کہا جائے گا: کیا تمہیں وہ وقت یاد ہے جب اللہ ﷻ کے رسول علیہ السلام تمہیں قرآنِ حکیم کی آیتیں پڑھ کر سناتے تھے تو تم ان کو سننا گوارا نہیں کرتے تھے اور تکبر کرتے ہوئے وہاں سے بھاگ جاتے تھے۔ لہٰذا آج اپنی سازشوں کا مزہ چکھو، چیخنے چلانے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو گا۔

علمی بات: "سَامِراً" کے معنیٰ رات کو باتیں کرنے والا اور "تَھْجُرُوْنَ" کا معنی ہے بُری باتیں کرنا۔ مشرکین رات کے وقت حرم میں بیٹھ کر قرآنِ مجید اور نبی کریم ﷺ کے متعلق بُری اور بے ہودہ باتیں کرتے تھے اور طرح طرح کے قصے گھڑتے تھے، کوئی جادو کہتا تھا، کوئی شاعری، کوئی کہانت، کوئی کچھ اور (معاذ اللہ)۔

آیت نمبر ۶۸: اللہ ﷻ نے کفار و مشرکین کو تنبیہ کی ہے کہ انہوں نے قرآنِ مجید میں صدقِ دل سے غور و فکر کیوں نہیں کیا۔ اگر وہ صحیح طور پر قرآنِ مجید پر غور و فکر کرتے اور اسے سمجھنے کی کوشش کرتے، تو یہ بات ان پر آشکارا ہو جاتی کہ یہ اللہ ﷻ کی سچی کتاب ہے اور خاتم النبیین حضرت سیّدنا محمد مصطفیٰ ﷺ جن پر نازل ہوئی ہے، وہ اللہ ﷻ کے سچے رسول ہیں۔ ان مشرکین کی یہ بات بھی قابل ملامت ہے کہ انہوں نے قرآنِ کریم کا اس لئے انکار کر دیا ہے کہ ایسا کلام ان کے آباؤ اجداد کے پاس نہیں آیا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ ﷻ کا ان پر یہ احسان ہے کہ ان کے پاس وہ دین اور شریعت آئی ہے جس سے ان کے آباؤ اجداد زمانۂ جاہلیت میں محروم رہے۔ اس پر اُنہیں اللہ ﷻ کا شکر ادا کرنا چاہیئے تھا اور دین اسلام کو قبول کر لینا چاہیئے تھا۔

آیت نمبر ۶۹: مشرکین کی تردید کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ کیا مشرکین کے انکار کی یہ وجہ ہے کہ وہ اپنے رسول ﷺ سے پوری طرح متعارف نہیں ہیں۔ اگر کوئی حضور ﷺ اور آپ ﷺ کی سچائی اور امانت و دیانت سے واقف نہ ہوتا، تو اس کے دل میں آپ ﷺ کی نبوت میں شک ہونا کم از کم شروع میں سمجھ میں آسکتا تھا لیکن یہ لوگ چالیس سال سے آپ ﷺ کی سچائی اور اعلیٰ اخلاق و کردار کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کرتے رہے ہیں اور اُنہیں یقین سے معلوم ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی نہ جھوٹ بولا ہے، نہ کسی کو دھوکہ دیا ہے۔ اس کے باوجود وہ آپ ﷺ کو اس طرح جھٹلا رہے ہیں جیسے وہ آپ ﷺ کے حالات سے کبھی واقف ہی نہیں تھے۔

آیت نمبر ۷۰: کیا مشرکین رسول اللہ ﷺ پر اس لئے ایمان نہیں لاتے کہ ان کے خیال میں آپ ﷺ کو جنون ہو گیا ہے (معاذ اللہ)؟ یہ ان کا صرف جھوٹا الزام ہے اور اس میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔ دراصل آپ ﷺ ایسا دینِ حق لے کر آئے ہیں جو ان کی خواہشات اور ان کے آبائی عقائد کے خلاف ہے، اس لئے وہ محض عناد، سرداری کی خواہش اور دنیوی لذتوں کی محبت کی وجہ سے حق سے نفرت کرتے ہیں۔ ان کے انکار کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ حق کو ناپسند کرتے ہیں اور اسے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

آیت نمبر ۷۱: حق سے مراد دینِ الٰہی کی تعلیمات ہیں۔ کفار و مشرکین چاہتے تھے کہ قرآنِ حکیم ان کی مرضی کے مطابق نازل ہوا کرے۔ ان کے اس باطل خیال کی تردید کی گئی ہے کہ اگر حق لوگوں کی خواہشات کے مطابق نازل ہو تو کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ یعنی اگر دین اسلام لوگوں کی خواہشات کے مطابق ہو جائے، تو نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے، آسمان اور زمین میں پائی جانے والی تمام مخلوقات، خواہشاتِ نفس کی اتباع اور گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے تباہ و برباد ہو جائیں۔ اس لئے اللہ ﷻ نے قرآنِ مجید کو حق کے ساتھ لوگوں کی نصیحت اور ہدایت کے لئے نازل کیا ہے۔ لیکن کفار کی بے وقوفی کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے اس نصیحت سے منہ پھیر لیا ہے اور ہدایت حاصل نہیں کر رہے۔

علمی بات: ذکر کا ایک اور معنیٰ تاریخ اور داستان بھی ہے۔ اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اے کفار و مشرکین! اللہ ﷻ نے تمہارے سامنے گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت اور ان کو جھٹلانے والی قوموں کی تاریخ بیان فرمائی ہے جن پر اس تکذیب کی وجہ سے عذاب آیا۔ یہ انسانوں کی تاریخ اور انسانیت کی کہانی ہے۔ جو ہر دور میں پیش آتی رہی ہے۔ اب نبی کریم ﷺ پھر اسی ذکر اور داستان کو مشرکین مکہ کے سامنے دُہرا رہے ہیں تاکہ وہ اپنی دُنیا و عاقبت کو سنوار لیں۔ بصورتِ دیگر ان کا انجام بھی وہی ہو گا جو پہلی نافرمان قوموں کا ہو چکا ہے۔

آیت نمبر ۷۲: رسول اللہ ﷺ لوگوں کو بلا کسی دُنیاوی معاوضہ کے نیک کاموں کی دعوت دے رہے تھے۔ اسی طرح ہر نبی علیہ السلام نے اللہ ﷻ کا پیغام اپنی قوموں کو بغیر کسی دُنیاوی معاوضہ کے پہنچایا ہے۔ دعوتِ دین پر اجر اللہ ﷻ کے ذمّہ کرم ہے جو سب سے بہترین رازق ہے۔

علمی بات: یہاں دراصل ان الفاظ میں خطاب حضور نبی کریم ﷺ سے نہیں ہے، بلکہ مشرکین مکہ سے ہے کہ عقل کے اَندھو، ذرا سوچو تو! تمہارے شاعر اور قصہ گو تو تم لوگوں سے اجر و انعام چاہتے ہیں۔ مگر تم نے سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زبان سے کبھی ایسی کوئی بات سنی ہے؟ کبھی آپ ﷺ نے اپنی اس خدمت کے عوض تم سے کوئی اُجرت طلب کی ہے؟ آپ ﷺ کو تو رب کی طرف سے جو اجر و انعام ملنے والا ہے، وہ پوری دُنیا کے خزانوں سے بہتر ہے۔ یہ وہ دلیل ہے جس کو قرآنِ حکیم میں نہ صرف حضورِ اکرم سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کی، بلکہ بالعموم تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی صداقت کے ثبوت میں بار بار پیش کیا گیا ہے۔

آیت نمبر ۷۳: اللہ ﷻ نے یہ واضح کیا ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو جس راستہ کی طرف بلا رہے ہیں، وہی سیدھا راستہ ہے۔ اللہ ﷻ نے ارشاد فرمایا ہے: کہ اے نبی مکرم ﷺ! آپ تو ان لوگوں کو ہدایت کی طرف بلاتے ہیں اور ان کے سامنے ایک ایسا لائحہ عمل پیش کرتے ہیں جس سے ان کی ساری خرابیاں دور ہو جائیں۔ لیکن یہ کفار انکار ہی کر رہے ہیں، لہٰذا قصور ان کفار کا ہے۔ آپ ﷺ تو اُنہیں صحیح راستہ دکھا رہے ہیں، لیکن یہ ہدایت کو اختیار کرنے کے لئے تیار ہی نہیں ہیں۔

آیت نمبر ۷۴: کفار و مشرکین آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اسی لئے وہ سیدھے راستہ سے بھٹک گئے ہیں۔ آپ ﷺ جس سیدھے راستہ کی طرف بلا رہے ہیں، اس پر چلنا ان ہی لوگوں کا کام ہے جو موت کے بعد دوسری زندگی مانتے ہوں اور اپنی بدانجامی سے ڈرتے ہوں۔ جسے انجام کا ڈر اور عاقبت کی فکر ہی نہیں، وہ کب سیدھے راستہ پر چلے گا۔ وہ یقیناً ٹیڑھا ہی رہے گا اور سیدھی سی بات کو بھی اپنی کجروی سے ٹیڑھا بنا لے گا۔

آیت نمبر ۷۵: کفار مکہ کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اگر اللہ ﷻ اپنی رحمت سے ان کی تمام تکالیف دور فرما دے، تو یہ حق کی طرف رجوع نہیں کریں گے، بلکہ اپنی سرکشی پر ہی جمے رہیں گے۔ دراصل یہ کافر لوگ باطل پرستی میں اتنے پختہ ہو گئے ہیں کہ اپنے گناہوں میں اَندھے ہونے کی وجہ سے یہ لوگ اپنے رب کے حضور توبہ کرنے اور گڑگڑانے کے لئے تیار نہیں۔ ان کے ذہن مسخ ہو گئے ہیں۔ نورِ حق کو دیکھنے اور دیکھ کر پہچاننے والی آنکھ اندھی ہو گئی ہے۔ ان پر رحم و کرم کیا جائے یا اُنہیں آلام و مصائب میں مبتلا کر دیا جائے، یہ اب کسی صورت میں ہدایت قبول نہیں کریں گے۔ یہ کسی انسان کی سب سے بڑی بدقسمتی اور اس پر اللہ ﷻ کی ناراضگی کی انتہا ہوتی ہے کہ اسے مصیبت کے وقت بھی اللہ ﷻ کی طرف رجوع اور توبہ کی توفیق حاصل نہ ہو۔

آیت نمبر ۷۶: اللہ ﷻ نے کفار مکہ پر قحط اور خشک سالی کا ایک عذاب مسلط کیا، جس میں وہ کئی سال تک مبتلا رہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی وہ ایمان نہ لائے۔ جب اللہ ﷻ نے اُنہیں عذاب سے نجات دی، تب بھی وہ اللہ ﷻ کے سامنے نہ جھکے اور نہ ہی گڑگڑائے، بلکہ بدستور سرکشی کرتے رہے۔ ان بدبختوں پر عذاب کا کوئی اثر نہ ہوا، اس لئے وہ محروم کے محروم ہی رہے۔

آیت نمبر۷۷: اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کے بارے میں یہ بتایا ہے کہ وہ کفر اور غلط روی سے اس وقت تک باز نہیں آئیں گے جب تک ان پر آخری عذاب کا دروازہ نہ کھل جائے اور اُنہیں اپنے ہولناک انجام سے دوچار نہ کر دیا جائے۔ اس وقت وہ حیرت اور مایوسی کا شکار ہو جائیں گے اور اُنہیں کچھ سمجھ نہ آئے گا کہ اب وہ کیا کریں۔

علمی بات: ایک رائے یہ ہے کہ سخت عذاب سے مراد دُنیا کا وہ عذاب ہے جو مسلمانوں کے ہاتھوں کفار کو غزوۂ بدر میں بدترین شکست کی صورت میں ملا۔ اس میں کفار کے ستر (۷۰) آدمی مارے گئے اور ستر (۷۰) قیدی بنالیئے گئے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ سخت عذاب سے مراد آخرت کا عذاب ہے۔ آخرت میں ان کو سخت عذاب دیا جائے گا تو وہاں پر یہ لوگ ہر راحت سے محروم ہو جائیں گے اور ان کی تمام اُمیدیں منقطع ہو جائیں گی۔

آیت نمبر۷۸: اللہ تعالیٰ نے انسان کو سننے کے لئے کان، دیکھنے کے لئے آنکھیں اور سوچنے سمجھنے کے لئے دماغ اور دل عطا فرمائے ہیں۔ تاکہ ان کے ذریعہ حق کو پہچانا جائے، لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں یعنی حق اپنانے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان پر اپنی نعمتوں کا ذکر فرما کر دعوت فکر دی ہے کہ اس نے انسانوں کے مٹی سے بنے اجسام میں سننے اور دیکھنے کی صلاحیت پیدا کی ہے، گوشت کا ایک لوتھڑا پیدا کیا جسے دل کہا جاتا ہے اور جس میں سوچنے اور سمجھنے کی قدرت رکھی ہے۔ ان نعمتوں سے مومن و کافر سبھی فائدہ اٹھاتے ہیں، لیکن کفار شکر ادا نہیں کرتے، کیونکہ شکر کا عملی تقاضا یہ تھا کہ وہ ایمان لے آتے۔

آیت نمبر۷۹: اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے انسانی آبادی کو دُنیا کے مختلف خطوں میں پھیلایا ہے۔ پھر ایک وقت آئے گا کہ تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کر کے وہ اپنی بارگاہ میں جمع فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پہلی بار بغیر کسی سابق نمونہ کے پیدا کیا اور نسل در نسل انسانوں کو زمین میں آباد کر دیا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُنہیں دار آخرت میں جمع فرمائے گا۔ ان کے اعمال کا حساب لے گا اور ان کی جزا و سزا کا فیصلہ فرمائے گا۔

آیت نمبر۸۰: اللہ تعالیٰ ہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ وہی رات اور دن کو باری باری لاتا ہے۔ کفار کو اتنا بھی شعور نہیں ہے کہ ان دلائل قدرت پر غور کرلیں اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئیں۔

علمی بات: اس آیت میں وہ دلائل بیان کیئے گئے ہیں جو انسانی مشاہدہ میں ہر وقت آتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو حیات عطا کی ہے تاکہ اس حیات میں نیک عمل کر کے دُنیا و آخرت کی کامیابی کا امیدوار بن جائے۔ اسی طرح موت عطا کی ہے کہ موت کے بعد آخرت کی دائمی اور غیر متناہی نعمتوں کو حاصل کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے یہ حیران کن مناظر ہیں کہ کبھی صبح ہو رہی ہے، کبھی شام ہو رہی ہے، کبھی سورج طلوع ہو رہا ہے، کبھی غروب ہو رہا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ ان پر غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اعتراف کرلے اور اُس پر ایمان لے آئے۔

آیت نمبر۸۱: کفار آخرت کی زندگی کے بارے میں وہی کہہ رہے ہیں، جو ان کے گمراہ باپ دادا کہتے رہے۔

علمی بات: کائنات کے اس حکیمانہ نظم و نسق کو دیکھ کر چاہیئے تو یہ تھا کہ وہ کہتے کہ یہ ایسے خالق کی قدرت کا شاہکار ہے جو تمام صفات کمال سے متصف ہے، تمام عاجزیوں اور کمزوریوں سے پاک اور مبرا ہے اور اس کی قدرتِ کاملہ کے سامنے مُردوں کو زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں۔ لیکن عقل و فہم کے ان دشمنوں نے وہی رٹ لگا رکھی ہے جو ان کے آباؤ اجداد نے لگا رکھی تھی اور آخرت کا انکار کر رہے ہیں جس طرح ان کے آباؤ اجداد نے انکار کیا تھا۔

آیت نمبر۸۲: کفار و مشرکین اپنے آباؤ اجداد کی طرح آخرت کا انکار کرتے ہیں۔ وہ یوں کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مر گئے اور مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو گئے، تو کیا ہم دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔ یعنی جو پہلے منکر کہا کرتے تھے کہ جب ہم مر کر خاک ہو جائیں گے، تو پھر ہم دوبارہ کیسے زندہ ہو جائیں گے، یہی یہ سب بھی کہتے ہیں۔ اُنہیں دوبارہ زندہ کرنا ناممکن نظر آتا ہے۔ لیکن یہ لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ جس نے پہلی مرتبہ ان کو زندگی بخشی ہے، اس کے لئے دوبارہ زندہ کرلینا کیا مشکل ہے۔

آیت نمبر ۸۳: کفار کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کا وعدہ ان کے باپ دادا سے بھی کیا جاتا رہا۔ یہ پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں جن کی عملی شکل کبھی نہیں دیکھی گئی۔ ان کے بقول یہی دھمکی ہمارے آباؤ اجدا کو بھی دی گئی تھی، لیکن صدیاں گزر گئیں، وہ قیامت جس سے ہمیں ڈرایا جاتا تھا وہ قائم نہیں ہوئی اور ہمیں یقین ہے کہ وہ آئندہ بھی قائم نہیں ہوگی۔ (معاذ اللہ)

علمی بات: اللہ ﷻ نے یہ دُنیا ایک مقصد اور نظام کے تحت بنائی ہے۔ اس میں انسان کو ایک محدود مدت کی زندگی عطا کی گئی ہے جس میں اس کا امتحان مقصود ہے۔ اگر اس دُنیا میں اللہ ﷻ لوگوں کے سامنے مُردوں کو زندہ کر دے، تو پھر آزمائش اور امتحان ختم ہو جائے گا۔ جب سب لوگ اپنی آنکھوں سے مُردوں کو زندہ ہوتا ہوا دیکھ لیں گے تو پھر کوئی انکار نہیں کرے گا۔ اس لئے اللہ ﷻ نے اس دُنیا کو دار الامتحان ہی بنایا ہوا ہے کہ لوگ اپنی عقل اور سمجھ کو استعمال کرتے ہوئے انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات پر ایمان لے آئیں اور آخرت پر یقین کر لیں۔

آیت نمبر ۸۴: کفار مکہ سے ایسے سوالات پوچھے جارہے ہیں جو اُنہیں نہ صرف سوچنے بلکہ حق کا اعتراف کرنے پر آمادہ کرنے والے ہیں۔ پہلا سوال یہ کیا گیا ہے کہ پوری زمین اور اس پر موجود جملہ مخلوقات کس کے اختیار میں ہے؟ کون اس کا خالق و مالک اور اس کا بنانے والا ہے اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ؟

علمی بات: اللہ ﷻ نے بعث بعد الموت کے عقیدہ پر دلیل پیش کی ہے کہ اے میرے رسول ﷺ! اگر آپ ﷺ ان کافروں سے پوچھیں گے کہ زمین اور اس پر موجود تمام مخلوقات کا مالک کون ہے؟ تو وہ کہیں گے کہ اللہ ﷻ نے اُنہیں پیدا کیا ہے اور وہی ان کا مالک ہے۔ تو پھر آپ ﷺ ان سے کہیئے کہ تم اتنی بات کا ادراک نہیں کرپاتے ہو کہ جس نے انسان اور دوسری تمام مخلوقات کو پیدا کیا ہے، وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرنے پر یقیناً قادر ہے۔

آیت نمبر ۸۵: جب کفار و مشرکین سے پوچھا جاتا ہے کہ زمین اور اس میں موجود تمام مخلوقات کا خالق و مالک کون ہے؟ تو مشرکین فوراً اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ سب کچھ اللہ ﷻ ہی کی ملکیت ہے۔ جب سب کچھ اللہ ﷻ کا ہے، تو پھر یہ لوگ اللہ ﷻ کی وحدانیت تسلیم کر کے نصیحت حاصل کیوں نہیں کرتے؟ جب سب کچھ اللہ ﷻ کے قبضہ قدرت اور اس کی ملکیت میں ہیں، تو پھر وہ یہ بات کیوں تسلیم نہیں کرتے کہ اللہ ﷻ اس مٹی سے جس میں ان کا وجود مل چکا ہے، اُنہیں دوبارہ زندہ کرے گا۔

آیت نمبر ۸۶: ان مشرکین اور کفار سے دوسرا سوال یہ کیا گیا ہے کہ سات آسمانوں اور عرشِ عظیم کا مالک کون ہے؟ اللہ ﷻ نے فرمایا ہے کہ اے حبیب ﷺ! ان منکرین توحید اور منکرین قیامت سے ایک اور سوال پوچھیئے کہ زمین اور مافیہا کے متعلق تو تم نے تسلیم کر لیا، اب یہ بتاؤ کہ سات آسمان جن کی وسعت اور بلندی کا اندازہ لگانے سے بھی تم قاصر ہو اور عرشِ عظیم جو ان سات آسمانوں سے بھی وسیع تر ہے اور اُنہیں گھیرے ہوئے ہے، ان کا رب کون ہے؟ وہ یہی جواب دیں گے کہ یہ سب کچھ بھی اللہ ﷻ کا ہے۔

علمی بات: مشرکین مکہ کو دلیل کے ذریعہ سمجھایا گیا ہے کہ جب تم یہ مانتے ہو کہ اللہ ﷻ ہی سات آسمانوں اور عرش عظیم کا بنانے والا ہے، تو پھر وہ تمہیں مرنے کے بعد زندہ کیوں نہیں کر سکتا۔ سات آسمان اور عرش عظیم کو بنانے والا ہی عبادت کے لائق ہے یا پتھر کی وہ بے جان مورتیاں، جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتیں۔

آیت نمبر ۸۷: مشرکین اس بات کا بھی اعتراف کریں گے کہ پوری کائنات کا مالک و مختار صرف اللہ ﷻ ہے، تو پھر وہ اللہ ﷻ کی وحدانیت کو تسلیم کر کے اس کے عذاب سے بچنے کا اہتمام کیوں نہیں کرتے؟ ان مشرکین کو متنبہ کیا گیا ہے کہ جب تم لوگ اللہ ﷻ کو اس دُنیا و مافیہا کا خالق بھی مانتے ہو اور اسے عرش و فرش کا مالک بھی تسلیم کرتے ہو، لیکن اس کے ساتھ بتوں اور دیوی دیوتاؤں کو اس کا شریک بھی بناتے ہو، کیا تمہیں یہ جسارت کرتے ہوئے ذرا بھی خوف محسوس نہیں ہوتا؟

علمی بات: مشرکین مکہ کے اس جواب سے واضح ہوتا ہے کہ سات آسمانوں اور عرش عظیم کے وجود کے نہ صرف وہ قائل تھے، بلکہ ان کا رب اللہ ﷾ ہی کو مانتے تھے اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی کی تعلیم کا اثر ہو سکتا ہے۔ اس بنیادی حقیقت کو ماننے کے باوجود وہ شرک کے قائل تھے۔ یہ ان کے عقیدہ کا صریح تضاد تھا مگر وہ اس پر غور کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ مذہب کے معاملہ میں بعض لوگ متضاد باتوں کے قائل ہو جاتے ہیں حالانکہ عقل سلیم متضاد باتوں کو قبول کرنے سے انکار کرتی ہے۔

آیت نمبر ۸۸: مشرکین مکہ سے تیسرا سوال کیا گیا ہے۔ اللہ ﷾ نے اپنے محبوب ﷺ سے فرمایا ہے کہ اے نبی مکرم ﷺ! آپ ان مشرکین مکہ سے پوچھیں کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں اور جس کے قبضہ میں ہر چیز کی بادشاہی ہے اور وہ ہر ایک کو پناہ دے سکتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا؟ اگر تم کو کچھ خبر ہے اور تم جانتے ہو، تو اس سوال کا جواب دو۔

علمی بات: "مَلَكُوْت" مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا معنیٰ ہے ہر چیز پر مکمل حاکمیت، پوری ملکیت اور پورا اختیار و تصرف۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ﷾ کی ذات کو ہر چیز پر مکمل حاکمیت، پوری ملکیت اور پورا اختیار و تصرف حاصل ہے۔

آیت نمبر ۸۹: تمام سوالات کے جوابات میں کفار یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گے کہ مذکورہ تمام صفات کا حامل صرف اور صرف اللہ ﷾ ہے۔ اس لئے ان کفار سے یہ کہا گیا ہے کہ جب تم تسلیم کرتے ہو کہ ہر چیز کا حقیقی مالک اللہ ﷾ ہے، وہ جس کو چاہے پناہ دے اور اگر وہ نہ چاہے تو کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا، پھر تمہاری عقلوں پر کس نے جادو کر دیا ہے کہ تم اس قادر مطلق اللہ ﷾ کے ساتھ شریک بناتے ہو اور بے جان اور بے اختیار چیزوں کی عبادت کرتے ہو۔

آیت نمبر ۹۰: اصل بات یہ ہے کہ اللہ ﷾ نے ان کفار کو حق بات پہنچا دی ہے اور وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔ توحید اور مرنے کے بعد زندہ ہونے کی ٹھیک ٹھیک بات ان کو پہنچا دی گئی ہے اور یہ اس حق کے خلاف جو کچھ کہہ رہے ہیں، اس کہنے میں جھوٹے ہیں یعنی شرک اور دوبارہ زندہ کیئے جانے کے انکار میں جھوٹ بول رہے ہیں۔ اللہ ﷾ نے دلائل کے ساتھ لوگوں تک حق پہنچا دیا ہے۔ دلائل کو دیکھنے کے باوجود بھی اللہ ﷾ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے اور آخرت کا انکار کرنے والے جھوٹے ہیں۔

آیت نمبر ۹۱: اللہ ﷾ نے اپنی نہ کوئی اولاد بنائی ہے اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہے۔ بالفرض اگر ایک سے زیادہ معبود ہوتے تو ہر معبود اپنی اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہو جاتا اور ایک دوسرے پر غلبہ پانے کے لئے چڑھائی کر دیتا۔ اس لڑائی کے نتیجہ میں سارا عالم تباہ ہو جاتا۔ چونکہ آج تک نظامِ کائنات میں ایسا کوئی فساد رونما نہیں ہوا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ ﷾ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور وہ اکیلا ہی اس نظام کائنات کو چلا رہا ہے۔ مشرکین اللہ ﷾ کے ساتھ جو شریک ٹھہراتے ہیں، اللہ ﷾ اس سے پاک ہے۔

علمی بات: مشرکین کے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ فرشتے اللہ ﷾ کی بیٹیاں ہیں۔ اللہ ﷾ نے جب کسی کو بیٹا نہیں بنایا، تو بیٹیاں بنانے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ نیز اس سے عیسائیوں کے بھی عقیدہ کی تردید ہوتی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ ﷾ کے بیٹے ہیں۔

آیت نمبر ۹۲: اللہ ﷾ کے علاوہ کسی اور کے اختیارات ہوتے تو اس کا علم اللہ ﷾ ہی کو ہوتا۔ کیوں کہ اللہ ﷾ پوشیدہ اور ظاہر باتوں کو جاننے والا ہے۔ مشرکین جن چیزوں کو اللہ ﷾ کی طرف منسوب کرتے ہیں، اللہ ﷾ ان سے بالاتر ہے۔

علمی بات: اللہ ﷾ کی توحید اور اس کا شریک نہ ہونے کی دلیل ہے۔ اللہ ﷾ کے علاوہ کسی اور ہستی کے پاس رتی بھر بھی اختیارات ہوتے تو اس کا سب سے پہلے علم اللہ ﷾ کو ہو سکتا تھا۔ کیونکہ وہ تو ظاہر اور پوشیدہ تمام چیزوں کو جاننے والا ہے۔ اس سے کوئی چیز بھی مخفی رہنا ناممکنات میں سے ہے۔ اپنی

اس وسعت علم کی بنا پر ہی اللہ ﷻ یہ فرما رہا ہے کہ اس کے علاوہ نہ کوئی الٰہ ہو سکتا ہے اور نہ کسی کے پاس کسی قسم کا کوئی اختیار ہے۔ لہٰذا معبود صرف ایک ہے اور وہ اللہ ﷻ ہی ہے، اس کے علاوہ کوئی اور معبود نہیں ہے۔

آیت نمبر ۹۳: نبی کریم ﷺ کے ذریعہ اہلِ ایمان کو قیمتی دعا کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ دعا ایسی صورت حال کے لئے ہے جب کسی سرکش قوم کو ان کی نافرمانیوں کی سزا ملنے کا اندیشہ ہو۔ دُنیا میں سرکشوں پر آنے والے عذاب کی وجہ سے کبھی کبھی نیک لوگ بھی تکلیف میں آجاتے ہیں۔

علمی بات: ا۔ صاف صاف دلائل کو سن کر بھی جب یہ کفار عرب دین حق کی طرف مائل نہیں ہوتے، تو یہ عذاب میں ضرور مبتلا ہوں گے۔ اس لئے اس عذاب سے محفوظ رہنے کے لئے اللہ ﷻ نے اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کو دعا کی تعلیم فرمائی ہے۔ اس آیت میں اگرچہ خطاب بظاہر رسول اللہ ﷺ سے ہے، لیکن یہ ہدایت عام مومنوں کے لئے ہے۔ لہٰذا مومنوں کو یہ ہدایت کی گئی کہ وہ اللہ ﷻ سے دعا کرتے رہیں کہ اگر ظالموں پر عذاب آئے، تو اللہ ﷻ اہل ایمان کو اس عذاب سے بچانے کی کوئی صورت پیدا فرما دے۔

۲۔ دُنیا میں جب کسی قوم پر عذاب آتا ہے تو بعض اوقات اس عذاب کا اثر صرف ظالموں ہی پر نہیں رہتا، بلکہ ان کے آس پاس جو نیک لوگ ہوتے ہیں وہ بھی اس دُنیاوی تکلیف میں متأثر ہوتے ہیں۔ لیکن آخرت میں ان نیک لوگوں کو کوئی عذاب نہ ہو گا، بلکہ اس دُنیا کی تکلیف پر جو ان کو پہنچتی ہے، اجر بھی ملے۔

آیت نمبر ۹۴: ظالموں پر عذاب آنے کے وقت ان سے علیحدہ کر دینے کی التجا کی گئی ہے، تاکہ اہل ایمان ظالموں پر آنے والے عذاب کی وجہ سے کسی تکلیف سے محفوظ رہیں۔ چنانچہ اللہ ﷻ نے اپنے رسول ﷺ کو تلقین فرمائی کہ آپ ﷺ یوں دعا مانگیں: " اے میرے رب! اگر تو مجھے وہ عذاب دکھا دے، جس کا ان لوگوں سے وعدہ کیا جا رہا ہے، تو مجھے ان ظالموں کے ساتھ شامل نہ کرنا، یعنی مجھے عذاب میں مبتلا نہ فرمانا۔"

علمی بات: رسول اللہ ﷺ کا معصوم اور عذابِ الٰہی سے محفوظ ہونا اگرچہ آپ ﷺ کے لئے یقینی تھا۔ مگر پھر بھی اس دعا کی تلقین اس لئے فرمائی گئی تاکہ حضور ﷺ کا اجر بڑھے اور آپ ﷺ ہر آن اپنے رب کریم کا ذکر کرتے رہیں۔ نیز آپ ﷺ کے ذریعہ اہل ایمان کے لیئے دعا کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

آیت نمبر ۹۵: اللہ ﷻ اس بات پر قادر ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں کفار کو دُنیاوی عذاب سے دوچار کر دے۔ یعنی یہ ہو سکتا ہے کہ وہ عذاب جس کا ان کفار سے وعدہ کیا جا رہا ہے، وہ آپ ﷺ کی زندگی میں ان پر آجائے اور آپ ﷺ بھی ان لوگوں کو مبتلائے عذاب دیکھ لیں۔

عملی پہلو: اگرچہ اس اُمّت پر حضور نبی کریم ﷺ کی برکت سے، عذاب عام نہ آنے کا وعدہ اللہ ﷻ کی طرف سے ہو چکا ہے۔ لیکن اللہ ﷻ کی مسلسل نافرمانی کی وجہ سے کسی ایک پر یا کچھ مخصوص لوگوں پر خاص حالات میں کوئی عذاب آسکتا ہے۔ اس لئے ہمیں چاہیئے کہ ہم گناہوں پر صدقِ دل سے توبہ کر کے نیک اعمال پر کاربند رہیں۔ تاکہ ہم اللہ ﷻ کے ہر قسم کے عذاب سے محفوظ رہ سکیں۔

آیت نمبر ۹۶: رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ اہل ایمان کو احسن طریقہ سے حق پہنچانے کی تلقین کی گئی ہے۔ بُرائی کرنے والے سے بھلائی کی جائے تاکہ عداوت محبت میں بدل جائے اور خوشگوار نتیجہ حاصل ہو۔ مشرکوں کے بُرے سلوک اور ان کی ناگوار باتوں سے اللہ ﷻ خوب واقف ہے۔

علمی بات: یہ مکارمِ اخلاق کی تعلیم ہے دی گئی ہے۔ دعوتِ دین کے مرحلہ کے دوران بُرائی کا جواب بھلائی سے دینے کی تلقین ہے۔ اگرچہ دین دشمن کفار کے مظالم اور میدانِ جہاد کے حوالہ سے رہنمائی مختلف ہے۔

آیت نمبر ۹۷: اللہ ﷻ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کے ذریعہ اپنے بندوں کو ہر قسم کے شیطانوں کے شر سے پناہ مانگنے کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے۔ شیطان انسان کا دشمن ہے۔ اس کے شر سے بچاؤ کے لئے اللہ ﷻ کی پناہ میں آنے کی دعا کی جائے۔ شیطان اللہ ﷻ کی اطاعت سے روکنے، بُرائی پر لگانے اور

داعی دین کو دعوتِ دین کے کام سے روکنے کی بھی کوشش کرتا ہے۔ ان تمام حوالوں سے اور تمام شرور سے بچنے کے لئے اللہ ﷻ کی پناہ میں آنے کی التجا ہی اہم ترین سہارا ہے۔

آیت نمبر ۹۸: شیطان کے قریب آنے سے بچنے کے لئے دعا سکھائی گئی ہے۔ چنانچہ اللہ ﷻ سے یہ دعا کی جائے: کہ الٰہی! شیاطین میرے قریب ہی نہ آنے پائیں دور ہی رہیں تاکہ میں ان کے شر اور فتنہ انگیزی سے دور رہ کر تیری یاد اور تیرے دین کی خدمت میں منہمک رہوں۔

علمی بات: شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ وہ اسے گمراہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ انسان اپنی تمام دانشمندی اور زہد و تقویٰ کے باوجود جان و ایمان کے اس دشمن سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اس کی فقط ایک ہی صورت ہے کہ مولا کریم اپنے دامن رحمت میں چھپا لے اور اس کے شر سے محفوظ کر لے۔ شیطان کا خالق بھی اللہ ﷻ ہے۔ اُس کے اِذن کے بغیر شیطان بھی کچھ نہیں کر سکتا تو اُسی خالق و مالک سے التجا کی جائے کہ پروردگار تو مجھے اس کے شر سے بچا لے۔

آیت نمبر ۹۹: جب منکرین حق میں سے کسی کو موت آتی ہے تو وہ اپنے رب سے آرزو کرتا ہے کہ کاش مجھے دُنیا میں دوبارہ لوٹا دیا جائے اور میں جو کچھ کرتا رہا اس کے بجائے نیک اعمال کروں گا۔ لیکن اس وقت اسے جواب دیا جاتا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ وہ دل ہی دل میں روتا اور آہ وزاریاں کرتا ہے مگر اس کی آہ وزاریاں اور چیخ و پکار کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو اللہ ﷻ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ ﷻ بھی اس سے ملاقات کرنے کو پسند فرماتا ہیں اور جو اللہ ﷻ کی ملاقات کو ناپسند کرے، اللہ ﷻ بھی اس سے ملاقات کرنا پسند نہیں فرماتا۔" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: "یارسول اللہ ﷺ! ہم تو موت کو پسند نہیں کرتے۔" حضور ﷺ نے فرمایا: "یہ مقصد نہیں ہے، بلکہ جب مومن کو موت آتی ہے تو اسے بشارت دی جاتی ہے کہ اللہ ﷻ تجھ سے راضی ہے اور تیری عزت افزائی ہو گی۔ اس وقت مومن کو سب سے زیادہ یہ چیز عزیز ہوتی ہے کہ وہ آگے جارہا ہے۔ وہ آگے جانے کو بہت پسند کرتا ہے اور اللہ ﷻ بھی اس کی ملاقات کو پسند فرماتا ہے۔ (اس کے برعکس) جب کافر کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو اسے اللہ ﷻ کے عذاب اور اس کی سزا کی بشارت دی جاتی ہے، اس وقت اسے سب سے زیادہ ناگوار یہ چیز ہوتی ہے کہ اسے آگے بھیجا جارہا ہے۔ وہ آگے جانا ہرگز پسند نہیں کرتا اور اللہ ﷻ بھی اس کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا۔" (صحیح بخاری)

عملی پہلو: کافر اور گناہ گار بندہ کو جب موت آتی ہے تو وہ واپسی کی درخواست کرتا ہے لیکن اس کی یہ درخواست قبول نہیں ہوتی۔ اس وقت سوائے پچھتاوے کے اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم موت سے پہلے پہلے آخرت کی تیاری کریں تاکہ جب موت آئے تو کوئی پریشانی اور پچھتاوا نہ ہو۔

آیت نمبر ۱۰۰: موت کے وقت کافر اللہ ﷻ سے مہلت مانگے گا کہ ایک بار اسے پھر دُنیا میں بھیجا جائے تاکہ دُنیا میں جا کر اپنی اصلاح کر لے اور نیک اعمال کر کے اللہ ﷻ کو راضی کر لے۔ لیکن اس بات سے اسے کوئی فائدہ نہیں ہو گا اور اس کی یہ فریاد رَد کر دی جائے گی۔ کیونکہ موت کے بعد وہ عالم برزخ میں پہنچ چکا ہو گا جہاں سے کوئی دُنیا میں واپس نہیں جا سکتا بلکہ اب قیامت تک اسی برزخ میں رہے گا۔ یہاں تک کہ جب قیامت آئے گی تو اسے دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ لیکن وہ زندگی عمل کی نہیں بلکہ حساب وجزا کی زندگی ہو گی۔

علمی بات: ا۔ دو چیزوں کے درمیان جو پردہ، آڑ اور رکاوٹ ہو، اسے برزخ کہتے ہیں۔ یہاں برزخ سے مراد "موت اور قیامت کا درمیانی عرصہ" ہے۔ موت کے بعد انسان جہاں منتقل ہوتا ہے وہ دُنیا اور آخرت کے درمیان کا عالم ہے جو ایک روک اور پردہ ہے، اس لئے اسے برزخ کہتے ہیں۔ حدیث میں ان احوال کو جو موت کے بعد انسان پر گزرتے ہیں قبر کے احوال سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو قبر میں دفن ہوا اس پر تو یہ احوال

گزرتے ہیں اور جو قبر میں دفن ہی نہیں ہوا بلکہ جس کی لاش جلائی گئی یا کسی اور طریقہ سے ضائع کر دی گئی یا ممی بنا کر دُنیا میں محفوظ کر دی گئی، اس پر یہ احوال نہیں گزرتے۔ مرنے کے بعد انسان کو قیامت کے دن تک عالم برزخ میں رہنا ہے۔ قیامت کے دن اسے جسم سمیت پھر اٹھایا جائے گا اور یہ عالم آخرت ہو گا جہاں اسے ہمیشہ رہنا ہے۔

۲۔ اس آیت میں "یہ تو بس ایک بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے" سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں دو آراء ہیں۔ پہلی رائے یہ ہے کہ یہ ایسی بات ہے جو ہر کافر موت کے وقت کہتا ہے، لیکن اس کا اسے کوئی فائدہ نہیں ہو گا کیونکہ وہ عالم برزخ میں پہنچ چکا ہوتا ہے اور وہاں سے کوئی واپس نہیں آ سکتا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ یہ محض کافر کی زبان کی بات ہو گی جس کے مطابق عمل نہیں ہو گا کیونکہ اگر اسے دُنیا میں لوٹا بھی دیا جائے تو وہ پھر بھی نیک عمل نہیں کرے گا۔

آیت نمبر ۱۰۱: قبر سے اٹھائے جانے کے بعد لوگوں کی ابتدائی کیفیت کا بیان ہے۔ جب صور پھونکا جائے گا تو اس وقت عالم برزخ کی زندگی ختم ہو جائے گی۔ تمام لوگوں کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ اس وقت لوگوں پر دہشت طاری ہو گی۔ ہر ایک کو اپنی فکر ہو گی اور دوسرے لوگوں سے اسے کوئی دلچسپی نہ ہو گی، اگرچہ وہ اس کا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

علمی بات: آیت میں مذکور یہ حال کفار کا ہو گا کہ ان کے سارے رشتے ناطے منقطع ہو جائیں گے۔ البتہ مومنین صالحین کا یہ حال نہیں ہو گا کیونکہ مومنین صالحین کی اولاد کو اللہ ﷻ (بشرط ایمان) اپنے آباء صالحین کے ساتھ ملا دے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:"اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی پیروی کی تو ہم ان کی اولاد کو انہی کے ساتھ شامل فرمادیں گے۔"(سورۃ الطور ۵۲، آیت:۲۱)

آیت نمبر ۱۰۲: روزِ قیامت لوگوں کے اعمال تولے جائیں گے۔ جن کا نیکیوں والے اعمال کا پلڑا بھاری ہو گا، وہ کامیاب قرار پائیں گے اور اُنہیں جنت میں داخل کیا جائے گا۔ اس کے برعکس جن کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہو گا، وہ ناکام ہوں گے اور اُنہیں جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔

علمی بات: ا۔ جس شخص کی نیکیاں زیادہ ہوں گی اور بُرائیاں کم ان کو ایسی زندگی عطا کی جائے گی کہ جس میں آرام و آسائش کے ہزاروں سامان ہوں گے۔ حزن و ملال کا نام و نشان تک نہ ہو گا۔ اسے جن نعمتوں سے نوازا جائے گا انھیں اپنی توقع سے بہت زیادہ پا کر وہ نہایت مسرور ہو گا۔

۲۔ ان آیات میں موازنہ صرف مومنین کاملین اور کفار کا ہے اور اُنہیں کے وزن اعمال کا اور ان میں سے ہر ایک کے انجام کا ذکر کیا گیا ہے۔ مومنین کاملین کا پلہ بھاری ہو گا اور ان کو فلاح حاصل ہو گی۔ کفار کا پلہ ہلکا رہے گا اور اُنہیں ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہنا پڑے گا۔ اس جگہ مومنین کاملین کا پلہ بھاری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے پلے یعنی سیئات و معاصی کے پلے میں کوئی وزن ہی نہ ہو گا، وہ خالی نظر آئے گا۔ کفار کا پلہ ہلکا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نیکیوں کے پلہ میں کوئی وزن ہی نہ ہو گا، بالکل خالی جیسا ہلکا رہے گا۔ جیسا کہ قرآنِ حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:"یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رَب کی آیات کا انکار کیا اور اس کی ملاقات کا تو ان کے اعمال برباد ہو گئے تو ہم قیامت کے دن ان کے لئے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔"(سورۃ الکہف ۱۸، آیت:۱۰۵)

۳۔ قیامت کے دن اعمال کے حساب کے وقت جس شخص کی نیکیاں اُس کی برائیوں سے بڑھ جائیں گی، تو وہ جنت میں جائے گا اور جس شخص کی برائیاں اُس کی نیکیوں سے زیادہ ہو جائیں گی، تو وہ جہنم میں جائے گا۔ البتہ جس شخص کی نیکیاں اور برائیاں میزانِ عمل میں برابر سرابر ہوں گی، اُس کو اصحابِ اعراف میں داخل کیا جائے گا۔

آیت نمبر ۱۰۳: روزِ محشر اعمال تولے جائیں گے، جن لوگوں کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہو گا، وہ خسارہ پانے والے ہوں گے اور اُنہیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ ایسے لوگوں نے دُنیا میں ایمان اور اطاعت سے منہ موڑا تھا۔ آخرت کی تیاری کے بجائے، انہوں نے اپنی زندگی کفر و انکار اور بغاوت و سرکشی میں گنوا دی۔ اب ان کے لئے واپسی کی کوئی صورت ممکن نہ ہو گی اور ان کے لئے صرف عذاب جہنم کا ابدی خسارہ ہی ہو گا۔

آیت نمبر ۱۰۴: جن لوگوں کے نیک اعمال کے پلڑے ہلکے ہوں گے، ان کو جہنم میں داخل کیا جائے گا۔ جہنم کی آگ ان کے چہروں کو جھلسا دے گی جس سے ان کی شکل انتہائی بد صورت ہو جائے گی۔

علمی بات: چہرے کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ انسانی وجود کا سب سے اہم حصہ ہے، ورنہ جہنم کی آگ تو پورے جسم کو ہی گھیرے ہو گی۔ "کالح" لغت میں ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جس کے دونوں ہونٹ اس کے دانتوں کو نہ پہنچ سکیں اور دانت ظاہر ہو جائیں۔ ہونٹ گویا دانتوں کا لباس ہیں، لیکن جہنمی کے اوپر کا ہونٹ اوپر اور نیچے کا ہونٹ نیچے لٹک جائے گا اور اس کے دانت ظاہر ہو جائیں گے۔ جس سے اس کی صورت بد شکل اور ڈراؤنی ہو جائے گی۔ (معاذاللہ)

آیت نمبر ۱۰۵: یہ اہل جہنم سے اللہ ﷻ کا خطاب ہے۔ قیامت کے روز جب کافروں کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور آگ سے ان کے چہرے جھلس جائیں گے تو اس وقت اللہ ﷻ ان سے فرمائے گا کہ دُنیا میں تمہارے سامنے میری آیات اور میرے احکام پڑھ کر سنائے جاتے تھے، لیکن تم تو ان کو جھٹلاتے ہی رہے اور ان کا مذاق اڑاتے رہے اور کہتے رہے کہ یہ تو گزشتہ زمانے کے لوگوں کے من گھڑت قصے کہانیاں ہیں۔ تم تو یہ مانتے ہی نہ تھے کہ مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور اعمال کے مطابق جزا و سزا دی جائے گی۔ پس تم اپنے اسی کفر و انکار اور تکذیب و استہزاء کی بنا پر اس عذاب کے مستحق بنے۔

آیت نمبر ۱۰۶: اہل جہنم کہیں گے کہ اے پروردگار! ہم پر بد بختی غالب آگئی تھی اور در حقیقت ہم گمراہ لوگ تھے۔ اس طرح وہ اللہ ﷻ کے حضور اپنے گناہ کا اعتراف کریں گے اور اپنی گمراہی اور بد بختی کا اقرار کریں گے۔ مگر بے وقت کے اس اقرار و اعتراف سے ان کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا، سوائے ان کی حسرت و افسوس میں اضافہ کے۔

علمی بات: حرام لذّات اور شہوت جو انسان پر غالب رہتی ہیں، اسے یہاں بد بختی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ کہیں گے کہ ہم نے حرام لذّات کو طلب کیا، بُرے کاموں کی حرص کی اور نفس پرستی میں پڑے رہے، جس کی وجہ سے بد بختی ہم پر غالب آگئی۔

آیت نمبر ۱۰۷: اہل جہنم اللہ ﷻ سے دُنیا میں واپس بھیجنے کی درخواست کریں گے۔ وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس دوزخ کی آگ سے نکال دے اگر آئندہ پھر ہم ایسا کریں تو بے شک ہم ظالم ہوں گے، اس وقت جو چاہے سزا دینا مگر اب چھوڑ دے۔ یہ لوگ اللہ ﷻ سے ایک موقع مانگ رہے ہیں کہ اُنہیں دُنیا میں بھیج دیا جائے اور اگر انہوں نے دوبارہ کفر و شرک کی راہ اختیار کی، تو یقیناً وہی ظالم ہوں گے۔

علمی بات: ظالم لوگ موت کے وقت بھی دوبارہ دُنیا میں واپس جانے کی التجا کریں گے اور دوزخ میں داخل ہونے کے بعد بھی واپس دُنیا میں جانے کی درخواست کریں گے۔ لیکن ان کی دونوں مرتبہ یہ التجا قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ موت سے پہلے پہلے دُنیاوی زندگی میں عمل کرنے کی مہلت ہے اور موت کے بعد عالم برزخ ہے پھر دار الجزا ہے جہاں سے واپسی ممکن نہیں ہے۔

آیت نمبر ۱۰۸: اہل جہنم جب جہنم سے نکلنے کی درخواست کریں گے تو ان کی یہ درخواست رد کر دی جائے گی۔ اللہ ﷻ ان کو جواب دے گا کہ اب تم اسی جہنم میں ذلّت اور رسوائی کے ساتھ پڑے رہو اور عذاب دور کرنے کے بارے میں مجھ سے بات بھی نہ کرو۔ اس جواب کے بعد ان کی تمام اُمیدیں ٹوٹ جائیں گی اور وہ ہمیشہ کے لئے مایوس ہو جائیں گے۔

علمی بات: "اِخۡسَـُٔوۡا فِیۡهَا" کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے: "(اللہ) فرمائے گا اسی میں ذلت کے ساتھ پڑے رہو"۔ اصل میں "خَسَاءٌ" کا لفظ کتے کو دھتکارنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ پھر اس کا استعمال ہر اس شخص کے لئے بھی ہونے لگا جسے حقیر اور ذلیل سمجھ کر دفع ہونے یا نکل جانے کو کہا جائے۔ اسی معنیٰ کے اعتبار سے جہنم میں ان کفار کو دھتکارتے ہوئے ان سے کہا جائے گا کہ جاؤ، دور ہو جاؤ یہاں سے اور ہم سے کوئی بات مت کرو کہ تمہاری کسی بات کا کوئی فائدہ اب تم کو بہر حال نہیں پہنچ سکے گا۔

آیت نمبر ۱۰۹: اہل ایمان کی جماعت کا ذکر ہے۔ وہ ہر وقت اللہ ﷻ سے اپنی غلطیوں کی معافی طلب کرتے رہتے ہیں اور اس کی رحمت کے طلب گار رہتے ہیں۔

جہنمیوں کو جہنم میں دھتکارتے وقت اللہ ﷻ اُنہیں یاد دلائے گا کہ تم لوگوں نے میرے نیک بندوں کو مذاق کا نشانہ بنایا۔ کیونکہ وہ مجھ پر ایمان رکھتے تھے، مجھ سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے اور مجھ سے رحم کی درخواست کرتے تھے۔

علمی بات: اللہ ﷻ کے بندوں کی یہ بڑی درد بھری دعا ہے جو اہل ایمان کی زبان سے اس وقت ادا ہوئی ہے جبکہ کافر اُنہیں اذیت پہنچا رہے تھے۔ انہوں نے ان مذاق اڑانے والوں سے کچھ نہیں کہا بلکہ اپنے رب ہی سے رحم کی درخواست کی۔

آیت نمبر ۱۱۰: منکرین حق کو اہل ایمان کے ساتھ کی گئی شرارت اور بد عملی یاد دلائی جائے گی۔ اللہ ﷻ ان اہل جہنم کو یاد دلائے گا کہ دُنیا میں مسلمان جب اپنے رب کے آگے دعا و استغفار کرتے تو تم کو ہنسی سوجھتی تھی۔ تم ان کا اتنا مذاق اڑاتے تھے کہ ان کے پیچھے پڑ کر تم نے مجھے بھی یاد نہ رکھا، گویا تمہارے سر پر کوئی حاکم ہی نہ تھا جو کسی وقت ان حرکتوں پر نوٹس لے اور ایسی سخت شرارتوں کی سزا دے سکے۔

شانِ نزول: یہ آیات کفار قریش کے بارے میں نازل ہوئیں جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت عمار رضی اللہ عنہ، حضرت صہیب رضی اللہ عنہ اور حضرت خباب رضی اللہ عنہ اور دیگر غریب اور کمزور مسلمانوں کے ساتھ بُرا سلوک کرتے تھے۔ ان سے طرح طرح کی مسخراپن کی باتیں کیا کرتے تھے۔ کبھی یہاں تک کہتے تھے کہ اسلام کوئی عزت کی چیز ہوتی تو یہ غریب لوگ اسلام لانے میں ہم عزت دار لوگوں سے کبھی قدم آگے نہ بڑھاتے۔ (معاذ اللہ)

آیت نمبر ۱۱۱: منکرین حق کے مذاق اور ایذا رسانیوں کے مقابلہ میں اہل ایمان صبر ہی کرتے رہتے ہیں۔ روزِ قیامت اہل ایمان کو ان کے صبر کے بدلہ بہترین جزا عطا کی جائے گی۔ درحقیقت یہی صبر کرنے والے اصل میں کامیاب ہوں گے۔ اللہ ﷻ ان اہل جہنم سے اس موقع پر فرمائے گا کہ تمہاری طرف سے تمام تر ظلم و ستم اور مذاق و استہزاء کے باوجود وہ سچے ایماندار راہِ حق پر ثابت قدم رہے۔ آج میں نے ان کے صبر و استقامت کے بدلہ میں اُنہیں ایسا مقام عطا کیا ہے جہاں وہ ہر طرح کی لذّتوں اور مسرتوں سے ہمکنار ہوں گے۔

علمی بات: قریش کے سردار مثلاً ابو جہل، عتبہ اور اُبی بن خلف وغیرہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کا مذاق اڑاتے تھے۔ وہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ، حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ جیسے فقراء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ہنستے تھے اور ان کا مذاق اڑانے کو انہوں نے اپنا مشغلہ بنا لیا تھا۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان ظالموں کی باتوں پر صبر کیا، تو اللہ ﷻ نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آخرت کی ابدی کامیابی عطا فرمائیں۔

آیت نمبر ۱۱۲: اللہ ﷻ فرمائے گا تم زمین پر گنتی کے کتنے سال رہے؟ وہ کہیں گے ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصّہ رہے ہوں گے تو اے اللہ! تو شمار کرنے والوں سے پوچھ لے۔

علمی بات: یہ سوال ان سے ملامت کے طور پر پوچھا جائے گا تاکہ ان کی ذلّت و حسرت میں اضافہ ہو۔ یعنی تم تو یہ کہتے تھے کہ دُنیا ہمیشہ رہے گی، کبھی فنا نہ ہو گی اور جو لوگ دُنیا کو فانی بتاتے تھے تو تم ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ لہٰذا اب بتاؤ کہ برسوں کے اعتبار سے تم دُنیا میں کتنا عرصہ زندہ رہے؟

آیت نمبر ۱۱۳: جب اہل جہنم سے پوچھا جائے گا کہ تم دُنیا میں کتنا عرصہ رہے؟ تو وہ جواب دیں گے کہ ہم دُنیا میں ایک دن یا اس سے بھی کم وقت مقیم رہے۔ عذاب کی سختی کے سبب ان لوگوں کے ہوش اڑ جائیں گے۔ اس لئے بدحواسی سے کہیں گے کہ جو فرشتے ہم پر مامور تھے ان سے پوچھ لیں کہ ہم دُنیا میں کتنی مدت رہے؟

علمی بات: اہل جہنم دُنیا کی زندگی کو اتنا مختصر کیوں بتائیں گے؟ اس کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ عذاب کی سختی کی وجہ سے ان لوگوں کے ہوش و حواس گم ہوں گے۔ کہیں گے کہ ہمیں تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ ہم دُنیا میں کوئی ایک آدھ دن مقیم رہے ہیں اور ٹھیک ٹھیک مدت تو شمار کرنے والے فرشتے ہی بتا سکتے ہیں۔ دوسری یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ قیامت کے دن کے احوال اِس دُنیا سے بالکل مختلف ہوں گے۔ اس وقت اُنہیں محسوس ہو گا کہ جو مدت انہوں نے دُنیا میں گزاری وہ بہت مختصر تھی۔ زیادہ سے زیادہ ایک دن بلکہ اس سے بھی کچھ کم۔ اس کا ٹھیک اندازہ لگانا ان کے لئے مشکل ہو گا، اس لئے وہ کہیں گے کہ اس کا صحیح جواب تو فرشتے دے سکتے ہیں۔

آیت نمبر ۱۱۴: اللہ ﷻ اہل جہنم سے فرمائے گا کہ تم دُنیا میں بہت ہی تھوڑا عرصہ رہے، کیا خوب ہوتا اگر یہ بات تم دُنیا میں جان لیتے۔ یعنی اب تو تم نے خود دیکھ لیا کہ دُنیا کا عیش آخرت کے مقابلہ میں بہت تھوڑا سا تھا۔ یہی بات تم سے دُنیا میں کہی جاتی تھی تو تم اسے ماننے کو تیار نہیں ہوتے تھے۔ یہ حقیقت تم نے اس وقت سمجھ لی ہوتی تو آج تمہارا یہ حشر نہ ہوتا۔

علمی بات: ا۔ اللہ ﷻ نے دُنیا کی مدت کو قلیل مدت قرار دیا ہے اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ دُنیا کی زندگی اور اس کی نعمتیں آخرت کے مقابلہ میں بہت قلیل ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ جہنمیوں کو یہ احساس دلایا جائے کہ تمہیں دُنیا کی زندگی میں معمولی اختیارات اور تھوڑی سی مہلت دی گئی مگر تم نے پھر بھی اپنے رب کی نافرمانی کی۔ اگر تم دُنیا کی زندگی کو قلیل اور عارضی جانتے اور آخرت کی حقیقت کو سمجھتے تو آج جہنم کے عذاب سے نجات پاتے۔

۲۔ دُنیاوی زندگی آخرت کے مقابلہ بہت ہی مختصر ہے بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ دُنیا کی زندگی فانی اور محدود ہے، جبکہ آخرت کی زندگی دائمی اور لامحدود ہے۔ محدود کی لامحدود کے مقابلہ میں بہرحال کوئی نسبت ہی نہیں۔ دُنیا کا یہ عیش و عشرت چند سالہ ہے، جبکہ آخرت کی نعمتیں یا عذاب اَبدی اور دائمی ہو گا۔ کاش یہی بات سب لوگ دُنیا کی زندگی میں ہی سمجھ جائیں اور دُنیا کی بے ثباتی سے آگاہ ہو جائیں، تا کہ اس کے مطابق عمل کر کے آخرت میں کامیاب ہو جائیں۔

آیت نمبر ۱۱۵: اہل جہنم کو مخاطب کر کے بتایا جائے گا کہ تم یہی سمجھتے رہے کہ تمہیں بے مقصد پیدا کیا گیا ہے۔ تمہارا یہ خیال تھا کہ تم اللہ ﷻ کی طرف لوٹ کر نہیں جاؤ گے اور تمہیں نیکی اور بدی کا بدلہ نہیں ملے گا۔ یہ تمہارے غلط خیالات تھے۔ تم کتنے نادان تھے کہ اپنی قدر و منزلت کو نہ پہچان سکے اور بار بار کی یاد دہانی کا تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ تم یہ سمجھتے رہے کہ حیوانوں اور جانوروں کی طرح تمہیں یوں ہی بے مقصد پیدا کیا گیا ہے اور تم سے تمہارے اعمال نیک و بد کا کوئی محاسبہ نہ ہو گا۔

علمی بات: ا۔ گزشتہ آیات کے سیاق و سباق کے اعتبار سے اس آیت کا ترجمہ فعل ماضی میں ہو گا اور اس مفہوم میں اس کے مخاطب وہی جہنمی لوگ ہوں گے جن کا ذکر پیچھے سے چلا آ رہا ہے۔ اگر اسے گزشتہ سلسلہ کلام سے علیحدہ پڑھا جائے، تو اس کا ترجمہ زمانہ حال میں کیا جائے گا اور پھر اس کا مخاطب ہر پڑھنے سننے والا اور دُنیا کے ہر زمانے کا ہر انسان ہو گا کہ اے لوگو! کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم نے تمہیں بے مقصد اور بیکار پیدا کیا ہے اور تمہیں ہمارے پاس واپس آ کر اپنے ایک ایک عمل کا حساب نہیں دینا ہے؟

۲۔ عقلی اور منطقی طور پر آخرت کے تصور کے بغیر انسانی تخلیق کا مقصد سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اگر انسان عام حیوانات جیسا حیوان ہوتا تو پھر واقعی حیات بعد الممات اور آخرت کی کوئی ضرورت نہیں تھی، مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ حیوانات کے برعکس انسان کے اندر فطری طور پر اخلاقی حس اور نیکی و بدی کی تمیز (Moral Sense) پیدا کی گئی ہے۔ اس اخلاقی حس کے نتیجہ میں انسانی سطح پر جو اخلاقی اقدار (Moral Values) وجود میں آئی ہیں، وہ کسی قوم، کسی علاقہ یا زمانہ تک محدود نہیں، بلکہ مستقل (Permanent) اور آفاقی (Universal) ہیں۔ چنانچہ "گندم از گندم بروید جو زجو" (گندم سے گندم اگتی ہے اور جو سے جو) کے اصول کے مطابق اچھائی کا نتیجہ اچھا نکلنا چاہیئے اور بُرائی کا بُرا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ دُنیا میں ہر جگہ اور ہمیشہ لازمی طور پر ایسا نہیں ہوتا بلکہ عام طور پر اس کے برعکس ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ صورت حال منطقی طور پر تقاضا کرتی ہے کہ اس دُنیا کے بعد ایک اور عالم وجود میں آئے جہاں ہر انسان کی موجودہ زندگی کے ایک ایک عمل کا احتساب کر کے مصدقہ آفاقی اصولوں کے مطابق عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرنے کا اہتمام ہو اور وہ آخرت کی زندگی ہوگی جہاں سب کو اپنے اعمال کی پوری پوری جزا و سزا ملے گی۔

آیت نمبر ۱۱۶: اللہ ﷻ کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ وہ کوئی چیز بے مقصد پیدا کرے۔ وہی حقیقی بادشاہ ہے۔ صرف وہی معبود ہونے کا مستحق ہے۔ عرش عظیم کا مالک بھی وہی ہے۔ یہ خیال کرنا کہ انسان جیسی اعلیٰ اور اشرف مخلوق کو اس نے بے مقصد پیدا کیا ہے اس کے مرتبہ سے اس کو کم تر خیال کرنا ہے۔ (معاذ اللہ)

علمی بات: دُنیا کے بادشاہوں میں کوئی بادشاہ ایسا نہیں جو اپنے غداروں اور باغیوں کو سزا نہ دے اور وفاداروں کو انعام و اکرام سے نہ نوازے۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ بادشاہ حقیقی اپنے جاں نثاروں کی قدر افزائی نہ کرے، ان کی قربانیوں کا اُنہیں کوئی صلہ نہ دے اور اپنے نافرمانوں اور باغیوں کو سزا نہ دے؟ لہٰذا اللہ ﷻ آخرت میں اپنے وفاداروں کو جزا دے گا اور نافرمانوں اور باغیوں کو سزا دے گا۔

آیت نمبر ۱۱۷: اللہ ﷻ اکیلا معبود ہے، اس کے علاوہ کوئی اور معبود نہیں ہے۔ کسی اور کے معبود ہونے پر کوئی دلیل بھی موجود نہیں ہے۔ اب جو کوئی دلیل نہ ہونے کے باوجود بھی کسی کو اللہ ﷻ کے ساتھ پکارے گا اور عبادت کرے گا، تو ایسے نالائق کا حساب پروردگار کے پاس ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ایسے منکروں کو کامیابی اور فلاح میسر نہیں ہوگی۔

عملی پہلو: سورۃ المؤمنون کا آغاز اس بات سے ہوا تھا کہ مومنوں نے فلاح پائی اور اختتام اس بات پر ہو رہا ہے کہ کافر کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کامیابی کی اصل اساس اور بنیاد "ایمان" ہے۔ اس کے مقابلہ میں دائمی خسارہ اور ناکامی کی جڑ اور بنیاد "کفر" ہے۔ پس انسان کے لئے کامیابی کا راستہ یہی ہے کہ وہ صدقِ دل سے اپنے رب پر ایمان لائے اور ہر قسم کے کفر سے اپنے آپ کو بچالے۔ اللہ ﷻ کے دین کی تعلیماتِ مقدسہ کو پوری طرح اپنائے اور اپنے اندر وہ صفات پیدا کرے جو اہل ایمان کے شایان شان ہیں۔

آیت نمبر ۱۱۸: مغفرت میں "دَفعِ مَضَرَّت" یعنی ہر شر اور تکلیف سے بچاؤ اور رحمت میں "جَلبِ مَنفَعَت" یعنی ہر خیر اور نفع کے حصول کی دعا شامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے ذریعہ اہل ایمان کو ہر حال میں اللہ ﷻ سے مغفرت اور رحم کی دعا مانگتے رہنے کی تلقین فرمائی جا رہی ہے۔

علمی بات: ۱۔ حضور ﷺ کو خطاب فرما کر اس دعا کی تعلیم و تلقین فرمانے میں یہ خاص درس ہے کہ جب خاتم النبیین سید المرسلین حضرت سیّدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کو باوجود اس عظمتِ شان، رفعتِ مکان اور معصوم ہونے کے اس کا حکم و ارشاد فرمایا جا رہا ہے، تو پھر آپ ﷺ کی اُمّت اور اُمّت کا ہر فرد اس کا کس قدر محتاج ہے؟

۲۔ یہ دعا اپنی جامعیت کی وجہ سے ہر چیز میں شامل ہو۔ "بخش دے" سے مراد یہ ہے کہ اے مولا کریم! میرا ہر قول اور ہر فعل جو میرے لئے اس دُنیا میں یا آخرت میں مضر ہے، اسے معاف فرمادے اور "رحم فرما" کا معنیٰ یہ ہے کہ ہر وہ عمل جو میرے لئے یہاں بھی اور وہاں بھی مفید اور نفع مند ہو، اس سے مجھے سرفراز فرما، کیونکہ تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے۔ گناہوں کو بخش دینا بھی تیرے لئے آسان ہے اور نعمتوں کا عطا فرمانا تو تیرا شیوۂ کرم ہے۔

مشقوں کے جوابات

سوال ۱: خالی جگہیں پُر کریں:

(۱) آیت: ۵۱ میں اللہ ﷻ نے حلال کھانے اور نیک عمل کا حکم دیا ہے۔

(۲) آیت: ۶۲ میں کتاب کا ذکر ہے جو لوگوں کے اعمال کے بارے میں سچ سچ بیان کرتی ہے۔

(۳) آیت: ۹۶ میں بُرائی کے جواب میں بھلائی کی تلقین کی گئی ہے۔

(۴) آیت: ۱۰۱ میں ذکر ہے کہ روزِ قیامت لوگوں کے درمیان رشتہ باقی نہیں رہے گا۔

(۵) آیت: ۱۱۱ میں کامیاب لوگوں کی صفت صبر بیان کی گئی ہے۔

سوال ۲: مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجیے:

۱۔ پہلے رکوع کی روشنی میں جواب دیجیے کہ جنّت الفردوس کے وارثوں کی کیا صفات بیان کی گئی ہیں؟

جنّت الفردوس کے وارثوں اہل ایمان کی صفات کے حوالہ سے بیان ہوا ہے کہ وہ اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں، بے کار باتوں سے دور رہنے والے ہیں، زکوٰۃ دینے والے ہیں، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، اپنی امانتوں اور اپنے وعدہ کی حفاظت کرنے والے ہیں، اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

۲۔ پہلے رکوع کی روشنی میں انسان کی تخلیق کے مختلف مراحل بیان کریں۔

اللہ ﷻ نے انسان کی تخلیق کے حوالہ سے فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کو چُنی ہوئی مٹی سے پیدا فرمایا۔ پھر ہم نے اسے نطفہ یعنی قطرہ بنا کر ایک محفوظ جگہ رحم میں رکھا۔ پھر ہم نے اس نطفہ کو ایک جما ہوا خون بنایا پھر ہم نے اس جمے ہوئے خون کو ایک بوٹی بنایا پھر ہم نے اس بوٹی سے ہڈیاں بنائیں پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھایا پھر ہم نے اسے روح ڈال کر ایک دوسری مخلوق بنا دیا۔

۳۔ دوسرے رکوع کی روشنی میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت پر ان کی قوم کے تین اعتراضات تحریر کریں۔

i۔ ان کی قوم کے سردار جنھوں نے کفر کیا کہنے لگے کہ یہ رسول تم جیسا ایک بشر ہی تو ہے جو تم پر بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ (معاذ اللہ)

ii۔ اگر اللہ ﷻ (رسول بھیجنا ہی) چاہتا تھا تو فرشتے نازل فرما دیتا۔ iii۔ بس یہ ایک آدمی ہے جسے جنون ہو گیا ہے۔ (معاذ اللہ)

iv۔ چوتھے رکوع کے آغاز میں بندۂ مومن کی کون سی باطنی صفات بیان کی گئی ہیں؟

بے شک جو لوگ اپنے رب کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کی آیات پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے اور جو لوگ (اللہ ﷻ کی راہ میں) دیتے ہیں جو کچھ وہ اس حال میں دیتے ہیں کہ ان کے دل ڈرتے ہیں کہ اُنھیں اپنے رب کے پاس واپس جانا ہے۔

۵۔ چھٹے رکوع میں مشرکین کے حوالہ سے مندرجہ ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

نمبر شمار	سوالات	جوابات
۱	اللہ ﷻ نے مشرکین سے کس بات کا وعدہ کیا ہے؟	سخت عذاب دینے کا۔

۲	اللہ سبحانہ وتعالیٰ کس بات پر قادر ہے؟	یقیناً ہم اس پر قادر ہیں کہ ہم آپ کو وہ (عذاب) دکھا دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں۔
۳	مشرکین اپنی موت کے وقت اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے کیا درخواست کریں گے؟	جب ان (منکروں) میں سے کسی پر موت آئے گی تو کہے گا اے میرے رب! مجھے (دنیا میں) واپس بھیج دے۔ تاکہ جس (دنیا) کو میں چھوڑ کر آیا ہوں اس میں نیک عمل کروں۔
۴	اللہ سبحانہ وتعالیٰ مشرکین کی درخواست کا کیا جواب دے گا؟	ہرگز (ایسا) نہیں ہوگا یہ تو بس ایک (فضول) بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے۔
۵	صور پھونکے جانے پر مشرکین کی کیا کیفیت ہوگی؟	جب صور میں پھونکا جائے گا تو اس دن ان کے درمیان نہ رشتہ داریاں رہیں گی اور نہ ہی وہ آپس میں سوال کر سکیں گے۔
۶	قیامت کے دن جن لوگوں کے نیک اعمال کا پلڑا ہلکا ہوگا ان کا کیا انجام ہوگا؟	جس کے (نیک اعمال کے) پلڑے بھاری ہوں گے پس وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔
۷	قیامت کے دن مشرکین پر عذاب کی کیا کیفیت ہوگی؟	آگ ان کے چہروں کو جُھلسا دے گی اور وہ اس میں بدشکل ہو رہے ہوں گے۔
۸	اللہ سبحانہ وتعالیٰ مشرکین پر عذاب کا کیا سبب بیان کرے گا؟	(ان سے کہا جائے گا) کیا تمہیں میری آیات پڑھ کر سنائی نہیں جاتی تھیں تو تم ان کو جھٹلایا کرتے تھے۔
۹	جہنّم کے عذاب میں گرفتار مشرکین اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے کیا درخواست کریں گے؟	اے ہمارے رب! ہمیں یہاں سے نکال دیجیئے پھر اگر ہم دوبارہ وہی (کام) کریں تو بے شک ہم ظالم ہوں گے۔
۱۰	اللہ سبحانہ وتعالیٰ مشرکین کی درخواست کا کیا جواب دے گا؟	اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرمائے گا کہ اسی میں ذلّت کے ساتھ پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔

سُوْرَۃُ الزُّمَر

مقاصدِ مطالعہ: اس سورت کے مطالعہ کے بعد طلبہ کو مندرجہ ذیل مضامین سے آگاہی حاصل ہونی چاہیئے:

1. آیات: ۱ تا ۲ — توحید باری تعالیٰ اور اس پر عقلی دلائل کا ذکر اور اللہ ﷻ کا اپنے حبیب ﷺ کو اخلاص کے ساتھ اپنی عبادت اور اطاعت کرتے رہنے کا حکم۔
2. آیات: ۳ تا ۴ — مشرکین مکہ کی بت پرستی پر اللہ ﷻ کی طرف سے سخت مذمت، شرک کو رد کرنے اور بتوں کی عبادت کو بارگاہِ الٰہی میں قرب اور وسیلہ کا ذریعہ سمجھنے کی نفی کا بیان۔
3. آیت: ۵ — اللہ ﷻ کی وحدانیت کا ذکر، زمین و آسمان کی تخلیق کا بیان، رات اور دن کے آنے جانے، سورج اور چاند کے مسخر ہونے کا بیان۔
4. آیات: ۶ تا ۸ — انسان کی تین تاریک پردوں میں تدریجی تخلیق اور چوپایوں کا تذکرہ، قدرتِ الٰہی کے مظاہر کا بیان، اللہ ﷻ کی بے نیازی اور انسان کی ناشکری کا تذکرہ، مصیبت کے وقت بتوں کی بجائے بارگاہِ الٰہی میں گریہ وزاری کرنے اور آسانی کے وقت اللہ ﷻ کو بھول جانے پر کفار کی عادت اور رویہ کی سخت مذمت۔
5. آیات: ۹ تا ۲۱ — عالم اور جاہل کا ذکر، آنحضرت ﷺ کو اللہ ﷻ کی عبادت اور اطاعت کا حکم، صبر کرنے والوں کے لئے بے حساب اجر کا تذکرہ، صریح خسارہ پانے والوں کے لئے عذاب کی وعید اور اہل طاعت کے لئے خوشخبری اور دنیوی حیات کی کھیتی کے ذریعہ مثال کی وضاحت۔
6. آیات: ۲۲ تا ۳۱ — مسلمانوں اور کفار کے مابین فرق کا ذکر، آیات قرآنی کی تاثیر اور عظمت کا بیان، ہدایت اور گمراہی کا اختیار اللہ ﷻ کے پاس ہونے کا بیان، ظالموں کا انجام اور توحید و شرک کی ایک مثال کا ذکر اور آنحضرت ﷺ کے وصال کا تذکرہ۔
7. آیات: ۳۲ تا ۴۱ — سب سے بڑے ظالم کی پہچان، مشرکین کی جہالت اور باطل نظریات کا رد، قرآن کریم کا نزول حق کے ساتھ ہونے کا ذکر اور ہدایت و گمراہی کا ذمہ دار خود انسان کے ہونے کا بیان۔
8. آیات: ۴۲ تا ۵۲ — نیند کی حقیقت کا بیان، باطل معبودوں کی سفارش کی حقیقت اور قیامت کے روز مشرکین کی بے بسی کا حال، انسان کی ناشکری کا ذکر اور رزق میں کشادگی اور تنگی کا اختیار اللہ ﷻ کے پاس ہونے کا ذکر۔
9. آیات: ۵۳ تا ۵۹ — اللہ ﷻ کی بے پایاں رحمت سے مایوس ہونے کی ممانعت کا ذکر، توبہ کی ترغیب اور توبہ نہ کرنے والوں کی حسرت کا بیان۔
10. آیات: ۶۰ تا ۶۶ — کفار کی ندامت اور مکذبین کے بُرے انجام کا بیان، پرہیزگاروں کی کامیابی کا تذکرہ، اللہ ﷻ کے خالق اور تمام خزانوں کے مالک ہونے کا بیان اور مشرکین کی طرف سے آپ ﷺ کو شرک کی دعوت پر جواب۔
11. آیات: ۶۷ تا ۷۵ — اللہ ﷻ کی عظمت وشان کا تذکرہ، قیامت کے خوف اور روزِ محشر کے احوال کا بیان، کافروں کے انجام بد اور مومنوں کے انعام کا تذکرہ، قیامت کے روز حساب و کتاب کی کیفیت کا ذکر، مومنین کا اللہ ﷻ کی حمد کرنے اور اس کا سچا وعدہ ذکر کرنے کا بیان اور فرشتوں کی حمد وثنا کا تذکرہ۔

ربط سورت: سورۃ الزمر سے پہلے سورۃ صٓ ہے۔ دونوں سورتوں میں ربط اور مناسبت یہ ہے:

ا۔ سورۃ صٓ کے زیادہ تر مضامین رسالت سے متعلق تھے جس میں آنحضرت ﷺ کی رسالت کا اثبات منکرین کے لغو اور بے ہودہ اعتراضات کا رد اور ان کے احمقانہ تمسخر کا جواب دیا گیا تھا۔ سورۃ الزمر میں اکثر مضامین توحید سے متعلق ہیں۔ توحیدِ خداوندی کا ذکر فرما کر مُصدِّقین کی مدح، ان کی جزا اور ان پر انعاماتِ الٰہیہ کا ذکر ہے۔ مکذبین و منکرین پر وعید و تنبیہ ہے اور ابطالِ شرک کے لئے عقلی اور فطری دلائل ذکر فرمائے گئے۔

۲۔ سورۃ صٓ کا اختتام اس ارشاد پر ہوا کہ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ۔ "یہ قرآن تو تمام جہان (والوں) کے لئے نصیحت ہے۔ اور کچھ مدت بعد تمہیں اس کا حال معلوم ہو جائے گا۔" سورۃ الزمر کی ابتدا بھی قرآنِ کریم کی حقانیت کے بیان سے ہو رہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ "اللہ کی طرف سے (یہ) کتاب نازل کی گئی ہے جو بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے۔"

۳۔ سورۃ صٓ میں اللہ ﷻ نے آیات: ۷۱ تا ۸۵ میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا واقعہ تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور سورۃ الزمر ۳۹، آیت: ۶ میں بھی انسان کی پیدائش کا ذکر فرمایا گیا ہے: خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا "اس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا پھر اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا"۔

۴۔ سورۃ صٓ کے آخری رکوع میں تخلیق حضرت آدم علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ فرشتوں کی فرماں برداری اور ابلیس کی نافرمانی کا واقعہ بھی بیان ہوا تھا۔ سورۃ الزمر کے آخر میں فرماں برداروں اور نافرمانوں کے انجام کا ذکر کیا گیا ہے۔

فضیلت: اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ اس وقت تک نہ سوتے جب تک کہ سورۃ الزمر اور سورہ بنی اسرائیل کی تلاوت نہ فرما لیتے۔ (جامع ترمذی، حدیث: 3405)

آیت نمبر ا: کفار و مشرکین قرآنِ حکیم کو اللہ ﷻ کا کلام تسلیم نہیں کرتے تھے۔ ان کے اس باطل خیال کی تردید کی گئی ہے۔ قرآنِ کریم کسی مخلوق کا کلام نہیں ہے بلکہ اللہ ﷻ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جو خوب غالب ہے، اپنے احکام کو نافذ کرنے کا مکمل اختیار رکھتا ہے، جو تمام حکمتوں کا مالک ہے اور جس کا کلام بھی حکمتوں سے لبریز ہے۔

علمی بات: یہ قرآن حکیم کسی انسان کی تصنیف نہیں بلکہ اللہ ﷻ کی نازل کردہ ہے اور جس رب تعالیٰ نے اسے نازل فرمایا ہے وہ عزیز ہے یعنی سب پر غالب اور ہر چیز سے طاقتور، اس کے نافذ کیئے احکام کو روکنے کی کسی میں قوت نہیں۔ نیز وہ حکیم ہے زبردست دانا ہے۔ لوگوں کے ظاہری اور پوشیدہ تقاضے اس کے علم میں ہیں۔ لوگوں کے تمدنی، معاشرتی اور معاشی حالات خواہ کتنے ہی بدلتے رہیں قرآنِ کریم کی روشنی قیامت تک زندگی کے ہر افق، ہر شعبہ اور ہر پہلو کو منور کرتی رہے گی اور رہنمائی دیتی رہے گی۔

آیت نمبر ۲: یہاں پر لفظ دین کے معنیٰ عبادت و اطاعت کے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے توسط سے امت کو اللہ ﷻ ہی کی عبادت و اطاعت کی تلقین کی گئی ہے۔ ایسی خالص عبادت کی تلقین کی گئی ہے جس میں غیر اللہ کی شرکت، نیز ریاکاری و نمود کا شائبہ تک نہ ہو۔ گویا یہ ہر طرح کے شرک کی آمیزش سے پاک ہو۔

اخلاص کی حقیقت: اطاعت اور عبادت میں اخلاص یہ ہے کہ صرف اللہ ﷻ کے لئے عمل کیا جائے، مخلوق کو دکھانے اور سنانے کے لئے عمل نہ کیا جائے اخلاص یہ ہے کہ دل میں اللہ ﷻ کے قرب کے سوا اور کسی چیز کی طلب نہ ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ قول اور عمل کو دکھاوے اور شہرت کی آمیزش سے خالی کرنا اخلاص ہے۔

آیت نمبر ۳: اللہ ﷾ کو خالص اطاعت ہی مطلوب ہے۔ اللہ ﷾ کے سوا دوسروں کو اپنا حمایتی اور معبود بنانے والے یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ اس سے اُنہیں اللہ ﷾ کی قربت حاصل ہو گی۔ بے شک اختلاف کرنے والوں کے درمیان اللہ ﷾ فیصلہ فرمادے گا جو ضد میں مبتلا ہونے کی وجہ سے باطل پر اَڑے ہوئے ہیں۔ اللہ ﷾ ایسے شخص کی رہنمائی نہیں فرماتا جو جھوٹا اور ناشکرا ہو۔ وہ جھوٹا اس لحاظ سے ہے کہ اس کا عقیدہ من گھڑت ہے۔ وہ ناشکرا اس لحاظ سے ہے کہ اللہ ﷾ کی دی ہوئی نعمتیں استعمال کرتا ہے لیکن اطاعت کسی اور کی کرتا ہے۔

علمی و عملی بات: جو مشرکین اللہ اس کے ساتھ غیروں کو شریک بناکر ان معبودوں کی عبادت کرتے ہیں اور اپنی ضلالت و گمراہی کی یہ دلیل دیتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں، تاکہ وہ ہمیں اللہ ﷾ سے قریب کردیں اور ہماری حاجت براری کے لئے اس کے نزدیک ہمارے سفارشی بنیں۔ اللہ ﷾ قیامت کے دن ان کے اور مومنوں کے درمیان عملی فیصلہ کردے گا اور ہر ایک کو ان کے عمل کا بدلہ دے گا۔ مومنوں کو انعام واکرام سے نوازے گا اور کافروں اور مشرکوں کو جہنم میں ڈال دے گا۔ آیت کے آخر میں اللہ ﷾ نے فرمایا کہ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے وہ جھوٹا اور اللہ ﷾ ایسے جھوٹے کافر کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا ہے۔

آیت نمبر ۴: اللہ ﷾ کی طرف اولاد منسوب کرنے والے مشرکین کے باطل عقیدہ کی تردید کی گئی ہے۔ اگر اللہ ﷾ کسی کو اولاد بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا منتخب کر لیتا۔ اللہ ﷾ ہر کمزوری سے پاک اور اپنی ذات میں اکیلا ہے۔ تمام مخلوق پر اُسی کا قتدار اور غلبہ ہے۔

علمی بات: اولاد کا ہونا بندوں کے لئے تقویت اور عزت ووقار کا باعث ہوتا ہے کیونکہ وہ کمزور اور ضعیف ہیں۔ دشمنوں کا تنہا مقابلہ کرنے سے عاجز ہیں، ان کی اولاد ہو گی تو وہ طاقتور بن جائیں گے۔ نیز وہ فنا ہونے والے ہیں۔ ان کو اولاد کی اس لئے بھی ضرورت ہوتی ہے کہ ان کے مرنے کے بعد ان کا نام ان کی اولاد کے ذریعہ باقی رہے۔ لیکن اللہ ﷾ جو ہمیشہ سے زندہ جاوید ہے اور جو غیر فانی ہے اس کے لئے اولاد کی ضرورت کا تصور بھی گستاخی اور بے ادبی ہے۔ وہ ان تمام چیزوں سے پاک ہے۔ اس لئے اولاد کا عقیدہ رکھنا اس کی شانِ کبریائی سے جہالت کی دلیل ہے۔

آیت نمبر ۵: اللہ ﷾ کی تخلیق کے شاہکار کا بیان ہے کہ اس نے آسمان وزمین کو ایک مقصد کے تحت پیدا فرمایا ہے۔ وہ رات کو دن پر ڈھانپ لیتا ہے پھر اس کی روشنی ختم ہو جاتی ہے اور دن کو رات پر ڈھانپ لیتا ہے یہاں تک کہ اس کی تاریکی ختم ہو جاتی ہے۔ سورج اور چاند اسی کے حکم سے ایک طے شدہ مدت تک گردش کرتے رہیں گے۔ جس اللہ ﷾ نے یہ کائنات کا نظام قائم کر رکھا ہے وہ کمال قوت کا مالک ہے۔ وہ بہت زیادہ درگزر فرمانے والا ہے۔ جب کائنات اور اس کی تمام چیزیں بامقصد ہیں اور انسان کے لئے پیدا کی گئی ہیں تو انسان بھی بامقصد پیدا کیا گیا ہے اور وہ ہے اللہ تعالی کی عبادت۔

علمی بات: ۱۔ مراد رات کا بتدریج دن میں تبدیل ہونا اور اسی طرح دن کا رات میں بتدریج تبدیل ہونا ہے۔ یہ عمل اسی وقت ممکن ہے اگر زمین گیند کی طرح گول ہو (spherical earth) ہو اور اگر زمین چوڑی ہوتی تو یہ عمل بتدریج نہ ہوتا بلکہ شاید رات فوراً دن میں اور دن فوراً رات میں تبدیل ہوتا۔ ایسا نظر آتا ہے کہ رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹا جا رہا ہے۔ دن اور رات کو ایک دوسرے پر لپیٹنا اسی صورت ممکن ہے جب زمین گول ہو۔ زمین گیند کی طرح گول بھی نہیں ہے بلکہ یہ انڈے کی طرح بیضوی ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے رات بتدریج دن اور دن بتدریج رات میں تبدیل ہوتا ہے۔

۲۔ مدتِ مقررہ سے مراد وہ مدت ہے جس میں سورج یا چاند اپنی منتہا مسافت کو طے کرلیتا ہے۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ سورج اور چاند قیامت تک یونہی گردش کرتے رہیں گے۔ واللہ اعلم بالصواب

۳۔ اللہ ﷾ کے عزیز ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر غالب اور قادر ہے۔ وہ اس کے احکام کی نافرمانی کرنے والوں کو سزا دینے پر قادر ہے۔ اس کے غفار ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ مغفرت کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ نافرمانی کرنے والوں کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ اللہ ﷾ کے غفار ہونے

میں سے یہ شامل بھی ہے کہ وہ اپنے نیک بندوں کی اچھائیوں کو ظاہر فرماتا اور ان کی بُرائیوں کو چھپالیتا ہے اور آخرت میں ان کی خطاؤں کو بخش دے گا۔

آیت نمبر ۶: تخلیقِ خداوندی کے مزید شاہکار کا بیان ہے کہ اس نے انسانوں کو ایک ہی نفس یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا کیا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انسان کے فائدے کے لئے چوپایوں کے آٹھ جوڑے اُتارے یعنی اونٹ، گائے، بکرا، بھیڑ کے نر و مادہ۔ چوپایوں کو اُتارنے سے مراد چوپائے جو چارہ کھاتے ہیں وہ بارش کے پانی کے ذریعہ پیدا ہوتا ہے جو آسمان سے نازل ہوتا ہے۔ انسان کی تخلیق بھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرتِ کاملہ کی دلیل ہے۔ انسان کی تخلیق کے مختلف مراحل بیان ہوئے ہیں۔ ماں کے بطن میں بچہ کی نشو نما بتدریج مرحلہ وار عمل میں اور تین پردوں کے اندر کی جاتی ہے۔ ا۔ پہلا پردہ جھلی کا ہے جس میں بچہ موجود ہوتا ہے اور جس میں بچہ کی تخلیق مکمل ہوتی ہے۔ ۲۔ دوسرا پردہ اس کے اوپر رحم مادر (Uterus) ہے۔ ۳۔ تیسرا پردہ اس کے اوپر ماں کا بطن ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی ہے جو مذکورہ بالا مظاہر قدرت کا خالق ہے۔ اصل اختیار اسی کے پاس ہے اور وہی معبود حقیقی ہے۔

علمی بات: ا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی توحید اور قدرتِ قاہرہ کی مزید دلیلیں بیان کی جارہی ہیں۔ پہلے اُس نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ پھر ان سے حضرت حوا علیہا السلام کی تخلیق فرمائی۔ یہاں تک کہ نسل انسانی کرۂ زمین کے دور دراز گوشوں تک پھیل گئی۔ نیز ان کو پیدا کر کے یوں ہی نہیں چھوڑ دیا گیا بلکہ اس کی خوراک کا بندوبست فرمایا۔ نقل و حمل کے ذرائع اور وسائل مہیا کیئے۔ خصوصی طور پر اونٹ، بیل، بھیڑ بکری کے جوڑوں کا ذکر فرمایا ہے۔

۲۔ انسان کی تخلیق کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ جب نطفہ رحم میں قرار پکڑتا ہے تو تخلیق و تکمیل کا عمل شروع رہتا ہے۔ وہ قطرۂ آب بلکہ ایک ننھا سا جرثومہ مختلف مرحلوں سے گزر کر کامل انسان کی صورت اختیار کرتا ہے۔ اس کے ہر ہر عضو میں جو باریکیاں، لطافتیں اور پیچیدگیاں ہیں یہ سب دن کی روشنی میں انجام پذیر نہیں ہوتیں بلکہ تہ در تہ اندھیروں میں یہ تکوینی عمل جاری رہتا ہے۔ انسان کی پیدائش کے سلسلہ میں یہاں جن تین تاریکیوں کا ذکر ہے اس سے مراد تین پردے ہیں: جن میں تخلیق کا مرحلہ طے ہوتا ہے۔ ا۔ ماں کے بطن کی دیوار (An Anterior or The mother's abdominal wall)۔ ۳۔ پھر رحم مادر کا پردہ (The wall of the uterus or Uterine)۔ ۴۔ جنین کی بیرونی جھلی (The Amnio-chorionic membrane)

نوٹ: انسان کی تخلیق کے مراحل کی مزید تفصیلات رہنمائے اساتذہ مطالعہ قرآنِ حکیم حصہ چہارم سورۃ الحج ۲۲، آیت: ۵ اور رہنمائے اساتذہ مطالعۂ قرآنِ حکیم حصّہ پنجم سورۃ المومنون ۲۳، آیات: ۱۳، ۱۴ کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیں۔

آیت نمبر ۷: اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کرنے اور اس کی ناشکری کرنے والوں سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ بے نیاز ہے۔ وہ اپنے بندوں کے لئے ناشکری کرنے کو پسند نہیں فرماتا، بلکہ یہ پسند فرماتا ہے کہ بندے اس کے شکر گزار بن کر رہیں۔ روز قیامت ناشکرے لوگوں کو ناشکری کی سزا سے کوئی نہیں بچا پائے گا۔ تمام بندوں کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ جہاں اُنہیں ان کے اعمال سے آگاہ کر دیا جائے گا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سینوں میں چھپے ہوئے رازوں سے بھی خوب واقف ہے۔

علمی بات: ناشکری کا رویہ اختیار کر کے انسان اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑتا بلکہ اپنے لئے ہی محرومی کا سامان کرتا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس بات کا ہر گز محتاج نہیں ہے کہ بندے اس کا شکر کریں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو نہ بندوں کے شکر سے فائدہ پہنچتا ہے اور نہ ان کی ناشکری سے نقصان۔ یہ حقیقت ایک حدیث قدسی میں اس طرح بیان ہوئی ہے۔

فرمانِ نبوی ﷺ: "اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے سب انس و جن سب سے زیادہ متقی شخص کے برابر ہو جائیں تو اس سے میری سلطنت میں کوئی اضافہ نہ ہوگا۔ اور اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے سب انس و جن سب سے زیادہ فاجر شخص کے برابر ہو جائیں تو اس سے میری سلطنت میں کوئی کمی نہ ہوگی۔" (صحیح مسلم)

عملی پہلو: روزِ قیامت کسی کے گناہ کا بوجھ کوئی دوسرا بوجھ نہ اٹھائے گا ایسا نہ ہو گا کہ ایک کا گناہ دوسرے کے سر ڈال دیا جائے یا ایک کے کیئے کے بدلہ میں دوسرا پکڑا جائے گا یا کسی کے کیئے سے زائد ظلماً گناہ بڑھا دیے جائیں۔ دنیا میں چند روز رہنا ہے پھر آخر کار سب کو اپنے پروردگار کے پاس ہی پلٹ کر جانا ہے، وہ بے خبر نہیں بلکہ لوگوں کے ہر کام اور ہر بات کی خبر دے دے گا، وہ دلوں کی تہہ میں چھپی بات کو بھی خوب جانتا ہے۔

آیت نمبر ۸: دنیا پرست انسان کی روش کا بیان ہے۔ اسے جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اللہ ﷻ کو پکارنے لگتا ہے۔ جب اللہ ﷻ اس کی تکلیف کو دور فرما دیتا ہے تو وہ اس احسان کو کسی اور کی طرف منسوب کر دیتا ہے اور شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس کی اس روش سے دوسرے لوگ بھی گمراہ ہوتے ہیں۔ واضح کر دیا گیا کہ ایسے لوگ اپنے کفر کے ساتھ تھوڑے عرصہ تک فائدہ اٹھالیں۔ لیکن بالآخر ان کے شرک اور ناشکری کا بدلہ اُنہیں جہنم کی آگ کی صورت میں ملے گا۔

علمی بات: مشرک انسان کی روش کا بیان ہے کہ جب مصیبت پہنچتی ہے تو اللہ ﷻ کے سامنے گڑگڑاتا ہے، صرف اسی سے لو لگاتا ہے اور شرک کو بھول جاتا ہے۔ لیکن جب اللہ ﷻ اس کی مصیبت کو دور کر دیتا ہے تو وہ اس تکلیف کو یوں بھول جاتا ہے گویا اسے کبھی کوئی تکلیف پہنچی ہی نہیں تھی اور جب وہ تکلیف کو بھول جاتا ہے تو ظاہر ہے پھر یہ کیسے خیال باقی رہ سکتا ہے کہ اس تکلیف کو دور کرنے والا صرف اللہ ﷻ ہے۔ مصیبت کے وقت وہ جس توحید پر قائم تھا، مصیبت کے دور ہو جانے کے بعد اس توحید پر قائم نہیں رہتا، بلکہ اللہ ﷻ کے ساتھ شریک بنانے لگتا ہے اور پوری طرح شرک میں گرفتار ہو جاتا ہے، اپنے قول سے دوسروں کو شرک کی طرف مائل کر کے اُنہیں اللہ ﷻ کے راستہ سے بھٹکا دیتا ہے اور اُنہیں بھی اس شرک میں مبتلا کر دیتا ہے۔

آیت نمبر ۹: اللہ ﷻ کا اطاعت گزار، راتوں کو سجدہ و قیام کرنے نیز آخرت سے ڈرنے والا اور اللہ ﷻ کا ناشکر ابرابر نہیں۔ اللہ ﷻ کے نزدیک علم رکھنے والے اور علم نہ رکھنے والے برابر نہیں۔ علم سے مراد علم ہدایت ہے جو انسان کو سیدھی راہ کی رہنمائی عطا کرتا ہے۔ بے شک ایسی مثالوں سے وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

علمی بات: ۱۔ اس آیت کریمہ سے جہاں شکر ادا کرنے اور علم حاصل کرنے کی فضیلت پتہ چلتی ہے وہاں نماز تہجد کی بھی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ اللہ ﷻ کے انعام کا تقاضا تو یہ ہے کہ اور زیادہ عبادت گزار ہونا چاہیئے نہ کہ تھوڑی عبادت پر اکتفا کیا جائے۔

فرمان نبوی ﷺ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کہ فرض نمازوں کے بعد افضل ترین نماز وہ ہے جو رات کے درمیانی حصہ میں پڑھی جائے۔" (صحیح مسلم)

۲۔ علم سے مراد اللہ ﷻ کی معرفت، مقصدِ زندگی کا شعور، احکامِ الٰہی سے واقفیت اور آخرت کی جزا و سزا سے آگاہی ہے۔ جو شخص یہ علم رکھتا ہے اور جو شخص یہ علم نہیں رکھتا دونوں کس طرح اپنے وصف میں اور اپنے انجام کے اعتبار سے برابر ہو سکتے ہیں؟ یہ حقیقی اور بنیادی علم جو انسان کی زندگی کے رُخ کو متعین کر دیتا ہے ہر شخص کے لئے اس کا حصول ناگزیر ہے۔ جو لوگ اس علم سے بے پرواہ ہو کر جو مادی علوم بھی حاصل کرتے ہیں جہالت کی تاریکیوں ہی میں رہتے ہیں اور اپنے بُرے انجام سے بے خبر ہوتے ہیں۔

آیت نمبر ۱۰: اہل ایمان کو تقویٰ اختیار کرنے یعنی اللہ ﷻ کی نافرمانی سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لئے دنیا میں بھی نعمتیں اور سعادتیں ہیں۔ اہل ایمان کو ہجرت کی ترغیب دی گئی ہے۔ اگر مکہ مکرمہ میں رہ کر ان کے لئے اللہ ﷻ کی نافرمانی سے بچنا ممکن نہیں تو اللہ ﷻ کی زمین بہت وسیع ہے۔ ایمان اور نیکی کی راہ میں صبر کرنے والوں کو آخرت میں ایسے اجر سے نوازا جائے گا جس کی کوئی حد نہیں ہو گی۔

شانِ نزول: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قبل از ہجرت کافر ستاتے تھے اور اُنہیں اذیت پہنچاتے تھے۔ ان کی تسکین کے لئے یہ آیت اتری کہ اے محبوب ﷺ!

برگزیدہ بندوں سے کہہ دیجئے کہ اللہ ﷻ سے ڈرو اور اس کی فرماں برداری اختیار کرو، دنیا کی چند روزہ تکلیف کا خیال نہ کرو، جو آدمی دنیا میں اچھے کام کر جائیں گے ان کو بھلائی ملے گی، یعنی دین اسلام پر استقامت کا مظاہرہ کرنے والوں کو قیامت میں جنت اور حمت ملے گی۔ چنانچہ آغاز وحی کے پانچ برس کے بعد نبی کریم ﷺ کے حکم سے اَسّی (۸۰) آدمیوں کے قریب مکہ مکرمہ سے حبشہ کو چلے گئے تھے اسی کو حبشہ کی ہجرت کہتے ہیں۔ مدینہ منورہ کی ہجرت کے بعد یہ لوگ پھر حبشہ سے مدینہ منورہ کو چلے آئے اسی واسطہ سے ان لوگوں کو دو ہجرتوں والا کہا جاتا ہے۔

علمی بات: ۱۔ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اگر اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت اور اس سے ڈرتے ہوئے زندگی گزارنے میں کفار مزاحم ہو رہے ہیں تو اپنے دین اور ایمان کے تحفظ کے لئے کسی دوسرے علاقہ یا ملک کو ہجرت کر کے جاسکتے ہو۔ اس کی زمین کسی ایک ملک تک محدود نہیں ہے بلکہ نہایت وسیع ہے۔ اور دین کی خاطر وطن چھوڑا جاسکتا ہے لیکن وطن کی خاطر دین نہیں چھوڑا جاسکتا۔

۲۔ اللہ ﷻ کی اطاعت و بندگی بغیر صبر کے ممکن نہیں، اس لئے آیت کے آخر میں صبر کی فضیلت اور اللہ ﷻ کے نزدیک اس کے عظیم اجر و ثواب کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایمان کے اوپر زندگی کی تعمیر کرنا آدمی کے لئے زبردست امتحان ہے۔ اس امتحان میں وہی لوگ پورے اترتے ہیں جن کے لئے ایمان اتنی قیمتی دولت ہو کہ اس کی خاطر وہ ہر دوسری چیز پر صبر کرنے کے لئے راضی ہو جائیں۔ ایمانی زندگی عمل کے اعتبار سے صبر والی زندگی کا دوسرا نام ہے۔ جو لوگ صبر کی قیمت پر مومن بننے کے لئے تیار ہوں وہی وہ لوگ ہیں جو اللہ ﷻ کے اعلیٰ انعامات میں حصہ دار بنائے جائیں گے۔

آیت نمبر ۱۱: نبی کریم ﷺ سے خطاب فرما کر آپ کے ذریعہ حکم دیا گیا ہے کہ اللہ ﷻ کی بندگی مکمل اطاعت کے ساتھ کی جائے جو شرک سے بالکل پاک ہو۔

علمی بات: نبی کریم ﷺ سے فرمایا گیا ہے کہ وہ مشرکین قریش کو یہ بتا دیں کہ مجھے تو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں صرف اللہ ﷻ کی عبادت کروں اور اس کے سوا کسی کی طرف التفات نہ کروں گویا میں راہِ حق میں ثابت قدم رہنے اور شمع توحید کو روشن رکھنے کی تاکید میں صرف تمہیں نہیں کر رہا بلکہ میرے رب نے مجھے بھی ایسا ہی کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

آیت نمبر ۱۲: نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے اعلان کروایا گیا ہے۔ سب سے پہلے اللہ ﷻ کا فرماں بردار ہونے کی مثال قائم کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ آپ ﷺ عالم شہادت میں اس اُمت کے لحاظ سے اور عالم غیب میں تمام اولین و آخرین کے اعتبار سے اللہ ﷻ کے سب سے پہلے حکم بردار بندے ہیں۔

علمی بات: آپ ﷺ اپنی امت میں سب سے پہلے مسلمان ہیں اور ہر نبی علیہ السلام اپنی اُمت میں سب سے پہلا مسلمان ہوتے ہیں کیونکہ ہر حکم سب سے پہلے نبی علیہ السلام پر نازل ہوتا ہے، پہلے وہ خود اس پر ایمان لاتے ہیں اور پھر اپنی اُمت کو اس کی تبلیغ کرتے ہیں تو دوسرے لوگ نبی علیہ السلام کے واسطہ سے بعد میں مسلمان بنتے ہیں۔

آیت نمبر ۱۳: نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے اعلان کیا گیا ہے۔ اگر اللہ ﷻ کی نافرمانی کی جائے تو ایک بڑے دن کا عذاب گرفت میں لے لے گا۔

علمی بات: اس آیت سے مقصود اُمت کو اللہ ﷻ کی نافرمانی سے باز رکھنا ہے، کیونکہ حضور اکرم ﷺ معصوم ہیں اس لئے آپ ﷺ سے نافرمانی کا صادر ہونا کسی طرح ممکن ہی نہیں اور نہ ہی قیامت کے دن آپ ﷺ کے لئے عذاب کا کوئی امکان ہے بلکہ آپ ﷺ کی شفاعت سے بے شمار گناہ گاروں کا عذاب دور ہوگا، نبی ﷺ اللہ ﷻ کے محبوب ہیں اور تمام رسولوں کے سردار، قائد، امام اور سب سے افضل ہیں۔ اس آیت میں حضور اکرم ﷺ کا ذکر کر کے مشرکینِ مکہ اور مسلمانوں کو یہ بتانا مقصود ہے کہ میں امام الانبیاء علیہم السلام ہونے کے باوجود بفرضِ محال اگر اللہ ﷻ کے کسی حکم کی نافرمانی کروں تو قیامت کے دن عذاب کا خطرہ ہے، تو عام لوگوں کا کیا حال ہوگا؟

آیت نمبر ۱۴: نبی کریم ﷺ اللہ ﷻ کی عبادت اسی طرح کرتے ہیں کہ اطاعت کو اسی کے لئے خالص رکھتے ہیں۔ ان تمام باتوں کے بیان میں دراصل امت کے لئے رہنمائی کا سامان کیا گیا ہے۔

علمی بات: آپ ﷺ کے ذریعہ مشرکین کو دوٹوک جواب دینے کے لئے فرمایا گیا ہے کہ آپ ﷺ ان سے فرمادیجئے کہ میں تو اللہ ﷻ کی عبادت اس طرح کرتا ہوں کہ اپنی عبادت کو خالص اور صرف اس کے لئے رکھتا ہوں۔ یعنی اس کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کرتا ہوں بلکہ خالص اسی کی عبادت کا اعتقاد رکھ کر اس کی بندگی کرتا ہوں، تم جن لوگوں کی چاہو عبادت کرو اور جن چیزوں کے سامنے چاہو جھکو۔ مگر یہ یاد رکھو کہ یہ عمل گھاٹے اور اور نقصان کا عمل ہے جس کا حتمی انجام جہنم ہے۔

آیت نمبر ۱۵: لوگوں کو اختیار ہے کہ جس کی چاہیں وہ عبادت کریں۔ دنیا دراصل ایک امتحان ہے۔ البتہ اصل خسارہ اٹھانے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو روز قیامت خسارہ میں ڈالا۔ یہ ایسا خسارہ ہے جس کی کوئی تلافی ممکن نہیں۔

علمی بات: ۱۔ اگر تم میری دعوت قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تو پھر جیسا تمہارا جی چاہتا ہے کرتے رہو خواہ کسی پتھر کی پوجا کرو، خواہ کسی دریا کو خدا بناؤ خواہ کسی جن اور انسان کو اپنا معبود تصور کرو تم جانو اور تمہارا کام۔ لیکن یہ یاد رہے کہ کفر و شرک اختیار کرنے سے تمہیں ایسا خسارہ ہوگا کہ پھر اس کی تلافی ممکن نہ ہوگی۔ خطاب کے اس انداز کا مقصد ان کو ڈانٹ ڈپٹ اور لعنت ملامت کرنا ہے، جیسے کوئی شخص کسی کو بار بار سمجھائے اور وہ پھر بھی نہ مانے تو وہ کہتا ہے: اچھا جو تمہارا دل چاہے کرو۔

۲۔ ایک خاندان تین رشتوں پر مبنی ہوتا ہے "میاں، بیوی"، "والدین، اولاد" اور "بہن، بھائی"۔ خاندان کے ہر فرد کی خواہ وہ کسی حیثیت میں ہو یہ ذمہ داری ہے کہ وہ خود کو بھی اور تمام گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچانے کے لئے کوشش کرے۔ البتہ یہ ذمہ داری مردوں پر زیادہ اور بالخصوص سب سے زیادہ خاندان کے سربراہ پر عائد ہوتی ہے: اَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَّكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِه "جان لو کہ تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور اُس سے اُس کے ماتحت لوگوں کے بارے میں سوال ہوگا۔" (صحیح بخاری)

روزِ قیامت ایک انسان کی کامیابی یا ناکامی کے فیصلہ میں اِس بات کی بڑی اہمیت ہوگی کہ وہ اپنے گھر میں غفلت کی زندگی بسر کر رہا تھا یا آخرت کی تیاری کی طرف متوجہ تھا۔

۳۔ دنیا میں یہ لوگ بظاہر حرام کمائی کے ذریعہ خود کو اور اپنے اہل و عیال کو عیش و عشرت کا سامان فراہم کر رہے ہیں، لیکن حقیقت میں ایسی روش اختیار کرکے وہ اپنے گھر والوں سے کوئی خیر خواہی نہیں کر رہے، بلکہ اپنے ساتھ اُن کو بھی جہنم کا ایندھن بنانے کے اسباب اختیار کر رہے ہیں۔

آیت نمبر ۱۶: خود کو اور اپنے گھر والوں کو خسارہ میں ڈالنے والے جہنم کے سائبانوں میں ہوں گے۔ اللہ ﷻ کی نافرمانی سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ لوگ جہنم سے محفوظ رہ سکیں۔

علمی بات: اہل جہنم کے عذاب کی ہولناکی بیان کی جارہی ہے کہ وہ لوگ اوپر اور نیچے سے آگ کے کئی طبقات میں ڈھکے ہوں گے، جو ان پر بھڑک رہی ہوگی۔ اللہ ﷻ اپنے بندوں کو ڈرانے کے لئے عذاب جہنم کے یہ ہولناک مناظر بیان فرماتا ہے تاکہ ان سے بچنے کے لئے ایمان اور اعمال صالحہ کی طرف مائل ہوں۔ اللہ ﷻ نے کفار کے عذاب کی کیفیت بیان فرمائی ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ دوزخ کی آگ ان کو تمام اطراف سے گھیر لے گی۔ جس طرح دنیا میں کافر کا احاطہ اس کے کفر اور اس کے بُرے اعمال نے کیا ہوا تھا، اسی طرح آخرت میں دوزخ کی آگ اس کا ہر طرح سے احاطہ کرلے گی۔

آیت نمبر ۱۷: طاغوت سے اجتناب کی تلقین کی گئی ہے۔ بندگی کی حد سے تجاوز یا اللہ ﷻ کے سوا کسی کی بندگی کرانا بھی طاغوتی طرزِ عمل ہے۔ اللہ ﷻ ہی

کی عبادت کرنے والوں کے لئے بشارت ہے

علمی بات: نیک لوگوں کا انجام بیان کیا جارہا ہے جو غیر اللہ کی پرستش نہیں کرتے اور اپنے دل ودماغ اور تمام اعضاو جوارح کے ساتھ اللہ ﷻ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جن لوگوں نے عبادت شیطان اور بت پرستی سے کنارہ کیا اور سچے دل سے اللہ ﷻ کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کے احکامات مانے، ان کو اللہ ﷻ کی رحمت اور جنت کی خوشخبری ہے۔

آیت نمبر۱۸: بشارت ان لوگوں کے لئے ہے جو دین کی عمدہ ترین انداز میں پیروی کرتے ہیں۔ عزیمت کا درجہ اختیار کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے ہدایت کا وعدہ ہے، یہی لوگ عقل مند ہیں۔

شانِ نزول: یہ آیت حضرت زید بن عمرو بن نفیل، حضرت ابوذر غفاری اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی، حضرت زید بن عَمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت میں بھی شرک وبت پرستی سے نفرت کرتے تھے۔ حضرت ابوذر غفاری اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہما مختلف اہل مذاہب، مشرکین پھر یہود ونصاریٰ کی باتیں سننے اور ان کے طور طریقے دیکھنے کے بعد ایمان لائے اور قرآنی تعلیمات کو سب سے احسن پا کر ان کو ترجیح دی۔

علمی بات: ۱۔ یہ لوگ باتیں تو سب کی سنتے ہیں۔ کفار اور مومنین کی بھی، حق وباطل کی بھی۔ لیکن اتباع صرف اسی بات کی کرتے ہیں جو احسن ہے۔ توحید وشرک میں سے توحید کا حق وباطل میں سے حق کا اور حق کے مختلف درجات ہوں تو ان میں جو احسن اور راجح ہو اس کی اتباع کرتے ہیں۔

۲۔ قرآنِ حکیم میں عزیمت والے کاموں کا بھی ذکر ہے اور رخصتوں کا بھی کہ یہ لوگ احکامِ قرآن رخصت اور عزیمت دونوں کے سنتے ہیں۔ مگر اتباع رخصت والے احکام کے بجائے عزیمت والے احکام کی کرتے ہیں۔ اور جن دو چیزوں میں ایک حسن ہو دوسری احسن، یہ ان میں سے احسن ہی کو عمل کے لئے اختیار کرتے ہیں۔

آیت نمبر ۱۹: نبی کریم ﷺ لوگوں کی ہدایت پر آجانے کی شدید تمنا رکھتے تھے۔ آپ ﷺ کو تسلی دی گئی کہ جن لوگوں کے لئے عذاب کا فیصلہ ہو چکا اب وہ بچ نہ سکیں گے۔

علمی بات: نبی کریم ﷺ سے فرمایا جارہا ہے کہ جو آدمی اپنی ازلی شقاوت وبدبختی کی وجہ سے کفر وشرک اور ظلم وسرکشی کی زندگی گزار رہا ہے، آپ ﷺ اسے عذاب نار سے نہیں بچا سکتے، اس لئے کہ جس کو اللہ ﷻ اس کے کفر وشرک کی وجہ سے گمراہ کرنے کا فیصلہ فرمالے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور جسے وہ ہدایت دے دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا، اس لئے نبی مکرم ﷺ! آپ ﷺ ان کے غم میں پریشان نہ رہیئے، اُنہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجیے۔

آیت نمبر۲۰: متقین کے لئے جنت کے بالاخانوں یعنی کئی منزلہ رہائش گاہوں کا وعدہ ہے۔ اللہ ﷻ کا وعدہ برحق ہے۔ وہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

علمی بات: ان لوگوں پر انعام واکرام کا بیان ہے جنہوں نے طاغوت کی عبادت سے اجتناب کیا، انہوں نے شرک اور گناہوں سے اپنے آپ کو آلودہ نہیں کیا۔ وہ ظاہری بتوں کی عبادت سے بھی اجتناب کرتے رہے اور باطنی بت یعنی نفس امارہ کی پیروی سے بھی بچتے رہے ان سے اللہ ﷻ کا وعدہ ہے کہ جنت میں ان کے لئے بلند وبالا اور عالی شان محل ہوں گے، جن کے کمرے بہت سی منزلوں پر مشتمل ہوں گے اور جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی یہ اللہ ﷻ کا وعدہ ہے جو برحق ہے۔ وہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

آیت نمبر۲۱: اللہ ﷻ آسمان سے بارش نازل فرماتا ہے اور اس پانی کو چشموں کی صورت میں زمین میں بہا دیتا ہے۔ پھر اس پانی سے کھیتی کے ذریعہ مختلف

رنگوں کی کھیتیاں اگاتا ہے جو رفتہ رفتہ اپنے عروج پر پہنچ جاتی ہیں۔ پھر اس کھیتی پر زوال آتا ہے اور وہ خشک ہو کر زرد پڑ جاتی ہے اور چورا چورا ہو کر ختم ہو جاتی ہے۔ یہی معاملہ انسانی زندگی کا ہے کہ آخر کار مٹی میں مل کر چورا ہو جاتا ہے۔ اس مثال سے عقل مند نصیحت حاصل کرتے ہیں اور آخرت کی دائمی زندگی کے لئے محنت کرتے ہیں۔

علمی بات: جس طرح کھیتی اگتی ہے، پھر لہلہانے لگتی ہے اور کسان اسے دیکھ کر خوش ہوتا ہے، اسی طرح انسان بھی اپنے بچپن، پھر اپنی جوانی و خوشحالی کو دیکھ دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے۔ پھر جس طرح کھیتی زرد پڑ جاتی ہے اور چورا چورا ہو جاتی ہے، اسی طرح انسان کی جوانی بھی بڑھاپا میں تبدیل ہو جاتی ہے اور بالآخر وہ بڑھاپا بھی باقی نہیں رہتا، موت آجاتی ہے اور انسان مٹی میں مل کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ عقل مند وہی ہے جو نہ دنیا کی رونق پر اپنی نگاہوں کو جمائے اور نہ اس کی دلفریبیوں پر للچائے۔ بلکہ آخرت کی دائمی زندگی کی فکر کرے اور دنیا کی کھیتی کے کمال وزوال کو دیکھ کر اپنے کمال وزوال پر غور کرے اور آخرت کو مقصود بنا کر دنیا میں ذمہ دارانہ زندگی گزارے۔

آیت نمبر ۲۲: اسلام کے لئے سینہ کھول دینے سے مراد یہ ہے کہ اسلام کی حقانیت کا دل میں یقین پیدا ہو جانا جس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش باقی نہ رہے۔ نور سے مراد اللہ ﷻ کی نازل شدہ کتاب ہے جو زندگی کے ہر میدان میں اس کی رہنمائی کرتی ہے نیز نور سے مراد نورِ ہدایت و معرفت بھی ہے۔ اللہ ﷻ اپنے محبوب بندوں کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور وہ رب کی عطا کردہ روشنی میں پرہیز گاری کے راستہ پر گامزن رہتے ہیں۔ اللہ ﷻ کے احکامات بوجھ محسوس ہوں اور دل اللہ ﷻ کے ذکر سے محرومی کی وجہ سے زیادہ سخت ہو چکے ہوں تو یہ کھلی گمراہی ہے۔ یہ دونوں کردار انجام کے لحاظ سے ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔

علمی بات: ا۔ اپنے رب کی طرف سے نور پر قائم ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس باہر کی کائنات میں اور انسان کے اپنے اندر اللہ ﷻ نے اپنے وجود، اپنی توحید اور اپنی قدرت پر جو نشانیاں رکھی ہیں وہ ان نشانیوں سے اللہ ﷻ کی ذات اور صفات کی معرفت حاصل کرے اور اس کے دل میں اللہ ﷻ کی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت کی امنگ اور جذبہ پیدا ہو جس کو دیکھ کر اللہ ﷻ یاد آئے۔

۲۔ نور کا ایک اور معیار یہ ہے کہ فحش کاموں کے ارتکاب اور گناہوں کی کثرت سے انسان کے چہرے پر پھٹکار برسنے لگتی ہے، جو گناہوں سے اجتناب کرتا ہو اور نیک کام بکثرت کرتا ہو اس کے چہرے سے سادگی اور بھولپن ظاہر ہوتا ہے اور اس کا چہرہ بارونق ہوتا ہے اور یہ نور کے آثار میں سے ایک اثر ہے۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۃ الزمر کی آیت: ۲۲ کی تلاوت فرمائی تو ہم نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! بندہ کا شرح صدر کس طرح ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب بندہ کے دل میں نور داخل ہوتا ہے تو اس کا شرح صدر ہو جاتا ہے“، ہم نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! اس کی علامت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ دَارُالْخُلُد (آخرت) کی طرف رجوع کرتا ہے اور دَارُالْغُرُوْر (دنیا) سے بھاگتا ہے اور موت آنے سے پہلے موت کی تیاری میں لگا رہتا ہے۔“ (المستدرک للحاکم)

آیت نمبر ۲۳: اللہ ﷻ نے قرآنِ کریم کی صورت میں بہترین کلام نازل فرمایا۔ قرآنِ پاک کی چند صفات بیان ہوئی ہیں کہ اس کے مضامین ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور ان میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ اس کی تلاوت بکثرت کی جاتی ہے یا قرآنِ پاک کے مضامین کو ذہن نشین کرنے کے لئے بار بار دہرایا جاتا ہے۔ اللہ ﷻ سے ڈرنے والوں کا قرآنِ حکیم پڑھ کر یہ حال ہوتا ہے کہ ان کے رُونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اللہ ﷻ کی رحمت و مغفرت کی آیات کو سن کر ان کے جسم اور دل اس کی یاد کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ ہدایت ہے کہ اللہ ﷻ جسے چاہے عطا فرما دیتا ہے۔ البتہ جسے اللہ ﷻ گمراہی میں چھوڑ دے تو اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

عملی پہلو: اللہ ﷻ کی عظمت سے متاثر ہو کر ڈرنے والوں کا قرآنِ حکیم پڑھ کر خشیت وہیبت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔یعنی تلاوت قرآن کا اثر کبھی عذاب کی وعید سن کر یہ ہوتا ہے کہ بدن کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں اور کبھی رحمت و مغفرت کی آیات سن کر یہ حال ہوتا ہے کہ بدن اور قلب سب اللہ ﷻ کی یاد میں نرم ہو جاتے ہیں۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عام حال یہی تھا کہ جب ان کے سامنے قرآنِ حکیم کی تلاوت کی جاتی تو ان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے اور بدن پر بال کھڑے ہو جاتے۔

علمی بات: قرآنِ حکیم کی آیتیں حسن تعبیر میں ایک دوسرے کی مشابہ ہیں، ان کے مضامین ہم آہنگ ہیں سب ایک دوسرے کی موافقت اور تائید کرتے ہیں، ان میں کسی قسم کا تضاد نہیں۔ جن میں بیان کردہ اوامر و نواہی، وعدہ و وعید اور قصص و مواعظ مختلف انداز میں بار بار ذکر کیئے گئے ہیں۔

ایک ضروری وضاحت: لوگ عام طور پر لفظ "حدیث" کے صرف ایک ہی مفہوم سے آشنا ہیں جو کہ اس لفظ کا اصطلاحی مفہوم ہے یعنی فرمانِ رسول ﷺ کو اصطلاحاً حدیث کہا جاتا ہے۔ جبکہ اس لفظ کے لغوی معنی بات یا کلام کے ہیں اور قرآنِ حکیم میں لفظ "حدیث" اسی مفہوم میں آیا ہے۔ چنانچہ آیت زیرِ مطالعہ میں اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ کا مطلب ہے: بہترین کلام اور بات۔

آیت نمبر ۲۴: اللہ ﷻ کے کلام پر غور و فکر کر کے ہدایت حاصل نہ کرنے والے ظالموں کا انجام بیان ہوا ہے کہ روز قیامت بدترین عذاب براہِ راست ان کے چہروں پر ہو گا اور وہ اپنے چہروں کو عذاب سے بچا نہ سکیں گے۔ان کی حسرت میں اضافہ کے لئے کہا جائے گا کہ یہ ان کے اعمال کا بدلہ ہے جو وہ دنیا میں کیا کرتے تھے۔ایسے لوگ ان کی طرح نہیں ہو سکتے جو روز قیامت امن میں ہوں گے۔ دنیا میں بھی کسی شخص کے چہرہ پر اگر کوئی گھونسہ یا طمانچہ مارے تو وہ چہرہ پر ہاتھ رکھ کر چہرہ کو تکلیف سے بچاتا ہے، آدمی اپنے چہرہ کو بچانے اور محفوظ رکھنے کے لئے ہر چیز کو قربان کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ محشر میں ظالموں کے ہاتھ بندھے ہوں گے، اس لئے عذاب کی تھپیڑیں سیدھی منہ پر پڑیں گی۔ان منکروں کی بے بسی کا یہ حال ہو گا کہ اس دن یہ اسی کو اپنے بچاؤ کے لئے استعمال کرنے پر مجبور ہو گا۔ قیامت کا عذاب آدمی کو اس طرح گھیرے ہوئے ہو گا کہ وہاں یہ ممکن نہ ہو گا کہ آدمی اپنے جسم کے کسی حصہ کو اس کی زد میں آنے سے روک سکے۔وہ ناقابل دفاع عذاب کے سامنے اس طرح کھڑا ہوا ہو گا گویا وہ خود اپنے چہرہ کو اس کے مقابلہ میں ڈھال بنائے ہوئے ہے۔اللہ ﷻ کی نظر میں سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ آدمی کے سامنے حق آئے اور وہ اس کا اعتراف نہ کرے۔ایسے لوگ کسی حال میں اللہ ﷻ کی پکڑ سے بچ نہیں سکتے۔

آیت نمبر ۲۵: مخالفین اسلام کو تنبیہ کی گئی ہے کہ ماضی میں بھی حق کو جھٹلانے والوں پر عذاب بھیجا گیا۔ یہ عذاب وہاں سے آیا جہاں سے اُنہیں گمان تک نہ تھا۔

علمی بات: اللہ ﷻ نے کفار قریش کی عبرت و موعظت کے لئے فرمایا کہ وہ یوں نہ سمجھیں کہ عذاب کی صرف وعیدیں ہی بیان کی جارہی ہیں ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ وعیدیں سچی ہیں، جھٹلانے والوں کو عذاب پہنچ کر رہے گا۔ ان سے پہلی قوموں نے بھی اللہ ﷻ کے رسولوں علیہم السلام کی تکذیب کی پھر ان پر عذاب ایسے طور پر آیا اور ایسی جگہ سے آیا جہاں سے عذاب آنے کی ان کو خبر بھی نہ تھی اور گمان بھی نہ تھا۔ تو اللہ ﷻ نے اُنہیں دنیا میں ذلیل و رسوا کر کے عبرت کا نشان بنا دیا۔

آیت نمبر ۲۶: منکرین حق کو دنیوی زندگی میں بھی رُسوائی کا مزہ چکھایا گیا اور آخرت کا عذاب تو زیادہ رُسوا کن ہو گا۔ اگر اُنہیں کچھ سمجھ ہوتی تو ایسا طرزِ عمل اختیار نہ کرتے جو ان کے لئے دنیا و آخرت میں رسوائی کا باعث ہوتا۔

علمی بات: منکرین کی مزید بدحالی یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ ان جھٹلانے والوں کو دنیاوی عذاب کے ساتھ آخرت میں اس سے کہیں سخت عذاب پہنچ کر

رہے گا۔ کاش! کفار اس بات کا یقین کر لیتے، رسولوں کی تکذیب نہ کرتے اور اپنے خالق و مالک پر ایمان لے آتے تو ہلاکت و بربادی ان کا انجام نہ ہوتا۔

آیت نمبر ۲۷: اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اپنی تعلیمات کی وضاحت کے لئے ہر طرح کی مثالیں بیان فرمائی ہیں تاکہ لوگ سمجھیں اور اس سے نصیحت حاصل کریں۔

علمی بات: اس آیت اور اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کی تین صفات بیان فرمائی ہیں: پہلی صفت یہ ہے کہ یہ قرآنِ حکیم ہے یعنی اس کی بہت زیادہ قرأت اور تلاوت کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے قرآنِ کریم میں بہت سی مثالیں اور گزشتہ قوموں کے واقعات و قصص بیان کیئے ہیں تاکہ وہ ان میں غور و فکر کر کے عبرت حاصل کریں۔

آیت نمبر ۲۸: قرآنِ حکیم کو واضح عربی زبان میں نازل فرمایا گیا ہے۔ اِس میں کوئی ٹیڑھ نہیں ہے تاکہ لوگ اس کے مضامین پر غور کر کے ہدایت پائیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچ جائیں۔

علمی بات: ۱۔ قرآنِ حکیم کی دوسری صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ عربی زبان میں ہے۔ عرب کے بڑے بڑے ادیبوں، شعراء اور ان لوگوں کو جنہیں اپنے کلام اور زبان و ادب کی فصاحت و بلاغت، خوش گفتاری پر بڑا ناز تھا۔ جو یہ سمجھتے تھے ان جیسا کلام کوئی کر نہیں سکتا، قرآنِ مجید کی عربی نے ان کو فصاحت اور بلاغت میں عاجز کر دیا۔ تیسری صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس میں کوئی کجی نہیں ہے، کیونکہ یہ مشاہدہ ہے کہ جب انسان کوئی بہت طویل کلام کرتا ہے تو اس میں ضرور کچھ باتیں ایک دوسرے سے متصادم اور ایک دوسرے سے متعارض ہوتی ہیں جبکہ قرآنِ مجید کی کوئی آیت دوسری آیت سے متعارض نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: " تو کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً وہ اِس میں بہت اختلاف پاتے۔" (سورۃ النساء ۴، آیت: ۸۲)

۲۔ قرآنِ حکیم ہر قسم کی کمی، نقص اور اختلاف سے پاک ہے۔ اس کی ہر بات واضح ہے، جسے سنتے ہی عربی زبان جاننے والے اس کی غرض و غایت سمجھ لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر یہ کرم اس لئے کیا تاکہ لوگ اس میں موجود اوامر و نواہی کی اتباع کر کے اپنے آپ کو جہنم کے عذاب سے بچا سکیں گے۔

آیت نمبر ۲۹: توحید اور شرک کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھایا جا رہا ہے۔ اگر ایک غلام کے کئی مالک ہوں پھر وہ باہم لڑتے بھی ہوں تو ایسے غلام کی زندگی مشکلات کا شکار ہو گی۔ اس کے برعکس جس غلام کا صرف ایک مالک ہو وہ سکون میں ہو گا کیوں کہ اسے صرف ایک شخص کی خدمت کرنی ہو گی۔ یقیناً یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح مشرک بہت سے معبودوں کو منانے میں لگا رہتا ہے۔ جبکہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے والا سکون و اطمینان میں ہوتا ہے اور اسی کا فرماں بردار ہوتا ہے۔ تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو مثالیں بیان فرما کر سمجھاتا ہے۔ لیکن لوگوں کی اکثریت بے سمجھ ہے جو اس قدر واضح حقائق کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

علمی بات: جو شخص توحید کا قائل ہے، وہ ہمیشہ یکسو ہو کر اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتا ہے اور اسی کی عبادت کرتا ہے اس کے برخلاف جن لوگوں نے کئی کئی معبود گھڑ رکھے ہیں، وہ کبھی ایک جھوٹے دیوتا کا سہارا لیتے ہیں، کبھی دوسرے معبود کا اور اُنہیں یکسوئی میسر نہیں آتی۔ اس طرح یہ مثال توحید کی دلیل بھی ہے اور اس کی حکمت بھی۔

آیت نمبر ۳۰: کفار بعض دفعہ آرزو کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ کا وصال ہو جائے تو سارے جھگڑے ختم ہو جائیں۔ ان کی اس آرزو کا جواب دیا گیا ہے۔ بلاشبہ نبی کریم ﷺ بھی دنیا سے رخصت ہو کر رفیق اعلیٰ سے جا ملیں گے اور عنقریب کفار بھی فنا ہو کر مٹ جائیں گے۔

علمی بات: کفار اسلام کی روز افزوں ترقی کو دیکھ کر جلتے اور یہ کہہ کر اپنے دلوں کو تسلی دیتے تھے کہ یہ چند روز کا کھیل ہے۔ یہ وصال پا جائیں گے بیٹا تو ان کا کوئی ہے نہیں، یہ سلسلہ خود بخود ختم ہو جائے گا۔ (معاذاللہ) اللہ ﷻ فرماتا ہے: کہ اے محبوب ﷺ! اس دار فنا سے اگر آپ ﷺ نے رخصت ہونا ہے، تو کیا یہ لوگ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ یہ کتنے نادان ہیں کس طرح اپنے آپ کو جھوٹی اور بچگانہ تسلیاں دے رہے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اگر اس صریح حجت کے بعد بھی یہ لوگ پیغمبر ﷺ کی دعوتِ توحید کو قبول نہیں کرتے تو نہ کریں۔ مرنا تو سب کو ہے پھر یہ لوگ مر کر کہاں جائیں گے؟ اُنہیں لوٹنا اللہ ﷻ ہی کی طرف ہو گا اور وہ ان منکرین کو عذاب میں مبتلا کرے گا۔

آیت نمبر ۳۱: پھر سب کو اپنے پروردگار کے حضور حاضر ہونا ہے اور سب اپنے جھگڑے اس کے حضور پیش کریں گے۔ اس وقت تمام باتوں کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

علمی بات: قیامت کے دن انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی سرکش امتوں کے درمیان بحث و تکرار تک نوبت پہنچ جائے گی۔ سرکش امتی اپنا انجام بد دیکھ کر بہانہ سازی کی کوشش کریں گے: اے ہمارے رب! ہم تو ایمان لانے کے لئے تیار تھے مگر ہمارے پاس تیرا کوئی رسول نہیں آیا۔ اس پر انبیاء کرام علیہم السلام فرمائیں گے: ہم نے تمہیں اللہ ﷻ کا پیغام پہنچایا تھا مگر تم نے ہمیں جھٹلا دیا تھا۔ اس وقت امتِ مسلمہ اللہ ﷻ کے سامنے گواہی دے گی کہ یہ سرکش قومیں جھوٹ بول رہی ہیں، انبیاء کرام علیہم السلام نے ان تک تیرا پیغام پہنچا دیا تھا مگر انہوں نے دانستہ ان کی تکذیب کی تھی۔ نیز اب ختم نبوت کے بعد اب پوری امت مسلمہ اللہ ﷻ کے رسول ﷺ کی نمائندہ ہے۔ یعنی رسول اکرم ﷺ نے جو پیغام ان تک پہنچایا ہے اب انہوں نے اسے پوری نوع انسانی تک پہنچانا ہے۔

آیت نمبر ۳۲: اس شخص کا ذکر ہے جو اللہ ﷻ کی طرف جھوٹ منسوب کرتا ہے اور سچی بات کو جھٹلاتا ہے۔ یعنی وہ شخص اللہ ﷻ کے ساتھ شرک کرتا ہے اور توحید کی دعوت کو جھٹلا دیتا ہے۔ ایسا شخص سب سے بڑا ظالم ہے۔ یہ بات یقینی ہے کہ کفر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔

علمی بات: کفار ایک تو حضور ﷺ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے مزید بر آں اللہ ﷻ پر بہتان لگاتے ہیں اور غلط باتیں منسوب کرتے ہیں۔ ان سے بڑھ کر اور کون ظالم ہو گا۔ مشرکین اللہ ﷻ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے تھے جو اللہ ﷻ نے نہیں بتائی تھیں۔ ان کا یہ مزاج بھی تھا کہ جب کسی برے کام سے روکا جاتا تو کہتے کہ اللہ ﷻ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے (سورۃ الاعراف ۷، آیت: ۲۸) (معاذاللہ)۔

آیت نمبر ۳۳: منکرین حق کے برعکس جو حق بات لائے اور جو اسے قبول کرے وہی درحقیقت متقی ہیں۔ سچی بات لانے والے نبی کریم ﷺ اور سچی بات کی تصدیق کرنے والے سے مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات بابرکات ہے۔ یا سچی بات لانے والی ذات نبی کریم ﷺ اور سچی بات کی تصدیق کرنے والے سے مراد اہل ایمان ہیں۔

علمی و عملی بات: نبی کریم ﷺ سچائی کا دین لے کر تشریف لائے اور جن خوش نصیب لوگوں نے صدقِ دل سے اس دین کو قبول کر لیا یہی نیک اور پرہیز گار لوگ ہیں سچ بولنا اور ہر حال میں سچ پر قائم رہنا تقویٰ کی علامت ہے جس کا ہمیں پوری طرح اہتمام کرنا چاہیئے۔

آیت نمبر ۳۴: متقین کے لئے بشارت دی گئی ہے کہ ان کے پروردگار کے ہاں اُنہیں ہر وہ نعمت فراہم کی جائے گی جس کی وہ خواہش کریں گے۔ نیکی کرنے والوں کا ایسا ہی عمدہ بدلہ ہے۔

علمی بات: ایمان، تقویٰ اور حسن عمل کے اوصاف جن لوگوں نے اپنے اندر پیدا کر لیئے وہ اللہ ﷻ کے ہاں اس طرح اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے۔ جنت میں ان کی تمام آرزوئیں پوری ہوں گی اور وہ جو چاہیں گے وہ اُنہیں ملے گا۔ کسی بھی چیز کو حاصل کرنے کے لئے اُنہیں تکلیف اور رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ اس لئے ان کی زندگی اطمینان، سکون، راحت اور مسرت کی زندگی ہوگی۔

آیت نمبر ۳۵: ایمان لانے کے انعام میں ان کے گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا۔ حق کا ساتھ دینے کا اجر ان کے بہترین اعمال کی مناسبت سے عطا کیا جائے گا۔

علمی بات: انبیاء کرام علیہم السلام تو معصوم ہیں۔ لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ تو ہر شخص سے غلطی اور خطا کا امکان ہے۔ چنانچہ سابقہ آیات میں جن متقین اور محسنین کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ ان کی خطاؤں اور لغزشوں کو معاف فرما کر ان کے نامۂ اعمال کو بُرائیوں اور گناہوں سے بالکل پاک کر دے گا۔ ہر نیک شخص کے تمام نیک اعمال ایک جیسے نہیں ہوتے، یعنی نیکیوں کی بھی درجہ بندی ہے۔ کوئی نیکی بہت اعلیٰ درجہ کی ہے تو کوئی نسبتاً نچلے درجہ کی۔ لہٰذا مذکورہ لوگوں کے اعمال کی جزا اللہ تعالیٰ ان کے بلند ترین درجہ کے اعمال کے مطابق عطا فرمائے گا اور ان ہی اعمال کی مطابقت سے جنت میں اُنہیں مقام و مرتبہ عطا فرمائے گا جبکہ ان کے بُرے اعمال کے منفی اثرات سے اُنہیں پاک کر دے گا۔

آیت نمبر ۳۶: مشرکین مکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو اپنے خود ساختہ معبودوں کی ناراضگی سے ڈرانے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کی حمایت حاصل ہے۔ ہٹ دھرم کفار پر اللہ تعالیٰ نے گمراہی مسلط کر دی ہے اور اُنہیں کوئی ہدایت دینے پر قادر نہیں ہے۔

علمی بات: ۱۔ کفار قریش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی تمنا کیا کرتے تھے اور انہوں نے اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید بھی کرنا چاہا۔ (معاذاللہ) اسی پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یقیناً کافی ہے۔ اس لئے کفار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بال بھی بیکا نہیں کر سکیں گے اور ان کی سازشیں دھری کی دھری رہ جائیں گی۔

۲۔ جو بندے صدقِ دل سے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ وہ ان کی حفاظت اور حمایت کے لئے کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی چیز بھی ان کو کوئی تکلیف اور نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

آیت نمبر ۳۷: جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے دیتا ہے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ زبردست ہے اور نافرمانوں سے انتقام لینے پر قادر ہے۔

علمی بات: جو لوگ بت پرست ہیں وہ اپنے ان معبودوں کے ضَرر پہنچانے سے ڈرتے ہیں، جو انہوں نے خود تجویز کر رکھے ہے۔ یہ لوگ اپنی گمراہی سے ان میں نفع و ضرر سمجھتے ہیں اور ان سے خود بھی ڈرتے ہیں اور دوسروں کو بھی ڈراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے قادر، کافی، عزیز (غالب) ہونے اور انتقام لینے کی قدرت ہونے پر ان کی نظر نہیں۔ کاش کہ وہ سمجھ سکتے کہ جس کا کارساز اللہ تعالیٰ ہو اس کو بتوں سے اور مخلوق سے ڈرانا ایک مضحکہ خیز چیز ہے۔

آیت نمبر ۳۸: یہ بات مشرکین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ جب کہ مشرکین جن کی عبادت کرتے ہیں ان کی اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اگر انسان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی آفت نازل ہو تو ان خود ساختہ معبودوں میں سے کوئی اسے دور نہیں کر سکتا۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو اپنی رحمت سے نواز دے تو یہ باطل معبود اس کو روکنے پر قادر نہیں ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ ہی کو کافی سمجھتے ہیں اور توکل کرنے والے اہل ایمان بھی اللہ ہی پر توکل کرتے ہیں۔

عملی پہلو: پتھر کے بے جان بت جن کو انسان نے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے، جو اپنے اوپر بیٹھی ہوئی مکھی کو بھی اڑانے پر قادر نہیں ہیں وہ کب کسی سے ضرر کو دور کر سکتے ہیں یا کسی سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو دور کر سکتے ہیں، کسی صاحب عقل کو ان دھمکیوں سے مرعوب نہیں ہونا چاہیئے کہ یہ بت اس کا کچھ بگاڑ لیں گے یا اس کے کسی فائدہ کو روک لیں گے اس لئے ضروری ہے کہ تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ پر توکل کیا جائے، تمام امور اسی کو سونپ دیئے جائیں اور صرف رب کی اطاعت کی جائے جب بندہ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا تو کائنات کی ہر چیز اس کے تابع کر دی جائے گی۔

آیت نمبر ۳۹: آپ ﷺ کو حق کی دعوت دیتے رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی زبانی مخالفین کو تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ بھی اپنی جگہ پر کام کرتے رہیں۔ پھر وہ عنقریب جان لیں گے کہ کس کا عمل درست تھا اور کون غلط تھا؟

علمی بات: نبی کریم ﷺ کی زبانی کفار قریش کو دھمکی دی گئی ہے کہ تم لوگ دعوت حق سے جس بغض و عداوت کا معاملہ کر رہے ہو، اسی پر اڑے رہو، میں بھی ایمان و توحید اور اللہ ﷻ کی اطاعت و بندگی پر قائم رہتا ہوں میں تو اللہ ﷻ پر اپنا بھروسہ رکھ کر تمہیں نصیحت کرتا ہوں، تم اگر میری نصیحت کو نہیں مانتے تو جو کچھ تم مکر و حیلے میری عداوت میں کر رہے ہو وہ کرو عنقریب تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

آیت نمبر ۴۰: منکرین حق کو اس بات کا علم ہو جائے گا کہ کس پر رسوا کن اور ہمیشہ طاری رہنے والا عذاب نازل ہو گا۔ رسوا کرنے والے عذاب سے مراد دنیا کا عذاب ہے اور دائمی عذاب سے مراد آخرت کا عذاب ہے۔

علمی بات: اس سے مراد دنیا کا عذاب ہے جیسا کہ جنگ بدر میں ہوا کافروں کے ستّر (۷۰) آدمی قتل اور ستّر (۷۰) ہی آدمی قید ہوئے حتیٰ کہ فتح مکہ کے بعد غلبہ و تمکن بھی مسلمانوں کو حاصل ہو گیا جس کے بعد کافروں کے لئے سوائے ذلت و رسوائی کے کچھ باقی نہ رہا۔ جبکہ ان کے لئے سب سے بڑا عذاب آخرت میں ہیں۔

آیت نمبر ۴۱: رسول کریم ﷺ کی ذمہ داری یہ ہے کہ حق لوگوں تک پہنچا دیں۔ جو شخص قرآنِ کریم کی ہدایت پر عمل کرے گا وہ دنیا و آخرت میں کامیاب ہو گا۔ لیکن جو قرآنِ کریم سے منہ موڑے گا وہ گمراہ ہو گا اور گمراہی کی ذمہ داری خود اسی پر ہو گی۔ رسول کریم ﷺ کی ذمہ داری لوگوں سے حق منوانا نہیں ہے۔

علمی بات: قریش کے کفر پر اصرار کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کو رنج ہوتا تھا۔ اللہ ﷻ نے تسلی دی کہ آپ ﷺ کا کام صدقِ دل کے ساتھ پیغامِ حق پہنچا دینا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنا فرض احسن طریقہ سے ادا کر دیا ہے۔ اب ان کی گمراہی کے متعلق آپ ﷺ سے سوال نہ ہو گا، کیونکہ کسی کو ہدایت دینا آپ ﷺ کی ذمہ داری نہیں۔ جو شخص قرآنِ حکیم پر ایمان لائے گا اور ایمان و عمل کی زندگی اختیار کرے گا، اس کا فائدہ اسے ہی ملے گا کہ وہ جہنم سے نجات پا جائے گا اور جنت کا حق دار بنے گا اور جو گمراہ ہو گا تو اس کا انجام بد وہ خود ہی بھگتے گا، بایں طور کہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور اللہ ﷻ کی لعنت و غضب کا مستحق بنے گا۔

آیت نمبر ۴۲: ہر انسان کو اللہ ﷻ نیند کی صورت میں ایک موت سے دوچار کر دیتا ہے۔ پھر جس کے متعلق موت کا فیصلہ ہو جاتا ہے اسے حقیقی موت دے دی جاتی ہے۔ جس کی مہلت عمر باقی ہو اسے عارضی موت یعنی نیند سے بیدار کر دیا جاتا ہے۔ پھر مقررہ وقت آنے پر اسے بھی موت دے دی جاتی ہے۔ موت و حیات کے اس نظام میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے اللہ ﷻ کی قدرت کی نشانیاں موجود ہیں۔

علمی بات: پوری کائنات میں اللہ تعالی ہی اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرتا ہے، وہی فرشتوں کے ذریعہ سے انسانوں کی روحوں کو ان کے جسموں سے نکال لیتا ہے اور وہ ہمیشہ کے لئے یہ دنیا چھوڑ جاتے ہیں۔ وہی انسانوں پر نیند طاری کرتا ہے، جس کے سبب ان کے ظاہری حواس کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ پھر ان میں سے جسے اللہ ﷻ دنیا سے اٹھا لینا چاہتا ہے، اسے واقعی موت دے دیتا ہے اور جس کی موت نہیں لکھی ہوتی اس کی روح لوٹ آتی ہے۔

عملی پہلو: لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ سوتے وقت اور نیند سے بیدار ہوتے وقت وہ دعائیں پڑھ لیا کریں جن کا حدیث مبارک میں ذکر ہے:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب حضورِ اقدس ﷺ رات کے وقت اپنے بستر پر تشریف لے جاتے تو اپنی ہتھیلی رخسار کے نیچے رکھ لیتے، پھر فرماتے: اَللّٰھُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْیَا "اے اللہ! میں تیرے نام کے ساتھ سوتا اور جاگتا ہوں۔" اور جب بیدار ہوتے تو یوں (دعا) فرماتے:

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ اَحۡیَانَا بَعۡدَ مَآ اَمَاتَنَا وَاِلَیۡہِ النُّشُوۡرُ۔" سب تعریفیں اللہ ﷻ کے لئے ہیں جس نے ہمیں مرنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف (ہمیں قیامت کے دن) لوٹنا ہے۔" (صحیح بخاری)

آیت نمبر ۴۳: مشرکین ہر دور میں اپنے خود ساختہ معبودوں کی پرستش کے لئے یہ دلیل دیتے ہیں کہ یہ معبود اللہ ﷻ کی بارگاہ میں ان کی سفارش کریں گے۔ حالانکہ یہ باطل معبود نہ کوئی قدرت واختیار رکھتے ہیں اور نہ کوئی سمجھ بوجھ۔

علمی بات: مشرکین کو اللہ ﷻ کی نشانیوں سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا، انہوں نے توحید باری تعالیٰ سے منحرف اور سرکش ہو کر اللہ ﷻ کی جناب میں ایسے معبودوں کو اپنا سفارشی فرض کر لیا ہے جن کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں اور عقل و فہم سے بھی بالکل کورے ہیں۔ بتادیا گیا کہ یہ بت بے جان ہونے کے باعث ہر قسم کے فہم و شعور سے اور قوت واختیار سے محروم ہیں وہ کسی شے کے مالک نہیں ہیں تو کسی کی شفاعت کیا کریں گے۔ شفاعت کا مالک تو وہ اللہ ﷻ ہے جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے اور اسی کے پاس سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت نہیں کر سکے گا۔

آیت نمبر ۴۴: شفاعت کا اصل اختیار صرف اللہ ﷻ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اس کی شان تو یہ ہے کہ پوری کائنات کا مالک بھی وہی ہے۔ تمام انسان بھی اسی کی بارگاہ میں پیش ہوں گے۔ اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت نہ کر سکے گا۔

علمی بات: یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ شفاعت کے بارے میں ہر طرح کا اختیار اللہ ﷻ ہی کو ہے وہ جسے چاہے گا اور جس کے لئے چاہے گا سفارش کرنے کی اجازت دے گا، اس کے یہاں مشرک اور کافر کی بخشش نہیں۔ اس لئے جو بندے اس کے نزدیک شفاعت کرنے کے اہل ہیں وہ انبیاء کرام علیہم السلام، ملائکہ عظام اور اولیاء اللہ ہیں۔ اُنہیں کافروں اور مشرکوں کی سفارش کرنے کی اجازت نہ دی جائے گی۔ لہٰذا شرک و کفر میں مبتلا رہنا اور جھوٹے معبودوں کی سفارش کا بخشش کے لئے سہارا لینا یہ سراپا جہالت اور گمراہی ہے۔

آیت نمبر ۴۵: منکرین آخرت توحید کی دعوت سے اختلاف اور اس پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں۔ جبکہ اپنے خود ساختہ معبودوں کی تعریف و تحسین سے خوش ہوتے ہیں۔

علمی بات: مشرکین کا خاصہ ہے کہ اگرچہ وہ بعض وقت زبان سے اللہ ﷻ کی عظمت کا اعتراف کرتے ہیں، لیکن ان کے دل اللہ وحدہٗ کے ذکر اور اس کی حمد و ثنا سے خوش نہیں ہوتے۔ شرک کا یہ ایک بدترین نتیجہ ہے کہ مشرکین کے سامنے جب صرف اللہ ﷻ کا نام لیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے تو ان کے دل سخت تنگی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جس کا اثر ان کے چہروں پر ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جب ان کے جھوٹے معبودوں کے نام لیئے جاتے ہیں تو خوشی کے مارے ان کی باچھیں کھل جاتی ہیں۔

آیت نمبر ۴۶: نبی کریم ﷺ کو تلقین کی گئی ہے کہ دعوتِ توحید کو جھٹلانے والوں کا معاملہ اللہ ﷻ پر چھوڑ دیں۔ اللہ ﷻ سے فیصلہ فرمادینے کے لئے دعا کی تلقین کی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ تہجد کی نماز کے آغاز میں بھی یہ دعا مانگتے تھے۔

علمی بات: نبی کریم ﷺ کو تلقین فرمائی جارہی ہے کہ جب آپ ﷺ کے اور کافروں کے درمیان اختلاف شدید ہو جائے اور آپ ﷺ دل گیر، افسردہ اور رنجیدہ ہونے لگیں، تو اپنے رب سے دعا کریں۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ کس دعا سے اپنی نماز (تہجد) شروع فرماتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: آپ ﷺ جب رات کو نماز کے لئے اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے تھے:

اَللّٰھُمَّ رَبَّ جِبۡرِیۡلَ وَمِیۡکَآئِیۡلَ وَاِسۡرَافِیۡلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ عَالِمَ الۡغَیۡبِ وَالشَّھَادَۃِ اَنۡتَ تَحۡکُمُ بَیۡنَ عِبَادِكَ فِیۡمَا کَانُوۡا فِیۡہِ یَخۡتَلِفُوۡنَ اَللّٰھُمَّ اھۡدِنِیۡ لِمَا اخۡتُلِفَ فِیۡہِ مِنَ الۡحَقِّ اِنَّكَ تَھۡدِیۡ مَنۡ تَشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ

"اے اللہ! جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل کے رب! آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے! ہر غیب اور حاضر کے جاننے والے! تیرے بندے جس چیز میں اختلاف کرتے ہیں تو ان میں فیصلہ فرمائے گا، اے اللہ! مجھے اس حق کی طرف رہنمائی فرما جس چیز میں حق بات سے اختلاف کیا گیا ہے۔ بے شک تو جس کو چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔" (سنن نسائی، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

آیت نمبر ۴۷: ظالموں سے مراد کفار و مشرکین ہیں۔ روز قیامت وہ چاہیں گے کہ زمین کی کل دولت بلکہ اس سے بھی دگنی بطور فدیہ دے کر خود کو عذاب کی سختی سے بچالیں۔ لیکن ایسا ہولناک عذاب ان کے سامنے آئے گا جس کا وہ گمان بھی نہیں کرسکتے۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: "اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس شخص سے فرمائے گا جسے جہنم میں سب سے ہلکا عذاب ہو گا کہ اگر تیرے پاس ساری دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، وہ سب کچھ ہو تو کیا تو (اپنے آپ کو اس عذاب سے چھڑانے کے لئے) وہ سب کچھ بطور فدیہ دے دے گا؟ وہ کہے گا کہ ہاں! تو وہ (اللہ سبحانہ و تعالیٰ) فرمائے گا، مگر میں نے تو تم سے اس کی بنسبت بہت آسان (چیز) کا ارادہ کیا تھا جب تو آدم (علیہ السلام) کی پیٹھ میں تھا، کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا لیکن تم نے (توحید کا) انکار کیا (اور) آخر شرک ہی کیا۔" (صحیح بخاری)

آیت نمبر ۴۸: ظالمین کے تمام جرائم ان کے سامنے آجائیں گے۔ جس عذاب کا وہ دنیا میں مذاق اڑاتے تھے وہ اُنہیں ہر طرف سے گھیر لے گا۔

علمی بات: قیامت کے دن مشرکین کا سخت برا حال ہو گا۔ توحید خالص اور دین حق کا جو مذاق اڑاتے تھے اس کا وبال پڑ کر رہے گا اور جس عذاب کا مذاق اڑایا کرتے تھے وہ ان پر الٹ پڑے گا۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں انہوں نے جو بُرے کام کیئے تھے آخرت میں ان پر عذاب کے آثار مرتب ہوں گے اور وہ عذاب ہر طرف سے ان کا احاطہ کرلے گا۔

آیت نمبر ۴۹: لوگوں کی ناشکری کا تذکرہ ہے۔ انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو مدد کے لئے پکارتا ہے جب تکلیف دور کرکے اللہ سبحانہ و تعالیٰ اسے اپنی نعمت سے نوازتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ میری ذاتی قابلیت اور مہارت کا نتیجہ ہے وہ اس نعمت کو اپنی صلاحیت اور علم کا نتیجہ قرار دے کر نعمت کی ناشکری کرتا ہے۔ جب کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ انسان کو نعمتوں سے نواز کر اس کی آزمائش کرتا ہے لیکن بہت سے لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔

عملی پہلو: ہر شخص کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس کو یہ ساری راحتیں اس لئے بخش رہا ہے کہ اس کا امتحان لے۔ غم والم کے زمانہ میں جس رب کریم کو وہ ہر وقت یاد کیا کرتا تھا اب عیش و آرام کے زمانہ میں بھی وہ اپنے مُنعِم حقیقی کو یاد کرتا ہے یا نہیں، اس کا شکر گزار بندہ بنتا ہے یا نہیں؟ لیکن اکثر لوگ اس آزمائش کی طرف خیال ہی نہیں کرتے اور اپنے آپ کو تباہی کے گڑھے میں پھینک دیتے ہیں۔

آیت نمبر ۵۰: ماضی میں بھی انسانوں کی ناشکری کی یہی روش رہی ہے۔ اس وقت ان کی دولت ان کے کام نہیں آئی اور وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی پکڑ کا شکار ہو گئے۔

علمی بات: گزری ہوئی قومیں بھی مال و دولت کی فراوانی اور اپنی مادی ترقی کو اپنے ہنر اور دانش مندی کا نتیجہ قرار دیتی رہیں اور ان پر اتراتی رہیں لیکن جب ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا عذاب آیا تو یہ چیزیں ان کے کچھ بھی کام نہ آسکیں۔ ناشکری کے باعث ان سے وہ نعمتیں چھین لی گئیں اور اُنہیں ہولناک انجام سے دوچار کر دیا گیا، مثلاً قارون اور فرعون وغیرہ بھی ایسے ہی دعوے کیا کرتے تھے۔ جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قارون کو اس کے محل سمیت زمین میں دھنسا دیا تو اپنی اس دولت کے بل پر وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے عذاب سے بچ نہ پایا اور نہ ہی فرعون کو اس کی بادشاہت اور محلات بچا سکے۔

آیت نمبر ۵۱: ماضی کے ناشکروں کو بھی ان کے اعمال کی سزا دی گئی ہے۔ مشرکین مکہ کو تنبیہ ہے کہ ناشکری سے باز نہ آنے پر وہ بھی ایسے ہی انجام سے دوچار ہوں گے۔ وہ کسی حال میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔

علمی بات: گزشتہ قوموں کے لوگ بھی اسی طرح کی ڈینگیں مارتے تھے جس طرح کی یہ مشرکینِ مکہ ڈینگیں مار رہے ہیں پھر جب ان کی شامت آئی تو ان کی ساری قابلیت دھری کی دھری رہ گئی جس قابلیت کے وہ دعوے دار تھے اور ان کا سارا بھرم کھل گیا اور آپ ﷺ کے زمانہ کے کفار و مشرکین بھی وہی کچھ کر رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ ان کا انجام بھی یقیناً وہی ہو گا جو گزشتہ قوموں کے نافرمان لوگوں کا ہوا تھا۔ کیا اُن کی صلاحیتیں اُن کے کام آئیں جو اِن کی صلاحیتیں اِن کے کام آئیں گی؟

آیت نمبر ۵۲: اللہ ﷻ جس کے لئے چاہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کے لئے چاہے تنگ کر دیتا ہے۔ بلاشبہ یہ نشانیاں صرف اہل ایمان کے لئے ہیں کیوں کہ وہی ان پر غور و فکر کر کے مستفید ہوتے ہیں۔

علمی بات: رزق کی کشادگی اور تنگی میں بھی اللہ ﷻ کی توحید کے دلائل ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات میں صرف اللہ ﷻ کا ہی کا حکم و تصرف چلتا ہے، اُسی کی تدبیر مؤثر اور کارگر ہے، اسی لئے وہ جسے چاہتا ہے وافر رزق سے نواز دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے فقر و تنگ دستی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اس کے ان فیصلوں میں، جو اس کی حکمت و مشیت پر مبنی ہوتے ہیں، کوئی دخل انداز ہو سکتا ہے نہ ان میں رد و بدل کر سکتا ہے۔ رزق کی کمی بیشی کسی کے مقبول یا مردود ہونے کی دلیل نہیں ہے بلکہ دولت اور غربت کی دونوں حالتیں انسان کے لئے آزمائش ہیں اور اللہ ﷻ کے ہاں مقبول وہ ہے جو ان دونوں حالتوں میں اللہ ﷻ سے ڈرتا اور اس کی نافرمانی سے بچتا ہے تاہم یہ نشانیاں صرف اہل ایمان ہی کے لئے نفع بخش ہیں کیونکہ وہی ان پر غور و فکر کر کے ان سے فائدہ اٹھاتے اور اللہ ﷻ کی مغفرت حاصل کرتے ہیں۔

آیت نمبر ۵۳: یہ گناہ گاروں اور مجرمین کے لئے انتہائی امید افزا آیت ہے۔ اللہ ﷻ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے کیوں کہ اللہ ﷻ بہت زیادہ بخشنے والا اور نہایت رحم فرمانے والا ہے۔ اللہ ﷻ کی رحمت سے مایوس ہونا کفر ہے۔ اللہ ﷻ کی رحمت بہت وسیع ہے اور وہ سارے گناہوں کو معاف فرما دینے والا ہے۔ البتہ اس کے لئے سچی توبہ ضروری ہے۔ اللہ ﷻ کی رحمت اس کے غضب پر حاوی ہے۔

علمی بات: ا۔ اس آیتِ طیبہ میں ان لوگوں کو بھی نوید رحمت دی جا رہی ہے جو عمر بھر اپنے اوپر زیادتیاں کرتے رہے۔ جن کے شب و روز فسق و فجور میں بسر ہوتے رہے۔ جنہوں نے کفر و شرک کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو بالکل برباد کر دیا۔ ایسے لوگوں کو کہا جا رہا ہے کہ آؤ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دروازہ تمہارے لئے کھلا ہوا ہے۔ اگر تم سچے دل سے تائب ہو کر نئی اور پاکیزہ زندگی شروع کرنے کا عزم کر چکے ہو تو تمہارے گناہ بے شمار اور نہایت سنگین کیوں نہ ہوں معاف کر دیئے جائیں گے۔ تمہیں یہاں سے مایوس نہیں لوٹایا جائے گا۔

شانِ نزول: یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے شرک، قتل اور زنا جیسے گناہوں کا ارتکاب کیا تھا اور اسلام قبول کرنا چاہتے تھے، لیکن ڈرتے تھے کہ شاید ان کے گناہ معاف نہیں کیئے جائیں گے۔ اللہ ﷻ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ اللہ ﷻ کے تمام بندوں کو اس کی وسیع رحمت اور عظیم مغفرت کی خوش خبری دے دیجیئے کہ اُنہیں اللہ ﷻ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہیئے وہ تو اپنے بندوں کے تمام گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے، اس لئے کہ وہ بڑا معاف فرمانے والا اور بے حد مہربان ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ کچھ مشرکوں نے بہت سے قتل کیئے تھے اور وہ زنا کا ارتکاب بھی کثرت سے کر چکے تھے، پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کرنے لگے، یہ جو آپ ﷺ فرماتے ہیں اور جس دین کی طرف آپ ﷺ (ہمیں) بلاتے ہیں وہ سب اچھا ہے، مگر آپ ﷺ ہمیں یہ بتائیں کہ اب تک ہم جو گناہ کر چکے ہیں کیا وہ (اسلام قبول کرنے سے) معاف ہو جائیں گے؟ (اگر ایسا ہے تو ہم آپ ﷺ کی دعوت پر غور کریں) چنانچہ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ "اور وہ جو اللہ کے ساتھ

کسی دوسرے معبود کو نہیں پوجتے۔" اور نہ ہی اللہ کی حرام کی ہوئی جان کو ناحق قتل کرتے ہیں اور نہ (ہی) وہ زنا کرتے ہیں اور جو شخص یہ کام کرے گا وہ اپنے گناہ کا بدلہ پائے گا۔" (سورۃ الفرقان ۲۵، آیت:۶۸) " اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور نہ اس جان کو قتل کرتے ہیں جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ۔" اور یہ آیت نازل ہوئی: قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ "آپ فرما دیجیئے اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔" (سورۃ الزمر: آیت ۵۳) (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

۲۔ اگر کسی شخص نے ساری زندگی کفر، شرک یا گناہوں میں گزاری ہے تو وہ یہ نہ سمجھے کہ اب اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی بلکہ اللہ ﷻ کی رحمت ایسی ہے کہ مرنے سے پہلے پہلے جس وقت بھی انسان اپنی اصلاح کا پختہ ارادہ کر کے اللہ ﷻ سے اپنی پچھلی زندگی کی معافی مانگے اور توبہ کرلے تو اللہ ﷻ اس کے تمام گناہوں کو معاف فرمادے گا۔

۳۔ اس آیت میں اللہ ﷻ کی مغفرت کی وسعت کا بیان ہے۔ اسراف کے معنی ہیں گناہوں کی کثرت اور اس میں افراط۔ اللہ ﷻ کی رحمت سے ناامید نہ ہونے کا مطلب ہے کہ ایمان لانے سے قبل یا توبہ واستغفار کا احساس پیدا ہونے سے پہلے کتنے بھی گناہ کیئے ہوں، انسان یہ نہ سمجھے کہ میں بہت زیادہ گناہ گار ہوں، مجھے اللہ ﷻ کیونکر معاف کرے گا؟ بلکہ سچے دل سے اگر ایمان قبول کرلے گا یا توبہ کرلے گا تو اللہ ﷻ تمام گناہ معاف فرمادے گا۔ البتہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اللہ ﷻ کی رحمت و مغفرت کی اُمید پر خوب گناہ کیئے جائیں اس کے احکام و فرائض کی مطلق پروا نہ کی جائے اور اس کے حدود اور ضابطوں کو بے دردی سے پامال کیا جائے۔ اس طرح اس کے غضب و انتقام کو دعوت دے کر اس کی رحمت و مغفرت کی اُمید رکھنا دانش مندی بالکل نہیں ہے۔

آیت نمبر ۵۴: گناہوں کی بخشش کے لئے پہلی دو شرائط کا بیان ہے: ۱۔ اللہ ﷻ کی طرف رجوع کیا جائے یعنی باطل عقائد اور بُرے اعمال کو چھوڑ دیا جائے۔ ۲۔ اللہ ﷻ کی فرماں برداری کی جائے۔ اس کے احکام سے انحراف نہ کیا جائے۔ لہٰذا اس سے پہلے کہ عذاب آجائے یہ شرائط پوری کی جائیں کیونکہ عذاب آجانے کے بعد لوگوں کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔

علمی بات: ۱۔ لفظ "وَاَنِيْبُوْٓا" اِنَابَةٌ سے نکلا ہے۔ انابۃ اور توبہ میں یہ فرق ہے کہ توبہ کرنے والا عذاب کے ڈر سے اللہ ﷻ کی طرف رجوع ہوتا ہے اور انابت کرنے والا اللہ ﷻ کے کرم اور فضل سے متاثر ہو کر شرماتا ہے اور یہ حیاء اسے اللہ ﷻ کی طرف رجوع ہونے پر آمادہ کرتی ہے۔ اَسْلِمُوْا لَهٗ کا مطلب ہے کہ بندہ اللہ ﷻ کی اطاعت میں اخلاص کے ساتھ لگا رہے۔

۲۔ معافی کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ اللہ ﷻ کے حضور خلوص دل سے توبہ کی جائے، معصیت کی روش ترک کر کے اور آئندہ کے لئے اپنے اعمال کو درست کرلیا جائے۔ ایسی توبہ کا انعام اللہ ﷻ کی طرف سے یہ ملے گا کہ وہ تمام گناہ معاف فرمادے گا۔ قرآنِ حکیم میں اس بارے میں بہت واضح حکم موجود ہے: "مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کیا تو یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ جن کی بُرائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے۔ اور جو توبہ کرے اور نیک عمل کرے تو بے شک وہ اللہ ہی کی طرف رجوع کرتا ہے۔" (سورۃ الفرقان ۲۵، آیات: ۷۰، ۷۱) چنانچہ سابقہ گناہوں کی معافی توبہ سے ممکن ہے۔ لیکن توبہ وہی قبول ہوگی جس کے بعد انسان کے اعمال درست ہو جائیں اور اگر ایسا نہ ہوا تو رسمی اور زبانی توبہ بے معنیٰ ہے۔ معلوم ہوا کہ ایمان اور عمل صالح اور توبہ پر استقامت ضروری ہے۔

۳۔ اللہ ﷻ نے حد سے تجاوز کرنے والے اپنے جن بندوں کو عام مغفرت کی خوشخبری دی اُنہیں حکم دیا کہ وہ توبہ کریں اور ہر حال میں اس کی طرف رجوع کریں، اسی کی اطاعت و بندگی میں لگے رہیں اور اس دن کے عذاب سے ڈرتے رہیں جس دن ان کا اللہ ﷻ کے سوا کوئی مددگار نہیں ہوگا اور

قرآنِ کریم میں وارد احکام کی اطاعت کریں۔ اللہ ﷻ نے اس میں جن چیزوں کو حلال قرار دیا ہے اُنہیں حلال سمجھیں اور جنہیں حرام قرار دیا ہے اُنہیں حرام سمجھیں، قبل اس کے کہ عذابِ الٰہی اُنہیں اچانک اپنے گھیرے میں لے لے اور اُنہیں اس کا احساس بھی نہ ہو۔

آیت نمبر ۵۵: گناہوں کی بخشش کے لئے تیسری شرط یہ ہے کہ اللہ ﷻ کی طرف سے جو بہترین کلام یعنی قرآنِ کریم نازل ہوا ہے اس پر ایمان لا کر اس کے احکامات پر عمل کیا جائے۔ یہ اہتمام اس سے پہلے کیا جائے کہ اچانک عذاب نازل ہو جائے اور خبر بھی نہ ہو۔ اس سے مراد دنیوی عذاب ہے۔

عملی پہلو: اللہ ﷻ نے جو بہترین کلام بندوں کی طرف نازل کیا ہے اُنہیں چاہیئے کہ وہ اس کو مضبوطی سے پکڑیں اور اس کی پیروی شروع کر دیں۔ ایسا نہ ہو کہ اچانک عذابِ الٰہی نازل ہو اور اُنہیں نیست و نابود کر کے رکھ دے۔ قرآنِ کریم کتاب ہدایت ہے اور اپنے احکامات پر انفرادی اور اجتماعی زندگی میں عمل کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ لمحۂ فکریہ ہے کہ ہم قرآنِ کریم سے ہدایت کے حصول، اس کے احکامات پر عمل اور ان کے نفاذ کی جدوجہد کر رہے ہیں یا نہیں؟

علمی بات: اَحۡسَنَ مَاۤ اُنۡزِلَ سے مراد قرآنِ حکیم ہے اور پورا قرآن احسن ہی ہے اور قرآنِ حکیم کو اَحۡسَنَ مَاۤ اُنۡزِلَ اس اعتبار سے بھی کہا جاسکتا ہے کہ جتنی کتابیں تورات، انجیل، زبور، اللہ ﷻ کی طرف سے نازل ہوئیں۔ ان سب میں احسن و اکمل قرآنِ حکیم ہے۔

اتباعِ احسن کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ قرآنِ کریم سارے کا سارا ہی احسن الحدیث ہے۔ لہٰذا اس میں جو اوامر ہیں یعنی جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ان کی تعمیل کرے، نواہی جن کے کرنے سے منع کیا گیا ہے، ان سے اجتناب کرے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس کے اوامر کو اچھی سے اچھی شکل میں بجالائے۔ نواہی سے پوری طرح اجتناب کرے۔

آیت نمبر ۵۶: اپنے گناہوں پر توبہ نہ کرنے والے کا حشر کے میدان میں اللہ ﷻ کے حضور اظہارِ افسوس کا ذکر ہے۔ وہ اعتراف کرے گا کہ اس نے اللہ ﷻ کے معاملہ میں غفلت اور کوتاہی کی اور عذاب کی وعیدوں کو سنجیدگی سے نہیں سنا۔

علمی بات: قرآنِ مجید کی اتباع نہ کرنے والوں کو قیامت کے دن پچھتانا پڑے گا۔ اللہ ﷻ کے معاملہ میں جس نے بھی کوتاہی کی ہو گی یعنی اپنی ذمہ داریوں کو ادا نہیں کیا ہو گا وہ اس پر افسوس کرے گا اور اس وقت اسے احساس ہو گا کہ قرآنِ حکیم اور اسلام کو مذاق بنالینا کتنی زبردست غلطی تھی۔

آیت نمبر ۵۷: مزید برآں وہ کہے گا کہ اگر اللہ ﷻ اسے ہدایت دیتا تو وہ متقی بن جاتا۔

علمی بات: جب حسرت و افسوس سے کام نہیں چلے گا تو گمراہ شخص اپنا دل بہلانے کے لئے یہ عذر پیش کرے گا کہ کیا کہوں اللہ ﷻ نے مجھ کو ہدایت نہ کی۔ اگر اللہ ﷻ میری رہنمائی اور دستگیری کرتا اور مجھ کو ہدایت دیتا تو میں بھی پرہیزگاروں میں سے ہوتا اور مذاق اُڑانے والوں میں شامل نہ ہوتا۔ اگر کوئی شخص ایسے کہے گا تو گویا وہ اپنے اس اختیار کی نفی کرے گا جو اسے انسان کی حیثیت سے دنیا میں عطا ہوا تھا۔ اللہ ﷻ نے تو اسے اشرف المخلوقات بنایا تھا اور اختیار دیا تھا کہ چاہو تو میرے شکر گزار بندے بن کر رہو اور چاہو تو ناشکرے بن جاؤ۔

آیت نمبر ۵۸: وہ آرزو کرے گا کہ اسے ایک بار پھر دنیا میں واپس بھیج دیا جائے۔ تاکہ وہ نیک عمل کر کے محسنین کے درجے تک پہنچ جائے۔

علمی بات: کفار و مشرکین میں سے جب کوئی عذاب دیکھ لے گا تو حسرت سے یوں کہنے لگے گا کہ کاش مجھے دنیا میں پھر جانے کا موقع مل جائے تو میں بھی نیکوکاروں میں سے ہو جاؤں۔ گویا جب حسرت و عذر دونوں بے کار ثابت ہوں گے اور دوزخ کا عذاب آنکھوں کے سامنے آجائے گا اس وقت شدت اضطراب سے کہے گا کہ کسی طرح مجھ کو ایک مرتبہ پھر دنیا میں جانے کا موقع دیا جائے تو دیکھو میں کیسا نیک بن کر آتا ہوں۔

آیت نمبر ۵۹: اسے یاد دلایا جائے گا کہ اس کے پاس اللہ ﷻ کی آیات آئی تھیں جسے اس نے تکبر و غرور کی وجہ سے جھٹلا دیا تھا۔ جس کے نتیجہ میں وہ کفر کرنے والوں میں شامل ہو گیا۔

علمی بات: کافر اور مشرک شخص کا یہ عذر باطل ہے کہ اس کو ہدایت حاصل نہیں ہوئی کیونکہ اللہ ﷻ نے اس کے پاس رسولوں کو بھیجا جنہوں نے اسے اللہ ﷻ کا پیغام پہنچایا اور اپنی رسالت پر دلائل اور معجزات پیش کیئے، لیکن اس نے دانستہ انکار کیا اور رسولوں کو جھٹلایا۔

آیت نمبر ۶۰: روزِ قیامت اللہ ﷻ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے والوں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ جھوٹ منسوب کرنے سے مراد کسی کو اللہ ﷻ کے ساتھ شریک قرار دینا یا اس کی آیات اور رسولوں کو جھٹلانا ہے۔ تکبر و غرور کی پاداش میں ان کا ٹھکانا جہنم ہو گا۔

علمی بات: ان لوگوں کا ذکر ہے جن کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں اللہ ﷻ پر جھوٹ باندھا کرتے، اللہ ﷻ کے شریک ٹھہراتے، اس کے لئے اولاد مقرر کرتے، اس کے احکام کا تمسخر اڑاتے، اس کے انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب کرتے اور اس کے فرماں برداروں کی توہین کرتے تھے۔ قیامت کے روز ایسے لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے اور حق کو قبول نہ کرنے اور تکبر و خود نمائی کے وبال میں ان نافرمانوں کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا جہاں نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ بدترین سزائیں بھگتیں گے۔

آیت نمبر ۶۱: پیغامِ حق کو قبول کرنے والے اور تقویٰ کی روش اختیار کرنے والے کامیاب ہوں گے۔ چونکہ وہ قیامت کی ہولناکیوں سے محفوظ ہوں گے اس لئے اُنہیں کسی بات کا غم نہ ہو گا۔

علمی بات: جو لوگ کفر و شرک اور نافرمانی و معاصی سے بچتے ہیں اور اطاعت و بندگی کی راہ اختیار کرتے ہیں، ان کے چہرے نورانی ہوں گے۔ اُنہیں اللہ ﷻ جہنم کے عذاب اور ذلت و رسوائی سے نجات دے گا اور جنت میں داخل کر کے اپنی نعمتوں سے نوازے گا۔ اُنہیں میدانِ محشر میں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور دنیا میں جو کچھ چھوڑ کر آئے تھے اس کا اُنہیں کوئی غم نہیں ہو گا۔ جنت اور اس کی نعمتوں کو پا کر ماضی کی تمام باتیں بھول جائیں گے، کیونکہ جنت تو نام ہی فرحت و راحت کا ہے۔ وہاں غم اور فکر و پریشانی کا تصور تک نہیں۔

آیت نمبر ۶۲: عظمت باری تعالیٰ کا ذکر ہے۔ اللہ ﷻ نے ہر شے کو نہ صرف پیدا کیا بلکہ اس کی نگرانی اور حفاظت بھی فرما رہا ہے۔

علمی بات: کائنات کی موجودگی اس کے خالق کی موجودگی کا ثبوت ہے۔ اسی طرح کائنات جتنے بامعنی اور جس قدر منظم طور پر چل رہی ہے وہ اس کا ثبوت ہے کہ ہر آن ایک نگرانی کرنے والا اس کی نگرانی کر رہا ہے۔ آدمی اگر سنجیدگی کے ساتھ غور کرے تو وہ کائنات میں اس کے خالق، مالک اور مدبر کی نشانیاں پالے گا۔

آیت نمبر ۶۳: اللہ ﷻ کی شان تو یہ ہے کہ آسمان و زمین کے تمام خزانے بھی اسی کے اختیار اور ملکیت میں ہیں۔ جو لوگ اللہ ﷻ کی آیات کو تسلیم نہیں کرتے وہ فلاح نہیں پا سکتے بلکہ وہ کامل خسارہ میں ہوں گے۔

علمی بات: جب ہر چیز کو اللہ ﷻ نے پیدا کیا تو پیدا کرنے کے بعد اس کی بقا و حفاظت کا ذمہ دار بھی وہی ہوا۔ زمین و آسمان کی تمام چیزوں میں تصرف و اقتدار بھی اسی کو حاصل ہے کیونکہ سب خزانوں کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں۔ پھر ایسے معبودِ برحق کو چھوڑ کر آدمی کہاں جائے۔ چاہیئے کہ اسی کے غضب سے ڈرے اور اسی کی رحمت کا امیدوار رہے۔ کفر و ایمان اور جنت و دوزخ سب اسی کے زیرِ تصرف ہیں۔ اس کی باتوں سے منکر ہو کر آدمی کا کہیں ٹھکانا نہیں۔ کیا اس سے منحرف ہو کر آدمی کسی فلاح کی امید رکھ سکتا ہے؟ یقیناً نہیں۔

آیت نمبر ۶۴: سردارانِ قریش شرک کی طرف بلاتے تھے۔ (معاذ اللہ) اُنہیں آگاہ کیا جارہا ہے کہ یہ بڑی جہالت کی بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس دعوت کو قبول کرنے کی توقع رکھی جائے۔

شانِ نزول: یہ کفار کی اس دعوت کے جواب میں ہے جو وہ پیغمبر ﷺ کو دیا کرتے تھے کہ بتوں کی پرستش تمہارے آباؤاجداد کا دین ہے مشرکینِ مکہ نبی ﷺ سے یہ کہتے تھے کہ ہمارا تمہارا جھگڑا یہی ہے کہ تم ہمارے بتوں کو نہیں مانتے اگر تم چاہو تو یہ جھگڑا یوں مٹ سکتا ہے کہ ایک سال تک تم ہمارے بتوں کی پوجا کرلیا کرو اور ہم ایک سال تک تمہارے معبود کی عبادت کرلیا کریں۔ اس پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ یہ انتہائی نادانی اور حماقت وجہالت ہے کہ آدمی رب العالمین کو چھوڑ کر دوسروں کی پوجا کرے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے رسول ﷺ سے (معاذ اللہ) یہ امید رکھے کہ وہ اس کے راستہ پر آجائیں گے۔

آیت نمبر ۶۵: نبی کریم ﷺ اور سابقہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر بھی وحی کی گئی ہے کہ بفرضِ محال اگر خود کسی نبی علیہ السلام نے بھی شرک کیا تو نہ صرف ان کی تمام نیکیاں ضائع ہوجائیں گی بلکہ وہ خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔ خطاب کے اس انداز سے شرک کے جرم کی تباہی کا بیان اور دراصل امت کو سمجھانا مقصود ہے۔

علمی بات: یہ سخت اسلوب درحقیقت مشرکین کے لئے ہیں۔ آپ ﷺ کو مخاطب کرکے دراصل اُنہیں سنانا مقصود ہے کہ قانونِ خداوندی اس سلسلہ میں بہت واضح اور اٹل ہے۔ شرک جو کوئی بھی کرے گا اسے اس کی سزا ضرور ملے گی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا قانون کسی کے لئے تبدیل نہیں کیا جاتا۔

یہ تنبیہ تو اصل میں پیغمبروں کی امتوں کو ہے لیکن جیسا کہ شاہی قاعدہ ہوتا ہے کہ رعایا میں سب سے بڑے آدمی کو مخاطب بنا کر حکم سناتے ہیں تاکہ دوسرے لوگ ڈر جائیں کہ جب اس معاملہ میں بڑوں کی یہ حالت ہے تو ہم کسی شمار میں ہیں ورنہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے شرک کے صدور کا احتمال ہی نہیں۔

آیت نمبر ۶۶: غیر اللہ کی عبادت کے بجائے صرف ایک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بندگی کی جائے اور اسی کا شکر ادا کیا جائے۔

علمی بات: اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے مشرکین کا رد فرمایا ہے جو نبی کریم ﷺ سے یہ کہتے تھے کہ آپ ﷺ ان کے بتوں کی عبادت کریں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا: آپ ﷺ ان کے اس باطل قول کی پرواہ نہ کریں اور آپ ﷺ اور آپ کے ذریعہ اہلِ ایمان کو تلقین فرمائی ہے کہ اللہ وحدہٗ کی عبادت کرتے رہیں اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے توحید پر قائم رہنے کی جو ہدایت عطا فرمائی ہے، ہدایت کی اس نعمت، توحید و نبوت اور دعوت و رسالت جیسی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرتے رہیں۔

آیت نمبر ۶۷: مشرکین نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرا کر اس کی قدر نہیں کی جیسا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی قدر کرنے کا حق تھا۔ انہوں نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا مقام اور اس کی عظمت کو سمجھا ہی نہیں اور نہ ہی اُنہیں اس کی عظمت و کبریائی کا اندازہ ہے۔ روزِ قیامت پوری زمین اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوں گے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ تو ہر شرک سے پاک اور بلند و بالا ہے۔

علمی بات: مشرکین کی جہالت و نادانی بیان کی جارہی ہے کہ وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی حقیقی قدر و منزلت کا تصور ہی نہیں کرسکے، اسی لئے تو اس کے سوا دوسروں کو معبود سمجھا اور نبی کریم ﷺ کو مشورہ دیا کہ وہ بھی بتوں کی پرستش کریں (معاذ اللہ)۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات تو وہ قادر مطلق ذات ہے کہ زمین اپنی عظمت و وسعت کے باوجود قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور ساتوں آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوں گے۔ تو جو ذات ایسی ہو اور جو ایسی عظیم قدرت کی مالک ہو وہی تمام عبادات کی مستحق ہے۔ اس کے علاوہ جھوٹے معبودوں کی پرستش جرم عظیم ہے۔ اس لئے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے آیت کے آخر میں

فرمایا کہ وہ تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے اور وہ مشرکوں کے شرک سے بالاتر ہے۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " اللہ سبحانہ و تعالیٰ زمین کو ایک مٹھی میں لے لے گا اور آسمانوں کو دائیں ہاتھ پر لپیٹ لے گا اور پھر فرمائے گا، میں ہوں بادشاہ، کہاں ہیں وہ زمین کے بادشاہ؟" (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

آیت نمبر ۶۸: روزِ قیامت جب صور میں پھونک ماری جائے گی تو تمام مخلوق موت کی بے ہوشی سے دو چار ہو جائے گی۔ سوائے ان کے جنہیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ زندہ رکھے گا۔ پھر دوسری مرتبہ صور پھونکے جانے پر تمام مردے زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے اور حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں گے۔

علمی بات: اکثر مفسرین کی رائے کے مطابق جب پہلی بار صور میں پھونکا جائے گا تو ساری مخلوق فنا ہو جائے گی، سوائے چار بڑے فرشتوں کے یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام، حضرت عزرائیل، حضرت میکائیل علیہ السلام، حضرت اسرافیل علیہ السلام، اور بعض روایات کے مطابق اُن فرشتوں کے جو عرش کو تھامے ہوئے ہیں۔ پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم سے یہ بھی فوت ہو جائیں گے یہاں تک ملک الموت یعنی حضرت عزرائیل علیہ السلام کی بھی روح قبض کی جائے گی۔ اُس وقت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی بھی باقی نہیں رہے گا۔

آیت نمبر ۶۹: اس دن میدانِ حشر کی زمین اپنے رب کی تجلی اور نور سے جگمگا اٹھے گی۔ تمام انسانوں کے ہاتھوں میں ان کے نامہ اعمال دے دیئے جائیں گے۔ انبیاء کرام علیہم السلام اور دیگر گواہ انسانوں کے اعمال پر گواہی کے لئے لائے جائیں گے۔ ہر انسان کے انجام کا صلہ اس کے اعمال کے مطابق حق کے ساتھ کر دیا جائے گا۔ کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں کی جائے گی۔ نہ کسی کے اجر و ثواب میں کمی ہوگی اور نہ ہی کسی کو اس کے جرم سے زیادہ سزا دی جائے گی۔

علمی بات: ۱۔ زمین سے مراد یہ زمین نہیں بلکہ میدانِ حشر ہے۔ نور سے مراد سورج اور چاند وغیرہ کا نور نہیں بلکہ یہ ایک خاص نور ہے جو اس روز اذنِ الٰہی سے ہر چیز کو روشن کر دے گا۔

۲۔ گواہوں سے مراد وہ گواہ بھی ہیں جو اس بات کی شہادت دیں گے کہ لوگوں تک اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا گیا تھا، اور وہ گواہ بھی جو لوگوں کے اعمال کی شہادت پیش کریں گے۔ ضروری نہیں ہے کہ یہ گواہ صرف انسان ہی ہوں۔ فرشتے اور جن اور حیوانات، اور انسانوں کے اپنے اعضا اور در و دیوار اور شجر و حجر، سب ان گواہوں میں شامل ہوں گے۔

آیت نمبر ۷۰: ہر ایک کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ لوگوں کے اعمال سے از خود پوری طرح واقف ہے۔ پھر بھی گواہ اور اعمال نامے بطور حجت پیش ہوں گے۔

علمی بات: اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو سب کے اعمال معلوم ہیں وہ اپنی حکمت کے مطابق جزا و سزا دے گا، یہ جو فرمایا کہ ہر شخص کو پورا بدلہ دیا جائے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ نیکیوں کے بدلہ میں کمی نہ ہوگی البتہ نیکیوں میں اضافہ کر کے ثواب میں اضافہ کر دیا جائے گا۔ بُرے اعمال کا پورا بدلہ دینے کا یہ مطلب ہے کہ جس قدر بُرے عمل ہوں گے ان کے بقدر عذاب دیا جائے گا اور ان کی جزا میں اضافہ نہ کیا جائے گا۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ ہر نفس کو اس کے بُرے اعمال کی ضرور سزا دی جائے گی۔ اس آیت سے وہ گناہ گار مسلمان مستثنیٰ ہیں جن کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے معاف فرما دے۔

آیت نمبر ۷۱: کافروں کو گروہوں کی صورت میں ذلّت و خواری کے ساتھ جہنم کی طرف ہانکا جائے گا۔ ان کے پہنچنے پر جہنم کے دروازے کھول دیئے جائیں گے جیسے جیل کے دروازے مجرمین کے لئے کھولے جاتے ہیں۔ جہنم پر مامور فرشتے بطور ملامت ان سے پوچھیں گے: کیا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے رسولوں نے اُنہیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے احکامات نہیں سنائے تھے؟ کیا رسولوں نے اُنہیں روز قیامت کے بُرے انجام سے خبردار نہیں کیا تھا؟ مجرمین اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے کہیں گے کہ ان تک حق پہنچ چکا تھا لیکن انہوں نے اس سے گریز کر کے باطل کو اختیار کیا۔ جس کے نتیجہ کے طور پر کافروں کے لئے جو سزا

مقرر کی گئی تھی وہ ان پر ثابت ہو جائے گی۔

علمی بات: جہنم کے سخت لہجے اور قوت والے فرشتے ان سے رسولوں کے آنے کے متعلق سوال محض پوچھنے کے لئے نہیں بلکہ اُنہیں ملامت کرنے اور ڈانٹنے کے لئے کہیں گے، جسمانی عذاب کے ساتھ یہ عذاب مزید ہو گا۔

آیت نمبر ۷۲: جب مجرم اپنے جرائم کا اعتراف کر لیں گے تو اُنہیں جہنم میں داخل ہونے کا حکم ہو گا جو ان کا دائمی ٹھکانا ہو گا۔ بلاشبہ تکبر کرنے والوں کا بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔

علمی و عملی بات: انکارِ حق کی سب سے بڑی وجہ تکبر ہے۔ اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قبول حق کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ متکبر اور مغرور نفس بنتا ہے۔ حق کو قبول نہ کرنے کی دوسری وجوہات بھی اسی ذیل میں آتی ہیں۔ ان سب کی تہہ میں یہی تکبر ہی کام کر رہا ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ سب جرائم سے بڑا جرم ہوا۔ اسی لئے تمام گروہوں کے الگ الگ جرائم کا نام لینے کے لئے صرف اس جرم کا نام لے لیا گیا ہے جو سب گروہوں میں بطور قدر مشترک پایا جاتا ہے۔

آیت نمبر ۷۳: متقین یعنی اللہ ﷻ کی نافرمانی سے بچنے والوں کو گروہوں کی صورت میں جنت کی طرف لایا جائے گا۔ جب وہ جنت کے قریب پہنچیں گے تو اس کے دروازے اُن کے لئے پہلے سے ہی کھلے ہوئے ہوں گے۔ جنت کے محافظ فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور ان پر سلام پیش کریں گے۔ پھر ان کی تحسین کرتے ہوئے اُنہیں جنت کی نعمتوں سے ہمیشہ کے لئے سرفراز ہونے کی بشارت دیں گے۔

علمی بات: ۱۔ اہل ایمان و تقویٰ بھی گروہوں کی شکل میں جنت کی طرف لے جائے جائیں گے پہلے مقربین (اللہ ﷻ کے سب سے قریب ترین) پھر اَبرار (متقی، صالحین) اس طرح درجہ بدرجہ ہر گروہ ہم مرتبہ لوگوں پر مشتمل ہو گا۔ جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ (صحیح بخاری) ہر دروازے کی چوڑائی چالیس سال کی مسافت جتنی ہو گی۔ (صحیح مسلم) سب سے پہلے نبی کریم ﷺ کے لئے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا۔ (صحیح مسلم) پھر دیگر انبیاء کرام علیہم السلام و مقربین اور دیگر اہل جنت داخل ہوں گے، نیز اپنے اعمال کی نوعیت سے مختلف دروازوں سے داخل ہوں گے۔

۲۔ لفظ ”سیق“ آیت نمبر: ۷۱ میں جہنمیوں کے لئے اور آیت نمبر: ۷۳ میں جنتیوں کے لئے آیا ہے۔ یہ لفظ کسی چیز کو کسی چیز کی طرف ہانک کر اور جلدی جلدی لے جانے کے معنی میں آتا ہے۔ اپنی اصل کے اعتبار سے یہ لفظ اچھے اور بُرے دونوں ہی موقعوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی لئے یہاں پر یہ اہل جنت اور اہل دوزخ دونوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ لیکن ان میں سے ہر ایک کا مفہوم دوسرے کے بالکل برعکس ہے کہ اہل دوزخ کو تو بڑے سنگین مجرموں کی طرح دھکے مار مار کر دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا: يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ۝ ”جس دن اُنہیں دھکے دے کر جہنم کی آگ کی طرف دھکیلا جائے گا۔“ (سورۃ الطور ۵۲، آیت: ۱۳) جب کہ اہل جنت کو معزز مہمانوں کی طرح فرشتوں کے مجمع و معیت میں نہایت عزت و اکرام کے ساتھ خدائے رحمٰن کی طرف لے جایا جائے گا۔

آیت نمبر ۷۴: اہل جنت اللہ ﷻ کا شکر ادا کریں گے کہ اس نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور اُنہیں جنت کی سرزمین کا وارث بنایا۔ اُنہیں جنت میں مالکانہ حقوق حاصل ہوں گے اور وہ اپنی جنت میں جہاں چاہیں گے رہیں گے۔ ایک مراد یہ ہے کہ جنتی سیر اور اہل جنت سے ملاقات کے لئے جہاں چاہیں گے جا سکیں گے۔ بلاشبہ نیک عمل کرنے والوں کا نہایت عمدہ بدلہ ہے۔

علمی بات: جنتیوں کے کیف و سرور کا ایک روح پرور منظر بیان کیا گیا ہے۔ وہ خوش نصیب اس انعام واحسانِ خداوندی پر کیف و سرور میں ڈوب کر اس کی حمد و ثنا سے رطب اللسان ہو جائیں گے کہ وراثت کی ملکیت سب سے پختہ اور مضبوط ملکیت ہوتی ہے۔ اس میں کسی قسم کا کوئی خطرہ اور اندیشہ نہیں

ہوتا۔ نیز جس طرح وراثت اپنے کسی عمل کے بدلہ میں نہیں ملتی اسی طرح جنت کی یہ نعمتیں بھی ہمارے کسی عمل کا بدلہ نہیں ہوں گی بلکہ یہ محض اس اَکۡرَمُ الۡاَکۡرَمِیۡن اور اَرۡحَمُ الرّٰاحِمِیۡن کا فضل وکرم ہوگا۔

آیت نمبر ۷۵: میدانِ حشر میں اللہ ﷻ اپنی شان کے مطابق بندوں کے فیصلے کے لئے نزول فرمائے گا۔ فرشتے بھی عرش الٰہی کے گرد حلقہ باندھے اس کی تسبیح اور حمد و ثنا کریں گے۔ اللہ ﷻ تمام بندوں کے معاملات کا حق کے ساتھ فیصلہ فرمادے گا۔ حتیٰ کہ فرشتے جو ذی شعور ہستیاں ہیں اور ان میں بھی آراء کا اختلاف ہوتا ہے، ان کے درمیان بھی فیصلے کردیئے جائیں گے۔ پھر ہر طرف سے اللہ ﷻ کی تعریف و تحسین ہوگی جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

علمی بات: جس طرح مومنین کا اعلیٰ مقام جنت ہے۔ اسی طرح فرشتوں کا اعلیٰ مقام عرش ہے اور فرشتے عرش کے گرد اللہ ﷻ کی حمد اور تسبیح کرتے رہتے ہیں ان کے درمیان بھی حق کے ساتھ فیصلہ کردیا جائے گا یوں محشر کی کارگزاریاں ختم ہوجائیں گی، فرشتے اور جنت میں مقیم مومنین اللہ ﷻ کا شکر بجالائیں گے اور اس کی تعریف بیان کریں گے۔ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ۔

مشقوں کے جوابات

سوال ۱: خالی جگہیں پُر کریں:

(۱) آیت:۱۰ کی روشنی میں صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔

(۲) آیت:۱۸ میں ذکر ہے کہ اللہ ﷻ کی طرف سے ہدایت اُن لوگوں کو ملتی ہے جو اس کے کلام کو غور سے سنتے اور اس کی پیروی کریں۔

(۳) آیت:۳۸ میں ذکر ہے کہ اللہ ﷻ رسول اکرم ﷺ کے لئے کافی ہے۔

(۴) آیت:۴۹ کی روشنی میں ایک ناشکر گزار انسان نعمت ملنے کا سبب اپنے علم کو قرار دیتا ہے۔

(۵) آیت:۶۸ کے مطابق جب پہلا صور پھونکا جائے گا تو ساری دنیا بے ہوش ہوجائے گی۔

سوال ۲: مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجیئے:

۱۔ پہلے رکوع کے آخر میں تکالیف اور نعمتوں کے بارے میں دنیادار انسان کی کیا روش بیان کی گئی ہے؟

جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہوئے اسی کو پکارتا ہے پھر جب وہ اسے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرماتا ہے تو وہ اس (تکلیف) کو بھول جاتا ہے جس کے لئے پہلے اللہ ﷻ کو پکار رہا تھا اور اللہ ﷻ کے لئے کئی شریک بنالیتا ہے تاکہ دوسروں کو بھی اس کے راستہ سے گمراہ کرے۔

۲۔ دوسرے رکوع کی روشنی میں جواب دیں کہ قیامت کے دن کھلے خسارے میں کون لوگ ہوں گے؟ نیز جہنّم میں ان پر عذاب کی کیا کیفیت ہوگی؟

بے شک نقصان اٹھانے والے وہ ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن نقصان میں ڈالا، آگاہ ہوجاؤ! یہی تو کُھلا نقصان ہے۔

ان کے لئے ان کے اوپر سے آگ کے شعلے ہوں گے اور ان کے نیچے (بھی آگ کے) شعلے ہوں گے۔

۳۔ تیسرے رکوع کے آغاز میں قرآنِ حکیم کی کیا عظمت بیان کی گئی ہے؟

اللہ ﷻ نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے یعنی ایسی کتاب جس کی آیتیں آپس میں ملتی جلتی ہیں (اور) بار بار دُہرائی جاتی ہیں اس سے (ان کی) کھالوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں پھر ان کی کھالیں اور ان کے دل جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں نرم ہوجاتے ہیں اللہ ﷻ کے ذکر کی طرف یہ اللہ ﷻ کی ہدایت ہے۔

۴۔ چھٹے رکوع کے آغاز میں اللہ ﷻ کے عذاب سے بچنے کے لئے کن کاموں کے کرنے کا ذکر کیا گیا ہے؟

اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کے فرماں بردار بن جاؤ، اور اس بہترین (کتاب) کی پیروی کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل فرمائی گئی ہے۔

۵۔ آٹھویں رکوع کی روشنی میں اہل جہنّم اور اہل جنّت کے احوال کا موازنہ کریں۔

اہل جہنم کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ جہنّم کی طرف گروہ در گروہ ہانکے جائیں گے یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے تو اس کے دروازے کھولے جائیں گے اور اس کے داروغہ ان سے کہیں گے کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تمہیں تمہارے رب کی آیات پڑھ کر سناتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے۔

اور اہل جنت وہ لوگ ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے رہے اُنہیں گروہ در گروہ جنّت کی طرف لے جایا جائے گا یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچیں گے اور اس کے دروازے (پہلے ہی) کھولے جا چکے ہوں گے اور اس کے محافظ ان سے کہیں گے تم پر سلام ہو تم خوب رہے پس اس میں ہمیشہ رہنے کے لئے داخل ہو جاؤ۔

سُوْرَةُ الْمُؤْمِن

مقاصدِ مطالعہ: اس سورت کے مطالعہ کے بعد طلبہ کو مندرجہ ذیل مضامین سے آگاہی حاصل ہونی چاہیئے:

1. آیات: ۱ تا ۹ — قرآن مجید کے منجانب اللہ نازل ہونے کا علی الاعلان کا تذکرہ، ذات وصفاتِ باری تعالیٰ کا تعارف، پہلی قوموں کے ایک مشترکہ مذموم عمل کا ذکر، مکذبین کا انجام، ملائکہ کی تسبیح، حاملان عرش الٰہی کا اہل ایمان کے لئے استغفار کرنے کا بیان توبہ کی فضیلت اور اہل ایمان کے لئے مناجاتِ ملائکہ کا ذکر۔

2. آیات: ۱۰ تا ۲۰ — کافروں کے جرائم اور ان کا اخروی انجام بد کا بیان، روزِ قیامت اہل جہنم کی فریاد واحوال کا ذکر، دوبار کی موت اور دوبار کی زندگی اور اس کی تشریح، اہل جہنم کی عبرتناک بیزاری واسباب عذاب کا ذکر اور اللہ ﷻ کی حاکمیت اعلیٰ اور حشر کی ہولناکی کا بیان۔

3. آیات: ۲۱ تا ۵۰ — سابقہ نافرمان قوموں کے انجام سے عبرت حاصل کرنے کا ذکر، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون، ہامان اور قارون کا واقعہ، انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب کا انجام اور فرعون کی شقاوت وبدبختی اور اہل حق کو دھمکی کا ذکر، فرعون کے دربار میں مومنِ آل فرعون کا ایمان افروز خطاب، قوم کو نصیحت وتنبیہ پر فرعون کے تکبر وسرکشی کا بیان، دنیا وآخرت کی حقیقت کا بیان اور آل فرعون کا انجام۔

4. آیات ۵۱ تا ۶۰ — انبیاء کرام علیہم السلام اور مومنین کی نصرت، وقوعِ قیامت، بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنائے جانے کا ذکر اور ان کو صبر، استغفار اور اللہ ﷻ کی پاکی بیان کرنے کا حکم، تخلیق کائنات، نیک اعمال کرنے اور بُرائی کرنے والوں کی مثال اور دعا نہ مانگنے پر اللہ ﷻ کی ناراضگی کا بیان۔

5. آیات ۶۱ تا ۷۸ — انعامات واحساناتِ خداوندی کا ذکر، توحید کی اہمیت اور توحید فی الدعا کا بیان، آپ ﷺ کو اللہ ﷻ کی عبادت کرنے اور غیر اللہ کی عبادت نہ کرنے کا حکم، تخلیق انسانی کے مدارج ومراحل، زندگی اور موت اللہ ﷻ کی دستِ قدرت میں ہونے کا ذکر، مکذبین کا انجام بد اور اللہ ﷻ کے حکم سے انبیا کرام علیہم السلام سے معجزات کے ظہور کا بیان۔

6. آیات ۷۹ تا ۸۵ — انسانوں کے لئے چوپایوں میں منافع کا ذکر، عذاب دیکھ کر منکرین کا ایمان لانے کا بیان اور سابقہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کے حالات وواقعات کا تذکرہ۔

نوٹ: اس سورت کا دوسرا نام سُوْرَةُ الغَافِر بھی ہے۔

ربط سورت: ۱۔ سورۃ المؤمن کا گزشتہ سورت سورۃ الزمر کے ساتھ مرکزی مضمون میں مماثلت ہے۔ سورۃ الزمر کا مرکزی مضمون "توحید فی العبادت" ہے اور سورۃ المومن کا مرکزی مضمون "توحید فی الدعاء" ہے۔ چنانچہ جس طرح عبادت کے حوالہ سے سورۃ الزمر میں باربار مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ (اس کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے) کی تکرار ہے، اسی طرح اس سورت میں فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (تو تم اللہ کی عبادت کرو اس کے لئے دین (عبادت) کو خالص کرتے ہوئے) کی باربار تاکید ہے۔ یعنی دعا کرو اللہ ﷻ سے اس کے لئے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔

۲۔ "سورۃ الزمر" کے آخر میں کافروں کی سزا اور متقی مسلمانوں کی جزا بیان کی گئی اور سورۃ المؤمن کے شروع میں فرمایا گیا کہ اللہ ﷻ گناہوں کو بخشنے والا ہے تاکہ کافر کو کفر چھوڑنے اور ایمان قبول کرنے کی ترغیب ملے۔

۳۔ سورۃ الزمر کے آخر میں عقلی دلائل کے ساتھ توحید باری تعالیٰ کا ذکر تھا۔ اس سورت کے آخر میں بھی عقلی و تاریخی دلائل کے ساتھ توحید باری تعالیٰ کا ذکر ہے۔

۴۔ دونوں سورتوں "سورۃ الزمر" اور "سورۃ المومن" میں قیامت کے احوال اور حشر کے میدان میں کفار کے احوال بیان کیئے گئے ہیں۔

۵۔ سورۃ الزمر میں ملاوٹ اور آمیزش سے پاک خالص توحید کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ سورۃ المؤمن میں توحید کے علاوہ آخرت کو تسلیم کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

سورۃ المومن کی فضیلت: ۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے صبح ہی صبح (بیدار ہونے کے بعد) سورۃ المؤمن (کی آیت نمبر ۱) حٰمٓ، سے (لے کر آیت نمبر ۳ کے آخر) اِلَیۡهِ الۡمَصِیۡرُ، تک پڑھا اور آیت الکرسی پڑھی تو ان کے ذریعہ سے صبح سے شام تک اس کی حفاظت کی جائے گی اور جس نے ان دونوں کو شام میں پڑھا تو ان کے ذریعہ سے صبح تک اس کی حفاظت کی جائے گی (جامع ترمذی)

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حٰمٓ سے شروع ہونے والی سورتیں قرآن مجید کی زینت ہیں۔ (مستدرک الحاکم)

آیت نمبر ۱: حروف مقطعات کا علم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے پاس ہے۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک راز ہے۔

آیت نمبر ۲: کفار اعتراض کرتے تھے کہ قرآن کریم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے گھڑ لیا ہے۔ (معاذ اللہ) اس بات کو واضح کر دیا گیا کہ قرآنِ حکیم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جو کائنات کی ہر چیز پر غالب ہے اور جس کی قوت اور غلبہ کے سامنے کوئی ٹھہر نہیں سکتا جو ہر چیز کا ازخود اور پورا پورا علم رکھتا ہے۔

آیت نمبر ۳: قرآنِ پاک کو نازل کرنے والی ذات اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مزید جامع صفات یہ ہیں کہ وہ گناہوں کو معاف کرنے والا اور توبہ کو قبول کرنے والا ہے اور ظالموں کو عبرتناک سزا دینے والا ہے۔ وہ بڑی وسعت والا ہے جو چاہے اور جتنا چاہے عطا فرما سکتا ہے۔ بلاشبہ ان تمام صفات والی ہستی ہی معبود حقیقی ہے اور بالآخر تمام بندوں کو اسی کے سامنے حاضر ہونا ہے۔

علمی بات: ۱۔ آیت نمبر ۲ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی دو صفات العزیز اور العلیم بیان ہوئی تھیں۔ اب تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اپنے فرماں بردار بندوں کے بہت سے گناہ ازخود ہی بخشتا رہتا ہے۔ چوتھی صفت یہ ہے کہ کافر توبہ کر کے حلقۂ اسلام میں داخل ہو جائیں ان کی توبہ قبول کر کے ان کے سابقہ گناہوں کو معاف کر دینے والا ہے اور اس صفت کا تعلق صرف نو مسلموں سے نہیں بلکہ جو بندہ بھی اپنے گناہوں پر نادم ہو کر اس اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف رجوع کر کے اپنے گناہوں کی معافی مانگے اس کے گناہ بھی معاف فرما دیتا ہے۔ پانچویں صفت یہ ہے کہ وہ اپنے باغیوں کو سخت سزا دے کر ان کی اکڑی ہوئی گردنیں توڑ سکتا ہے۔ خواہ وہ یہ عذاب دنیا میں دے یا آخرت میں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی چھٹی صفت یہ ہے کہ وہ کشادہ دست ہے۔ ہر وقت انعامات کی بارش فرماتا رہتا ہے اور اس سے اپنے نافرمانوں کو بھی محروم نہیں فرماتا۔

۲۔ اس انداز میں بیان کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ غَافِرِ الذَّنۡبِ و قَابِلِ التَّوۡبِ ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت غضب پر حاوی ہے۔ کیونکہ یہاں چار میں سے تین باتیں رحمت کے حوالہ سے اور ایک بات عذاب کی آئی ہے۔ اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے محبت اور شفقت کا اظہار ہے اور کس درجہ گناہ گاروں کی دل جوئی، تسلی اور خاطر داری ہے کہ وہ کسی حالت میں بھی مایوس نہ ہوں۔ اس کے بعد شَدِیۡدِ الۡعِقَابِ کہہ کر یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ کہیں لوگ اس کی بخشش ہی پر بھروسہ کو کافی نہ سمجھ بیٹھیں اور یہ سمجھ کر گناہ کرتے چلے جائیں کہ وہ تو عفو و حلم کا پیکر ہے، انہیں معاف ہی کر دے گا۔ بتایا گیا ہے کہ جہاں اس کے عفو و کرم کی امید رکھو۔ وہاں اس بات سے بھی ڈرو کہ وہ جب سزا دیتا ہے تو شدید سزا دیتا ہے۔

آیت نمبر ۴: اللہ ﷻ کی آیات اور اس کی نشانیوں کا وہی لوگ انکار کرتے ہیں جنہوں نے کفر پر ہٹ دھرمی اختیار کر رکھی ہے۔ جھگڑے سے مراد باطل جھگڑا ہے جس کا مقصد حق کی تکذیب و تردید اور حق کے بارے میں غلط قسم کے اعتراضات شامل ہیں۔ کفار کی آرام و آسائش والی زندگی سے دھوکہ نہ کھانے کی تلقین کی گئی ہے۔ انہیں چند روز کی مہلت دی گئی ہے۔ وہ اللہ ﷻ کی گرفت سے نہیں بچیں گے اور خطاب کے اس انداز سے درحقیقت اہل ایمان کو تسلی دی جارہی ہے۔

علمی بات: اللہ ﷻ نے دو بنیادی جھگڑوں کی حقیقت بیان فرمائی ہے۔ جو کفار مکہ محض ہٹ دھرمی کی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ سے کر رہے تھے۔ ان میں پہلا یہ تھا کہ اللہ ﷻ کے ساتھ دوسرے معبودوں کو شریک کرنا۔ جس سے رسول اللہ ﷺ اُنہیں منع کر رہے تھے کہ اللہ ﷻ کے سوا کوئی معبود نہیں، باقی تمام اُن کے بنائے ہوئے معبود جھوٹے، باطل اور بے کار ہیں۔ دوسرا حساب و کتاب اور یوم آخرت کا انکار کرنا۔ جبکہ آپ ﷺ اُنہیں یہ سمجھا رہے تھے کہ روز آخرت کا قیام یقینی ہے اور تم سب کو یقیناً اللہ ﷻ کے حضور پیش ہونا ہوگا۔ جب مباحثہ سنجیدگی کی حدود سے تجاوز کرتے ہوئے جھگڑے میں داخل ہو جائے تو یہ جدال کہلاتا ہے، اللہ ﷻ کی ذات میں اور قرآن مجید کی آیتوں میں جدال کرنا کفر ہے۔

آیت نمبر ۵: سابقہ اقوام کا ذکر ہے کہ جن پر رسولوں کو جھٹلانے کے نتیجہ میں عذاب بھیجا گیا۔ اسی طرح قوم نوح اور اس کے بعد بھی بہت سی قوموں نے رسولوں علیہم السلام کو نہ صرف جھٹلایا بلکہ ان پر دست درازی کی جسارت بھی کی (معاذ اللہ) اس کے نتیجہ میں اللہ ﷻ نے انہیں عذاب کی گرفت میں لے لیا اور اُنہیں نشانِ عبرت بنا دیا۔

علمی بات: سابقہ قوموں کی مثال دے کر یہ بتایا گیا ہے کہ ان سے قبل حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور ان کے بعد اور امتیں بھی اپنے اپنے نبی علیہ السلام کو جھٹلا چکی ہیں۔ انہوں نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ ناحق کے جھگڑے نکالے تاکہ حق کو ناکام بنا دیں۔ یہاں تک کہ وہ ان کو قتل (شہید) کرنے پر تُل گئیں۔ بالآخر اللہ ﷻ نے ان کی گرفت کی۔ پھر ایسی سزا دی گئی کہ وہ تباہ و برباد ہو گئے۔ ان کے عالی شان محلوں کے کھنڈرات آج بھی لوگوں کو درس عبرت دے رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ کفر دنیا میں اپنی ظاہری رونق سے ناسمجھ انسانوں کو کچھ وقت کے لئے متاثر کر سکتا ہے لیکن حق پر غلبہ کبھی نہیں پا سکتا۔

آیت نمبر ۶: جس طرح سابقہ اقوام عذاب ثابت ہونے پر تباہ کر دی گئیں اسی طرح آپ ﷺ کی تعلیمات کا انکار کرنے والوں کا بھی بُرا انجام ہوگا۔ بلاشبہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ کافر لازماً دوزخ میں جانے والے ہیں۔

علمی بات: جس طرح پیغمبروں علیہم السلام کے اعلان کے موافق پہلی کافر قوموں پر دُنیاوی عذاب آکر رہا، موجودہ منکروں کے لئے بھی ویسی ہی وعید ہے۔ اسی طرح ان قوموں پر دنیا میں جو عذاب آیا اسی پر بس نہیں، بلکہ ان کے متعلق ربِ ذوالجلال کی یہ بات بھی ثابت شدہ حقیقت ہے کہ دنیا کے عذاب کی طرح آخرت میں ان لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔

آیت نمبر ۷: اہل ایمان کے لئے اللہ ﷻ کے مقرب فرشتوں اور حاملین عرش کی دُعاؤں کا بیان فرمایا گیا ہے جو کہ ایک عظیم الشان اور بے مثال شرف و اعزاز ہے۔

علمی بات: اللہ ﷻ کی عظمت کا بیان ہے کہ اللہ ﷻ کا عرش اٹھانے والے اور دیگر مقرب فرشتے اس کی تسبیح و حمد کرتے رہتے ہیں۔ وہ اللہ ﷻ پر کامل ایمان رکھتے ہیں اور اس سے اہل ایمان کے لئے بخشش طلب اور دردناک عذاب سے بچانے کی دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ یہ وہ مومنین ہیں جنہوں نے گناہوں سے توبہ کر لی ہے اور سیدھے راستہ کی پیروی کر رہے ہیں۔ اللہ ﷻ کے علم کی طرح اس کا دامنِ رحمت بھی بہت وسیع ہے اور وہی اللہ ﷻ خطا کاروں کو معاف فرمانے والا ہے۔

علمی بات: ۱۔ ایمان کا رشتہ ایسا عظیم رشتہ ہے جو عرش اور فرش والوں کو ایک دوسرے سے وابستہ کر دیتا ہے۔ مومنوں اور ان فرشتوں کے درمیان ایمان کا یہ رشتہ ان سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ فرشتے دنیا کے اہل ایمان انسانوں کے لئے رب العالمین کے عرش کے نزدیک دعا اور طلب استغفار کرتے رہیں۔ گویا یہ کام بھی ان کے دائمی وظیفہ کا ایک حصہ ہے۔ یہ ان فرشتوں کا گروہ ہے جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور وہ جو عرش کے ارد گرد ہیں ان کا کام یہ ہے کہ یہ اللہ ﷻ کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں۔ اس کے سامنے عجز و انکساری کا اظہار کرتے ہیں۔ معروف بات یہ ہے کہ عرش کو اٹھانے والے فرشتے چار ہیں مگر قیامت والے دن ان کی تعداد آٹھ ہو گی۔

۲۔ اس آیت کریمہ میں نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے۔ مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ تم کفارِ مکہ کی ایذا رسانیوں کی وجہ سے یقیناً نہایت دل شکستہ ہو رہے ہو، لیکن تمہیں معلوم نہیں کہ جو لوگ تمہیں تکلیف پہنچا رہے ہیں وہ نہایت گھٹیا اور رزیل لوگ ہیں جن کا اللہ ﷻ کے یہاں کوئی مقام نہیں۔ ان کی باتوں کا کیا اثر لینا، تمہیں تو اللہ ﷻ نے ایسا مقام عطا فرمایا ہے کہ عرش الٰہی کے حامل فرشتے اور عرش کے گردو پیش حاضر رہنے والے ملائکہ تک تمہارے لئے اللہ ﷻ کے حضور دعاؤں میں مشغول رہتے ہیں۔ عام فرشتوں کے بجائے عرش الٰہی کے حامل اور اس کے گردو پیش رہنے والے فرشتوں کا ذکر یہ تصور دلانے کے لئے کیا گیا ہے کہ سلطنتِ خداوندی کے عام اہل کار تو درکنار وہ ملائکہ مقربین ہیں جو اس سلطنت کے ستون ہیں اور جنہیں رب کائنات کے ہاں قرب کا مقام حاصل ہے، تمہارے ساتھ گہری دلچسپی و ہمدردی رکھتے ہیں۔

علمی پہلو: واضح رہے کہ فرشتے مغفرت کی یہ دعا نام نہاد مسلمانوں کے لئے نہیں کرتے جو فسق و فجور میں غرق رہتے ہیں بلکہ جیسا کہ آیت میں صراحت سے بیان ہوا ہے ان لوگوں کے لئے کرتے ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کی اور اللہ ﷻ کے راستہ پر چلے یعنی جنہوں نے اپنی اصلاح کی اور راہ ہدایت پر چلتے رہے۔ جو نافرمانی چھوڑ دیتے ہیں، سرکشی سے باز آتے ہیں اور فرماں برداری اختیار کر کے زندگی کے اس راستہ پر چلنے لگتے ہیں جو اللہ ﷻ اور اس کے حبیب مکرم ﷺ نے انہیں بتایا ہے۔

آیت نمبر ۸: فرشتے مومنوں کے حق میں مزید یہ دُعائیں بھی عرض کرتے ہیں: کہ اے رب! اُنہیں ہمیشہ رہنے والے باغات میں داخل فرمادے جن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ مزید عرض کرتے ہیں: کہ اے رب! ان کے ساتھ ان کے نیک باپ دادا، اولاد اور بیویوں کو بھی ان کے ساتھ جنت عطا فرمادے۔ اللہ ﷻ ہی زبردست اور کمال حکمت والا ہے۔

علمی بات: اس آیت میں فرشتوں کے استغفار کی مزید تفصیل ہے کہ وہ مومنوں کے لئے صرف جہنم سے بچانے کی دعا نہیں کرتے بلکہ اُن جنتوں میں داخل کرنے کی دعا کرتے ہیں جن کا اللہ ﷻ نے ان کے لئے وعدہ فرمایا تھا۔ اسی طرح وہ ان کی بیویوں، ان کے والدین اور ان کی اولاد کے حق میں بھی یہ دعا کرتے ہیں کہ اگر وہ صالح یعنی صاحب ایمان ہوں اور توبہ و اصلاح کے مرحلہ سے گزر چکے ہوں تو اُنہیں بھی جنت میں داخل فرما تاکہ ماں باپ اپنے بچوں کو دیکھ کر آنکھوں کی ٹھنڈک حاصل کریں اور شوہر اپنی بیوی کو دیکھ کر اور بیوی اپنے شوہر کو دیکھ کر اطمینان محسوس کرے۔

عملی پہلو: فرشتوں کی دعا سے ہم کو بھی یہ سبق ملتا ہے کہ مومنوں کے حق میں مومنوں کی دُعائیں کیا اثر رکھتی ہیں بشرطیکہ یہ اس یقین و ایمان کے ساتھ ہوں جن میں دکھاوا نہ ہو بلکہ وہ دُعائیں یقیناً اثر رکھتی ہیں اور ان کا اثر مانگنے والے کے اپنے حق میں بھی بہت اچھا رہتا ہے۔ پھر یہی نہیں کہ وہ فقط صرف مومنوں ہی کے حق میں دُعائیں کریں بلکہ ان کی نیک اولاد اور ازدواج کے لئے بھی دعا گو ہوں۔

آیت نمبر ۹: فرشتے اللہ ﷻ کے حضور یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ اہل ایمان کو ہر طرح کی سختیوں اور عذاب سے بچا لے۔ السّیِّاٰت یعنی بُرائیوں سے مراد غلط عقائد، بگڑے ہوئے اخلاق، بُرے اعمال اور گمراہی کا وبال ہے نیز آفات و مصیبتیں بھی مراد ہیں خواہ دنیا کی ہوں، عالم برزخ کی ہوں یا آخرت

کی۔ اس بات سے مراد یہ ہے کہ فرشتے یہ دعا کرتے ہیں کہ اے رب! مومنوں کو ہر اس چیز سے بچا جو ان کے حق میں بُری ہو روز قیامت کی بُرائیوں سے مراد حشر کی ہولناکی، محاسبہ کی سختی، رازوں کے فاش ہونے کی رُسوائی اور دیگر سختیاں ہیں۔

علمی بات: ان کو بُرائیوں سے بچالے سے مراد یہ ہے کہ اوّل تو ان سے بُرائیاں سرزد ہی نہ ہونے پائیں اور اگر کبھی سرزد ہو جائیں تو ان کو ان سے اس طرح جھاڑ دے اور ان کو ایسا معاف فرمادے کہ یہ ان کے شر و نتائج سے محفوظ رہیں۔

آیت نمبر۱۰: کافر دوزخ کے ہولناک عذاب کو دیکھ کر دنیا میں اختیار کیئے گئے کفر و شرک پر سخت افسوس کریں گے اور اپنے کرتوتوں پر وہ اپنے آپ سے نفرت کا اظہار کریں گے۔ اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ دنیا میں دعوتِ ایمان کو جھٹلانے پر تو اللہ ﷻ کو اس سے بڑھ کر بیزاری ہوتی تھی جتنی آج تم کو اپنے آپ سے ہو رہی ہے۔ گویا اس آیت میں کفار سے اللہ ﷻ کی ناراضگی کا سبب مذکور ہے۔ نیز کافروں کا اپنے آپ سے بیزاری کا ذکر ہے۔

علمی و عملی بات: قیامت کے دن کفار کو جب جہنم رسید کیا جائے گا تو وہ پچھتائیں گے اور اپنے آپ سے بے زار، ناراض اور غصہ ہوں گے کہ انہوں نے توحید کا انکار کیوں کیا۔ اس وقت فرشتے اُنہیں یاد کرائیں گے کہ جب رسول اللہ ﷺ تمہیں اللہ ﷻ اور قرآنِ حکیم کی طرف بلا رہے تھے اور تمہیں ایمان اور اعمالِ صالحہ کا راستہ دکھا رہے تھے تو تم مسلسل انکار کیئے جا رہے تھے۔ اللہ ﷻ ہادیانِ برحق کے ذریعہ اپنی رحمتوں کا دروازہ کھول رہا تھا تم ان کا مذاق اڑا رہے تھے اُس وقت اللہ ﷻ تم پر جس قدر غصہ ہوتا تھا وہ تمہاری اِس بیزاری سے کہیں زیادہ تھا جو تم لوگ آج اپنی جانوں سے محسوس کر رہے ہو۔

آیت نمبر۱۱: کفار دو مرتبہ موت دیئے جانے اور دو مرتبہ زندگی دیئے جانے کا اعتراف کریں گے۔ لوگوں کی روحوں کو بنانے اور ان سے عہدِ اَلَسْت لینے کے بعد موت سے گزارا گیا۔ پھر اُنہیں زندہ کر کے جسم کے ساتھ دنیا میں بھیجا گیا، پھر موت دی گئی، پھر دوبارہ زندہ کیا گیا۔ کفار اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے فریاد کریں گے کہ انہیں ایک بار پھر دنیا میں بھیج دیا جائے تاکہ وہ اپنے گناہوں کی تلافی کر سکیں۔ اس آیت میں حیات و ممات کے مراحل کا ذکر ہے۔ اسی طرح کافروں کے اعترافِ جرم کا بھی بیان ہے۔

<u>زندگی اور موت کے چار مراحل</u>: اس آیت میں انسان پر وارد ہونے والی چار کیفیات کا ذکر ہے۔ پہلے موت، پھر زندگی، پھر موت، پھر زندگی۔ روح اور جسم کے ملنے کا نام زندگی اور ان کے جدا ہونے کا نام موت ہے۔ پہلی حالت موت ہے یعنی تمام انسانوں کی ارواح تو پیدا ہو چکی تھیں۔ لیکن جسم اپنے اپنے وقت پر عطا ہوئے، اسی عرصہ میں عہد الست لیا گیا تھا جس کا ذکر (سورۃ الاعراف ۷، آیت: ۱۷۲) میں ہے۔ دوسری حالت انسان کی پیدائش سے لے کر اس کے مرنے تک ہے، جس میں وہ اچھے یا برے اعمال کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ تیسری حالت موت سے لے کر حشر تک اور چوتھی اور آخری حالت دوبارہ جی اٹھنے (حشر) کے بعد لامتناہی زندگی ہے۔

علمی بات: ۱۔ دو زندگیوں اور دو اموات سے مراد مفسرین کی ایک رائے کے مطابق یہ بھی ہے کہ:

۱۔ دو موتوں میں سے پہلی موت تو وہ نطفہ ہے جو باپ کی پشت میں ہوتا ہے یعنی انسان کے وجود سے پہلے اس کے عدم وجود کو موت سے تعبیر کیا گیا ہے اور دوسری موت وہ ہے جس سے انسان اپنی زندگی گزار کر ہمکنار ہوتا اور اس کے بعد قبر میں دفن ہوتا ہے اور دو زندگیوں میں سے پہلی زندگی یہ دنیاوی زندگی ہے جس کا آغاز ولادت سے اور اختتام وفات پر ہوتا ہے اور دوسری زندگی وہ ہے جو قیامت والے دن قبروں سے اٹھنے کے بعد حاصل ہوگی ان ہی دو موتوں اور دو زندگیوں کا تذکرہ (سورۃ البقرۃ ۲، آیت: ۲۸) میں بھی کیا گیا ہے۔ "تم کیسے اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہو جبکہ تم مُردہ تھے تو اس نے تمہیں زندہ فرمایا پھر وہ تمہیں موت دے گا پھر وہی تمہیں زندہ فرمائے گا پھر تم اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔"

۲۔ موت و حیات کی ان چاروں حالتوں میں سے پہلی تین حالتوں کا تو کفار بھی انکار نہیں کرتے، کیونکہ وہ مشاہدہ میں آتی ہیں اور اس بنا پر نا قابل

انکار ہیں، مگر آخری حالت پیش آنے کا انکار کرتے ہیں کیونکہ وہ ان کے مشاہدہ میں ابھی تک نہیں آئی ہے اور صرف انبیاء کرام علیہم السلام ہی نے اس کی خبر دی ہے۔ قیامت کے روز جب عملاً وہ چوتھی حالت بھی مشاہدے میں آجائے گی تب یہ لوگ اقرار کریں گے کہ واقعی وہی کچھ پیش آگیا جس کی ہمیں خبر دی گئی تھی۔ لہٰذا انہوں نے آخرت کا انکار کر کے بہت بڑا گناہ کیا ہے کیا اب کوئی ایسی صورت نکل سکتی ہے کہ ہم اس عذاب سے بچ سکیں؟

آیت نمبر ۱۲: پچھلی آیت میں کفار کی پروردگار کے حضور درخواست کا ذکر تھا اس آیت میں اس کا جواب دیا گیا ہے۔ کافروں کی فریاد پر اُنہیں جہنم سے نہ نکالے جانے کا سبب بتلایا جائے گا کہ دنیا میں وہ توحید کی دعوت کو ٹھکراتے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ دیگر معبودوں کو شریک قرار دیئے جانے والے نظریات کو قبول کر لیتے تھے۔ آج ان کے باطل معبودوں میں سے کوئی ان کی مدد کو نہیں آرہا ہے۔ اب فیصلہ کا اختیار اس اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے پاس ہے جو بلند و برتر اور سب سے بڑا ہے۔

علمی بات: کفار کے لئے جہنم سے نہ نکالے جانے کا سبب بیان فرمایا گیا ہے کہ آج اسی ایک اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا حکم ہے کہ اب تمہارے لئے جہنم کا عذاب ہمیشہ کے لئے ہے اور اس سے نکلنے کی کوئی سبیل نہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اَلْعَلِیِّ الْکَبِیْرِ کی صفات سے یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ان باتوں سے بلند و اعلیٰ ہے کہ اس کی ذات یا صفات میں کوئی اس جیسا ہو اور کبیر یعنی ان باتوں سے بہت بڑا ہے کہ اس کی کوئی مثل ہو یا بیوی اور اولاد ہو یا اس کا کوئی شریک ہو۔

آیت نمبر ۱۳: اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی شان تو یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا رہتا ہے۔ ایک نشانی یہ ہے کہ وہ آسمان سے بارش نازل فرماتا ہے جس سے رزق پیدا ہوتا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نشانیوں سے وہی نصیحت حاصل کرتے ہیں جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے اور اس کی قدرتوں پر غور و فکر کرتے ہیں۔

علمی و عملی بات: مخلوق میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بے شمار نشانیاں ہیں۔ جن میں سے بعض نشانیاں اللہ سبحانہ و تعالیٰ انسانوں کو دکھاتا ہے جو اس کے قادرِ مطلق اور وحدہٗ لا شریک ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ انسانوں کے لئے آسمانوں سے رزق نازل فرماتا ہے اس میں بیان قدرت بھی ہے اور اظہار انعام بھی۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نشانیوں سے صرف وہی شخص سبق لیتا ہے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے رجوع کرنے والا ہو۔ جو شخص اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، وہ جانتا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فضل و کرم کس قدر عظیم ہے اور وہ اس کائنات میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نشانیوں کو پاتا ہے جبکہ غافل اور سخت دل ان کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔ ایسے شخص کی آنکھیں کوئی بڑی سے بڑی نشانی بھی نہیں کھول سکتی۔

آیت نمبر ۱۴: اہل ایمان کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لئے عبادت و اطاعت کو خالص کرتے ہوئے صرف اسی کو پکارنے کی تلقین کی گئی ہے۔ چاہے کافروں کو کتنا ہی بُرا محسوس ہو۔

علمی بات: ۱۔ مسلمانوں کو تلقین فرمائی گئی ہے کہ وہ اپنی عبادت کو خالص رکھیں اور اس میں شرک کی معمولی سی بھی آمیزش نہ ہونے دیں۔ یعنی ہر شائبہ شرک سے اور ہر آمیزش کفر سے پاک صاف ہو کر حق تعالیٰ کو پکارو۔ اگرچہ یہ بات کفار و مشرکین کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے۔

۲۔ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ (اس کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے) کے یہ کلمات سورۃ الزمر اور اس سورت کے درمیان مماثلت اور مشابہت کی علامت ہیں۔ دونوں سورتوں میں یہ کلمات بار بار آئے ہیں۔ ظاہر ہے توحید خالص کا عملی مظاہرہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے نافرمانوں اور طاغوتی کارندوں کو تو کبھی بھی اچھا نہیں لگے گا۔

آیت نمبر ۱۵: اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی شان تو یہ ہے کہ وہ عرش کا مالک اور بلند درجوں والا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے اس کے درجے بلند فرما دیتا ہے۔ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے وحی نازل فرماتا ہے۔ اس آیت میں روح کا لفظ وحی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ انسانی روح کی غذا بھی وحی ہے۔ وحی میں

انسان کی اخلاقی و روحانی زندگی کی بقاو سلامتی کا راز مضمر ہے۔ وحی کی تعلیم خبر دار کرتی ہے کہ ہر شخص کو موت کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور اللہ ﷻ کے حضور جوابدہی کے لئے حاضر ہونا ہو گا۔

علمی بات: یہاں روح سے مراد وحی ہے یعنی وحی کو اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اُتارتا ہے۔ وحی کو روح اس لئے فرمایا ہے کہ جس طرح روح کے ذریعہ حیات حاصل ہوتی ہے اسی طرح وحی کے ذریعہ بھی دلوں کو حیات حاصل ہوتی ہے۔

آیت نمبر ۱۶: روزِ قیامت لوگ کھلے میدان میں اللہ ﷻ کے حضور جمع ہوں گے۔ ان کا کوئی عمل اللہ ﷻ سے پوشیدہ نہیں رہے گا۔ اللہ ﷻ سب کو مخاطب کر کے فرمائے گا: آج بادشاہی کس کی ہے؟ لیکن کسی کو بولنے کی ہمت نہیں ہو گی۔ جواب دیا جائے گا کہ بادشاہی اللہ ﷻ ہی کی ہے جس کے سامنے ہر چیز مغلوب اور جس کا حکم سب پر غالب ہے۔

علمی بات: ا۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن تمام مُردے اپنی اپنی قبروں سے نکل کر ظاہر ہو جائیں گے اور کوئی چیز ان کو چھپا نہیں رہی ہو گی، وہ کسی پہاڑ یا ٹیلے کی اوٹ میں نہ ہوں گے بلکہ سب ایک کھلے میدان میں جمع ہوں گے۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "اللہ ﷻ زمین کو اپنی مٹھی میں پکڑ لے گا اور آسمانوں کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا اور پھر فرمائے گا: بادشاہ میں ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟" (صحیح بخاری، سنن ابن ماجہ)

۲۔ جب سب لوگ قبروں سے نکل کر انتہائی ادب کے ساتھ رب ذوالجلال کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ (بڑے بڑے بادشاہ، فاتح عالم، فرعون و نمرود جیسے حکمران) تو اس وقت اعلان کیا جائے گا۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ: "آج کس کی بادشاہی ہے" ہر طرف خاموشی اور سکوت ہو گا۔ کسی کو ہمت نہ ہو گی کہ جواب دے سکے ایک رائے کے مطابق خود ہی خالق کائنات جواب دے گا۔ اللہ ﷻ کے لئے جو الواحد القہار ہے۔

آیت نمبر ۱۷: ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دیا جائے گا اور کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں کی جائے گی۔ نہ مستحق اجر کو اجر سے محروم کیا جائے گا اور نہ ہی اس کے اجر میں کمی کی جائے گی۔ اسی طرح مستحق سزا، سزا سے بچ نہ سکے گا، نہ اسے زیادہ سزا دی جائے گی اور نہ کسی ایسے شخص کو سزا دی جائے گی جو اس کا مستحق نہ ہو۔ بلاشبہ اللہ ﷻ کو تمام مخلوق کا حساب لینے اور فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگے گی۔

علمی بات: ا۔ جس شخص نے جیسے اعمال کیئے ہوں گے اس کو روز قیامت اسی حساب سے جزا دی جائے گی یعنی ہر شخص کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے۔ اس آیت میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اس دن کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا اور اللہ ﷻ یہ حساب و کتاب بہت جلد لے لے گا۔ دُنیاوی عدالتوں کی طرح مدتوں مقدمات جوں کے توں پڑے رہنے کا معاملہ وہاں نہ ہو گا۔ ہر فریق مقدمہ اس کے سامنے بالکل بے نقاب ہو گا۔ اور واقعات کی کھلی ناقابل انکار شہادتیں چھوٹی سے چھوٹی جزئی تفصیلات تک کے ساتھ بلا تاخیر پیش ہو جائیں گی۔ اس لئے ہر مقدمہ کا فیصلہ جھٹ پٹ ہو جائے گا۔

۲۔ اللہ ﷻ کو حساب لینے میں کوئی دیر نہیں لگے گی۔ وہ جس طرح کائنات کی ہر مخلوق کو بیک وقت رزق دے رہا ہے اور کسی کی رزق رسانی کے انتظام میں اس کو ایسی مشغولیت نہیں ہوتی کہ دوسروں کو رزق دینے کی اسے فرصت نہ ملے، اسی طرح وہ ہر ہر فرد کا بیک وقت محاسبہ بھی کر لے گا اور ایک مقدمہ کی سماعت کرنے میں اسے ایسی مشغولیت لاحق نہ ہو گی کہ اسی وقت دوسرے بے شمار مقدمات کی سماعت نہ کر سکے۔

آیت نمبر ۱۸: رسول اللہ ﷺ کو قریب آنے والے دن یعنی روز قیامت کی سختی سے لوگوں کو خبر دار کرنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ اس دن گھبراہٹ کا عالم یہ ہو گا کہ دلوں کی دھڑکن انتہائی تیز ہو گی اور خوف کے مارے کلیجے منہ کو آ رہے ہوں گے۔ ظالموں یعنی کفر و شرک اختیار کرنے والوں کا نہ کوئی دوست ہو گا، نہ سفارشی کہ جس کی سفارش لازمی طور پر سنی جائے۔ اللہ ﷻ کے اذن کے بغیر کوئی کسی کی سفارش نہیں کر سکے گا۔

علمی بات: ۱۔ قیامت کی ہولناک اور شدت کی تصویر کشی کی گئی ہے یعنی اس دن ہول ناک مناظر کو دیکھ کر لوگوں پر اتنی دہشت اور خوف طاری ہو گی کہ دل پہلو سے اچھل کر گلے میں اٹک کر رہ جائیں گے۔ نہ اپنی جگہ پر واپس جا سکیں گے تاکہ سکون نصیب ہو اور نہ گلے سے باہر نکل سکیں گے تاکہ رشتہ حیات منقطع ہو اور قصہ ختم ہو بلکہ گلے میں اٹکے رہ جائیں گے نہ موت آئے گی کہ جان چھوٹے اور نہ ویسے آرام و سکون ہو گا۔

ایسے مشکل وقت میں ان ظالموں کا کوئی جگری دوست انہیں نظر نہیں آئے گا جو ان کا غم دور کر سکے یا ان کے بوجھ کو ہلکا کر سکے اور نہ کوئی ایسا سفارشی انہیں ملے گا جس کی شفاعت بارگاہِ الٰہی میں قابلِ قبول ہو۔

۲۔ "ظّٰلِمِیْنَ" سے مراد کفار و مشرکین۔ ان کے حق میں کوئی بھی سفارش نہیں کرے گا، کیونکہ اس دن جو سفارش کی اجازت دی جائے گی وہ انبیاء کرام علیہم السلام، فرشتوں اور نیک بندوں کو دی جائے گی اور وہ بھی صرف ایمان والوں کے لئے کفار و مشرکین کا سفارشی اس دن کوئی نہیں ہو گا۔

آیت نمبر ۱۹: اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے علم کامل کا بیان ہے کہ وہ نگاہوں کی خیانت اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے وسوسوں سے بھی واقف ہے۔ وہ دلوں کی نیت، ارادوں اور عزائم کو بھی خوب جانتا ہے۔

علمی بات: انسان اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی جو بھی نافرمانی کرتا ہے چاہے اس کا تعلق ظاہری اعضاء سے ہو یعنی وہ نافرمانی جو نظر آتی ہو، یا باطنی اعضاء سے جو سینہ میں چھپی ہوئی ہو، ہر ایک نافرمانی و خیانت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے علم میں ہے۔ اس سے نہ تو آنکھوں سے نظر آنے والی خیانت چھپی ہے اور نہ ہی سینے میں چھپی ہوئی خیانت اس کے علم سے باہر ہے۔

عملی پہلو: نگاہوں کی خیانت یہ ہے کہ آدمی چوری چھپے ان چیزوں پر نگاہ ڈالے جن کا دیکھنا اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ سینوں کی باتوں میں وہ وسوسے بھی آجاتے ہیں جو انسان کے دل میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ وہ جب تک وسوسے ہی رہتے ہیں یعنی ایک لمحہ کی طرح آتے اور ختم ہو جاتے ہیں تب تک تو وہ قابلِ مواخذہ نہیں ہوں گے لیکن جب وہ عزائم کا روپ دھار لیں تو پھر ان کا مواخذہ ہو سکتا ہے چاہے ان پر عمل کرنے کا انسان کو موقع نہ ملے۔

اگر آدمی اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے ڈرنے والا ہو تو وہ اپنی نگاہوں کو بچائے گا کہ وہ کسی ایسی چیز پر نہ پڑیں جس کا دیکھنا گناہ ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے کوئی چیز بھی چھپی نہیں رہ سکتی یہاں تک کہ آنکھوں کا چوری چھپے دیکھ لینا بھی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس پر اس کی گرفت کر سکتا ہے۔ اس لئے انسان خوفِ الٰہی کا احساس ہر وقت دامن گیر رکھے اور گناہ کی طرف قدم نہ بڑھائے۔

آیت نمبر ۲۰: اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی بندوں کے ظاہر و باطن سے خوب واقف ہے۔ لہٰذا وہی ان کے بارے میں برحق فیصلہ فرمائے گا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے علاوہ جنہیں مشرکین پکارتے ہیں وہ خود ساختہ معبود تو لاچار اور بے بس ہیں، وہ کسی انسان کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔

علمی بات: اللہ سبحانہ و تعالیٰ لوگوں کے صرف اقوال اور افعال ہی نہیں جانتا بلکہ ان کی آنکھوں کے اشارات اور دل کے خیالات بھی خوب جانتا ہے، اس لئے اس کے فیصلہ میں کسی غلط فہمی کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اس کا ہر فیصلہ برحق ہو گا لیکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سوا جن کو پکارا جاتا ہے نہ ان کے پاس کسی چیز کا علم ہے اور نہ ہی وہ کسی کو سزا دینے کی قدرت رکھتے ہیں تو پھر وہ کیا فیصلہ کریں گے اور اس کو کیسے نافذ کریں گے؟

آیت نمبر ۲۱: کفار و مشرکین کو سابقہ اقوام کے انجام سے عبرت حاصل کرنے کی تنبیہ کی گئی ہے۔ سابقہ سرکش اقوام قوت و وسائل میں انتہائی طاقتور اور شان و شوکت میں کفار مکہ سے کہیں زیادہ نمایاں تھیں۔ لیکن سرکشی اور تکبر کی راہ اختیار کرنے پر اُنہیں تباہ کر دیا گیا۔ اس وقت اُنہیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی گرفت سے کوئی نہیں بچا سکا۔

علمی بات: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تکذیب کرنے والوں کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ وہ لوگ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی زمین پر گھوم پھر کر ان قوموں کا انجام

کیوں نہیں دیکھتے، جنہوں نے اللہ ﷻ کے رسولوں کی تکذیب کی تو اللہ ﷻ نے اُنہیں عذاب کے ذریعہ سے ہلاک کر دیا حالانکہ وہ لوگ کفار قریش سے زیادہ طاقتور تھے۔ انہوں نے زمین کو آباد کرنے کے لئے بڑی بڑی عمارتیں بنائی تھیں اور وہ دُنیاوی اعتبار سے خوب کامیاب تھے، لیکن جب اللہ ﷻ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کا مواخذہ کیا تو اُنہیں کوئی بچا نہ سکا۔ ان کا یہ انجام اس لئے ہوا کہ ان کے پاس انبیائے کرام علیہم السلام توحید و رسالت کے اثبات میں بڑی واضح نشانیاں اور صریح دلائل لے کر آئے لیکن اُنہوں نے انکار کر دیا تو اللہ ﷻ نے اُنہیں پکڑ کر ہلاک کر دیا۔ اس ذاتِ برحق کا مقابلہ کون کر سکتا ہے، وہ تو بہت زبردست قوت والا اور بڑا سخت عذاب دینے والا ہے۔

آیت نمبر ۲۲: سابقہ سرکش اقوام کے پاس ان کے رسول معجزات اور واضح تعلیمات لے کر آتے رہے لیکن اُنہوں نے انکار ہی کی روش اختیار کی۔ اللہ ﷻ کی طرف سے ان کی گرفت ہوئی۔ بلاشبہ اللہ ﷻ بڑی قوت والا اور سخت عذاب دینے والا ہے۔

علمی بات: وہ اللہ ﷻ کی گرفت میں اس لئے نہیں آئے کہ انہیں حقیقت حال کا علم نہ تھا، انہیں بتانے والا کوئی نہ تھا، ان پر حجت پوری نہ ہوئی بلکہ یہ سب کچھ ہونے کے بعد ان لوگوں نے اپنے کفر پر ڈٹ جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ انبیاء و مرسلین علیہم السلام ہمیشہ ان کے پاس اپنی صداقت اور اپنی تعلیمات کی حقانیت پر واضح علمی دلائل اور ناقابل انکار عملی معجزے لے کر آئے۔ مگر انہوں نے ہمیشہ تسلیم کرنے سے انکار ہی کیا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے اُنہیں اپنے قہر و غضب میں گرفتار کر لیا اور ان کو ان کے کیئے کی قرارِ واقعی سزا دی۔

آیت نمبر ۲۳: سابقہ سرکش لوگوں میں سے فرعون اور اس کی قوم کا ذکر ہے۔ اللہ ﷻ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزات اور واضح دلائل کے ساتھ ان کی طرف بھیجا۔ نشانیوں سے "معجزات اور کھلی سند" سے شاید ان کے مخصوص و ممتاز معجزات مراد ہوں یا "کھلی سند" معجزات کے سوا دوسری قسم کے دلائل و براہین کو فرمایا۔ یا پھر "آیات" سے تعلیمات و احکام اور "سلطان مبین" سے معجزات مراد لیئے جائیں۔ یا "سلطان مبین" اس قوتِ قدسیہ اور مخصوص تائید ربانی کا نام ہو جس کے آثار پیغمبروں میں ہر دیکھنے والے کو نمایاں طور پر نظر آیا کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

علمی بات: بینات سے مراد وہ نو(۹) معجزات ہیں جو اللہ ﷻ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائے تھے اور وہ ان کی نبوت پر کھلی نشانی تھے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کے لئے تسلّی ہے اور قریش کو اس مطالبہ کا جواب دیا ہے جو انہوں نے نبی ﷺ سے کیا تھا کہ ہم آپ ﷺ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپ ﷺ یہ کام کر کے نہ دکھا دیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ سے تو چند معجزوں کا مطالبہ کیا گیا ہے، ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو نو(۹) معجزے عطا فرمائے، مگر نہ ماننے والوں نے پھر بھی نہ مانا۔ ان نو(۹) معجزوں کا ذکر سورۃ الاعراف ۷ کی آیات: ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۳۰، ۱۳۳، اور سورۃ النمل ۲۷، آیت: ۱۲ میں ہے۔

آیت نمبر ۲۴: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون، ہامان اور قارون کی طرف بھیجا گیا۔ لیکن انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیش کردہ معجزات کو جادو قرار دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی۔ (معاذ اللہ)

علمی بات: ۱۔ اللہ ﷻ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزات کے ساتھ اور واضح حجت کے ساتھ فرعون، ہامان اور قارون کے پاس بھیجا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کو معجزات دکھائے توحید کی دعوت دی لیکن ان لوگوں نے عناد اور انکار سے کام لیا۔ کہنے لگے یہ تو جادوگر ہے، بڑا جھوٹا ہے (معاذ اللہ)۔

۲۔ اللہ ﷻ اپنے محبوب کریم ﷺ کی دل جوئی کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے حالات بیان فرما رہا ہے کہ جو الزامات کفار حضور ﷺ پر لگاتے ہیں اسی طرح کے الزامات فرعون اور اس کے وزیروں نے ایک جلیل القدر رسول پر لگائے تھے لیکن آخر کار الزام لگانے والے کفار اپنی شان و شوکت کے ساتھ غرق ہو گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی بظاہر کمزور قوم کو کامیابی حاصل ہوئی۔ بعینہ یہی حال کفار مکہ کا بھی ہو گا۔

آیت نمبر ۲۵: حضرت موسیٰ علیہ السلام آل فرعون کی پاس حق لے کر آئے لیکن فرعون نے سر کشی کی انتہا کر دی۔ اور بنی اسرائیل کے ہر پیدا ہونے والے لڑکے کو قتل کر دینے اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دینے کا حکم جاری کر دیا۔ لیکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کافروں کی چال ناکام کر دی۔

علمی بات: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت پر جب عام لوگ ایمان لانے لگے تو آلِ فرعون نے یہ تجویز دی کہ ان کے بیٹوں کو قتل کر دو اور عورتوں کو زندہ رکھو۔ یہ حکم اس سے پہلے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے کسی نجومی کی پیشن گوئی پر دیا گیا تھا کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص فرعون کا تختہ الٹ دے گا۔ بیٹوں کو قتل کرنے کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ ایمان لانے والوں کی نسل نہ پھیلے، دوسرا یہ کہ عام طور پر بیٹوں کے قتل پر انسان کو زیادہ صدمہ ہوتا ہے۔ اس لئے ایسا کرنے سے لوگ ایمان لانے سے ڈریں گے، لیکن کافروں کی اس طرح کی چالیں آخر کار ناکام ہوتی ہیں۔

آیت نمبر ۲۶: فرعون نے آخری اقدام کے طور پر بھرے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل (شہید) کرنے کی دھمکی دی۔ کہنے لگا کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مہلت دی گئی تو وہ اپنی دعوت کے ذریعہ لوگوں کے دین یعنی فرعونی نظام کو بدل دے گا یا اقتدار پر قبضہ کر کے زمین میں فساد پھیلانے کا باعث بنیں گے۔ (معاذ اللہ)

علمی بات: فرعون کا اس کلام سے مقصود یہ تھا کہ وہ اپنے عوام کو یہ بتائے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کیوں قتل کرنا چاہتا ہے۔ اس نے بتایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس کو یہ خطرہ ہے کہ وہ اس کی قوم کے دین یا ان کی دنیا کو فاسد کر دیں گے۔ اس کے زعم میں دین کا فساد یہ تھا کہ اس کے نزدیک صحیح دین وہی تھا جس پر وہ اور اس کی قوم تھی اور چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی اُلوہیت کا انکار کرتے تھے، اس کے عقائد اور نظریات کے مخالف تھے، اس لئے اس کو خطرہ تھا کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے مشن میں کامیاب ہو گئے تو اس کا اور اس کی قوم کا دین فاسد ہو جائے گا۔ جبکہ اس کے نزدیک دنیا کے فساد کا خطرہ یہ تھا کہ اگر بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آواز پر اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے فرعون کے خلاف بغاوت کر دی تو ملک میں شور اور ہنگامہ ہو گا اور امن اور چین جاتا رہے گا اور ہو سکتا ہے کہ فرعون کی قوم کو جو اب تک اقتدار حاصل ہے وہ ان کے ہاتھ سے نکل جائے۔

آیت نمبر ۲۷: فرعون کے ناپاک منصوبہ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر توکل کرنے کا بیان ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہر اس متکبر کے شر سے رب کائنات کی پناہ مانگی جو آخرت پر یقین نہیں رکھتا۔ معلوم ہوا کہ جابر اور ظالم وہی لوگ ہیں جو روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔

علمی بات: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا کا معنیٰ یہ ہے کہ دشمن کے شر سے صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی پناہ میں آکر ہی نجات ملتی ہے۔ پس میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی پناہ میں آرہا ہوں اور جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے فضل پر اعتماد کرے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ اُس کو ہر بلا سے محفوظ رکھتا ہے اور اس کی ہر آرزو کو پورا کرتا ہے۔

فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: حضرت عبد اللہ بن قیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی قوم سے خطرہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجۡعَلُكَ فِيۡ نُحُوۡرِهِمۡ وَنَعُوۡذُبِكَ مِنۡ شُرُوۡرِهِمۡ۔ "اے اللہ! ان کے مقابلہ میں ہم تجھ کو لاتے ہیں اور ان کے شر اور فساد سے تیری پناہ میں آتے ہیں۔" (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

آیت نمبر ۲۸: اس موقع پر آل فرعون کے ایک شخص نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حمایت کر دی۔ یہ وہ شخص تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا تھا۔ اس نے فرعون اور اس کے درباریوں سے بڑے مؤثر انداز میں خطاب کیا۔ قرآنِ کریم میں یہ سب سے طویل ترین تقریر ہے جو اس بندۂ مومن نے کی ہے۔ اس نے کہا کہ کیا تم لوگ صرف اس وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شہید کرنا چاہتے ہو کہ وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی کو اپنا رب مانتے ہیں؟ جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تمہارے پاس واضح معجزات بھی لے کر آئے ہیں بندہ مومن نے مؤثر انداز میں غور و فکر کی دعوت دی کہ اگر بالفرض ان کا رسالت کا دعویٰ جھوٹا ہے تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان کو زیادہ مہلت نہ دے گا۔ لیکن اس کے برعکس اگر وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سچے رسول ہیں تو پھر ان کو جھٹلانے کا وبال تم پر آکر رہے گا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ حد سے گزرنے والے اور جھوٹے کو کامیاب نہیں کرتا۔

علمی بات: یہاں ایک مرد مومن کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کی مناسبت سے اس سورۃ کا نام "المؤمن" رکھا گیا ہے۔ وہ مرد مومن فرعون کے شاہی خاندان کا ایک فرد تھا۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ دربار کے کوئی اعلیٰ عہدے دار تھا۔ بعض مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ وہ فرعون کا چچا زاد بھائی اور آل فرعون میں سے تھا۔ اس مرد مومن نے فرعون، آل فرعون اور درباریوں کو مختلف طریقوں سے ایمان کی طرف دعوت دی جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل (شہید کرنے) کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔ یہ مرد مومن جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت اور معجزات کو دیکھ کر ایمان لا چکا تھا مگر فرعون کے ظلم و ستم اور کسی مصلحت سے اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ فرعون اور اس کے درباریوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا فیصلہ کر لیا ہے تو وہ کھل کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حمایت پر آ گیا۔ اس نے نہایت موئثر اور حکیمانہ انداز سے بھرے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل (شہادت) کی مذمت اور ان کی عظمت پر تقریر فرمائی اور کہا کہ تم کتنے ظالم لوگ ہو کہ ایک شخص کو تم صرف اس لئے قتل (شہید) کرنا چاہتے ہو کہ وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو اپنا رب مانتا ہے۔

فرمانِ صحابی رضی اللہ عنہ: ایک مرتبہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے آس پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہا کہ بتاؤ آدمیوں میں سب سے بہادر کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہمیں نہیں معلوم۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سب سے بہادر اور نڈر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ ایک مرتبہ بنو قریش کے کچھ لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر دیا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی قسم ہم میں سے کسی کو حوصلہ نہ تھا کہ بنو قریش کے قریب بھی جاتے مگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ قریش پر جھپٹے۔ کسی کا گلہ پکڑتے، کسی کے کاندھے ہلاتے اور فرماتے جاتے: اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ "کیا تم ایک شخص کو صرف اس لئے قتل (شہید) کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔" پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے منہ پر چادر ڈال لی اور رونا شروع کر دیا یہاں تک کہ آنسوؤں سے آپ رضی اللہ عنہ کی داڑھی مبارک تر ہو گئی۔ پھر فرمایا: کہ میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں کہ بتاؤ آل فرعون کا مرد مومن بہتر ہے یا حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ)۔ سب خاموش رہے تب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ تم مجھے جواب نہیں دیتے۔ لیکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی قسم آل فرعون کے مرد مومن کے مقابلہ میں حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کی ایک ایک ساعت بہتر ہے کیونکہ اس مرد مومن نے تو اپنا ایمان (اس وقت) چھپایا ہوا تھا اور حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایسے شخص تھے جنہوں نے اپنے ایمان کو سب کے سامنے ظاہر کر رکھا تھا۔

آیت نمبر ۲۹: بندۂ مومن نے اپنی قوم خبردار کیا کہ آج اگرچہ تم لوگوں کے پاس حکومت و اختیار ہے لیکن اس کی بنیاد پر تم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچ سکتے۔ فرعون نے گفتگو میں خلل ڈالتے ہوئے کہا کہ وہ لوگوں کا خیر خواہ ہے اور صرف بھلائی کے راستہ کی طرف رہنمائی کر رہا ہے۔

علمی بات: ا۔ مرد مومن نے کہا کہ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ آج تمہیں حکومت و سلطنت اور ہر طرح کی طاقتیں حاصل ہیں تم زمین پر غالب ہو لیکن اگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا قہر اور عذاب ہم پر ٹوٹ پڑا تو ہمیں اس سے بچانے والا کون ہو گا؟ اس وقت ہماری مدد کون کرے گا؟ مرد مومن کی تقریر کا سلسلہ جاری تھا کہ فرعون نے لوگوں کو اس مرد مومن سے متاثر ہوتے دیکھا تو درمیان میں مداخلت کرتا رہا۔ کہنے لگا کہ یہ مرد مومن جو بات کہہ رہا ہے اس میں تمہاری کوئی بھلائی نہیں ہے اور جو راستہ میں تمہیں دکھا رہا ہوں وہی تمہاری نجات کا ذریعہ ہے۔

۲۔ بے محل مداخلت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ اس مرد مومن کی تقریر بغیر کسی مداخلت کے جاری رہی تو اس سے اس کے بہت سے درباری متاثر ہو جائیں گے اس وجہ سے ہوشیار اور چالاک سیاسی لیڈروں کی طرح اس نے اپنی نیک نیتی، درست رائے اور مصلحت اندیشی کی دھونس جمانے کی کوشش کی جو محض جھوٹ پر مبنی تھی۔

آیت نمبر ۳۰: بندۂ مومن نے فرعون کی بات کو اہمیت نہ دی اور لوگوں کو مزید خبردار کیا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو جھٹلانے کے نتیجہ میں تم لوگوں پر وہی عذاب نہ آجائے جو گزشتہ سرکش قوموں پر آیا تھا۔ اس آیت اور اگلی آیات میں مرد مومن کی طرف سے وعید ذکر کرنے کا بیان ہے۔

علمی بات: مرد مومن نے مزید کھل کر گفتگو شروع کی اور ماضی میں اپنی بداعمالیوں کے باعث تباہ و برباد ہونے والی قوموں کا ذکر شروع کر دیا اور فرمایا ان تباہ ہونے والی قوموں کے حالات سے عبرت پکڑو اور اس غلط روش کو چھوڑ دو۔

آیت نمبر ۳۱: بندۂ مومن نے انہیں خبردار کیا کہ ان لوگوں کا انجام بھی وہ نہ ہو جیسا انجام قوم نوح، قوم عاد اور قومِ ثمود کا اور بعد کی سرکش قوموں کا ہوا۔ حقیقت میں اللہ ﷻ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا بلکہ وہ بندوں کو ان ہی کے جرائم کی سزا دیتا ہے۔

علمی بات: ۱۔ مرد مومن نے فرعون کی مداخلت کی کوئی پرواکیئے بغیر اپنی تقریر جاری رکھی۔ اس نے کہا: کہ اے میری قوم! میں تم لوگوں کو آگاہ کیئے دیتا ہوں کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دکھ، تکلیف پہنچانے کی کوشش کی گئی تو تم پر اسی طرح عذاب آدھمکے گا جس طرح پچھلی قوموں یعنی قومِ نوح، قومِ عاد، قومِ ثمود اور ان کے بعد کی قوموں پر آیا۔ ان قوموں نے اپنے رسولوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو اس کے نتیجہ میں تباہ ہوئیں، اسی طرح تم اگر انہی کی پیروی کرو گے تو تم بھی تباہ ہو کر رہو گے۔

۲۔ بندۂ مومن نے قوم کو یہ بھی بتایا کہ یہ بات بھی یاد رکھو کہ اللہ ﷻ اپنے بندوں پر بڑا ہی رحیم ہے۔ اس وجہ سے کوئی عذاب بھیجنے سے پہلے تم لوگوں کو آگاہ کرنے کے لئے اس نے اپنا رسول بھیج دیا ہے تاکہ جو لوگ توبہ و اصلاح کرنا چاہے وہ توبہ و اصلاح کر لیں۔ اگر اللہ ﷻ کی اس رحمت و عنایت کی قدر کرنے کے بجائے اس کے رسول کو قتل (شہید) کرنے کی کوشش کی گئی تو اللہ ﷻ کی طرف سے تم لوگوں پر حجت تمام ہو گئی اور تم لوگوں نے اپنی شامت خود بلائی۔

۳۔ معلوم ہوا کہ فرعون عاد و ثمود وغیرہ کے بعد ہوا ہے اور یہ قومیں اس کے پاس پڑوس کی قومیں تھیں جن کے حالات اس طرح معلوم و معروف تھے کہ ان کو اس عہد کے لوگوں کے سامنے تذکیر و تنبیہ کے لئے پیش کیا جا سکتا تھا۔

آیت نمبر ۳۲: بندۂ مومن نے مزید کہا کہ ان پر اچانک عذاب آجائے گا جب ایک دوسرے کو پکاریں گے اور چیخ رہے ہوں گے۔ "یَوْمَ التَّنَادِ" سے مراد روز قیامت ہے جب سخت افراتفری اور چیخ و پکار کا عالم ہو گا۔

علمی و عملی بات: نافرمان لوگوں کا یہ حال ہے کہ دنیا میں تھوڑا سا زلزلہ یا کوئی مصیبت آجائے تو خوب شور مچانا شروع کر دیتے ہیں، جب یہ لوگ قیامت کی ہولناکیوں سے دوچار ہوں گے اور زمین انگارے کی طرح تپ رہی ہو گی، سورج کی کرنیں آگ برسا رہی ہوں گی، دوزخ کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے اور فرشتوں نے چاروں طرف سے انہیں گھیر رکھا ہو گا، تو اس وقت ان کے شور و غل کا اور ایک دوسرے کو پکارنے کا کیا عالَم ہو گا؟ اس لئے قیامت کے دن کو "ایک دوسرے کو پکارنے کا دن" کہا گیا۔ ہمیں بھی اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہیے اور اس دن کی تیاری کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔

آیت نمبر ۳۳: قیامت کے دن عذاب سے اگر کوئی پیٹھ پھیر کر بھاگنا بھی چاہے گا تو اللہ ﷻ کی گرفت سے نہیں بچ سکے گا۔ اللہ ﷻ جسے گمراہ کر دے تو اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

علمی بات: پیٹھ پھیر کر بھاگنے سے مراد عذاب کے وقت اُس سے بھاگنے کی ناکام کوشش کرنا ہے۔ اس وقت اللہ ﷻ کی گرفت سے کوئی بچانے والا نہیں ہو گا۔

آیت نمبر ۳۴: حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل حضرت یوسف علیہ السلام بھی اہل مصر میں آئے۔ لیکن یہ لوگ ان کی دعوت اور واضح دلائل کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار کرتے رہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے وصال کے بعد ان لوگوں کو اُن کی قدر ہوئی۔ اُنہوں نے سمجھا کہ اب کوئی رسول نہیں آئیں گے۔ اللہ ﷻ کی وحدانیت، اس کے وعدوں اور وعیدوں پر شک کرنے والے سرکشوں کو اللہ ﷻ یوں ہی گمراہ کرتا ہے۔

علمی بات: اس مردِ مومن نے اُنہیں یوں سمجھایا کہ تمہاری گمراہی اور پھر اس پر ہٹ دھرمی کا حال یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے تمہارے ملک میں حضرت یوسف علیہ السلام آئے جن کے متعلق تم خود مانتے ہو کہ وہ بلند ترین اخلاق کے حامل تھے اور اس بات کا بھی تمہیں اعتراف ہے کہ اُنہوں نے بادشاہِ وقت کے خواب کی صحیح تعبیر دے کر تمہیں سات برس کے اس خوفناک قحط کی تباہ کاریوں سے بچالیا جو ان کے دور میں تم پر آیا تھا اور تمہاری ساری قوم اس بات کی بھی معترف ہے کہ ان کے دور حکومت سے بڑھ کر عدل و انصاف اور خیر و برکت کا زمانہ کبھی مصر کی سرزمین نے نہیں دیکھا، مگر ان کی ساری خوبیاں جانتے اور مانتے ہوئے بھی تم نے ان کے جیتے جی ان پر ایمان نہ لانے دیا اور جب ان کا وصال ہو گیا تو تم نے کہا کہ اب بھلا ایسا آدمی کہاں پیدا ہو سکتا ہے۔ گویا تم ان کی خوبیوں کے معترف ہوئے بھی تو اس طرح کہ بعد کے آنے والے ہر نبی علیہ السلام کا انکار کرنے کے لئے اسے ایک مستقل بہانا بنالیا۔ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ ہدایت بہر حال تمہیں قبول نہیں کرنی ہے۔

عملی پہلو: جو لوگ محض نفس کی خواہشوں کی پیروی میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حدود کو توڑنے والے اور اتباعِ نفس کے جنون میں علم و یقین کے بجائے شک کی راہ اختیار کرنے والے بن جاتے ہیں، اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان کو ان کی پسند کردہ ضلالت ہی کی ڈگر پر ہانک دیتا ہے۔ پھر ان کو کبھی ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔

آیت نمبر ۳۵: بندۂ مومن کی تقریر کے مزید نکات کا ذکر ہے کہ حد سے بڑھنے والے سرکشوں کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی آیات میں بغیر کسی دلیل کے اعتراضات اور بحث کرتے ہیں۔ ان کی یہ صورت حال اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور اہلِ ایمان کے نزدیک بہت بڑی ناراضگی کی بات ہے۔ تکبر اور سرکشی کرنے والے ایسے لوگوں کے دلوں پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ مہر لگا دیتا ہے اور وہ ہدایت کے حصول سے بالکل ہی محروم ہو جاتے ہیں۔

علمی بات: اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے اُن لوگوں کے لئے گمراہی کا فیصلہ ہو جاتا ہے جن میں تین خصلتیں موجود ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اپنی بداعمالیوں میں حد سے گزر جاتے ہیں اور پھر اُنہیں فسق و فجور کی ایسی چاٹ لگ جاتی ہے کہ اصلاحِ اخلاق کی کسی دعوت کو قبول کرنے کے لئے وہ آمادہ نہیں ہوتے۔ دوسرے یہ کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے معاملہ میں ان کا مستقل رویہ شک کا رویہ ہوتا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام ان کے سامنے خواہ کیسے ہی معجزات، دلائل اور نشانیاں لے آئیں، مگر وہ ان کی نبوت میں بھی شک کرتے ہیں اور ان حقائق کو بھی ہمیشہ شک ہی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو توحید اور آخرت کے متعلق اُنہوں نے پیش کیئے ہیں۔ تیسرے یہ کہ وہ کتاب اللہ کی آیات پر معقولیت کے ساتھ غور کرنے کے بجائے کج بحثوں سے ان کا مقابلہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کج بحثیوں کی بنیاد نہ کسی عقلی دلیل پر ہوتی ہے، نہ کسی آسمانی کتاب کی سند پر، بلکہ از اوّل تا آخر صرف ضد اور ہٹ دھرمی ہی ان کی واحد بنیاد ہوتی ہے۔ یہ تین عیوب جب کسی گروہ میں پیدا ہو جاتے ہیں تو پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ اسے گمراہی کے گڑھے میں پھینک دیتا ہے جہاں سے دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں نکال سکتی۔

آیت نمبر ۳۶: بندۂ مومن کے ایمان افروز بیان سے توجہ ہٹانے کے لئے فرعون نے اپنے وزیر ہامان کو ایک بلند محل بنانے کا حکم دیا تاکہ وہ اپنے زعم کے مطابق آسمان کے دروازوں تک پہنچ سکے۔

علمی بات: مردِ مومن کی تقریر سے فرعون کو فکر لاحق ہوئی کہ کہیں اس کے دل سے نکلی ہوئی باتیں عمائدینِ سلطنت کے دلوں میں نہ اُتر جائیں۔ وہ سوچنے لگا کہ ان میں چند آدمی بھی اس کے ہم خیال ہو گئے تو حکومت کے لئے مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ اس نے لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے مکاری اور چالبازی کے طور فوراً یہ ظاہر کرنا چاہا کہ میرے نزدیک ان باتوں کی کوئی اہمیت نہیں۔ گویا اس نے قوم کو فریب دینے کی کوشش کی کہ تم بھی ان باتوں کو ایک کان سے سنو اور دوسرے کان سے نکال دو۔ نہایت بے پروائی کے انداز میں اس نے اپنے نہایت معتمد وزیر ہامان سے کہا کہ میرے لئے ایک بلند و بالا عمارت بناؤ تاکہ میں آسمانوں کے اطراف میں پہنچ کر دیکھوں کہ کیا وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ رب موجود ہے جس کی طرف سے اسے رسول بن کر آنے کا دعویٰ ہے۔

آیت نمبر ۳۷: فرعون نے اپنے زعم میں آسمان کے دروازوں تک جا پہنچنے کا منصوبہ پیش کیا جہاں سے وہ اللہ ﷻ کو دیکھ سکے۔ فرعون بولا: کہ وہ موسیٰ کو نبوت کے معاملہ میں جھوٹا گمان کرتا ہے۔ (معاذ اللہ)۔ اس طرح فرعون کو اپنے بُرے عمل اچھے نظر آتے رہے اور وہ حق کے راستہ سے روک دیا گیا۔ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف جو چال اختیار کی اس کا نتیجہ اسی کے حق میں بہت بُرا نکلا۔

علمی بات: فرعون اس مومن کے منطقی استدلال کا جواب تو نہ دے سکا، البتہ اس نے تمسخر کے طور پر کہہ دیا ہوگا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کا اللہ ﷻ زمین پر تو ہے نہیں، آسمان میں دیکھتا ہوں۔ اس طرح فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی باتوں کا مذاق اڑایا اور اللہ ﷻ کی شان میں گستاخی کی جس سے اس کا تکبر پوری طرح ظاہر ہوگیا۔ یہ خیال کرنا درست معلوم نہیں ہوتا کہ فرعون نے ہامان کو عمارت تعمیر کرنے کا واقعی حکم دیا تھا تا کہ وہ اس پر چڑھ کر موسیٰ علیہ السلام کے رب کو جھانک کر دیکھ لے۔ اس مقصد کے لئے پہاڑوں کی کیا کمی تھی جو عمارت تعمیر کرنے کا وہ حکم دیتا۔ فرعون کے تو ایک ایک لفظ سے طنز ہی کا اظہار ہوتا ہے۔

عملی پہلو: فرعون کا بُرا عمل غلط توجیہات کی وجہ سے اس کی نظر میں اچھا عمل بن گیا۔ انسانی فطرت بُرا عمل کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتی لیکن جب آدمی کسی بات کی غلط توجیہ کرکے بُرائی کے لئے وجہ جواز پیدا کر دیتا ہے تو پھر بُرا عمل اس کی نظر میں اچھا عمل بن جاتا ہے اور وہ شیطان کے فریب میں آجاتا ہے۔ پھر شیطان ایسی رکاوٹیں کھڑی کر دیتا ہے کہ اس کا راہِ راست پر آنا ممکن نہیں رہتا۔

آیت نمبر ۳۸: فرعون کے سازشی منصوبہ کی تردید کرتے ہوئے بندۂ مومن نے قوم کو آگاہ کیا کہ فرعون ان لوگوں کا خیر خواہ نہیں ہے بلکہ میں جس راستہ کی نشاندہی کر رہا ہوں وہی سیدھا راستہ ہے۔ لہٰذا تم اسی راستہ کی پیروی کرو۔

علمی بات: مردِ مومن نے فرعون کی مداخلت کی پرواہ نہیں کی اور اس کی بات کو سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ فرعون نے اس سے پہلے کہا تھا کہ میں تمہیں سیدھی اور صحیح راہ کی طرف رہنمائی کر رہا ہوں۔ اس کے جواب میں مرد مومن نے کہا کہ فرعون جس راہ پر تمہیں چلانا چاہتا ہے وہ ہدایت کی راہ نہیں بلکہ گمراہی کا راستہ ہے۔ اگر تم فرعون کی پیروی کروگے تو وہ تمہیں تباہی کی طرف لے جائے گا۔ لیکن اگر تم صحیح راستہ پر چلنا چاہتے ہو جس میں تمہیں دو عالم کی کامرانیاں نصیب ہوں تو اس کی طرف میں تمہاری رہنمائی کر رہا ہوں، اس لئے میری پیروی کرو۔

آیت نمبر ۳۹: بندۂ مومن کی رقت آمیز نصیحت کا ذکر ہے۔ دنیا کی زندگی عارضی اور یہاں کی لذّتیں وقتی جب کہ آخرت کی نعمتیں بہترین اور دائمی ہیں۔

علمی بات: یوں تو بیان کردہ حقیقت کا مخاطب ہر شخص ہے کیونکہ اکثر لوگ دنیا کی چند روزہ زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں میں یہ بیماری سب سے زیادہ ہوتی ہے اور وہ توجہ دلانے پر بھی اپنے رویہ میں کبھی تبدیلی پیدا نہیں کرتے۔ وہ بادشاہ کے اہل دربار، وزراء مملکت، حاشیہ بردار اور اس کے عمائدینِ سلطنت ہیں۔ وہ علم و دانش کے حامل ہونے کے باوجود زندگی کے مقاصد کے تعین میں سب سے زیادہ کوتاہی کرتے ہیں۔ ان کی زندگی کا ہدفِ چندروز عیش و آرام ہوتا ہے۔ یہ چیز اُنہیں چونکہ حاکم وقت کی ہاں میں ہاں ملانے سے ملتی ہے اس لئے وہ حاکم وقت کو ناراض کرنے یا اس کی کسی بات کی مخالفت کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔ اس لئے بطور خاص ان سے خطاب کرتے ہوئے مردِ مومن نے کہا کہ اصل زندگی وہ ہے جو آخرت میں ملے گی، جس کی کسی نعمت کو کبھی زوال نہیں ہوگا۔ اس کے مقابلہ میں اگر یہ لوگ چند روزہ زندگی کو ترجیح دیتے ہیں تو یہ وہ بھول ہے جس کا کوئی تدارک نہیں ہوسکتا۔

آیت نمبر ۴۰: مومن شخص نے قوم کو آگاہ کیا کہ روز قیامت بُرے کام کرنے والوں کو بُرائی کے برابر ہی بدلہ دیا جائے گا۔ جبکہ اخلاص کے ساتھ نیک اعمال انجام دینے والے خواہ وہ مرد ہوں یا عورت بشرطیکہ وہ مومن بھی ہوں، اُنہیں جنت میں داخل کیا جائے گا۔ جہاں اُنہیں بغیر حساب بے شمار نعمتیں مہیا کی جائیں گی۔

علمی بات: ا۔ مردِ مومن اپنی قوم کو انتہائی فکر مندی اور ہمدردی کے جذبات کے ساتھ احساس دلانے کی کوشش کر رہا ہے کہ جس دنیا کے عہدوں، مال وزر، شان وشوکت، محلات اور مفادات کی خاطر تم لوگ دعوتِ حق سے منہ موڑے ہوئے ہو یہ سب عارضی ہیں۔ آخرت کی زندگی اور اس کا گھر ہمیشہ کے لئے ہے۔ یاد رکھو! جس نے بُرے کام کیئے وہ اس کے مطابق اس کی سزا پائے گا اور جس نے صالح اعمال کیئے وہ اس کی جزا پائے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ ایمان والے ہوں، وہ ضرور جنت میں داخل ہو گا۔ اس میں اسے بے حد وحساب رزق دیا جائے گا۔ مومن نے ایمان کی شرط سے ثابت کیا کہ صالح اعمال کی قبولیت اور جنت میں داخلہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ایمان میں خالص اور اپنے رب کی توحید پر پکا ہو۔

۲۔ یہ دنیا دار العمل ہے کہ اس میں رہ کر انسان جو عمل کرتا ہے آخرت میں اس کی جزا و سزا بطور نتیجہ انسان کو ملے گی جو لوگ گناہ اور بدکاریاں کر کے اللہ ﷻ کی طرف لوٹیں گے ان کو اس کے مطابق سزا ملے گی اور ان پر کسی قسم کی ظلم و زیادتی نہیں ہو گی لیکن جو ایمان لا کر نیکیاں کما کر جائیں گے ان کو ان کی نیکیوں سے کئی گنا زیادہ دیا جائے گا اور وہ جنت میں اپنے اپنے درجات کے مطابق خوش و خرم رہیں گے اور وہ جو چاہیں گے ان کو پیش کیا جائے گا۔

آیت نمبر ۴۱: بندۂ مومن نے مزید کہا کہ وہ اُنہیں نجات اور کامیابی کی راہ دکھا رہا ہے۔ جب کہ اس کی قوم اسے کفر و شرک کی دعوت دے کر جہنم کی طرف لے جا رہی ہے۔

علمی بات: مردِ مومن نے فرعونیوں سے یہ بھی کہا کہ اے میری قوم! میرے ساتھ بھی تم لوگوں کا رویہ عجیب و غریب ہے۔ میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے آگ میں کودنے کی دعوت دیتے ہو۔ میں تو تمہاری خیر خواہی میں سرگرم ہوں اور تم ہو کہ اپنے ساتھ مجھ کو بھی ڈبو دینا چاہتے ہو۔

آیت نمبر ۴۲: قوم توحید کے بجائے اس مردِ مومن کو کفر و شرک کی دعوت دے رہی ہے جس کی تائید کے لئے قوم کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ جب کہ بندۂ مومن اُنہیں اس ذات کی طرف بلا رہا ہے جو زبردست ہے اور جس کے اختیار میں سب کچھ ہے اور جو رجوع کرنے پر گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔

علمی بات: مردِ مومن اپنی قوم کو سمجھا رہا ہے کہ تمہاری کوشش کا حاصل تو یہ ہے کہ میں (معاذ اللہ) خدائے واحد کا انکار کر دوں۔ اس کے پیغمبروں کو اور ان کی باتوں کو نہ مانوں اور نادان جاہلوں کی طرح ان چیزوں کو اللہ ﷻ ماننے لگوں جن کی اُلوہیت کسی دلیل اور علمی اصول سے ثابت نہیں۔ میرا منشا یہ ہے کہ کسی طرح تمہارا سر اس اللہ وحدہٗ لاشریک کی چوکھٹ پر جھکا دوں جو نہایت زبردست بھی ہے اور بہت زیادہ خطاؤں کا معاف فرمانے والا ہے جس کی شان یہ ہے کہ مجرم کو پکڑے تو کوئی چھڑا نہ سکے اور معاف فرمائے تو کوئی روک نہ سکے۔ وہ ہی اس کا مستحق ہے کہ آدمی اس کے آگے ڈر کر اور امید باندھ کر سرِ عبودیت جھکائے۔

آیت نمبر ۴۳: جھوٹے معبودوں کو پکارنے میں دنیا و آخرت کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بلاشبہ سب کو اللہ ﷻ کے پاس لوٹ کر جانا ہے اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ بے شک حد سے گزرنے والے دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔ مسرفین سے ایک مراد وہ لوگ ہیں جو معبودانِ باطلہ کو اللہ ﷻ کے اختیارات و تصرفات میں شریک بناتے ہیں۔

علمی بات: ا۔ بندۂ مومن نے کہا ہے کہ تم لوگ مجھے کفر و شرک کی دعوت دیتے ہو اور اللہ ﷻ کے ساتھ ایسے جھوٹے معبودوں کو شریک بنانے کو کہتے ہو جن کے معبود ہونے کا مجھے علم نہیں ہے۔ میں تمہیں اس اللہ ﷻ کی طرف بلاتا ہوں جو زبردست ہے، اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور جو بڑا معاف کرنے والا ہے۔

۲۔"لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ "(اس (جھوٹے معبود) کے لئے کوئی دعوت نہیں) کے کئی معانی ہو سکتے ہیں اور سب درست ہیں۔ ایک یہ کہ نہ دنیا میں اس جھوٹے معبود کا حق ہے کہ اسے پکارا جائے نہ آخرت میں۔ دوسرا یہ کہ نہ دنیا میں اسے پکارنے کا کوئی فائدہ ہے نہ آخرت میں۔ تیسرا یہ کہ نہ وہ دنیا میں کسی کی دعا قبول کر سکتا ہے نہ آخرت میں۔

۳۔جو شخص اللہ ﷻ کے سوا دوسروں کی خدائی مانتا ہے یا وہ خود خدا بن کر بیٹھا ہے اور خدا سے باغی ہو کر خود مختاری کا رویہ اختیار کرتا ہے۔ جس کے سبب وہ مخلوقِ خدا اور ہر اس چیز پر جس سے اُس کو واسطہ پڑتا ہے، طرح طرح کی زیادتیاں کرتا ہے۔ ایسا شخص درحقیقت عقل و انصاف کی ساری حدیں پار کرنے والا ہے۔

آیت نمبر ۴۴: حق کی طرف بلانے کے سلسلہ میں مومن شخص نے تقریر کا خاتمہ اپنے اس درد بھرے اور انتہائی ناصحانہ اور ہمدردانہ جملہ سے کیا کہ عنقریب ان سب باتوں کی صداقت تم پر واضح ہو جائے گی۔ مومن شخص نے اپنا معاملہ اللہ ﷻ کے حوالہ کرنے کا اعلان کر دیا کیوں کہ وہی اپنے بندوں کا نگران اور محافظ ہے۔

علمی بات: ۱۔اس مردِ مومن نے آخر میں انتہائی دل سوزی سے کہا: آج تو تم میری باتوں کی پرواہ نہیں کر رہے ہو، لیکن جب دنیا میں یا آخرت میں تم پر اللہ ﷻ کا عذاب آئے گا تو تم اس وقت میری باتوں کو یاد کرو گے اور کہو گے کہ واقعی ہمارا بھائی سچ کہتا تھا، مگر اس وقت ان کو یاد کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ یہ اشارہ آخرت کی جزا و سزا کی طرف بھی ہے اور اس عذاب کی طرف بھی جس سے رسول کی تکذیب کی صورت میں انہوں نے اوپر اپنی قوم کو ڈرایا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب عذاب نمودار ہو جائے گا یا آخرت سامنے آن کھڑی ہو گی تو اس وقت یہ باتیں یاد کر کے پچھتائیں گے تو اس وقت یہ پچھتانا بالکل بے سود ہو گا۔ آخری بات یوں کہی کہ میں اللہ ﷻ پر بھروسہ کرتا ہوں اور اپنا معاملہ اللہ ﷻ کے سپرد کرتا ہوں، وہ اپنے بندوں کو اچھی طرح دیکھ رہا ہے۔

۲۔اس آیت میں تفویض الی اللہ یعنی معاملات کو اللہ ﷻ کے سپرد کرنے کا درس عظیم دیا گیا ہے۔ مردِ مومن نے اپنے وعظ و نصیحت کے بعد ان کو مخاطب کر کے کہا: کہ اگر تم اس کلمۂ حق کے سبب سے میرے دشمن بنتے ہو تو "میں اپنا معاملہ اللہ ﷻ ہی کے سپرد کرتا ہوں"۔ وہ اپنے بندوں کا محافظ اور ان کا نگران حال ہے۔ اور وہی سب کی حاجتیں پوری فرماتا، مشکلیں مصیبتیں دور کرتا اور ان کے کام بناتا ہے۔ پس کامل بھروسہ و توکل ہمیشہ اور ہر حال میں اسی وحدہٗ لاشریک پر کرنا چاہیئے۔

۳۔اپنی وعظ و نصیحت کے بعد مومن مرد نے آخری بات یہ کہی کہ آج تم میری بات نہیں مان رہے اور میری باتیں تم پر گراں گزر رہی ہیں۔ عنقریب وہ وقت آئے گا جب تم عذابِ الٰہی سے دوچار ہو جاؤ گے۔ اس وقت تمہیں میری باتیں یاد آئیں گی، لیکن اس وقت کا یاد آنا بے کار ہو گا۔

آیت نمبر ۴۵: فرعونیوں نے بندۂ مومن کے خلاف خفیہ سازشیں کیں۔ لیکن اللہ ﷻ نے اسے فرعونیوں کے شر سے محفوظ رکھا اور بُرے عذاب کے ذریعہ فرعونیوں کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔

علمی و عملی بات: فرعون اس مردِ مومن کی واشگاف الفاظ میں نصیحت پر جتنا بھی غضب ناک ہوا ہو لیکن اللہ ﷻ کی حفاظت کی وجہ سے علی الاعلان اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکا، بلکہ اس نے اور اس کے درباریوں نے اس مردِ مومن کے خلاف کارروائی کے لئے کئی خفیہ منصوبے طے کیئے، مگر اللہ ﷻ نے اسے ان کے بُرے نتائج سے بھی بچا لیا۔ اللہ ﷻ نے یہاں یہ نہیں بتایا کہ کس طرح بچایا۔ شاید اللہ ﷻ کے یہ بات نہ بتانے میں یہ حکمت ہو کہ تم اپنا معاملہ اللہ ﷻ کے سپرد کر دو، پھر یہ اس کا کام ہے کہ وہ تمہیں کس طرح بچاتا ہے۔ اس کے بچانے کے طریقے تمہاری سوچ سے بہت بلند ہیں۔ چنانچہ وہ مردِ مومن تو آلِ فرعون کی سازشوں کے برے نتائج سے بچ کر دنیا اور آخرت میں کامیاب ہو گیا، مگر آلِ فرعون کو دنیا اور آخرت کے دوہرے عذاب نے گھیر لیا۔ دنیا میں وہ سمندر میں غرق ہوئے اور آخرت میں بھی انہیں شدید عذاب سے دوچار ہونا ہے۔

علمی بات: بعض مفسرین کا خیال یہ ہے کہ "ہٗ" ضمیر سے مومن مرد کی طرف اشارہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے فرعون کے انتقام سے بچایا۔ لیکن اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔ کیونکہ اس سے پہلے فرعون نے درباریوں کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق قتل کے منصوبے بنائے تھے، لیکن مومن مرد کی اس وعظ و نصیحت کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بنائے گئے منصوبے پر کوئی عمل نہ ہو سکا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُن کے شر سے محفوظ رکھا۔

آیت نمبر ۴۶: دنیا میں آلِ فرعون کی ہلاکت کے بعد صبح و شام اُنہیں دوزخ کی آگ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اس آیت میں عذابِ برزخ کی طرف اشارہ ہے۔ اس عذاب کے بعد قیامت کے دن اُنہیں سخت ترین عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ آلِ فرعون سے مراد فرعون، اس کی قوم اور اس کے تمام پیروکار ہیں۔

فرمان نبوی ﷺ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ "جب تم میں سے کوئی مر جاتا ہے تو عالم برزخ میں صبح و شام اس کو وہ مقام دکھلایا جاتا ہے جہاں قیامت کے حساب کے بعد اس کو پہنچنا ہے اور یہ مقام دکھلا کر روزانہ اس سے کہا جاتا ہے کہ تجھے آخر کار یہاں پہنچنا ہے۔ اگر یہ شخص اہل جنت میں سے ہے تو اس کا مقام جنت اس کو دکھلایا جائے گا اور اہل جہنم میں سے ہے تو اس کا مقام جہنم اس کو دکھلایا جائے گا"۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

عذابِ قبر کا ثبوت: یہ آیت واضح کرتی ہے کہ آگ ان پر یعنی فرعون اور اس کے آل و خاندان پر صبح و شام پیش کی جاتی ہے اور یہ آگ پر پیش کیا جانے سے قیامت کے دن ہونا مراد نہیں لیا جاسکتا کیوں کہ آگے اس بات کی صراحت ہے اور نہ ہی اس سے دنیا میں آگ پیش کیا جانا مراد لیا جاسکتا ہے کیونکہ دنیا میں ان کے ساتھ ایسا ہونا ثابت نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ آگ پیش کیا جانا موت کے بعد اور قیامت سے قبل ہوگا اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ فرعون اور آل فرعون کے حق میں عذابِ قبر ثابت ہے اور جب ان کے حق میں عذابِ قبر کا برحق ہونا ثابت ہو گیا تو دوسرے کافروں اور نافرمانوں کے حق میں بھی ثابت ہو گیا۔ کیونکہ ان میں اور دوسرے کفار و مشرکین میں فرق کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

آیت نمبر ۴۷: جہنم میں داخل ہونے والے بعض نافرمانوں کا ذکر ہے۔ جو لوگ دنیا میں مجرمین کے پیروکار تھے وہ اپنے سرداروں سے کہیں گے کہ دنیا میں وہ ان کی پیروی کرتے رہے تو کیا وہ ان کے عذاب میں کمی کرا سکتے ہیں؟ بڑا بننے والوں سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کا اپنا حلقۂ اثر ہو اور اس حلقہ میں اس کی بات تسلیم کی جاتی ہو۔

علمی بات: دوزخی لوگ آپس میں جھگڑے بازی کریں گے جو لوگ چھوٹے تھے دنیا میں خوب بڑھ چڑھ کر اپنے بڑوں کی بات مانتے تھے اور ان کے کہنے سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے اور ان کے پیروکاروں سے بحثیں کرتے تھے، ان کی تکذیب کرتے تھے اور دوسروں کو بھی ایمان قبول کرنے سے روکتے تھے، جب قیامت کے دن حاضر ہوں گے تو بڑے چھوٹے سب آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے اور دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو یہی چھوٹے لوگ جو دنیا میں سرداروں اور لیڈروں کے کہنے سے حق اور اہل حق سے دشمنی کرتے تھے اپنے بڑوں سے کہیں گے کہ دنیا میں ہم نے تمہاری بات مانی اب تم یہاں ہمیں کچھ فائدہ پہنچادو۔

آیت نمبر ۴۸: بڑے یعنی مجرم سردار اور لیڈر مایوسی سے جواب دیں گے کہ وہ اپنے آپ کو عذاب سے نہیں بچا سکے تو ان پیروی کرنے والوں کی کیا مدد کریں گے۔ کہیں گے کہ بلاشبہ ہمیں اور تم کو اسی میں رہنا ہے اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے درمیان فیصلہ فرما دیا ہے یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تم بھی یہیں رہو گے اور ہم بھی یہیں رہیں گے۔

علمی بات: گمراہ سردار اور رہنما اپنی پیروی کرنے والوں کو جواب میں کہیں گے کہ اب تو ہم سب ہی دوزخ میں پڑے ہوئے ہیں ایسے میں ہم تمہارا عذاب کیسے دور کر سکتے ہیں۔ اگر ہمیں عذاب دور کرنے کی قدرت ہوتی تو پہلے ہم اپنے اوپر سے عذاب دور کرتے۔ اب تو اللہ ﷻ اہل جنت کے لئے جنت کا اور اہل دوزخ کے لئے دوزخ کا فیصلہ کر چکا ہے۔ اس کے فیصلے کو کوئی نہیں بدل سکتا۔

آیت نمبر۴۹: تمام اہل جہنم، جہنم پر مامور فرشتوں کی طرف رجوع کریں گے۔ وہ ان سے درخواست کریں گے کہ کسی ایک دن تو ان کے عذاب میں کچھ کمی کرنے کی وہ اللہ ﷻ سے سفارش کر دیں۔

علمی بات: اہل دوزخ شدید عذاب سے بے قرار ہو کر جہنم کے کارندوں اور داروغوں سے کہیں گے کہ تم اپنے رب سے اتنی سی درخواست کرو کہ وہ ایک دن ہی ہمارے عذاب میں تخفیف کر دے۔

آیت نمبر۵۰: فرشتے ان سے پوچھیں گے کہ کیا ان کے پاس اللہ ﷻ کے رسول واضح تعلیمات کے ساتھ نہیں آئے تھے؟ اور انہیں ہر طرح کے انجام سے مطلع نہیں کیا تھا؟ اہل جہنم رسولوں کو جھٹلانے کا اقرار کر لیں گے۔ فرشتے کہیں گے کہ پھر وہ خود دعا کر کے دیکھ لیں لیکن کافروں کی پکار بے اثر، بے نتیجہ اور بے کار ثابت ہو گی۔

علمی بات: جہنم کے کارندے ان کے جواب میں کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس اللہ ﷻ کے پیغمبر علیہ السلام دلائل و معجزات اور واضح احکام لے کر نہیں آئے تھے؟ اہل دوزخ کہیں گے کہ بے شک وہ سب کچھ لے کر آئے تھے۔ ہم ہی بدنصیب تھے کہ ان کی تکذیب کرتے رہے۔ اہل دوزخ کا جواب سن کر دوزخ کے فرشتے کہیں گے تو پھر تم خود ہی اپنے رب کو پکارو، ہم نہ تمہاری بات سنیں گے اور نہ چاہیں گے کہ تمہیں جہنم سے نجات مل جائے۔ ہم تمہیں یہ بھی بتا دینا چاہتے ہیں کہ تم پکارو یا نہ پکارو، نتیجہ ایک ہی ہے کہ تم سے عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا، تم اسی طرح جہنم میں جلتے رہو گے۔ اب کوئی سفارش یا خوش آمد کام نہیں دے سکتی۔

آیت نمبر۵۱: رسولوں اور سچے مومن بندوں کے لئے بشارت ہے۔ حق و باطل کی کشمکش میں اللہ ﷻ ان کی دنیا و آخرت میں ضرور مدد فرمائے گا۔ کھڑے ہونے والے دن سے مراد روز آخرت ہے جب انبیاء کرام علیہم السلام اور مومنین کے لئے اللہ ﷻ کی مدد کا خصوصی ظہور ہو گا۔

علمی بات: ۱۔ اللہ ﷻ اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیا والی زندگی میں مدد فرماتا ہے، مدد تو ہوتی ہے بعض مرتبہ دیر لگنے میں بڑی حکمتیں ہوتی ہیں ان ہی حکمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کافروں کو مہلت دی جاتی ہے جو ان کے حق میں مزید ایک ڈھیل ہوتی ہے۔ اس ڈھیل کی وجہ سے اور زیادہ بڑھ چڑھ کر شرارت اور بغاوت کرتے ہیں پھر دنیا میں ان سے انتقام لے لیا جاتا ہے۔

۲۔ "اشہاد" شہید کی جمع ہے جیسے شریف کی جمع اشراف ہے۔ شہید کے معنیٰ "گواہ" ہیں۔ قیامت والے دن فرشتے اور انبیاء علیہم السلام گواہی دیں گے یا فرشتے اس بات کی گواہی دیں گے کہ اے اللہ! پیغمبروں نے تیرا پیغام پہنچا دیا تھا لیکن ان کی امتوں نے ان کو جھٹلایا۔ علاوہ ازیں امتِ محمدیہ اور نبی کریم ﷺ بھی گواہی دیں گے۔ اس لئے قیامت کو گواہوں کے کھڑا ہونے کا دن کہا گیا ہے۔ اس دن اہل ایمان کی مدد کرنے کا مطلب ہے ان کو ان کے اچھے اعمال کی جزا دی جائے گی اور انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا۔

آیت نمبر۵۲: پیغامِ حق کا انکار کرنے والوں کی روز آخرت بڑی رسوائی ہو گی۔ کیونکہ اس دن ان ظالموں کی کوئی معذرت قبول نہ ہو گی اور نہ ہی وہ لعنت اور بُرے انجام سے بچ سکیں گے۔ بُرا گھر یعنی جہنم ان کا ٹھکانا ہے۔

دوسری بات یہ واضح فرمائی کہ قیامت کے دن ظالموں کو ان کی عذر خواہی نفع نہ دے گی وہ دنیا میں بھی مستحق لعنت ہیں اور آخرت میں بھی ملعون ہوں گے۔ اور جو اُنہیں رہنے کا گھر ملے گا وہ بُرا گھر ہو گا یعنی دوزخ میں جائیں گے جو آگ والا گھر ہے۔

آیت نمبر۵۳: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون جیسے ظالم حکمران کے پاس بھیجا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کتاب یعنی تورات نازل فرمائی گئی پھر بنی اسرائیل کو اس کا وارث بنایا گیا تا کہ وہ حق کے علم بردار بنیں۔

علمی بات: ا۔ اس ہدایت سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دنیا میں بہت زیادہ علوم نافعہ عطا فرمائے اور اس سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی اور اس سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو نبوت پر بہت دلائل اور معجزات عطا فرمائے اور اس سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو کتاب ہدایت عطا فرمائی، جو تورات ہے۔

۲۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے مقابلہ میں بھیج کر بس یونہی ان کے حال پر نہیں چھوڑ دیا تھا، بلکہ قدم قدم پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کی رہنمائی فرماتا رہا یہاں تک کی اُنہیں کامیابی کی منزل تک پہنچا دیا۔ اس ارشاد میں ایک لطیف اشارہ اس مضمون کی طرف ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ایسا ہی معاملہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی فرمائیں گے۔ آپ کو بھی مکہ کے شہر اور قریش کے قبیلہ میں نبوت کے لئے مبعوث فرمانے کے بعد ہم نے آپ کے حال پر نہیں چھوڑ دیا ہے کہ یہ ظالم آپ کے ساتھ جو سلوک چاہیں کریں، آپ تسلی رکھیں، ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پشت پنائی اور رہنمائی فرما رہے ہیں۔

آیت نمبر۵۴: تورات میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے ہدایت اور نصیحت تھی۔

علمی بات: ا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی اور ان کے بعد بنی اسرائیل کو تورات کا وارث بنایا مگر تورات سے ہدایت اور نصیحت ان ہی لوگوں نے حاصل کی جو عقل رکھتے تھے۔ اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید کو تمام لوگوں کے لئے سراپا ہدایت بنا کر نازل فرمایا ہے مگر اس سے بھی ہدایت اور نصیحت وہی لوگ حاصل کریں گے جو عقل و فہم اور شعور رکھتے ہوں گے۔

۲۔ وراثت سے مراد یہ ہے کہ جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی تو بنی اسرائیل نے تورات میں مذکور احکامِ شرعیہ اور دیگر سورتوں اور آیتوں کا علم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حاصل کیا، پھر نسل در نسل یہ علم ان میں منتقل ہوتا رہا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے صرف تورات کی وراثت مراد نہ ہو بلکہ وہ تمام کتابیں مراد ہوں جو انبیاءِ بنی اسرائیل علیہم السلام پر نازل ہوئی ہیں یعنی تورات، زبور اور انجیل۔

آیت نمبر۵۵: انبیاء کرام علیہم السلام خطاؤں سے پاک ہوتے ہیں۔ ان کا استغفار کرنا درجات کی بلندی اور اُمّت کی تعلیم کے لئے ہوتا ہے۔ مخالفین حق کے مقابلہ میں صبر اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے استغفار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ نیز صبح و شام اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تسبیح اور حمد و ثناء کرنے کی بھی تلقین کی گئی ہے۔

علمی و عملی بات: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خطاؤں سے پاک بنایا ہے، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے استغفار فرمایا کرتے تھے اور قرآنِ کریم میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی تاکید فرمائی گئی ہے تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت یہ سبق لے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہونے کے باوجود اتنی کثرت سے استغفار کا اہتمام فرماتے ہیں، تو جو لوگ معصوم نہیں ہیں، ان کو تو اور زیادہ استغفار کرنا چاہیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار کرنا اظہار عبودیت اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف احتیاج کو ظاہر کرنے اور اس کی نعمتوں کا کما حقہٗ شکر ادا کرنے کی وجہ سے ہوتا تھا، ہر چند کہ انبیاء کرام علیہم السلام عذاب سے مامون ہیں، لیکن وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے جلال سے ڈرتے اور استغفار کرتے ہیں۔

علمی بات: ۱۔ استغفار کی یہ تعلیم تعمیل ارشاد الٰہی ہے تا کہ حضور ﷺ دعا مانگا کریں اور اس میں حکمت یہ ہے کہ استغفار سے حضور ﷺ کے درجات بلند سے بلند تر ہوتے جائیں گے اور امت کے لئے دعا و استغفار ان کے پیارے رسول خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سنت بن جائے گی۔

۲۔ حمد و تسبیح ہی وہ ذریعہ ہے جس سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لئے کام کرنے والوں کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات کا مقابلہ کرنے کی طاقت حاصل ہوتی ہے۔ صبح و شام حمد و تسبیح کرنے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہر وقت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو یاد کرنا۔ دوسرے یہ کہ ان مخصوص اوقات میں نماز ادا کرنا۔ دوسرے معنٰی لینے کی صورت میں اشارہ نماز کے ان پانچوں اوقات کی طرف ہے جو اس سورت کے نزول کے کچھ مدت بعد تمام اہل ایمان پر فرض کر دیے گئے۔ اس لئے کہ اَلعَشِیّ کا لفظ عربی زبان میں زوال آفتاب سے لے کر رات کے ابتدائی حصہ تک کے لئے بولا جاتا ہے جس میں ظہر سے عشاء تک کی چاروں نمازیں آجاتی ہیں اور اَلاِبْکَار صبح کی پو پھٹنے سے طلوع آفتاب تک کے وقت کو کہتے ہیں جو نماز فجر کا وقت ہے۔

آیت نمبر ۵۶: حق کے دشمنوں کے لئے وعید ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے احکامات پر ان کے اعتراضات بالکل بے بنیاد ہیں۔ حقیقت میں یہ ان کا تکبر ہے جو اُنہیں حق تسلیم کرنے سے روک رہا ہے۔ ان کا مقصد دعوت اور جدوجہد حق کو کمزور کرنا ہے جو ان کو کبھی حاصل نہیں ہوگا۔ منکرین کے شر سے بچنے کے لئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے پناہ طلب کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ منکرین حق کی باتوں کو سن رہا ہے اور ان کی سازشوں کو بھی دیکھ رہا ہے۔

علمی بات: کفار مکہ مراد ہیں کیونکہ وہی روز روز بغیر سند اور بغیر دلیل کے جھگڑا کرتے ہیں اور آیاتِ الٰہی میں شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ ہیں تو بہت چھوٹے مگر اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتے ہیں، ان لوگوں کے دلوں میں صرف غرور اور بڑا بننے کی خواہش ہے حالانکہ یہ خواہش ان کی پوری ہونے والی نہیں۔ وہ جھگڑا اس لئے پیدا کرتے ہیں کہ کسی طرح پیغمبر کی بات کو نیچا کر دیں (معاذ اللہ) اور خود سر بلند ہو جائیں یہ ہونا نہیں یعنی اس خواہش کے پورا ہونے تک پہنچنے والی نہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ ان کی شرارتوں سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی پناہ مانگا کیجئے کیونکہ وہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

آیت نمبر ۵۷: جس ذات نے اتنی عظیم الشان کائنات بنائی ہے اس کے لئے انسان کو دوبارہ پیدا کرنا ہرگز مشکل نہیں ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے لیکن لوگوں کی اکثریت اس بات کو نہیں سمجھتی۔

علمی بات: بعض مفسرین کرام یہ کہتے ہیں کہ اس سے پہلے مشرکین مکہ کا ذکر چلا آتا ہے ان ہی مشرکین مکہ کے متعلق یہ آیت بھی ہے اور معنٰی اس آیت کے یہ ہیں کہ یہ مشرک لوگ حشر کا کیوں انکار کرتے ہیں آسمان و زمین کی پیدائش کو دیکھ کر یہ لوگ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی قدرت کو نہیں پہچانتے کہ جس طرح اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان لوگوں کی عقل اور سمجھ سے باہر آسمان اور زمین کو پیدا کر دیا اسی طرح مرنے کے بعد انسان کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ پھر پیدا کر دے گا۔ جس اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سب مخلوقات کو پیدا کیا اس کے نزدیک بہ نسبت آسمان و زمین کے انسان کا پیدا کرنا ایک ادنیٰ چیز ہے۔

آیت نمبر ۵۸: جس طرح اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں، اسی طرح ایمان لا کر نیک اعمال انجام دینے والا اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا باغی برابر نہیں۔ لیکن لوگ ان حقائق سے بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

علمی بات: جو لوگ آثار قدرت میں غور نہیں کرتے اور اَندھے بنے ہوئے ہیں بھلا وہ ان لوگوں کے برابر کیسے ہو جائیں گے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی قدرت کے آثار پر غائرانہ نظر ڈالا کرتے ہیں۔ جو لوگ ایمان لائے ہوئے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں وہ گناہ گاروں کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں۔ کم لوگ ایسی باتوں سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اگر نیکی اور بدی کا انجام یکساں ہے تو پھر برا آدمی بڑا عقل مند ہے کہ مرنے سے پہلے اپنے دل کے سارے ارمان نکال گیا اور نیک آدمی سخت بے وقوف ہے کہ خواہ مخواہ اپنے اوپر طرح طرح کی اخلاقی پابندیاں عائد کیئے رہا۔

آیت نمبر ۵۹: نیکی اور بدی کے فرق کو ظاہر کرنے کے لئے قیامت ضرور برپا ہوگی۔ جس کے آنے میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس کے باوجود لوگوں کی اکثریت قیامت پر ایمان لانے سے انکار کرتی ہے۔

علمی بات: صالح اور بد عمل، ظالم اور مظلوم کے برابر نہ ہونے کا لازمی تقاضا ہے کہ قیامت کا آنا ناقابل تردید حقیقت ہے۔ یہی وجہ ہے قرآنِ مجید میں تصور آخرت کی سب سے زیادہ تاکید کے ساتھ وضاحت کی گئی ہے۔

آیت نمبر ۶۰: اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی سے دعا کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور دعا کو عبادت قرار دیا گیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ بندوں کی دعاؤں کو اپنی حکمت اور مصلحت کے لحاظ سے قبول فرماتا ہے۔ عبادت کا حاصل ہے "تَذَلُّل" یعنی انتہائی درجہ کی عاجزی ہے جو دُعا میں سب سے زیادہ ظاہر ہوتی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دُعا نہ کرنا تکبر ہے۔ جو سرکش تکبر کی وجہ سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو نہیں پکارتے اُنہیں عنقریب ذلیل کر کے جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔

فکری و عملی بات: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی دُعا سے بندگی کی شان کا اظہار مقصود ہے۔ جب بندہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے کوئی چیز مانگتا ہے تو وہ اسے پسند فرماتا ہے۔ اگر مطلب پورا نہ بھی ہو تو کم از کم اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے رجوع کرنے کا ثواب تو اسے مل ہی جائے گا کیونکہ اس بندہ نے عاجزی کا اظہار تو کیا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ بے بس و مجبور تو نہیں۔ وہ جب چاہے حالات کو بدل سکتا ہے اور ازراہِ لطف و کرم جو مانگے دے سکتا ہے ہمیں کیا خبر کہ اس کی مصلحت کیا ہے؟ لہٰذا مانگنا ہمارا فرض ہے۔ ممکن ہے کہ وہ ہماری دُعا کا مقصد کسی دوسری صورت سے پورا کرے۔ آج نہ کرے کل کر دے۔ ہماری دُعا اس کی بارگاہ میں محفوظ رہتی ہے۔ کسی مومن کو اپنی بارگاہ سے ناکام نہیں جانے دیتا۔ اس لئے مانگنا ہمارا فرض ہے اور ہماری عبدیت کا نشان ہے۔

علمی بات: ا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دُعا قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے لیکن اس کی قبولیت کی چند شرائط ہیں۔ پہلی یہ کہ اُس پر ایمان لاؤ اور سچے دل سے لاؤ۔ صرف زبان سے کہہ دینے کا اعتبار نہیں۔ دوسری یہ کہ اس کا یقین رکھو کہ اُس کا کام مبنی بر حکمت و مصلحت ہوتا ہے۔ تیسری یہ کہ وہ تمہاری وہی دُعا قبول فرماتا ہے جو تمہارے لئے آئندہ مفید ہو۔ تم اپنے مستقبل کا حال نہیں جانتے مگر وہ خوب جانتا ہے۔ چوتھی یہ کہ تمہاری دُعائیں ایسی نہ ہوں جو کسی مومن کو نقصان پہنچانے والی ہوں۔ پانچویں یہ کہ جو دُعا مانگو وہ اُس سے لَو لگا کر مانگو۔ یہ نہیں کہ رسمی طور پر یہ کہے جاؤ کہ اے اللہ! یہ دے دے، وہ دے دے۔ چھٹے اُس نے اپنے بندوں کی دُعا قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے لہٰذا پہلے اپنے کو اُس کا سچا بندہ ہونا تو ثابت کرو۔

۲۔ دعا اور عبادت کو یہاں مترادف الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دعا عبادت اور جان عبادت ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا مانگنا عین تقاضائے بندگی ہے، اور اس سے منہ موڑنے کے معنی یہ ہیں کہ آدمی تکبر میں مبتلا ہے اس لئے اپنے خالق و مالک کے آگے اعتراف عبودیت کرنے سے کتراتا ہے۔

فرامین نبوی ﷺ: ا۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فرمان وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ کے متعلق نبی کریم ﷺ سے نقل کی کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "إِنَّ الدُّعَاءَ هُوَ الْعِبَادَةُ، دعا ہی عبادت ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ۔" (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

۲۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "الدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ، دعا مغزِ عبادت یا اصل عبادت ہے۔" (جامع ترمذی)

۳۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس پر غضبناک ہوتا ہے۔" (جامع ترمذی)

۴۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے نقل کی ہے " ایک مسلمان جب بھی کوئی دعا مانگتا ہے، بشرطیکہ وہ کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ ہو، تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں قبول فرماتا ہے۔ یا تو اس کی وہ دعا اسی دنیا میں قبول کرلی جاتی ہے۔ یا اسے آخرت میں اجر دینے کے لئے محفوظ رکھ لیا جاتا ہے۔ یا اسی درجہ کی کسی آفت کو اس پر آنے سے روک دیا جاتا ہے۔" (مسند احمد)

۵۔ حضرت ابن عمر اور حضرت معاذ بن جبلؓ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: " دعا بہر حال نافع ہے ان بلاؤں کے معاملہ میں بھی جو نازل ہو چکی ہیں اور ان کے معاملہ میں بھی جو نازل نہیں ہوئیں۔ پس اے بندگان اللہ ﷻ! تم ضرور دعا مانگا کرو۔" (جامع ترمذی۔ مسند احمد)

۶۔ حضرت انس ؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: " تم میں سے ہر شخص کو اپنی حاجت اللہ ﷻ سے مانگنی چاہیئے، حتیٰ کہ اگر اس کی جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اللہ ﷻ سے دعا کرے۔" (جامع ترمذی)

آیت نمبر ۶۱: محسن حقیقی یعنی اللہ ﷻ کے بندوں پر احسانات کا ذکر ہے۔ اللہ ﷻ نے انسانوں کے آرام و سکون کے لئے رات بنائی۔ دن کو روشن بنایا تا کہ انسان ضروری سرگرمیاں انجام دے سکیں۔ بلاشبہ اللہ ﷻ کی اپنے بندوں پر بے شمار عنایات ہیں لیکن لوگوں کی اکثریت اس کا شکر ادا نہیں کرتی۔

علمی بات: اللہ ﷻ ہی نے رات دن کا یہ سلسلہ قائم کیا ہے اور یہ تمام نعمتیں عطا فرمائی ہیں، کسی اور کا ان میں ذرہ برابر دخل نہیں، تو حق تو یہ تھا کہ اس کا شکر ادا کرتے، صرف اسی کو اپنا رب مانتے، اسی سے دُعا کرتے اور اس کی آیات اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے، مگر ایسے لوگ بہت کم نکلے۔ اکثر لوگ ان نعمتوں کی قدر نہیں کرتے، بلکہ مالک کے ساتھ شریک بنا کر اس کی ناشکری اور غداری کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہر روز اُنہیں نیند اور بیداری کی صورت میں موت کے بعد زندگی کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ حق یہ تھا کہ اس روزانہ کے موت و حیات کے مشاہدہ کے بعد قیامت کے دن اللہ ﷻ کے تمام مخلوق کو زندہ کرنے کی قدرت پر ایمان رکھتے اور اس دن کے لئے تیاری کرتے، مگر اُنہوں نے اللہ ﷻ کی نعمتوں کا شکر نہیں کیا، بلکہ ناشکری کی اور قیامت کے انکار پر جمے رہے۔

آیت نمبر ۶۲: معبود برحق اللہ ﷻ ہی ہے جو ہر چیز کا خالق ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ مگر ہٹ دھرم لوگ تعصب میں آکر توحید چھوڑ کر نہ جانے کیوں کفر و شرک میں مبتلا ہیں۔

علمی بات: ۱۔ اس آیت میں اللہ ﷻ کی شان اور قدرتوں کا بیان ہے۔ اس کی وحدانیت اور کبریائی پر گلشن ہستی کی ہر کلی شہادت دے رہی ہے۔ وہی ہم سب کا پروردگار ہے۔ ہر چیز کو خلعتِ وجود سے اسی نے نوازا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ پس اس کی عبادت سے روگردانی کر کے اِدھر اُدھر باطل معبودوں کے آستانوں پر مارے مارے پھرنا انتہائی درجہ کی بدبختی، جہالت، گمراہی اور شرک ہے۔

۲۔ تؤفکون " اِفکٌ " سے بنا ہے اس کا جامع مفہوم یہ ہے کہ ایسی چیز سے منہ پھیر لینا جس سے وابستہ رہنا اس پر لازم تھا۔ ایسی سمت سے منہ پھیر لینا جس کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہوتا ہے۔

آیت نمبر ۶۳: ماضی کی قومیں بھی ہٹ دھرمی میں آکر اللہ ﷻ کی نشانیوں کا انکار کرتی رہیں۔

علمی بات: کفار قریش کو خطاب کر کے کہا گیا ہے کہ جس طرح یہ لوگ دلائل و براہین کی کثرت کے باوجود ایمان باللہ اور اس کی وحدانیت کے اقرار سے منہ موڑ کر گمراہ ہو گئے ہیں، اسی طرح ان سے پہلے لوگ بھی گمراہ ہو گئے تھے۔ اُنہوں نے کسی دلیل و برہان کے بغیر محض جہالت و نفسانی خواہش سے غیر اللہ کی پوجا کی اور اللہ ﷻ کی بیان کردہ آیات و براہین کا انکار کر دیا تھا۔

آیت نمبر ۶۴: اللہ ﷻ کی عطا کردہ نعمتوں کی کچھ اقسام کا بیان ہے کہ اللہ ﷻ نے زمین کو انسان کے لئے رہنے کی جگہ بنایا تا کہ انسان آسانی سے رہائش، تجارتی اور دیگر سہولیات حاصل کر سکیں۔ آسمان کو انسان کے لئے مضبوط اور محفوظ چھت کی صورت عطا کی۔ انسان کو بہترین ساخت پر پیدا فرمایا اور اسے پاکیزہ رزق عطا فرمایا۔ بلاشبہ اللہ ﷻ تمام جہانوں کا رب ہے اور اس کی ذات بڑی بابرکت ہے۔

علمی بات: ا۔ اللہ ﷻ نے انسانوں کو پیدا کرنے سے پہلے ان کے لئے اس قدر محفوظ اور پر امن جائے قرار مہیا کی۔ اللہ ﷻ نے انسانوں کو پیدا فرما کر یوں ہی کھلی فضا میں نہیں چھوڑ دیا کہ عالم بالا کی آفات بارش کی طرح برس کر اُنہیں تہس نہس کر دیں، بلکہ زمین کے اوپر ایک نہایت مستحکم سماوی نظام (جو دیکھنے والی آنکھ کو گنبد کی طرح نظر آتا ہے) تعمیر کر دیا جس سے گزر کر کوئی تباہ کن چیز ان تک نہیں پہنچ سکتی، حتیٰ کہ آفاق کی مہلک شعاعیں تک نہیں پہنچ سکتیں، اور اسی وجہ سے وہ لوگ امن و چین کے ساتھ زمین پر جی رہے ہیں۔

۲۔ اللہ ﷻ نے لوگوں کو اس طرح پیدا کیا اُنہیں بہترین جسم، نہایت موزوں اعضاء اور نہایت اعلیٰ درجہ کی جسمانی و ذہنی قوتوں کا ساتھ عطا کیا۔ یہ قدو قامت، یہ ہاتھ اور پاؤں، یہ آنکھ، ناک اور کان، یہ بولتی ہوئی زبان اور یہ بہترین صلاحیتوں کا مخزن دماغ وہ خود بنا کر نہیں لے آئے تھے، نہ ان کے ماں باپ یا پھر دیوی دیوتا میں یہ قدرت تھی کہ اُنہیں بناتا۔ غذا پھر اُس کی قدرت ہے کہ بے حساب خزانے زمین سے پے در پے نکلتے چلے آئیں اور ان کی رسد کا سلسلہ کبھی ٹوٹنے نہ پائے؟ یہ رزق کا انتظام نہ ہوتا اور بس لوگ پیدا کر دیئے جاتے تو سوچیں کہ ان کی زندگی کا کیا رنگ ہوتا۔ کیا یہ اس بات کا صریح ثبوت نہیں ہے کہ ان کا پیدا کرنے والا محض خالق ہی نہیں بلکہ خالق حکیم اور رب رحیم ہے؟

آیت نمبر ۶۵: اللہ ﷻ از خود زندہ ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ لہٰذا اسی کی مکمل اطاعت کرتے ہوئے اسی کو پکارا جائے۔ تمام شکر اور ہر طرح کی تعریف اسی اللہ ﷻ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

علمی بات: ا۔ اَزلی اور اَبدی حیات اس کے سوا کسی کو بھی میسر نہیں۔ اس کے مقابلہ میں جن کو مشرکین پوجتے ہیں۔ وہ زندگی سے محروم مُردے ہیں۔ وہ بت نہ سنتے اور نہ کسی کی مدد کر سکتے ہیں۔ نہ ان کے پکارنے سے کچھ فائدہ ہے اور نہ ان کے چھوڑ دینے سے کچھ نقصان۔ لہٰذا بندوں سے اس بات کا تقاضا ہے کہ وہ بجائے دیوی دیوتاؤں کو پوجنے اور پکارنے کی حماقت کرنے کے اللہ ﷻ ہی کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے صرف ایک اللہ ﷻ کی عبادت کریں۔

۲۔ دین کو خالص کرنے کا مطلب ہے کہ اپنی زندگی کے مجموعی طرزِ عمل کو اللہ ﷻ کے لئے خالص کر دو۔ عبادت، معاشرت، معیشت، تجارت، حکومت، سیاست غرض یہ کہ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہ ہو جس پر کسی اور کا حکم چلے یا اس میں کسی اور کی رہنمائی قبول کی جائے یا کسی کی رضامندی پیش نظر ہو یا کسی کی ناراضگی کا اندیشہ ہو۔

آیت نمبر ۶۶: مشرکین مکہ آپ ﷺ کو مصالحت پر آمادہ ہو جانے کے لئے پیشکشیں کرتے اور دباؤ ڈالتے تھے وہ کہتے کہ ایک معین عرصہ تک وہ باطل معبودوں کی پوجا کریں (معاذ اللہ)۔ پھر وہ بھی اتنے ہی عرصہ تک اللہ ﷻ کی عبادت کریں گے۔ واضح کر دیا گیا کہ اللہ ﷻ کے سوا کسی کی بھی عبادت نہیں۔ نبی کریم ﷺ کے ذریعہ توحید کے واضح دلائل پیش کر دیئے گئے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے اعلان کیا گیا ہے کہ وہ اللہ ﷻ ہی کے فرماں بردار ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

علمی بات: دلیل کے بغیر نہ کوئی بات مانی جاتی ہے، نہ رد ہو سکتی ہے اور دلیل آنے کے بعد وہ بات ترک نہیں ہو سکتی۔ آپ ﷺ کے ذریعہ یہ بات سمجھائی جا رہی ہے کہ غیر اللہ کی پرستش کو میں نے کسی ذاتی مفاد اور دنیوی مصلحت کی بنا پر مسترد نہیں کیا بلکہ مجھے اس سے وحی الٰہی نے روکا ہے، فطرت نے روکا ہے، قطعی دلائل نے روکا ہے۔ چنانچہ ان سب دلائل کا مصدر اور سرچشمہ میرا ربُّ العالمین ہے۔ لہٰذا غیر اللہ کی پوجا سے روگردانی اور ربُّ العالمین کا تابع فرمان رہنا ان بَیِّنَات کی بنا پر ہے جو میرے رب کی طرف سے مجھے عطا ہوئی ہیں۔

آیت نمبر ۶۷: انسان کی تخلیق کے مختلف اَدوار کا بیان ہے۔ اللہ ﷻ نے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا۔ ان کے بعد انسانوں کی پیدائش کا سلسلہ نطفہ سے قائم رکھا۔ نطفہ کو ایک جمے ہوئے خون کی صورت دی جاتی ہے۔ پھر اسے بچہ کی صورت میں دنیا میں لایا جاتا ہے۔ یہ بچہ رفتہ رفتہ جوانی اور پھر بڑھاپے کو پہنچ جاتا ہے۔ کچھ انسانوں کو درمیان عمر میں ہی وفات دے دی جاتی ہے۔ دنیا میں ہر انسان اپنی مقرر کردہ مدت پوری کرتا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ عقل سے کام لے کر اس بات کو سمجھے کہ جو ذات یہ سب کرنے پر قادر ہے، اس کے لئے انسان کو دوبارہ اٹھانا کوئی مشکل نہیں۔

علمی بات: انسان کی تخلیق مٹی سے ہونے کی دو توجیہات ہیں۔ ایک توجیہ یہ ہے کہ تمام انسانوں کے والد حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیئے گئے تھے، پھر تمام انسان ان کی اولاد ہیں، اس لئے بالواسطہ تمام انسانوں کی اصل مٹی ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ انسان کے جسم میں بننے والا نطفہ دراصل مٹی سے کشید کیا ہوا جوہر ہے۔ اس لئے کہ انسان کی خوراک تو مٹی ہی سے حاصل ہوتی ہے اور اس خوراک میں مٹی کے جوہر کشید ہو کر انسانی جسم میں جاتے ہیں اور اس سے نطفہ بنتا ہے جس سے بالآخر بچہ کی تخلیق ہوتی ہے۔ (سورۃ المومنون، آیت: 12)

آیت نمبر ۶۸: اللہ ﷻ ہی زندہ کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ اس کی قدرت کا حال تو یہ ہے کہ اس کے لفظ "کُن" سے ہر وہ چیز وجود میں آجاتی ہے جس کا وہ ارادہ کرے۔

علمی بات: ۱۔ اللہ ﷻ کو پہلی مرتبہ یا دوبارہ کوئی چھوٹی یا بڑی چیز بنانے میں، یا کسی کو مارنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے اور قیامت برپا کرنے میں کیا مشکل ہو سکتی ہے؟ وہ جب چاہتا ہے جس کو پیدا فرمانا چاہتا ہے اس کو پیدا فرما دیتا ہے، تو پھر اس کے لئے انسان کے مرنے کے بعد اُسے دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ وہ تو جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو بس "کُن" (ہوجا) کہتا ہے تو وہ کام ہو جاتا ہے۔ وہ اسباب کا محتاج نہیں، بلکہ اسباب اس کے حکم سے وجود میں آتے ہیں۔

۲۔ توحید اور آخرت کو ثابت کرنے کے لئے اپنی نعمتوں اور قدرتوں کے تذکرہ سے بھرپور آیات کے اس سلسلہ کو اس آیت پر ختم فرمایا! کہ موت و حیات مکمل طور پر اس کے ہاتھ میں ہے، کسی دوسرے کا اس میں کچھ دخل نہیں۔

۳۔ مقصد یہ ہے کہ تمام انسانوں کی دوبارہ پیدائش بھی فقط اللہ ﷻ کے ارادے کے بعد امر کُن کی محتاج ہے۔ ادھر اللہ ﷻ ارادہ فرمائے گا تو فوراً تمام انسان زندہ ہو کر اللہ ﷻ کے سامنے حاضر ہو جائیں گے۔ (سورۂ یٰس، آیت: 82)

آیت نمبر ۶۹: اللہ ﷻ کے احکامات اور نشانیوں کے حوالہ سے بحث کرنے والے اپنے مفادات کی خاطر حق کو نہیں مانتے۔

علمی بات: یہ منکرین اور مُکذِّبِین بھی عجیب تھے، جو اللہ ﷻ کی آیات کا اور قرآنی دلائل کا رد کرنے کے لئے بے جا حجت بازی سے کام لیتے تھے، جب کہ یہ آیتیں اللہ ﷻ کی توحید اور آپ ﷺ کی رسالت کے ثبوت میں بالکل واضح ہیں۔ اگر انصاف سے ان آیات کو پڑھا جائے اور ان پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور و فکر کیا جائے، تو انسان کے لئے اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے بغیر کوئی چارہ کار نہیں رہتا مگر ان ٹھوس اور قطعی دلیلوں کے باوجود وہ ہدایت قبول نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ ﷻ کی آیات میں جھگڑنا ان کی فطرت بن گئی ہے۔

آیت نمبر ۷۰: یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ ﷻ کی کتاب، اس کے رسولوں اور اس کی نشانیوں کو جھٹلایا۔ لہٰذا عنقریب اُنہیں اس انکار کا انجام معلوم ہو جائے گا۔

علمی بات: منکرین و مُکذِّبین کے انجام کی ہولناکی کے اظہار کے لئے ارشاد فرمایا گیا کہ عنقریب یہ لوگ اپنے کیئے کرائے کے انجام کو خود ہی دیکھ لیں گے۔ یہ سخت وعید ہے ایسے لوگوں کے لئے کہ جو لوگ ان حقائق کو اس وقت نہیں مانتے کل قیامت میں جب اس کا نتیجہ عملی طور پر ان کے سامنے آئے گا تو ان کو سب کچھ خود معلوم ہو جائے گا۔ اور یہ لوگ اس وقت چیخ چیخ کر ان کے ماننے کا اعلان و اظہار کریں گے۔ مگر اس وقت کے ماننے اور افسوس کرنے کا ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

آیت نمبر ۷۱: منکرین حق کی گردنوں میں طوق اور زنجیروں کو ڈال کر گھسیٹا جائے گا۔

علمی بات: تکذیبِ رُسل اور تکذیبِ کتاب کا نتیجہ یہ ہو گا کہ آخرت میں ان کی گردنوں میں طوق ڈالے جائیں گے اور جسم کے مختلف حصّے زنجیروں میں جکڑے جائیں گے۔ پھر جب وہ پیاس کی شدت سے مجبور ہو کر پانی مانگیں گے تو جہنم کے کارکن ان کو زنجیروں سے پکڑ کر گھسیٹیں گے۔

آیت نمبر ۷۲: منکرین حق کو کھولتے ہوئے پانی میں گھسیٹا اور پھر آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

علمی بات: ۱۔ ان منکروں اور جھٹلانے والوں کے لئے مزید عذاب کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ عذاب کے فرشتے ان کو چشموں پر لے جائیں گے جن سے کھولتا ہوا پانی نکل رہا ہو گا۔ جب وہ پانی پی چکیں گے تو پھر وہ جہنم کی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔

۲۔ زنجیریں ان کے طوقوں سے بندھی ہوں گی۔ اور فرشتے ان سے پکڑ کر ان کو کبھی وہاں کے اس کھولتے پانی میں اور کبھی اس دہکتی آگ میں منہ کے بل گھسیٹ رہے ہوں گے جو انتہائی ہولناک ہو گی۔

آیت نمبر ۷۳: روزِ قیامت مشرکین سے ان کے خود ساختہ معبودوں کے متعلق پوچھا جائے گا۔

علمی بات: ایک طرف تو ان کو عذاب میں گرفتار کیا جا رہا ہو گا اور دوسری طرف ان سے سوال کیا جائے گا کہ دوزخ میں اس طرح اذیّت دیئے جانے والو! تم نے تو اللہ ﷻ کے اس عذاب سے بچنے کے لئے بہت سے جھوٹے معبود اختیار کر رکھے تھے لیکن اس کے باوجود تم کو دوزخ میں گرایا جا رہا ہے اور عذاب پر عذاب میں مبتلا کیا جا رہا ہے وہ کہاں ہیں جن کو اللہ ﷻ کے علاوہ تم نے اپنے سفارشی اور شریک بنا رکھا تھا؟ بلاشبہ وہ اس وقت بدحواسی کے عالم میں ہوں گے لیکن خوب سمجھتے ہوں گے کہ ہم سے کیا پوچھا جا رہا ہے۔

آیت نمبر ۷۴: مشرکین خود ساختہ معبودوں کو اللہ ﷻ کا شریک ٹھہراتے تھے۔ وہ بدحواسی میں پہلے کہیں گے کہ اُنہیں اپنے خود ساختہ معبود نظر نہیں آرہے۔ پھر کہیں گے کہ دنیا میں وہ اللہ ﷻ کے سوا کسی کو نہیں پکارتے تھے۔ گویا جھوٹ بولیں گے۔

علمی بات: اس وقت ان منکروں کی پشیمانی کی انتہا ہو جائے گی وہ کہیں گے کہ آج تو وہ بت کہیں نظر ہی نہیں آتے، ہم سے چھپ گئے نظر نہیں آتے۔ یا جب کام نہیں آتے تو ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ پھر گھبرا کر مکر جائیں گے۔ اور کہیں گے نہیں ہم تو اس سے پہلے کسی شے کو پکارتے ہی نہ تھے۔ کسی غیر کی عبادت ہی نہ کرتے تھے۔ یہ لوگ جھوٹ کے عادی رہے اس وقت بھی جھوٹ ہی بولیں گے اس طرح اللہ ﷻ منکروں کے لئے گمراہی کا فیصلہ کر دیتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ منکرین و مشرکین کبھی کچھ کہیں گے اور کبھی کچھ بہکی باتیں کریں گے۔ یہی اللہ ﷻ کا گمراہ رکھنا ہے یعنی دنیا میں راہ حق سے گمراہ رہے اور آخرت میں صحیح جواب نہ دے سکے۔

آیت نمبر ۷۵: مشرکین سے کہا جائے گا کہ یہ عذاب اس بات کی سزا ہے کہ وہ دنیا میں حق کا انکار کرتے رہے ہیں۔ وہ انکار حق پر خوش ہوتے اور اِتراتے تھے اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان سے بازپرس نہیں ہو گی جب کہ ایسا ہرگز نہیں تھا۔

علمی بات: "تَفۡرَحُوۡن" کا لفظ فرح سے بنا ہے جس کے معنٰی ہیں خوش ہونا اور مسرور ہونا۔ اور تَمۡرَحُوۡن، مرح سے بنا ہے جس کے معنٰی ہیں اِترانا اور مال و دولت پر فخر و غرور میں مبتلا ہو کر دوسروں کے حقوق میں زیادتی اور حق تلفی کرنا۔ مشرکین کی یہ گمراہی اس بات کا نتیجہ ہے کہ وہ کفر و تکذیب اور فسق و فجور میں اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ ان معبودوں پر خوش ہوتے اور اتراتے تھے۔ اترانے میں مزید خوشی کا اظہار ہے جس سے تکبر لازم آتا ہے۔

آیت نمبر ۷۶: مشرکین کے شرک اور تکبر کے انجام میں اُنہیں جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جانے کا حکم ہو گا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ تکبر کرنے والوں کا انجام بہت ہی بُرا ہے۔

علمی بات: مشرکین کے انجام کا ذکر ہے جنہوں نے باطل کو قبول کیا اور حق کو چھوڑ کر تکبر میں رہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی اور یقین دلایا کہ سرکشوں اور مشرک متکبروں کا یقیناً بہت برُا ٹھکانا ہے۔ قبول حق سے انکار کی سب سے بڑی وجہ تکبر ہوتی ہے۔ نیز دوزخ میں سب سے زیادہ متکبر لوگ جائیں گے۔

فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: حضرت حارثہ بن وہب خزاعی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کیا میں تمہیں اہل جنت کی خبر نہ دوں؟ وہ ایسے کمزور اور گمنام لوگ ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری کر دے اور کیا میں تمہیں اہل دوزخ کے متعلق نہ بتاؤں۔ ہر اکھڑ مزاج، بد خلق اور متکبر دوزخی ہوتا ہے۔" (صحیح بخاری)

آیت نمبر ۷۷: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین مکہ کی ہٹ دھرمی پر صبر کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مشرکین پر عذاب بھیجے جانے کا وعدہ برحق ہے۔

علمی بات: ۱۔ یہ کفار مکہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ستا رہے ہیں اور اسلام کی راہ روکنا چاہتے ہیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کے عذاب کا وعدہ پورا ہونا ہی ہے۔ ان مشرکین پر عذاب کی تین صورتیں ہیں: پہلی یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں ان مشرکین پر عذاب کا کچھ حصّہ آ جائے۔ جیسا کہ جنگ بدر، جنگ احزاب اور فتح مکہ کے وقت کافروں کی رُسوائی ہوئی۔ دوسری یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ان پر عذاب کا کچھ حصّہ آئے۔ اس سے مراد وہ جنگیں ہیں جو حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے مرتدین، ملحدین اور کافروں سے لڑیں اور اسلام کا پوری طرح بول بالا ہوا۔ کافروں اور کفر کو شکست ہوئی اور وہ ذلت ورُسوائی سے دوچار ہوئے۔ تیسری اور حتمی صورت یہ ہے کہ وہ دنیا میں سزا پائیں یا نہ پائیں لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ہرگز نہیں بچ سکتے۔ کیوں کہ بالآخر اُنہیں اللہ تعالیٰ ہی کے پاس لوٹنا ہے جہاں ان کے جرائم کی اُنہیں پوری پوری سزا دی جائے گی۔

۲۔ اگر کافروں اور نافرمانوں پر عذاب کا کچھ حصّہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آجائے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دُنیا سے رحلت فرمانے کے بعد آئے یا دُنیا میں چھوٹ دے کر آخرت میں پکڑا جائے بہر حال عذاب نے آ کر رہنا ہے اور انہیں اپنی بد اعمالیوں کا نتیجہ بہر حال بھگتنا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کسی بھی طرح نہیں بچ سکتے ہیں۔ ان سب نے آخر کار پلٹ کر اللہ تعالیٰ ہی کے پاس آنا ہے۔

آیت نمبر ۷۸: مخالفین حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی مرضی کے معجزات دکھانے کا مطالبہ کرتے تھے۔ ان کے مطالبہ کا جواب دیا جا رہا ہے کہ ماضی میں اللہ تعالیٰ نے کئی رسول علیہم السلام بھیجے جن میں سے کچھ کا ذکر قرآنِ حکیم میں کیا گیا اور کچھ کا نہیں۔ کسی رسول علیہ السلام کو یہ اختیار نہیں تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اِذن کے بغیر کوئی معجزہ پیش کر سکے۔ البتہ جب کسی قوم کے لئے رسول علیہ السلام کو معجزہ عطا کیا گیا اور اس کے باوجود وہ قوم ایمان نہیں لائی تو پھر ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا۔ پھر منصفانہ فیصلہ فرما دیا گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے رسول کامیاب ہو گئے اور باطل پرست تباہ و برباد کر دیئے گئے۔

علمی بات: آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کتنے ہی رسول علیہم السلام بھیجے گئے جن میں سے بعض کا ذکر نام بنام قرآنِ کریم میں کیا گیا اور اکثر کا ذکر چھوڑ دیا گیا اور مجمل طور پر ان کا نام لیا گیا۔ پھر جن رسولوں کا نام لیا گیا ان کی قوموں کا تذکرہ بھی کیا گیا اور ان کا رویہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا اور پھر ان سب کے انجام سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم باخبر ہیں۔ رسولوں کو جھٹلانے والوں کی عام روش یہی رہی ہے کہ جب ان کے رسول علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا تو قوم نے رسول علیہ السلام کی تکذیب شروع کر دی اور روز بروز ایک نیا مطالبہ طلب کرنا شروع کر دیا۔

علمی و عملی بات: اللہ تعالیٰ کے عذاب کو امر اللہ۔ "اللہ کے حکم" سے تعبیر فرمایا گیا ہے جس میں یہ درس ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے لئے کسی تیاری کی ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ اسباب و وسائل کا محتاج نہیں۔ بلکہ وہاں پر محض اس کے حکم وارشاد کی دیر ہوتی ہے۔ جونہی حکم ہوا کام ہو گیا۔

آیت نمبر ۷۹: اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں میں سے چوپایوں کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی سہولت کے لئے چوپائے تخلیق کیئے جن کے کئی فوائد ہیں: مثلاً بعض چوپائے سواری کے کام آتے ہیں جبکہ بعض سے انسان گوشت حاصل کرتا ہے۔

علمی بات: اللہ ﷻ ہی نے انسانوں کے نفع کے لئے چوپائے پیدا کئے۔ اس پیدائش میں کسی مخلوق کا کچھ دخل نہیں۔ ان میں سے بعض پر تو لوگ سوار ہو کر دور دراز کا سفر کرتے، ان سے بار برداری کا کام لیتے اور بعض کے گوشت کو کھاتے ہیں۔ جیسے اُونٹ سے سواری کا کام بھی لیا جاتا ہے اور اس کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے اور دودھ پیا جاتا ہے اسی طرح گائے اور بکری وغیرہ کا گوشت کھاتے ہیں اور دودھ پیتے ہیں۔

آیت نمبر ۸۰: چوپایوں میں دیگر فوائد بھی رکھے گئے ہیں۔ چوپائے بھاری بھر اشیاء دور دراز کے علاقوں اور بلند پہاڑی مقامات تک پہنچاتے ہیں۔ جس طرح چوپائے خشکی کے لئے سواری ہیں اسی طرح کشتیاں بحری سفر کے لئے سواری ہیں۔ یہ سب اللہ ﷻ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔

علمی بات: بتایا گیا ہے کہ ان چوپایوں میں تمہارے لئے فائدے ہیں۔ ان سے دودھ، ان کی کھالوں سے قیمتی اثاثہ جات، ان کے اون سے گرم لباس، ان کی چربی سے گھی اور ان کی کھاد سے زراعت میں فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ اللہ ﷻ نے ان جانوروں کو اس طرح تمہارے تابع کر دیا کہ تم ان پر سوار ہو کر اپنے اس مقصد تک پہنچ جاؤ جو تمہارے دلوں میں ہے خواہ وہ مقصد ملاقات ہو یا تجارتی سفر یا تعلیم و تعلم یا جہاد اور حج کے لئے سفر ہو۔ یہی نہیں کہ تم ان چوپایوں پر سفر کرتے ہو بلکہ تم تو کشتیوں پر بھی لدے پھرتے ہو۔

آیت نمبر ۸۱: اللہ ﷻ انسان کو ہر طرح کی نشانیاں دکھاتا رہتا ہے جو اس کی قدرت اور وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس کی نشانیاں اتنی واضح اور عام ہیں جن کا انکار ممکن نہیں سوائے ان کے جو ہٹ دھرمی پر اتر آئیں اور انکار کریں۔

علمی بات: اللہ ﷻ کے وجود، اس کی توحید اور اس کی قدرت کی نشانیاں صرف آسمانوں اور زمینوں میں بکھری ہوئی نہیں ہیں بلکہ لوگوں کے وجود میں بھی نشانیاں سمٹی ہوئی ہیں، اس سے بڑھ کر منکر کون ہو گا جو ان چمکتی ہوئی واضح نشانیوں کا انکار کرے گا۔

آیت نمبر ۸۲: گزشتہ سرکش قوموں کے حالات بیان فرما کر کفار مکہ کو ان سے عبرت حاصل کرنے کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اُنہیں چاہیئے کہ وہ زمین میں چل پھر کر اللہ ﷻ کی نافرمانی اور رسولوں کی تکذیب کرنے والی قوموں کا انجام دیکھیں۔ وہ ان سے تعداد، افرادی قوت اور مال و اسباب میں بہت آگے تھے۔ نیز زمین میں اثرات چھوڑنے کے اعتبار سے بھی انتہائی نمایاں تھے۔ لیکن جب ان پر اللہ ﷻ کا عذاب آیا تو یہ سب کچھ ان کے کچھ کام نہ آیا اور وہ تباہ و برباد ہو گئے۔

علمی بات: کفار مکہ کو عبرت حاصل کرنے کی نصیحت کی گئی ہے یعنی جب کفار مکہ سفر کرتے ہیں اور مکہ مکرمہ سے شام یا یمن کی طرف جاتے ہیں تو وہ پچھلی اُمتوں مثلاً عاد اور ثمود کی بربادی کے آثار اور ان کے کھنڈرات وغیرہ دیکھتے ہیں تو کیا وہ اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے؟ ان لوگوں کے پاس بہت مال تھا، ان کی اولاد بھی بہت زیادہ تھی، بڑے بڑے لشکر تھے اور بلند و بالا عمارتیں تھیں لیکن جب ان کے کفر، شرک اور رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ان پر عذاب آیا تو ان میں سے کوئی چیز ان کو اللہ ﷻ کے عذاب سے نہ بچا سکی۔

آیت نمبر ۸۳: ماضی کے سرکش لوگوں کے پاس ان کے رسول علیہ السلام علم و ہدایت لے کر آئے تو اُنہوں نے اپنے علوم و فنون کو بہتر سمجھتے ہوئے علم ہدایت کا انکار کیا۔ علم و فن سے مراد ان کے خود ساختہ توہمات، شبہات اور باطل دعوے ہیں یا مراد دنیوی باتوں اور اسباب کا علم ہے۔ پھر وہ اس عذاب کی گرفت میں آگئے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔

یہ لوگ دنیا کی ظاہری زندگی اور اس کے منافع حاصل کرنے کو تو کچھ جانتے سمجھتے ہیں، مگر آخرت جہاں ہمیشہ رہنا ہے اور جہاں کی راحت و سکون دائمی ہے اس سے بالکل جاہل و غافل ہیں۔ اس آیت میں بھی اگر یہی علم ظاہر دنیا کا مراد لیا جائے تو مطلب یہ ہو گا کہ یہ لوگ چونکہ قیامت اور آخرت کے منکر اور وہاں کی راحت و سکون سے جاہل و غافل ہیں۔ اس لئے اپنے اسی ظاہری ہُنر پر خوش اور مگن ہو کر انبیاء کرام علیہم السلام کے علوم کی طرف توجہ نہیں دیتے۔

علمی بات: کفار و مشرکین اپنی شاندار معاش اور مادی ترقیات کا جو علم ان کے پاس تھا اور جن غلط عقیدوں پر دل جمائے ہوئے تھے اسی پر اِتراتے رہے۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کے علوم وہدایت کو حقیر سمجھ کر مذاق اڑاتے رہے۔ (معاذ اللہ) آخر ایک وقت آیا جب ان کو اپنی ہنسی مذاق کی حقیقت کھلی اور ان کا استہزا و تمسخر خود ان ہی پر اُلٹ پڑا۔

آیت نمبر ۸۴: عذاب کے آثار دیکھ کر سرکش لوگ اپنے جرائم کا اقرار کرنے لگے اور خالص توحید کو قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

علمی بات: جب ان لوگوں پر عذاب آیا تو اپنے بتوں اور دیوی دیوتاؤں کو بھول گئے تو کہنے لگے کہ ہم اللہ وحدہٗ لا شریک پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ ﷻ کے سوا ہم نے جن کی عبادت کی اور اُنہیں عبادتِ الٰہیہ میں شریک کیا آج ہم اس کے منکر ہوتے ہیں لیکن جب اُنہوں نے عذاب دیکھ لیا تو ایمان کی باتیں کرنے سے اُنہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ ایمان اس وقت نافع ہوتا ہے جب عذاب آنے سے پہلے ایمان قبول کر لیا جائے۔

آیت نمبر ۸۵: جب اصلاح کا وقت گزر جائے تو عذاب کو دیکھ کر ایمان کا اقرار اللہ ﷻ کے نزدیک قابل قبول نہیں۔ لہٰذا ان کافروں کا ایسا ایمان لانا اُنہیں فائدہ نہیں پہنچا سکا۔ یہ اللہ ﷻ کا طریقہ ہے جو ہمیشہ سے چلا آرہا ہے۔ ایسے مواقع پر کافر ہمیشہ خسارہ میں ہی رہے۔

علمی بات: یہ اللہ ﷻ کا اس کے بندوں میں قدیم دستور ہے اور اس وقت کافر بہت نقصان میں رہے یعنی وہ اس وقت میں ایمان نہیں لائے جس وقت میں اُنہیں ایمان لانے کا حکم دیا گیا تھا اور ان سے پہلی اُمتوں میں اللہ ﷻ کا یہ دستور رہا ہے کہ جب کوئی قوم اللہ ﷻ کا عذاب دیکھ کر اس پر ایمان لاتی ہے تو اللہ ﷻ اس ایمان کو قبول نہیں فرماتا۔ اللہ ﷻ کے نزدیک ایمان وہ معتبر ہے جو ایمان بالغیب ہو۔ موت کے وقت کافر کو عذاب کے فرشتے دکھائی دیتے ہیں۔ تو جو کافر عذاب کے فرشتوں کو دیکھ کر ایمان لاتا ہے اس کا ایمان قبول نہیں کیا جاتا۔ جیسا کہ فرعون کے ساتھ ہوا کہ جب اس نے موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو پکار اٹھا کہ میں ایمان لے آیا کہ اس اللہ ﷻ کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل کے لوگ ایمان لے آئے ہیں۔ تو اللہ ﷻ نے اس کی توبہ قبول نہیں کی اور کہا کہ اب کوئی فائدہ نہیں ہو گا، کیونکہ تم اب تک نافرمان رہے ہو اور زمین میں فساد پھیلاتے رہے ہو۔

عملی پہلو: توبہ اور ایمان بس اسی وقت تک نافع ہیں جب تک آدمی اللہ ﷻ کے عذاب یا موت کی گرفت میں نہ آجائے۔ عذاب آجانے یا موت کے آثار شروع ہو جانے کے بعد ایمان لانا یا توبہ کرنا اللہ ﷻ کے ہاں مقبول نہیں ہے۔

مشقوں کے جوابات

سوال ۱: خالی جگہیں پُر کریں:

(۱) آیت: ۱۹ میں ذکر ہے کہ اللہ ﷻ آنکھوں کی خیانت کو بھی جانتا ہے اور اسے بھی جو کچھ سینوں میں پوشیدہ ہے۔

(۲) آیت: ۴۶ میں ذکر ہے کہ آلِ فرعون کو صبح اور شام آگ کا عذاب دیا جاتا ہے۔

(۳) آیت: ۴۹ کے مطابق جہنم والے جہنّم کے داروغہ سے اللہ ﷻ سے دُعا کرنے کی التجا کا کہیں گے۔

(۴) آیت: ۵۸ کے مطابق اللہ ﷻ نے گناہ گار شخص کو اندھے سے تشبیہ دی ہے۔

(۵) آیت: ۶۰ کے مطابق اللہ ﷻ سے دُعا نہ کرنے والے تکبر کرنے والے ہیں اور اُن کا ٹھکانا جہنّم میں ہو گا۔

سوال ۲: مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجیے:

۱- پہلے رکوع کے آغاز میں ذکر ہونے والی اللہ ﷻ کی صفات کا دُعا سے تعلق بیان کریں۔

اللہ ﷻ کی عبادت کا ایک اہم تقاضا یہ ہے کہ دُعا صرف اللہ ﷻ سے کی جائے۔ حدیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا "دُعا ہی عبادت ہے"۔ (جامع ترمذی) ہمیں اپنے ہر معاملہ میں اللہ ﷻ سے دُعا مانگنی چاہیئے کیونکہ اللہ ﷻ ہی کُل نفع و نقصان کا مالک اور صاحبِ قدرت و اختیار ہے۔ اس سورت کے آغاز میں صفات باری تعالیٰ کا بیان ہے کہ اللہ ﷻ گناہ معاف فرمانے والا اور توبہ قبول فرمانے والا سخت سزا دینے والا بڑے فضل والا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی کی طرف واپس جانا ہے۔ پھر اہل ایمان کے لئے فرشتوں کی دُعاؤں کا ذکر ہے۔

۲- پہلے رکوع میں بیان کی گئی فرشتوں کی اہل ایمان کے حق میں دُعائیں تحریر کریں۔

اے ہمارے رب! تو نے اپنی رحمت اور اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ فرمایا ہوا ہے پس ان لوگوں کو بخش دے جنھوں نے توبہ کی اور تیرے راستہ کی پیروی کی اور اُنہیں جہنّم کے عذاب سے بچالے۔ اے ہمارے رب! اور اُنہیں ہمیشہ رہنے والے باغات میں داخل فرما جن کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور اُنہیں بھی جو نیک ہوں ان کے باپ دادا اور بیویوں اور اولادوں میں سے اور اُنہیں بُرائیوں سے بچا۔

۳- چوتھے اور پانچویں رکوع کی روشنی میں آل فرعون کے ایک بندۂ مومن کے ایمان افروز خطاب سے متعلق مندرجہ ذیل سوالات کے جواب دیجیے۔

نمبر شمار	سوالات	جوابات
۱	آلِ فرعون میں سے وہ بندۂ مومن کون تھا؟	وہ آل فرعون کا ایک مومن مرد تھا جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا۔
۲	فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کا حکم دیا تو بندۂ مومن نے فرعون کے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دفاع کیسے کیا؟	بندۂ مومن نے کہا: کیا تم ایک شخص کو صرف اس لئے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ﷻ ہے حالانکہ وہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح نشانیاں لے کر آئے ہیں۔
۳	بندۂ مومن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا عقلی دلائل دیئے؟	(بالفرض) اگر وہ جھوٹے ہیں تو ان کا جھوٹ انہی پر ہے اور اگر وہ سچے ہیں تو وہ جو تم سے وعدہ کر رہے ہیں اس کا کچھ (عذاب) تم پر (ضرور) پہنچے گا بے شک اللہ ﷻ (اس کو) ہدایت نہیں دیتا جو حد سے بڑھنے والا سخت جھوٹا ہو۔
۴	بندۂ مومن نے اللہ ﷻ کے عذاب کے بارے میں قوم کو کیا سمجھایا؟	اور اس شخص نے کہا جو ایمان لایا تھا اے میری قوم! بے شک میں ڈرتا ہوں کہ تم پر پہلی قوموں جیسا (عذاب کا) دن نہ آجائے اور اے میری قوم! میں تم پر چیخ و پکار کے دن سے ڈرتا ہوں۔
۵	بندۂ مومن نے کن نافرمان قوموں کی مثالیں دیں جن پر اللہ ﷻ کا عذاب آچکا تھا؟	حضرت نوح (علیہ السلام) کی قوم اور عاد اور ثمود پر (عذاب) آیا اور ان لوگوں پر جو ان کے بعد ہوئے۔

٦	بندۂ مومن نے اپنی قوم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے آنے والے کس رسول کی یاد دلائی؟	حضرت یوسف علیہ السلام کی جو واضح نشانیوں کے ساتھ آئے تھے۔
٧	بندۂ مومن نے تکبر کرنے والوں اور سرکشوں کو کیا وعید سنائی؟	اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہر متکبر و سرکش کے (پورے) دل پر مہر لگا دیتا ہے۔
٨	فرعون نے بندۂ مومن کے خطاب کے اثرات زائل کرنے کے لئے اپنے وزیر ہامان کو کیا تجویز دی؟	فرعون نے کہا اے ہامان! میرے لئے ایک اُونچی عمارت بناؤ تاکہ میں (اس پر چڑھ کر) راستوں تک پہنچ جاؤں یعنی آسمانوں کے راستوں پر پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معبود کو جھانک کر دیکھوں اور یقیناً میں اُس کو جھوٹا سمجھتا ہوں۔
٩	بندۂ مومن نے اپنے خطاب میں دنیا اور آخرت کی زندگی کا کیا موازنہ کیا؟	اے میری قوم! یہ دنیا کی زندگی تو بس (چند روزہ) فائدہ ہے اور بے شک آخرت ہی ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔
١٠	بندۂ مومن نے اپنے خطاب کے آخر میں کس طرح کھل کر توحید کی دعوت دی اور شرک کی مذمت کی؟	بندۂ مومن نے کہا تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا انکار کروں اور اس کے ساتھ شرک کروں جس کا مجھے کوئی علم نہیں اور میں تمہیں بلاتا ہوں بہت غالب بہت بخشنے والے (اللہ سبحانہ وتعالیٰ) کی طرف۔ سچ تو یہ ہے کہ جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو وہ نہ دنیا میں پکارنے کے قابل ہے اور نہ آخرت میں۔

۴- ساتویں رکوع میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بیان کردہ قدرتوں میں کم از کم پانچ قدرتیں تحریر کریں۔

i- اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی ہے جس نے تمہارے لئے رات کو بنایا تاکہ تم اس میں آرام حاصل کرو۔ ii- دن کو روشن بنایا۔

iii- اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی ہے جس نے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ بنایا۔ iv- آسمان کو چھت بنایا۔ v- سب کی صورتیں بنائیں تو (کیا ہی) اچھی تمہاری صورتیں بنائیں۔

۵- آٹھویں رکوع کے آغاز میں حق کو جھٹلانے والوں کا کیا بُرا انجام بیان کیا گیا ہے؟

جن لوگوں نے (اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی) کتاب کو جھٹلایا اور اس چیز کو بھی (جھٹلایا) جس کے ساتھ ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا پس عنقریب وہ جان لیں گے جب ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی (جن سے) وہ گھسیٹے جائیں گے اور وہ کھولتے ہوئے پانی میں پھر آگ میں جھونکے جائیں گے۔

سُوۡرَۃُ حٰمٓ السَّجۡدَۃ

مقاصدِ مطالعہ: اس سورت کے مطالعہ کے بعد طلبہ کو مندرجہ ذیل مضامین سے آگاہی حاصل ہونی چاہیے:

1. آیات: ۱تا۷ — عظمت قرآن اور اس کے مختلف اوصاف کا بیان، پیغمبر اسلام ﷺ کی بشریت کا اعلان، رسول اللہ ﷺ کی دعوتِ حق کا ذکر اور مشرکین مکہ کی ہٹ دھرمی اور انجام کا بیان۔
2. آیات ۸ تا ۱۴ — مومنین کے دائمی اجر کا ذکر، کفار کا توحید پر اعتراض اور تکوینی دلائل سے اس کا جواب، اللہ ﷻ ہی کائنات کا خالق اور منتظم۔
3. آیات ۱۵ تا ۱۹ — رسولوں کی دعوت کو جھٹلانے والی قوموں کی داستان سے عبرت اور قیامت کا تذکرہ۔
4. آیات ۲۰ تا ۲۹ — مشرکین کے خلاف ان کے اعضا کی گواہی اور کفار پر شیاطین کے تسلط کا ذکر اور قرآن کریم سے دشمنی اور اس کا انجام۔
5. آیات ۳۰ تا ۳۶ — اللہ ﷻ کو رب مان کر استقامت کے اظہار کا بیان، مومنین کے اعزاز و اکرام کا ذکر، صبر و ثبات اور رواداری یعنی برائی کا بدلہ اچھائی سے دینے کا حکم اور اس کے عوض انعامات الٰہیہ کا تذکرہ، تبلیغ دین کے آداب کا بیان اور۔شیطان کے حملوں سے بچنے کا طریقہ۔
6. آیات ۳۷ تا ۴۴ — صرف اللہ ﷻ کے لئے سر بسجود ہونے کا ذکر، اللہ ﷻ کی عظیم قدرت اور علم کی وسعت کا تذکرہ، رسول اللہ ﷺ کی دعوتِ حق کا بیان، قرآن مجید کے ہدایت اور شفاء ہونے اور اس کی حقانیت کے ثبوت کا ذکر اور آیات الٰہی کے منکرین کے بد کا بیان۔
7. آیات ۴۵ تا ۵۴ — حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کرنے کا بیان، کافروں کا انجام بد اور منکرین قیامت کے لئے شدید عذاب کی وعید، توحید کے دلائل اور انسان کی ناشکری کا ذکر، منکرین کی کج روی کا بیان اور انسانی جان میں اور کائنات میں موجود اللہ ﷻ کی نشانیوں کا تذکرہ۔

نوٹ: اس سورت کا دوسرا نام "سورۃ فصّلت" بھی ہے۔

ربطِ سورت: ۱۔ اس سورت میں بھی گزشتہ سورت، المومن کی طرح توحید کے دلائل بیان ہوئے ہیں۔

۲۔ سُوۡرَۃُ الۡمُؤۡمِن میں "توحید فی الدعاء" کے حوالہ سے تاکید ہے جبکہ سُوۡرَۃُ حٰمٓ السَّجۡدَۃ میں توحید کے ایک تقاضا "دعوت الی اللہ" کا بیان ہے۔ سُوۡرَۃُ الۡمُؤۡمِن میں توحید کا مضمون انفرادی سطح پر بیان ہوا ہے جبکہ سُوۡرَۃُ حٰمٓ السَّجۡدَۃ میں توحید کا مضمون بتدریج اجتماعیت کی طرف بڑھتا ہے۔ اجتماعیت کے حصول کے لئے چونکہ جدوجہد کا آغاز دعوت سے ہوتا ہے، اس لئے سُوۡرَۃُ حٰمٓ السَّجۡدَۃ میں دعوت الی اللہ کا بیان ہے۔

۳۔ سُوۡرَۃُ الۡمُؤۡمِن کا اختتام نافرمان اقوام پر اپنے انبیاء و رسل علیہم السلام کے دلائل کے ساتھ استہزاء کرنے کی وجہ سے عذاب نازل ہونے پر ہوا ہے۔ سُوۡرَۃُ حٰمٓ السَّجۡدَۃ کی ابتدا اس فرمان سے ہو رہی ہے کہ اللہ ﷻ بڑا ہی مہربان اور شفقت فرمانے والا ہے۔ اس نے اپنی رحمت سے لوگوں کی رہنمائی کے لئے مفصل کتاب نازل فرمائی ہے۔ جس میں بُرے لوگوں کو متنبہ کیا ہے اور نیک لوگوں کو خوشخبری کا پیغام دیا ہے۔ لیکن لوگوں کی اکثریت اس طرح اِعراض کرتی ہے کہ جیسے اُنہوں نے حق بات کو سنا ہی نہیں۔

آیت نمبر ۱: "حٰمٓ" حروف مقطعات ہیں۔ حروف مقطعات کا علم اللہ ﷻ کے پاس ہے اور یہ اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان راز ہے۔

علمی بات: قرآنِ حکیم میں سات سورتیں "حٰمٓ" سے شروع ہوتی ہیں۔ ان سات سورتوں کو حوامیم کہا جاتا ہے۔ ان میں " سُوْرَۃُ حٰمٓ السَّجْدَۃ " دوسری سورت ہے۔

آیت نمبر ۲: قرآنِ کریم کسی انسان کا کلام نہیں بلکہ یہ اس ہستی کا کلام ہے جو مخلوق پر بے انتہا مہربان ہے۔ یہ اس کی رحمت کا مظہر ہے کہ اس نے اپنے بندوں کی فلاح کے لئے قرآنِ حکیم جیسی نعمت نازل فرمائی۔

آیت نمبر ۳: قرآنِ پاک کی آیات کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے تاکہ سمجھنے میں کوئی مشکل نہ ہو۔ قرآنِ پاک عربی میں نازل ہوا ہے تاکہ مشرکین جو کہ اوّلین مخاطبین تھے ان کا کوئی عذر باقی نہ رہے۔ تاہم اس سے فائدہ وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جو علم اور ہدایت کی طلب رکھتے ہیں۔

علمی بات: قرآنِ مجید کی دو صفات بیان ہوئی ہیں۔ قرآنِ حکیم کی ایک صفت یہ ہے کہ اس کی آیات کو کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ نئے سے نئے پیرائے میں بار بار بیان کیا گیا ہے تاکہ سمجھنے میں کوئی ابہام، کوئی پیچیدگی باقی نہ رہے۔ نیز اس میں سینکڑوں قسم کے مضامین ایک دوسرے سے بالکل الگ الگ کر کے پیش کیئے گئے ہیں۔

علمی بات: ۱۔ قرآن حکیم کی دوسری صفت یہ ہے کہ یہ عربی زبان میں ہے، کیونکہ قرآن حکیم کے اولین مخاطب اہل عرب تھے، اس لئے قرآن مجید عربی زبان میں نازل کیا گیا۔ عربی زبان بہت فصیح و بلیغ اور دنیا کی سب سے زندہ اور محفوظ زبان ہے۔ دیگر کتابوں کی زبانیں اپنی اصل حالت میں موجود نہیں ہیں۔

۲۔ عربی زبان نہ جاننے والوں کی رہنمائی اور نصیحت حاصل کرنے کے لئے قرآن حکیم کے تراجم اور تفاسیر موجود ہیں تاکہ وہ بھی قرآن کریم کو سمجھ سکیں۔

علمی بات: ۲۔ اس سورت کا دوسرا نام " سُوْرَۃُ فُصِّلَتْ " اسی آیت کے الفاظ " فُصِّلَتْ اٰیٰتُہٗ " سے لیا گیا ہے۔

آیت نمبر ۴: قرآنِ حکیم واضح کرتا ہے کہ اس کی تعلیم کو مان لینے کے نتائج شاندار اور نہ ماننے کے نتائج نہایت ہولناک ہیں۔ قرآنِ حکیم کی ان تمام خوبیوں کے باوجود منکرینِ حق اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ وہ اس کی آیات کو تسلیم کرنا تو درکنار سننا بھی گوارا نہیں کرتے۔

علمی بات: قرآنِ حکیم ایسے لوگوں کو خوشخبری سناتا ہے جو قرآنِ حکیم میں سمجھ بوجھ حاصل کرنے کے بعد اس سے نفع اُٹھاتے ہیں اور اس کے احکامات پر عمل کرتے ہیں اور جو لوگ اس سے اِعراض کرتے ہیں ان کو اللہ ﷻ کے عذاب سے ڈراتا ہے۔ لیکن اکثر لوگ اس سے اِعراض کرتے ہیں، اس پر توجہ نہیں دیتے، اسے سننا بھی گوارا نہیں کرتے اور اگر کبھی سن بھی لیتے ہیں تو اس سے فائدہ حاصل نہیں کرتے۔

عملی پہلو: قرآنِ حکیم کا عربی زبان میں ہونا، واضح، بشارت اور ڈرانے پر مشتمل ہونا، یہ سب ایسے ہی لوگوں کو نفع دے سکتا ہے جو سوچنے اور سمجھنے کا ارادہ کریں، قرآنِ مجید پر صدقِ دل سے ایمان لاتے ہوئے اس کی روزانہ کی بنیاد پر تلاوت کریں، اسے غور سے سنیں اور اس پر بھرپور انداز میں اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ غور و فکر کریں، اس سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اس کی تعلیمات پر پوری طرح خود بھی عمل پیرا ہوں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیں۔

آیت نمبر ۵: قرآنِ کریم کی دعوت پر ہٹ دھرمی اور ضد اختیار کرنے والوں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ وہ کہتے کہ قرآنِ حکیم کی تعلیم ان کے دلوں پر اثر انداز نہیں ہو سکتی کیوں کہ ان کے دل ایسے اثرات قبول کرنے سے پوری طرح محفوظ ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اُنہیں قرآنِ مجید سننا بھی گوارا نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ اور ان کے درمیان عداوت کی ایک دیوار حائل ہو چکی ہے۔ لہٰذا ان سے توقع نہ کی جائے کہ وہ قرآنِ کریم پر ایمان لے آئیں گے۔

علمی بات: ۱۔ جب نبی کریم ﷺ ان مشرکین مکّہ کو اللہ ﷻ کا کلام سناتے ہیں تو وہ اس سے اِعراض کرتے ہیں۔ بلکہ ہٹ دھرمی سے جواباً آپ ﷺ سے کہتے ہیں کہ آپ ہمیں جن چیزوں کی طرف دعوت دے رہے ہیں ان کو قبول کرنے کے لئے ہمارے دل بالکل بند ہیں۔ جس توحید اور آخرت کی آپ دعوت لے کر اٹھے ہیں یہ دعوت کسی طرح ہمارے دل پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ ہمارے کانوں میں ثقل اور بوجھ ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے کانوں میں دانستہ طور پر ایسی گرانی پیدا کر رکھی تھی کہ ان کے کان آپ کی دعوت کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے تھے۔ وہ ضد میں آکر یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمارے اور آپ کے درمیان ایک پردہ حائل ہے گویا وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ایک خاص مانع اور دیوار ان کے درمیان حائل ہو چکی ہے، جس نے ان کے اور آپ ﷺ کے درمیان جدائی ڈال دی ہے۔ لہٰذا اب آپ اپنا کام کریں اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں۔

علمی بات: ۲۔ "اَکِنَّۃٍ" کنان کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ کپڑا یا غلاف ہے جس میں کسی چیز کو اچھی طرح لپیٹ کر رکھ دیا جاتا ہے۔ "وَقْرٌ" کا معنٰی بہرہ پن ہے۔

آیت نمبر ۶: دعوتِ حق کا انکار کرنے والوں کو جواب دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ پر وحی کی جاتی ہے جس کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ اللہ ﷻ معبود واحد ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ لہٰذا اللہ ﷻ ہی کی خالص بندگی کی جائے اور اسی سے گناہوں کی بخشش طلب کی جائے۔ اللہ ﷻ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنے والوں کا انجام ہلاکت و بربادی ہے۔

علمی بات: ۱۔ کفار کی بے باکی اور استہزاء کے جواب میں حضور اکرم ﷺ کو اس بات کی تلقین دلائی گئی ہے کہ ان کے مقابلہ میں سخت بات نہ کریں بلکہ اپنی تواضع اور عاجزی کا اظہار کریں کہ میں بھی انسان ہوں، البتہ مجھے یہ شرف و امتیاز عطا کیا گیا ہے کہ میں اللہ ﷻ کا رسول ہوں اور اللہ ﷻ کی طرف سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔ مجھے وحی کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ تم سب کا معبود صرف ایک اللہ ﷻ ہی ہے۔ میں تمہیں یہی وصیت کرتا ہوں کہ عبادت اور اطاعت میں اپنا رُخ بتوں سے پھیر کر صرف اللہ ﷻ کی طرف کر لو اور اپنے گناہوں سے توبہ کر لو، اسی میں تمہاری نجات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شرک کرنے والوں کے لئے بڑی ہی ہلاکت و بربادی ہے۔

علمی بات: ۲۔ کفار بشریت کو نبوت کے منافی سمجھتے تھے وہ کہتے تھے کہ نبی کے لئے فرشتہ ہونا ضروری ہے۔ حالانکہ انسانوں کے لئے انسان کو رسول بنا کر بھیجنا ان کے لئے زیادہ مفید ہے۔ کیونکہ اگر کوئی فرشتہ، جن یا کسی اور جنس سے ان کے لئے پیغمبر بھیجا جاتا تو وہ نہ اس کو دیکھ سکتے نہ اس کی بات سن سکتے تھے۔ یہ تو اللہ ﷻ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے انسانوں کے لئے ان کی جنس سے انسان کو نبی اور رسول بنا کر بھیجا۔

آیت نمبر ۷: خطاب چونکہ مشرکین سے ہے اس لئے یہاں زکوٰۃ سے ایک مراد دل کی پاکیزگی ہے۔ مشرکین اپنے دلوں کو نورِ ایمان سے منور نہیں کرتے اور شرک کی آلودگی سے پاک نہیں کرتے۔ ایک مراد یہ ہے کہ ان کے جدِ امجد حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اُنہیں زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا تھا۔ مگر یہ لوگ زکوٰۃ کی عدم ادائیگی سے لوگوں کے حقوق تلف کرتے۔ درحقیقت وہ آخرت میں جواب دہی کے منکر ہیں اس لئے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

علمی بات: مشرکین کا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ وہ اللہ ﷻ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ لیکن اس آیت میں ان کے دو مزید گناہ بیان ہوئے ہیں کہ وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور آخرت کا بھی انکار کرتے ہیں۔ نہ تو صدقہ و خیرات کر کے اپنے مال کو پاک رکھتے ہیں اور نہ ہی توحید کا اقرار کر کے اپنے نفسوں کو شرک سے پاک کرتے ہیں۔ وہ آخرت کے بھی منکر ہیں۔ لہٰذا ایسے لوگوں کے لئے اللہ ﷻ کی طرف سے ہلاکت اور بربادی ہی ہے۔

عملی پہلو: چونکہ ہم مسلمان اللہ ﷻ کی توحید کا اقرار کرتے ہیں لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ ہم اللہ ﷻ کی راہ میں خرچ کریں۔ چاہے وہ زکوٰۃ کی صورت میں ہو یا نفلی صدقات کی شکل میں۔ آخرت کو ماننا وہی معتبر ہے جس کے ساتھ کامل توحید اور انفاق فی سبیل اللہ پایا جائے۔ جو شخص اللہ ﷻ کو حقیقی طور پر پا لے وہ کسی اور عظمت میں اٹکا ہوا نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح جو شخص اللہ ﷻ کو حقیقی طور پر پا لے وہ اپنے مال کو بچا بچا کر نہیں رکھ سکتا۔

آیت نمبر ۸: پیغامِ حق کو قبول کر کے اس کے مطابق طرزِ عمل اختیار کرنے والوں کے لئے بے انتہا اجر ہے جو کبھی ختم نہیں ہو گا اور نہ ہی اس میں کوئی کمی واقع ہو گی۔

علمی بات: اہل ایمان کے نیک اعمال کا اجر کبھی ختم نہیں ہو گا، اس کے دو مطلب ہیں۔ ایک مطلب تو یہ ہے کہ آخرت میں جو اُنہیں اجر ملے گا وہ کبھی ختم نہیں ہو گا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ مومن صحت کے ایام میں جو نیک کام کرتا ہے اگر بیماری یا مجبوری کی وجہ سے وہ ایک عمل جاری نہ رکھ سکے تو بھی اس کے اجر کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا بلکہ اس کا اجر اس کو ملتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرشتوں کو اس حالت عذر میں بھی اس کے لئے ان اعمال کا اجر و ثواب لکھنے کا حکم فرماتا ہے جو بندۂ مومن تندرستی اور فرصت کے اوقات میں کیا کرتا تھا۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جب بندہ کوئی نیک عمل کرتا ہے پھر سفر یا مرض کی وجہ سے اس کو جاری نہ رکھ سکے تو اس کے نامۂ اعمال میں وہ نیک اعمال لکھے جاتے رہیں گے جو وہ صحت اور اقامت (گھر میں قیام) کے ایام میں کیا کرتا تھا۔" (سنن ابی داؤد)

آیت نمبر ۹: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کرنے والے کائنات کی تخلیق پر غور و فکر نہیں کرتے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے زمین کو دو دنوں میں بنایا، وہی ہر چیز کا خالق ہے، لہٰذا عبادت کا مستحق بھی وہی ہے۔ وہی پورے عالَم کا پیدا کرنے اور پالنے والا ہے۔

علمی بات: ۱۔ مشرکین کو تنبیہ کی گئی ہے کہ کیا تم ایسے رب کا انکار کرتے ہو جس نے اس وسیع و عریض زمین کو صرف دو دنوں میں پیدا فرما دیا؟ اور اس خدائے بزرگ و برتر کے ساتھ باطل معبودوں کو اس کی خدائی میں شریک ٹھہراتے ہو۔ عقل سے کام لو اور اپنے خالق حقیقی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف توجہ کرو جو اکیلا ہی سارے جہانوں کا مالک ہے۔

علمی بات: ۲۔ یہاں دنوں سے مراد ہمارے دن نہیں بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دن ہیں جو ہمارے شمار سے ہزار (۱۰۰۰) سال بلکہ بعض صورتوں میں پچاس ہزار (۵۰۰۰) سال کے بھی برابر ہوتے ہیں، جیسا کہ " ثُمَّ یَعۡرُجُ اِلَیۡہِ فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗۤ اَلۡفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ۔" (سورۃ السجدۃ ۳۲، آیت:۵) میں اور " تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوۡحُ اِلَیۡہِ فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗ خَمۡسِیۡنَ اَلۡفَ سَنَۃٍ۔" (سورۃ المعارج ۷۰، آیت:۴) میں مذکور ہے۔ اس وجہ سے ان کو اَدوار کے معنیٰ میں لینا چاہیئے۔

آیت نمبر ۱۰: زمین کے اوپر بوجھل پہاڑ رکھ دیئے گئے تاکہ زمین کا توازن برقرار رہے۔ زمین کو برکت و وسعت سے نوازا گیا اور اس کے اندر مختلف اشیاء کے خزانے سمو دیئے گئے۔ یہ سب کچھ چار دنوں میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے زمین کے وسائل کو ایسی وسعت دی ہے جو اس پر بسنے والی تمام مخلوقات کے لئے کفایت کرنے والی ہے۔

علمی بات: ۱۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے زمین کی پیدائش کے بعد زمین پر بھاری بھاری پہاڑ قائم فرما دیئے تاکہ زمین کا توازن برقرار رہ سکے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس زمین میں بے شمار برکتیں رکھ دیں کہ اس میں تیل، گیس، پانی، ہوا، سونا، چاندی وغیرہ کے نہ ختم ہونے والے ذخیرے ودیعت کر دیئے۔ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے زمین پر رہنے والوں کی غذائیں اور روزی کا انتظام بھی اسی زمین میں فرما دیا کہ ہر قسم کی مخلوق اپنی ضرورت کے مطابق اپنی غذا حاصل کر سکتی ہے۔

علمی بات: ۲۔ چار دنوں میں زمین کی تخلیق بھی شامل ہے جس کے بارے میں پیچھے فرمایا گیا تھا کہ وہ دو دن میں مکمل فرمائی، لہٰذا دو دن میں زمین پیدا کی گئی اور دو دن میں اس زمین پر پہاڑ اور دوسری انسانی ضروریات کی چیزیں اور خوراک وغیرہ پیدا کرنے کا انتظام فرمایا گیا، اس طرح زمین اور اس کے اوپر کی اشیاء پیدا کرنے میں کل چار دن استعمال فرمائے گئے۔ اور دو دن میں ساتوں آسمان پیدا فرمائے گئے۔ اس طرح کائنات کی تخلیق کل چھ (۶) دن میں

مکمل ہوئی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب دنوں کا حساب سورج کے طلوع و غروب کے بجائے کسی اور معیار پر ہوتا تھا جس کا ٹھیک علم اللہ ﷻ ہی کو ہے، اگرچہ اللہ ﷻ کی قدرت میں یہ بھی تھا کہ وہ ایک ہی لمحہ میں سب کچھ پیدا فرما دیتا، لیکن اس عمل کے ذریعہ انسان کو بھی جلد بازی کے بجائے اطمینان اور وقار کے ساتھ کام کرنے کی تعلیم دی گئی ہے، نیز اس میں اور بھی نہ جانے کیا کیا مصلحتیں ہوں گی جن کا علم اللہ ﷻ ہی کو ہے۔

آیت نمبر ۱۱: اللہ ﷻ نے آسمان کی تخلیق کی طرف توجہ فرمائی جو اس وقت دھوئیں کی شکل میں تھا۔ پھر زمین و آسمان کو خوشی یا جبر سے اپنی اطاعت کا حکم دیا جسے دونوں نے بخوشی قبول کیا۔

علمی بات: اللہ ﷻ نے جب آسمان کی تخلیق کی طرف توجہ فرمائی تو اس وقت وہ دھویں کی مانند ایک لطیف جوہر تھا۔ پھر اللہ ﷻ نے آسمان اور زمین سے مخاطب ہو کر کہا: ہمارے جو احکام تقدیری تم دونوں کے لئے جاری ہوں گے خوشی سے قبول کرو گے یا وہ زبردستی تم پر نافذ کیئے جائیں۔ دونوں نے عرض کیا: ہم بخوشی ان احکام کی تعمیل اور تکمیل کے لئے حاضر ہیں۔ اس طرح دونوں فرماں برداری کے لئے خوشی سے راضی اور تیار ہو گئے۔ زمین اور آسمان اگرچہ جمادات ہیں مگر جمادات کے بارے میں یہ خیال کرنا صحیح نہیں کہ وہ شعور سے بالکل ہی عاری ہیں۔ ہم ان کے شعور کی کیفیت کو نہیں جانتے۔ کائنات کی ہر چیز اپنے خالق کو جو اس کا رب بھی ہے، پہچانتی ہے، اس کا حکم سنتی اور اس کی تعمیل کرتی ہے اور اس کی تسبیح اور حمد کرتی ہے۔

سائنسی نکتہ: جب اللہ ﷻ آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو وہ دھواں تھا۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب آسمان ایک دھویں کی شکل میں تھا اور ابھی سات آسمانوں کی الگ الگ صورتیں وجود میں نہیں آئی تھیں۔ ان آیات میں کائنات کی تخلیق کے ابتدائی مرحلہ سے متعلق کچھ اشارے پائے جاتے ہیں۔ سائنسی شواہد کے مطابق ایک عظیم دھماکہ (Big Bang) ہوا۔ جس کے نتیجے میں ایک آگ کا گولا (primordial fireball) یعنی کائنات کا مختلف الاقسام مادّہ تخلیق پایا اور اُسی سے بعد ازاں مختلف کلسٹرز (گُچھّے) اور کہکشائیں (Galaxies) تخلیق پائیں۔

عملی پہلو: زمین و آسمان نے کہا کہ ہم خوشی سے اللہ ﷻ کی اطاعت و فرماں برداری کے لئے حاضر ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ آسمان و زمین اللہ ﷻ کے احکام کی تعمیل مجبوری کے درجہ میں ناگواری کے ساتھ نہیں کر رہے ہیں، بلکہ اس پر رضامند ہیں۔ اس سے یہ اشارہ خود بخود نکلتا ہے کہ انسان کو اپنے رب کی اطاعت رضا اور غبت سے کرنی چاہیئے۔

آیت نمبر ۱۲: اللہ ﷻ نے سات آسمانوں کو دو دن میں سات کی تعداد میں تخلیق فرمایا۔ پھر ہر آسمان کے لئے اس کا عمل اور کردار طے کیا۔ آسمان دنیا کو ستاروں سے رونق بخشی اور ان ہی کے ذریعہ وحی کی حفاظت کا انتظام بھی کیا۔ کائنات کا یہ سارا نظام اس ہستی کا مقرر کردہ ہے جو زبردست ہے اور ہر بات کا جاننے والا ہے۔

علمی بات: اللہ ﷻ نے دو دنوں میں سات آسمان بنا دیئے۔ ہر آسمان میں اس نے جو جو چیزیں اور جیسے جیسے فرشتے مقرر کرنے چاہے، مقرر کر دیئے۔ جو کام ہر آسمان کے فرشتوں سے لینے تھے سب کو ان کے کام اور ان کے لئے احکام بتلا دیئے۔ اللہ ﷻ نے دنیا کے آسمان کو ستاروں سے مزین کر دیا۔ اللہ ﷻ نے اس آسمان کو ستونوں کے بغیر ایسا مضبوط کر دیا کہ وہ گر نہ سکے اور فرشتوں کے پہرے لگا کر ایسا محفوظ کر دیا کہ کوئی مداخلت نہ کر سکے۔ یہ تمام تدابیر اور تقدیر اس اللہ ﷻ کی قائم کردہ ہے جو سب پر غالب ہے اور کائنات کے ایک ایک چپے کی ہر کھلی چھپی حرکت کو جانتا ہے۔

فکری پہلو: زمین و آسمان کی پیدائش کسی اتفاقی حادثہ کے طور پر وجود پذیر نہیں ہوئی، بلکہ یہ ایک نہایت ہی حکیمانہ منصوبے کا نتیجہ و ثمرہ ہے۔ یہ منصوبہ بندی کسی ایسی ہستی کی طرف سے کی ہوئی ہے جو ہر چیز پر غالب و مقتدر ہے۔ پس وہی اللہ ﷻ ہے جس نے اس کائنات کا با مقصد نظام بنایا ہے۔ ربوبیت کا یہ وسیع نظام اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ایک دن ایسا آئے جس میں لوگ اپنے محسن اعظم اور رب ذوالجلال کے سامنے روبرو حاضر ہوں جس نے

اُنہیں بے شمار نعمتوں سے مالا مال کیا اور وہ ان سے نعمتوں کے حق کے بارے میں سوال کرے، جنہوں نے ان کا حق پہچانا وہ صلہ پائیں اور جنہوں نے ناشکری کی وہ سزا بھگتیں۔

آیت نمبر ۱۳: حق کا انکار کرنے والوں کو وعید سنائی گئی ہے کہ باز نہ آنے کی صورت میں ان کا انجام بھی وہی ہو گا جو قوم عاد اور قوم ثمود کا ہوا۔

علمی بات: ۱۔ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ مشرکین مکہ کو تنبیہ کی گئی ہے۔ اگر یہ مشرکین توحید ورسالت کے دلائل سن کر بھی توحید سے منہ موڑیں اور آپ ﷺ کی تکذیب کریں تو آپ ﷺ ان سے کہہ دیجئے کہ میں تمہیں ایسے عذاب سے ڈراتا ہوں جیسا کہ قوم عاد اور قومِ ثمود پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا عذاب نازل ہوا۔ ان قوموں نے توحید کا انکار کیا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے پیغمبروں کی تکذیب کی تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ان پر سخت کڑک آئی اور شدید عذاب نازل ہوا جس سے وہ ہلاک ہو گئے۔

علمی بات: ۲۔ جب اسلام کی قوّت روز بروز بڑھنے لگی تو قریش مکّہ نے ترغیب اور لالچ سے اسلام کی قوت کو روکنے کی کوشش کی اور باہم مشاورت کے بعد عتبہ بن ربیعہ کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا۔ اس نے آپ ﷺ کو مال، سرداری وغیرہ کی پیشکش کی۔ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے سورۃ حٰمٓ السَّجدَۃ کی تلاوت شروع کی تو عتبہ بن ربیعہ ان آیات کو بغور سننے لگا۔ جب آپ ﷺ آیت: ۱۳ پر پہنچے جہاں پر عذابِ الٰہی کا ذکر ہے تو اس نے آپ ﷺ کے منہ مبارک پر ہاتھ رکھ دیا اور نسب اور قرابت داری کا واسطہ دے کر آگے بڑھنے سے روک دیا۔ جب عتبہ بن ربیعہ اپنی قوم کے پاس واپس آیا تو جو کلام اس نے سنا تھا اس کے بارے میں بتلا دیا کہ یہ جادوگروں، شعراء اور کاہنوں کا کلام نہیں ہے، میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کو ان کے حال پہ چھوڑ دو۔ محمد (ﷺ) نے کبھی جھوٹ نہیں کہا اور مجھے خطرہ ہے کہ جس قومِ عاد اور ثمود کے عذاب سے وہ ڈراتا ہے، وہ عذاب کہیں تم پر بھی نہ آجائے۔ اب تمہاری مرضی ہے کہ تم اس کو مانو یا نہ مانو۔

آیت نمبر ۱۴: سابقہ اقوام کے پاس لگاتار کئی رسول علیہم السلام بھیجے گئے جنہوں نے ان لوگوں کو ہر پہلو سے سمجھایا اور توحید کی دعوت دی۔ لیکن قوموں نے رسالت کا انکار کیا اور کہا کہ اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کسی کو نبی بنانا تھا تو کسی فرشتے کو بناتا۔

علمی بات: ۱۔ قومِ عاد و ثمود کی ہٹ دھرمی بیان کی گئی ہے۔ جو پیغمبر ان قوموں کی طرف بھیجے گئے انہوں نے ان قوموں کو سمجھانے کی بھرپور کوشش کی اور سمجھانے میں دن رات ایک کر دیئے کہ صرف ایک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے سوا کسی کو معبود مت بناؤ۔ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ اگر ہمارا رب چاہتا تو کسی فرشتہ کو پیغمبر بنا کر بھیجتا نہ کہ کسی انسان کو، لہٰذا ہم اس توحید کی دعوت کا انکار کرتے ہیں جس کے ساتھ آپ کو بھیجا گیا ہے یعنی ہم آپ کو بطور رسول قبول نہیں کرتے اور نہ ہی آپ کی دعوتِ توحید کو مانتے ہیں۔

علمی بات: ۲۔ یہاں پر قومِ عاد اور قومِ ثمود کا ذکر کر کے عرب کا وہ پورا علاقہ مراد لیا گیا ہے جہاں مختلف قوموں کی طرف پے در پے پیغمبر آئے۔ ان پیغمبروں اور ان کی اقوام کا ذکر قرآنِ حکیم میں بہت تکرار سے آیا ہے۔

آیت نمبر ۱۵: قومِ عاد نے دعوتِ توحید کو تکبر سے ٹھکرا دیا۔ عذابِ الٰہی کی وعید پر انہوں نے کہا کہ ان سے زیادہ طاقتور کون ہے جو اُنہیں عذاب میں مبتلا کر دے اور وہ اسے روکنے پر قادر نہ ہوں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے جواب عطا ہوا ہے کہ جس ہستی نے اُنہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے قوت میں بہت زیادہ ہے مگر باوجود اس کے وہ ایمان نہیں لائے۔

علمی بات: ۱۔ قومِ عاد کے لوگ بڑے دراز قد اور طاقتور تھے، اس لئے وہ اپنے آپ کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھتے تھے۔ انہوں نے اپنی جسمانی قوت اور مادی طاقت کے نشہ میں مبتلا ہو کر تکبر کیا اور سرکشی کی راہ اختیار کی۔ اُنہیں قوت وطاقت پر اتنا ناز تھا کہ وہ کسی کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے حتیٰ کہ

اللہ ﷻ کے عذاب کا خوف بھی ان کے دل سے نکل گیا تھا۔ وہ اس زعم باطل میں مبتلا ہو گئے کہ وہ اپنی طاقت کے ذریعہ سے اللہ ﷻ کے عذاب کو بھی روک لیں گے۔ ان کے اسی غرور و تکبر کی وجہ سے ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا۔

علمی بات: ۲۔ آیات کے انکار سے مراد ان معجزات کا انکار ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ ﷻ نے دیئے تھے یا ان دلائل کا انکار جو پیغمبروں کے ساتھ نازل کیئے گئے تھے یا ان آیاتِ تکوینیہ کا انکار جو کائنات میں پھیلی اور بکھری ہوئی ہیں۔ قومِ عاد نے ان تینوں قسم کی آیات کا انکار کیا۔

آیت نمبر ۱۶: قومِ عاد پر ایک تیز اور سخت ہوا ایسے دنوں میں بھیجی گئی جو عذاب کی وجہ سے ان کے حق میں خیر سے خالی تھی۔ تاکہ اللہ ﷻ ان کو دنیا کی زندگی میں رسوائی کے عذاب کا مزہ چکھائے۔ آخرت کا عذاب اس سے بھی زیادہ رسوا کرنے والا ہو گا اور اس وقت کوئی ان کی مدد نہیں کرے گا۔

علمی بات: ا۔ اللہ ﷻ نے قومِ عاد کے غرور اور گھمنڈ کو توڑنے کے لئے ان پر عذاب نازل کیا۔ اللہ ﷻ نے تیز و تند ہوا کا طوفان بھیجا، یہ طوفانی ہوا مسلسل سات رات اور آٹھ دن تک چلتی رہی۔ اس ہوا نے ان میں سے ایک کو بھی نہ چھوڑا۔ یہ دن ان کے لئے بہت بُرے ثابت ہوئے کہ وہ سب لوگ عذابِ الٰہی سے دوچار ہو کر ہلاک ہو گئے۔ اس عذاب کے ذریعہ سے اللہ ﷻ نے اُنہیں دنیا میں رسوا کیا۔ اس کے مقابلہ میں آخرت میں جو عذاب اُنہیں دیا جائے گا وہ اس سے کئی گنا زیادہ رسوا کن ہو گا اور وہاں پر کوئی ان کی مدد کرنے والا نہ ہو گا۔

آیت نمبر ۱۷: قومِ ثمود کو توحید کی دعوت دی گئی لیکن انہوں نے ہدایت پر اندھے پن یعنی گمراہی کو ترجیح دی۔ جس کے نتیجہ میں وہ ذلّت والے سخت عذاب کی گرفت میں آ گئے۔ یہ بدلہ تھا ان کے اُن بُرے اعمال کا جن کا وہ ارتکاب کیا کرتے تھے۔

علمی بات: قومِ ثمود کو اللہ ﷻ نے سیدھا راستہ دکھایا۔ اللہ ﷻ نے ان کی طرف اپنے رسول حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان لوگوں کی سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کی۔ مگر انہوں نے ہدایت کی روشنی کو چھوڑ کر گمراہی کی تاریکی میں رہنا پسند کیا اور اللہ ﷻ اور اس کے رسول علیہ السلام کا انکار کر دیا۔ ان کی سرکشی کی وجہ سے ان پر کڑک کا ذلّت آمیز عذاب آیا اور اُنہیں تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ ان کے بُرے اعمال کی وجہ سے اُنہیں یہ سخت عذاب دیا گیا۔

آیت نمبر ۱۸: ایمان لانے والے جو اللہ ﷻ کی نافرمانیوں سے بچتے تھے اُنہیں عذاب سے بچا لیا گیا۔

علمی بات: یہ سنت الٰہی ہے کہ جو لوگ اللہ ﷻ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیئے، اللہ ﷻ نے اُنہیں عذاب سے بچا لیا۔ آندھی نے تمام قومِ عاد کو موت کی نیند سلا دیا، لیکن اہل ایمان کو ذرا تکلیف نہ پہنچائی۔ اسی طرح قوم ثمود پر جو عذاب آیا اس کی زد سے حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے پیروکار محفوظ رہے۔

آیت نمبر ۱۹: روزِ قیامت اللہ ﷻ کے دشمنوں کو جہنم کی طرف لے جاتے ہوئے اکٹھا کیا جائے گا۔ پھر الگ الگ جرائم کے مطابق ان کی گروہ بندی کی جائے گی۔

علمی بات: کردار و اعمال کے حوالے سے اہل جہنم سب برابر نہیں ہوں گے۔ ہر مجرم کا عذاب اس کے جرم کے مطابق ہو گا۔ چنانچہ وہاں جرائم اور سزاؤں کی اقسام کے مطابق اہل جہنم کو الگ الگ جماعتوں اور گروہوں میں تقسیم کیا جائے گا۔

آیت نمبر ۲۰: مجرمین پر جرائم ثابت کرنے کے لئے گواہ پیش ہوں گے لیکن وہ اپنے جرائم کا انکار کریں گے۔ اس وقت ان کے اعمال کے متعلق خود ان کے کان، آنکھیں اور کھالیں ان کے خلاف گواہی دیں گی۔

علمی بات: قیامت کے دن اللہ ﷻ کے دشمنوں کو آگ کی طرف لایا جائے گا۔ جب وہ آتشِ جہنم کے قریب آ جائیں گے تو ان سب کو روک کر ایک جگہ

جمع کر دیا جائے گا جہاں ان کا حساب ہو گا۔ وہاں اُن کے کان، اُن کی آنکھیں اور کھالیں ان کے خلاف ان اعمال کی گواہی دیں گے جو وہ کیا کرتے تھے۔ قیامت کے دن جہاں دوست اور عزیز کوئی ساتھ نہ دے گا سب آنکھیں پھیر لیں گے، وہیں خود انسان کے ہاتھ پیر، اس کے کل اعضا جن کو وہ اپنا سمجھتا رہا وہ بھی اس کی بد اعمالیوں پر اس کے خلاف اپنے رب کے حضور گواہ ہوں گے۔

عملی پہلو: انسان اپنے اعضا سے جو اعمال وافعال کر رہا ہے، ان کا ریکارڈ تیار ہو رہا ہے۔ قیامت کے دن یہی اعضا یہ سارا ریکارڈ پیش کریں گے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نشانیاں دیکھنے سے آنکھوں کو اور نصیحت کی باتیں سننے سے کانوں کو بند کر لینا، سب سے بڑا جرم ہے۔ جن چیزوں کا دیکھنا حرام ہے ان کو دیکھنا اور جن چیزوں کا سننا حرام ہے ان کو سننا، کھلی معصیت ہے۔ لہٰذا جن گناہوں کا ارتکاب آنکھوں اور کانوں کے ذریعہ کیا جاتا ہے، وہ قیامت کے دن ان کی گواہی دیں گے، اتنا ہی نہیں بلکہ جسم کا ہر ہر عضو گواہی دے گا کہ اس کو کس طرح کفر و معصیت کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان اعضا کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری میں استعمال کیا جائے اور ان سے کوئی ایسا کام نہ لیا جائے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ناراضگی اور جہنم میں جانے کا باعث بنے۔

آیت نمبر ۲۱: اعضا کی گواہی پر مجرم اپنے اعضا سے شکوہ کریں گے کہ وہ ان کے خلاف گواہی کیوں دے رہے ہیں؟ ان کی کھالیں جواب دیں گی کہ ان کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بولنے کا حکم دیا ہے جس کی قدرت کا عالم یہ ہے کہ وہ جس چیز کو چاہے گویائی بخش دے۔ اسی نے اُنہیں پہلی دفعہ پیدا کیا تھا اور اسی کی طرف وہ لوٹائے جا رہے ہیں۔

علمی بات: زبان بھی ویسے ہی گوشت اور پٹھوں کا ایک ٹکڑا ہے جیسے دوسرے اعضا ہیں۔ قوتِ گویائی میں صرف زبان ہی کام نہیں کرتی بلکہ گلے کی رگیں جن کی وجہ سے کسی کی آواز سریلی ہوتی ہے کسی کی کرخت، پھر ہونٹ اور تالو وغیرہ سب استعمال میں آتے ہیں، تب جا کر انسان بولتا ہے۔ جسم کے اعضا کا مواد ایک جیسا ہے صرف ساخت کا فرق ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان اعضا کی ایسی ساخت بنائی ہے جس سے کوئی جا کر بولنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ تو جو ہستی ان اعضا کی ساخت اور بالخصوص پہلی بار کی ساخت پر قادر ہے اس کے لئے بوقت ضرورت کسی دوسرے عضو کی ساخت میں ایسی تبدیلی کر دینا کیا مشکل ہے جس سے وہ بولنے لگے۔ موجودہ دور میں نطق جِلدی (Skin Speech Theory) کے نظریہ نے اس کو عملی طور پر ثابت کر دیا ہے۔ اب یہ معلوم کیا گیا ہے کہ انسان کا ہر بول اس کے جسم کی کھال پر نقش ہوتا رہتا ہے اور اس کو دوبارہ اسی طرح سنا جا سکتا ہے جس طرح مشینی طور پر ریکارڈ کی ہوئی آواز کو دوبارہ سنا جاتا ہے۔ چنانچہ قیامت کے روز جو مجرم اپنے گناہوں کا اور پھر خارجی گواہیوں کا بھی انکار کر دیں گے، ان پر انہی کے اعضاء کو گواہ بنا کر لایا جائے گا۔

آیت نمبر ۲۲: مجرمین دنیا میں گناہ کرتے ہوئے یہ خیال نہیں کرتے تھے کہ خود ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ بلکہ وہ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علم کے بھی منکر تھے اور گمان کرتے تھے کہ ان کے بہت سے اعمال سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ باخبر نہیں ہے۔ (معاذ اللہ)

علمی بات: قیامت کے دن کافروں سے کہا جائے گا کہ تم دنیا میں جو کام کرتے تھے اس کا تمہیں ذرا بھی خیال نہ تھا کہ قیامت کے دن تمہارے کان، آنکھیں اور جلد تمہارے خلاف گواہی دیں گے لہٰذا تم ان سے نہ چھپتے تھے نہ چھپ سکتے تھے۔ اسی لئے تم بے دھڑک بدکاریوں اور بد اعمالیوں میں مبتلا رہے۔ تم نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بارے میں بھی یہ خیال کر رکھا تھا کہ وہ تمہارے بہت سے اعمال سے بے خبر ہے لیکن یہ تمہاری خام خیالی تھی کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے پاس ہر چیز کا علم ہے۔

عملی پہلو: جب انسان بُرائی کرتا ہے تو وہ لوگوں سے چھپ جاتا ہے کہ رسوائی نہ ہو، مگر یہ بھول جاتا ہے کہ اس کے جسم کے اعضا یعنی کان، آنکھیں اور جلد ہر وقت اس کے ساتھ ہیں اور اس کے اعمال کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ یہی اعضا قیامت کے دن اس کے خلاف اس کے اعمال کی گواہی دیں گے جس کا وہ انکار بھی نہ کر سکے گا۔ پس ہر انسان کو اپنے اعمال کا محاسبہ کرنا چاہیئے اور نیک اعمال کرنے چاہیئے اور بُرے اعمال سے اپنے آپ کو بچانا چاہیئے۔

آیت نمبر ۲۳: اپنے رب کے متعلق اسی گمان نے مجرمین کو تباہی میں ڈالا اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ نقصان اٹھانے والے ہو گئے۔

علمی بات: اللہ ﷻ کے بارے میں منکرین کا یہ غلط گمان تھا کہ اللہ ﷻ ان کے بہت سے کاموں سے بے خبر ہے۔ (معاذاللہ) ان کے اس باطل گمان نے ان کو ہلاک کر دیا کیونکہ اس گمان کی بنیاد پر وہ کفریہ عقائد اور اعمال کے مرتکب ہوئے اور ہمیشہ کے خسارہ میں پڑے رہ گئے کہ اب اس سے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہے۔

فکری پہلو: انسان جس قسم کی معرفت اپنے پروردگار کی نسبت رکھتا ہے اسی سانچہ میں اس کی پوری زندگی ڈھل جاتی ہے۔ اگر اللہ ﷻ کی معرفت درست ہوگی تو اس کا طرزِ عمل پورے کا پورا درست رہے گا اور اس کے نتائج بھی درست نکلیں گے اور اگر معرفت ہی مشکوک یا غلط ہوگی تو اس کے دنیوی یا اخروی نتائج بھی ویسے ہی نکلیں گے۔

آیت نمبر ۲۴: روزِ قیامت اہلِ جہنم چاہیں گے کہ کسی طرح اللہ ﷻ کو راضی کر لیں یا اپنے سابقہ جرائم پر توبہ کر لیں لیکن اُنہیں ایسا کوئی موقع نہیں دیا جائے گا۔ بلکہ ہر حال میں اُنہیں آگ کے عذاب سے ہی دوچار ہونا ہوگا۔

علمی بات: دنیا میں جب کوئی انسان مصیبت پر صبر کرتا ہے تو اس کی مصیبت ٹل جاتی ہے اور آخرت میں اجرِ عظیم بھی ملتا ہے اور جب کوئی انسان اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہے تو اللہ ﷻ اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے، مگر منکرین کو قیامت کے دن جب جہنم رسید کر دیا جائے گا تو وہ جہنم کے اندر صبر کریں یا شور مچائیں وہ ہمیشہ جہنم ہی میں رہیں گے اور اگر وہ جہنم کے اندر معافی مانگیں گے تو بھی اُنہیں معافی نہیں ملے گی کیونکہ صبر کرنے اور معافی مانگنے کا تعلق دار العمل (دنیا) سے تھا جہاں وہ یادِ الٰہی سے غافل ہو کر سرکشی میں سرگرم رہے۔ اب آخرت تو دار الجزا ہے، یہاں اُنہیں اپنے کرتوں کی سزا بھگتنا ہوگی۔

آیت نمبر ۲۵: نافرمانوں کی آزمائش کے لئے اللہ ﷻ اُنہیں بُرے لوگوں کی رفاقت دے دیتا ہے جو ان کے جرائم کو ان کے لئے مزیّن کرتے رہتے ہیں۔ مراد وہ شیاطین و انسان ہیں جو باطل پر اصرار کرنے والوں کے ساتھ لگ جاتے ہیں۔ سابقہ اقوام کے نافرمان جنات اور انسانوں کی طرح نزولِ قرآن کے دور کے نافرمانوں پر بھی عذاب کا وعدہ پورا ہوگا۔ بلاشبہ یہ سب نقصان اٹھانے والے ہیں۔

علمی بات: یہ اللہ ﷻ کی مستقل سنت ہے کہ وہ بُری نیت اور خواہشات رکھنے والے انسانوں کو کبھی اچھے ساتھی نہیں دلواتا، بلکہ اُنہیں ان کے اپنے رجحانات کے مطابق بُرے ساتھی ہی دلواتا ہے۔ پھر جتنے جتنے وہ بدی کی پستیوں میں اُترتے جاتے ہیں اتنے ہی بدتر سے بدتر آدمی اور شیاطین کے ہم نشین اور رفیقِ کار بنتے چلے جاتے ہیں۔ قانونِ فطرت ہے کہ ہر شخص کو ویسے ہی دوست ملتے ہیں جیسا وہ خود ہوتا ہے۔ ایک نیک آدمی کے ساتھ اگر بُرے لوگ لگ بھی جائیں تو وہ اس کے ساتھ زیادہ دیر تک لگے نہیں رہ سکتے۔ اور اسی طرح ایک بدنیت اور بدکردار آدمی کے ساتھ نیک اور شریف انسانوں کی رفاقت اتفاقاً واقع ہو بھی جائے تو وہ زیادہ دیر تک نہیں رہ سکتی۔ بدآدمی طبعی طور پر بدی کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور بدی اس کی طرف کھنچتی ہے، جس طرح غلاظت مکھیوں کو کھینچتی ہے اور مکھیاں غلاظت کی طرف کھنچتی ہیں۔

آیت نمبر ۲۶: کفار نے باہم طے کیا کہ اگر اپنا غلبہ برقرار رکھنا ہے تو قرآن حکیم کی دعوت میں رکاوٹ ڈالی جائے۔ انہوں نے طے کیا کہ جب آپ (ﷺ) لوگوں کو قرآن سنائیں تو شور شرابہ کیا جائے تاکہ قرآن کا پیغام لوگوں تک نہ پہنچ سکے۔ (معاذاللہ)

علمی بات: ۱۔ کفارِ مکہ جب قرآنِ حکیم کے مقابلہ سے عاجز آ گئے کہ قرآنِ حکیم کو اور اس کی تعلیمات کو روکنے میں ان کی ساری تدبیریں ناکام ہو گئیں تو انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو یہ مشورہ دیا کہ وہ قرآنِ حکیم کو نہ سنیں اور جب قرآنِ حکیم پڑھا جائے تو وہاں شور و غل مچایا کریں تاکہ حاضرین

کے کانوں میں قرآنِ حکیم کی آواز نہ جائے اور ان کے دل قرآنِ حکیم کی بلاغت اور خوبیوں سے متاثر نہ ہوں۔ چنانچہ جب مسلمان قرآنِ حکیم پڑھتے تو کفار تالیاں پیٹتے، سیٹیاں بجاتے اور آوازیں نکالتے اور اسے اپنے غلبہ کا باعث جانتے تھے۔

علمی بات: ۲۔ یہ کفار مکہ کے ان منصوبوں میں سے ایک تھا جس سے وہ نبی کریم ﷺ کی دعوت و تبلیغ کو ناکام کرنا چاہتے تھے (معاذ اللہ)۔ اُنہیں خوب معلوم تھا کہ قرآنِ حکیم اپنے اندر کس بلا کی تاثیر رکھتا ہے، اس کو سنانے والا کس پائے اور درجہ کی شخصیت ہے اور اس شخصیت کے ساتھ اس کا طرز ادا کس درجہ مؤثر ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ایسے عالی مرتبہ شخص کی زبان سے اس دلکش انداز میں اس بے نظیر کلام کو جو سنے گا وہ آخر کار گھائل ہو کر رہے گا۔ اس لئے انہوں نے یہ پروگرام بنایا کہ اس کلام کو نہ خود سنو، نہ کسی کو سننے دو۔ لیکن تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ان کی یہ تدبیر بھی کامیاب نہ ہو سکی۔ قرآنِ حکیم کا اثر لوگوں پر مسلسل ہوتا رہا اور وہ مسلمان ہوتے رہے۔ آخر کار قرآنِ حکیم اور اسلام ہی ان سب لوگوں پر غالب آ گئے۔

آیت نمبر ۲۷: کفر کرنے والوں کو عنقریب سخت عذاب کا مزہ چکھایا جائے گا۔ اُنہیں ان کے بُرے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

علمی بات: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کفار کو سخت تنبیہ کی ہے کہ قرآنِ کریم کی مخالفت کی بنا پر ہم اُنہیں سخت عذاب دیں گے اور ان کے بُرے کاموں کا ضرور بدلہ دیں گے۔ ان کے وہ منصوبے اور عزائم جو قرآنِ مجید کی دعوت کو روکنے اور مٹانے کے لئے بنائے گئے ہیں، اس کے بدلہ میں اُنہیں سخت سزا دی جائے گی۔

آیت نمبر ۲۸: یہ بدلہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دشمنوں کا ہوگا جن کا ٹھکانا آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ اس لئے کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور راہ حق میں رکاوٹ ڈالتے تھے۔

علمی بات: قرآنِ مجید کے دشمنوں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا دشمن قرار دیا گیا ہے۔ چونکہ قرآنِ حکیم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کلام ہے، اس لئے قرآنِ کریم سے دشمنی کرنے والے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دشمن ہیں۔ لہٰذا قرآنِ مجید کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دشمنوں کا کام ہے۔

فکری پہلو: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی آیتوں کا انکار ایک بہت بڑا جرم ہے جس کا بدلہ دوزخ کی ہولناک آگ ہے۔ کفر و انکار اور دین حق کی تعلیماتِ مقدسہ سے اعراض و روگردانی، بیماریوں کی بیماری اور تمام مفاسد و مہالک اور خرابیوں کی جڑ اور بنیاد ہے۔ اس سے انسان کا زاویہ نگاہ ہی بدل جاتا ہے۔ اس کے طور طریقے بدل جاتے ہیں اور وہ حق اور حقیقت سے محروم ہو کر دائمی ہلاکت کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں انکار حق کے ہر شائبہ سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین!

آیت نمبر ۲۹: روزِ قیامت اہل جہنم اپنا انجام دیکھیں گے تو اُنہیں اپنے وہ رہنما یاد آئیں گے جنہوں نے دنیا میں اُنہیں گمراہ کیا تھا۔ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے اُنہیں دکھائے جانے کی التجا کریں گے تاکہ وہ اُنہیں اپنے پیروں تلے روند ڈالیں تاکہ وہ خوب ذلیل ہوں۔

علمی بات: وہ لوگ جو شیطانوں اور جھوٹے لیڈروں کو اپنا رہنما بناتے ہیں۔ یہ لوگ دنیا میں ایک دوسرے سے خوب دوستی رکھتے ہیں۔ مگر آخرت میں صورت حال بالکل اس کے برعکس ہوگی۔ وہاں گمراہ سرداروں کی پیروی کرنے والے لوگ جب دیکھیں گے کہ ان کے جھوٹے رہنماؤں نے ان کو صرف جہنم میں پہنچایا ہے تو وہ ان سے سخت متنفر ہو جائیں گے اور وہ چاہیں گے کہ اُنہیں حقیر و ذلیل کر کے اپنے دل کی تسکین حاصل کریں۔

آیت نمبر ۳۰: جن لوگوں نے شرک چھوڑ کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو اپنا رب تسلیم کر لیا اور پھر اس پر ڈٹ گئے، ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر ایمان لا کر اس پر قائم رہتے ہیں اور ساری مشکلات کا مقابلہ کر کے زندگی بھر اس پر جمے رہتے ہیں۔ فرشتے اُنہیں ماضی کے حادثات پر غم نہ کرنے اور مستقبل کے حوالہ سے خوف نہ کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ نیز فرشتے اُنہیں اس جنت کی بشارت دیتے ہیں جن کا وعدہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعہ کیا گیا ہے۔

علمی بات: ۱۔ اِستقامت کے لغوی معنیٰ ہیں: ڈٹ جانا، جم جانا، جھیلنا، برداشت کرنا۔ اِستقامت کل تعلیماتِ دینی کا خلاصہ و عطر ہے۔

فرمان نبوی ﷺ: حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے اسلام کے بارے میں کوئی ایسی بات بتائیں کہ آپ ﷺ کے سوا کسی اور سے کچھ دریافت کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم کہو: میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر ایمان لایا اور پھر اس پر (ڈٹ جاؤ) ثابت قدم رہو۔" (صحیح مسلم)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ربوبیت پر اِستقامت کے دو پہلو ہیں: ۱۔ اِستقامتِ ظاہری۔ ۲۔ اِستقامتِ باطنی

۱۔ اِستقامتِ ظاہری: جس کے چند مظاہر یہ ہیں: i ۔ عبادتِ رب یعنی دلی آمادگی کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مکمل اطاعت کرنا۔ ii۔ امر بالمعروف یعنی نیکیوں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے پسندیدہ کاموں کی دعوت دینا اور ایک ایسے اسلامی معاشرے کی تشکیل کی کوشش کرنا جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان سے مقصود ہے۔ iii۔ نہی عن المنکر یعنی برائیوں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ناپسندیدہ کاموں سے منع کرنا۔ تاکہ معاشرہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نافرمانیوں سے پاک ہو۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس حکم پر عمل کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کر دینا۔

۲۔ اِستقامتِ باطنی: جس سے مراد یہ ہیں: i۔ رب کی رضا پر راضی رہنا یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہر فیصلہ کو دل و جان سے تسلیم کرنا اور کسی بھی انداز سے کوئی شکوہ شکایت نہ کرنا۔ ii۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا شکر کرنا یعنی ہر نعمت کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کی عطا سمجھنا اور اس پر نہ اترانا۔ iii۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی سے ڈرنا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر بھروسہ کرنا اور اُسی سے امید رکھنا۔ v ۔ تمام معاملات اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سپرد کرنا۔

علمی و عملی بات: مفسرین کی ایک رائے کے مطابق اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نیک بندوں کو دنیاوی زندگی میں، مرتے وقت، قبر میں اور روزِ محشر ملائکہ کی رفاقت حاصل ہوتی ہے۔

عملی بات: ۲۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ربوبیت پر استقامت اختیار کرنے والوں کو فرشتوں کے ذریعہ خوشخبری دی گئی ہے کہ "نہ تم ڈرو اور نہ کچھ غم کرو۔" حزن غم کا تعلق ماضی کے افسوس ناک واقعات سے اور خوف کا تعلق مستقبل کے اندیشوں سے ہوتا ہے۔ خوف اور غم کے ختم ہونے کی نعمت اِس یقین کی بنیاد پر حاصل ہوتی ہے کہ ماضی میں جو کچھ ہوا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کیا اور مستقبل میں جو ہوگا وہ بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کے حکم سے ہوگا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہر فیصلہ میں خیر ہی خیر ہے۔ وہ ہمارا ہم سے بڑھ کر خیر خواہ اور ہماری مصلحتوں کا ہم سے بڑھ کر جاننے والا ہے۔

آیت نمبر ۳۱: فرشتے اُنہیں دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت میں بھی اپنی رفاقت کی بشارت دیتے ہیں۔ دنیا میں بھی محافل قرآنی، معرکہ حق و باطل، اہل ایمان کی نصرت اور دیگر مواقع پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے۔ نیز فرشتے اہل ایمان کو جنت کے حوالہ سے مزید خوشخبری دیتے ہیں۔ وہاں ان کی تمام خواہشات کی تسکین کا سامان ہوگا اور ان کی ہر مطلوبہ نعمت اُنہیں میسر ہوگی۔

علمی بات: ۱۔ جس طرح کفار کے ساتھی شیاطین ہوتے ہیں اسی طرح اہل ایمان کے ساتھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نوری فرشتے ہوتے ہیں۔ جس طرح کہ شیاطین، کفر و ضلال کے رشتے کی بنا پر کفار، مفسدین، منافقوں اور گمراہوں کے ساتھی اور دوست ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایمان و یقین کے پاکیزہ رشتہ کی بنا پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نوری فرشتے نیک اور مخلص اہل ایمان کے ساتھی اور دوست ہو جاتے ہیں۔

علمی بات: ۲۔ دنیا میں فرشتوں کی دوستی یہ ہے کہ وہ صالح مومنین کے دلوں میں حق کی بات ڈالتے ہیں، اُنہیں خیر و صلاح کا مشورہ دیتے رہتے ہیں اور ان کے لئے دُعائے رحمت کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں نازک لمحات میں خاص طور سے حق و باطل کی کشمکش کے موقع پر جب کہ قدموں کے ڈگمگا جانے کا خطرہ ہوتا ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اِذن سے وہ ان کی ڈھارس بندھانے کا کام کرتے ہیں تاکہ وہ ثابت قدم رہیں۔ آخرت میں فرشتوں کی رفاقت اس طرح ہوگی کہ وہ نیک ایمان والوں کے ساتھ اِکرام کے ساتھ پیش آئیں گے، ان کا استقبال کریں گے، سلام پیش کریں گے، مبارک باد دیں گے اور ان کی شفاعت بھی کریں گے۔

علمی بات: ۳۔انسان کے دل جو کچھ چاہتے ہیں اور چاہیں گے وہ سب اللہ ﷻ کے علم میں ہے، کیونکہ انسان کے دل کے تقاضوں اور اس کی خواہشات کو بھی اللہ ﷻ ہی نے پیدا کیا ہے۔ لہٰذا اللہ ﷻ اس کی خواہشات کا مکمل سامان وہاں فراہم کرے گا۔ البتہ مانگنے اور طلب کرنے کے حوالے سے ہر شخص کا اپنی ذہنی سطح کے مطابق ذوق ہوتا ہے۔ جیسے ایک بچہ اپنی پسند کی کوئی چیز مانگے گا، ایک سادہ دیہاتی اپنے معیار کی چیز طلب کرے گا۔ الغرض جو کوئی جو کچھ مانگے گا وہ سب اس کے سامنے حاضر کر دیا جائے گا۔ (بیان القرآن)

آیت نمبر ۳۲: جنت میں اہل جنت اللہ ﷻ کے مہمان ہوں گے جو بڑی بخشش والا اور بڑا مہربان ہے۔ اللہ ﷻ میزبان ہو اور بندہ مہمان ہو تو بندہ کی سعادتوں کا کیا عالم ہو گا!!!

علمی بات: اصل میں "نُزُل" مہمان کی ابتدائی ضیافت کو کہتے ہیں۔ ان آیات میں جنت کی جن نعمتوں کا ذکر آیا ہے ان کا تعلق اہل جنت کی ابتدائی مہمان نوازی سے ہے۔ لیکن بڑی اور حقیقی مہمان نوازی جو اس کے بعد ہو گی اور ہمیشہ جاری رہے گی اور اس سے بہت بڑھ چڑھ کر ہو گی، اس کی کیفیت ہمارے احاطہ ٔشعور میں نہیں آسکتی، اس کی حقیقت کا علم صرف اللہ ﷻ کی ذات کو ہے۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ ﷻ نے فرمایا: میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے (جنت میں) وہ کچھ تیار کیا ہے جو نہ کسی آنکھ نے آج تک دیکھا اور نہ کسی کان نے اس بارے میں سنا اور نہ کسی کے دل میں ان کے بارے میں خیال پیدا ہوا۔" (صحیح بخاری)

آیت نمبر ۳۳: توحید عملی کا اہم تقاضا دعوت الی اللہ ہے۔ توحید کا عقیدہ اختیار کر لینا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے تقاضوں پر عمل اور دوسروں کو اس کی دعوت دینا بھی ضروری ہے۔ قوت بیان اللہ ﷻ کی عطا کردہ ایک اہم ترین نعمت ہے جس کا بہترین استعمال دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام دینا ہے۔ دعوت الی اللہ کا فریضہ اُمّت مسلمہ کی ذمہ داری ہے اور ختم نبوت کے عقیدہ کا عملی تقاضا بھی۔ اس شخص کی بات کو بہترین قرار دیا گیا ہے جس میں یہ تین خوبیاں ہوں۔ ایک یہ کہ وہ اللہ ﷻ کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہو۔ دوسری یہ کہ خود بھی اچھے اعمال انجام دیتا ہو، اس کے قول و فعل میں تضاد نہ ہو۔ تیسری یہ کہ زبان سے اللہ ﷻ کی فرماں برداری اور اطاعت کا اقرار کرتا ہو نیز اپنے آپ کو عام مسلمانوں کی طرح سمجھے۔

علمی بات: انسان کی قوتِ بیان کا سب سے اچھا مصرف یہ ہے کہ وہ اِسے "دعوت الی اللہ" کے لئے استعمال کرے۔ انسان کی قوتِ بیان کے استعمالات دو طرح کے ہیں:

i. **منفی استعمال:**

۱۔ مثلاً مجلسی بُرائیاں (جیسے غیبت کرنا)
۲۔ ذاتی مفادات کے لئے (جیسے جھوٹے مقدمات کی وکالت کرنا)
۳۔ اجتماعیت میں تخریب کے لئے (جیسے افواہیں پھیلانا)
۴۔ شر کی دعوت (جیسے لسانی یا نسلی عصبیت کی دعوت دینا)
۵۔ ذریعہ بے حیائی کی دعوت دینا وغیرہ۔

ii. **مثبت استعمال:**

۱۔ پیشہ کے طور پر (جیسے سچے مقدمات کی وکالت کرنا، اساتذہ کا مفید علوم کے لئے درس و تدریس کرنا)
۲۔ خیر کی دعوت (جیسے خدمتِ خلق کی طرف متوجہ کرنا، عقائد اور اعمال کی اصلاح کے لئے وعظ و نصیحت کرنا) اِسی حوالہ سے اعلیٰ ترین کام ہے "دعوت الی اللہ" یعنی ہر سطح پر اللہ ﷻ کی بندگی اور توحید کی دعوت دینا۔

دعوت الی اللہ کے لئے چند اہم نکات: ا۔"دعوت الی اللہ" کا کام مقصدِ امت ہے۔ ۲۔"دعوت الی اللہ" کا عمل مؤکد ترین سنتِ نبوی ﷺ ہے۔ یہ وہ متفقہ سنت ہے جس پر آپ ﷺ نے ظہورِ نبوت سے لے کر حیاتِ مبارکہ کے آخری سانس تک عمل کیا۔ ۳۔"دعوت الی اللہ" کا اصل محرک لوگوں کی ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ ہونا چاہیئے۔ ۴۔ جس سے جتنی قربت اور محبت داعی کو ہو، دعوت کے عمل میں اِسی قدر اُسے مقدم رکھا جائے۔ دعوت کا تخاطب لازماً ایک تدریج کے ساتھ داعی کے اپنے نفس سے شروع ہو کر پوری انسانیت کو ہونا چاہیئے۔
۵۔"دعوت الی اللہ" کے لئے قرآنِ حکیم کو ذریعہ بنانا چاہیئے۔ ارشاداتِ باری تعالیٰ ہیں: "اور اس (قرآن) کے ذریعہ ان سے بڑا جہاد کریں۔" (سورۃ الفرقان ۲۵، آیت:۵۲)

دعوت اور عمل کا باہمی تعلق: عمل دعوت کا لازمی تقاضا ہے۔ اگر عمل نہ کیا جائے تو نہ صرف دعوت کا اثر نہیں ہوتا بلکہ دعوت کا کام کرنے والوں پر لوگوں کا اعتماد ختم ہو جاتا ہے۔ قرآنِ حکیم میں اللہ ﷻ نے دعوت دینے لیکن خود عمل نہ کرنے پر سخت تنبیہ فرمائی: "کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب کی تلاوت (بھی) کرتے ہو تو کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے۔" (سورۃ البقرۃ ۲، آیت:۴۴)

علمی و عملی بات: قَالَ اِنَّنِیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ (دعوت دینے والا کہے میں بھی عام مسلمانوں میں سے ہوں)۔ اِن الفاظ کی افادیت یہ ہے کہ:
یہ اعلان ایک کلمۂ عزیمت ہے کہ کوئی دعوت قبول کرے یا نہ کرے میں تو اللہ ﷻ کی فرماں برداری اختیار کر رہا ہوں۔ یہ کلمۂ تواضع اور انکساری کا بھی اظہار ہے۔ دعوت دینے والا وضاحت کر رہا ہے کہ میں خود کو بڑا صاحبِ علم اور پارسا سمجھ کر وعظ و نصیحت نہیں کر رہا بلکہ میں خود بھی عام مسلمانوں میں سے ہوں۔ یہ کلمہ فرقہ وارانہ تقسیم سے اعلان برأت بھی ہے۔ دین کی دعوت دینے والا واضح کر رہا ہے کہ میری دعوت کسی گروہ یا فرقہ کی طرف نہیں بلکہ اِسلام کے ان اُمور کے حوالہ سے ہے جن پر سب کا اتفاق ہے اور اس میں کوئی فرقہ واریت والی بات نہیں۔

آیت نمبر ۳۴: دعوت کے مرحلہ سے متعلق اہم اخلاقی ہدایات دی گئی ہیں۔ نیکی اور بُرائی برابر نہیں ہوتی۔ لہٰذا دعوتِ حق کے مخالفین کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔ ان کی بُرائیوں کا جواب بھلائی سے دیا جائے۔ اس طرزِ عمل سے جانی دشمن بھی گرم جوش دوست بن جائے گا۔

علمی بات: نیکی اور بُرائی برابر نہیں بلکہ دونوں کی تاثیر جداگانہ ہے۔ ایک اخلاقی ہدایت دی گئی ہے کہ بُرائی کا بدلہ اچھائی سے دیا جائے۔ یعنی بُرائی کا بدلہ احسان کے ساتھ، زیادتی کا بدلہ درگزر کے ساتھ، غضب کا صبر کے ساتھ، بے ہودگی کا جواب چشم پوشی کے ساتھ اور مکروہات (ناپسندیدہ باتوں) کا جواب برداشت اور حلم کے ساتھ دیا جائے۔ اس طرزِ عمل کے نتیجہ میں سخت سے سخت دشمن بھی ڈھیلا پڑ جائے گا۔ اور چاہے دل سے دوست نہ بنے تاہم ایک وقت آئے گا جب وہ ظاہر میں ایک گہرے اور گرم جوش دوست کی طرح برتاؤ کرنے لگے گا۔ بلکہ ممکن ہے کہ کچھ دنوں بعد سچے دل سے دوست بن جائے اور دشمنی وعداوت کے خیالات یکسر قلب سے نکل جائیں۔

آیت نمبر ۳۵: بُرائی کا جواب اچھائی سے دینا آسان نہیں ہے۔ یہ سعادت ان ہی کو ملتی ہے جو صبر کرنے نیز ناپسندیدہ باتوں کو برداشت کرنے والے ہوں۔ یہ سعادت بہت بڑی خوش نصیبی ہے۔

علمی بات: اس آیت سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ بُرائی کا بدلہ بھلائی سے دینا ایک عظیم حکمت ہے۔ دوسری یہ کہ اس حکمت کے حامل صرف وہ لوگ ہو سکتے ہیں جن کے اندر صبر کا جوہر ہو۔ جن کے اندر یہ جوہر نہ ہو وہ اس کے اہل نہیں ہیں۔ اس وجہ سے اس کے طالبوں کو اپنے اندر صبر کی صفت راسخ کرنی چاہیئے۔ تیسری یہ کہ یہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے بلکہ ایک لازوال خزانہ ہے اس وجہ سے ہر جُرأت مند اور ہمت و حوصلہ رکھنے والے دلیر شخص کو اس کے حاصل کرنے کے لئے بازی کھیلنی چاہیئے۔ بڑے ہی خوش نصیب اور قابلِ رشک ہیں وہ لوگ جو اس بازی میں کامیاب ہو جائیں۔

عملی پہلو: یہ نسخہ ہے تو بڑا کارگر، مگر اسے استعمال کرنا کوئی ہنسی کھیل نہیں ہے۔ یہ کام وہی شخص کر سکتا ہے جو ٹھنڈے دل سے حق کی سربلندی کے لئے کام کرنے کا پختہ عزم کر چکا ہو، جس نے پوری طرح سے اپنے نفس کو عقل و شعور کے تابع کر لیا ہو اور جس کے اندر نیکی و راستی ایسی گہری جڑیں پکڑ چکی ہوں کہ مخالفین کی کوئی شرارت و خباثت بھی اسے اس کے مقامِ بلند سے نیچے اُتار لانے میں کامیاب نہ ہو سکتی ہو۔

آیت نمبر ۳۶: اگر شیطان دعوتِ دین اور عمدہ اخلاقی رویہ میں رکاوٹ ڈالے تو اس کے شر سے بچنے کے لئے فوراً اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی پناہ لی جائے۔ کیوں کہ وہی دُعاؤں کو سنتا اور سب کے حال سے واقف ہے اور وہی شیطان کے حملوں سے بچانے والا ہے۔

علمی بات: شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ وہ اسے صراط مستقیم سے ہٹانا چاہتا ہے اور گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کوئی نیک بندہ اپنے حسن عمل سے خوبصورت روایات قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے تو شیطان اسے پچھاڑنے کے لئے اپنی کوششیں تیز کر دیتا ہے۔ وہ بھلا کب گوارا کر سکتا ہے کہ اہل ایمان کی ذات میں نیکی، حسن خلق اور پاک بازی کا ایک ایسا حسین پیکر دنیا کے سامنے پیش ہو جسے دیکھ کر دل بے ساختہ اس کی طرف کھچے چلے آئیں۔ وہ ضرور ڈنگ مارتا ہے اور پوری کوشش اور تگ و دو کرتا ہے کہ اہل ایمان سے کوئی ایسی بات صادر ہو جائے جس کو بگاڑ کر خلط ملط کر کے وہ ان کی سیرت کی دلکشی اور جاذبیت ختم کر دے۔ اپنے دشمن کے اس وار سے اہل ایمان کو ہمیشہ چوکنا رہنا چاہیئے ایسا نہ ہو کہ وہ پچھاڑ دیئے جائیں۔ جب بھی شیطان کوئی بات ان کے دل میں ڈالے، اُنہیں چاہیئے کہ ایک لمحہ ضائع کیئے بغیر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی پناہ حاصل کرنے کے لئے التجا کریں، تاکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اُنہیں شیطان کے شر سے محفوظ رکھے۔

علمی و عملی بات: شیطان کے وسوسہ اور اس کے شر سے بچنے کا واحد علاج اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی پناہ ہے۔ جب انسان صدقِ دل سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی پناہ طلب کرتا ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کو ضرور اپنی حفاظت اور پناہ میں لے لیتا ہے۔ جب کوئی بندہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی پناہ میں آجائے تو پھر شیطان اس کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی پناہ میں آنے کے بعد وہ بندہ ہر قسم کے شرور و فتن سے بچ جاتا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ شیطان کو اس پر قابو نہیں دیتا۔ پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی پناہ ہی بندے کے لئے اصل اور سب سے بڑی حفاظت ہے۔

آیت نمبر ۳۷: رات اور دن، سورج اور چاند، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت کے مظاہر ہیں۔ اگر فی الواقع اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کرنی ہے تو براہِ راست اسی کی عبادت کی جائے جو ان سب کا خالق اور ظاہر کرنے والا ہے۔ خالق کے بجائے مخلوق کو اپنا معبود مان کر اُنہیں سجدہ نہ کیا جائے۔

علمی بات: رات اور دن، سورج اور چاند اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ سورج اور چاند بھی انسان کی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلوق ہیں اور اس کے حکم کے پابند ہیں، لہٰذا وہ اس قابل نہیں ہیں کہ انسان ان کو سجدہ کرے بلکہ سجدہ کا مستحق اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے۔ پس انسان کو چاہیئے کہ صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو سجدہ کرے اور اس کے علاوہ کسی کو سجدہ نہ کرے۔ سورج اور چاند کے بعض پجاری یہ کہتے ہیں کہ ان چیزوں کی پرستش سے ہمارا مقصد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی پرستش ہے۔ اس آیت میں اُنہیں تنبیہ کی جارہی ہے کہ اگر تم واقعی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کرتے ہو تو پھر صرف اسی کی عبادت کرو، سورج اور چاند عبادت کے لائق نہیں ہیں۔

آیت نمبر ۳۸: غرور اور تکبر کی بنا پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہونے سے گریز کرنے والوں کی نافرمانی سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ بے نیاز ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے مقرب فرشتے تو دن رات اس کی تسبیح اور فرماں برداری کرتے ہیں۔ ایسا کرنے سے وہ تھکتے نہیں ہیں۔

علمی بات: ۱۔ اگر لوگ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کرنے سے روگردانی کرتے ہیں اور تکبر کرتے ہیں تو اس سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شان میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ سرکش لوگ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے منہ موڑ کر اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں، یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عظمت و بزرگی کا عالم یہ ہے کہ بے شمار مقرب فرشتے ہر وقت اس کی تسبیح میں مشغول رہتے ہیں، وہ نہ کبھی تھکتے ہیں اور نہ اکتاتے ہیں۔

علمی بات:۲۔ قرآنِ حکیم میں بعض آیات "آیات سجدہ" کہلاتی ہیں جن کی تلاوت کرنے یا سننے پر سجدہ کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ یہ آیت بھی ان آیات سجدہ میں سے ایک ہے۔

نوٹ: سجدۂ تلاوت سے متعلق تفصیلی وضاحت سورۃ الاعراف کی آیت: 206 میں ملاحظہ فرمائیں۔

آیت نمبر ۳۹: زمین اللہ ﷻ کی قدرت کی عظیم نشانی ہے۔ خشک سالی کی وجہ سے وہ ایسے نظر آتی ہے گویا مردہ ہو۔ پھر اللہ ﷻ کے حکم سے اس پر بارش کا نزول ہوتا ہے اور یہ سبزہ اور مختلف نباتات سے زندہ ہو جاتی ہے۔ بلاشبہ اللہ ﷻ جو مردہ زمین کو دوبارہ زندہ کر سکتا ہے وہ انسانوں کو بھی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ فرمائے گا۔ بلاشبہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

علمی بات: مُردہ زمین کو بارش کے ذریعہ سے زندہ کر دینا اور فصل کے قابل بنا دینا، اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ ﷻ مُردوں کو بھی یقیناً زندہ کر دے گا۔ بعض اوقات زمین خشک ہو جاتی ہے سبزی بالکل نہیں رہتی سوکھی ہوئی حالت میں پڑی رہتی ہے۔ پھر اللہ ﷻ بارش برساتا ہے جس سے زمین میں تازگی آجاتی ہے اور پھلتی پھولتی ہے۔ اس سے پودے اُگتے ہیں اور زمین ہری بھری ہو جاتی ہے۔ قیامت قائم ہونے اور زندہ ہو کر قبروں سے نکلنے اور دوبارہ زندگی حاصل ہونے کو جو لوگ بعید اور عجیب سمجھتے ہیں، ان کے لئے زمین کی حالت بدلنا خشک زمین کا تر و تازہ ہو جانا اس میں پودے نکل آنا، یہ اس بات کی نظیر ہے کہ انسان بھی مَر کر پھر اسی طرح زندہ ہو کر قبروں سے باہر آجائیں گے۔

آیت نمبر ۴۰: ان لوگوں کے لئے شدید وعید ہے جو اللہ ﷻ کی آیات کا انکار کرتے ہیں یا اس کے مفہوم میں تحریف کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ ﷻ کی آیات میں ٹیڑھ اختیار کرنے والے اس سے پوشیدہ نہیں ہیں اور وہ آگ میں ڈالے جائیں گے۔ تو کیا ایسا شخص بہتر ہے؟ یا وہ جو روز قیامت بے خوف ہو گا اور عذاب سے محفوظ ہو گا۔ ان کو اختیار ہے کہ وہ جو چاہیں کریں لیکن ان کے اعمال کو اللہ ﷻ خوب دیکھ رہا ہے۔

علمی بات:۱۔ جو لوگ اللہ ﷻ کی آیات سے انحراف اور کج روی اختیار کرتے ہیں، وہ اللہ ﷻ سے پوشیدہ اور چھپے ہوئے نہیں ہیں کہ اس کے عذاب سے بچ جائیں گے، بلکہ اللہ ﷻ ان کی تمام حرکات سے بخوبی واقف ہے اور ان کو سزا دینے پر بھی قادر ہے۔ بھلا وہ شخص جس کو جہنم کی دہکتی آگ میں ڈالا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ شخص جو امن و سکون اور اطمینان کے ساتھ جنت میں داخل ہو گا۔ اس کا جواب معلوم ہے کہ یقیناً جہنم کے عذاب سے بچ جانے والا اور اطمینان کے ساتھ جنت میں داخل ہونے والا ہی بہتر ہے۔ آیت کے آخر میں اللہ ﷻ نے ان لوگوں کو ڈرانے کے لئے فرمایا ہے کہ جو چاہو کرتے رہو، اللہ ﷻ تمہارے تمام کرتوتوں سے خوب واقف ہے، لہٰذا تم اس کے عذاب سے بچ نہیں سکتے۔

علمی بات:۲۔ اللہ ﷻ کی آیات میں الحاد (بے شک جو ہماری آیتوں میں ٹیڑھ اختیار کرتے ہیں) کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ﷻ کی آیات اور اس کی نشانیاں تو کسی اور سمت میں رہنمائی کر رہی ہوں لیکن آدمی اپنی دھاندلی، ضد یا کج بحثی سے کوئی اور راہ اختیار کرے اور لوگوں کو بھی اس کی طرف موڑنے کی کوشش کرے۔ اللہ ﷻ کی آیات کا جو مطلب ہے وہ مطلب نہ لے، باقی ہر طرح کے غلط معنٰی ان کو پہنا کر خود بھی گمراہ ہو اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا رہے۔

آیت نمبر ۴۱: اللہ ﷻ کی آیات کا انکار کرنے اور ان میں تحریف کرنے والوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ بلاشبہ قرآنِ حکیم ایک باعزت اور زبردست کتاب ہے اور طعن کرنے والوں کی باتوں سے بہت بلند ہے۔

علمی بات:۱۔ جن لوگوں کے پاس قرآنِ حکیم آگیا ہے اور وہ اس کا انکار کرتے ہیں، ان کا انجام نہایت ہی ہولناک ہے جو ان کو بہر حال بھگتنا ہو گا۔ اس کتاب کا انکار کرنے والوں نے اس کو ایک غیر اہم کتاب خیال کیا ہے اور وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا حالانکہ یہ کوئی معمولی کتاب نہیں بلکہ ایک زبردست کتاب ہے۔ اس کے بیان کردہ حقائق و دلائل کو نہ جھٹلایا جا سکتا ہے اور نہ نیچا دکھایا جا سکتا ہے۔

علمی بات: ۲۔ قرآنِ مجید کو "الذِّکر" یعنی یاددہانی قرار دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب تو اس گواہی کو اُجاگر کر کے انسان کے سامنے لا رہی ہے جو پہلے سے اس کی فطرت کے اندر مخفی ہے۔ اللہ ﷻ کی معرفت اور اس کی محبت تو انسانی اَرواح کے اندر پہلے سے موجود ہے لیکن بعض لوگوں کی عدم توجہی کی وجہ سے اس معرفت پر غفلت کے پردے پڑ گئے ہیں جس کے نتیجہ میں وہ اپنی فطرت کی اصل پہچان کو بھول کر اللہ ﷻ ہی کو بھول گئے ہیں۔ چنانچہ یہاں قرآنِ حکیم کو "الذِّکر" کہہ کر گویا اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ یہ کتاب انسانی فطرت میں پوشیدہ معرفت خداوندی کے ابدی سبق کی یاددہانی کے لئے آئی ہے۔ لیکن وہ جنہوں نے اس یاددہانی کا انکار کر دیا ہے اُنہیں اس کی سزا ضرور ملے گی۔

آیت نمبر ۴۲: عظمتِ قرآن کا ذکر ہے کہ قرآنِ کریم میں کسی پہلو سے بھی جھوٹ اور باطل راہ نہیں پا سکتا، نہ اس کے بیان کردہ دلائل اور حقائق کو جھٹلایا جا سکتا ہے۔ یہ اس پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جو اپنی ذات، اقوال و افعال میں حکیم ہے اور حمد و ثناء کے لائق ہے۔

علمی بات: ۱۔ اس قرآنِ حکیم میں کسی طور بھی کسی جہت سے باطل کی آمیزش نہیں ہو سکتی۔ یہ مکمل طور پر محفوظ کتاب ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ ﷻ نے لیا ہے۔ اس لئے کسی باطل کی مجال نہیں خواہ وہ شیطان ہو یا انسان کہ اس کتاب میں کمی بیشی یا کوئی تحریف کر سکے۔ یہ وہ کتاب ہے جسے اللہ ﷻ نے نازل کیا ہے جو بڑی حکمتوں والا ہے اور سب تعریفیں اسی کے لئے ہیں۔

علمی بات: ۲۔ جب سے قرآنِ مجید نازل ہوا ہے، اسی وقت سے مسلمانوں کے سینوں کے اندر محفوظ ہو کر نسل در نسل تواتر کے ساتھ منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ ہر زمانہ میں لاکھوں کی تعداد میں اس کے حافظ موجود رہے ہیں اور آج بھی موجود ہیں۔ دوسری طرف اس کے نزول کے ساتھ ہی اس کی کتابت شروع ہو گئی تھی اس دور سے لے کر آج تک مسلسل اور متواتر اس کی اشاعت ہو رہی ہے اور کروڑوں اور اربوں تک اس کے نسخے لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ چکے ہیں۔ پس یہ حفظ اور کتابت دونوں صورتوں میں ہر لحاظ سے محفوظ ہے۔

علمی بات: ۳۔ قرآنِ کریم نے جو حقائق بیان کیئے ہیں، کوئی علم ایسا وجود میں نہیں آ سکتا جو فی الواقع علم ہو اور قرآنِ حکیم کے بیان کردہ علم کی تردید کرتا ہو، کوئی تجربہ کوئی مشاہدہ ایسا نہیں ہو سکتا جو یہ ثابت کرے کہ قرآنِ حکیم نے عقائد، اخلاق، قانون، تہذیب و تمدن، معیشت و معاشرت اور سیاست کے باب میں انسان کی جو رہنمائی دی ہے وہ غلط ہے۔ اس کتاب نے جس چیز کو حق کہہ دیا ہے وہ کبھی باطل ثابت نہیں ہو سکتی اور جسے باطل کہہ دیا ہے وہ کبھی حق ثابت نہیں ہو سکتی۔

آیت نمبر ۴۳: نبی کریم ﷺ کی دل جوئی اور تسلی کا ذکر ہے۔ ماضی میں بھی رسولوں کو اللہ ﷻ کی کتابوں کے حوالہ سے ایسے ہی اعتراضات کا سامنا رہا۔ بلاشبہ اللہ ﷻ بہت مغفرت فرمانے والا ہے۔ توبہ کرنے والوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ البتہ حق کے مخالفین کو وہ عبرت ناک سزا بھی دیتا ہے۔

علمی بات: حضور نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ کفار مکہ آپ ﷺ کے متعلق جو دل آزار باتیں کرتے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ آپ ﷺ سے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کو بھی ایسی ہی تکلیف دہ باتیں کہی جاتی تھیں۔ انہوں نے صبر کیا آپ ﷺ بھی صبر کیجیے۔ آپ ﷺ کا رب مغفرت فرمانے اور دردناک عذاب دینے والا ہے۔ اگر یہ کفار توبہ کر کے مغفرت کے طلب گار نہ ہوئے تو اُنہیں دردناک عذاب دیا جائے گا۔

آیت نمبر ۴۴: اگر قرآنِ حکیم کو کسی عجمی زبان میں نازل کیا جاتا تو یہ امر باعث حیرت ہوتا کہ عربی بولنے والے رسول، عجمی کلام سنا رہے ہیں۔ مخالفین اس پر بھی اعتراض کرتے کہ ان کی ہدایت کے لئے عجمی زبان میں وحی کیوں نازل کی گئی ہے۔ درحقیقت ان کو حق قبول نہیں کرنا تھا۔ قرآنِ حکیم تو مخلص اہل ایمان کے لئے ہدایت اور ان کی ظاہری و باطنی بیماریوں کے لئے شفا ہے۔ البتہ جو قرآنِ کریم کو سننے اور سمجھنے کا ارادہ نہیں رکھتے وہ قرآنِ مجید سے ہدایت حاصل نہیں کر سکتے گویا وہ بہرے اور اندھے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے کہ کوئی دور سے ان کو آواز دے اور وہ اس کی بات کو سمجھ نہ سکیں۔

علمی بات:۱۔ کفار مکہ کا ایک اعتراض یہ تھا کہ قرآنِ مجید کو عجمی زبان میں نازل کیوں نہیں کیا گیا؟ اللہ ﷻ نے اس آیت میں ان کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ اگر ہم قرآنِ مجید کو عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں نازل فرماتے تو پھر بھی ان کو یہ شکایت ہوتی کہ یہ کتاب عجمی زبان میں ہے اور ہماری زبان عربی ہے۔ اور تعجب کا اظہار کرتے کہ عربی لوگوں پر عجمی زبان میں کتاب نازل کی گئی ہے، نبی تو عربی ہے لیکن کتاب عجمی ہے۔ اُنہیں اس کتاب کی زبان ہی نہیں آتی تو وہ اس کی تفصیلات کو کیسے سمجھیں اور اس پر عمل کیسے کریں؟ اللہ ﷻ نے اپنے حبیب کریم ﷺ کو تلقین فرمائی ہے کہ آپ ﷺ اُنہیں بتا دیجئے کہ یہی قرآنِ حکیم ایمان والوں کے لئے ہدایت اور رہنمائی کا ذریعہ ہے۔ اس میں دلوں کی بیماریوں کے لئے علاج اور شفا ہے۔ درحقیقت کفار کا حال یہ ہے کہ وہ قرآنِ مجید کو سمجھنے کا ارادہ ہی نہیں رکھتے، اس لئے ان کے کانوں میں تعصب کی گرانی ہے اور ان کی آنکھوں میں ہٹ دھرمی کی تاریکی ہے اور وہ قرآنِ مجید کی آواز کو اپنے دل و دماغ تک پہنچنے نہیں دیتے جس کی وجہ سے وہ اس نورِ ہدایت سے مستفید ہونے سے قاصر ہیں۔

علمی بات:۲۔ عربی زبان وحی الٰہی کے معنٰی و مفہوم کو ادا کرنے کے لحاظ سے موزوں ترین زبان ہے۔ یہ زبان امتیازی خصوصیات کی حامل ہے مثلاً یہ کہ وہ ایک منظم زبان ہے جس میں گرائمر کے لحاظ سے فعل، اسم فاعل، اسم مفعول وغیرہ کو ایک خاص سانچے (صیغے) میں ڈھالا جاتا ہے۔ اس کے بیشتر الفاظ اپنے ابتدائی اور اصل معنٰی (Root Word) کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس سے ان کے صحیح مفہوم کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ وہ حقائق و معارف کو ادا کرنے کی بہترین صلاحیت رکھتی ہے۔ اس میں جامع کلمات کہے جاسکتے ہیں اور مؤثر کلام پیش کیا جاسکتا ہے۔ حفظ کے پہلو سے یہ نہایت موزوں زبان ہے اس لئے نزول قرآنِ مجید کے لئے ایک بہترین اور موزوں ترین زبان کا انتخاب اللہ ﷻ کی طرف سے ہوا۔

آیت نمبر ۴۵: اللہ ﷻ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا کی لیکن اس کتاب کے ساتھ بھی مخالفین نے انکار کا طرزِ عمل ہی اختیار کیا۔ اب یہی صورتِ حال قرآنِ حکیم کے معاملہ میں بھی پیش آرہی ہے۔ اگر یہ بات طے نہ ہوتی کہ سرکشوں کو عذاب سے پہلے مہلت دی جائے گی تو فوراً ان کو عذاب دے کر تباہ کر دیا گیا ہوتا۔ مخالفین کا انکار محض شک کی وجہ سے ہے جو ان کو بے چین کیئے رکھتا ہے۔

علمی بات:۱۔ اللہ ﷻ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ سنا کر حضور نبی کریم ﷺ کو تسلی دی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ ﷻ نے تورات عطا کی تھی لیکن لوگوں نے اس میں بھی اختلاف کیا اور کسی نے تورات کے احکامات کو مانا اور کسی نے انکار کیا۔ اسی طرح کا معاملہ آپ ﷺ کے ساتھ ہو رہا ہے کہ کوئی آپ ﷺ پر ایمان لا رہا ہے اور کوئی انکار کر رہا ہے۔ اگر اللہ ﷻ کی طرف سے مہلت اور میعاد کی بات طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے مابین فیصلہ کر دیا جاتا اور کفار کو عذاب دے دیا جاتا۔

علمی بات:۲۔ بظاہر تو کفارہ مکہ بڑے زور شور سے قرآنِ حکیم کے کلام الٰہی ہونے اور آنحضرت ﷺ کے رسول ہونے کا انکار کرتے تھے، لیکن درحقیقت ان کا یہ انکار کسی یقین کی بنیاد پر نہیں تھا، بلکہ ان کے دلوں میں شدید تذبذب برپا تھا۔ ایک طرف ان کے ذاتی مفاد، ان کے نفس کی خواہشات اور ان کے جاہلانہ تعصبات یہ تقاضا کرتے تھے کہ قرآنِ مجید اور آپ ﷺ کو جھٹلائیں اور پوری طاقت کے ساتھ ان کی مخالفت کریں۔ دوسری طرف ان کے دل اندر سے پکارتے تھے کہ یہ قرآنِ مجید فی الواقع ایک بے مثل کلام ہے جس کے مانند کوئی کلام کسی ادیب یا شاعر سے کبھی نہیں سنا گیا، نہ کوئی مجنون دیوانگی کے عالم میں ایسی باتیں کر سکتا ہے، نہ کبھی شیاطین اس غرض کے لئے آسکتے ہیں کہ لوگوں کو خدا پرستی اور نیکی و پاکیزگی کی تعلیم دیں۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کی جب وہ تکذیب کرتے تھے تو ان کا دل اندر سے کہتا تھا کہ خدا کے بندو! کچھ شرم کرو، کیا یہ شخص جھوٹا ہو سکتا ہے؟ جس کی ساری زندگی مفاد پرستی کے ہر شائبے سے پاک رہی ہے، جس نے ہمیشہ نیکی اور بھلائی، حق و صداقت کی سربلندی کے لئے کام کیا ہے، مگر کبھی اپنی کسی نفسانی غرض کے لئے کوئی بے جا کام نہیں کیا۔

آیت نمبر ۴۶: عنقریب مخالفین کے انکار کا نتیجہ ظاہر ہو کر رہے گا۔ اچھے عمل کرنے والے سرخرو ہوں گے اور حق کی مخالفت پر ڈٹ جانے والے ذلیل ورسوا ہوں گے۔ اللہ ﷻ کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرے گا۔

علمی بات: جو نیکی کرے گا اس کا فائدہ اسی کو حاصل ہو گا اور جو بُرائی کرے گا اس کا وبال اسی پر آئے گا۔ اللہ ﷻ ذرہ برابر بھی اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ یعنی ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہو گا، بھلے کام کرنے والوں کو بھلائی کا نفع پہنچے گا اور بُرائی کرنے والوں کو بُرائی کا نقصان اور ضرر پہنچے گا کیونکہ اللہ ﷻ کے ہاں ظلم نہیں ہے، جیسا کوئی کرے گا ویسا بھرے گا۔

آیت نمبر ۴۷: سرداران قریش رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کرتے تھے کہ وہ قیامت کب آئے گی جس سے ان کو ڈرایا جا رہا ہے؟ آگاہ کر دیا گیا کہ قیامت کا علم اللہ ﷻ کے پاس ہے جسے ہر شے کا علم ہے۔ اللہ ﷻ خوب جانتا ہے کہ کس خوشہ سے پھل نکلے گا اور کس مؤنث کے رحم میں کیا ہے اور وہ کب اسے جنم دینے والی ہے؟ مشرکین کی تنبیہ کے لئے قیامت کا ایک منظر پیش کیا جا رہا ہے۔ اس دن ان سے ان معبودانِ باطلہ کے متعلق پوچھا جائے گا جن کو وہ اللہ ﷻ کا شریک قرار دیتے تھے۔ مشرکین شرک کا انجام دیکھ کر اپنے جرم کا اقرار کرنے کے بجائے انکار کر دیں گے۔

علمی بات: قیامت کب آئے گی؟ اس کا علم اللہ ﷻ کے پاس ہے۔ اللہ ﷻ کے علم کی وسعت کا یہ حال ہے کہ شگوفہ کے اندر اس کے پھل کے نکلنے تک جو کیفیات گزرتی ہیں اور رحم مادر پر جو جو مرحلے پیش آتے ہیں اور پھر جو وضع حمل ہوتا ہے، یہ تمام چیزیں اللہ ﷻ کے علم میں ہیں۔ قیامت کے روز اللہ ﷻ مشرکین سے پوچھے گا کہ تم نے جو میرے ساتھ شریک بنا رکھے تھے وہ آج کہاں ہیں؟ ان کو بلاؤ تاکہ وہ تمہیں میرے عذاب سے بچائیں۔ مشرکین اپنی غلطی کا اعتراف کریں گے اور جواب دیں گے کہ آج ہم سے کوئی بھی شرک کا قائل نہیں ہے۔ اب ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ اللہ ﷻ کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے۔

عملی پہلو: اللہ ﷻ کے پاس ہر چیز کا علم ہے یہاں تک کہ اس کی نگاہ سے کسی شخص کا کوئی چھوٹا سا عمل بھی مخفی نہیں ہے۔ لہٰذا ہر انسان کو اللہ ﷻ پر ایمان رکھنا اور اس کے علم کی وسعت کو اپنے ذہن میں تازہ رکھنا چاہیئے تاکہ اللہ ﷻ کی فرماں برداری کی جائے اور اس کی ہر قسم کی نافرمانی سے بچا جائے۔

آیت نمبر ۴۸: مشرکین جن خود ساختہ معبودوں کو دنیا میں پکارتے تھے وہ سب ان کے سامنے سے غائب ہو جائیں گے۔ اس وقت وہ یقین کرنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ اب اُنہیں اللہ ﷻ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہے۔

علمی بات: دنیا میں مشرکین جھوٹے خداؤں کی پوجا کرتے رہتے ہیں۔ ان میں سے بعض غلط فہمی کی بنیاد پر شرک کرتے ہیں جبکہ بعض جان بوجھ کر شرک کرتے ہیں۔ لیکن قیامت کے روز حقیقت سب کے سامنے واضح ہو جائے گی اور جھوٹے خدا کہیں نظر نہیں آئیں گے۔ تب مشرکین کو بھی یقین ہو جائے گا کہ جن خداؤں کی وہ پوجا کرتے رہے وہ جھوٹے ہیں اور ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اس وقت مشرکین کے سامنے جھوٹے خداؤں کا بے بس ہونا اور ایک اللہ ﷻ کا حق ہونا معلوم ہو جائے گا۔ لیکن اس بات کا اُنہیں کوئی فائدہ نہیں ہو گا کیونکہ اس وقت ان کے لئے عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہو گا۔

آیت نمبر ۴۹: انسانوں کی اکثریت اللہ ﷻ سے کثرت سے بھلائیاں مانگتی ہے۔ لیکن اگر اُنہیں کوئی تکلیف پہنچے تو انتہائی مایوس اور ناامید ہو جاتے ہیں۔

علمی بات: انسانی طبیعت اور مزاج کے دو پہلو بیان ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ انسان دنیا کا مال واسباب، صحت وقوت، عزت ورفعت اور دیگر دنیوی نعمتوں کے مانگنے سے نہیں تھکتا، بلکہ مانگتا ہی رہتا ہے۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ ہر طرح کی بھلائیاں میرے ہی لئے ہوں، رزق بھی کشادہ اور وافر ملے، خوشحالی اور عیش وعشرت نصیب ہو، تندرستی بھی ہو اور اولاد بھی اچھی ہو۔ اگر یہ سب چیزیں مہیا ہو بھی جائیں تو پھر یہ چاہتا ہے کہ ان میں ہر آن اضافہ بھی ہوتا رہے اور اس کی یہ حرص کبھی ختم ہونے کو نہیں آتی۔ اس کی طبیعت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جب اسے کوئی تنگی، فاقہ یا بیماری یا اسی قسم کا کوئی دوسرا دکھ پہنچتا ہے اور اسے اس تکلیف کے دور ہونے کے ظاہری اسباب نظر نہیں آتے تو اللہ ﷻ کی رحمت سے مایوس ہو کر ناشکری کی باتیں کرنے لگتا ہے۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " اگر آدمی کو سونے سے بھری ایک وادی دے دی جائے تو وہ (اس پر قناعت اور صبر و شکر کرنے کے بجائے) ایسی ایک اور وادی کی خواہش کرے گا اور اگر اسے (سونے سے بھری) دوسری وادی بھی دے دی جائے تو وہ تیسری کی خواہش کرے گا۔ بات یہ ہے کہ آدمی کا پیٹ مٹی ہی بھرتی ہے۔" (صحیح بخاری)

عملی پہلو: عام طور سے انسان کا حال یہ ہے کہ وہ دنیا کی طلب میں رہتا ہے اور اپنے لئے راحت اور خوشحالی کا زیادہ سے زیادہ خواہاں ہوتا ہے۔ جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے یا مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے تو بہت جلد مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا حال ایسا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کے بندے قناعت اور صبر و شکر سے کام لیتے ہیں۔ وہ خوشحالی میں قناعت اختیار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے مطمئن رہتے ہیں، مصیبت کے ایام میں صبر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں۔

آیت نمبر ۵۰: اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کی تکلیف کو دور کر دے اور اپنی رحمت سے نوازے تو وہ اس رحمت کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔ اسے اپنے حق پر ہونے کی علامت قرار دیتے ہیں۔ وہ قیامت کا انکار کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اگر بالفرض قیامت واقع ہو بھی گئی تو اُنہیں وہاں بھی دنیا کی طرح بھلائیاں حاصل ہوں گی۔ عنقریب ان کے اعمال ان کے سامنے رکھ دیئے جائیں گے اور اُنہیں ان کے طرز عمل کی بدترین سزا دی جائے گی۔

علمی بات: انسان کا یہ حال بھی بڑا عجیب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اس کی تکلیف دور کر کے اس کی راحت کا سامان مہیا کرتا ہے تو وہ اسے اللہ تعالیٰ کا احسان نہیں سمجھتا اور نہ اسے آزمائش خیال کرتا ہے بلکہ اسے اپنی قابلیت کا نتیجہ قرار دیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں تو اس کا بجا طور پر مستحق ہوں۔ وہ تکبر میں آکر اتنا اِتراتا ہے کہ قیامت کا انکار کر دیتا ہے۔ وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میرے خیال میں قیامت کبھی نہیں آئے گی اور اگر بالفرض قیامت وقوع پذیر ہو جائے اور مجھے رب کی طرف لوٹایا جائے تو وہاں پر بھی مجھے نعمتیں ہی ملیں گی۔ یہ اس کی نادانی اور خام خیالی ہے کہ وہ اپنے آپ کو دھوکہ میں ڈال رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قیامت قائم ہو گی اور اس دن اللہ تعالیٰ کفار کے اعمال کو ان کے سامنے کھول کر رکھ دے گا اور اس کے بدلہ میں ان پر سخت عذاب مسلط کر دیا جائے گا۔

فکری پہلو: دنیا میں مال و دولت اور شان و شوکت کا مل جانا کسی طرح بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں محبوب و مقبول اور پسندیدہ ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ اسی طرح مال و دولت اور شان و شوکت کا نہ ملنا بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں رد ہونے اور غیر مقبول ہونے اور ناراضگی کی علامت نہیں ہے۔ بلکہ یہ سب کچھ دراصل انسان کی ابتلا و آزمائش کے لئے مختلف پرچوں کی طرح ہوتا ہے جس کو انسان نے اپنے عقیدہ و عمل اور اخلاق و کردار کے ذریعہ حل کرنا ہوتا ہے۔ جس کا صلہ و بدلہ اسے آخرت کی اپنی دائمی اور ابدی زندگی میں پانا ہوتا ہے۔ اصل دولت ایمان اور نیک اعمال کی دولت ہے نہ کہ دنیاوی اور مادی مال و دولت۔ پس کسی کو دنیاوی مال و دولت کی بنا پر کبھی دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے۔

آیت نمبر ۵۱: دنیا داروں کا طرزِ عمل بیان ہوا ہے کہ جب اُنہیں نعمتیں ملتیں ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے بجائے اس کے ذکر اور احکامات سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس ان پر اگر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑ گڑا کر لمبی لمبی دُعائیں مانگتے ہیں۔

علمی بات: انسان کا ایک رویہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اس پر انعام فرماتا ہے اور اسے اپنی نعمتیں عطا فرماتا ہے تو وہ منہ پھیر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے اور غرور و تکبر میں مبتلا ہو کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی سے منحرف ہو جاتا ہے۔ لیکن جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو پھر عاجز بن کر کثرت سے لمبی لمبی دُعائیں کرنے لگتا ہے۔ اسے شرم بھی نہیں آتی کہ اب کس منہ سے وہ دعا مانگ رہا ہے، لیکن بدقسمتی سے یہ کمزوری اکثر انسانوں میں پائی جاتی ہے۔

عملی پہلو: واضح رہے کہ ان آیات میں انسان کے مختلف کردار اور رویئے پیش کیئے گئے ہیں۔ اپنے رب کے تعلق سے کسی کا ایک کردار ہوتا ہے تو کسی کا دوسرا اور کسی کا اس سے بھی مختلف۔ اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ نعمت پا کر اللہ ﷻ کا شکر ادا نہیں کرتے اور سرکش بن جاتے ہیں مگر جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اس وقت اللہ ﷻ کو پکارنے لگتے ہیں۔ یہ رویہ درست نہیں ہے بلکہ انسان سے مطلوب یہ ہے کہ وہ نعمت کے وقت بھی اللہ ﷻ کا شکر ادا کرے اور اس کی اطاعت کرے اور تکلیف کے وقت بھی اسی کے سامنے جھکے اور اسی کی اطاعت کرے۔ انسان کو نعمت اس لئے دی جاتی ہے کہ وہ اسے اللہ ﷻ کا عطیہ قرار دے کر اس کا شکر ادا کرے اور اس کی فرماں برداری کرے اور اسے تکلیف اس لئے دی جاتی ہے کہ وہ اس میں اللہ ﷻ کی طرف متوجہ ہو۔ بہر حال انسان کو ہر حال میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے اور کبھی بھی کسی حال میں اس سے غافل نہیں ہونا چاہیئے، خواہ آسانی ہو یا تکلیف ہو۔

فرمانِ نبوی ﷺ: حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مومن کا معاملہ بھی بڑا تعجب خیز ہے کہ اس کے لئے اس کے ہر معاملہ میں بھلائی ہی بھلائی ہے اور یہ فضیلت سوائے مومن کے کسی اور کو حاصل نہیں ہوتی، بات یہ ہے کہ اگر اسے کوئی خوشی حاصل ہوئی اور اس نے شکر کیا تو اس میں بھی اس کے لئے بھلائی ہے اور اگر اسے کوئی نقصان پہنچا اور اس پر اس نے (اللہ ﷻ کی رضا کے لئے) صبر اختیار کیا تو اس میں بھی اس کے لئے بھلائی ہے۔" (صحیح مسلم)

آیت نمبر ۵۲: قرآنِ پاک اللہ ﷻ کا کلام برحق ہے لیکن ضد اور ہٹ دھرم لوگوں نے اس حقیقت کا انکار کیا۔ ان کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا گمراہی ہوگی کہ وہ اللہ ﷻ کے پیغام اور حق کی مخالفت کر رہے ہیں۔

علمی بات: قرآنِ حکیم پر پوری سنجیدگی کے ساتھ غور کر کے اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ قرآنِ حکیم اپنی تکذیب کرنے والوں کو جس انجام سے خبردار اور جن دلائل کے ساتھ آگاہ کر رہا ہے وہ ایسی چیز نہیں ہے کہ آسانی سے نظر انداز کر دی جائے یا ہنسی مذاق میں اڑا دی جائے بلکہ بڑے ہی قوی دلائل کی شہادت کے ساتھ یہ بڑے ہی ہولناک انجام کی خبر ہے۔ اس وجہ سے جو لوگ نہایت ڈھٹائی سے اس کو جھٹلا رہے ہیں وہ کم از کم اس کے دعوے کے صحیح ہونے کے امکان کے پہلو کو نظر انداز نہ کریں۔ لہٰذا دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس قرآنِ حکیم پر سو بار غور کریں اور جو فیصلہ بھی کریں اس کے نتائج پر دور تک سوچ کر کریں۔

آیت نمبر ۵۳: عنقریب اللہ ﷻ کائنات اور خود انسان کے وجود میں ایسی نشانیاں دکھائے گا جو قرآنِ حکیم کی دی ہوئی خبروں کے عین مطابق ہوں گی۔ لوگوں پر قرآنِ حکیم کا برحق ہونا واضح ہو جائے گا۔ قرآنِ کریم اللہ ﷻ کا کلام اور کائنات اللہ ﷻ کا عمل ہے۔ دونوں میں تضاد نہیں، ان میں جزوی مطابقت نہیں بلکہ کامل مطابقت ہے۔ ایک اہم نشانی یہ بھی ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت اہل ایمان کمزور تھے، پھر قرآنِ کریم میں اُنہیں غلبہ عطا کیئے جانے کی خوشخبری عطا کی گئی۔ بالفعل ایسا ہوا اور اللہ ﷻ کا دین غالب ہوا۔ اگر منکرین قرآن کی حقانیت کو تسلیم نہ کریں تو اس کی حقانیت پر اللہ ﷻ کی گواہی کافی ہے جو از خود ہر بات کا گواہ ہے۔

علمی بات: اس آیت میں آفاق و انفس کے دو مطلب ہیں اور وہ دونوں ہی درست ہیں۔ ایک یہ کہ آفاق سے عرب کے قرب وجوار کے ممالک مراد لیئے جائیں اور انفس سے عرب قوم اور بالخصوص قریش قوم مراد لی جائے۔ اس لحاظ سے اس آیت کا جو مطلب ہے وہ تاریخ کے اوراق پر ثبت ہے۔ چند ہی سالوں میں قریشی سرداروں کو ذلت سے دوچار ہونا پڑا اور کفر و شرک کو عرب کی سرزمین سے دیس نکالا مل گیا۔ مسلمانوں کی پے در پے فتوحات کے نتیجہ میں عرب کے ارد گرد کے ملکوں میں اسلام کا جو بول بالا ہوا وہ ہر ایک نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ دوسرا یہ کہ آفاقی آیات سے کائنات میں ہر سو

بکھرے ہوئے اللہ ﷻ کے عجائبات مراد لیئے جائیں اور آیات انفس سے مراد انسان کے اندر کی دنیالی جائے۔اس لحاظ سے اس کا مطلب یہ ہوتا کہ اس کائنات میں اور انسان کے اندر اللہ ﷻ کی لاتعداد نشانیاں موجود ہیں اور ان سب کا نہ انسان آج تک احاطہ کر سکا ہے اور نہ آئندہ کبھی کر سکے گا۔ جبکہ ہر دور میں کوئی نہ کوئی نئی سے نئی نشانی انسان کے علم میں آجاتی ہے اور آئندہ بھی آتی رہے گی جو قرآنِ حکیم کے بیان کی صداقت پر گواہی دیتی رہے گی۔ نئے سے نئے عجائبات قدرت انسان کے علم میں آتے رہیں گے، خواہ ان کا تعلق انسان سے باہر کی دنیا سے ہو یا اس کے اندر کی دنیا سے۔

سائنسی بات: اس آیت میں دراصل معلومات کے اس (Explosion) کی طرف اشارہ ہے جو سائنسی ترقی کے باعث آج کے دور میں ممکن ہوا ہے۔ سائنسی ترقی کے سبب مسلسل حیرت انگیز انکشافات ہو رہے ہیں اور آئے روز نت نئی ایجادات سامنے آرہی ہیں۔ ان سائنسی معلومات کے انکشافات اور حقائق کے بے نقاب ہونے سے بتدریج قرآنِ حکیم کا حق ہونا ثابت ہوتا چلا جارہا ہے۔ جن حقائق تک سائنس آج پہنچ پارہی ہے قرآنِ حکیم نے بنی نوع انسان کو چودہ صدیاں پہلے ان سے متعارف کرادیا تھا۔ اب تک کے تمام سائنسی انکشافات قرآنِ حکیم کی فراہم کردہ معلومات کے عین مطابق ہیں۔

آیت نمبر ۵۴: منکرین حق کی فتنہ انگیزیوں کی اصل وجہ یہ ہے کہ اُنہیں نہ روز آخرت پر ایمان ہے اور نہ اللہ ﷻ کے حضور جواب دہی کا۔ لیکن وہ اللہ ﷻ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے کیوں کہ وہ اللہ ﷻ کے احاطہ اختیار میں گھرے ہوئے ہیں۔

علمی بات: کفار و منکرین کی اصل بیماری یہ ہے کہ وہ آخرت پر یقین نہیں رکھتے۔ جس کے دل میں قیامت کے بارے میں شبہ ہوتا ہے وہ سرکشی اور نافرمانی کی روش سے باز نہیں آتا۔ اس کے سامنے ہزاروں دلائل پیش کیئے جائیں وہ اُنہیں لائق التفات ہی نہیں سمجھتا۔ وہ اس دنیوی زندگی کو ہی سب کچھ جانتا ہے اس لئے اس کی ساری کوششیں ایک ہی نقطہ پر مرکوز ہو کر رہ جاتی ہیں کہ وہ زندگی کے ان ماہ و سال میں زیادہ سے زیادہ لطف اٹھالے، زیادہ سے زیادہ دولت جمع کر لے اور اونچے سے اونچے منصب تک رسائی حاصل کر لے۔ لیکن یہ سودا انھیں آخر کار مہنگا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم اور قدرت سے ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور یہ لوگ بھی اس کے علم و قدرت سے باہر نہیں۔ جب وہ علیم و قدیر ان سے انتقام لے گا تو انھیں اپنا انجام معلوم ہو جائے گا۔

مشقوں کے جوابات

سوال ۱: خالی جگہیں پُر کریں:

(۱) آیت: ۲۶ کے مطابق کفار نے مسلمانوں پر غالب آنے کے لئے ایک دوسرے کو قرآنِ حکیم سننے سے روکا تھا۔

(۲) آیت: ۳۱ کے مطابق اہل جنّت دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اہل ایمان کے دوست ہوتے ہیں۔

(۳) آیت: ۳۴ میں بدی کے ساتھ بھلائی کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔

(۴) آیت: ۳۶ کے مطابق شیطان کے حملوں سے بچنے کے لئے تعوّذ پڑھ کر اللہ ﷻ کی پناہ مانگنے کا کہا گیا ہے۔

(۵) آیت: ۵۳ میں اللہ ﷻ نے لوگوں پر قرآنِ حکیم کی حقیقت واضح کرنے کی پیش گوئی فرمائی ہے۔

سوال ۲: مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجیے:

۱۔ پہلے رکوع میں قرآنِ حکیم کے حوالہ سے مندرجہ ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

نمبر شمار	سوالات	جوابات
۱	قرآنِ حکیم کس کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے؟	قرآنِ حکیم اللہ ﷻ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔

۲	قرآنِ حکیم کیا ہے؟	قرآنِ حکیم اللہ ﷻ کی ایک کتاب ہے۔
۳	قرآنِ حکیم کی آیات کی کیا صفت بیان کی گئی ہے؟	قرآنِ حکیم کی آیات کھول کھول کر بیان کی گئی ہیں۔
۴	قرآنِ حکیم کس زبان میں نازل کیا گیا ہے؟	قرآنِ حکیم عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے۔
۵	قرآنِ حکیم سے فائدہ کون لوگ اٹھا سکتے ہیں؟	قرآنِ حکیم پر ایمان لانے اور عمل صالح کرنے والے لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔
۶	مومنین کو قرآنِ حکیم کیا پیغام دیتا ہے؟	مومنین کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔
۷	مشرکین کو قرآنِ حکیم کیا پیغام دیتا ہے؟	مشرکین کے لئے ہلاکت ہے۔
۸	اکثر مشرکین نے قرآنِ حکیم کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟	اکثر مشرکین نے قرآنِ حکیم سے منہ موڑ لیا۔
۹	مشرکین کے دلوں کی کیا کیفیت بیان کی گئی ہے؟	مشرکین کے دلوں پر پردے ہیں۔
۱۰	مشرکین کے کانوں کی کیا کیفیت بیان کی گئی ہے؟	مشرکین کے کانوں پر بوجھ ہے۔

۲۔ تیسرے رکوع کی روشنی میں جواب دیجیے کہ قیامت کے دن اہل جہنّم کے خلاف کون گواہی دے گا نیز بتائیں کہ یہ لوگ دنیا میں اللہ ﷻ کے بارے میں کیا گمان کیا کرتے تھے؟

جب وہ اس (جہنّم) کے پاس پہنچ جائیں گے تو ان کے کان ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے خلاف گواہی دیں گی ان سے کہا جائے گا کہ تم تو گمان کرتے تھے کہ اللہ ﷻ (تمہارے) بہت سے (اعمال) جانتا ہی نہیں جو تم کرتے ہو۔

۳۔ پانچویں رکوع کی روشنی میں زمین کے بارے میں تین باتیں تحریر کریں۔

i۔ اس کی نشانیوں میں سے (یہ بھی) ہے کہ تم زمین کو دیکھتے ہو وہ دبی (خشک) پڑی ہوتی ہے۔

ii۔ پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ اُبھر آتی ہے۔ iii۔ پھولتی ہے۔

۴-پانچویں رکوع کی روشنی میں جواب دیں کہ قرآنِ حکیم کی کیا عظمت بیان کی گئی ہے نیز بیان کیجیے کہ قرآنِ حکیم پر ایمان لانے والوں اور قرآنِ حکیم کا انکار کرنے والوں پر قرآنِ حکیم کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

یقیناً یہ قرآنِ حکیم ایک زبردست کتاب ہے اور یہ بڑی حکمت والے بہت تعریفوں والے اللہ ﷻ کا نازل کیا ہوا ہے۔ نیز یہ بھی بیان ہوا کہ جو ایمان لائے یہ قرآنِ حکیم ان لوگوں کے لئے ہدایت اور شفا ہے اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بوجھ ہے اور یہ (انکارِ قرآن) ان کے حق میں اندھا پن ہے۔

۵۔ چھٹے رکوع میں اللہ ﷻ کے ناشکرے اور بے صبرے انسانوں کی کیا کیفیت بیان کی گئی ہے؟

اگر ایسے شخص کو کوئی تکلیف پہنچ جائے تو مایوس (اور) نااُمید ہو جاتا ہے اور اگر ہم اسے اپنی جانب سے رحمت سے لطف اندوز کریں اُس تکلیف کے بعد جو اُسے پہنچی تھی تو وہ ضرور کہنے لگتا ہے کہ یہ تو میرا حق تھا۔

سُوْرَۃُ الشُّوْرٰی

مقاصدِ مطالعہ: اس سورت کے مطالعہ کے بعد طلبہ کو مندرجہ ذیل مضامین سے آگاہی حاصل ہونی چاہیئے:

1. آیات: ۱ تا ۱۲ — اللہ ﷻ کی عظمت اور اوصاف کا بیان، وحی الٰہی کا ذکر، قرآنِ مجید کے عربی میں نزول کی حکمت کا بیان، اولین وآخرین کے جمع ہونے کے دن کا ذکر، فرشتوں کا اللہ ﷻ کی پاکی بیان کرنے اور زمین والوں کے لئے مغفرت کی دعا کرنے کا بیان اور آسمان وزمین کے خزانوں کی ملکیت اور رزق میں وسعت یا تنگی پیدا کرنے کا اختیار اللہ ﷻ کے پاس ہونے کا بیان۔
2. آیات: ۱۳ تا ۱۹ — تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا ایک ہی مشن غلبہ دین حق کا ذکر، اہل کتاب کے تفرقہ کی وجہ کا بیان، مشرکین پر توحید کے گراں ہونے کا بیان، پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات کی صداقت پر دلائل، آپ ﷺ کو دعوت و تبلیغ کے کام میں لگے رہنے کا حکم، نبی کریم ﷺ کی روادارانہ تعلیم کا اعلان، اقامتِ دین کی جدوجہد پر استقامت اختیار فرمانے کے حوالہ سے نبی کریم ﷺ کو دیئے گئے خصوصی احکامات اور اہل ایمان کے چند صفات جلیلہ کا بیان۔
3. آیات: ۲۰ تا ۲۴ — دنیا وآخرت کی کھیتی کا بیان، مومنوں کو بشارت اور ان کے انعامات۔
4. آیات: ۲۵ تا ۴۳ — اللہ ﷻ کا اپنے بندوں کی توبہ قبول فرمانے کا ذکر، انسان کو اپنے اعمال کی وجہ سے مصیبت پہنچنے کا ذکر، اللہ ﷻ کی قدرت کی نشانیوں کا بیان، سمندروں کی تسخیر اور بحری جہاز اللہ ﷻ کی ایک بڑی نشانی اور نعمت ہونے کا بیان، اقامت دین کی جدوجہد کرنے والوں کے مطلوبہ اوصاف کا ذکر، عدل کے ساتھ بدلہ لینے کا جواز اور ظلم کی نفی اور معاف کرنے کی تعریف وتحسین۔
5. آیات: ۴۴ تا ۵۳ — ہدایت وگمراہی کا اختیار اللہ ﷻ کے پاس ہونے کا بیان، فکر وآخرت اور ظالموں کے انجام بد کا بیان، مخالفین کو مخالفت چھوڑ کر پیغمبر اسلام ﷺ کی دعوت کو قبول کر کے اپنی عاقبت سنوارنے کا آخری موقع دینے کا ذکر، انسان کے ناشکراپن کا بیان، اولاد دینے کا اختیار اللہ ﷻ کے پاس ہونے کا ذکر، وحی کے مراتب وکیفیات کا ذکر، حکمتِ نزول قرآن حکیم کا بیان اور پیغمبر اسلام ﷺ کا علم وفضل فیض خداوندی کا نتیجہ ہونے اور فریضہ رسالت اور صراط المستقیم کا بیان۔

ربطِ سورت: ۱۔ سورۃ الشوریٰ سے پہلے سورۃ حٰم السجدۃ ہے گویا دونوں سورتوں کا موضوع "توحید باری تعالیٰ" ہے۔ گزشتہ سورت کے آخر میں عقلی دلائل کے ساتھ توحید خداوندی کا ذکر تھا۔ اس سورت کی ابتدا میں بھی عقلی دلائل کے ساتھ توحید خداوندی کا ذکر ہے۔

۲۔ سورۃ حٰم السجدۃ میں توحید کا مضمون دعوت دین کی ذمہ داری کی طرف بڑھ رہا تھا، سورۃ الشوریٰ میں آکر یہ مضمون اپنے نقطۂ عروج پہنچا ہے یعنی دین کے نفاذ کے لئے عملاً جدوجہد کرنا اور اس عظیم مقصد کے لئے تمام تر صلاحیتوں اور وسائل کو بروئے کار لانا۔

۳۔ گزشتہ سورت کی ابتدا میں صداقتِ قرآن کا ذکر تھا۔ اس سورت کی ابتدا میں بھی صداقت قرآن کا ذکر ہے۔

۴۔ "سورۃ حٰم السجدۃ" کے مضامین سورۃ الشوریٰ کے مضامین کے ساتھ مربوط ہیں۔ دونوں زیادہ تر اثبات رسالت، وحی الٰہی اور عظمتِ قرآن کے بیان پر مشتمل ہیں اور اسی کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ کفار مکہ کی ایذاؤں اور ان کی بیہودہ اور غلط روش پر رنج نہ فرمائیں۔

آیت نمبر ۱: حٰمٓ حروف مقطعات ہیں۔ حروفِ مقطعات کا علم اللہ ﷻ کے پاس ہے اور یہ اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان راز ہے۔

آیت نمبر ۲: "عٓسٓقٓ" بھی حروف مقطعات ہیں۔

علمی بات: سورۃ الشوریٰ قرآن مجید کی ان دو سورتوں میں سے ایک ہے جن کے آغاز میں پانچ پانچ حروفِ مقطعات آئے ہیں، لیکن اس زمرے میں بھی یہ سورت اس لحاظ سے منفرد و یکتا ہے کہ اس کے آغاز میں حروفِ مقطعات کی دو آیات ہیں۔

آیت نمبر ۳: قرآن مجید اللہ ﷻ کا کلام ہے۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل فرمایا گیا اسی طرح آپ ﷺ سے پہلے رسولوں پر بھی کتابیں نازل فرمائی گئیں۔ قرآن کریم اس ذات کی طرف سے ہے جو تمام قوتوں پر غالب ہے اور جس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے۔

آیت نمبر ۴: قرآن کریم کا انکار کرنے والے اللہ ﷻ کی عظمتوں سے غافل ہیں۔ اللہ ﷻ کی شان تو یہ ہے کہ اسی نے پوری کائنات کو پیدا فرمایا ہے اور وہی اس کا مالک بھی ہے۔ اللہ ﷻ انتہائی بلند و برتر اور بے مثال عظمتوں کا حامل ہے۔

علمی بات: اللہ ﷻ کی شان تو یہ ہے کہ جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے، سب اسی کا ہے۔ اسی نے پوری کائنات کو پیدا کیا اور وہی اس کا مالک بھی ہے۔ ساری کائنات میں اسی کی بادشاہت اور تصرف ہے۔ اللہ ﷻ انتہائی بلند اور اعلیٰ شان کا مالک ہے۔ وہ برتر ہستی بے مثال عظمتوں اور صفاتِ عالیہ کی حامل ہے۔ مگر قرآن حکیم کا انکار کرنے والے اپنی جہالت اور گمراہی کی وجہ سے اللہ ﷻ کی عظمتوں اور رفعتوں سے غافل اور بے خبر ہیں۔

آیت نمبر ۵: جب اللہ ﷻ کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا ہے تو آسمان اللہ ﷻ کے غضب سے پھٹ پڑنے کے قریب ہوتا ہے۔ اللہ ﷻ کے پاس موجود فرشتے ہر وقت اس کی تسبیح اور حمد و ثنا کرتے ہیں۔ فرشتے اہل زمین کے لئے مغفرت کی دعائیں بھی کرتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں اللہ ﷻ مجرموں کی جلد گرفت نہیں کرتا اور انہیں مہلت دے دیتا ہے۔ کیوں کہ وہ بندوں کے گناہوں کو معاف فرمانے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

علمی بات: یہ اللہ ﷻ کی شان مغفرت و رحمت اور ملائکہ کی تسبیح و استغفار کی برکت سے یہ نظام عالم تھما ہوا ہے اور اللہ ﷻ کے فرشتے اس کی تسبیح و تحمید کے ساتھ زمین والوں کے لئے اللہ ﷻ سے بخشش مانگتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ ان پر دنیا میں کوئی سخت عذاب نہ آجائے جس سے سب ہی ہلاک ہو جائیں۔ تو اللہ ﷻ اپنی مہربانی اور شان غفور رحیمی سے فرشتوں کی دعا قبول کر کے مومنین کی خطاؤں کو معاف کرتا رہتا ہے اور کافروں کو ایک عرصہ کے لئے مہلت دیتا ہے ورنہ دنیا کا سارا کارخانہ چشم زدن میں درہم برہم ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ عذاب الٰہی ٹلا ہوا ہے اور کفر و شرک اور فسق و فجور کی گرم بازاری کے باوجود بساطِ عالم الٹ نہیں دی جاتی۔ بے شک اللہ ﷻ بندوں کے گناہوں کو معاف فرمانے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اس کی شان مغفرت اور رحمت بے پایاں کے باعث نظام کائنات قائم ہے۔

آیت نمبر ۶: نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ اللہ ﷻ کو چھوڑ کر دوسروں کو کارساز بنانے والے یعنی کفر و شرک میں مبتلا لوگ اللہ ﷻ کی نگاہ میں ہیں۔ یہ لوگ عنقریب اپنے کیئے کی سزا پائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ پر اس بات کی ذمہ داری نہیں ہے کہ لوگوں کو ہدایت کی راہ پر لے آئیں۔ آپ ﷺ کی ذمہ داری لوگوں حق کو پہنچانا ہے، منوانا نہیں۔

علمی بات: کفار مکہ کفر و شرک میں مبتلا تھے۔ نبی کریم ﷺ بڑی دل سوزی سے انہیں ہدایت کی طرف بلاتے، ان کے سامنے اپنے دعویٰ کی صداقت کو معجزات اور دلائل سے ثابت کرتے۔ اس کے باوجود جب وہ باطل سے چمٹے رہنے پر اصرار کرتے تو نبی کریم ﷺ کو بے حد دکھ ہوتا اور بڑے افسردہ خاطر ہوتے۔ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو تسلی عطا فرمائی ہے کہ اے میرے حبیب ﷺ! آپ ﷺ اتنے رنجیدہ خاطر کیوں ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ پر ان کی گمراہی کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ آپ ﷺ کا فرض تبلیغ حق تھا، وہ آپ ﷺ نے احسن طریق پر ادا کر دیا۔

آیت نمبر۷: " اُمُّ الْقُرٰی " کا مطلب مرکزی بستی یا بڑا شہر۔ اس سے مراد مکہ معظمہ ہے۔ " من حولھا " سے مراد اس کے ارد گرد سے۔ یعنی صرف آس پاس کے علاقہ نہیں بلکہ پوری زمین مراد ہے۔ آیت میں چند بنیادی باتوں کا ذکر ہے۔ ایک یہ کہ قرآن حکیم اہل عرب کی اپنی زبان میں نازل کیا گیا تاکہ اس کے سمجھنے سمجھانے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ دوسری یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت صرف اہل مکہ کے لئے نہیں بلکہ تمام دنیا کے لئے ہے۔ تیسری یہ کہ رسول اللہ ﷺ قیامت کے واقعات اور ان کے اعمال کی جزا و سزا سے لوگوں کو پوری طرح خبردار کریں۔ قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ اس روز پوری مخلوق دو گروہوں میں تقسیم ہوگی۔ ایک گروہ اہل جنت کا ہوگا اور دوسرا گروہ اہل دوزخ کا ہوگا۔

علمی بات: " اُمُّ الْقُرٰی " مکہ مکرمہ کا نام ہے۔ " اُمُّ الْقُرٰی " کا ایک معنی "بستیوں کی ماں" ہے۔ اس معنٰی کے لحاظ سے مکہ کو " اُمُّ الْقُرٰی " اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ عرب کی قدیم ترین بستی ہے۔ گویا یہ تمام بستیوں کی ماں ہے اور باقی بستیوں نے اسی سے جنم لیا ہے۔ " اُمُّ الْقُرٰی " کا دوسرا معنٰی " آبادیوں کا مرکز یا مرکزی بستی " ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے مکہ کو " اُمُّ الْقُرٰی " اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ یہ تمام عرب کا مرکز تھا اور عرب میں مرکزی بستی کی حیثیت صرف مکہ ہی کو حاصل تھی۔

علمی بات: حضور ﷺ دو بعثتوں کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں: ایک بعثت خاص اور دوسری بعثت عام۔ آپ ﷺ کی بعثت خاص اہل مکہ اور اہل عرب کی طرف ہوئی اور ان پر آپ ﷺ نے براہ راست حجت قائم فرمائی۔ رہی آپ ﷺ کی بعثت عام تو وہ تمام عالم کی طرف ہے۔ تمام اہل عالم پر دین حق کی شہادت دینے کی ذمہ داری قرآن حکیم نے بھی اور خود حضور نبی کریم ﷺ نے بھی، قیامت تک کے لئے ملت اسلامیہ پر ڈالی ہے۔ یہ اس امت کا فریضۂ منصبی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دین حق کی گواہی جس طرح اس امت کے لوگوں پر دی، اسی طرح یہ برابر دوسروں کے سامنے یہ گواہی دیتی رہے۔

آیت نمبر۸: اگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا اور اپنی اطاعت پر مجبور کر دیتا۔ مگر یہ اس کی حکمت کے منافی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انسان کو اختیار دیا ہے کہ کون اپنے اختیار سے اس کی اطاعت کرتا ہے اور کون اس کی نافرمانی کرتا ہے؟ اپنے اختیار سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے فرماں بردار بننے والوں کو وہ دنیا و آخرت میں اپنی رحمت میں داخل فرماتا ہے۔ اس کے برعکس کفر و شرک میں مبتلا ظالموں کے لئے روز قیامت کوئی حمایتی یا مددگار نہیں ہوگا۔

علمی بات: انسان کو پیدا کرنے کا اصل مقصد ہی یہ تھا کہ وہ زبردستی نہیں، بلکہ خود اپنے اختیار سے سوچ سمجھ کر حق قبول کرے۔ اسی میں اس کا امتحان ہے جس پر آخرت کی جزا اور سزا مرتب ہونے والی ہے۔ جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے دیئے ہوئے اختیار کا صحیح استعمال کرتا ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ اسے دنیا و آخرت میں اپنی رحمت میں داخل فرماتا ہے۔ جو اس اختیار کا غلط استعمال کرتا ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے، وہ ظلم کا ارتکاب کرتا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کفر و شرک میں مبتلا ایسے ظالموں کو قیامت کے دن سخت سزا دے گا اور وہاں ان کا کوئی سرپرست یا مددگار نہ ہوگا جو انہیں ان کے اعمال کی سزا سے بچا سکے۔

آیت نمبر۹: مشرکوں نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سوا باطل معبودوں کو اپنا کارساز بنا رکھا ہے۔ حالانکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی اس بات کا مستحق ہے کہ اسی کو کارساز اور مددگار بنایا جائے۔ وہی مُردوں کو زندہ کرے گا اور اس کے سوا بھی وہ ہر بات پر قادر ہے۔

علمی بات: مشرکین نے یہ کتنا عجیب اور غلط کام کیا ہے کہ انہوں نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سوا باطل معبودوں کو اپنا کارساز اور مددگار بنا رکھا ہے۔ حالانکہ حقیقی کارساز صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی کی ذات ہے اور صرف وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو کارساز اور مددگار بنایا جائے۔ وہ تو مُردوں کو زندہ کرتا ہے، اس کے سوا کوئی اس کی قدرت نہیں رکھتا ہے۔ وہ تو ہر چیز پر قادر ہے اور اس کے سوا کوئی کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا۔ اس لئے اس کے سوا غیروں کو کارساز بنانا ظلم عظیم ہے اور نہایت ہی گمراہی کی بات ہے۔

آیت نمبر ۱۰: اہل ایمان کو ہدایت دی گئی ہے کہ اپنے معاملات اور اختلافات میں اللہ ﷻ ہی کو حاکم مانا جائے اور اس کے فیصلوں کو تسلیم کیا جائے۔ اللہ ﷻ ہی خالق اور مالک ہے۔ نبی کریم ﷺ اللہ ﷻ ہی پر توکل کرتے ہیں اور اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

علمی بات: اس آیت میں ایک اصول بیان کیا گیا ہے کہ انسانوں کے باہمی تنازعات اور اختلافات میں حاکم صرف اللہ ﷻ کو مانا جائے۔ اللہ ﷻ کی طرف رجوع کیا جائے۔ اللہ ﷻ کے پاک کلام قرآن حکیم کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ پھر چونکہ قرآن حکیم رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو واجب اور اپنی ہی اطاعت قرار دیتا ہے، لہٰذا کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ دونوں کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ پس تمام اختلافات میں قرآن و سنت کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ اللہ ﷻ کے دین نے جن باتوں کو بھی اپنے دائرہ میں لیا ہے ان میں سے کسی معاملہ میں بھی کسی اور کے فیصلہ کو قبول نہیں کیا جاسکتا خواہ اس کا تعلق عقائد و عبادات سے ہو یا معاشرتی، تمدنی اور سیاسی امور سے۔ جس طرح اللہ ﷻ اعتقادی اختلافات میں یہ طے کرنے والا ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے، ٹھیک اسی طرح قانونی حیثیت سے بھی وہی یہ طے کرنے والا ہے کہ انسان کے لئے پاک کیا ہے اور ناپاک کیا ہے، جائز اور حلال کیا ہے اور حرام و مکروہ کیا ہے، اخلاق میں بدی کیا ہے اور نیکی و خوبی کیا ہے، معاملات میں کس کا کیا حق ہے اور کیا نہیں ہے، معاشرت اور تمدن اور سیاست اور معیشت میں کونسے طریقے درست ہیں اور کونسے غلط۔

آیت نمبر ۱۱: اللہ ﷻ ہی نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ اسی نے انسانوں اور دوسرے جانوروں کے جوڑے بنا کر اور ان سے نسلیں پھیلا کر اس زمین کو آباد کر رکھا ہے۔ وہ اپنی ذات و صفات میں یکتا ہے۔ کائنات میں اس جیسا کوئی نہیں۔ اس کی مثال بھی دینا ممکن نہیں۔ اللہ ﷻ ہی سب کچھ سننے اور سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

علمی بات: ۱۔ اللہ ﷻ کا انسانوں پر احسان ہے کہ اس نے ان ہی کی جنس اور شکل کے جوڑے بنا دیئے، یعنی مرد اور عورت بنا دیئے ہیں۔ اس نے تنہا آدم علیہ السلام کو ہی پیدا نہیں کیا بلکہ زندگی کی جدوجہد میں باعث سکون بننے والی ان کے حوصلوں کو بلند رکھنے والی، ان ہی کی جنس سے حضرت حوا علیہا السلام کو بھی پیدا فرما دیا۔ اللہ ﷻ نے جانوروں کے بھی جوڑے پیدا کیئے ہیں۔ اس طریقہ سے وہ تمہیں زمین پر پھیلاتا اور بڑھاتا رہتا ہے۔ یہ اس کی تدبیر ہے کہ اس نے انسانوں اور جانوروں کے جوڑے بنا کر اور ان سے نسلیں پھیلا کر اس زمین کو آباد کر رکھا ہے۔ اللہ ﷻ کی مانند کوئی چیز نہیں ہے، وہ اپنی ذات و صفات میں یکتا ہے اور کائنات میں اس جیسا کوئی نہیں ہے۔ اللہ ﷻ ہی سب کچھ سننے اور سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

علمی بات: ۲۔ اللہ ﷻ اپنی ذات کی عظمت و کبریائی، اپنی صفات کی برتری اور اپنے اسماء کی بلندی میں بے نظیر ہے اور مخلوق میں سے کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں ہے۔ اللہ ﷻ کی کچھ صفات اس کی مخلوق میں بظاہر مشترک ہیں مثلاً "سننا اور دیکھنا" لیکن مخلوق کے سننے اور دیکھنے کو زوال ہے اور اللہ ﷻ کی سماعت و بصارت کو زوال ممکن ہی نہیں، بلکہ اللہ ﷻ کا سننا اور دیکھنا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ کے لئے رہے گا۔

آیت نمبر ۱۲: آسمانوں اور زمین کے تمام خزانے اللہ ﷻ کے دست قدرت میں ہیں اور وہی ان کا مالک ہے۔ اسی کے خزانوں سے مخلوق کو روزی ملتی ہے۔ اللہ ﷻ اپنی حکمت کے لحاظ سے جس کے لئے چاہتا ہے روزی کشادہ فرماتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ بلاشبہ اللہ ﷻ کے پاس ہر چیز کا علم ہے اور وہ ہر ایک کی ضرورت اور حال سے بخوبی واقف ہے، اس لئے وہ ہر ایک کو اپنی حکمت و علم کے موافق روزی عطا فرماتا ہے۔

علمی بات: رزق کی تقسیم اور کمی بیشی اللہ ﷻ کی مرضی پر منحصر ہے۔ اللہ ﷻ اپنے علم اور حکمت کے تقاضوں کے تحت جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں کشادگی دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے اس کے رزق کو تنگ کر دیتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جس کے پاس رزق زیادہ ہو اس سے اللہ ﷻ راضی ہے اور جس کے پاس کم رزق ہو اس سے اللہ ﷻ ناراض ہے، کیونکہ بہت سے منکروں یعنی قارون اور فرعون کے پاس رزق کی فراوانی تھی

اور بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام اور صالحین کے پاس دنیاوی مال ودولت کی کمی تھی۔ دراصل روزی کا زیادہ ہونا یا کم ہونا بطور امتحان اور اللہ تعالیٰ کی حکمت پر مبنی ہے۔ اس لئے اگر کسی کے رزق میں تنگی ہو تو اس کو اس بدگمانی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر نہیں ہے یا اس نے اس کے ساتھ کوئی ناانصافی کی ہے بلکہ یہ اطمینان رکھنا چاہیئے کہ جو کچھ ہوا یا ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ کے علم سے ہو رہا ہے اور اسی میں حکمت ہے۔

آیت نمبر ۱۳: اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کے قائم و نافذ کرنے کی ذمہ داری دی۔ پانچ جلیل القدر رسولوں کا ذکر کرکے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو اقامت دین کی جدوجہد کا حکم دیا گیا ہے۔

آگاہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ عادلانہ دین قائم کرنا مشرکین پر گراں گزرتا ہے۔ ان کی مخالفت کے باوجود اللہ تعالیٰ اہل حق کی مدد فرماتا ہے اور ہدایت کا راستہ ان کے لئے واضح فرما دیتا ہے۔ ہدایت کی طرف لانے کے حوالہ سے دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ اِجتَبٰی یعنی چُن لینا۔ دوسرا یہ کہ جو طلب رکھے اسے ہدایت دینا۔ ہدایت کی تڑپ رکھنے والوں کو ہدایت عطا ہوتی ہے۔

علمی بات: ۱۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اصل دین صرف ایک ہی ہے۔ تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کا اصل دین ایک ہی رہا ہے البتہ بعض رسولوں کی شریعتیں مختلف رہی ہیں۔ ان تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے دین کے اصول ایک ہی ہیں اور یہی اصل دین ہے۔ دین کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو کچھ باتوں کا حکم دے، کچھ کاموں سے منع کرے اور جو شخص ان احکام کے مطابق عمل کرے، انہیں اچھا بدلہ دے اور جو حکم عدولی کرے اسے سزا دے۔ چنانچہ ایسے احکام جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک ایک ہی رہے ہیں ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ یہی اصل دین ہے، مثلاً توحید، رسالت، آخرت اور اس کا محاسبہ، اللہ تعالیٰ کی عبادت اور گناہوں سے اجتناب وغیرہ۔ شریعت سے مراد وہ احکام ہیں جو زمانہ کی ضرورتوں اور احوال و ظروف کے مطابق بدلتے رہے ہیں۔ مثلاً سابقہ شریعتوں میں نمازوں کی تعداد اور ان کی ادائیگی کا طریقہ، زکوٰۃ کی شرح اور روزوں کی تعداد ہماری موجودہ شریعت سے بالکل مختلف تھی۔ گویا اصول اور بنیادی احکام کا نام دین ہے اور دین کا یہ حصہ غیر تبدیل شدہ ہے۔ دوسرا حصہ وہ ہے جس میں ان اصول احکام کی جزئیات میں تبدیلی واقع ہوتی رہی ہے۔ اسی تبدیل شدہ حصہ کا نام شریعت ہے اور یہ حصہ حالات و واقعات، ضروریات، حکمتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر تبدیل ہوتا رہا ہے۔

علمی بات: ۲۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان انبیاء کرام علیہم السلام کی امتوں کو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو بھی دین کے قائم کرنے اور قائم رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ اقامت دین کی جدوجہد اس امت کا بنیادی فریضہ ہے۔ اقامت دین کا مطلب یہ ہے کہ دین کے احکام پر خود عمل کیا جائے اور پھر ایمان لانے والوں پر ان احکام کو عملی طور پر نافذ کیا جائے۔ دین اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے اور اسی میں انسانوں کی دنیا و آخرت کی فلاح ہے۔ اسلام میں انسان کے انفرادی اور اجتماعی دونوں گوشوں کے لئے رہنمائی موجود ہے۔ اسلام انسان کو عقائد، عبادات، اخلاقیات، معاشرت، معیشت اور سیاست میں رہنمائی دیتا ہے۔ لہٰذا امت مسلمہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ اسلام کے نظام حیات کے مطابق زندگی بسر کی جائے۔ جہاں یہ نظام حیات رائج نہیں وہاں اسے رائج کیا جائے اور جہاں یہ رائج ہے وہاں یہ اہتمام کیا جائے کہ یہ رواج پذیر رہے۔

علمی بات: ۳۔ سابقہ امتوں اور امت مسلمہ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ دین میں تفرقہ نہ ڈالیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی دین کے اندر اپنی طرف سے کوئی نرالی بات ایسی نکالے جس کی کوئی معقول گنجائش اس میں نہ ہو اور اصرار کرے کہ اس کی بات کے ماننے ہی پر کفر و ایمان کا مدار ہے، پھر جو اسے ماننے والے ہوں انہیں لے کر اسے نہ ماننے والوں سے جدا ہو جائے۔ مسلمانوں کو ایسی فرقہ بازی اور تفرقہ سے منع کیا گیا ہے اور آپس میں اتفاق اور

اتحاد قائم رکھنے کا درس دیا گیا ہے۔ البتہ اس تفرقہ کا اس اختلاف رائے سے کوئی تعلق نہیں ہے جو دین کے احکام کو سمجھنے اور ان سے مسائل اخذ کرنے میں فطری طور پر اہل علم کے درمیان واقع ہوتا ہے۔ فروعی مسائل میں جہاں قرآن وحدیث میں کوئی واضح حکم موجود نہیں ہے، وہاں ائمہ مجتہدین کا اپنے اپنے اجتہاد سے کوئی حکم متعین کرلینا، اس میں اختلاف رائے ونظر کی بنا پر اختلاف ہونا فطری چیز ہے۔ اس کا اس فرقہ ورایت والے پہلو سے کوئی تعلق نہیں ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔ اقامت دین کے حوالہ سے کسی معاشرہ میں دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ یا تو وہاں دین قائم ہے یا قائم نہیں ہے۔ چنانچہ اس حکم کا منشایہ ہے کہ اگر دین پہلے سے قائم ہے تو اسے قائم رکھو اور اگر قائم نہیں ہے تو اسے قائم کرو۔ مثلاً خیمہ اگر کھڑا ہے تو اسے گرنے سے بچانا ہے اور اگر پہلے سے کھڑا نہیں ہے تو اسے کھڑا کرنا ہے۔

علمی بات:۴۔ مشرکین مکہ کو جو دعوت توحید بھاری معلوم ہوتی تھی، اس کا سبب یہ ہے کہ وہ دین کے سمجھنے اور اس پر چلنے کا ارادہ بھی نہیں کرتے تھے۔ مذہبی سطح پر اللہ ﷻ کی الوہیت اور سیاسی سطح پر اللہ ﷻ کی حاکمیت میں شرک کرنے والوں پر دین حق کا غلبہ بہت بھاری گزرتا ہے۔

علمی بات:۵۔ ہدایت پانے کے دو طریقے ہیں: ایک خصوصی کہ اللہ ﷻ کسی کو خود ہی صراط مستقیم کے لئے منتخب فرما کر اس کی فطرت وطبیعت ہی کو اس کے مطابق بنادے۔ دوسرا عمومی کہ جو شخص اللہ ﷻ کی طرف رجوع کرے اور اس کے دین حق کی تلاش کرے تو اللہ ﷻ اس کو اس کے مقصود ہدایت تک پہنچا دیتا ہے۔

آیت نمبر ۱۴: تفرقہ پیدا کرنے والوں کی مذمت۔ مراد یہود اور نصاریٰ ہیں جو کتاب کے وارث بنائے گئے۔ انہوں نے حق آجانے کے بعد محض سرکشی، ضد اور تکبر کی بنیاد پر تفرقہ ڈالا۔ جب کہ حق وصداقت کے واضح دلائل آجانے کے بعد اختلاف کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ اگر یہ امر طے شدہ نہ ہوتا کہ اللہ ﷻ سرکشوں کو دنیا میں مہلت دیتا ہے تو وہ ان کی فوری گرفت کرکے دنیا میں ہی سزا دے دیتا۔ قرآنِ حکیم کے آنے پر انہوں نے اس کی تصدیق کرنے کے بجائے مخالفت کی، اس پر ایمان نہ لائے اور شکوک وشبہات میں مبتلا ہوگئے۔

علمی بات:۱۔ لوگوں نے جو مختلف ادیان، مذاہب اور فرقے بنالیئے ہیں، اس کا اصل سبب بیان ہوا ہے۔ فرقہ بازی کی اصل وجہ اپنا اپنا جھنڈا بلند کرنے کی خواہش، اپنی اپنی فکر تھوپنے، باہمی ضد، ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرنے یا مال وجاہ کی طلب ہے۔ یہی وہ اسباب تھے جو نئے نئے عقائد اور فلسفے، نئے نئے طرز عبادت اور مذہبی مراسم اور نئے نئے نظام حیات ایجاد کرنے کا محرک بنے اور خلق خدا کے ایک بڑے حصہ کو دین کی سیدھی اور کشادہ راہ سے ہٹا کر مختلف راہوں پر پراگندہ کردیا۔ تفرقہ کا سبب ہرگز یہ نہ تھا کہ اللہ ﷻ نے انبیاء کرام علیہم السلام نہیں بھیجے تھے اور کتابیں نازل نہیں کی تھیں، اس وجہ سے لوگ راہ راست نہ جاننے کے باعث اپنے اپنے الگ مذاہب، فکر اور نظام زندگی خود ایجاد کر بیٹھے، بلکہ یہ تفرقہ ان میں اللہ ﷻ کی طرف سے علم آجانے کے بعد رونما ہوا۔

علمی بات:۲۔ پہلی الہامی کتابیں مشکوک کیسے ہوئیں؟ یہود ونصاری کے اپنی الہامی کتابوں کے بارے میں شک میں پڑنے کی کئی وجوہ تھیں جن میں سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کتابوں کی اصل زبان اور اصل عبارت کو محفوظ رکھ کر آنے والی نسلوں تک نہ پہنچایا گیا۔ اور صرف تراجم سے کام لیا جانے لگا۔ ان تراجم کو ہی الہامی کتاب سمجھا جانے لگا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ بزرگوں کے اقوال اور الحاقی مضامین ان میں شامل کردیئے گئے۔ حتیٰ کہ ان دونوں قسم کی عبارتوں میں تمیز کرنا مشکل ہوگیا۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ ان کی تاریخی سند بھی ضائع کردی گئی۔ ان سب باتوں کا اثر یہ ہوا کہ بعد میں آنے والے علماء خود اس کتاب سے شک میں پڑ گئے کہ اس کا کون سا حصہ درست اور الہامی ہے اور کون سی عبارت بزرگوں کے اقوال وغیرہ ہیں۔ کسی بات کا صحیح فیصلہ کرنے میں یہی شک وشبہ انہیں اضطراب میں ڈالے رکھتا تھا۔

علمی بات: ۳۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر الہامی کتابوں کو ماننے والوں کے دلوں میں یہ شکوک و شبہات کب پیدا ہوتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ آغاز میں چونکہ حاملین کی زندگی الہامی کتابوں کی تعلیمات کی عکاسی کرتی ہیں۔ کتاب الٰہی کو پڑھنے پڑھانے اور سیکھنے سکھانے والا طبقہ کے مابین کوئی تفرقہ بازی کا عنصر دکھائی نہیں دیتا اس لئے اس مرحلہ پر سب معاملات بالکل ٹھیک چلتے رہتے ہیں، معاملات اس وقت بگڑنے لگتے ہیں جب لوگ کتابِ الٰہی کے پڑھنے پڑھانے اور جاننے والوں کو باہم جھگڑتے اور ان کی زندگی کو عمل سے خالی پاتے ہیں۔ ایسی صورت حال سے بیزار ہو کر یہ لوگ حاملین کتاب سے تو بدظن ہوتے ہی ہیں لیکن وہ اس کے ساتھ ساتھ عظیم مقدس کتاب الٰہی سے بھی دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس مفروضہ کو اپنے دلوں میں ضرور بٹھالیتے ہیں کہ جب "حاملین کتاب" کے کردار و عمل میں روشنی کی کوئی کرن انہیں دکھائی نہیں دے رہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی کوئی روشنی اس کتاب کے اندر سرے سے موجود ہی نہیں، جب کہ ایسا ہرگز نہیں ہوتا بلکہ حاملین کتاب کا غلط طرزِ عمل اس دوری اور غلط مفروضہ کا باعث ہوتا ہے۔

علمی بات: ۴۔ جس طرح پہلی قوموں نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ اختلاف کیا اور ان کی کتابوں کے بارے میں سخت شکوک و شبہات پیدا کیئے اسی طرح قریش بھی نبی کریم ﷺ کی مخالفت پر اتر آئے اور قرآن حکیم میں سخت شبہ کرنے لگے۔ اس انتشار و افتراق کی وجہ لاعلمی یا غلط فہمی نہیں تھی، بلکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ صادق اور امین ہیں اور قرآن حکیم میں بھی کوئی ایسی بات نہیں جو عقل کے خلاف ہو لیکن صرف تکبر، ضد، حسد اور عناد کی وجہ سے انہوں نے آپ ﷺ کا انکار کر دیا۔

علمی بات: ۵۔ گمراہ لوگوں کے کرتوتوں کا تقاضا تو یہ ہوتا ہے کہ انہیں فوراً تہس نہس کر کے رکھ دیا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور حکمت کے پیش نظر انہیں ایک مقررہ وقت تک مہلت دے دیتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس اثنا میں ان کی چشم ہوش کھلے اور انہیں اپنی غلط کاریوں پر ندامت ہو اور وہ توبہ کر کے اپنی بخشش کا سامان کر لیں۔ اگر ان کی بے ہودگی کا یہی عالم رہتا ہے اور مقررہ میعاد تک وہ لوگ سنبھلنے کی کوشش نہیں کرتے تو جب مقررہ وقت آجائے گا تو چشم زدن میں ان کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے گا۔

آیت نمبر ۱۵: رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ چند اہم ہدایات کا بیان ہے۔ ایک یہ کہ مخالفین حق کی پرواہ نہ کریں اور دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کرتے رہیں۔ دوسری یہ کہ لوگوں کے مخالفانہ دباؤ کو خاطر میں نہ لائیں اور نہ ہی ان کی خواہشات کی پیروی کریں۔ تیسری یہ کہ اعلان کر دیں کہ قرآن حکیم پر ایمان لانے کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی تعلیمات کو نافذ کر کے عدل کا نظام جاری کیا جائے۔ چوتھی یہ کہ لوگوں کے درمیان عدل قائم کریں۔ پانچویں یہ کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی سب کا رب ہے، مخالفت کرنے والوں کو آگاہ کر دیا جائے کہ ہر شخص جو بھی اعمال انجام دیتا ہے اس کا ذمہ دار وہ خود ہو گا۔ چھٹی یہ کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ لوگوں کو روزِ قیامت جمع کر دے گا اور سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

علمی بات: یہ آیت دس مستقل جملوں پر مشتمل ہے اور ہر جملہ خاص احکام پر مشتمل ہے۔ گویا اس ایک آیت میں احکام کی دس فصلیں مذکور ہیں۔ اس کی نظیر پورے قرآن میں ایک آیۃ الکرسی کے سوا کوئی نہیں۔ آیۃ الکرسی میں بھی دس احکام کی دس فصلیں آئی ہیں۔

پہلا حکم فَلِذٰلِكَ فَادْعُ "تو آپ اسی (دین) کے لئے دعوت دیتے رہیں۔" یعنی اگرچہ مشرکین پر آپ کی دعوت توحید بھاری ہے۔ مگر اس کی وجہ سے آپ اپنی دعوت کو نہ چھوڑیں اور مسلسل اس دعوت کا کام جاری رکھیں۔ دوسرا حکم وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ "اور (اسی پر) قائم رہیں جیسے آپ کو حکم دیا گیا ہے"، یعنی آپ اس دین پر خود استقامت اختیار کیئے رہیں۔ جس کی دعوت لوگوں کو دیتے ہیں اور یہ استقامت ایسی ہونی چاہیئے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ یعنی تمام احکام عقائد، اعمال اخلاق وعادات و معاشرت میں صحیح اعتدال پر قائم رہیں۔ کسی طرف افراط و تفریط کا ادنیٰ سا میلان نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ

ایسی استقامت آسان کام نہیں۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ سے جب بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے سفید بال آجانے کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا شَیَّبَتْنِی ھُودٌ یعنی مجھے سورۃ ہود نے بوڑھا کر دیا۔ تیسرا حکم وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ "اور ان کی خواہشات کے پیچھے نہ چلیں۔" یعنی اپنے فریضہ تبلیغ میں آپ ﷺ کسی مخالف کی مخالفت کی پرواہ نہ کریں۔ چوتھا حکم وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنْ کِتٰبٍ "اور آپ (ﷺ) فرما دیجیئے میں (ہر) کتاب پر ایمان لایا جو اللہ ﷻ نے نازل فرمائی ہے۔" یعنی آپ اعلان فرما دیں کہ اللہ ﷻ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں میرا ان سب پر ایمان ہے۔ پانچواں حکم وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ۔ "اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل (قائم) کروں۔" اس کا مفہوم ظاہر تو یہی ہے کہ میرے پاس جو معاملات باہمی جھگڑوں کے آئیں مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں ان میں عدل و انصاف کروں۔ بعض حضرات نے یہاں عدل کے معنیٰ برابری کے لے کر آیت کا یہ مفہوم قرار دیا ہے کہ میں تمہارے درمیان دین کے سب احکام کو برابر رکھوں کہ ہر نبی اور ہر کتاب پر ایمان لاؤں اور تمام احکام الٰہیہ کی اطاعت کروں۔ ایسا نہیں کہ بعض پر ایمان ہو بعض پر نہ ہو یا بعض احکام کی تعمیل ہو بعض کی نہ ہو۔ چھٹا حکم اللّٰہُ رَبُّنَا وَرَبُّکُمْ "اللہ ﷻ ہمارا (بھی) رب ہے اور تمہارا (بھی) رب ہے۔" یعنی اللہ ہمارا سب کا پالنے والا ہے۔ ساتواں حکم لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ "ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال۔" یعنی ہمارے اعمال ہمارے کام آئیں گے تمہیں ان کا کوئی نفع و نقصان نہیں پہنچے گا۔ اور تمہارے اعمال تمہارے کام آئیں گے ہمیں اس سے کوئی نفع و نقصان نہ پہنچے گا۔ آٹھواں حکم لَا حُجَّۃَ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ "ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں"۔ حجت سے مراد بحث و مباحثہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ حق واضح اور ثابت ہو جانے کے بعد بھی اگر تم عناد سے کام لیتے ہو تو اب گفتگو فضول ہے، ہمارے اور تمہارے درمیان اب کوئی بحث نہیں۔ نواں حکم اللّٰہُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا "اللہ ہم سب کو جمع فرمائے گا۔" یعنی قیامت کے روز ہم سب کو اللہ ﷻ جمع فرمائے گا اور ہر ایک عمل کا بدلہ دے گا۔ دسواں حکم وَاِلَیْہِ الْمَصِیْرُ۔ "اور اسی کی طرف (سب کو) جانا ہے۔" یعنی ہم سب اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

عملی پہلو: نبی کریم ﷺ نے یہ جو اعلان فرمایا کہ "اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل (قائم) کروں۔" گویا میری بعثت کا مقصد یہ تھا کہ میں معاشرہ میں عدل و انصاف قائم کرنے اور نظام توحید کو عملی طور پر نافذ کرنے کے لئے آیا ہوں۔ اس جملہ کے حوالہ سے ہمیں بہت واضح طور پر سمجھ لینا چاہیئے۔ حضور ﷺ کی اتباع کے تقاضوں کا پورا کرنے کے لئے سب غلط کاریاں چھوڑ کر خود کو دین کے احکام کا پابند بنانا ہوگا اور پھر اپنے تن من دھن کے ساتھ عدل اجتماعی یعنی نظام توحید کو معاشرہ میں قائم کرنے کے لئے جدوجہد کرنے والوں کی صف میں شامل ہونا ہوگا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بننے کے بعد اپنے پہلے خطاب میں دراصل حضور ﷺ کے اتباع کے اسی تقاضے (وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ) کے حوالے سے یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا تھا: "لوگو! تم میں سے ہر کمزور شخص میرے نزدیک طاقتور ہوگا جب تک کہ میں اسے اس کا حق نہ دلوا دوں اور تم میں سے ہر قوی شخص میرے نزدیک کمزور ہوگا جب تک کہ میں اس سے حق دار کا حق وصول نہ کر لوں۔"

عملی پہلو: "اللہ ﷻ ہم سب کو جمع فرمائے گا اور اسی کی طرف (سب کو) جانا ہے۔" اس فقرہ کا مفہوم سمجھنے کے لئے ان افراد اور جماعتوں کا تصور ذہن میں لایئے جو سب اخلاص اور نیک نیتی سے اقامت دین کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ ظاہر ہے ان میں سے ہر جماعت کا اپنا منصوبہ اور اپنا طریقہ کار ہے۔ ان سب کی مثال دراصل منیٰ سے میدانِ عرفات جانے والے حجاج کے قافلوں جیسی ہے۔ جہاں لاکھوں لوگ ہزاروں قافلوں میں مختلف راستوں اور مختلف شاہراہوں پر گامزن ہوتے ہیں۔ ان کے راستے اگرچہ مختلف ہیں مگر منزل سب کی ایک ہے۔ یہ قافلے جیسے جیسے اپنی منزل کی طرف بڑھتے جاتے ہیں ویسے ویسے ان کے مابین فاصلہ کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ میدانِ عرفات میں پہنچ کر وہ سب ایک ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اقامت دین کی جدوجہد کرنے والی مختلف جماعتیں اور تنظیمیں جوں جوں اپنی منزل کی طرف بڑھیں گی ان کے باہمی اختلافات کم ہوتے چلے جائیں گے اور منزل مقصود پر پہنچ کر یہ سب لوگ اکٹھے ہو جائیں گے اور اگر بالفرض وہ دنیا میں اکٹھے نہ ہو سکے تو بھی روز محشر تو سب اکٹھے ہو جائیں گے۔

آیت نمبر۱۶: کفار مکہ دعوت حق کو روکنے کے لئے فضول قسم کے اعتراضات اور بحث کرتے تھے۔ واضح کر دیا گیا کہ سلیم الفطرت اور حق کا متلاشی طبقہ اسلام کے دلائل سے متاثر ہو کر اس کی حقانیت پر ایمان لا چکا ہے۔ لہٰذا کفار کی ہر دلیل جھوٹی اور بے بنیاد ہے۔ البتہ حق کے خلاف یہ جتنی سازش کریں گے اتنا ہی اللہ ﷻ کا غضب ان پر ہو گا اور اتنی ہی شدید سزا انہیں دی جائے گی۔

علمی بات: ۱۔ بہت سے عقل و فہم رکھنے والے لوگ اللہ ﷻ پر ایمان لا چکے ہیں اور اللہ ﷻ کا دین لوگوں میں مقبول ہو چکا ہے۔ لیکن کچھ لوگ اللہ ﷻ کے بارے میں جھگڑتے ہیں، دعوت حق کو روکنے کے لئے فضول قسم کے اعتراضات اور بحث کرتے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں دعوت حق کو روکنے کے لئے کبھی دھمکی، کبھی لالچ، کبھی سمجھوتہ، کبھی مکمل بائیکاٹ، کبھی استہزا اور کبھی فضول قسم کے اعتراضات اور بحثوں کے راستے کھولے جا رہے تھے۔ ایسے لوگوں کی کج بحثی اور حجت بازی اللہ ﷻ کے نزدیک باطل ہے یہ جو چاہیں کر لیں، اللہ ﷻ ان کی سازشوں کو کبھی کامیاب نہ ہونے دے گا اور حق سر بلند ہو کر رہے گا۔ البتہ حق کو دبانے کے لئے جتنا زور یہ صرف کر رہے ہیں اتنا ہی اللہ ﷻ کا غضب ان پر بھڑکتا ہے اور اتنی ہی شدید سزا انہیں دی جائے گی۔

علمی بات: ۲۔ مکہ مکرمہ میں اگر کوئی شخص مسلمان ہو جاتا تو اس کے مشرک دوست اور لواحقین ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ جاتے اور اس سے بحثیں اور لڑائی جھگڑا کر کے اسے زچ کر دیتے اور اس بات پر مجبور کر دیتے کہ وہ پھر سے اسلام چھوڑ کر ان کے آبائی دین میں شامل ہو جائے۔ یہ تو انفرادی صورت تھی اور اجتماعی صورت یہ تھی کہ کفار کی مخالفت اور اذیت کے باوجود بھی اسلام پھیل رہا تھا اور مسلمانوں کی تعداد میں دم بدم اضافہ ہو رہا تھا۔ اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے کافر متحد ہو کر میدان میں اتر آئے تھے اور اس صورت حال کے متعلق اس آیت میں اللہ ﷻ نے فرمایا کہ جب سنجیدہ اور عقل مند طبقہ اسلام کے دلائل سے متاثر ہو کر اس کی حقانیت پر ایمان لا چکا ہے اور اللہ ﷻ کی توحید کو تسلیم کیا جا چکا ہے، تو اب کافروں کے یہ جھگڑے عبث اور بے کار ہیں۔

آیت نمبر۱۷: اللہ ﷻ نے اپنی کتاب مقصد کے تحت نازل کی ہے۔ ایک اہم ترین مقصد لوگوں کی ہدایت ہے۔ کتاب کے ساتھ اللہ ﷻ نے میزان، یعنی عادلانہ شریعت عطا فرمائی۔ اس سے لوگوں کے حقوق و فرائض کا تعین ہوتا ہے۔ کتاب و شریعت عطا کیئے جانے کا اہم ترین مقصد ان کی تعلیمات پر عمل اور نفاذ ہے۔ ایسا نہ کرنے والے جان لیں کہ عنقریب قیامت آنے والی ہے۔ جہاں لوگوں کو جوابدہی کے لئے حاضر ہونا ہے۔

علمی بات: اللہ ﷻ نے دین حق پر مشتمل کتاب قرآن حکیم نازل فرمائی جس کا مقصد لوگوں کی ہدایت ہے۔ اس کے ساتھ میزان یعنی عادلانہ شریعت عطا فرمائی جس میں عقائد و اعمال، حقوق و فرائض اور عدل و مساوات کو اس طرح ناپ تول کر ٹھیک بیان کر دیا گیا ہے کہ ان میں کسی کمی بیشی کی ضرورت نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ قیامت قریب ہی ہو، اس لئے ہر عقل مند انسان پر لازم ہے کہ وہ قیامت سے پہلے اس دین پر عمل کرنے میں جلدی کرے کیونکہ قیامت آجانے کے بعد کسی کو توبہ یا نیکی کرنے کی مہلت نہیں ملے گی۔

آیت نمبر۱۸: آخرت اور عذاب کا مذاق اڑانے والے در حقیقت روز آخرت کی باز پرس پر یقین نہیں رکھتے۔ انہیں یقین ہوتا تو کبھی عذاب کے لئے جلدی نہیں کرتے۔ اس کے برعکس روز آخرت اور اعمال کی جواب دہی پر یقین رکھنے والے اپنے محاسبہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ قیامت کے واقع ہونے میں شک و شبہ کا اظہار کرنے والے حق سے دور اور گمراہی میں بہت آگے نکل گئے ہیں۔

علمی بات: قیامت کے بارے میں دو مختلف رویے بیان ہوئے ہیں۔ ایک وہ لوگ جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتے اور دوسرے وہ جو قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ لوگ جو قیامت کے آنے پر یقین نہیں رکھتے وہ محض اسے ایک ڈراوا سمجھتے ہیں، اس لئے اس سے ڈرنے کی بجائے اس کا مذاق اڑاتے ہیں کہ اگر قیامت کو آنا ہوتا تو وہ کب کی آچکی ہوتی۔ بار بار ہمیں ڈرایا جا رہا ہے، لیکن وہ آنے کا نام نہیں لیتی۔ ایسے لوگ آخرت کی تیاری کی فکر نہیں کرتے اور

بہت بڑا نقصان اٹھاتے ہیں۔ اس کے برعکس جو لوگ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں، انہیں اندازہ ہے کہ وہ کتنا ہولناک دن ہے اور اس روز انسانوں پر کیا گزرے گی۔ وہ اس کی ہولناکی کے تصور ہی سے کانپ جاتے ہیں۔ ایسے لوگ آخرت کی تیاری میں لگے رہتے ہیں۔

آیت نمبر ۱۹: لطیف کے معنیٰ نرمی کرنے والا اور باریک بین ہے۔ اللہ ﷻ اپنے بندوں کے ساتھ نرمی کرنے والا اور اپنے بندوں کی تمام حاجات کو پورا فرمانے والا ہے۔ رزق کے معاملہ میں سب کو یکساں عطا نہیں فرماتا بلکہ اپنی حکمت کے پیش نظر کسی کو کم اور کسی کو زیادہ عطا فرماتا ہے۔ کوئی طاقت اس کی دی ہوئی مقدار کو کم یا زیادہ نہیں کر سکتی کیونکہ وہ خود سب سے بڑا طاقتور اور زبردست ہے۔

علمی بات: آیت میں لفظ "لطیف" استعمال ہوا ہے۔ لطیف کا معنیٰ عموماً مہربان لیا جاتا ہے۔ لیکن اس کا معنیٰ اردو میں کسی ایک لفظ سے ادا نہیں ہو سکتا۔ اس کے مادہ "لطف" کے بنیادی معنیٰ میں دو باتیں پائی جاتی ہیں: ایک دقت نظر اور دوسرے نرمی۔ اس آیت میں لطیف کے معنیٰ میں یہ دونوں چیزیں موجود ہیں۔ یعنی اللہ ﷻ اپنے بندوں کی چھوٹی چھوٹی اور رتی برابر تکالیف کا علم اور اس کی خبر رکھتا ہے پھر از راہِ مہربانی ان کا ازالہ بھی کرتا ہے۔ اسی طرح وہ اپنے بندوں کی چھوٹی چھوٹی حاجات اور ضروریات کا خیال رکھتا ہے پھر از راہ مہربانی انہیں پورا بھی کرتا رہتا ہے۔

آیت نمبر ۲۰: جو فرد آخرت کا طلب گار ہو گا اس کے لئے آخرت کے اجر میں خوب اضافہ کیا جائے گا۔ البتہ دنیا کے طلب گار کو دنیا میں تو کچھ مل جائے گا لیکن آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہو گا کیونکہ اس کی شرط ایمان ہے جو اسے حاصل نہیں۔

علمی بات: آخرت کا طلب گار شخص نیک اعمال کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ ﷻ اس شخص کو اس دنیا میں اور زیادہ نیکیوں کی توفیق عطا فرما دیتا ہے اور آخرت میں اس کی ایک ایک نیکی کا اجر دس گنا سے لے کر سات سو گنا بلکہ اس سے زیادہ تک بھی عطا فرمائے گا۔ اس کے برعکس جو شخص صرف اسی دنیا کا طالب رہتا ہے اور آخرت کو فراموش کر دیتا ہے اس کو دنیا کا کچھ حصہ تو مل جاتا ہے مگر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہو گا کیونکہ اس نے آخرت کے لئے کوئی عمل کیا ہی نہیں ہے۔

آیت نمبر ۲۱: مشرکین سے دریافت کیا جا رہا ہے کہ اللہ ﷻ کے سوا کوئی اور ہستی ایسی ہے جسے کوئی دوسری شریعت دینے کا حق اور اختیار حاصل ہو؟ جب کہ اللہ ﷻ نے دین حق اور عادلانہ شریعت عطا فرما دی ہے۔ پھر مشرکین اللہ ﷻ کے احکامات کے برخلاف اپنے دنیا دار قائدین کی پیروی کیوں اختیار کیئے ہوئے ہیں؟ مراد ایسے لوگوں کی پیروی ہے جو اللہ ﷻ کی شریعت کے مقابلہ میں اپنے قانون کی پیروی کا تقاضا کرتے ہیں۔ بلاشبہ ظالموں کو اپنے مشرکانہ اعمال کی بدترین سزا ملے گی۔

علمی بات: ۱۔ اللہ ﷻ کے سوا کوئی نہیں جو مخلوق کے لئے کوئی دین مقرر کر دے، نہ کوئی ایسا کر سکتا ہے اور نہ کسی کو اس کا حق ہے۔ یہ حق صرف اللہ ﷻ کو ہی حاصل ہے کہ اس نے مخلوق کے لئے دین حق اور عادلانہ شریعت عطا فرما دی ہے۔ جب ان خود ساختہ شریکوں میں سے کسی نے دین اور شریعت کو متعین و مقرر نہیں کیا تو ان کو معبود سمجھنا اور ان کی عبادت کرنا حماقت ہے۔ اسی طرح جب اللہ ﷻ کے دین اور شریعت کے علاوہ کوئی اور دین اور شریعت نہیں ہے تو پھر اللہ ﷻ کے دین اور شریعت کے مقابلہ میں دوسرے قائدین اور پیشواؤں کے بنائے ہوئے خود ساختہ عقائد، احکام اور قوانین کی پیروی کرنا بھی حماقت ہے۔ اگر اللہ ﷻ کی طرف سے یہ بات طے نہ ہو چکی ہوتی کہ اللہ ﷻ ایسے باغیوں کو دنیا میں ڈھیل دیتا ہے اور ان کو آخرت میں سخت عذاب دے گا، تو انہیں دنیا میں ابھی عذاب دے دیتا۔ لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ایسے ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے جس میں یہ ضرور مبتلا ہوں گے۔

علمی بات: ۲۔ بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ اس آیت میں "شُرَکٰٓءُ" سے مراد بت نہیں ہیں۔ بلکہ اس سے مراد وہ انسان ہیں، جن کے سکھائے ہوئے افکار و عقائد پر لوگ یقین رکھتے ہیں، جن کی دی ہوئی قدروں، اخلاقی اصولوں اور تہذیب و ثقافت کے معیاروں کو قبول کرتے ہیں، جن کے مقرر کیئے

ہوئے قوانین اور طریقوں اور ضابطوں کو اپنے مذہبی مراسم اور عبادات، اپنی شخصی زندگی، اپنی معاشرت، اپنے تمدن میں، اپنے کاروبار اور لین دین، اپنی عدالتوں، اپنی سیاست اور حکومت میں اس طرح اختیار کرتے ہیں کہ گویا یہی وہ شریعت ہے جس کی پیروی ان کو کرنی چاہیئے۔ یہ ایک پورے کا پورا دین ہے جو اللہ ﷻ کی تشریع کے خلاف، اس کے اذن اور اس کی منظوری کے بغیر ایجاد کرنے والوں نے گھڑ لیا اور ماننے والوں نے اسے بے چوں چرا اس مان لیا۔ یہ ویسا ہی شرک ہے جیسا غیر اللہ کو سجدہ کرنا۔

آیت نمبر ۲۲: روز قیامت ظالم دنیا میں اپنے کیئے گئے اعمال پر ڈر رہے ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی کارکردگی کا وبال ان پر آنے والا ہوگا۔ اس کے برعکس ایمان لا کر نیک اعمال انجام دینے والے جنت کے باغات میں ہوں گے جہاں ان کی ہر خواہش کی تسکین ہوگی۔ یہ بہت بڑے درجہ کی فضیلت ہوگی جسے اللہ ﷻ مومنین کو نصیب فرمائے گا۔

علمی بات: ا۔ قیامت کے دن کفار و مشرکین اپنے خود ساختہ عقائد اور برے اعمال کی وجہ سے خوف زدہ ہوں گے۔ کیونکہ انسان کا ضمیر نیکی و بدی کے بارے میں بہت حسّاس ہے، وہ اپنے اندر کی گہرائیوں میں جھانک کر بغیر کسی تعصب کے غلط اور درست کی نشاندہی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ چنانچہ روز قیامت تمام غلط کار انسان اپنے غلط عقائد و اعمال کو دیکھتے ہوئے خوف زدہ ہوں گے اور ان کا وبال اُن پر گرنے والا ہوگا۔

علمی بات: ۲۔ صحیح راستہ کی نشاندہی کر کے اُس پر چلنے والے مومنین کو جنت میں ہر قسم کی جسمانی و روحانی راحتیں اور اللہ ﷻ کا قرب حاصل ہوگا اور یہ اللہ ﷻ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے۔ اس کے سامنے دنیا کی عیش و عشرت اور راحتوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

آیت نمبر ۲۳: یہ بشارتیں ایمان لا کر نیک اعمال انجام دینے والوں کے لئے ہیں یعنی وہ لوگ جو اللہ ﷻ کی عطا کردہ شریعت پر عمل کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو ہدایت ہے کہ آگاہ کر دیں کہ مخالفت کے باوجود آپ ﷺ قرابت داری کی وجہ سے دین حق پہنچا رہے ہیں۔ اس کے لئے کوئی ذاتی معاوضہ نہیں چاہتے۔ اپنے قرابت داروں کے حق کا خیال رکھنے بالخصوص نبی کریم ﷺ کے رشتہ داروں اور آپ ﷺ کے اہل بیت سے محبت کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ دعوت حق کو قبول کرنے والوں کے اجر و ثواب میں کئی گنا اضافہ کر دیا جائے گا۔ بلاشبہ اللہ ﷻ بہت بخشنے والا اور بہترین قدر دان ہے۔

علمی بات: ا۔ خوبصورت ترین جنتوں، بے مثال باغات اور بے بہا نعمتوں کی اللہ ﷻ اپنے نیک بندوں کو خوشخبری دیتا ہے جو ایمان والے اور نیک اعمال کرنے والے ہیں۔ یعنی یہ بشارتیں ان لوگوں کے لئے ہیں جو اللہ ﷻ کی عطا کردہ شریعت پر عمل کرتے ہیں۔ اللہ ﷻ نے فرمایا ہے کہ جو بندۂ مومن کوئی نیک عمل کرے گا تو ہم اس کا بدلہ کئی گنا بڑھا کر دیں گے، اس لئے کہ ہم توبہ کرنے والوں کے گناہوں کو معاف کر دیتے ہیں اور نیکو کاروں کو ان کے اعمال صالحہ کا بدلہ کئی گنا بڑھا کر دیتے ہیں۔

علمی بات: ۲۔ اس آیت میں قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى کی مفسرین کرام نے مختلف تفاسیر کی ہیں۔ ایک رائے کے مطابق "قربیٰ" سے مراد قرابت یعنی رشتہ داری ہے۔ اس لحاظ سے مطلب یہ ہے کہ "میں تم سے اس کام پر کوئی اجر نہیں چاہتا، مگر یہ ضرور چاہتا ہوں کہ تم لوگ یعنی اہل قریش کم از کم اس رشتہ داری کا تو لحاظ کرو جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ تم میری بات مان لیتے، لیکن اگر تم نہیں مانتے تو یہ ستم تو نہ کرو کہ سارے عرب میں سب سے بڑھ کر تم ہی میری دشمنی پر تل گئے ہو۔" دوسری رائے یہ ہے کہ "قربیٰ" قرب اور تقرب کے معنیٰ میں ہے۔ اس کے مطابق مطلب یہ ہے کہ "میں تم سے اس کام پر کوئی اجر طلب نہیں کرتا سوائے یہ کہ تمہارے اندر اللہ ﷻ کے قرب کی چاہت پیدا ہو جائے، یعنی تم اللہ ﷻ کے قریب ہو جاؤ، بس یہی میرا اجر ہے۔ تیسری رائے یہ ہے کہ "قربیٰ" سے مراد رشتہ دار ہیں۔ اس کے مطابق مطلب یہ ہے کہ "میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا، مگر یہ طلب کرتا ہوں کہ تم آپس میں پیار محبت کرو، تم اپنے رشتہ داروں کے ساتھ محبت کرو۔"

علمی بات: ۳۔ ایک رائے یہ ہے کہ "قربیٰ" آپ ﷺ کے اہل بیت اطہار ہیں یعنی نبی کریم ﷺ کے رشتہ داروں اور آپ ﷺ کے اہل بیت سے محبت کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ "میں تم سے اس کام پر کوئی اجر اس کے سوا نہیں چاہتا کہ تم میرے اقارب سے محبت کرو۔"

آیت نمبر ۲۴: سرداران قریش کہتے تھے کہ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ آپ (ﷺ) خود اسے بنا کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ (معاذاللہ) ان کے اس بے ہودہ اعتراض کا جواب دیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر آپ ﷺ قرآن حکیم جیسا کلام ہر گز نہیں سنا سکتے۔ اللہ تعالیٰ باطل کو کبھی پائیداری نہیں دیتا جس کے نتیجہ میں حق از خود ثابت ہو کر رہتا ہے۔ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا برحق کلام ہے۔ بلاشبہ اس طرح کے بے بنیاد الزام لگانے والے ذاتی مفادات کی بنا پر ایسا کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے سینوں میں چھپے ہوئے رازوں سے خوب واقف ہے۔

علمی بات: کفار کے اس بہتان اور بے ہودہ اعتراض کا بھرپور جواب دیا گیا ہے کہ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا کلام ہی ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں۔ بفرض محال اگر آپ ﷺ سچے نبی نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے دل پر مہر لگا دیتا اور برحق کلام آپ ﷺ کی زبان پر جاری نہ فرماتا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ وہ باطل کو کبھی پائیداری نہیں دیتا اور حق کو مضبوط دلائل کے ساتھ ثابت فرماتا ہے۔

آیت نمبر ۲۵: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔ وہ سچی توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور ان کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کے ہر عمل سے خوب واقف ہے یعنی جس نیت سے توبہ کرو گے اس کو بھی بخوبی جانتا ہے کہ صدق دل سے توبہ کر رہے ہو یا دل میں کھوٹ ہے۔

علمی بات: ا۔ اس آیت میں گنہگاروں کے لئے توبہ کی ترغیب ہے کہ اب بھی موقع ہے کہ وہ سنبھل جائیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کریں۔ جو شخص بھی خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبولیت بخشتا ہے اور اس کے گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔ کافروں کی توبہ یہ ہے کہ وہ سچے دل سے اسلام قبول کر لیں، اسلام لانے سے ہی ان کے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

علمی بات: ۲۔ توبہ کے لفظی معنی لوٹنے اور رجوع کرنے کے ہیں۔ مراد ہے کہ آدمی اپنے کیئے پر نادم ہو، جس برائی کا مرتکب ہوا یا ہوتا رہا ہے اس سے باز آجائے اور آئندہ اس کا ارتکاب نہ کرے۔ سچی توبہ کا لازمی تقاضا ہے کہ جو برائی کسی شخص نے پہلے کی ہے اس کی تلافی کرنے کی وہ اپنی حد تک پوری کوشش کرے اور جہاں تلافی کی کوئی صورت ممکن نہ ہو وہاں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں کر کے اس دھبے کو صاف کرتا رہے جو اس نے اپنے دامن پر لگا لیا ہے۔ لیکن کوئی توبہ اس وقت تک حقیقی توبہ نہیں جب تک وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت سے نہ ہو۔ کسی دوسری غرض سے کسی برے فعل کو چھوڑ دینا توبہ کی تعریف میں نہیں آتا۔

آیت نمبر ۲۶: اللہ تعالیٰ ایمان لا کر نیک اعمال انجام دینے والوں کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشتا ہے۔ اور انہیں اپنے فضل و کرم سے مزید نوازتا ہے اور ان کے اجر و ثواب میں اضافہ فرماتا ہے۔ جو ایمان نہیں لاتے یا ایمان لانے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے احکامات سے پہلو تہی کرتے ہیں وہ اپنے آپ کو سخت عذاب کا مستحق بنا لیتے ہیں۔

علمی بات: اس آیت کی روشنی میں دعا کی قبولیت کی دو شرائط ہیں: ایک ایمان اور دوسرے نیک اعمال۔ جب بندہ صحیح ایمان والا ہو اور اس کے اعمال بھی نیک ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کی دعائیں قبول فرماتا ہے۔ نیک اعمال میں کسب حلال بہت ہے کیونکہ اگر انسان کی کمائی حلال نہ ہو گی تو اس کی دعا قبول نہ ہو گی۔ حدیث شریف میں دعا کی قبولیت میں اس کے عمل دخل اور اہمیت کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

فرمان نبوی ﷺ: رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کا ذکر فرمایا: کہ وہ لمبے سفر میں پراگندہ بال اور دھول میں اٹا ہوا آسمان کی جانب ہاتھ پھیلا کے کہے: یارب! یارب!، حالانکہ اس کا کھانا حرام ہے، پینا حرام ہے، لباس حرام سے بنا اور اس کی نشوونما بھی حرام پر ہوئی؛ تو اس کی دعا کیسے قبول ہو! (صحیح مسلم)

آیت نمبر۲۷: اللہ ﷻ کی حکمت کا بیان ہے جو بندوں کے معاشی معاملات میں جاری ہے۔ اللہ ﷻ اگر تمام انسانوں کے لئے رزق کو کشادہ فرمادیتا تو لوگ زمین میں سرکشی کرنے لگتے۔ لیکن وہ اپنے علم و حکمت کی بنا پر رزق کو تقسیم فرماتا ہے جو بندوں کے بہترین مفاد میں ہوتا ہے۔ بلاشبہ وہ انسان کی ہر ضرورت اور حال سے واقف ہے اور اسی کے مطابق اسے رزق عطا کرتا ہے۔

علمی بات:۱۔ دنیاوی مال وجاہ کی ایک بڑی حکمت و مصلحت ابتلاوامتحان ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ ﷻ مومن اور کافر دونوں کو آزماتا ہے۔ کسی کو اللہ ﷻ مال ودولت زیادہ دے کر آزماتا ہے کہ وہ اللہ ﷻ کا شکر ادا کرتا ہے یا نہیں اور کسی کو اللہ ﷻ مال ودولت کم دے کر آزماتا ہے کہ وہ اللہ ﷻ کی رضا پر راضی رہتا ہے اور صبر کرتا ہے یا نہیں۔ دراصل رزق وروزی کا معاملہ اللہ ﷻ ہی کے قبضہ قدرت واختیار میں ہے اور وہ جو بھی کچھ کرتا ہے اپنے علم اور حکمت کے تقاضوں کے مطابق کرتا ہے۔

علمی بات:۲۔ بندوں کی مصلحت کا تقاضا تھا کہ ایک خاص مقدار ہی میں انہیں رزق دیا جائے، کیونکہ رزق کو وافر مقدار میں پاکر انسان غرور اور گھمنڈ میں مبتلا ہو جاتا ہے اور یہ غرور اور گھمنڈ اسے سرکش بنا دیتا ہے اور اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ دوسرے لوگوں پر برتری حاصل کرے جس کے لئے وہ ظلم وزیادتی پر اتر آتا ہے۔ اس طرح انسانی معاشرہ میں بڑے پیمانہ پر خون خرابہ ہوتا اور ہر طرف شور شرابا اور ہلچل مچ جاتی۔

آیت نمبر۲۸: جب خشک سالی ہوتی ہے اور لوگ ظاہری حالات سے مایوس ہو جاتے ہیں تو اللہ ﷻ اپنے فضل سے بارش بھیج دیتا ہے۔ اِس کے ذریعہ اللہ ﷻ کی رحمت کے آثار اور برکات زمین میں نمایاں ہو جاتے ہیں یعنی نباتات کی بہتات ہوتی ہے، پھول اور پھل بکثرت پیدا ہوتے ہیں رزق کی فراوانی ہوتی ہے۔ بارش میں تاخیر ہونا لوگوں کے لئے آزمائش کے علاوہ تنبیہ بھی ہے کہ بارش اور قحط اللہ ﷻ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ بلاشبہ اللہ ﷻ انسان کا بہترین خیر خواہ ہے اور وہی شکر وتعریف کے لائق ہے۔

علمی بات:۱۔ بعض اوقات اللہ ﷻ اپنی قدرت وحکمت سے باران رحمت کو روک لیتا ہے یہاں تک کہ زمین خشک ہو جاتی ہے۔ قحط سالی سے انسان اور چوپائے بے حال ہونے لگتے ہیں۔ حتٰی کہ بارش سے بالکل ناامید ہو جاتے ہیں اور اللہ ﷻ کی مشیت کے سامنے اپنے آپ کو بالکل بے دست وپا سمجھنے لگتے ہیں۔ اس موقع پر کفار ومشرکین کے جھوٹے معبودوں کی عاجزی اور بے بسی بھی کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اگر وہ معبود ہیں اور کسی قسم کی قدرت رکھتے ہیں، تو پھر اپنی پوجا کرنے والوں کی مدد کے لئے آگے کیوں نہیں بڑھتے اور آسمان سے بارش کیوں نہیں نازل کرتے؟ تب اللہ ﷻ کی رحمت جوش میں آتی ہے اور وہ باران رحمت بھیج دیتا ہے اور لوگوں کی ناامیدی وپریشانی کو دور کر دیتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ حقیقی معبود صرف ایک ہی ہے اور وہ اللہ ﷻ ہی ہے۔

علمی بات:۲۔ قحط سالی کے بعد باران رحمت اور تنگ دستی کے بعد خوشحالی میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ لوگوں کو اللہ ﷻ کی نعمتوں کا احساس ہو کہ واقعی اللہ ﷻ ہی حقیقی کارساز ہے اور وہی سب تعریفوں کا مستحق ہے۔

آیت نمبر۲۹: آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق اور ان دونوں میں پیدا کی جانے والی تمام مخلوقات اللہ ﷻ کی قدرت کی بہت بڑی نشانیاں ہیں۔ جس طرح اس نے ان مخلوقات کو پیدا کر کے پھیلایا، اسی طرح وہ ان سب کو روز قیامت جمع کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔

علمی بات:۱۔ اللہ ﷻ نے آسمان وزمین کو پیدا فرمایا ہے اور پھر ان دونوں میں جانداروں کو پھیلا دیا ہے۔ اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ زمین کی طرح آسمانوں میں اللہ ﷻ کی مخلوقات موجود ہیں جن میں فرشتے سرفہرست ہیں۔ زندگی صرف زمین ہی پر نہیں دوسرے سیاروں میں بھی پائی جاتی ہے۔

علمی بات:۲۔ اس آیت میں قیامِ قیامت کے لئے ایک دلیل پیش کی گئی ہے۔ اللہ ﷻ نے آسمان وزمین کو پیدا فرمایا ہے اور پھر اپنی بے شمار مخلوقات کو پیدا فرما کر زمین وآسمان میں بکھیر دیا ہے۔ جس اللہ ﷻ نے آسمان اور زمین کی اس کائنات میں تمام جانداروں کو اس پر حکمت طریقہ سے پھیلا دیا ہے، وہ ان کو جب چاہے دوبارہ جمع کرنے اور اکٹھا کرنے پر بھی بہر حال قادر ہے کہ جو قادرِ مطلق اس سب کو اس پُر حکمت طریقہ کے ساتھ اس طرح پھیلا اور بکھیر سکتا ہے آخر وہ ان کو دوبارہ جمع اور اکٹھا کرنے پر کیوں قادر نہ ہو گا؟

آیت نمبر ۳۰: انسان پر جو بھی آفات اور مصائب آتے ہیں وہ اس کے اپنے بعض گناہوں کی وجہ سے آتے ہیں۔ البتہ یہ اللہ ﷻ کی رحمت ہے کہ وہ اکثر گناہوں پر گرفت نہیں کرتا بلکہ در گزر فرماتا ہے۔

علمی بات:۱۔ عام طور پر انسانوں پر جو مصیبتیں آتی ہیں وہ ان کے گناہوں کی وجہ سے آتی ہیں۔ کفار اور نافرمان لوگوں پر جو مصیبتیں نازل ہوتی ہیں وہ ان کی نافرمانیوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اللہ ﷻ ان کے کرتوں کی سزا نہیں دیتا ہے۔ ایک شخص جو برائیاں کماتا ہے اس کے نتیجہ میں اس پر کوئی نہ کوئی افتاد پڑتی ہے اور جو معاشرہ برائیاں سمیٹ لیتا ہے وہ اجتماعی طور پر مصیبت کا شکار ہو جاتا ہے۔ اللہ ﷻ بڑا کریم ہے۔ وہ انسان کے سارے گناہوں کی سزا نہیں دیتا بلکہ بہت سارے گناہوں سے در گزر فرما دیتا ہے۔ اگر اللہ ﷻ لوگوں کی بدکاریوں کی پوری سزا دے تو پھر نافرمانوں کا نام ونشان ہی مٹ جائے۔

علمی بات:۲۔ مسلمانوں پر جو تکلیفیں آتی ہیں وہ مختلف قسم کی ہیں۔ ایک یہ کہ بعض اوقات مسلمانوں میں سے بھی بعض لوگ نافرمانیاں، گناہ اور جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر مصائب اللہ ﷻ کی طرف سے ان کے گناہوں کی وجہ سے آتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ بعض اوقات کسی مسلمان سے کوئی غلطی وخطا ہو جاتی ہے تو اللہ ﷻ اسے دنیا میں کوئی تکلیف دے دیتا ہے جس کے ذریعہ اس کی غلطی وخطا کو مٹا دیا جاتا ہے۔ تیسرے یہ کہ مسلمانوں میں سے اللہ ﷻ کے فرماں بردار بندوں پر جو مصائب آتے ہیں وہ ان کی آزمائش کا ذریعہ ہوتے ہیں اور ان کے درجات کی بلندی کا باعث بنتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ اللہ ﷻ کے پیغمبروں اور مخلص بندوں کو حق کے راستہ میں جو مصیبتیں پیش آتی ہیں ان کے ذریعہ سے اللہ ﷻ ان بزرگ ہستیوں کے درجات بلند کرتا ہے۔ ایسے مصائب سب سے زیادہ اللہ ﷻ کے نبیوں کو پھر درجہ بدرجہ دوسرے نیک مخلص بندوں کو پیش آتے ہیں۔

آیت نمبر ۳۱: اللہ ﷻ کو کوئی عاجز نہیں کر سکتا کہ بھاگ کر کسی ایسی جگہ چلا جائے کہ اللہ ﷻ کی گرفت میں نہ آسکے۔ اللہ ﷻ کے سامنے سب عاجز اور بے بس ہیں۔ وہ کسی کے سامنے عاجز اور کمزور نہیں ہے۔ اللہ ﷻ اگر کسی کی گرفت کرنا چاہے تو اس کے مقابلہ میں کوئی حمایتی اور کوئی مدد کرنے والا نہیں ہو گا۔

علمی بات: اللہ ﷻ قادرِ مطلق ہے، جب وہ مجرموں کو سزا دیتا ہے تو وہ اللہ ﷻ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے اور نہ ہی اللہ ﷻ کے مقابلہ میں کوئی ایسا کارساز یا مددگار ہے جو انہیں اللہ ﷻ کی گرفت سے بچا سکے۔ مخلوقات کے پاس جتنی بھی طاقت وقوت، دولت وثروت اور علم ومعرفت ہو کبھی کوئی اللہ ﷻ کو عاجز اور کمزور نہیں بنا سکتا۔ سب کچھ اللہ ﷻ کے قبضہ قدرت واختیار میں ہے۔ اللہ ﷻ کے سوا جو فرضی اور خود ساختہ سہارے لوگوں نے مختلف ناموں سے گھڑ رکھے ہیں، وہ سب دھوکے کا سامان ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی کسی کے کچھ کام آنے والا نہیں ہے۔

آیت نمبر ۳۲: انسان پر اللہ ﷻ کے عظیم احسان کا ذکر ہے۔ اس نے انسان کو پہاڑوں جیسے بڑے بڑے سمندری جہاز بنانا سکھائے۔ جو اس کی قدرت، علم وحکمت اور رحمت کی نشانیوں میں سے ہیں۔

علمی بات: اللہ ﷻ کی قدرت کی نشانی ہے کہ پہاڑوں جیسے عظیم الشان جہاز سمندروں میں رواں دواں ہیں۔ یہ جہاز انسان کی ضروریات وحاجات کو لے کر مشرق ومغرب اور شمال وجنوب ہر طرف رواں دواں ہیں۔ جس پانی کی پشت پر ایک چھوٹا سا کنکر بھی نہیں ٹھہر سکتا اس پر ہزاروں ٹن وزن کے یہ

دیو پیکر جہاز سمندر کا سینہ چیر کر دوڑے پھر رہے ہیں۔ اس قادر مطلق ربِّ رحمٰن نے ایک طرف تو وہ تمام اسباب اور خام مال پیدا فرمایا جو جہاز سازی کی اس صنعت میں کام آتا ہے اور دوسری طرف اس نے انسان کو عقل و فکر کی قوت اور جسمانی صحت و سلامتی کی اور استعداد سے نوازا جس سے کام لے کر انسان ان دیو پیکر جہازوں کو تیار کر کے طرح طرح کے فائدے اٹھاتا ہے اور اس سے لوگوں کے طرح طرح کے کاروبار وابستہ ہیں اور ہزاروں لوگوں کی روزی روٹی کا مدار و انحصار بھی اسی پر ہے۔ مزید یہ کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی قدرت اور حکمت سے بحر و بر کی اس پوری کائنات کو ایسے قوانین فطرت کا پابند بنا دیا کہ یہ سب انسان کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔

آیت نمبر ۳۳: اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے سمندر میں چلنے والے بڑے بڑے بحری جہاز ہیں۔ اگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ چاہے تو اس کے حکم سے ہوا ٹھہر جائے تو جہاز سمندر کی سطح پر کھڑے رہ جائیں گے۔ بلاشبہ ان حقائق میں ہر صبر کرنے والے اور شکر بجالانے والے کے لئے بڑے دلائل اور بڑی نشانیاں ہیں۔

علمی بات: ۱۔ بڑی بڑی کشتیوں اور بحری جہازوں کی سمندر کی پیٹھ پر روانگی اور ان کی آمد و رفت اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی کے کرم و احسان کا نتیجہ و ثمرہ اور اس کی قدرت کا ایک عظیم الشان کرشمہ ہے۔ لیکن اگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ چاہے تو ہوا کو روک دے اور یہ سارے جہاز اپنی جگہ کھڑے کے کھڑے رہ جائیں۔ مگر وہ اپنے بے انتہا حلم اور بیکراں کرم کی بنا پر ایسے نہیں کرتا۔ بلکہ اس نے اپنی عنایت اور رحمت سے سمندروں، ہواؤں وغیرہ اور مختلف قسم کی مخلوقات کو طرح طرح سے انسان کے کام اور اس کی خدمت میں لگا رکھا ہے۔ اس سے ان لوگوں کو درس عبرت و بصیرت لینا چاہیئے جن کی نظر خالق کی قدرت پر نہیں ہوتی، بلکہ وہ ان ہی مظاہر کو سب کچھ سمجھ لیتے ہیں اور ان کی نگاہیں ان ہی میں اٹک کر اور پھنس کر رہ جاتی ہیں۔

علمی بات: ۲۔ صبر اور شکر مومن کی دو صفات ہیں۔ مومن پر جب بھی کوئی مصیبت یا تکلیف آتی ہے تو وہ صبر اور برداشت سے کام لیتا ہے۔ جب بھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی کوئی نعمت ملتی ہے یا اسے بھلائی پہنچتی ہے تو وہ اللہ کا احسان مند ہوتا اور اس کا شکر ادا کرنے لگ جاتا ہے۔ سمندر کے سفر میں اگر حالات سازگار ہوں تو مومن اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور اگر ہوا بند ہو جائے تو اس کی نظر اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی پر رہتی ہے اور صبر کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اس کے برعکس ایک کافر اور دنیادار انسان کا یہ وطیرہ ہوتا ہے کہ مصیبت پڑنے پر چیخ و پکار کرتا ہے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو کر ناشکری کے الفاظ زبان پر لاتا ہے۔ جب اسے کوئی بھلائی نصیب ہوتی یا خوشحالی کا دور آتا ہے تو پھر وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو بھول ہی جاتا ہے۔

آیت نمبر ۳۴: سمندر میں بڑے بڑے بحری جہاز کا چلنا، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے۔ اگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ چاہے تو جہاز کو سمندر میں غرق کر دے۔ اس پر سوار لوگوں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دے۔ لیکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ لوگوں کے بہت سے گناہوں سے درگزر کر دیتا ہے اور ان کی فوری گرفت نہیں کرتا بلکہ انہیں مہلت دے دیتا ہے۔

علمی بات: اگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ چاہے تو ان جہازوں کو روک دے یا اگر وہ چاہے تو ان میں سوار لوگوں کے اعمال کی پاداش میں جہازوں کو تباہ کر دے۔ جس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ سمندر میں طوفان آ جائے اور اس کی وجہ سے جہاز غرق ہو جائیں۔ پرانے دور میں بادبانی جہاز اور کشتیاں ہوتی تھیں جن کا انحصار موسمی حالات پر ہوتا تھا۔ جبکہ دور جدید میں ان کی جگہ بھاپ، پٹرول، بجلی اور ایٹمی توانائی سے چلنے والے جہازوں اور کشتیوں نے لے لی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سمندر میں اٹھنے والے طوفانوں کی قہر و غضب کے سامنے ان کی حیثیت بھی تنکے سے زیادہ نہیں۔ پہلے بھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مہربانی اور خاص فضل سے بادبانی جہاز اور کشتیاں ساحل تک بخیر و عافیت پہنچتی تھیں اور آج بھی اسی کے رحم و کرم پہ بھاپ، پٹرول، بجلی اور ایٹمی توانائی سے چلنے والے جہاز اور کشتیاں سلامتی سے منزل مقصود تک پہنچتے ہیں۔ ورنہ لمحوں میں یہ سب وسائل تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔

آیت نمبر ۳۵: ان واضح نشانیوں کے باوجود جو لوگ اللہ ﷻ کی آیتوں کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں اور ان پر ایمان نہیں لاتے، وہ یہ جان لیں کہ اللہ ﷻ کے عذاب سے بھاگ کر کہیں بھی چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتے۔

علمی بات: قریش کے لوگوں کو تجارتی اغراض کے سلسلہ میں حبش اور افریقہ کے ساحلی علاقوں کی طرف بھی جانا ہوتا تھا۔ چونکہ ان سفروں میں وہ بادبانی جہازوں اور کشتیوں پر بحر احمر سے گزرتے تھے جو ایک بڑا خطرناک سمندر ہے۔ اس میں اکثر طوفان اٹھتے رہتے ہیں اور زیر آب چٹانیں کثرت سے ہیں جن سے طوفان کی حالت میں جہازوں اور کشتیوں کے چٹانوں سے ٹکرا جانے کا اندیشہ ہوتا تھا۔ اس لئے جس کیفیت کا نقشہ ان آیات میں اللہ ﷻ نے کھینچا ہے اسے قریش ذاتی تجربات کی روشنی میں پوری طرح سمجھ سکتے تھے۔ اللہ ﷻ نے ان آیات میں ان کے سامنے یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ یہ ساری باتیں تم اچھی طرح جانتے ہو کہ یہ سب کچھ اللہ ﷻ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ تم اللہ ﷻ کی پکڑ سے بھاگ نہیں سکتے۔

آیت نمبر ۳۶: غلبہ دین کی جدوجہد کرنے والوں کے اوصاف کا بیان ہے۔ وہ دنیا کے نہیں بلکہ آخرت کے طلب گار ہوتے ہیں۔ دنیا میں اگر کسی کو عیش و عشرت کا سامان مل جائے تو اس پر اترانا نہیں چاہیئے۔ دنیا کی عارضی اور کم تر نعمتوں کے مقابلہ میں آخرت کی نعمتیں بہت بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہیں۔ لیکن آخرت کی نعمتیں ان ہی لوگوں کو ملیں گی جو ایمان لاتے ہیں اور اللہ ﷻ پر توکل کرتے ہیں۔

علمی بات: ۱۔ ان اوصاف کو اپنائے بغیر ان کے کردار و عمل میں وہ مضبوط "جان" پیدا نہیں ہو گی جو اس "معرکہ روح و بدن" میں پیش کرنے کے لئے درکار ہے۔ پہلی ہدایت عطا ہوئی کہ ایسی سوچ اپنانا ہو گی جس کے مطابق دنیا ومافیہا انہیں ہیچ نظر آئے اور اس کے مقابلہ میں آخرت کی زندگی ان کا اصل مقصود و مطلوب بن جائے۔ دنیاوی سازو سامان چند روزہ متاع دنیا ہے، انسان نے چند روز کے لئے اسے استعمال کرنا ہے اور بس۔ دنیا میں جتنا بھی مال و دولت اور سامان عیش و عشرت کسی کو مل جائے، اس سے وہ زیادہ سے زیادہ اپنی موت تک فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ بالآخر اسے خالی ہاتھ اس دنیا سے رخصت ہونا ہے۔ جبکہ آخرت کی زندگی اور اس کی نعمتیں ہمیشہ رہنے والی ہیں۔

علمی بات: ۲۔ دوسرا وصف یہ ہے کہ وہ ہر حال اور ہر کیفیت میں اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں۔ اللہ ﷻ پر توکل کو یہاں ایمان لانے کا لازمی تقاضا، اور آخرت کی کامیابی کے لئے ایک نہایت ضروری وصف قرار دیا گیا ہے۔ توکل کے معنیٰ یہ ہیں کہ: اولاً آدمی کو اللہ ﷻ کی رہنمائی پر کامل اعتماد ہو۔ ثانیاً آدمی کا بھروسہ اپنی طاقت، قابلیت، اپنے ذرائع و وسائل، اپنی تدابیر اور اللہ ﷻ کے سوا دوسروں کی امداد و اعانت پر نہ ہو، بلکہ وہ پوری طرح یہ بات ذہن نشین رکھے کہ دنیا اور آخرت کے ہر معاملہ میں اس کی کامیابی کا اصل انحصار اللہ ﷻ کی توفیق و تائید پر ثالثاً آدمی کو ان وعدوں پر پورا بھروسہ ہو جو اللہ ﷻ نے ایمان و عمل صالح کا رویہ اختیار کرنے والے اور باطل کے بجائے حق کے لئے کام کرنے والے بندوں سے کیئے ہیں اور ان ہی وعدوں پر اعتماد کرتے ہوئے وہ ان تمام فوائد، منافع اور لذتوں کو ترک کر دے جو باطل کی راہ پر جانے کی صورت میں اسے حاصل ہوتے نظر آتے ہوں اور ان سارے نقصانات، تکلیفوں اور محرومیوں کو برداشت کرلے جو حق پر استقامت کی وجہ سے اس کے نصیب میں آئیں۔

آیت نمبر ۳۷: غلبۂ دین کی جدوجہد کرنے والوں کے مزید اوصاف کا ذکر ہے۔ وہ بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ کبیرہ گناہوں کے بارے میں وہ بہت زیادہ حساس ہوتے ہیں اور ان سے بچتے رہتے ہیں۔ سب سے بڑی سرکشی یہ ہے کہ اللہ ﷻ کی اطاعت اور قانون کے مقابلہ میں کسی اور کی اطاعت اور قانون پر عمل درآمد ہو۔ اس سرکشی کو ختم کرنے کے لئے اللہ ﷻ کے دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کا تقاضا ہے۔ یہ جدوجہد کرنے والے غصہ یا جذبات کی شدت سے کوئی اقدام نہیں کرتے بلکہ درگزر کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔

علمی بات:۱۔ مذکورہ اہل ایمان کا تیسرا یہ وصف بیان ہوا کہ وہ بڑے بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے اجتناب کرتے ہیں۔ ظاہر ہے اقامت دین کے مقدس فریضہ کو نبھانے کا حلف اٹھانے والے رضاکار اگر اپنے دامن کردار کو ایسی نجاستوں سے بچا کر نہیں رکھیں گے تو وہ اس میدان میں آگے کیسے بڑھ سکیں گے۔ یہی مضمون سورۃ النساء میں بھی بیان ہوا ہے: "اگر تم اُن بڑے گناہوں سے بچتے رہو جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو ہم تمہارے (چھوٹے) گناہ معاف کریں گے اور ہم تمہیں عزت والے مقام میں داخل کریں گے۔" (سورۃ النسآء۴، آیت:۳۱) صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کے حوالہ سے یہ نکتہ اچھی طرح سے ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ ایک بندۂ مومن کو کبیرہ گناہوں کے معاملہ میں غیر معمولی طور پر حساس ہونا چاہیئے۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے ہاں عمومی روش یہ ہے کہ ہم صغیرہ گناہوں کے بارے میں تو بہت زیادہ باریک بین بننے کی کوشش کرتے ہیں، چھوٹے چھوٹے مسائل کے بارے میں وضاحتیں بھی طلب کرتے رہتے ہیں، مگر کبیرہ گناہوں سے متعلق لاپرواہی برتتے ہیں۔ بے حیائی کے کاموں (فواحش) میں زنا، بدکاری، برہنگی، عریاں تصویریں یا اس طرح کی فلمیں دیکھنا، عشق لڑانا، جنسی ہیجان پیدا کرنے والے گانے گانا یا سننا، عورتوں کا رقص و سرور اور فحش گوئی جیسی تمام چیزیں شامل ہیں اور ان سب میں زنا اول درجہ کی بے حیائی ہے۔ اللہ ﷻ کے نیک بندے ان بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں۔

علمی بات:۲۔ چوتھا وصف یہ بیان ہوا کہ جب انہیں غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔ غَفَرَ کے معنی ڈھانپ دینے کے ہیں۔ اس لحاظ سے مغفرت سے مراد اللہ ﷻ کی رحمت اور مہربانی ہے جو بندہ کے گناہوں کو ڈھانپ لیتی ہے۔ لہٰذا مومنین صادقین کا یہاں جو وصف بتایا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ وہ غصہ کا اظہار کرنے کے بجائے اسے پی جاتے ہیں۔ اشتعال کی حالت میں وہ کوئی اقدام نہیں کرتے بلکہ اپنے فیصلے ہمیشہ سوچ سمجھ کر کرتے ہیں اور انتقام لینے کے بجائے معاف کرنے کی حکمت عملی کو ترجیح دیتے ہیں۔ کسی شخص کی طرف سے اذیت پہنچنے پر غصہ آنا بالکل فطری بات ہے، مگر درگزر سے کام لینا اور معاف کرنا ایک مومن کی بہترین صفت ہے۔ یہ صفت جذبات پر کنٹرول، بندگانِ خدا کے ساتھ حسن سلوک اور عدل وانصاف پر آمادہ کرتی ہے۔ غصہ کو پی جانا یقیناً بڑی خوبی ہے لیکن اس سے بڑی خوبی یہ ہے کہ غصہ آنے پر قصوروار کو معاف کر دیا جائے۔ لہٰذا جو اللہ ﷻ کے بندے ہیں وہ غصہ کے وقت لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں۔

آیت نمبر ۳۸: غلبہ دین کی جدوجہد کرنے والوں کے مزید اوصاف کا بیان ہے۔ وہ اپنے رب کے ہر حکم پر عمل کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ نماز کو قائم کرنے والے ہوتے ہیں۔ ان کے آپس کے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں۔ اللہ ﷻ کے عطا کردہ رزق میں سے نیک کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔

علمی بات:۱۔ اقامت دین کی جدوجہد کرنے والوں کا پانچواں وصف یہ بیان ہوا کہ وہ اپنے رب کی پکار پر لبیک کہتے ہیں۔" یعنی جس کام کے لئے بھی اللہ ﷻ بلاتا ہے اس کے لئے دوڑ پڑتے ہیں اور جس چیز کی بھی اللہ ﷻ دعوت دیتا ہے اسے قبول کرتے ہیں۔ یہ کون سی پکار ہے؟ آپ (ﷺ) کی دعوت کا عمود اور مرکزی پیغام اقامت دین ہے۔ یہی آپ ﷺ کا مشن ہے اور یہی آپ ﷺ کی دعوت کا اصل ہدف ہے۔ آپ ﷺ اپنے اسی مشن اور اسی موقف پر ڈٹے رہے اور مخالفین کی مخالفت کی بالکل پرواہ نہ کی۔ بلاشبہ یہ مشن بہت عظیم ہے اور اسی نسبت سے اس کی جدوجہد کے لئے خصوصی سیرت و کردار کے حامل مردان کار درکار ہیں۔

علمی بات:۲۔ اللہ ﷻ کے نیک بندوں کا چھٹا وصف یہ ہے کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں۔ اس فریضہ کو بڑے اہتمام کے ساتھ ادا کرتے ہیں جس میں دل کا خشوع بھی شامل ہوتا ہے اور وقار اور سکون بھی، نیز ان باتوں کا لحاظ بھی جن کا لحاظ کرنا شریعت نے ضروری قرار دیا ہے۔

علمی بات:۳۔ اللہ ﷻ کے نیک بندوں کا ساتواں وصف ہے کہ وہ آپس کے معاملات باہمی مشورے سے طے کرتے ہیں۔ مشورے کا مطلب یہ ہے کہ کسی خاص معاملہ میں دوسرے لوگوں کی رائے حاصل کی جائے۔ مشورہ سے کام کرنا اللہ ﷻ کو بہت پسند ہے خواہ دینی امور ہوں یا دنیاوی، انفرادی ہوں

یا اجتماعی۔ مشاورت اسلامی طرزِ زندگی کا ایک اہم ستون ہے۔ نبی کریم ﷺ اہم امور میں برابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرماتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپس میں مشورہ کرتے تھے۔

علمی بات: ۴۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے نیک بندوں کا آٹھواں وصف ہے کہ وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اس سے مراد اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا، زکوٰۃ، صدقات، دینی مقاصد کے لئے خرچ کرنا اور نیک اور فلاحی کاموں میں خرچ کرنا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنی راہ میں خرچ کرنے کا اجر و ثواب دنیا و آخرت میں بے حساب عطا کرتا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ صرف رزق حلال و طیب ہی کو اپنے دیئے ہوئے رزق سے تعبیر فرماتا ہے، ناپاک اور حرام طریقوں سے کمائے ہوئے رزق کو وہ اپنا رزق نہیں کہتا۔ اس لئے حلال طریقہ سے روزی کمائی جائے اور حلال رزق ہی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا جائے۔

آیت نمبر ۳۹: غلبۂ دین کی جدوجہد کرنے والوں کی ایک اور صفت یہ ہے کہ جب ان پر کوئی ظلم کرتا ہے تو وہ برابر کا بدلہ لیتے ہیں اور اس میں حد سے تجاوز نہیں کرتے۔ عام حالات میں درگزر کرنا پسندیدہ ہے البتہ زیادتی ہو جانے پر بدلہ لینے کی بھی اجازت ہے۔

علمی بات: ۱۔ اہل ایمان کا نواں وصف یہ ہے کہ ظالموں اور جباروں کے لئے نرم چارہ نہیں ہوتے۔ ان کی نرم خوئی اور عفو و درگزر کی عادت کمزوری کی بنا پر نہیں ہوتی۔ ان کی شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ جب غالب ہوں تو مغلوب کے قصور معاف کر دیں، جب قادر ہوں تو بدلہ لینے سے درگزر کریں اور جب کسی زیر دست یا کمزور آدمی سے کوئی خطا سرزد ہو جائے تو اس سے چشم پوشی کر جائیں۔ لیکن کوئی طاقتور اپنی طاقت کے زعم میں ان پر دست درازی کرے تو ڈٹ کر کھڑے ہو جائیں اور اس کا منہ توڑ جواب دیں۔ مومن کبھی ظالم سے نہیں دبتا اور متکبر کے آگے نہیں جھکتا۔

علمی بات: ۲۔ اقامت دین کی جدوجہد کرنے والے اہل ایمان کی یہ بھی صفت ہے کہ جب ان پر زیادتی ہو تو وہ بدلہ لیتے ہیں۔ یعنی اقامت دین کی عظیم جدوجہد جب "قتال" کے مرحلہ میں داخل ہو جائے تو پھر اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کا حکم ہے۔ اقامت دین کی جدوجہد کے دوران میں ظالمانہ نظام کے خاتمہ اور سرکشوں کی سرکوبی ضروری ہوتی ہے۔ ایسے میں کبھی قتال فی سبیل اللہ کا مرحلہ بھی آتا ہے۔ جہاں ظالموں کے خلاف اقدام کرنے اور حتیٰ کہ انہیں قتل کرنے کی بھی ضرورت پیش آتی ہے تاکہ ظلم کا خاتمہ ہو اور عدل کا نفاذ اور مظلوموں کی دادرسی ہو سکے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا دین قائم و نافذ ہو سکے۔

آیت نمبر ۴۰: جس پر ظلم و زیادتی ہو اس کو اتنا ہی بدلہ لینے کی اجازت ہے۔ یعنی اگر کوئی برائی اور زیادتی کا بدلہ لینا ہی چاہے تو اتنا ہی بدلہ لے جتنی اس پر زیادتی ہوئی ہے۔ دعوت دین کے مرحلہ میں درگزر کا حکم ہے البتہ دین کے غلبہ کی جدوجہد کے دوران اور اس کے نفاذ کے لئے ظالموں کے خلاف اقدام کیا جائے گا۔ جو مخالف کو معاف کر دے اور اصلاح کا راستہ اختیار کرلے تو اس کی صلح جوئی اور معاف کرنے کا اجر و ثواب اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنی طرف سے اسے عطا فرمائے گا۔ لیکن اگر کوئی بدلہ لینے میں زیادتی کرے اور مظلوم ہونے کی بجائے خود ظالم بن جائے تو اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

علمی بات: ۱۔ پہلا اصولی قاعدہ جسے بدلہ لینے میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے بتایا گیا کہ اس کی جائز حد یہ ہے کہ جتنی برائی کسی کے ساتھ کی گئی ہو، اتنی ہی برائی وہ اس کے ساتھ کرلے، اس سے زیادہ برائی کرنے کا وہ حق نہیں رکھتا۔ دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ زیادتی کرنے والے سے بدلہ لے لینا اگرچہ جائز ہے، لیکن جہاں معاف کر دینا اصلاح کا موجب ہو سکتا ہو وہاں اصلاح کی خاطر بدلہ لینے کے بجائے معاف کر دینا زیادہ بہتر ہے۔ چونکہ یہ معافی انسان اپنے نفس پر جبر کر کے دیتا ہے، اس لئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کا اجر ہمارے ذمہ ہے، کیونکہ اس نے بگڑے ہوئے لوگوں کی اصلاح کی خاطر یہ کڑوا گھونٹ پیا ہے۔

اس تنبیہ میں بدلہ لینے کے متعلق ایک تیسرے قاعدے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی شخص کو دوسرے کے ظلم کا انتقام لیتے لیتے خود ظالم نہیں بن جانا چاہیئے۔ ایک برائی کے بدلے میں اس سے بڑھ کر برائی کر گزرنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو ایک تھپڑ مارے تو وہ اسے ایک تھپڑ مار سکتا ہے۔ لات گھونسوں کی اس پر بارش نہیں کر سکتا۔

علمی بات: ۲۔ اس آیت میں بتایا گیا کہ "اور کسی برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے" جب کہ سورۃ حٰمٓ السجدۃ ۴۱، آیت: ۳۴ میں یہ حکم ہوا: "بھلائی اور بُرائی برابر نہیں ہوتی تم (بدی کو) بہترین نیکی سے دفع کرو"۔ اب بظاہر تو ان دونوں احکام میں تضاد نظر آتا ہے لیکن قرآن حکیم کے ایسے مقامات کا مطالعہ اگر حضور ﷺ کی تحریک کے مختلف ادوار کے زمینی حقائق کی روشنی میں کیا جائے اور اس حوالہ سے مکی اور مدنی ادوار کے حالات کے فرق کو مد نظر رکھا جائے تو تمام اشکالات خود بخود دور ہو جاتے ہیں۔ دعوت دین کے مرحلہ میں مکہ میں رہتے ہوئے اگر كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ "اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو" (سورۃ النساء ۴، آیت: ۷۷) کی حکمت عملی اپنانے کی ہدایت تھی تو یہ اس وقت کا تقاضا تھا اور اگر اقامت دین کی جدوجہد کے مرحلہ میں مدینہ میں آکر وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ "اور اُن (کافروں) کو قتل کرو جہاں کہیں بھی تم اُنہیں پاؤ" (سورۃ البقرۃ ۲، آیت: ۱۹۱) کا حکم جاری ہوا ہے تو یہ اس مرحلہ کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اپنے سیاق وسباق کے اعتبار سے آیت زیر مطالعہ کا مفہوم یہ ہے کہ جب دشمن کے ساتھ تمہارا دوبدو مقابلہ شروع ہو جائے تو جس قدر زیادتی تم پر مخالف فریق کرے اس قدر بدلہ تم بھی سکتے ہو۔ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ "پھر جو معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا اَجر اللہ (کے ذمّہ کرم) پر ہے" یہ معاف کرنا اگر اس اعتبار سے ہو کہ اس میں متعلقہ شخص کی اصلاح کا امکان ہو تو اسی میں بہتری ہے۔ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ "بے شک وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔" ظالموں کے لئے البتہ معافی نہیں، ان سے تو بہر حال بدلہ ہی لیا جائے گا۔ اس حکمت عملی کے بارے میں قاتلوں کے بارے میں سزا کا ذکر کرتے ہوئے سورۃ البقرۃ میں آیا ہے: وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ اور اے عقلمندو! تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے۔" (سورۃ البقرۃ ۲، آیت: ۱۷۹)

آیت نمبر ۴۱: ان لوگوں پر کوئی ملامت نہیں جن پر ظلم ہوا ہو اور وہ اس ظلم کا بدلہ لیں۔ یعنی مظلوم کو یہ اجازت ہے کہ وہ اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا بدلہ لے۔ لہٰذا اگر کوئی مظلوم ظالم سے برابری کا بدلہ لیتا ہے تو اس پر مظلوم کا مواخذہ نہیں ہو گا۔

علمی بات: اسلام کا یہ قانون ہے کہ ظالم سے بدلہ لینے کے لئے مظلوم جو کاروائی کرے گا اس پر کسی قسم کی ملامت نہ ہو گی بشرطیکہ وہ حد اعتدال کو پامال نہ کرے۔ مظلوم اپنے اوپر روا رکھے جانے والے مظالم کا بدلہ قانوناً اور شرعاً لے سکتا ہے، اس بابت اس پر کوئی الزام اور گناہ نہیں ہو گا۔ لیکن اس کا صحیح اور بہتر طریقہ کار یہ ہے کہ بدلہ لینے کے لئے قانون کا راستہ اختیار کیا جائے اور کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے جو قانونی اور شرعی طور پر جائز نہ ہو۔

فکری پہلو: بعض لوگ ضرورت سے زیادہ امن پسند ہوتے ہیں۔ مظلوم اگر ظالم کا دست ظلم کاٹنے کے لئے تلوار بے نیام کرتا ہے، تو شور مچانا شروع کر دیتے ہیں اور اس کو جوابی کاروائی پر ملامت کرنے لگتے ہیں۔ حقیقت میں ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے ظالم کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور وہ دل کھول کر لوگوں پر ظلم وستم اور زیادتی کرتا ہے۔ قرآن حکیم نے یہ بتایا ہے کہ ظالم سے انتقام لینے کے لئے مظلوم جو کاروائی کرے گا، بشرطیکہ وہ حد اعتدال سے تجاوز نہ کرے، اس پر کسی قسم کی ملامت نہ ہو گی۔

آیت نمبر ۴۲: بے شک ملامت تو ان لوگوں پر ہے جو دوسروں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق فساد مچاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا بدلہ دردناک عذاب ہے۔

علمی بات: ۱۔ پچھلی آیت میں زیادتی کا بدلہ لینے کا ایک اصول بیان ہوا تھا کہ جس شخص پر جتنا ظلم ہوا ہے، اس کو اتنا بدلہ لینے کی اجازت ہے۔ اگر وہ اپنے اوپر ہونے والے ظلم کے برابر ظالم سے بدلہ لیتا ہے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہو گا۔ اس آیت میں اس کی مزید وضاحت کی گئی ہے کہ دراصل مواخذہ

اور الزام تو ان پر ہوتا ہے جو ظلم وزیادتی کی ابتدا کر کے لوگوں کی جان و مال اور عزت و آبرو پر دست درازی کرتے ہیں اور زمین میں ناحق فتنہ وفساد پھیلاتے ہیں۔ وہ لوگ اگر اپنے کیئے پر نادم نہیں ہوں گے اور اللہ ﷻ کے حضور تائب نہیں ہوں گے تو دنیاوی مواخذہ کے بعد آخرت میں بھی دردناک عذاب سے دوچار ہوں گے۔

علمی بات: ۲۔ عدل وانصاف کی راہ میں اصل رکاوٹ تو وہ لوگ ہیں جو زمین میں سرکشی دکھاتے ہیں جو اللہ ﷻ کی حاکمیت کو تسلیم کرنے کے بجائے خود حاکم بن بیٹھتے ہیں اور عوام الناس کے حقوق پر ڈاکے ڈالتے ہیں، لوٹ مار کا بازار گرم کیئے رکھتے ہیں۔ اللہ ﷻ کے ہاں انسانی معاشرے میں عدل و انصاف کی اہمیت کا اندازہ ان تاکیدی احکام سے لگایا جاسکتا ہے جو پورے قرآن حکیم میں بہت تکرار کے ساتھ آئے ہیں۔ سورۃ آل عمران کی آیت ۱۸ ، سورۃ النساء کی آیت ۱۳۵، سورۃ المائدۃ کی آیت ۸ اور زیر مطالعہ سورت کی آیت ۱۵ میں مختلف انداز اور اسلوب کے ساتھ عدل وانصاف قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

آیت نمبر ۴۳: جو زیادتی پر صبر کر کے ظالم کو معاف کر دے تو یہ اس کے لئے باعث اجر وثواب ہے۔ بلاشبہ یہ بہت ہی ہمت اور حوصلہ کے کاموں میں سے ہے۔

علمی بات: ۱۔ ظلم وزیادتی کا بدلہ وانتقام بقدر ضرورت اگرچہ جائز ہے اور ہر کسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے اوپر کیئے جائے والے ظلم کا بدلہ لے، لیکن اللہ ﷻ کے نزدیک بہتر اور محبوب طریقہ وعمل یہی ہے کہ صبر وبرداشت اور عفو ودرگزر ہی سے کام لیا جائے۔ اصل صفات جو ایک مومن کی پہچان ہیں وہ صبر اور درگزر ہی ہیں۔ کیونکہ یہی وہ صفات ہیں جن سے نامساعد حالات میں بھی کھڑا رہنے کا حوصلہ ملتا ہے۔ اس لئے زیادہ سے زیادہ زور ان ہی دونوں صفات کے حصول پر ہونا چاہیئے۔ ان کے بغیر حق وباطل کی کشمکش میں اللہ ﷻ کی رضا کا حصول آسان نہیں اور وہ استقامت جو اللہ ﷻ کی تائید و نصرت کو دعوت دیتی ہے وہ کبھی نصیب نہیں ہوتی۔ یہ بہرحال ایک عزیمت کا کام ہے جو عزیمت والے لوگ ہی انجام دے سکتے ہیں۔ یہی ایک مومن کا ہدف ہونا چاہیئے۔

علمی بات: ۲۔ کفار مکہ نے نبی کریم ﷺ کو ساحر اور مجنون کہا (معاذ اللہ)، آپ ﷺ کا معاشرتی بائیکاٹ کیا، آپ ﷺ کو شہید کرنے کی سازش کی، آپ ﷺ کو مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا اور آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے ان کا کلیجہ چبایا، لیکن آپ ﷺ نے ان سارے مراحل میں صبر و تحمل سے کام لیا اور جب آٹھ سال بعد آپ ﷺ نے مکہ کو فتح کر لیا تو حرم کعبہ میں ان سخت ترین دشمنوں تک کو معاف فرمادیا۔ صبر و تحمل اور عفو ودرگزر کا جو مثالی مظاہرہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، انسانی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ آپ ﷺ کی شان کریمی دیکھ کر اہل مکہ جوق درجوق آگے بڑھے اور نبی کریم ﷺ کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کرنے لگے۔

آیت نمبر ۴۴: جو اللہ ﷻ کے احکامات سے بغاوت کرتے ہوئے ظلم وزیادتی میں حد سے بڑھ جاتے ہیں، اللہ ﷻ بطور سزا انہیں ہدایت سے محروم کر دیتا ہے اور جسے اللہ ﷻ ہدایت سے محروم کر دے تو اللہ ﷻ کے بعد اس کا کوئی کارساز اور مددگار نہیں۔ روز قیامت ظالم لوگ عذاب کو دیکھ کر حسرت سے کہیں گے کہ دنیا میں واپس جانے کی کوئی صورت ہو سکتی ہے؟ تاکہ ہم دنیا میں واپس جا کر نیک اعمال کر سکیں۔ لیکن اس دن انہیں حسرت اور افسوس کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا۔

علمی و عملی بات: جو لوگ اللہ ﷻ کی بخشی ہوئی صلاحیتوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور اللہ ﷻ کی ہدایت کی قدر نہیں کرتے، بلکہ وہ راہ حق وہدایت سے منہ موڑ کر اور آنکھیں بند کر کے اپنی خواہشات کے پیچھے ہی چلتے رہتے ہیں، ایسے ظالم اور قسمت سے محروم لوگ آج تو اپنی اس روش پر بہت نازاں اور

بڑے خوش ہیں، لیکن قیامت کے دن جب یہ عذاب کو دیکھیں گے اور اپنے کیئے کرائے کے انجام سے دوچار ہوں گے تو اس وقت یہ بڑی حسرت کے ساتھ کہیں گے کہ کیا اب دنیا کی طرف پلٹنے کا کوئی راستہ ہے؟ تاکہ وہاں جا کر کمائی کریں اور اس عذاب سے چھوٹنے کا سامان کر سکیں۔ مگر اس وقت اس کا موقع کہاں اور کیونکر؟ اس کا موقع تو انہوں نے خود دنیا میں ضائع کر دیا ہو گا۔ جس کے نتیجہ میں وہ روزِ قیامت اپنے آخری اور ہولناک انجام کو پہنچ کر رہے ہیں۔

آیت نمبر ۴۵: جب ظالمین دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے تو ذلت کے مارے سر جھکائے اور نظریں نیچے کیئے ہوئے ہوں گے اور چھپی نگاہوں سے آگ کو دیکھ رہے ہوں گے۔ اہل ایمان انہیں ملامت کریں گے اور کہیں گے کہ اصل خسارہ میں تو وہ رہے جنہوں نے خود کو اور اپنے اہل وعیال کو آخرت کی تیاری سے غافل رکھا اور آج کے خسارہ سے دوچار ہوئے۔ بلاشبہ ظالم لوگ دائمی عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

علمی بات: ا۔ قیامت کے دن ظالموں کی ذلت ورسوائی کی تصویر پیش کی گئی ہے۔ جب وہ جہنم کے روبرو پیش کیئے جائیں گے تو ان کی حالت یہ ہو گی کہ مارے ذلت کے جھکے ہوئے ہوں گے اور آدھ کھلی آنکھوں سے چپکے چپکے آگ کو دیکھ رہے ہوں گے۔ انسان کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی ہولناک منظر اس کے سامنے ہوتا ہے اور وہ جان رہا ہوتا ہے کہ عنقریب وہ اس بلا کے چنگل میں آنے والا ہے تو پہلے تو ڈر کے مارے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ پھر اس سے رہا نہیں جاتا۔ دیکھنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ بلا کیسی اور ابھی اس سے کتنی دور ہے۔ لیکن اس کی بھی ہمت نہیں پڑتی کہ سر اٹھا کر نگاہ بھر کر اسے دیکھے۔ اس لئے بار بار ذرا سی آنکھیں کھول کر یا آدھ کھلی آنکھ سے دیکھتا ہے اور پھر ڈر کے مارے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ قیامت کے دن کچھ ایسی ہی کیفیت ان ظالموں کی ہو گی جن کو جہنم رسید کرنے کا فیصلہ سنا دیا جائے گا۔ ذلت اور شرم کی وجہ سے ان کے سر جھکے ہوئے ہوں گے اور وہ خوفزدہ ہو کر چوری چوری کی آنکھوں سے جہنم کی طرف دیکھ رہے ہوں گے کہ انہیں کب اور کس طرح جہنم میں پھینکا جائے گا۔

علمی بات: ۲۔ ظالموں کے انجام بد کو دیکھ کر ایمان والے پکار اٹھیں گے کہ بے شک حقیقی نامراد اور خسارے والے یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال اور متعلقین کو قیامت کے دن کے اس خسارے میں مبتلا کیا۔ دنیا میں تو کافر ہمیں بے وقوف اور دنیوی خسارے کا حامل سمجھتے تھے جبکہ ہم دنیا میں صرف آخرت کو ترجیح دیتے تھے اور دنیا کے خساروں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ آج دیکھ لو حقیقی خسارہ سے کون دوچار ہے؟ وہ جنہوں نے دنیا کی عارضی خسارے کو نظر انداز کیئے رکھا اور آج وہ جنت کے مزوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں، یا وہ جنہوں نے دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ رکھا تھا اور نہ صرف خود ہی گمراہ ہوئے بلکہ اپنے ساتھ اپنے متعلقین اور گھر والوں کو بھی لے ڈوبے، آج ایسے عذاب میں گرفتار ہیں جس سے اب چھٹکارا ممکن ہی نہیں۔

آیت نمبر ۴۶: روز آخرت ظالموں کا کوئی حمایتی نہیں ہو گا جو اللہ ﷻ کے مقابلہ میں ان کی مدد کر کے انہیں عذاب سے چھڑا سکے اور جس کی اللہ ﷻ رہنمائی نہ فرمائے اس کی نجات کے لئے کوئی راستہ نہیں۔ یعنی جسے اللہ ﷻ کی تائید حاصل نہ ہو اسے نہ دنیا میں ہدایت حاصل ہوتی ہے اور نہ آخرت میں اسے نجات ملے گی۔

علمی و عملی بات: دنیا و آخرت میں ہدایت اور نجات اللہ ﷻ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ جسے اللہ ﷻ ہدایت اور نجات دیتا ہے صرف اسے ہی دنیا میں ہدایت اور آخرت میں نجات ملے گی۔ مگر جو ظلم و سرکشی کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اللہ ﷻ اسے دنیا میں گمراہ کر دیتا ہے اور آخرت میں سخت عذاب دے گا جس سے کوئی اسے بچا نہ سکے گا۔ لہٰذا عقل مند وہی ہے جو دنیا میں اللہ ﷻ کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط بنائے، اس کی فرماں برداری کرے اور ہر قسم کے ظلم و سرکشی سے بچے۔ جس کے نتیجہ میں اسے اللہ ﷻ کی طرف سے دنیا میں ہدایت نصیب ہو گی اور آخرت میں نجات ملے گی۔

آیت نمبر ۴۷: اللہ ﷻ کی طرف سے دعوت دی گئی ہے کہ اپنے رب کی پکار پر لبیک کہو اور اس کا حکم مان لو۔ زیر مطالعہ سورت کی آیت نمبر ۱۳ میں اقامت دین کا حکم آیا ہے۔ اس تقاضا پر عمل بھی لازم ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ دن آجائے جس کا ٹلنا ناممکن ہے۔ مراد انسان کی موت کا دن بھی ہو سکتا ہے اور قیامت کا دن بھی۔ گویا انسان کو چاہیئے کہ قیامت یا اپنی موت سے پہلے پہلے اللہ ﷻ کی اطاعت وبندگی اختیار کرلے۔ اس دن اللہ ﷻ کے مقابلہ میں انسان کے لئے کوئی پناہ گاہ نہیں ہوگی اور نہ ہی اس کا کوئی عذر قابل قبول ہوگا نہ اس دن انسان کے لئے گناہوں سے انکار کی کوئی گنجائش ہوگی۔

علمی بات:۱۔ اللہ ﷻ نے سخت ڈانٹ ڈپٹ کے انداز میں لوگوں کو دعوت حق دی ہے۔ اللہ ﷻ نے فرمایا ہے کہ اے لوگو! تم اپنے رب کا حکم مان لو، اس کی اطاعت اختیار کرلو، قبل اس سے کہ وہ ہولناک دن آجائے جس کے ٹلنے کی پھر کوئی صورت ممکن نہیں ہوگی۔ پس اس فرصت حیات کو تم لوگ غنیمت جانو جو آج تمہیں میسر ہے کہ یہ لحظہ بہ لحظہ ہاتھ سے نکلی جارہی ہے۔ جب ہاتھ سے نکل گئی تو پھر اس کے واپس آنے کی کوئی صورت ممکن نہیں۔ لہٰذا جو ایمان سے محروم ہے وہ ایمان لاکر اور جو عمل صالح اور تقویٰ سے محروم ہے وہ عمل صالح اور تقویٰ کو اپنا کر اس ہولناک دن کی تیاری میں لگ جائے۔ زندگی کی محدود اور مختصر فرصت کو غنیمت سمجھے۔ بہر کیف اس ہولناک دن کے آنے کے بعد نہ کسی کے لئے کوئی پناہ ممکن ہوگی اور نہ ہی کسی کے لئے کسی طرح کے انکار کی کوئی گنجائش ہوگی۔

علمی بات:۲۔ اسی پکار پر لبیک کرنے کا حکم دیا جارہا ہے جس کا حکم اس سورت کی آیت:۳۸ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ "اور جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں" میں دیا گیا تھا۔ البتہ وہاں یہ ذکر غلبہ دین کی جدوجہد کرنے والوں کے وصف کے طور پر آیا تھا لیکن یہاں اس کے لئے ترغیب وتشویق کا انداز ہے کہ اے لوگو! اب جبکہ تم نے یہ تمام احکام پڑھ لیئے ہیں، غلبہ دین کے حوالہ سے تم نے اپنے فرائض کو سمجھ لیا ہے، تو اب آگے بڑھو! اور اپنے رب کی پکار پر فوراً لبیک کہو! اس سے پہلے کہ موت تمہارے سامنے آن کھڑی ہو، تم اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ "دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو "(سورۃ الشوریٰ ۴۲، آیت:۱۳) کے حکم پکار پر لبیک کہتے آگے بڑھو! اور اپنی مدت مہلت ختم ہونے سے پہلے پہلے کرنے کا یہ اصل کام کرلو! ایسا نہ وہ دن آجائے اور پھر تم بالکل بے بس اور مجبور کھڑے رہ جاؤ اور سوائے حسرت اور افسوس کرنے کے تمہارے پاس کچھ نہ ہو اور نہ ہی اپنی حالت کو تبدیل کرنا تمہارے بس میں ہوگا۔

علمی بات:۳۔ "اور نہ تمہارے لئے انکار کی کوئی صورت ہوگی" کے متعدد مطالب بیان کیئے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ نکیر کا معنیٰ انکار کرنا ہے، یعنی قیامت کے روز جب ان کا دفتر عمل کھول کر ان کے سامنے رکھا جائے گا، تو انہیں یہ طاقت نہ ہوگی کہ اس کے مندرجات کا انکار کرسکیں۔ دوسرا معنیٰ ناصر اور مددگار کیا ہے، یعنی قیامت کے دن ان کا کوئی ایسا مددگار نہ ہوگا جو انہیں عذاب الٰہی سے چھڑا سکے۔ تیسرا معنیٰ مُنکِر یعنی بدل دینے والا تبدیل کردینے والا لکھا ہے۔ یعنی کوئی ایسا آدمی انہیں نہیں ملے گا جو اس عذاب میں ردوبدل کرسکے۔

آیت نمبر ۴۸: اللہ ﷻ نے اپنے رسول ﷺ کو تسلی دی ہے کہ آپ ﷺ کی تبلیغ کے باوجود اگر کفار ایمان نہیں لاتے، تو آپ ﷺ غمگین نہ ہوں۔ آپ ﷺ ان کے ایمان لانے کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ اسلام کا پیغام پہنچانا آپ ﷺ کی ذمہ داری تھی وہ آپ ﷺ نے بھرپور طریقہ سے پوری فرما دی۔ اس کے بعد فرمایا کہ نافرمان لوگوں کی عجیب روش ہے کہ اللہ ﷻ کی عنایات پر اتراتے ہیں اور کسی کو خاطر میں نہیں لاتے۔ جب ان کے جرائم کی انہیں سزا دی جاتی ہے تو ناشکری کرنے لگتے ہیں اور ان نعمتوں کو بھول جاتے ہیں جو انہیں پہلے عطا کی گئی تھیں۔

علمی بات:۱۔ حضور اکرم ﷺ کی ذمہ داری اللہ ﷻ کا پیغام امت تک پہنچانا تھا۔ آپ ﷺ نے یہ ذمہ داری بڑے احسن طریقہ سے ادا فرما دی۔ آپ ﷺ کی دعوت وتبلیغ کے نتیجہ میں بہت سارے لوگ مسلمان ہوگئے، لیکن کئی کفار مکہ مسلمان نہ ہوئے۔ اس پر آپ ﷺ کو بہت رنج تھا کہ یہ

کفار مسلمان نہیں ہو رہے۔ لہٰذا اللہ ﷻ نے اپنے محبوب ﷺ کو تسلی دی کہ یہ کفار آپ ﷺ کی اتنی مخلصانہ کوششوں کے باوجود حق کو قبول نہیں کرتے بلکہ روگردانی کیئے ہوئے ہیں، تو آپ ﷺ رنجیدہ ہرگز نہ ہوں۔ ان کی گمراہی کے بارے میں آپ ﷺ سے قطعاً کوئی سوال نہ ہوگا۔ آپ ﷺ کا فرض پیغام حق کا پہنچانا تھا۔ آپ ﷺ نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔ اب بھی اگر وہ باطل پر اڑے ہوئے ہیں تو یہ ان کی اپنی بدبختی ہے اور اس کی سزا وہ خود بھگتیں گے۔

علمی بات: ۲۔ کافر، نافرمان اور کم ظرف انسان کی یہ روش ہوتی ہے کہ جب اللہ ﷻ اس پر اپنی رحمت سے کوئی انعام فرماتا ہے تو وہ خوشی سے پھولا نہیں سماتا اور تکبر کرنے لگتا ہے اور جب اس پر اس کے اپنے ہی کرتوتوں کی وجہ سے کوئی مصیبت آتی ہے تو ساری نعمتوں کو بھول کر ناشکری پر اتراتا ہے اور شکوے شکایت کرتا ہے کہ میں تو ہمیشہ سے ایسی ہی خستہ حال زندگی بسر کر رہا ہوں۔ میں نے تو عمر بھر کبھی خوشی دیکھی ہی نہیں۔ اس کے برعکس اس دنیا میں عمدہ انسان وہ ہے جو ہر حال میں اس کا مناسب ردعمل ظاہر کرے یعنی کوئی اگر مسرت و شادمانی حاصل ہو تو منعم حقیقی کا شکر بجالائے اور اگر کوئی مصیبت نازل ہو تو صبر و ضبط سے کام لے۔

آیت نمبر ۴۹: آسمان اور زمین کا بادشاہ حقیقی صرف اللہ ﷻ ہے، اس کی بادشاہت میں کسی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ وہ جیسے چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے اور جو چاہتا ہے تخلیق فرماتا ہے۔ کسی کو اولاد کے طور پر صرف بیٹیاں عطا کرتا ہے اور کسی کو صرف بیٹے عطا کرتا ہے۔

علمی بات: اللہ ﷻ کی اس قدرتِ تخلیق میں کسی کے لئے حیل و حجّت اور دخل اندازی کرنے کی گنجائش نہیں۔ وہ اگر اولاد نہ دینا چاہے تو کوئی زبردستی نہ خود اپنے گھر میں اولاد پیدا کر سکتا ہے اور نہ دوسروں کو دے سکتا ہے۔ اگر اللہ ﷻ کسی کو بیٹیاں دینا چاہے تو کوئی اپنی خواہش سے بیٹے پیدا نہیں کر سکتا اور اگر بیٹے دینا چاہے تو کوئی شخص اپنے لئے یا دوسروں کے لئے بیٹیوں کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ وہی جانتا ہے کس شخص کو کیا ملنا چاہیئے؟ وہی ہر طرح کی قدرت کا مالک بھی ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ تو پھر جو منکرین اللہ ﷻ کی الوہیت کو تسلیم کرنے سے گریز کرتے ہیں اور اس کی حاکمیت میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں تو اس سے حقیقت تو تبدیل نہیں ہو سکتی۔

علمی نکتہ: اس آیت میں یَهَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ اِنَاثًا کے الفاظ میں لڑکی عطا کرنے کا ذکر چونکہ پہلے ہے، اس سے بعض علماء نے یہ نکتہ بھی اخذ کیا ہے کہ عورت کی یہ برکت ہے کہ سب سے پہلے اس کی لڑکی پیدا ہو۔

آیت نمبر ۵۰: اولاد دینے کا اختیار صرف اللہ ﷻ کے پاس ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے۔ یا پھر وہ کسی کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں عطا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اولاد سے محروم رکھتا ہے۔ بے شک اللہ ﷻ ہی ہر تخلیق کو جاننے والا اور بڑی قدرت والا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔

علمی بات: اولاد کے سلسلہ میں لوگوں کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) وہ لوگ جن کو اللہ ﷻ صرف بیٹیاں ہی دیتا ہے۔ بیٹے کے لئے وہ ترستے رہتے ہیں اور ان کی حسرت پوری نہیں ہوتی۔ (۲) وہ لوگ جن کو صرف بیٹے دیئے جاتے ہیں۔ (۳) جن کو ملے جلے بیٹے اور بیٹیاں عطا فرماتا ہے۔ (۴) وہ لوگ جو بانجھ ہیں جن میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو چکی ہے۔ ان کے ہاں نہ بیٹا پیدا ہوتا ہے اور نہ بیٹی۔ ان تمام صورتوں میں اولاد دینا یا نہ دینا اللہ ﷻ ہی کے قبضہ و قدرت اور اختیار میں ہے۔ اللہ ﷻ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس کو کیا دینا ہے اور کیا نہیں دینا ہے۔ اللہ ﷻ اپنی حکمت اور مصلحت کے تحت تخلیق کا یہ عمل فرماتا ہے۔

فکری پہلو: یہ اللہ ﷻ کی بادشاہی کے مطلق (Absolute) ہونے کا ایک کھلا ہوا ثبوت ہے۔ کوئی انسان، خواہ وہ بڑے سے بڑے دنیوی اقتدار کا مالک بنا پھرتا ہو، یا روحانی اقتدار کا مالک سمجھا جاتا ہو، کبھی اس پر قادر نہیں ہو سکا ہے کہ دوسروں کو دلوانا تو درکنار، خود اپنے ہاں اپنی خواہش کے مطابق، اولاد پیدا کر سکے۔ جسے اللہ ﷻ نے بانجھ کر دیا وہ اس کے حکم اور مرضی کے بغیر کسی دوا، کسی علاج اور طریقہ سے اولاد والا نہ بن سکا، جسے اللہ ﷻ نے لڑکیاں ہی لڑکیاں دیں وہ ایک بیٹا بھی کسی تدبیر سے حاصل نہ کر سکا، اور جسے اللہ ﷻ نے لڑکے ہی لڑکے دیئے وہ ایک بیٹی بھی کسی طرح نہ پا سکا۔ اس معاملہ میں ہر ایک قطعی بے بس رہا ہے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر بھی اگر کوئی خدا کی خدائی میں مختار کل ہونے کا گمان کرے، یا کسی دوسری ہستی کو اختیارات میں شریک سمجھے تو یہ اس کی اپنی ہی بے بصیرتی ہے جس کا خمیازہ وہ خود بھگتے گا۔

آیت نمبر ۵۱: اس دنیا میں انسان کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ ﷻ اس سے براہ راست کلام کرے اور بندہ براہِ راست اللہ ﷻ کی بات سن سکے۔ چنانچہ اللہ ﷻ اپنے بندوں تک پیغام پہنچانے کے لئے تین طریقے اختیار کرتا ہے۔ ایک یہ کہ اللہ ﷻ کسی کے دل میں بات ڈال دیتا ہے یعنی الہام کر دیتا ہے۔ دوسرے یہ کہ پردہ کے پیچھے سے کلام کرتا ہے۔ تیسرے یہ کہ اللہ ﷻ فرشتے کے ذریعہ سے اپنی وحی بھیجتا ہے۔

علمی بات: اس دنیا میں اللہ ﷻ کسی انسان سے روبرو ہم کلام نہیں ہوتا، البتہ تین طریقوں میں سے کوئی طریقہ اختیار فرماتا ہے جسے وحی کہا جاتا ہے۔ ا۔ "القاء یا الہام" یعنی دل میں کوئی بات ڈالنا یا خواب میں بتلا دینا۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ خواب آیا تھا کہ میں اپنے بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: " حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا، اے میرے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ " (سورۃ الصافات ۳۷، آیت:۱۰۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ خواب اللہ ﷻ کی طرف سے وحی تھا۔ ۲۔ پردہ کے پیچھے سے ہم کلام ہونا یعنی کوئی صورت نظر آئے بغیر کوئی بات سنا دی جائے۔ جیسے اللہ ﷻ نے کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ ﷻ کا کلام سنا لیکن اللہ ﷻ کو دیکھ نہیں سکے تھے۔ ۳۔ اللہ ﷻ فرشتہ کو بھیجتا ہے اور وہ اللہ ﷻ کا پیغام نبی علیہ السلام تک پہنچاتا ہے۔ جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ ﷻ کا پیغام لے کر آتے اور پیغمبروں کو سناتے رہے۔ اللہ ﷻ نے اپنا کلام قرآن مجید حضرت جبرائیل کے ذریعہ حضور ﷺ پر اسی طریقہ سے نازل فرمایا۔ (تفہیم القرآن، بیان القرآن، تفسیر آسان قرآن)

فرمان نبوی ﷺ: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ پر وحی کیسے نازل ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وحی نازل ہوتے وقت کبھی مجھ کو گھنٹی کی سی آواز محسوس ہوتی ہے اور وحی کی یہ کیفیت مجھ پر بہت شاق گزرتی ہے۔ جب یہ کیفیت ختم ہو جاتی ہے تو میرے دل و دماغ پر اس (فرشتہ) کے ذریعہ نازل شدہ وحی محفوظ ہو جاتی ہے اور کسی وقت ایسا ہوتا ہے کہ فرشتہ بشکل انسان میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے۔ پس میں اس کا کہا ہوا یاد رکھ لیتا ہوں۔ (صحیح بخاری)

آیت نمبر ۵۲: یہاں روح سے مراد قرآن حکیم ہے۔ جس طرح حضور ﷺ سے پہلے اللہ ﷻ رسولوں پر وحی فرماتا رہا، اسی طرح اللہ ﷻ نے آپ ﷺ پر وحی کے ذریعہ قرآن حکیم نازل فرمایا۔ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو احکامات اور ایمان کی تفصیلات قرآن حکیم کے ذریعہ عطا فرمائیں۔ اللہ ﷻ نے اس قرآن حکیم کو روشنی بنایا ہے جس کے ذریعہ سے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ہدایت عطا فرماتا ہے۔ مراد قرآن حکیم سے ہدایت و رہنمائی ان ہی کو ملتی ہے جو قرآن حکیم کو ہدایت کی نسبت سے پڑھتے، سنتے اور غور کرتے ہیں۔ پھر اللہ ﷻ ہدایت کا راستہ ان کے لئے ہموار کر دیتا ہے۔ بلاشبہ آپ ﷺ ایمان اور عمل کی ہدایت پہنچا کر لوگوں کی سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں۔

علمی بات: اس آیت میں "روح" سے مراد قرآن حکیم ہے۔ قرآن حکیم کو روح سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ کہ وہ انسان کو حقیقی زندگی عطا کرتا ہے، وہ انسان کے لئے آبِ حیات ہے اور ایسا لطیف اور موثر کلام ہے کہ باطن کو ایک خاص روح (Spirit) سے بھر دیتا ہے۔ جس طرح روح انسان

کے جسم کی زندگی کا سبب ہے اسی طرح قرآن حکیم انسان کے دل کی زندگی کا سبب ہے اور جس طرح رحمت کی بارش بنجر اور خشک زمین کو زندگی اور تروتازگی دیتی ہے، اسی طرح قرآن مجید بھی مردہ اور غافل دلوں کو معرفت اور یادِ الٰہی سے زندہ کرتا ہے۔ کسی رسول کو جو کچھ بھی علم ملتا ہے وہ سب اللہ ﷻ ہی کا عطیہ ہے اور جب تک اللہ ﷻ بذریعہ وحی ان کو یہ نہ بتلادے تو انہیں کسی کتاب کی واقفیت ہو سکتی ہے نہ اس کی تفصیلات۔ قبل وحی ایمان سے واقفیت نہ ہونے کے معنیٰ یہ ہیں کہ ایمان کی تفصیلات اور شرائع ایمان یا ایمان کا اعلیٰ مقام جو بعد وحی حاصل ہوتا ہے، وحی سے پہلے اس کی واقفیت نہیں ہوتی۔ ورنہ باجماع امت یہ بات ثابت ہے کہ اللہ ﷻ جس انسان کو اپنا رسول و نبی بناتا ہے اس کو ابتدا ہی سے ایمان پر پیدا فرماتا ہے۔ ان کی فطرت ایمان پر مبنی ہوتی ہے۔ عطاءِ نبوت اور نزول وحی سے پہلے بھی وہ پکے مومن ہوتے ہیں۔ اصول ایمان ان کی فطرت و خلقت میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ روح محمدی ﷺ میں تمام انسانی ارواح سے زیادہ قوی ایمان موجود تھا۔ اکثر علماء کرام نے اس کی تعبیریوں کی ہے کہ آپ ﷺ کی مبارک روح کے اندر اجمالی ایمان پہلے سے موجود تھا جبکہ آپ ﷺ کو تفصیلی ایمان قرآن حکیم سے ملا۔ آپ ﷺ بنی نوع انسان کو راہ ہدایت دکھانے کے لئے مینارہ نور بن گئے۔ جیسے کہ ساحل پر موجود روشنی کا مینار جہازوں کو بندرگاہ تک پہنچنے کا راستہ دکھاتا ہے۔

آیت نمبر ۵۳: رسول اللہ ﷺ اس اللہ ﷻ کے راستہ کی طرف رہنمائی فرمارہے ہیں جو آسمان و زمین کی ہر چیز کا حقیقی مالک ہے اور اسی کے اختیار میں پوری کائنات ہے۔ یہی راہِ نجات ہے۔ حق کا انکار کرنے والوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ روز قیامت تمام معاملات اللہ ﷻ کی عدالت میں پیش ہوں گے اور وہی حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا۔

علمی بات: ۱۔ سیدھا راستہ صرف وہی راستہ ہے جس کی طرف قرآن حکیم اور رسول اللہ ﷺ نے رہنمائی فرمائی ہے۔ یہی راستہ اللہ ﷻ کا راستہ ہے جو کائنات کا فرماں روا، مالک اور بادشاہ ہے۔ اسی راہ پر چل کر انسان اللہ ﷻ تک پہنچتا ہے اور جو اس راہ سے بھٹکا تو وہ اللہ ﷻ کی راہ نہیں، سب شیطان کی راہیں ہیں۔

علمی بات: ۲۔ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے قیامت کے دن وہ سب اللہ ﷻ کے حضور پیش ہو گا۔ آخر کار اسی کی عدالت سے یہ فیصلہ ہو گا کہ کس کا کیا انجام ہونا چاہیئے۔ چونکہ اللہ ﷻ کے تمام فیصلے عدل وانصاف کے مطابق ہوتے ہیں، لہٰذا ظاہر ہے اس دن نیکوکار جنت کے مستحق قرار پائیں گے اور نافرمانوں کو جہنم ہی جانا پڑے گا۔ اس معنیٰ کے لحاظ سے اس جملہ میں فرماں بردار لوگوں کے لئے خوشخبری اور نافرمانوں کے لئے سخت وعید ہے۔

مشقوں کے جوابات

سوال ۱: خالی جگہیں پُر کریں:

(۱) آیت:۵ میں ذکر ہے کہ فرشتے اللہ ﷻ کی تسبیح کرتے ہیں اور اہل زمین کے لئے مغفرت مانگتے رہتے ہیں۔

(۲) آیت:۱۱ میں ذکر ہے کہ اللہ ﷻ کی مثال دینا ہی ممکن نہیں ہے۔

(۳) آیت:۱۴ کے مطابق تفرقہ کی اصل وجہ آپس کی ضد ہوتی ہے۔

(۴) آیت:۴۳ کے مطابق صبر کرنا اور معاف کرنا بڑی ہمت کے کام ہیں۔

(۵) آیت:۵۲ کے مطابق ایمان کے حصول کا ذریعہ قرآن حکیم کو قرار دیا گیا ہے۔

سوال ۲: مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجیے:

۱- پہلے رکوع کی روشنی میں جواب دیجیے کہ قیامت اور اس دن لوگوں کے انجام کے بارے میں کیا ذکر کیا گیا ہے؟

قیامت جمع ہونے کا دن ہے جس سے خبر دار کیا گیا ہے اور اس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ اس دن ایک گروہ جنّت میں ہو گا اور ایک گروہ بھڑکتی آگ میں۔

۲- دوسرے رکوع کی روشنی میں جواب دیجیے کہ اللہ ﷻ نے جلیل القدر رسولوں کو اور ان کی اتباع کرتے ہوئے ہمیں کیا حکم فرمایا؟

اللہ ﷻ نے تمہارے لئے دین کا وہی طریقہ مقرر فرمایا ہے جس کا حکم اس نے حضرت نوح علیہ السلام کو دیا تھا اور جس کی وحی آپ ﷺ کی طرف بھیجی ہے اور جس کا حکم اللہ ﷻ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا کہ دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔ اسی لئے اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ اللہ ﷻ کے ان جلیل القدر رسولوں علیہم السلام کی اتباع کرتے ہوئے ہم بھی دین کو قائم کرنے کی جدوجہد میں لگے رہیں۔

۳- دوسرے رکوع میں آپ ﷺ کو اللہ ﷻ نے اہل کتاب (یہود) کے بارے میں کیا خصوصی ہدایات عطا فرمائیں؟

آپ (ﷺ) فرما دیجیے میں ہر کتاب پر ایمان لایا جو اللہ ﷻ نے نازل فرمائی ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل قائم کروں اللہ ﷻ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال۔ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں۔

۴- چوتھے رکوع کی روشنی میں جواب دیجیے کہ نیک لوگوں کے کیا اوصاف بیان کیئے گئے ہیں؟

نیک لوگوں کے یہ اوصاف بیان ہوئے ہیں کہ وہ لوگ جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں اور جب اُنہیں غصّہ آتا ہے (تو) معاف کر دیتے ہیں اور وہ اپنے رب کا حکم مانتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ان کے معاملات آپس کے مشورے سے طے ہوتے ہیں اور جو کچھ رزق ہم نے اُنہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

۵- پانچویں رکوع کی روشنی میں جواب دیجیے کہ اللہ ﷻ نے اولاد کے بارے میں کیا ذکر فرمایا ہے؟

اولاد کے حوالہ سے چار باتیں بیان ہوئی ہیں:

i۔ اللہ ﷻ جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا فرماتا ہے۔ ii۔ جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے۔ iii۔ جس کو چاہتا ہے لڑکے اور لڑکیاں ملا کر جوڑے عطا فرماتا ہے۔ iv۔ جسے چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے۔ پھر آخر میں بیان ہوا کہ بے شک وہ خوب جاننے والا بڑی قدرت رکھنے والا ہے۔